سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ
دیوتا
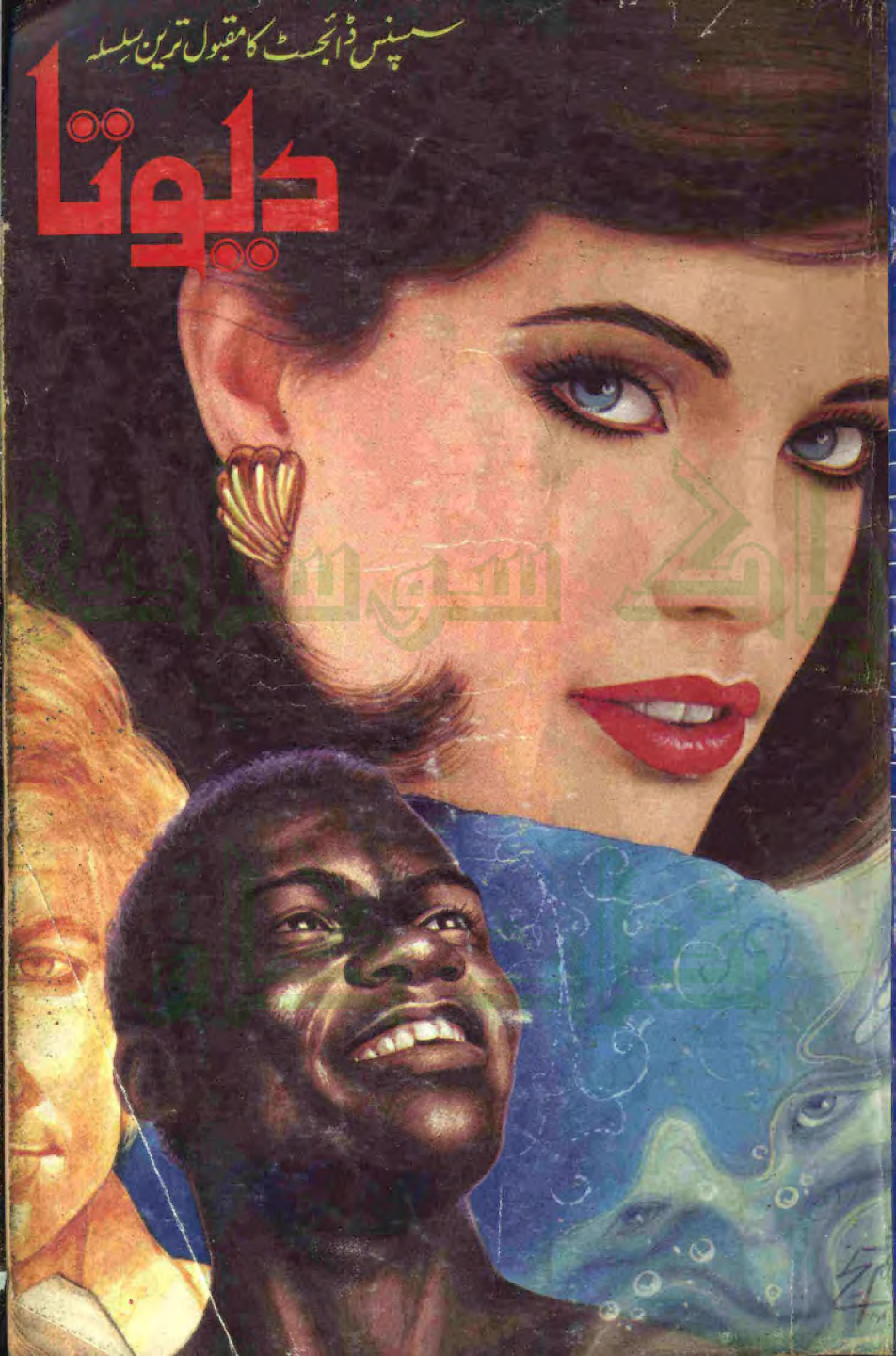
سسپنس ڈائجسٹ میں سلسلے وار شائع ہونے والی مقبول ترین کہانی
سوچ نگر کے شہزادے **فرہاد علی تیمور** کی سرگزشت

دیوتا

ساتواں حصّہ

راوی:— فرہاد علی تیمور
مصنّف:— محی الدّین نواب

○

کتابیات پبلی کیشنز ○ پوسٹ بکس نمبر ۲۳ - کراچی - ۱

فرہاد علی تیمور

اس نے میرے سینے کی دیوار سے اپنے سر کو بار بار ٹکراتے ہوئے کہا: "بے ایمان، دغاباز! اتنے دنوں سے کہاں تھے؟ کیا میری یاد کبھی نہیں آئی؟"

"تمہاری یاد بار بار آتی اور ہر بار میں کسی نہ کسی بہانے خیال خوانی کے ذریعے تمہارے پاس پہنچتا رہا۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم صرف مجھے بہلانے کے لیے دماغی رابطہ قائم کرکے چلے آتے تھے۔ پھر کچھ باتیں کرکے، کچھ چھیڑ چھاڑ کرکے چلے جاتے تھے۔ تم نے مجھے بس بہلاوے کی ایک چیز بنا لیا ہے۔"

"سونیا! تم ایسی چیز ہو جس سے میں بہل تو جاتا ہوں لیکن تمہیں نہیں بہلا سکتا۔"

کبھی وہ بول رہی تھی اور میں سن رہا تھا۔ کبھی میں بولتا تھا اور وہ سنتی تھی۔ کبھی وہ شکایتیں کرتی تھی تو میں نرمی سے محبت سے اس کی شکایتوں کو بھلا دیتا تھا۔ وہ مجھے کیا ملی کہ میرا ماضی مجھے مل گیا۔ پہلی ملاقات سے لے کر آج تک کی ملاقات میں جتنے راز و نیاز تھے، جتنے دلربائی کے انداز تھے وہ ایک ایک کرکے لوٹ آتے تھے۔ مجھے ایک گمشدہ خزانہ مل گیا تھا۔

اس رات ہمارے سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ نیند ہماری آنکھوں سے اڑ گئی تھی۔ سونیا بھر کی شکایتیں تھیں اور ان شکایتوں کے کچھ ایسے جواب تھے جو صحیح نہ ہوتے ہوئے بھی محبت کے واسطے سے قبول کیے جا رہے تھے اور وہ قبول کر رہی تھی۔ میری ہر غلطی کو وہ میرے ہرجائی پن کو نظر انداز کر رہی تھی۔ بار بار یہ وعدے لے رہی تھی کہ اب میں اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا اور نہ ہی وہ مجھے موقع دے گی کہ میں اسے چھوڑ کر جاؤں۔

ہم نے بہت ساری باتیں کیں۔ پھر بھی بہت ساری باتیں رہ گئیں۔ رات چھوٹی پڑ گئی۔ جب صبح قریب آنے لگی تو میں نے کہا: "سونیا! میں تو ہمیشہ تمہیں اپنی دھڑکنوں سے لگائے رکھنا چاہتا ہوں لیکن میں مجبور ہوں کہ تم اکیلی میری زندگی میں نہیں آئی ہو۔ رسونتی بھی ہے۔ وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے اور ایک عورت کسی کو جب اپنا سب کچھ سمجھ لیتی ہے تو تم ایک عورت کی حیثیت سے رسونتی کے دل کی بات کو بھی سمجھ سکتی ہو۔"

سونیا نے ذرا روٹھے ہوئے انداز میں کہا: "وہ مرجانہ بھی تو ہے۔ اسے کیوں بھول رہے ہو؟"

"مرجانہ کی بات یہ ہے کہ وہ عورتوں کے سے انداز میں نہیں سوچتی ہے اور نہ ہی اس انداز سے محبت کرتی ہے۔ ابھی ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ وہ میری محبوباؤں کی فہرست میں آتی ہو۔ میں تو صرف تمہاری اور رسونتی کی بات کر رہا ہوں۔"

"فرہاد! جب تم مجھ سے باتیں کیا کرو تو باتیں بنانے کے فن سے باز آ جایا کرو۔ تم جو مرجانہ کے متعلق تقریر کر رہے ہو، تو سونیا اس تقریر کے فریب میں آنے والی نہیں ہے۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ وہ بے چاری رومانہ بھی پتھر تھی پتھروں جیسی زندگی گزار رہی تھی۔ تم نے اسے عورت بنا دیا یہی بدمعاشی مرجانہ سے بھی کرو گے۔ میں پیشگوئی کرتی ہوں تم اسے ابھی سے لکھ کر رکھ لو۔"

"تم تو حالات کو سمجھتی نہیں ہو اور خواہ مخواہ بحث کرتی ہو۔ بڑی نجومیوں کی طرح پیشین گوئی کرنے لگی ہو۔ بھئی اگر حالات ایسے ہوئے کہ اس کے اندر خود عورت پن پیدا ہو گیا یا شاید ہو رہا ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ کیا میں اس سے دور بھاگنا شروع کر دوں گا؟"

ہوں۔ تو یہی چاہئے کہ دوستی کم سے کم ہو۔ تمہارے دوستوں کا حلقہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور وہ جو دوست ہوتے ہیں، وہ زنانہ دوست ہوتے ہیں۔ آخر مرجانہ کو دوست بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

"یوں اگر سوال کیا جائے تو پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے رسونتی کو میں نے دوست کیوں بنایا۔ پھر اس سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں نے سونیا کو دوست کیوں بنایا؟ اگر ان سب کی دوستی کے پیچھے جھانک کر دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ ان میں ایسی ایسی خوبیاں تھیں، ایسی صلاحیتیں تھیں جو عام عورتوں سے ہٹ کر ہیں۔ یہ بات تم ثابت نہیں کر سکتیں کہ مجھے سونیا، رسونتی یا مرجانہ کے حسن و شباب نے اپنی طرف کھینچا ہے۔ نہیں، حسن و شباب تو اس دنیا کے ہر ملک میں، ہر گلی کوچے میں بکھرا پڑا ہے لیکن سونیا، رسونتی اور مرجانہ بہت مشکل سے کہیں کہیں نظر آتی ہیں اور جب ایسی ہستیاں نظر آتی ہیں تو میں انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ میں باصلاحیت ہستیوں کی قدر کرتا ہوں۔ خواہ وہ عورت ہو یا مرد۔"

"اونہہ۔ تمہاری زندگی میں باصلاحیت عورتیں ہی آتی رہی ہیں، کبھی کوئی مرد بھی آیا ہے؟"

"تم سے بات کرتے وقت تو کھوپڑی کے اندر دماغ جل جاتا ہے۔ بھئی اسی موضوع پر دوسرے انداز میں گفتگو کرو۔ مجھے طعنے نہ دو۔"

"مثلاً کس انداز میں تمہارے ساتھ گفتگو کی جائے؟"

"اس انداز میں کہ میرے ساتھ اب تین عورتیں وابستہ ہیں۔ تینوں کی دوستی مجھے عزیز ہے۔ اب فیصلہ یہ ہونا ہے کہ میں تینوں کے ساتھ کیسے دوستی نبھا سکتا ہوں۔ تم تو وضاحت چاہو گی۔ میں وضاحت سے کہہ دوں کہ کسی کے ساتھ دوستی نبھانا ہے، کسی کے ساتھ محبت اور کسی کے ساتھ [illegible] فرض میں۔"

"الجھے دار باتیں نہ کرو۔ صاف صاف کہو، کس کے ساتھ دوستی نبھانا ہے، کس کے ساتھ محبت اور کس کے ساتھ فرض ادا کرنا ہے؟"

"بھئی صاف بات ہے۔ مرجانہ سے دوستی، تم سے محبت اور رسونتی کے ساتھ فرض ادا کرنا ہے۔"

وہ اچانک ہی اٹھ کر بیٹھ گئی پھر غصے سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی: "تمہارے جیسا جھوٹا، مکار تو میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ تم رسونتی سے فرض نبھانے کی بات کر رہے ہو۔ حالانکہ رسونتی کے تو تم دیوانے ہو گئے۔ اس پر تو ایسی محبت آتی ہو گی کہ شاید ہی کسی پر آتی ہو۔"

"بھئی، کیوں ایسی محبت آتی ہو گی۔ کوئی وجہ تو ہونی چاہئے؟"

"سب سے بڑی وجہ یہ کہ وہ بے حد حسین ہے۔ میں ایک عورت ہو کر کہہ رہی ہوں کہ میں بھی ایسی نہیں ہوں اور میں نے رسونتی جیسا حسن اب تک نہیں دیکھا۔ مرجانہ کو میں نے نہیں دیکھا لیکن میں یقین سے کہتی ہوں کہ مرجانہ رسونتی کے حسن کی مثال نہیں پیش کر سکے گی۔ تو پھر تم اس پر کیسے نہیں مر مٹو گے۔ میرے سامنے مجھے بہلانے کے لئے کہتے ہو کہ فرض نبھاؤ گے۔ اسٹوپڈ کہیں کے۔ اب اگر تم نے مجھے بے وقوف بنانے والی باتیں کیں تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔"

میں نے مسکرا کر کہا: "اچھا موقع ہے۔ جتنا چاہو منہ توڑ دو۔ کیونکہ ڈاکٹر میرا دوسرا منہ بنانے والا ہے۔ دیکھو سونیا غصہ دکھانے سے کام نہیں چلے گا۔ تم اب تک ہزاروں بار غصہ دکھا چکی ہو اور اسی غصے میں آکر مجھ سے علیحدگی بھی اختیار کر چکی ہو۔ مگر نتیجہ کیا ہوا۔ دنیا گول ہے۔ ہم گھوم پھر کر پھر ایک دوسرے کے روبرو آجاتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے بغیر رہ نہیں سکتے۔ اس لئے غصے کے بجائے ٹھنڈے دماغ سے سوچو کہ کیا ہونا چاہئے۔"

"تم میرے دماغ کو ٹھنڈا کب رہنے دیتے ہو؟ کیا تم مجھ سے پوری سچائی کے ساتھ گفتگو نہیں کر سکتے؟"

"چلو وعدہ کرتا ہوں کہ اب ایسی کوئی بات نہیں کروں گا، جو تمہیں جھوٹ لگے۔"

"تو پھر اقرار کرو کہ رسونتی سے بھی تمہیں بے حد محبت ہے۔"

"اگر تمہارے اندر عورتوں والا حسد اور جلاپا نہ ہو تو میں اقرار کرتا ہوں۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں بولی: "آخر ہو نا مرد۔ ایک روٹی سے کبھی پیٹ نہیں بھرے گا۔" پھر وہ ہاتھ جوڑ کر بولی: "میں تم سے ہار گئی۔ اب نہ تو ضد کروں گی۔ نہ غصہ دکھاؤں گی۔ بس اتنا چاہتی ہوں کہ مجھ سے دور نہ رہو۔ ہم ایک ساتھ زندگی گزاریں گے اور ایک ساتھ زندگی گزارنے کے لئے خواہ مجھے کسی سوکن کو برداشت کرنا پڑے تو کر دوں گی مگر اب تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ اتنی مدت کے بعد یہ عقل آئی ہے کہ میں تمہارے ساتھ رہ کر ہی تمہارے کل پرزے درست رکھ سکتی ہوں۔ تمہیں ذرا پابند بنا کر آئندہ کسی نئی دوستی سے روک سکتی ہوں اس لئے اب بہرحال میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

"اور وہ سپر ماسٹر کی تنظیم کا کیا ہو گا؟"

"میں تمہارے لئے ساری دنیا کو ٹھکرا دوں گی۔ یہ سپر ماسٹر کی تنظیم کیا اہمیت رکھتی ہے۔ ہم اس کے متعلق سوچ لیں گے کہ ہمیں سپر ماسٹر سے کس طرح نمٹنا ہے۔"

"اس طرح نمٹنا ہے کہ آئندہ سپر ماسٹر کی تنظیم سے یا کسی اور تنظیم سے ٹکرانے کی نوبت نہ آئے۔ میں تجرباتی طور پر اب تم لوگوں کے ساتھ ایک سماجی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ تھوڑی سی گھریلو زندگی بھی بسر کر کے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم جرائم کی دنیا سے نکل جائیں۔"

وہ بولی: "جرائم کہاں نہیں ہوتے۔ ہمارا جو سماج ہے۔ خواہ وہ یورپ کا ہو، یا ایشیا کا۔ کہیں بھی کوئی بھی سماج جرائم سے پاک نہیں ہے۔ تم بے شک ہمارے ساتھ سماجی زندگی گزار کر دیکھو۔ تمہیں وہاں بھی کسی نہ کسی طرح جرائم کی بو ملتی رہے گی اور تم مجبور رہو گے کہ ان جرائم سے نمٹنے کے لئے پھر فرہاد علی تیمور بنتے رہو۔"

"سونیا! جب وہ وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ اکثر میں سوچتا ہوں کہ جب میں اپنی آپ بیتی لکھوں گا تو وہ جرائم سے بھرپور ہو گی۔ میرے پڑھنے والے سوچیں گے کہ میں نے کبھی شریفوں کی دنیا میں رہ کر ایک اچھی، گھریلو، محبت بھری زندگی نہیں گزاری۔ تو میں تجربہ کے طور پر یہ بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ دنیا کے کس حصے میں شریف لوگ بستے ہیں اور میں کس طرح شریفانہ زندگی گزار سکتا ہوں۔ یہ ایک دلچسپ تجربہ ہو گا میرے لئے بھی اور میرے پڑھنے والوں کے لئے بھی۔"

"ہوں۔ تو تم ہم تینوں کے ساتھ زندگی گزارو گے؟"

"ہاں! بشرطیکہ میری ایک ہی ہتھیلی پر آگ، پانی اور ہوا ساتھ رہ سکیں۔"

"یہ تو ممکن نظر نہیں آتا۔ لیکن ہم عورتیں ہیں۔ آگ، پانی اور ہوا تو نہیں ہیں۔ محض مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اگر میری طرح رسونتی اور مرجانہ بھی فراخدلی کا ثبوت دیں تو ہم سب مل کر ایک اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔"

"ان دونوں کو یہاں آنے دو تو ان سے بھی پوچھ لیا جائے گا۔ کل صبح کی فلائیٹ سے رسونتی یہاں پہنچنے والی ہے۔ کیا تم اس کا بھی استقبال کرو گی؟"

"ضرور کروں گی۔ میں اسے دشمن نہیں سمجھتی۔ پہلے میں نادان تھی کہ خواہ مخواہ اسے دشمن سمجھ بیٹھی۔ رفتہ رفتہ سمجھ میں آیا کہ قصور تو سارا تمہارا ہے۔ تمہاری وجہ سے میں دوسری عورتوں سے خواہ مخواہ جلنے لگتی ہوں۔ اگر تم کسی میں دلچسپی نہ لو تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں کسی عورت کو اپنی سوکن سمجھوں۔ بہرحال میں رسونتی کا شاندار استقبال کروں گی اور اس کے شایانِ شان اس کی رہائش کا انتظام کروں گی۔"

"دن نکل آیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں تھوڑی دیر کے لئے سو جانا چاہئے۔"

"میں پہلے معلوم کر لوں گی کہ رسونتی کا جہاز یہاں کس وقت پہنچ رہا ہے؟"

"یہ معلوم کرنے کے لئے تم یہاں سے اٹھ کر کسی ٹیلی فون کے پاس جاؤ گی۔ وہاں سے ریسیور اٹھاؤ گی۔ نمبر ڈائل کرو گی۔ کسی ائیر کمپنی سے رابطہ قائم کر کے اس سے پوچھو گی کہ برما سے آنے والا جہاز یہاں کس وقت پہنچنے والا ہے۔"

"ہاں! یہ تو کرنا ہی ہو گا۔"

"ذرا چپ رہو۔ میں ابھی معلوم کر لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں ممی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ میں نے ان سے پوچھا: "آپ کا یہ طیارہ کس وقت پیرس پہنچ جائے گا۔ آپ کو تو باقاعدہ وقت بتایا گیا ہو گا۔"

"ہاں بیٹے، مجھے کیا سارے مسافروں کو بتایا گیا ہے کہ ہم صبح آٹھ بجے پیرس پہنچ جائیں گے۔"

"شکریہ ممی! بس اتنا ہی معلوم کرنا تھا۔"

یہ کہہ کر میں رسونتی کے دماغ میں پہنچا۔ پھر اس سے بولا: "دیکھو رسونتی! جب تم پیرس پہنچو گی تو سونیا تمہارا استقبال کرنے آئے گی۔ کیا تم اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کرو گی؟"

"اگر وہ دوست بن کر آئے گی تو میں یقیناً خوشی کا اظہار کروں گی ورنہ آج کل تو میں بہت کمزور ہوں۔ اس کے مقابلے میں ہاتھ پاؤں نہیں مار سکتی۔ اپنی صلاحیتیں استعمال نہیں کر سکتی۔ اس نے اگر دشمنی کی تو کیا ہو گا؟"

"وہ بہت ہی دوستانہ انداز میں تم سے ملاقات کرے گی اور تمہاری رہائش کا انتظام کرے گی۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اور سونیا مجھ سے کبھی غلط وعدہ نہیں کرتی۔ وہ تمہاری پوری طرح حفاظت کرے گی۔"

"تمہاری باتوں سے پتہ چل رہا ہے کہ سونیا میرا استقبال کرنے آئے گی اور تم ایئرپورٹ نہیں آؤ گے۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں ضرور آؤں گا لیکن خصوصاً سونیا کی بات اس لئے کہہ دی کہ پہلے تم دونوں کے درمیان بڑے اختلافات تھے۔ بہرحال ہم صبح آٹھ بجے ایئرپورٹ پر تمہارا انتظار کریں گے اور تمہارا استقبال کریں گے۔ اس وقت جا رہا ہوں خدا حافظ!"

یہ کہہ کر میں سونیا کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ صبح آٹھ بجے وہ جہاز یہاں پہنچنے والا ہے۔

یہ کہہ کر ہم نے رسٹ واچ کو دیکھا۔ ساڑھے چھ بجنے والے تھے۔ سونیا نے کہا: "اب تو سونا نصیب نہیں ہو گا کیونکہ صرف ڈیڑھ گھنٹہ رہ گیا ہے اور ڈیڑھ گھنٹے میں رسونتی کے استقبال کے لئے انتظامات کرنے ہیں۔ چلو اٹھو! تم اپنے طور پر تیار ہو جاؤ میں ابھی آتی ہوں۔"

میں بھی اٹھ کر غسل خانے میں چلا گیا ــــ کیونکہ مجھے بھی اپنے طور پر تیار ہونا تھا۔ خیال خوانی کے فرائض بھی تھے۔ میں نے غسل خانے سے واپس آنے تک سونیا کی سوچ پڑھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیسے انتظامات کر رہی ہے۔ اس نے میرے پاس سے جاتے ہی ٹیلی فون کے ذریعے ماسٹر موسس ٹرویلی سے رابطہ قائم

کیا تھا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے ماسٹر سے پوچھا تھا "کیا تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں فرہاد کو تلاش کر چکی ہوں ؟"

"جی ہاں! مادام ، ابھی آپ کے ماتحت نے رپورٹ پہنچائی ہے کہ فرہاد صاحب دراصل طارق محمود کے چہرے کے پیچھے چھپے بیٹھے تھے اور ہم انہیں سمجھ نہیں سکے ۔"

"میں تو بہت پہلے ہی سمجھ گئی تھی۔ بس اقرار کروانا چاہتی تھی اور اقرار کرانے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ بہر حال تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے کہ تم اپنے سپر ماسٹر کی نظروں میں بہت زیادہ اہمیت اختیار کرنے والے ہو ۔"

"وہ کیسے مادام ؟ میں وہ خوشخبری ضرور سننا پسند کروں گا ۔"

"خوشخبری یہ کہ ایک تو میں تمہارے شہر میں پائی گئی تھی اور تم نے مجھے اس طرف مائل کر لیا کہ میں تمہاری تنظیم میں شامل ہو جاؤں۔ بہر حال ابھی تو میں تنظیم میں شامل ہونے کی بات نہیں کر رہی ہوں لیکن تمہارے ہی شہر میں فرہاد بھی دستیاب ہو گیا ہے ۔"

"ہاں مادام ! یہ میری خوش نصیبی ہے کہ فرہاد صاحب ایسے علاقے میں آئے جہاں کا میں ماسٹر ہوں ۔"

"اس سے بھی آگے ایک اور خوشخبری ہے اور وہ یہ کہ ٹیلی پیتھی جاننے والی رسونتی کل صبح آٹھ بجے یہاں پہنچ رہی ہے ۔"

ماسٹر موس ٹروونی جیسے خوشی سے اچھل پڑا۔ حیرانی سے بولا "کیا واقعی مادام ! کیا رسونتی صاحبہ یہاں صبح آٹھ بجے پہنچنے والی ہیں ؟"

"ہاں ! وہ فرہاد سے ملنے آ رہی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس کا شایانِ شان استقبال کرنا ہے ۔"

"مادام ! آپ فکر نہ کریں۔ میں ایسا استقبال کروں گا کہ سپر ماسٹر بھی خوش ہو جائے گا۔ اوہ کاش ! ہمیں پہلے معلوم ہوتا۔ ہم ان کے لئے خاص طور پر طیارہ روانہ کرتے۔ وہ عام مسافر بردار طیارے میں آ رہی ہوں گی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ طیارہ یہاں آنے سے پہلے استنبول اترے گا۔ ہم وہاں سے مادام رسونتی کو چارٹرڈ طیارے میں لے کر پیرس آ ئیں ۔"

"ہاں ، ایسا ہو جائے تو کیا کہنے ہیں ؟"

"ایسا ہو سکتا ہے مادام ! میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔ جب استنبول میں طیارہ اترے گا تو وہاں ایک خوبصورت طیارے میں رسونتی صاحبہ کو سوار کرایا جائے گا۔ وہاں ان کی ضرورت کا تمام سامان مہیا کیا جائے گا۔ ان کے لئے ہندوستانی خادمائیں حاضر کی جائیں گی اور انہیں کسی قسم کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا جائے گا۔ آپ مجھے اجازت دیں مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں ۔"

سونیا رابطہ ختم کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں کہا "موس ٹروونی سے کہو کہ رسونتی ان دنوں بیمار ہے۔ لہٰذا اس اسپیشل طیارے میں بہترین تجربہ کار ڈاکٹروں اور نرسوں کو بھی موجود ہونا چاہئے ۔"

سونیا نے یہی بات موس ٹروونی کو بتائی۔ اس نے وعدہ کیا کہ یہ سارے انتظامات ہو جائیں گے لیکن اس کے لئے کافی وقت لگے گا۔ سپر ماسٹر کو اطلاع دینی ہے۔ اس کی طرف سے بھی مزید احکامات ملنے کی توقع ہے۔ بہر حال وہی ہو گا جو آپ چاہتی ہیں اور ہماری بھی خواہش ہے کہ دونوں ٹیلی پیتھی جاننے والے ہمارے شہر میں موجود رہیں اور ہمارا مان بڑھے ۔"

سونیا نے پوچھا "تم اندازے سے بتاؤ کہ رسونتی پیرس کب تک پہنچ جائے گی ؟"

اس نے کچھ دیر سوچ کر کہا "اندازاً چار گھنٹے کے بعد ہی پہنچ سکیں گی۔ اس سے زیادہ بھی وقت لگ سکتا ہے۔ ویسے میں سپر ماسٹر کو اطلاع دینے کے بعد آپ کو صحیح وقت بتا سکوں گا ۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ سونیا میری طرف واپس آنے لگی۔ میں بھی غسل خانے سے نکل کر آ گیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو میں نے کہا "—— اگر رسونتی کے یہاں پہنچنے میں کم از کم چار گھنٹے لگیں گے تو —— ہم تین گھنٹے تک اپنی نیند پوری کر لیں۔ اس کے بعد تازہ دم ہو کر یہاں سے نکلیں گے ۔"

وہ مجھ سے بولی "اتنی جلدی تو میں سو نہیں سکوں گی۔ بہتر یہ ہے کہ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے سلا دو اور میرے جاگنے کا وقت مقرر کر دو ۔"

مجھے یاد آیا کہ جو شخص کبیر بیدل اور رگھو سے ملنے کے لئے ہندوستان گیا ہوا ہے۔ اس سے بھی رابطہ قائم کرنا ہے اور وہ تقریباً ہندوستانی وقت کے مطابق گیارہ بجے کبیر بیدل کے پتے پر ملنے جائے گا۔ اس لحاظ سے مجھے یہاں پونے سات بجے اس سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر پہلے سونیا کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے تھپک تھپک کر سلا دیا۔ پھر میں نے اپنے لئے تقریباً پون گھنٹہ سونے کا وقت مقرر کیا اور آنکھیں بند کر کے گہری نیند میں ڈوب گیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو نیند کا خمار آنکھوں میں بھرا ہوا تھا دماغ بوجھل سا تھا۔ جی نہیں چاہتا تھا کہ جلدی بیدار ہو جاؤں کیونکہ رات بھر کی تھکن بھی تھی لیکن کام بھی ضروری تھا۔

جب میں اس شخص کے دماغ میں پہنچا تو وہ کبیر بیدل کی رہائش گاہ تک پہنچ چکا تھا اور وہاں برآمدے میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ ملازم نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ مجھے تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا۔ پھر اس شخص کو بلایا گیا۔ جب وہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو وہاں ایک بوڑھا سا شخص نظر آیا۔ جس کی عمر تقریباً پچاس برس ہو گی۔ اس شخص نے پوچھا "تم کس سے ملنے آئے ہو ؟"

آنے والے نے کہا "میں کبیر بیدل صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں اور پاکستان سے آیا ہوں ۔"

"میں ہی ... کبیر بیدل ہوں۔ بتاؤ کیوں ملنا چاہتے ہو ؟"

"میں آپ کو سائرہ بانو اور اس کی بیٹی کے متعلق اطلاع دینے آیا ہوں ۔"

سائرہ بانو کا نام سن کر وہ چونک گیا۔ پھر اس نے پوچھا "کون سائرہ بانو ؟ تم کس کا ذکر کر رہے ہو ؟"

"میں بیگم نواب سلامت علی کی بات کر رہا ہوں۔ ان دنوں وہ پیرس گئی ہیں اور ان کی بیٹی ان کے پاس ہے۔ انہوں نے پیرس کا پتہ مجھے لکھ کر دیا ہے تاکہ میں یہ آپ کے پاس پہنچا دوں۔ انہوں نے آپ کو وہاں آنے کی دعوت دی ہے ۔"

یہ کہہ کر اس شخص نے اپنی جیب سے کاغذ کا ایک پرزہ نکالا۔ جس پر پیرس کا وہ پتہ درج تھا جہاں سائرہ بانو کی رہائش ہوتی تھی۔ کبیر بیدل نے اس کاغذ کے پرزے کو لے کر پڑھا۔ پھر سر ہلا کر بولا۔ "یہ پتہ تو مجھے معلوم ہے۔ میں سائرہ بانو کی طرف سے باخبر رہتا ہوں۔ لیکن مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ اس نے خود ہی مجھے پیرس آنے کی دعوت دی۔ جبکہ وہ مجھ سے بے حد خوف زدہ رہتی تھی ۔"

"جناب ! میں نہیں جانتا کہ یہ کیا چکر ہے۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں۔ مجھے جو حکم دیا گیا وہ میں نے یہاں پورا کیا۔ اب مجھے آپ اجازت دیجئے ۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔ کبیر بیدل نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ میں بھی اس شخص کے دماغ سے نکل آیا۔ کبیر بیدل کا لب و لہجہ میرے ذہن میں نقش ہو گیا تھا۔ میں پھر کسی وقت اسے ٹٹول کر اس کی پوری ہسٹری معلوم کر سکتا تھا اور اسے پیرس لانے کے انتظامات کر سکتا تھا۔ ابھی تو سونے کا جی چاہ رہا تھا لیکن وہ شخص اب رگھو کی تلاش میں نکلا تھا۔ مجھے ذرا صبر کرنا پڑا کہ لگے ہاتھوں رگھو سے بھی مل لیا جائے۔

جب وہ شخص تقریباً بیس منٹ بعد اس پتے پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ رگھو نامی شخص یہاں رہتا تھا لیکن اب بمبئی چلا گیا ہے اور بمبئی جیسے شہر میں کہاں رہتا ہے ؟ کوئی نہیں جانتا۔

رگھو کے نہ ملنے کا افسوس تو ہونا چاہئے تھا لیکن اس وقت مجھے خوشی ہوئی کہ چلو بلا ٹل گئی۔ اسے پھر کسی وقت کسی طرح تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ابھی تو نیند کا زور ہے۔ یہ سوچ کر میں نے ماسٹر موس ٹروونی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا اور یہ معلوم کیا کہ رسونتی کب تک یہاں پہنچ سکتی ہے۔ پتہ چلا کہ وہ دن کے ایک بجے تک یہاں پہنچ سکے گی۔ اسی کے مطابق میں نے سونیا کے دماغ میں جاگنے کے لئے ساڑھے گیارہ بجے کا وقت مقرر کیا۔ پھر اپنے دماغ کو بھی وہی ہدایت دی اور سو گیا۔

ساڑھے دس بجے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے کمرے کو اندر سے لاک کیا تھا لیکن ڈاکٹر میکی براڈلے نے اسے باہر سے کھول لیا تھا اور اندر آ کر مجھے بیدار کرنا چاہتا تھا۔ پھر وہ سونیا کو —— دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ میری آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے مسکرا کر اٹھتے ہوئے کہا "آ جائیے ! میں رات کو دیر تک جاگتا رہا تھا۔ اس لئے اتنی دیر تک سوتا رہ گیا ۔"

ڈاکٹر نے کہا "میرے زیر علاج رہ کر وقت کے پابند رہا کرو۔ ورنہ میرے لئے بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ آج میں تمہارے چہرے پر کچھ ضروری کام کرنا چاہتا ہوں ۔"

"ڈاکٹر ! کچھ ایسی مجبوری ہو گئی تھی کہ میں رات کو سو نہ سکا۔ آپ تو دیکھ ہی رہے ہیں کہ مادام سونیا یہاں موجود ہیں۔ بہر حال میں آئندہ آپ کے بتائے ہوئے وقت کی پابندی —— کرتا رہوں گا۔ ویسے کیا آج مجھے آپ کے ہسپتال سے چھٹی مل سکتی ہے ؟"

"کیوں ؟ چھٹی کس لئے چاہئے ؟"

"میری ایک بہت ہی عزیز ترین فرینڈ برما سے یہاں پہنچ رہی ہے۔ میں اس کے استقبال کے لئے جانا چاہتا ہوں۔ وہ بہت ہی مشہور ہستی ہے۔ اس کے استقبال کے لئے مادام سونیا اور بڑے بڑے لوگ ایئرپورٹ جائیں گے ۔"

"جب اتنے بڑے لوگ جا رہے ہیں تو تمہارے جانے کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ تمہاری فرینڈ ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ ہسپتال آ کر تم سے ملاقات کرے۔ کوئی زیر علاج مریض ہسپتال سے باہر نہیں جا سکتا ۔"

"ابھی آپ نے کام شروع نہیں کیا ہے۔ اگر ایک دن اور گزر جاتا اور کل سے آپ کام شروع کرتے تو کیا رہتا ؟"

"ویسے تو ایک مہینے اور ایک سال بعد بھی کام شروع کریں تو اچھا ہی رہے گا۔ جب تم چہرے پر تبدیلی چاہو گے ، اسی وقت ممکن ہو سکے گی۔ میں بھلا اپنی مرضی سے کرنے والا کون ہوتا ہوں ۔"

"ڈاکٹر ! یہ بات نہیں ہے۔ میں آپ ہی کی مرضی اور آپ ہی کے پروگرام کے مطابق پلاسٹک سرجری کے مرحلے سے گزرنا چاہتا ہوں۔ آپ کہیں گے تو میں ہسپتال سے نہیں جاؤں گا ۔"

"میں اصول کا بہت پابند ہوں اور یہی تم سے بھی توقع کرتا ہوں۔ تم اپنے دوستی کے جذبات کو بالائے طاق رکھو اور اپنے دوست کو مجبور کرو کہ وہ تمہارے پاس آئے ۔"

وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سونیا کو بیدار کیا۔ تو وہ انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے وقت پوچھا میں نے بتایا۔

کیا رہنے والے ہیں "

وہ حیرانی سے بولی "ہم اتنی دیر تک سوتے رہ گئے۔ اب میں اپنے بنگلے میں جاؤں گی۔ تم بھی چلو۔ ہم دونوں وہیں سے تیار ہو کر ایئرپورٹ جائیں گے "

"میں ہسپتال سے کہیں نہیں جا سکوں گا۔ ڈاکٹر نے منع کیا ہے"

"واہ۔ ڈاکٹر بھلا منع کرنے والا کون ہوتا ہے۔ کیا تم گھنٹے دو گھنٹے کے لئے بھی باہر نہیں جا سکتے۔ وہ تمہیں زیادہ پابند تو نہیں کر سکتا "

"کر سکتا ہے۔ وہ میرے چہرے کی جیسے اسٹڈی کر رہا ہے اور آج بھی میرے چہرے پر جو کچھ کام کرنا چاہتا ہے اس کے پیش نظر مجھے اس کے حکم کی تعمیل کرنا چاہئے۔ پھر یہ کہ بحیثیت مریض مجھے اپنے ڈاکٹر کو زیادہ سے زیادہ سہولت پہنچانا چاہئے۔ یہ تمہارا بھی فرض ہے کہ اس کے کام میں حائل نہ رہو "

"تم نہ جانا چاہو تو دوسری بات ہے۔ ورنہ میں ڈاکٹر سے اجازت حاصل کر سکتی ہوں "

"اجازت تو میں بھی حاصل کر سکتا ہوں لیکن اس نے ابھی مجھے تیار رہنے کے لئے کہا ہے۔ وہ میرے چہرے پر کوئی نیا کام کرنا چاہتا ہے۔ اور میں اس کام میں رکاوٹ پیدا کرنا نہیں چاہتا "

سونیا راضی ہو کر تنہا وہاں سے چلی گئی۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وقتاً فوقتاً اس سے دماغی رابطہ قائم کرتا رہوں گا۔ سونیا کے جانے کے بعد میں نے منہ ہاتھ دھویا۔ پھر لباس تبدیل کیا۔ اس دوران میں نے رسونتی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ اور ممی استقبال میں تھیں۔ ان کے لئے بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ ایک بہت بڑی عمارت میں انہیں ٹھہرایا گیا تھا۔ ہندوستانی عورتیں اور مردان کی خدمات کے لئے مقرر کئے گئے تھے اور ایسی ہندوستانی عورتیں بھی تھیں جو آرائش حسن کا تجربہ رکھتی تھیں۔ انہوں نے رسونتی کی چوٹی کنگھی کی تھی۔ اسے میک اپ کے ذریعے بنا سنوار کر نکھار دیا تھا اور اس کے آگے ایک سے ایک ساڑھیاں رکھی ہوئی تھیں جسے وہ زیب تن کرنے کے لئے انتخاب کر رہی تھی۔ میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ بہت خوش ہوئی۔ کہنے لگی "دیکھو فرہاد! تمہاری وجہ سے میری کتنی عزت ہو رہی ہے۔ ممی بھی خوشی سے پھولی نہیں سما رہی ہیں "

"یہ میری نہیں، تمہاری اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے ہے۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ تم خطرناک حد تک ٹیلی پیتھی میں مہارت رکھتی ہو۔ ابھی بیمار ہو تو کیا ہوا۔ جب مکمل طور پر صحت یاب ہو گی تو پھر تمہاری صلاحیتیں لوٹ آئیں گی اور تم دشمنوں کے لئے خطرہ بن جاؤ گی۔ اسی لئے خوشامدانہ طور پر تمہارا استقبال کیا جا رہا ہے تمہاری زیادہ سے زیادہ خدمت کی جا رہی ہے۔ تمہیں زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ تم دوست بن کر رہو "

"تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا ان لوگوں سے دوستی کرنا ہے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب میرا چہرہ تبدیل ہو جائے گا تو اس کے بعد ہم باقاعدہ مذاکرات کریں گے اور اپنے ارادے ظاہر کریں گے کہ ہم مستقبل میں کیا کرنا چاہتے ہیں "

"کیا کرنا چاہتے ہو فرہاد؟"

"یہ ابھی میں نے نہیں سوچا۔ ہاں یہ جو پلاسٹک سرجری سے گزرنے کے لئے ایک ماہ کا وقت لگے گا تو اس دوران سوچ لوں گا۔ فیصلہ کر لوں گا بلکہ ہم سب مل کر فیصلہ کریں گے اور کسی ایک نتیجے پر پہنچیں گے۔ بہرحال، ابھی میں جا رہا ہوں۔ پھر تمہارے پاس آؤں گا "

میرے لئے ناشتہ آیا۔ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر میکی برانڈلے بھی آ گیا۔ اس نے کہا "میں نے خود ہی چیک کیا ہے۔ ناشتہ بالکل ٹھیک ہے۔ کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہے "

میں نے ناشتہ شروع کرتے ہوئے کہا "اب کسی اندیشے کی بات نہیں رہی۔ سونیا نے مجھے دریافت کر لیا ہے "

ڈاکٹر نے حیرانی سے پوچھا "کیا واقعی؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "ہاں! ڈاکٹر! وہ بہت ذہین ہے "

یہ کہہ کر میں نے ڈاکٹر کو بتایا کہ اس نے کس طرح مجھے پچھلی رات دریافت کیا تھا۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسری ہوتی یا ہوتا تو وہ ــــ مجھ پر شبہ کرنے کے باوجود یہ ثابت نہیں کر سکتا تھا کہ میں فرہاد ہوں اور نہ ہی مجھ سے اقرار کرا سکتا تھا لیکن اس نے میرے اندھیرے میں لڑنے اور ٹیلی پیتھی کا سہارا لینے کے انداز کو دیکھتے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ میں فرہاد ہوں۔

"مسٹر فرہاد! میں نے ٹیلی پیتھی کے متعلق بہت کچھ سنا ہے اور کچھ پڑھا بھی ہے۔ تمہارا بھی بارہا اپنی سوسائٹی میں تذکرہ رہا۔ یہ بتاؤ کہ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے دوسروں سے کس طرح اپنا کام کراتے ہو "

میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں ابھی بتائے دیتا ہوں میں اس وقت ناشتہ کر رہا ہوں اور اس کے ساتھ ہی مجھے ایک کپ کافی کی ضرورت ہے اور یہ کافی آپ میرے لئے تیار کریں گے "

"اگر میں تیار نہ کروں تو؟"

"میں تیار کرا لوں گا۔ ابھی دیکھ لیجئے "

یہ کہہ کر میں ناشتہ کرنے کے دوران اس کے دماغ پر قابض ہو گیا اور وہ میرے لئے کافی تیار کرنے لگا۔ جب اس نے کافی تیار کرنے کے بعد اس کا چمچ ایک طرف رکھا تو میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے چونک کر پیالی کو دیکھا۔ پھر میں نے اس پیالی کو اٹھاتے ہوئے کہا "دیکھ لیجئے! آپ نے کس طرح میرے لئے کافی تیار کی ہے؟"

اس نے بڑی حیرانی کا اظہار کیا۔ پھر خوب دل کھول کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "یعنی کمال کا علم سیکھا ہے تم نے "

ناشتہ کرنے کے بعد میں اس کے ساتھ کمرے سے نکل کر ایک ایسے کمرے میں پہنچا جہاں ایک چھوٹا سا شیشے کا کیبن تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے اس کیبن میں بٹھا دیا۔ اس کے چاروں طرف آئینے لگے ہوئے تھے اور میرا چہرہ ہر زاویے سے نظر آ رہا تھا۔ آگے پیچھے دائیں، بائیں، جس طرف سے بھی ڈاکٹر میری اسٹڈی کرنا چاہتا تھا۔ اس طرف سے چہرہ بیک وقت کئی زاویے سے نظر آ جاتا تھا۔ وہ میرے سامنے ایک میز کے دوسری طرف بیٹھ گیا اور میرے چہرے کی اسٹڈی کرنے کے دوران پچھلے دن کے بنائے ہوئے اسکیچ کا مطالعہ کرنے لگا۔

ایسے وقت وہ خاموش رہا کرتا تھا۔ اس کی یہ خاموشی میرے لئے بھی مفید تھی۔ لہٰذا میں کبیر بیدل کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک وسیع میدان میں گولف کھیل رہا تھا۔ اس کا ایک ملازم گولف اسٹکس کا تھیلا اٹھائے کھڑا تھا۔ قریب ہی اس کی جوان بیٹی کھڑی ہوئی تھی بیس برس کے عرصے میں ان بدمعاشوں نے جو گھریلو ازدواجی زندگی گزاری تھی تو اس کے نتیجے میں ان کی اولاد بھی اب جوان ہو گئی تھی کسی کے لڑکے تھے، کسی کی لڑکیاں تھیں۔ کبیر بیدل کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ اس وقت جو کھڑی ہوئی تھی۔ وہ سب سے چھوٹی تھی اور اپنے باپ کی بہت لاڈلی تھی۔ وہ ٹینا کے نام سے پکاری جاتی تھی۔

میں کبیر بیدل کے دماغ کو ٹٹولتا جا رہا تھا۔ پہلے مجھے ٹینا کے متعلق نہیں، خود اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا تھیں کہ جب سے اسے سائرہ بانو اور مرجانہ کے متعلق اطلاع ملی تھی۔ اس کے بعد اس نے کیا اقدامات کئے ہیں۔ اس کے دماغ کو ٹٹولتے رہنے کے بعد ایک زبردست انکشاف یہ ہوا کہ کبیر بیدل کا تعلق ریڈ پاور سے تھا اور وہ دہلی شہر میں ریڈ پاور کا باس کہلاتا تھا۔

گویا کبیر بیدل تر نوالہ نہیں تھا جسے مرجانہ آسانی سے نگل سکتی۔ ریڈ پاور کا باس ہونے کی حیثیت سے یقیناً اس کے تعلقات دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہوں گے۔ دنیا کے ہر ملک، ہر شہر کے غنڈے بدمعاشوں اور طرح طرح کے مجرموں سے اس کا رابطہ ہو گا اور وہ کسی بھی وقت ٹیلی فون کے ذریعے یا ٹرانسمیٹر کے ذریعے دور دور تک رابطہ قائم کر کے اپنا مشکل سے مشکل کام کرا سکتا تھا۔

اور ہوا یہی تھا۔ جیسے ہی اسے اطلاع ملی کہ سائرہ بانو ان دنوں پاکستان میں ہیں اور اس کے ساتھ اس کی بیٹی مرجانہ بھی ہے۔ اور سائرہ بانو نے اسے چیلنج کے انداز میں پیرس بلایا ہے۔ تو اس نے پیرس جانے کی بات کو تو پرے رکھ دیا تھا اور پاکستان میں رہنے والے ریڈ پاور کے ایک باس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ اسے یہ بتایا تھا کہ پنڈی میں سائرہ بانو نام کی ایک عورت پیرس سے آئی ہے اور وہ کسی ریٹائرڈ فوجی افسر کے بنگلے میں ٹھہری ہوئی ہے۔ جو کہ زیرو پوائنٹ کے قریب ہے۔ بنگلے کا نمبر بھی بتایا گیا تھا۔ پھر یہ بتایا گیا تھا کہ اس عورت کا نام سائرہ بانو ہے اور اس کی بیٹی مرجانہ کہلاتی ہے۔

کبیر بیدل کو توقع تھی کہ بہت جلد دونوں ماں بیٹی کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہوں گی۔ میں نے سوچا کہ اب فوراً مرجانہ کے پاس پہنچنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں جو ریڈ پاور کا باس ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح مرجانہ کو یا اس کی امی کو نقصان پہنچائے۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کلب کے ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی "صاحب! آپ کا فون آیا ہے "

ٹینا نے کہا "پاپا میں جا کر اٹینڈ کر لوں "

کبیر بیدل نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں بیٹی! تم کھیلو۔ میں ابھی آ جاؤں گا "

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا کلب کی عمارت میں داخل ہوا۔ پھر وہاں ایک کاؤنٹر پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کے پاس گیا جس کا ریسیور الگ رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ اور بتایا کہ وہ کبیر بیدل بول رہا ہے۔ دوسری طرف سے آواز آئی "آپ کی ایک ٹی۔ ایم کال ہے۔ اسے فوراً اٹینڈ کریں "

کبیر بیدل نے او۔ کے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ پھر وہ کلب کی عمارت سے نکل کر پارکنگ ایریا کی طرف جانے لگا۔ وہاں اس کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ اس نے دروازے کو بند کرنے کے بعد ڈیش بورڈ کھول کر ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکالا۔ پھر اس کے ذریعے کسی سے رابطہ قائم کرنے لگا۔

پتہ چلا کہ پنڈی میں ریڈ پاور کا جو باس ہے اس سے رابطہ قائم کیا جا رہا ہے۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ میں ایسے دشمنوں کو

پہلی فرصت میں محاسبہ کرنا چاہتا تھا۔ جو میرے وطن میں رہ کر میرے ملک کی جڑیں کھوکھلی کرنا چاہتے ہیں۔ رابطہ قائم ہوا، تو دوسری طرف سے کہا گیا: "ہیلو! میں چوہدری فضل رحیم بول رہا ہوں۔ تم نے جو معلومات حاصل کرنے کے لئے مجھ سے کہا تھا تو یہ معلوم کر کے مجھے حیرانی ہوئی کہ تم اور پیرس کا باس حشمت بیگ دونوں ہی ایک ماں بیٹی کے سلسلے میں پریشان ہیں۔ تمہیں حشمت بیگ کے متعلق تو معلوم ہی ہوگا۔ وہ ان دنوں پیرس میں باس کی حیثیت سے مقرر کیا گیا ہے۔ وہ بھی مرجانہ نام کی لڑکی کو ٹریپ کرنا چاہتا تھا اس کے لیے اس نے میری خدمات حاصل کی تھیں۔ میں نے یہاں کے نامور بدمعاشوں کو اس کے پیچھے لگایا تھا۔ بعد میں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ وہ ایک لڑکی کو اپنی گرفت میں نہ لے سکے۔ انہوں نے اپنی کار میں بیٹھ کر اس لڑکی کا راستہ روکا تھا جو کہ اپنی خالہ اور خالو کے ساتھ مری روڈ کی طرف جا رہی تھی لیکن اس لڑکی نے حیرت انگیز طور پر چار ریوالور بردار بدمعاشوں کو شکست دی اور انہیں بھاگنے پر مجبور کیا۔ کتنوں کو زخمی کر دیا۔ مار کھا کر واپس آنے والے بدمعاشوں نے بیان دیا ہے کہ اس لڑکی کے ساتھ کوئی پُراسرار قوت ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے ریوالور استعمال نہیں کر سکتے تھے اور اس لڑکی نے بڑی آسانی سے انہیں چلتی ہوئی کار سے باہر دھکیل دیا تھا باقی دو سے مقابلہ کیا تھا اور انہیں بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔ یہ لڑکی بہت ہی پُراسرار ہے۔ کچھ بھی ہو۔ اس کی ماں سائرہ بانو ہماری تنظیم کے لئے بہت اہم ہے، اوور!"

کبیر بیدل نے کہا: "اتنا تو جانتا ہوں کہ سائرہ بانو میرے لئے اور حشمت بیگ کے لئے بہت اہم رہی اور آج بھی ہے لیکن تنظیم کے لئے کیسے اہم ہو گئی؟ اوور؟"

"وہ ایسے کہ ہماری تنظیم کو ہر ملک میں اپنے اخراجات کے لئے اچھی خاصی دولت جمع کرنی پڑتی ہے اور دولت حاصل کرنے کے لئے ذرائع بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ سائرہ بانو کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پیرس کی امیر ترین --- خواتین میں شمار کی جاتی ہے۔ وہ بعض تقریبات میں ایسے ایسے ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے زیورات پہن کر آتی ہے کہ لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ ایسے قیمتی ہیرے جواہرات دیکھنے میں نہیں آتے۔ ان کی مالیت لاکھوں ڈالر ہوتی ہے۔ پھر سنا گیا ہے کہ اس کے ہاں دولت کہیں چھپی ہوئی ہے اور اس دولت کا کوئی شمار نہیں ہے۔ اگر سائرہ بانو ہمارے ہاتھ چڑھ جائے تو ہم اس کے ذریعے وہ دولت حاصل کر سکتے ہیں۔ پیرس میں ہمارے قدم مضبوطی سے جم سکتے ہیں اور ہم سپر ماسٹر کی تنظیم کے خلاف اچھے کارنامے انجام دے سکتے ہیں اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ سائرہ بانو کو واپس پیرس لایا جائے۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی مرجانہ بھی آئے گی جس کی تمہیں اور حشمت بیگ کو ضرورت ہے تم لوگ اپنے طور پر مرجانہ سے نمٹ لینا اور اس کے ساتھ ہی تنظیم کی طرف سے تم دونوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ سائرہ بانو کو اپنے جال میں پھانس کر اس کی چھپی ہوئی دولت تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ یہ ماسک مین کا حکم ہے۔ اس پر عمل کرنا بہت ضروری ہے اوور۔"

"اگر سائرہ بانو میرے دیس میں ہوتی تو میں اسے پیرس پہنچا دیتا۔ وہ تمہارے پاکستان میں ہے۔ اب یہ فرض تم پر عائد ہوتا ہے اوور۔"

"ہاں، یہ میرا فرض ہے اور میں سائرہ بانو کو پیرس پہنچاؤں گا لیکن اس سے پہلے میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ مرجانہ کے ساتھ ایسی کون سی پُراسرار قوت ہے جس کے سہارے اس نے چار ہٹے کٹے بدمعاشوں کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔ میں یہ معلومات حاصل کرنے کے لئے اس کے پیچھے آدمی لگا چکا ہوں اور ایک لڑکی بھی اس سے دوستی کرنے میں مصروف ہے، اوور!"

"ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ماں بیٹی پر قابو پانے کے لئے لمبی دوڑ لگانی ہوگی۔ مجھے بھی پیرس جانا ہی ہوگا۔ میں جانے کی تیاری کر رہا ہوں۔ مجھے صرف اتنا بتا دینا کہ دونوں ماں بیٹی وہاں سے کب روانہ ہوں گی، اوور۔"

"میں ضرور تمہیں اطلاع دوں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

اس کے بعد رابطہ ختم ہو گیا۔ کبیر بیدل نے ٹرانسمیٹر کو آف کر کے ڈیش بورڈ کے اندر چھپا دیا۔ پھر اپنی کار سے نکل کر اسے لاک کرنے کے بعد واپس اپنی بیٹی ٹینا کے پاس جانے لگا۔

میں غدارِ وطن چوہدری فضل رحیم کے دماغ میں پہنچ گیا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ ریڈ پاور کا باس بن کر میرے ملک میں کیسی تخریبی کارروائیاں کر رہا ہے۔ مجھے جو ابتدائی معلومات حاصل ہوئیں وہ یہ تھیں کہ وہ ریڈ پاور کے ملک سے شائع ہونے والے رسالوں اور کتابوں کا امپورٹر اور ڈسٹری بیوٹر تھا --- اور اس نے ایسے ذرائع بنا رکھے تھے کہ ان رسالوں اور پمفلٹ وغیرہ کو طلبا و طالبات تک بھی پہنچایا جاتا تھا تاکہ انہیں ریڈ پاور کے ملک کی حمایت کے لئے ذہنی طور پر آمادہ کیا جائے اور نظریۂ پاکستان کی نفی ہوتی رہے۔ اب میں اس کی زندگی کی نفی کرنے والا تھا۔

جو لوگ بیرونی ممالک کے ایجنٹ ہوتے ہیں، بڑی طاقتوں کے لئے دلال بن کر کام کرتے ہیں۔ وہ بڑے عیش و عشرت سے دوغلی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ بھی پنڈی میں کئی کوٹھیوں کا مالک تھا اس کے جوان بیٹے بیٹیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ ہر ایک کے پاس قیمتی کاریں تھیں۔ لاکھوں روپے کا بینک بیلنس تھا۔ زندگی کی تمام نع

سہولتیں انہیں میسر تھیں اور صرف اس لئے کہ وہ اپنے ہی ملک کے خلاف کام کر رہے تھے اور بڑے بڑے کلبوں میں جا کر، بڑے بڑے افسروں سے دوستی کرتے تھے اور کوئی ایسی کمزوری معلوم کرنا چاہتے تھے جس سے ریڈ پاور کی تنظیم کو تقویت حاصل ہو۔

میں مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ایک ریستوران میں ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ بیٹھی ہوئی کوک پی رہی تھی اور اس سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی --- اس لڑکی نے حیرانی سے کہا: "میں پتہ نہیں آج پہلی ملاقات میں تمہیں کیوں اتنا زیادہ پسند کرنے لگی ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ تمہارے ہی ساتھ ساری زندگی گزار دوں۔ میں تمہیں اپنی عزیز ترین سہیلی بناؤں گی لیکن اس کے لئے میرے گھر چلو۔ میں تمہیں وہاں بہت کچھ دکھاؤں گی۔"

"کیا تمہارے گھر میں تمہارے والدین بھی ہیں؟"

"نہیں۔ میں بالکل تنہا ہوں۔ میرے شوہر ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ وہ سال چھ مہینے میں ایک بار آتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہاں بالکل تنہائی ہوگی۔"

"بالکل! کیا تم ابھی چل سکتی ہو؟"

"میں اپنی امی سے بول کر آئی ہوں کہ آدھے گھنٹے میں واپس آؤں گی۔ میری امی پریشان ہوں گی۔"

اس لڑکی نے کہا: "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ تم اس ہوٹل سے اپنے گھر فون کر دو کہ ایک گھنٹے بعد واپس آؤ گی۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی فون کر کے آتی ہوں۔" یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور کاؤنٹر کی طرف جانے لگی۔ میں نے مرجانہ کو چھوڑ کر اس لڑکی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے ریڈ پاور کے باس نے مرجانہ سے دوستی کرنے کے لئے بھیجا تھا اور اب وہ مرجانہ کو ٹریپ کر کے ایک ایسے ویران مکان میں لے جانا چاہتی تھی جہاں چوہدری فضل رحیم اور اس کے کئی بدمعاش مرجانہ کے منتظر تھے اسے اکیلے میں گھیر کر یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اس کے ساتھ کس قسم کی پُراسرار قوت ہے۔

میں پھر مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ فون پر اپنی امی سے کہہ رہی تھی کہ اس کی ایک بہت ہی پیاری سہیلی ہے جو کراچی سے آئی ہے۔ اس سے ملاقات ہو گئی ہے اور وہ مجبور کر رہی ہے کہ اس کے ساتھ تھوڑا وقت گزارا جائے۔ اس لئے وہ ایک گھنٹے بعد گھر واپس آئے گی۔ اس نے امی سے اجازت حاصل کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔ میں نے اس سے کہا: "ہیلو مرجانہ!"

وہ چونک گئی، خوش ہو گئی، بولی: "اتنی دیر تک کہاں تھے۔ میں کب سے تمہارا انتظار کرتی ہوں۔ جب ہو کر اپنے دماغ کو ٹٹول لیتی ہوں کہ تم آئے ہو یا نہیں۔"

"لو آ گیا ہوں اور تمہارے لئے بہت ساری معلومات لے کر آیا ہوں۔ یہ جو لڑکی تمہاری سہیلی بنی ہوئی ہے۔ یہ تمہارے دشمنوں کی بھیجی ہوئی ہے اور تمہیں ان کے نرغے میں لے جا رہی ہے۔"

"پھر کیا خیال ہے، مجھے جانا چاہئے؟"

"بے شک جانا چاہئے، وہ دشمن صرف تمہارا نہیں، ہمارے ملک کا بھی ہے۔ اس سے اچھی طرح حساب کتاب کرنا ہے۔ تم بے جھجک اس کے ساتھ جاؤ۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ ریڈ پاور کا باس ہے اور ریڈ پاور کیا ہے؟ یہ سب میں تمہیں راستے میں بتاتا چلوں گا۔"

مرجانہ نے وہاں سے چلتے ہوئے پوچھا، "کیا تم وہاں ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ کرو گے؟"

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں چاہتی ہوں کہ دشمنوں سے تنہا مقابلہ کروں۔"

"میں تمہارے مزاج کو سمجھتا ہوں۔ میں تمہیں پورا موقع دوں گا۔ لیکن ان کے پاس اگر ہتھیار ہوئے جس کے ذریعے وہ تمہیں بےبس کرنا چاہیں، تب میں ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کروں گا۔"

مرجانہ اس لڑکی کے سامنے آ کر میز کے دوسری طرف بیٹھ گئی اس لڑکی نے جیسے اچانک کچھ یاد کیا۔ پھر بولی: "اوہو، مرجانہ! مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے۔ کچھ مائنڈ نہ کرنا۔ میں ابھی ٹیلی فون پر بات کر کے آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ گئی۔ مرجانہ نے مسکرا کر اسے جانے کی اجازت دی۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے کہا: "یہ اپنے باس چوہدری فضل رحیم کو اطلاع دینے جا رہی ہے کہ یہ تمہیں پھانس کر لانے والی ہے۔"

اس کے بعد میں مرجانہ کو بتانے لگا کہ سپر ماسٹر اور ریڈ پاور کی تنظیمیں کیسی خطرناک ہیں اور یہ کس طرح دنیا کے ہر ملک میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان کے آلۂ کار ہر جگہ موجود ہیں۔ انہی میں سے ایک فضل رحیم ہے جو پنڈی میں رہتا ہے۔ کبیر بیدل بھی انہی میں سے ایک ہے۔ صرف کبیر بیدل ہی نہیں بلکہ حشمت بیگ بھی ریڈ پاور کا ایک باس ہے جو پیرس میں مقیم ہے۔ ریڈ پاور کا ماسک مین چاہتا ہے کہ اس کی امی کو بےبس کر کے ان کی ساری دولت اور جائیداد ہتھیا لے۔ ان لوگوں کو اپنی تخریبی کارروائیاں جاری رکھنے کے لئے قدم قدم پر بے انتہا دولت کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور وہ ایسے ہی ذرائع سے دولت حاصل کرتے ہیں۔

وہ لڑکی ٹیلی فون کرنے کے بعد واپس آ گئی تھی اور اس کے ساتھ مرجانہ کار میں بیٹھ کر جا رہی تھی۔ اچانک میرا خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ڈاکٹر میکی براڈلے نے مجھے مخاطب کیا: "کہاں کھوئے ہوئے ہو؟ کیا سوچ رہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا "کچھ نہیں۔ یونہی سوچ کے ذریعے اپنے دوستوں کی خبر لے رہا ہوں۔ کیا آپ کا کام ہو گیا ؟"

"ہاں! میں زیادہ دیر تک تمہیں بٹھائے رکھنا نہیں چاہتا۔ تم تھک گئے ہوگے۔ اب جا کر آرام کرو۔ ہم چار بجے دوبارہ بیٹھیں گے"

میں اس کے پاس سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ اسی وقت ایک نرس نے بتایا کہ میرا فون ہے اور مادام سونیا بات کرنا چاہتی ہیں۔

میں ٹیلی فون کی طرف گیا پھر ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو، کیا بات ہے سونیا ؟"

"بات کیا ہوگی ؟ میں کتنی دیر سے انتظار کر رہی ہوں کہ تم دماغی رابطہ قائم کروگے لیکن پتہ نہیں، کس دنیا میں کھوئے ہوئے ہو۔ یہاں رسونتی پہنچ گئی ہے۔ اس وقت ایئر پورٹ سے روانہ ہو رہی ہے۔ میں بھی اس رہائش گاہ میں جاؤں گی۔ جہاں اسے ٹھہرایا جائے گا۔ وہ تمہیں پوچھ رہی تھی۔ میں نے سمجھا دیا ہے کہ ڈاکٹر نے اجازت نہیں دی ملنے تمہارے پاس جا کر ملنا ہوگا۔ بہرحال تم کیا کر رہے ہو؟"

"میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ مرجانہ ایک اہم سچویشن سے گزر رہی ہے۔ اس لئے مجھے اس کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ تم رسونتی کو کم از کم ایک آدھ گھنٹے کے لئے ٹال دو۔ اس کے بعد ملاقات کے لئے میرے پاس لے آنا۔"

"کیا بات ہے۔ مرجانہ سے بہت زیادہ چپکے ہوئے ہو ؟"

"تم پھر عورتوں والی باتیں کر رہی ہو۔ جبکہ میں بتا چکا ہوں کہ مرجانہ ابھی دشمنوں کے نرغے میں جا رہی ہے۔ اس کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ ورنہ تم سے یا رسونتی سے میں بھلا کیوں کتراؤں گا۔ تم دونوں ہی میری دوست ہو۔ بہرحال فون رکھ رہا ہوں، مجھے اجازت دو۔"

یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آنے کے بعد میں نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ اس کے بعد بستر پر آکر لیٹ گیا۔ پھر میں دوسرے ہی لمحے مرجانہ کے پاس تھا۔ مرجانہ کی ساتھی لڑکی کار ڈرائیو کر رہی تھی اور مرجانہ کو باتوں میں لگائے ہوئے تھی تاکہ وہ راستے کے بارے میں کچھ نہ پوچھے۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے پنڈی شہر سے باہر مضافاتی علاقے میں جا رہی تھی۔ مرجانہ انجان بنی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ ان کی گاڑی دور ویرانے میں ایک تنہا حویلی نما عمارت کے پاس پہنچ کر رک گئی۔

مرجانہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا "تم اس ویرانے میں رہتی ہو ؟"

وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتی ہوئی بولی "ہاں! مجھے تنہائی پسند ہے۔ میں شہر کے ہنگاموں سے گھبراتی ہوں۔"

مرجانہ کار سے باہر نکل کر مسکراتے ہوئے بولی "میری جان! تم تو بڑی پُراسرار لگ رہی ہو۔ چلو، کوئی بات نہیں۔ اس ویرانے میں ہی ہم اپنا دل بہلائیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اس لڑکی کے ساتھ چلتی ہوئی اس کھنڈر نما عمارت میں داخل ہوئی۔ اس وقت شام کا اندھیرا پھیلنے والا تھا۔ روشنی نہیں تھی لیکن شام کی ڈوبتی ہوئی روشنی دم توڑتے ہوئے اس عمارت میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ دونوں راستہ دیکھتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ مختلف کاریڈور اور کمروں کو عبور کر رہی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک بڑے ہال میں پہنچیں۔ اس ہال میں پہنچتے ہی اچانک ان کے پیچھے دروازہ ایک جھٹکے سے بند ہو گیا۔

اس لڑکی کو توقع تھی کہ دروازہ اچانک بند ہوتے ہی مرجانہ ایک دم سے چونک کر اچھل پڑے گی اور خوفزدہ ہو جائے گی لیکن وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس بڑے کمرے کے وسط میں پہنچی اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس لڑکی کو مسکرا کر دیکھنے لگی۔ لڑکی جواباً مسکرائی۔ پھر اس کی طرف بڑھتی ہوئی بولی "کیا تمہیں ڈر نہیں لگتا ؟"

مرجانہ نے کہا "میری دوست تم موجود ہو تو ڈر کس بات کا؟ میں تو تمہاری موجودگی میں اس جہنم کو بھی جنت بنا لوں گی"

یہ کہہ کر اس نے لڑکی کو اپنے بازوؤں میں زور سے بھینچ لیا لڑکی کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ مرجانہ کی گرفت فولادی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی "ابھی سے چیخ رہی ہو۔ تم نے ہوٹل میں میرے ہاتھوں کو چھو کر کہا تھا کہ میں جسمانی طور پر مردگتی ہوں۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے ؟ وہ جو تمہارے باپ اور بھائی یہاں کہیں چھپے ہوئے ہیں ان لوگوں کو سامنے آنے دو۔ پھر بتاؤں گی کہ میں کیا چیز ہوں ؟"

اسی وقت کمرے میں کسی کی آواز گونجنے لگی "مرجانہ! اس لڑکی کو چھوڑ دو اور ہمارے سوالوں کا جواب دو۔"

مرجانہ نے لڑکی کو ایک ہلکا سا دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے کئی فٹ دور جا کر گر پڑی۔ پھر اس نے گھوم گھوم کر چاروں طرف دیکھنا شروع کیا۔ اس کمرے میں تین دروازے تھے، وہ تینوں دروازے کھلے تھے اور تینوں طرف سے ایک ایک، دو دو شخص داخل ہو رہے تھے۔ وہ اپنے حلیے سے اور اپنے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں اور آج مرجانہ کو بھی چھلنی کر کے رہیں گے۔

وہ تعداد میں چھ تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے ڈھنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ پتلون اور شرٹ پر نکٹائی باندھی تھی اور پرانا ویسٹ کوٹ پہنا ہوا تھا اور اس کے منہ میں ایک پائپ دبا ہوا تھا جس کے کش لے کر وہ دھواں چھوڑ رہا تھا۔

اس نے دھواں چھوڑتے ہوئے مرجانہ سے پوچھا "کیا تم کوئی پُراسرار علم جانتی ہو ؟"

مرجانہ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میں علم تو نہیں جانتی مگر ہاں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دشمن کی ہر چال میرے سامنے ناکام ہو جاتی ہے۔"

اس شخص نے سخت لہجے میں کہا "لڑکی! باتیں نہ بناؤ۔ صاف صاف بتاؤ کہ تم کون سا پُراسرار علم جانتی ہو ؟"

"بہتر ہے کہ مجھ سے زبانی سوالات نہ کرو۔ ذرا ہاتھ پاؤں کو حرکت دو تاکہ تمہیں اور تمہارے آدمیوں کو جوابات ملتے جائیں گے۔"

"بہت غرور ہے تمہیں۔ ابھی تھوڑی ہی دیر میں تمہاری ہڈی پسلی ٹوٹ کر برابر ہو جائے گی لیکن اس سے پہلے کیا تم یہ پوچھنا نہیں چاہو گی کہ تمہیں یہاں گھیر کر کیوں لایا گیا ہے ؟"

"کمینوں سے کیا پوچھنا کہ وہ کمینگی کیوں کر رہے ہیں ؟"

اس نے غصے سے اپنے آدمیوں کو مخاطب کیا "کیا منہ دیکھ رہے ہو ؟ جاؤ، اس کی پٹائی کرو۔ اس کا سارا غرور ناک کے راستے نکال دو۔"

وہ لوگ آگے بڑھے۔ مرجانہ نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "ارے ارے! توبہ توبہ لعنت ہے تم لوگوں کی مردانگی پر۔ ایک لڑکی کو مارنے کے لئے اتنے سارے ہو ایک ساتھ بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ کچھ تو شرم کرو۔"

شرم آگئی۔ وہ سب یک بیک رک گئے۔ پھر ایک نے ہاتھ پھیلا کر سب کا راستہ روکتے ہوئے کہا "ٹھہرو پہلے میں جاتا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ یہ کتنی دلیر ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ آگے بڑھا۔ پھر اس کے دیکھنے والے ساتھیوں کو یہ پتہ نہیں چلا کہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا تھا۔ چشم زدن میں وہ پلٹ کر اپنے ساتھیوں کے پاس لڑکھڑاتا ہوا واپس آگیا تھا۔ وہ لوگ اسے نہ سنبھالتے تو وہ اوندھے منہ فرش پر گر پڑتا۔ سنبھلتے ہی اس کی ناک سے لہو بہتا ہوا نظر آیا۔ سب نے حیرانی سے مرجانہ کو دیکھا کسی کو توقع نہیں تھی کہ اس کا ایک ہی ہاتھ اتنا زبردست ہوگا کہ ناک کے راستے اس کا غرور نکالنے والے کی ناک کے راستے اس کا اپنا لہو بہنے لگے گا۔

اس کے دوسرے ساتھی نے جوش میں آکر ایک بڑھک لگائی۔ پھر دہاڑتے ہوئے چیختا ہوا ایک چھلانگ مار کر مرجانہ کی طرف آیا۔ مرجانہ فوراً ہی پینترا بدل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھلانگ مارنے والا مرجانہ کی چھوڑی ہوئی جگہ پر آ کر فرش پر گر گیا اور اپنی کمر کو پکڑ کر کراہنے لگا۔ مرجانہ نے اس کی گردن پر ایک ٹھوکر ماری۔ وہ لڑھکتا ہوا ذرا دور چلا گیا۔ تاکہ دوسری ٹھوکر نہ پڑے اور اسے ذرا سنبھل کر اٹھنے اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا موقع مل جائے۔ اسی دوران تیسرے اور چوتھے شخص نے ایک ساتھ مرجانہ کی طرف بڑھ کر حملہ کرنا چاہا۔ مرجانہ نے اچانک ہی اچھل کر ایک فلائنگ کک ماری۔ دوسرے آدمی نے اس پر ایک کراٹے کا ہاتھ رسید کیا لیکن مرجانہ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے پتھر یا فولاد پر ضرب لگائی گئی ہے۔ مرجانہ نے جواباً اس کے منہ پر ایک الٹا ہاتھ رسید کیا۔ وہ بھی لڑکھڑاتا ہوا دور چلا گیا۔

اب انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے مقابلے میں کوئی معمولی گوشت پوست کی لڑکی نہیں بلکہ ایک قد آور چٹان کھڑی ہوئی ہے جس سے ٹکرایا جا سکتا ہے اور اپنا نقصان کیا جا سکتا ہے لیکن اس چٹان کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔ جب اس بات کا یقین ہو گیا تو وہ لوگ ایک ساتھ ادھر ادھر سے حملے کرنے لگے۔ مرجانہ ایسے حملوں کی دفاعی مشقیں بھی کر چکی تھی۔ واشو رڈ کی نے اسے بتایا تھا کہ جب چار، چھ آدمی بیک وقت حملہ کریں تو کس طرح پینترے بدل کر ان کے حملوں سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ایسے وقت خود حملہ کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور ان کے حملوں سے بچتے ہوئے پینترے بدل بدل کر انہیں تھکانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ لہٰذا مرجانہ یہی کر رہی تھی۔

پائپ کا کش لگانے والا چوہدری فضل رحیم تھا۔ میں نے اس کی آواز سنتے ہی معلوم کر لیا تھا کہ وہ بدمعاشوں کو لے کر خود ہی پہنچا ہے۔ اس کے پیچھے وہ لڑکی سہمی ہوئی کھڑی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "باس! یہ تو قابو میں نہیں آرہی ہے۔"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا "ہاں! اس کا اندازہ تیار رہا ہے کہ یہ اس طرح کبھی قابو میں نہیں آئے گی۔ یہ پانچوں تھک ہار کر بیٹھ جائیں گے یا اس کا پیچھا چھوڑ دیں گے لیکن اسے گرفت میں نہیں لے سکیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے جیب سے ریوالور نکالا۔ پھر للکارتے ہوئے کہا "بس! اب یہ کھیل تماشہ بند کرو۔ میرا وقت ضائع ہو رہا ہے۔"

اس کا حکم سنتے ہی اس کے تمام آدمی رک گئے۔ پھر واپس اپنے باس کے پاس چلے آئے۔ وہ سب بُری طرح ہانپ رہے تھے ان کے برعکس مرجانہ اب دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اطمینان سے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی سانسوں کی رفتار اعتدال پر تھی اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ہانپ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے بچپن سے اب تک بڑی زبردست مشقیں کی تھیں۔ صبح شام ورزش کرتی رہی تھی۔ پھر یہ کہ وہ کسی نشے وغیرہ کی عادی بھی نہیں تھی جبکہ اس کے ساتھ مقابلہ کرنے والے شراب، چرس اور سگریٹ وغیرہ کے عادی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ تھوڑی ہی دیر میں بُری طرح ہانپنے لگے تھے۔ باس نے کہا "تم بڑی مشاق فائیٹر ہو۔"

مرجانہ نے کہا "میری حسرت پوری نہیں ہوئی ہے۔ ابھی

تو میں ان لوگوں کو تھکا رہی تھی۔ اس کے بعد ایسی پٹائی کرنے والی تھی کہ تم دیکھ نہ سکتے، آنکھیں بند کر لیتے۔"

باس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: "تم مجھے بزدل سمجھتی ہو۔ تمہیں کیا معلوم کہ میں نے کتنے قتل کئے ہیں اور میں لاشوں کے اوپر بیٹھ کر پیتا شراب ہوں اور کھاتا کباب ہوں۔"

"بڈھے طوطے! میں تو تمہارا ہی کباب بنا کر رکھ دوں گی۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہیں جانتی نہیں ہوں۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہارا نام چوہدری فضل رحیم ہے۔ تم میرے ملک کے غدار ہو۔ اور ریڈ پاور کی طرف سے باس مقرر کئے گئے ہو۔"

وہ یک بیک چونک کر مرجانہ کا منہ تکنے لگا۔ اسے شدید حیرانی تھی کہ یہ بھید مرجانہ کیسے جانتی ہے۔ اس نے اپنے ریوالور پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اور اسے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا: "لڑکی! تم میرے متعلق کیسے جانتی ہو۔ سچ سچ بتاؤ۔ جو میرا راز جان لیتا ہے میں اسے زندہ نہیں چھوڑتا اور تم یہاں سے زندہ نہیں جاؤ گی۔"

"بہتر ہے کہ مجھ سے خالی ہاتھ مقابلہ کیا جائے۔ اگر درمیان میں ریوالور یا چھرے چاقو آئیں گے تو پھر مجھے وہ پُراسرار قوت استعمال کرنا پڑے گی جس کا تم ابھی تماشہ دیکھو گے۔ اس ریوالور کو تم کسی طرح بھی استعمال نہیں کر سکو گے۔"

مرجانہ کا یہ چیلنج سنتے ہی میں چوہدری فضل رحیم کے دماغ میں پہنچ گیا تھا تاکہ وہ اشتعال میں آ کر کہیں فائر نہ کر دے اور وہ جوش میں آ ہی رہا تھا، سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ پہلے مرجانہ کی ٹانگ پر گولی مار کر اسے اپاہج بنا کر فرش پر تڑپنے، کراہنے اور بے بسی سے گڑگڑانے کا تماشہ دیکھے۔

لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی دونوں ہتھیلیوں پر ریوالور کو رکھا۔ پھر ان ہتھیلیوں کی تھال پر اس ریوالور کو سجا کر آگے بڑھتے ہوئے مرجانہ کے سامنے پہنچا۔ اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور کہا: "میں تمہارا غلام ہوں۔ یہ ریوالور پکڑو اور میری کھوپڑی میں سوراخ کر دو۔"

مرجانہ نے وہ ریوالور اس کی ہتھیلیوں پر سے اٹھا لیا پھر وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور الٹے پاؤں چلتا ہوا اپنی جگہ واپس آ گیا۔ اسی وقت میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے گڑبڑایا اور بوکھلا کر کبھی مرجانہ کی طرف دیکھنے لگا اور کبھی اپنے خالی ہاتھوں کو۔

مرجانہ نے مسکراتے ہوئے کہا: "میں نے پہلے ہی تمہیں سمجھایا تھا کہ ان ہتھیاروں سے مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرنا۔ دیکھ لو، یہ ریوالور اب میرے ہاتھ میں ہے اور تمہاری کھوپڑی میں سوراخ ہونے والا ہے۔"

وہ ایک دم سے سہم کر بولا: "مم... میں تمہارا جانی دشمن نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں صرف ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے یہاں بلایا ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔ وہ ضروری معلومات یہ ہیں کہ میری امی کے پاس کتنی دولت ہے اور وہ سب کی سب پیرس میں ہے یا ہندوستان میں؟ میں تمہیں بتاؤں گی اور بتاتے ہی تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"لیکن کیوں؟ میں نے تمہیں کیا نقصان پہنچایا ہے؟"

"مجھے ہی نہیں، میرے پورے ملک کو نقصان پہنچاتے ہو۔ تم کہیں کے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ آج تمہاری زندگی کا آخری دن ہے۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں قتل کروں، میں تمہاری بے بسی کا تماشہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ تمہارے یہ آدمی جو مجھے مارنے کو آئے تھے۔ اب یہ تمہیں ماریں گے۔ تمہاری اچھی طرح پٹائی کریں گے۔"

مرجانہ نے ان لوگوں کو ریوالور دکھاتے ہوئے کہا: "میں حکم دیتی ہوں کہ اپنے باس کی پٹائی کرو اور اچھی طرح پٹائی کرو۔ اگر کسی نے رعایت کی اور اسے جھوٹ موٹ مارنے کی کوشش کی تو میں اسے گولی مار دوں گی۔"

وہ لوگ ہچکچانے لگے۔ اپنے باس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے تھے اس لئے کترانے لگے ذرا پیچھے ہٹنے لگے۔ مرجانہ نے باس سے کہا: "تم نے ایک جیب میں ریوالور رکھا تھا اور دوسری میں سائیلنسر، وہ سائیلنسر میرے حوالے کر دو۔"

اس کے یہ حکم دیتے ہی میں پھر باس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے جیب سے سائیلنسر کو نکالا۔ آگے بڑھ کر اسے مرجانہ کے حوالے کیا۔ پھر اسی طرح پلٹ کر اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ مرجانہ نے سائیلنسر ریوالور کی نال کے ساتھ لگایا۔ اس کے بعد اس نے ریوالور کا رخ ان کے غنڈوں کی طرف کرتے ہوئے کہا: "میں تین تک گنتی ہوں، اگر تم لوگوں نے آگے بڑھ کر اس غدار کی پٹائی نہیں کی تو میں فائرنگ شروع کر دوں گی۔ ایک، دو، تین۔"

تین کہتے ہی مرجانہ نے ایک فائر کیا۔ گولی ایک شخص کی ٹانگ پر لگی اور وہ چیخ مار کر فرش پر گر پڑا۔ اس کی حالت دیکھتے ہی سب کے سب دوڑتے ہوئے باس کے قریب آئے اور پھر اس کی وہ پٹائی شروع کی کہ وہ تماشہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ سب کو اپنی جان کی فکر تھی، اپنے ساتھی کی طرح زخمی ٹانگ لے کر فرش پر بیٹھنا یا سینے پر گولی کھا کر مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے سب اپنی جان بچانے کے لئے اس کی مرمت کرنے لگے تھے۔

وہ لڑکی جو مرجانہ کو بہلا پھسلا کر لائی تھی۔ وہ ایک دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی تھی اور مارے دہشت کے رونے لگی تھی۔ اسے بھی انجام نظر آ رہا تھا۔ مرجانہ رہ رہ کر ان لوگوں کو بڑھاوا دے رہی تھی کہ

مارو، خوب مارو۔ اگر مارنے میں ذرا بھی کمی کی تو تم لوگوں کی موت آ جائے گی۔

وہ لوگ مارتے جا رہے تھے۔ کافی دیر تک پٹائی کی حتیٰ کہ وہ بے دم ہو کر فرش پر چاروں شانے چت ہو گیا۔ اب اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں ہلا سکتا۔ اس لئے بڑی بے بسی سے مار کھانے کے لئے فرش پر لیٹ گیا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے چھت کی طرف گھور رہا تھا۔ جیسے اپنی موت کو دیکھ رہا ہو۔

مرجانہ نے ہاتھ اٹھا کر حکم دیا: "بس کرو۔ سب پیچھے ہٹ کر اس کونے میں چلے جاؤ۔"

اس نے کمرے کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ لوگ پیچھے ہٹ کر اس طرف چلے گئے۔ اب وہ تنہا فرش پر پڑا ہوا تھا۔ مرجانہ اطمینان سے چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچی۔ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اس نے اپنی ایک ٹانگ اس کے سینے پر رکھ دی۔ پھر بولی: "اب بتاؤ کہ تمہاری غداری کی کیا سزا ہونی چاہئے؟ پتہ نہیں تم نے ہمارے ملک کو اب تک کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ تمہیں تو کتوں کے سامنے ڈال دینا چاہئے۔ لیکن میں یہ معلوم کرنا چاہوں گی کہ تم کیسے مرنا چاہتے ہو؟"

چوہدری نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مرجانہ کے آگے جوڑ دیئے۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ وہ گڑگڑانا چاہتا تھا، التجا کرنا چاہتا تھا لیکن اتنی مار کھا چکا تھا کہ اس میں بولنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مرجانہ نے نفرت سے کہا: "غدار کی آنکھ سے ہمیشہ مگرمچھ کے آنسو بہتے ہیں۔ مجھے تم رو رو کر بھی متاثر نہیں کر سکو گے۔ دیکھو! تم ابھی عجیب و غریب تماشہ دیکھ چکے ہو۔ تمہارے ہاتھ کا ریوالور میرے ہاتھ میں آ گیا۔ تمہاری جیب میں رکھا ہوا سائیلنسر میرے پاس پہنچ گیا۔ تمہارے آدمیوں نے میرے بجائے تمہاری پٹائی شروع کر دی۔ یہ سب کیسے ہوا؟ کیا تمہاری سمجھ میں کچھ آ رہا ہے؟"

اس نے ایک گہری سانس لی۔ جیسے اپنی تمام توانائیوں کو سمیٹ کر جواب دینے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے کہا: "ہاں! میں اب سمجھ رہا ہوں۔ یہ سب ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہو رہا ہے۔ کیا تم ٹیلی پیتھی جانتی ہو؟ یا فرہاد اور رسونتی سے تمہاری شناسائی ہے؟"

میں اس وقت اس چوہدری کے دماغ میں تھا اور اس کی اندرونی کیفیات کو سمجھ رہا تھا۔ وہ جس قدر اپنے آپ کو نیم مُردہ ظاہر کر رہا تھا۔ حقیقتاً ویسا نہیں تھا۔ اس میں ابھی اتنی جان تھی کہ وہ وہاں سے اٹھ کر پیدل اپنے گھر جا سکتا تھا۔ محض مار پیٹ سے بچنے اور ذلت اٹھانے سے باز رہنے کے لئے اس نے یہ چال چلی تھی، بالکل بے دم سا ہو کر فرش پر لیٹ گیا تھا تاکہ اور پٹائی نہ ہو۔

میں نے مرجانہ سے یہ بات بتائی تو مرجانہ نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا: "میں ٹیلی پیتھی تو نہیں جانتی ہوں لیکن جو جانتا ہے وہ مجھے بتا رہا ہے کہ تم اندر سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہو اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر باتیں کر سکتے ہو۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ملنے والی اطلاع غلط نہیں ہوتی۔ اگر تم چاہتے ہو کہ مزید تمہاری پٹائی نہ ہو تو اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

اس نے خاموشی سے تھوک نگلتے ہوئے مرجانہ کو دیکھا اور سمجھ گیا کہ اپنے اندر اب کوئی بات چھپا کر نہیں رکھی جا سکتی۔ ایسے ٹیلی پیتھی اگل دے گی۔ لہٰذا وہ آہستہ آہستہ کراہتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا پھر اسی طرح اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ مرجانہ نے کہا: "دیکھو! تم نے ابھی کہا تھا کہ تم اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ میں بھی اپنا وقت ضائع نہیں کروں گی۔ میں تمہیں مارنے کے لئے ایک وقت مقرر کروں گی۔ اس وقت خواہ ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے، تمہیں موت ضرور آئے گی۔"

وہ گڑگڑانے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا: "مجھے معاف کر دو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ٹیلی پیتھی جانتی ہو۔"

"ہاں، تم نے مجھے کمزور... سے ٹکرانے کی جرأت کی تھی، اس کا نتیجہ بھی بھگت لو اور پھر تم مجھ سے ٹکراتے نہ ٹکراتے، میں تو تمہارا احتساب ضرور کرتی۔ کیونکہ تم غدار ہو اور غدار کو سزائے موت دینا میرا فرض ہے۔ میں تمہیں ایسی سزا دوں گی کہ تم فوراً ہی نہیں مرو گے بلکہ اپنی زندگی کے لئے جدوجہد کرتے رہو گے۔ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے رہو گے۔ اپنے ریڈ پاور کی تمام قوتیں استعمال کرتے رہو گے لیکن تمہیں موت ضرور آئے گی اور ہر حال میں آئے گی۔ بولو! میں تمہاری موت کے لئے کون سا وقت مقرر کروں؟"

وہ ذرا مطمئن ہو کر بولا: "یعنی تم مجھے ابھی نہیں مارو گی میرے لئے وقت مقرر کرو گی۔ کیا تم اپنی اس بات پر قائم رہو گی؟"

"ہاں! میں اپنی اس بات پر قائم رہوں گی۔ اس وقت سات بج رہے ہیں۔ ٹھیک پانچ گھنٹے بعد یعنی آدھی رات کو بارہ بجے تم مر جاؤ گے۔ تمہیں موت نہیں آئے گی تو خود اپنے ہاتھ سے مرو گے۔ تم نہیں مرنا چاہو گے تو ٹیلی پیتھی کا آسیب تمہیں مجبور کرے گا کہ تم خودکشی کرو، اور تم کرو گے۔"

وہ خوف سے ایک دم زرد پڑ گیا۔ ذرا پیچھے ہٹ کر بولا: "پانچ گھنٹے؟ کیا صرف پانچ گھنٹے کی مہلت دو گی۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں، مجھ پر رحم کرو۔ میرے بیوی بچے ہیں۔ میرے آسرے پر جینے والے بہت سے لوگ ہیں۔ ان کا کیا ہو گا؟ مجھے اتنا موقع دو کہ میں ان کے لئے کچھ کر سکوں اور اتنا کر سکوں کہ میرے بعد وہ سکھ چین سے زندگی گزار سکیں۔"

مرجانہ نے اس کی طرف تھوکتے ہوئے کہا: "لعنت ہے تم پر!

تم تو دشمن ملک سے امداد لے رہے تھے۔ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا مستقبل سنوارنے کے لئے اور تم نے خوب دولت کمائی ہے۔ اب تمہیں کس بات کی مہلت چاہیئے۔ میں چاہتی تو تمہارے بچوں کو بھی چن چن کر قتل کرا دیتی لیکن میں سوچتی ہوں کہ ان بچوں کا کیا قصور ہے۔ اگر وہ بھی غدار نکلیں گے تو انہیں بھی یہی سزا دی جائے گی۔ فی الحال تو مجرم تم ہو۔ تمہیں ہی سزا مل رہی ہے۔"

مرجانہ نے میری ہدایت کے مطابق ریوالور کو اس کی طرف اچھال دیا اور کہا "لو! اپنا یہ ریوالور اپنے پاس رکھو، شاید یہ پانچ گھنٹے کے بعد آدھی رات کو بارہ بجے خودکشی کے لئے کام آجائے۔"

ریوالور ہاتھ میں آتے ہی اس نے حیرانی سے مرجانہ کو دیکھا۔ جلدی سے ریوالور کو چیک کیا۔ وہ بھرا ہوا تھا۔ وہ اسی وقت مرجانہ کو شوٹ کر دینا چاہتا تھا لیکن کیسے کر سکتا تھا۔ میں تو بہت پہلے ہی اس کے دماغ میں بیٹھ چکا تھا۔ اس نے مرجانہ پر فائرنگ کرنے کے بجائے ریوالور کے چیمبر سے ایک ایک کرکے چار گولیاں نکال لیں انہیں جیب میں رکھ لیا۔ ریوالور میں صرف ایک گولی چھوڑ دی۔ مرجانہ یہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا "اب تمہارے ریوالور میں صرف ایک گولی ہے اور تمہیں مرنے کے لئے صرف ایک ہی گولی کی ضرورت ہے، اس لئے تم اس ایک گولی والا ریوالور پانچ گھنٹے تک لے کر گھومتے رہو گے۔"

اب وہ اور اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ اس کی کوئی چالاکی نہیں چلے گی ــــ وہ جو بھی ارادہ کرے گا وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے مرجانہ کو معلوم ہو جائے گا حتٰی کہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کو بھی اس کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا۔ یہ بڑی بے بسی تھی۔ بڑی مجبوری تھی۔ اس نے چپ چاپ ریوالور کو جیب میں رکھ لیا اور التجائیں کرنے لگا۔ گڑگڑانے لگا۔ اپنی اولاد کا واسطہ دینے لگا۔ خدا رسولؐ کا بھی واسطہ دینے لگا کہ اسے معاف کر دیا جائے اور اسے سزا دینے کے بجائے کوئی جرمانہ عائد کیا جائے اور اس سے جتنی دولت لی جا سکتی ہے، لی جائے۔ وہ دینے کے لئے تیار ہے۔ مرجانہ نے سب کو ٹھکرا دیا اور کہا "تم مجھے کیا دے سکتے ہو۔ جو کچھ مجھے ٹیلی پیتھی کے ذریعے مل سکتا ہے۔ وہ ریڈ پاور کا مالک بھی مجھے نہیں دے سکتا۔"

چودھری فضل رحیم نے تھک ہار کر پوچھا "اب آخری بار بتاؤ۔ کیا میرے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ کوئی ایک شرط ایسی پیش کرو جس پر میں عمل کر سکوں اور اپنے آپ کو زندہ رکھ سکوں؟"

مرجانہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں! ایک شرط ہے۔ اگر اس پر عمل کرو گے تو اپنی طبعی عمر تک زندہ رہو گے۔ ہم تمہیں نہیں ماریں گے۔"

وہ جلدی سے خوش ہو کر ذرا سا آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولا "مجھے جلدی بتاؤ۔ وہ کیا شرط ہے؟"

مرجانہ نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا "بہت معمولی سی شرط ہے۔ کوشش کرو کہ آج رات کو بارہ نہ بجیں۔"

وہ چونک کر بولا "کیا مطلب؟ بارہ کیسے نہیں بجیں گے؟ بارہ تو ہر رات بجتے ہیں۔ میں گھڑی کو کیسے روک سکتا ہوں؟"

"تم روک سکتے ہو۔ میں ایک حد مقرر کر دیتی ہوں۔ تم پنڈی شہر میں رہتے ہو۔ کوشش کرو کہ پنڈی شہر کی کسی گھڑی میں رات کے بارہ نہ بجیں۔ اگر کسی گھڑی میں بھی دونوں کانٹے بارہ تک پہنچیں گے تو تمہارے بارہ بج جائیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "یہ تو بچگانہ شرط ہے۔ بھلا ایسا کہیں ہو سکتا ہے کہ شہر کی سبھی گھڑیوں کو بند کر دیا جائے۔"

"انسان ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ تم ٹی وی کے ذریعے، ریڈیو کے ذریعے اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے تمام شہر میں اعلان کرا سکتے ہو کہ آج ہر گھر کی گھڑی بند رہے۔ اس کے لئے تم بڑی سے بڑی قربانی دینے کی شرط پیش کرو۔ ان سے وعدہ کرو کہ تم عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی بڑا کام کرو گے شرط یہ ہے کہ آج پنڈی شہر کے ہر گھر کی ہر گھڑی بند رہے۔"

میں نے مرجانہ کی سوچ میں کہا "تم نے اس کی موت کے لئے بہت اچھا انداز اختیار کیا ہے۔ اب یہ شخص پانچ گھنٹے تک زندہ رہے گا لیکن ہر لمحہ موت کے خیال سے مرتا رہے گا۔ اپنی زندگی بچانے کیلئے پاگلوں کی سی حرکتیں کرے گا۔ ریڈ پاور جیسی تنظیم کے سربراہ سے اپنی زندگی کی بھیک مانگے گا اور پتہ نہیں کیا کچھ کرے گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہی بچگانہ انداز میں پنڈی شہر کے ہر گھر کی گھڑی کو بند رکھنے کی احمقانہ کوششیں بھی کرے۔ بہر حال دیکھا جائے گا کہ ان پانچ گھنٹوں میں کیا ہوتا ہے۔ تم اب واپس جاؤ۔ تمہاری امی پریشان ہوں گی۔"

وہ واپس جانے کے لئے مڑ گئی۔ میں چودھری فضل رحیم کے دماغ میں واپس آگیا اور اچھے ہی وقت پر واپس گیا۔ وہ کم بخت پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکالتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ مرجانہ پر فائر کر دے۔ اس کا قصہ ہی تمام کر دے تاکہ اس کے ذریعے اسے موت نہ آئے۔

اس نے پھر ریوالور کو جیب میں رکھتے ہوئے کہا "چلو مرجانہ! میں تمہیں باہر تک چھوڑ دوں۔" یہ کہہ کر وہ مرجانہ کے پیچھے چلنے لگا۔ اس کے پیچھے اس کے کرائے کے بدمعاش بھی چلنے لگے۔ وہ لڑکی بھی ان میں شامل تھی۔ مرجانہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے قریب بلایا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچی۔ پھر اس کے ساتھ مختلف کوریڈور اور کمروں سے گزرتے ہوئے اس کھنڈر نما عمارت سے باہر جانے لگی۔ مرجانہ اس سے کہہ رہی تھی "میں تمہیں اس لئے معاف

کرتی ہوں کہ تم چند سکوں کے لئے ان کی آلۂ کار بنتی ہو اور یہ نہیں سوچتیں کہ اپنی جیسی ایک عورت کو مصیبت میں گرفتار کرا رہی ہو۔ اگر کبھی تمہارا ضمیر تمہیں ملامت کرے تو صحیح راستے پر آجانا اور حلال کی روزی کمانے کی کوشش کرنا۔ میں تمہیں مشورہ دیتی ہوں۔ ورنہ زندگی کے کسی موڑ پر پھر ملاقات ہوئی اور پھر میں نے تمہیں غلط راستے پر دیکھا تو تم زندہ نہیں بچو گی۔ میری آج کی بات یاد رکھنا۔"

وہ باہر آگئی تھی اور اپنی کار میں بیٹھ رہی تھی۔ اس کے بعد اس نے کار اسٹارٹ کی۔ پھر وہاں سے ڈرائیو کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ میں چودھری فضل رحیم کے دماغ میں موجود رہا تاکہ وہ پیچھے سے مرجانہ پر فائر نہ کرے۔ مرجانہ کے دور جاتے ہی چودھری فضل رحیم کی گھبراہٹ بہت زیادہ بڑھ گئی۔ جب تک وہ سامنے موجود تھی تب تک یہ آس، یہ امید تھی کہ وہ کچھ رحم کرے گی اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس کو سزائے موت نہیں دے گی۔ کوئی دوسری سزا دے کر اپنا غصہ ختم کر لے گی لیکن وہ جا چکی تھی اور یہ فیصلہ اٹل ہو گیا تھا کہ آج رات بارہ بجے اسے مرنا ہے۔

پانچ منٹ کے بعد میں اس کے دماغ سے نکل گیا۔ کیونکہ وہ اتنی دور نکل گئی تھی کہ اس کا پیچھا وہ لوگ نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے مرجانہ کے پاس پہنچ کر کہا "اب تم گھر جاؤ اور اپنی امی وغیرہ کے ساتھ وقت گزارو۔ احتیاطاً کوٹھی کے دروازے اور کھڑکیاں بالکل بند رکھنا۔ پانچ گھنٹے تک باہر نہ نکلو اور میرا انتظار کرو۔"

مرجانہ نے وعدہ کیا کہ وہ میری ہدایت پر عمل کرے گی۔ میں اس کے پاس سے واپس آگیا اور ہسپتال کے اس کمرے میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ وہاں میں ایک منٹ تک خاموش اور پرسکون رہا۔ خیال خوانی سے بھی تھکن ہوتی ہے۔ سوچ کی نگری میں دوڑتے، بھاگتے رہنا پڑتا ہے اور اس طرح دماغ تھک جاتا ہے۔ میں نے دماغ کو آرام پہنچانے کے لئے خیال خوانی سے پرہیز کیا۔ ایک منٹ کے لئے میں نے سگریٹ سلگا کر اس کے کش لگاتے اور ہر قسم کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ رسونتی مجھ سے ملنے کے لئے بے چین ہے۔ وہ یہاں پہنچ گئی ہے اور سونیا بھی مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ ممی بھی ساتھ ہیں اور پتہ نہیں کتنے لوگ مجھ سے ملاقات کے خواہش مند ہوں گے۔

ایک منٹ کے بعد میں نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھا دیا۔ پھر سونیا کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ پتہ چلا کہ سونیا، رسونتی اور ممی... ہسپتال میں پہنچ گئی ہیں اور تقریباً آدھے گھنٹے سے میرا انتظار کر رہی ہیں۔ وہ تینوں ڈاکٹر کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں اور ڈاکٹر سے بڑی دلچسپ گفتگو کر رہی تھیں۔

سونیا کی سوچ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس ہسپتال کو چاروں طرف سے سپر ماسٹر کے آدمیوں نے گھیر رکھا ہے۔ وہ لوگ ہسپتال کے اندر بھی ہیں۔ یہ محض اس لئے کہ کوئی ایسا ویسا شخص یا کوئی انجانا دشمن مجھ تک نہ پہنچے۔ یعنی میری اور رسونتی کی حفاظت کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا تھا جبکہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن وہ ہماری حفاظت کے لیے ایسا کر رہے تھے گویا ہم ایسے وی آئی پی ہوں جن کے لئے ایسے اقدامات لازمی ہوتے ہیں۔

رسونتی کے ساتھ تو ایسا ہو ہی رہا تھا۔ اس کے لیے ایک چارٹرڈ طیارہ بھیجا گیا تھا۔ یہاں پیرس کے ائیرپورٹ پر بھی خصوصی رن وے پر اس طیارے کو اتارا گیا تھا۔ اس کے لیے ایک اتنی شاندار ائیر کنڈیشنڈ کار بھیجی گئی تھی کہ اس میں بیٹھنے کے بعد نکلنے کو جی نہ چاہتا۔ آگے پیچھے محافظ کاریں بھی موجود تھیں اور اسے جس رہائش گاہ میں پہنچایا گیا وہ کسی بہت بڑے محل سے کم نہیں تھی۔ رسونتی یہ سب کچھ دیکھ کر حیران بھی تھی اور خوش بھی۔

میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ اندر ہی اندر روٹھی ہوئی تھی۔ کیونکہ میں اسے لینے کے لئے ائیرپورٹ نہیں گیا تھا پھر اس کی رہائش گاہ میں بھی ملاقات کے لئے نہیں پہنچ سکا۔ مجبوراً اسے خود ہسپتال آنا پڑا۔ اسے کتنا مان تھا ساری دنیا اس کا استقبال کرے یا نہ کرے۔ اگر فرہاد اسے لینے کے لئے آجاتا، اس کا استقبال کرتا تو وہ باقی دنیا کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔

وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی "فرہاد کے سامنے دل کھول کر نہیں مسکراؤں گی۔ چپ چپ سی رہوں گی۔ وہ خود ہی سمجھ لے گا کہ میں اس سے ناراض ہوں اور یہ ملاقات جو برسوں سے دل میں تھی جس کا انتظار تھا۔ وہ ملاقات بہت ہی مایوس کن رہی ہے۔"

پھر وہ یوں بھی سوچ رہی تھی کہ ممی اور سونیا کے ساتھ جب میرے کمرے میں مجھ سے ملنے آئے گی تو زیادہ نخرے نہیں دکھا سکے گی اس کی ناراضگی پر فرہاد کو جس پیار و محبت سے منانا چاہئے، نہیں منا سکے گا۔ کیونکہ کچھ ممی کا احترام ہوگا اور کچھ سونیا کا خیال ہوگا۔ آخر سونیا بھی تو لڑکی ہے اور اس کے سامنے کسی دوسری لڑکی کو دل کی گہرائی سے منایا نہیں جا سکتا۔

یہ بات درست تھی۔ روٹھنے اور منانے کے لئے بالکل تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی تیسرے کی موجودگی میں پیار و محبت کے ایسے چونچلے نہیں ہوتے۔ یہ سوچ کر میں نے رسونتی کے دماغ پر قبضہ کیا۔ وہ اچانک ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ممی نے حیرانی سے پوچھا "کیا بات ہے بیٹی؟"

"کچھ نہیں۔ میں ذرا بیٹھے بیٹھے بور ہو گئی ہوں۔ ابھی یہاں سامنے کوریڈور سے ہو کر آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ جاتے جاتے میں نے اس کے دماغ میں رہ کر سونیا کی بات سنی۔ وہ کہہ رہی تھی: "رسونتی کو سکون نہیں ہے۔ وہ فرہاد سے ملنے کے لئے اتنی بے چین ہے کہ یہاں بیٹھی نہیں رہ سکتی۔"

ڈاکٹر نے کہا: "بے چاری باہر جا کر کرے گی بھی کیا؟ اسے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ مسٹر فرہاد کس کمرے میں ہیں۔"

اس وقت تک رسونتی کمرے سے باہر نکل چکی تھی اور ایک کوریڈور سے گزر کر اس حصے میں پہنچ گئی تھی، جہاں سے اسپیشل کمرے شروع ہوتے تھے۔ وہ میرے کمرے کے پاس آئی۔ پھر اسے کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔

خیال خوانی کے ذریعے میں یقیناً دوسروں کی سوچوں کو پڑھ لیتا ہوں لیکن سوچنے والے یا والی کے سراپا کو پوری طرح دیکھ نہیں سکتا کیونکہ میری آنکھیں وہاں تک نہیں پہنچتی ہیں۔ صرف دماغ پہنچتا ہے اور دماغ ہمیشہ تصور کی آنکھوں سے دکھاتا ہے۔ ایسا دکھایا ہوا جلوہ صرف خیالی ہوتا ہے۔ نامکمل ہوتا ہے۔ اس وقت رسونتی اپنے پورے حسن و شباب کے ساتھ میری کھلی ہوئی آنکھوں کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

کیا روپ تھا۔ کیا رنگ تھا۔ یوں لگتا تھا کہ مرمر کو تراش کر رسونتی کا مجسمہ بنایا گیا ہو۔ جیتا جاگتا، سانس لیتا ہوا مجسمہ۔ اس کا روپ ایسا تھا کہ اس کی تعریف بیان کرنے کے لئے شاعر لفظوں کی بھیک مانگتے پھریں۔ پھر بھی ایسے الفاظ نہ ملیں جن سے اس کی تعریف مکمل ہو سکے۔ میں اسے نظروں میں بھر رہا تھا لیکن میرا دل نہیں بھر رہا تھا۔ آنکھیں نہیں تھک رہی تھیں۔ ایک وقت تھا جو گزرتا جا رہا تھا اور میں چاہتا تھا کہ یہ کبھی نہ گزرے، اپنی جگہ تھم جائے۔

مرجانہ نے اس باس چوہدری فضل رحیم کو کہا تھا کہ آج رات کے بارہ نہ بجنے پائیں۔ وہ زندگی چاہتا ہے تو وقت کو روک دے۔ یہ بچگانہ بات تھی لیکن اس وقت رسونتی کے سامنے یہ بچگانہ خواہش شدت سے سر اٹھا رہی تھی کہ وقت رک ہی جائے اور میں نگاہوں سے اس دیوی کی پوجا کرتا رہ جاؤں۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ اس کے حسن کی چکناہٹ پر پھسلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ پھر میں نے اس کے دونوں بازوؤں کو تھام کر اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اچھا ہوا کہ میں نے اس کے بازوؤں کو تھام لیا تھا ورنہ وہ یک بیک لڑکھڑا کر یا تو فرش پر گر پڑتی یا پیچھے دروازے سے ٹکرا جاتی۔ جیسے ہی میں نے اس کے دماغ کو آزاد کیا، اس نے چونک کر پہلے تو اپنے آپ کو دیکھا، پھر دو مضبوط ہاتھوں کو اپنے بازوؤں پر دیکھتے ہی اس نے سر اٹھایا تو وہ ایک دم سے چیخ پڑی۔

اس کے اچانک ہی غیر متوقع طور پر چیخنے سے میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا کہ ایسا کیوں ہوا۔ پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ سوچتا، کچھ سمجھتا۔ اس نے پلٹ کر دروازے کی چٹخنی گرائی اور اسے کھولتے ہوئے بھاگتی چلی گئی۔ جب وہ نظر سے اوجھل ہو گئی تب میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ رسونتی نے یہاں آ کر اپنے فرہاد کو نہیں، ایک اجنبی طارق محمود کا چہرہ دیکھا تھا۔

میں یہ بھول گیا تھا کہ وہ روٹھی ہوئی تھی۔ اسے منانے کے لئے میں نے بڑا ہی رومانی انداز اختیار کیا تھا۔ اسے ٹریپ کر کے کمرے میں بلایا تھا تاکہ ذرا سا تنہا... وقت گزر لے۔ چھیڑ چھاڑ ہو۔ کچھ شکوے شکایتیں ہوں۔ وہ روٹھے میں منا... لیکن یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میں بھول گیا تھا کہ میں یہاں پلاسٹک سرجری کے لئے آیا ہوں اور وہ یہاں آ کر طارق محمود کے چہرے کو قبول نہیں کرے گی۔ جبکہ وہ ممی سے سن چکی ہے کہ میں ان دنوں طارق محمود کے روپ میں ہوں، لیکن سننا اور بات ہے اور ا... عرصے کے بعد آنکھوں سے دیکھ کر اسے فوراً ہی قبول کر لینا دوسری بات ہے۔ اتنی جلدی قبول کیا نہیں جاتا۔ ذرا سا دماغ کو مائل کرنا پڑتا ہے۔ میں نے تو موقع نہیں دیا تھا اور اسے اچانک تنہا ہی بلا لیا تھا۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ اس کی چیخ سن کر ہسپتال کے ... ہی لوگ بھاگتے چلے آ رہے تھے۔ سونیا اور ممی بھی ڈاکٹر کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ کوریڈور میں انہوں نے رسونتی کو دیکھا جو اب دوڑنے کے بجائے تیزی سے چلتے ہوئے ان کی طرف آ رہی تھی۔

میں نے فوراً ہی سونیا کے دماغ میں کہا: "بھئی! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے رسونتی کو ٹریپ کر کے اپنے پاس تنہائی میں بلایا تھا لیکن یہ بھول گیا تھا کہ وہ طارق محمود کے چہرے کو دیکھ کر بدک جائے گی۔"

سونیا نے طنزیہ انداز میں کہا: "اچھا، تو رسونتی کے آتے ہی تمہیں بے کلی ہونے لگی۔ اسے تنہائی میں بلایا تھا؟"

"ابھی یہ طعنے دینے کا وقت نہیں ہے۔ پہلے اس معاملے کو سنبھالو ورنہ سب لوگ پریشان ہوں گے۔"

اسی وقت کچھ لوگ دوڑتے ہوئے کوریڈور میں آ گئے تھے۔ ان میں زیادہ تر سپر ماسٹر کی تنظیم کے افراد تھے۔ سونیا نے ان سے کہا: "... کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم لوگ جاؤ۔"

سونیا کا حکم سنتے ہی وہ لوگ واپس چلے گئے۔ ڈاکٹر اور ممی نے پوچھا: "کیا بات ہے؟"

رسونتی جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ سونیا نے کہا: "کوئی نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ جہاں تم گئی تھیں۔ ہم وہیں چلیں گے۔"

ممی نے پوچھا: "میری بیٹی کہاں گئی تھی؟"

سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا: "یہ خیال خوانی کی کشتی پر سوار ہو کر فرہاد کے کمرے میں پہنچی تھی لیکن وہاں طارق محمود کا چہرہ دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ کیا اسے نہیں بتایا گیا کہ ان دنوں فرہاد، طارق محمود کے روپ میں ہے؟"

یہ سنتے ہی رسونتی نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سونیا کو دیکھا۔ اسے اب یاد آ گیا تھا کہ اس کا فرہاد طارق محمود کے روپ میں ہے۔ وہ جھینپنے لگی۔ ممی بتا رہی تھیں کہ انہوں نے رسونتی کو پہلے ہی بتا دیا تھا اور وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید رسونتی فرہاد کو طارق محمود کے روپ میں قبول کر لے لیکن یہ تو دہشت زدہ ہو کر بھاگ آئی ہے۔

وہ سب باتیں کرتے ہوئے میرے کمرے کے دروازے پر آئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے پوری طرح کھول دیا۔ وہ تینوں کمرے میں داخل ہوئیں۔ ڈاکٹر واپس چلا گیا تھا۔ ممی نے مجھے دیکھتے ہی آگے بڑھ کر میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا، پھر پیشانی جھکا کر چومنے لگیں۔ میں نے بھی ان کی پیشانی کو چوم لیا، پھر ان کے سر کو اپنے سینے سے لگا کر تھپکنے لگا۔ وہ خوشی سے رو رہی تھیں۔ ہم سے ذرا دور سونیا اور رسونتی ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ سونیا نے جھک کر رسونتی کے کان میں کہا: "دیکھو! ممی کیسے فرہاد کے سینے سے لگی ہیں۔ تم نے اپنا وقت ضائع کر دیا۔ اب کیا کھڑی ہو۔ آگے بڑھو اور مسکرا کر اسے ہیلو کہو۔"

وہ جھکی جھکی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ دل ہی دل میں خود کو اس بات پر آمادہ کر رہی تھی کہ وہ مجھے فرہاد تسلیم کر لے جبکہ میں چہرے کے اعتبار سے کسی طور پر بھی فرہاد نظر نہیں آ رہا تھا۔ کتنے دنوں سے وہ بیماری کے دوران تصور کی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی تھی اور فرہاد کے چہرے کی پوجا کرتی رہی تھی۔ وہ پوجا کرنے والا دیوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں نے مسکرا کر کہا: "ہیلو، رسونتی! کیا اب بھی دور بھاگنے کا ارادہ ہے؟"

وہ جھینپنے لگی۔ ممی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر بولیں: "آؤ بیٹی! آگے بڑھو۔ اپنے فرہاد سے ملو۔ تم نے تو راتوں کو سونا اور وقت پر کھانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ میرے سمجھانے منانے پر تم کھاتی ہو۔ اور خواب آور گولیاں کھلانے پر سوتی تھیں۔ جب دیکھو فرہاد کی رٹ لگائے رہتی تھیں۔ اب یہ سامنے آیا ہے تو تم اسے تسلیم نہیں کر رہی ہو۔"

ایسا کہتے ہوئے وہ رسونتی کو کھینچتے ہوئے میرے بالکل سامنے لے آئی تھیں۔ میں نے اپنا ایک ہاتھ رسونتی کی طرف بڑھایا تاکہ وہ کم از کم مصافحہ کے بہانے ہی اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر مجھے تسلیم کر لے۔ اب تو اسے تسلیم کرنا ہی تھا۔ کیونکہ ممی اس بات کی گواہ تھیں اور سونیا نے بھی یہی کہا تھا کہ میں فرہاد ہوں۔ اور میری آواز، میرا لب و لہجہ، میری آنکھیں، میرا قد، یہ سب کچھ ایسا تھا کہ مجھے فرہاد تسلیم کرنا ہی پڑتا تھا۔ اس لئے اس نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔

میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے آہستگی سے پوچھا: "کیا مجھے چھو کر یقین آ رہا ہے؟"

اس نے سر کو اور جھکا لیا۔ زیر لب مسکرانے لگی۔ اس کے شرمانے کی ادائیں دیکھ دیکھ کر یاد آ رہا تھا کہ وہ کیسی اداؤں بھری دوشیزہ ہے۔ سونیا نے شرارتاً کہا: "ممی! ہمیں تھوڑی دیر کے لئے ان دونوں کو تنہا چھوڑ دینا چاہئے۔ آئیے ہم باہر چلیں۔"

سونیا کی بات سنتے ہی رسونتی نے گھبرا کر اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں کی گرفت سے کھینچ لیا۔ پھر جلدی سے پلٹ کر ممی کے سینے سے لگ گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "میرے اس چہرے نے اجنبیت پیدا کر دی ہے۔ رسونتی مجھے اس حد تک قبول نہیں کرے گی کہ میرے ساتھ دو گھڑی تنہائی میں باتیں کر سکے۔ اسے مجبور نہ کیا جائے۔ آؤ، ہم سب یہاں بیٹھ کر باتیں کریں۔"

ہم صوفوں کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ میرا وہ ہسپتال کا اسپیشل کمرہ ایسا ہی تھا جیسے آدھا ڈرائنگ روم اور آدھا بیڈ روم ہو۔ وہاں اٹھنے بیٹھنے اور سونے کے لئے بڑے اچھے انتظامات کئے گئے تھے۔ سونیا نے بیٹھتے ہوئے کہا: "میں سب سے پہلے سپر ماسٹر کا پیغام پہنچا دوں۔ اس نے نہایت تعظیم کے بعد تمہیں سلام کہا ہے، اور خوش آئند تعلقات کی توقع بھی کی ہے۔ سپر ماسٹر کی طرف سے ڈاکٹر میکی برڈلے کو سخت تاکید ہے کہ وہ اپنی دن رات کی توجہ صرف تم پر رکھے اور دوسری مصروفیات سے باز رہے تاوقتیکہ تم اپنے اصلی چہرے کو نہ پا لو۔"

میں نے سونیا سے کہا: "تم میری طرف سے سپر ماسٹر کو جوابا شکریہ کے الفاظ پہنچا دینا اور اس سے کہنا کہ ہمارے درمیان اس وقت تک کوئی بات چیت نہیں ہو سکتی جب تک کہ میں ممکن کی کے چھٹی لے کر اس ہسپتال سے باہر نہ آؤں اور اپنا اصلی چہرہ نہ پا لوں۔ اس کے بعد ہی میں خوشگوار آئندہ تعلقات کے سلسلے میں کوئی جواب دے سکوں گا۔"

سونیا نے کہا: "ہمیں یہاں سر جوڑ کر سوچ لینا چاہئے کہ سپر ماسٹر کو کیا جواب دیا جائے اور آئندہ اس سے کس قسم کے تعلقات رکھے جائیں۔ یہاں رسونتی بھی موجود ہے اور بزرگ کی حیثیت سے

ہماری ممی ہیں۔ تمہیں یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ تم آئندہ کس طرح زندگی گزارنا چاہتے ہو اور کس کے ساتھ گزارنا چاہتے ہو۔ ایک کے ساتھ یا سب کے ساتھ، یا بالکل ہی تنہا؟"

ممی نے کہا: "اب تو تنہا زندگی گزارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرے بیٹے نے کافی عرصہ ایسی زندگی گزار لی ہے۔ جہاں گیا، کبھی کسی کا ساتھ پکڑ لیا، ورنہ تنہا رہا۔ اب فرہاد کو بڑی سنجیدگی سے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو ایک سماجی فطرت دی ہے۔ وہ خواہ کہیں رہے، تنہا نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ جانور بھی جنگل میں تنہا نہیں رہتے۔ ایک چیونٹی بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ قطار بنا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتی ہے اور ہم تو انسان ہیں۔ میرے بیٹے کو اب تھک جانا چاہئے اور کہیں ڈیرا ڈالنا چاہئے۔"

"ممی! آپ کا مشورہ اور آپ کی نصیحتیں سر آنکھوں پر۔ ابھی تو آپ اور سونتی یہاں پہنچی ہیں۔ ابھی آپ آرام کریں۔ مجھے سوچنے کا موقع دیں۔ میں نے سونیا سے تنہائی میں بہت سی باتیں کی ہیں۔ اسی طرح رسونتی سے بھی کچھ ضروری باتیں کروں گا۔ اس کے بعد پھر آپ سے بھی تنہائی میں مشورہ لوں گا۔ پھر ہم سب مل کر کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔"

اتنے میں ڈاکٹر میکی براڈلے آگیا۔ اس نے پریشانی سے کہا: "مسٹر فرہاد! آپ تو عجیب شخصیت ہیں۔ پھر یہ کہ یہ محترمہ سونتی یہاں آئی ہیں تو ہماری مصروفیات میں خلل پڑنے لگا ہے۔ اب تک سینکڑوں بار ٹیلی فون کی گھنٹی بج چکی ہے۔ کتنے ہی لوگ آپ دونوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ مادام سونیا جانتی ہیں کہ باہر ان کے مسلح آدمیوں نے کس طرح پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ کسی کو یہاں ہسپتال میں آنے جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

سونیا نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "ڈاکٹر! یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ابھی تو عوام کو پتہ نہیں چلا ہے کہ دو ٹیلی پیتھی جاننے والے یہاں پیرس میں موجود ہیں۔ صرف یہاں کے چند خاص لوگوں کو پتہ چلا ہے ۔۔۔ وہ بھی اس لئے کہ وہ لوگ رسونتی ۔۔۔ کے استقبال کے لئے ایئرپورٹ گئے تھے۔ وہ سب اپنے ہاں باری باری رسونتی اور فرہاد کو دعوت دینا چاہتے ہیں۔ ہم ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ ان سے ملنے والوں کو محدود رکھا جائے۔"

ڈاکٹر میکی براڈلے نے کہا: "مسٹر فرہاد! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم بہت بڑی شخصیت کے مالک ہو۔ بہت معزز ہو۔ بلکہ صحیح بات کہی جائے تو بڑے ہی دہشت ناک ہو۔"

اس کی بات سن کر ہم سب ہنسنے لگے۔ اس نے سر ہلا کر کہا: "میں سچ کہتا ہوں۔ یہ تمام لوگ تم سے مرعوب ہو کر اور تم سے دہشت زدہ ہو کر تمہاری قدر کر رہے ہیں اور تمہیں اتنی عزت دے رہے ہیں۔ بہرحال اگر یہی حال رہا تو میرے ہسپتال کا کاروبار چوپٹ ہو جائے گا اور دوسرے مریض میری توجہ سے محروم رہیں گے۔ صرف تمہاری ہی طرف توجہ دینی پڑے گی۔ لہٰذا میں آج ہی سے تم پر پوری توجہ دیتا ہوں اور تمہارے ساتھیوں سے معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ اب یہ کم از کم ایک ہفتے تک تم سے ملاقات نہ کریں۔ میں اپنے تمام تجربات آزما کر ایک یا دو ہفتے کے اندر اس چہرے کو تبدیل کر دوں گا۔ لہٰذا میں ایک گھنٹے بعد تمہارے چہرے پر کچھ کام کرنا شروع کروں گا۔"

میں نے کہا: "ڈاکٹر! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس وقت سات بجے ہیں۔ آپ نو بجے کے بعد جو چاہیں میرے ساتھ کریں۔ میں نو بجے تک ذرا ایک جگہ مصروف رہنا چاہتا ہوں۔ یعنی یہاں کے وقت کے مطابق پاکستان میں اس وقت بارہ بجیں گے اور بارہ بجے مجھے ایک اہم کام انجام دینا ہے۔"

ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا: "ٹھیک ہے۔ نو بجے کے بعد ہی کیا اس کے بعد پھر تمہاری کوئی مصروفیت نہیں ہوگی۔"

"اچھی بات ہے۔ کوئی مصروفیت نہیں ہوگی اور کوئی حکم؟"

ڈاکٹر نے کہا: "مجھے تمہارے چہرے پر کام کرنے کے لئے تم پر نیم بے ہوشی طاری کرنی پڑے گی۔ لہٰذا آج رات کا کھانا نہ کھانا۔"

میں نے کہا: "ڈاکٹر! آپ مجھے بے ہوش کرنے یا نیم بے ہوش رکھنے کے لئے اپنے کسی ڈاکٹری حربے کو استعمال نہ کریں۔ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے خود ہی اپنے آپ پر نیم بے ہوشی طاری کر لوں گا۔"

ڈاکٹر نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھا۔ پھر کہا: "میں تو بھول ہی گیا تھا کہ یہ کام تم ٹیلی پیتھی سے کر سکتے ہو۔ یہ بھی کیا ہو گیا۔ پھر تو میرے لئے بڑی آسانی ہوگی۔"

"لیکن ڈاکٹر! میری ایک گزارش ہے اور وہ یہ کہ جب میں گہری نیند سوتا ہوں تو اپنے دماغ کو یہ ہدایت دیتا ہوں کہ میرے کمرے میں کوئی داخل ہو تو میری آنکھ کھل جائے۔ لیکن سرجری کے بعد ہوش میں آنے تک مجھے ایک محافظ کی ضرورت ہوگی جو میری دیکھ بھال کرے۔"

ڈاکٹر نے کہا: "اس کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تمہارے دشمن تو نہیں ہیں کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچائیں گے۔"

"یہ بات نہیں ہے ڈاکٹر! آپ دشمن نہیں ہیں لیکن کوئی دشمن آپ کو بے بس کر سکتا ہے اور میری بے ہوشی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

ڈاکٹر نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "ہاں، ایسا ہو سکتا ہے۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ جب بھی میری بے ہوشی کے دوران پلاسٹک سرجری کے مرحلے سے گزریں تو اس وقت سونیا میرے پاس موجود رہے۔ یہ جب تک رہے گی۔ میں مطمئن رہوں گا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں تمہیں ٹھیک ساڑھے نو بجے اپنے آپریشن تھیٹر میں لے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔ رسونتی نے پہلی بار مجھے مخاطب کیا: "فرہاد! تمہاری یہ احتیاطی تدابیر مجھے بہت پسند آئیں کہ تمہاری بے ہوشی کے دوران سونیا تمہارے پاس موجود رہے۔ واقعی تمہارے دشمنوں کا کوئی حساب نہیں ہے۔ پتہ نہیں کون کس طرف سے آئے اور تمہاری بے ہوشی سے یا غفلت سے فائدہ اٹھائے۔ سونیا کا موجود رہنا بے حد ضروری ہے۔"

سونیا نے کہا: "تم سب بے فکر رہو۔ میں محافظ بن کر پوری طرح محتاط رہوں گی لیکن فرہاد اگر میں تمہیں بے ہوشی سے ہوش کی طرف لانا چاہوں تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

میں نے جواب دیا: "میں اپنے دماغ کو ہدایت دوں گا کہ جب سونیا میرے پاؤں کے تلوؤں کو آہستہ آہستہ سہلائے گی تو میری آنکھ کھل جائے گی اور میں پورے ہوش و حواس میں آ جاؤں گا۔"

سونیا نے پوچھا: "کیا ایسا ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہوتا ہے؟"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟ ایک بات یاد رکھو کہ جب ڈاکٹر کسی بھی دوا کے ذریعے بے ہوش کرتے ہیں تو بے ہوشی کے باوجود دماغ بالکل ہی سن نہیں ہو جاتا۔ مردہ نہیں ہو جاتا۔ دماغ زندہ رہتا ہے لیکن اس کی حس اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ رفتہ رفتہ اس دوا کا اثر زائل ہوتا رہتا ہے پھر وہ دماغی قوت بحال ہوتی رہتی ہے۔ یہی حال ٹیلی پیتھی کا ہے اگر ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایک خاص وقت مقرر کر دیا جائے کہ اس وقت تک دماغ غافل رہے تو وہ وقت آنے تک دماغ غافل تو رہتا ہے لیکن آہستہ آہستہ غفلت سے شعوری حد تک واپس لوٹتا رہتا ہے۔"

ممی نے پوچھا: "لیکن پاؤں کے تلوے سہلانے والی بات سمجھ میں نہیں آئی؟"

میں نے جواب دیا: "دیکھئے! جسم کے کچھ حصے ایسے ہیں جو بڑے حساس ہوتے ہیں مثلاً بغل میں اگر ہاتھ لگایا جائے تو گدگدی ہوتی ہے۔ اسی طرح پاؤں کے تلوے کو سہلایا جائے تو گدگدی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ ایسے حصے ہیں کہ یہاں ہاتھ لگانے سے دماغ فوراً ہی لمس کو محسوس کر لیتا ہے۔ غافل رہنے والا دماغ جو کہ ہوش و حواس کی طرف آ رہا ہو۔ وہ پاؤں کے تلوے سہلانے کے باعث ایک تو زیادہ حساس ہوگا۔ دوسرے یہ کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے دی ہوئی ہدایت کا اثر بھی ہوگا۔"

سونیا نے کہا: "ٹھیک ہے۔ تم جو وقت مقرر کرو گے میں اس وقت ایسا ہی کروں گی۔ فی الحال کیا خیال ہے۔ ممی! ہم دونوں کو تھوڑی دیر کے لئے باہر جانا چاہئے۔"

ممی فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ سونیا بھی مسکراتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی۔ پھر باہر جانے لگی۔ رسونتی نے سر جھکا لیا تھا۔ جب وہ دونوں باہر چلی گئیں تو میں نے اٹھ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر رسونتی کی طرف پلٹ کر مسکراتے ہوئے بولا: "اب کیا خیال ہے۔ اب بھی ڈر لگ رہا ہے؟"

وہ ذرا سا شرمائی۔ ذرا مسکرائی۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی: "مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے معلوم کر لو کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے یا نہیں؟"

میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "کاش تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے میری سوچ پڑھ سکتیں۔ اس وقت تمہیں دیکھ دیکھ کر میرے دل میں کچھ ہو رہا ہے۔ رسونتی! میں نے سنا تھا کہ بیماری کے حسن میں بڑی دلکشی ہوتی ہے۔ آج تمہیں دیکھ کر اس حقیقت کا اعتراف کر رہا ہوں۔ بیماری کے بعد تم اور زیادہ حسین، دلنشین ہو گئی ہو۔ تمہارا تو رنگ روپ ہی بدل گیا ہے۔"

میں نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ تاکہ وہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے۔ اس نے کہا: "فرہاد! تنہائی کا مطلب صرف یہی تو نہیں ہوتا کہ پہلے حسن کے متعلق شاعرانہ جملے ادا کئے جائیں۔ پھر اس کے بعد چھونے کی تمنا کی جائے۔ کیا ہم اپنی زندگی کے متعلق کچھ ضروری باتیں نہیں کر سکتے۔ ضروری فیصلے نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس جو بھی وقت ہے اسے ہمیں ضائع نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنے مستقبل کے متعلق سنجیدگی سے فیصلہ کرنا چاہئے۔"

"تم میری حسرت ہو رسونتی۔"

"میں جانتی ہوں۔ پہلے میرے پاس ٹیلی پیتھی کا علم تھا۔ میرے پاس ایک قوت تھی جس کے ذریعے میں تمہیں اس بات پر مائل کر لیا کرتی تھی کہ انسان کو نارمل رہنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ اچھی صورت یا کوئی حسین چہرہ دیکھا تو بس بہکنے کا ارادہ کر لیا۔ بہکنے کے علاوہ بھی کچھ اور ہوتا ہے وہ ہوتی ہے محبت، اور محبت کو نبھانے کا عزم۔ یہ بات میں شروع سے کہتی آ رہی ہوں۔ آج بھی کہہ رہی ہوں۔ لیکن ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے۔ جو وقت سے پہلے کام ہوتا ہے۔ وہ اچھا نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔ خصوصاً اس معاملے میں مرد کا تو کچھ نہیں جاتا مگر عورت کا بہت کچھ بگڑ جاتا ہے۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔"

مجھے مایوسی ہوئی۔ میں نے ذرا ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے کہا: "میں نادان نہیں ہوں۔ سب سمجھتا ہوں۔ کیا اتنے عرصے تک جدا رہنے کے بعد دل میں یہ خواہش نہیں مچلتی کہ گلے مل کر گلے شکوے دور کر دیئے جائیں؟"

"یہ خواہش یقیناً ہوتی ہے۔ میرے دل میں بھی ہے یا نہیں، تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے اکثر دیکھ چکے ہو گے۔ میں یہ دیکھتے تو نہیں گئی کہ تم کب میرے دماغ میں جھانکتے ہو اور کیسی کیسی سوچیں پڑھ لیتے ہو؟ بہرحال میں تمہیں اتنا سمجھاتی ہوں کہ مجھ سے ناراض نہیں ہونا چاہئے بلکہ

میری قدر کرنی چاہئے کہ میں جائز راستے پر چل کر تمہارے قدموں میں آنا چاہتی ہوں۔ مجھے اپنے قدموں میں اس طرح نہ لاؤ کہ وہ میرے لئے ٹھوکر بن جائے۔"

"تم کیسی باتیں کرتی ہو؟ کیا میں نے سونیا کو ٹھکرا دیا ہے کیا میں نے رومانہ کو ٹھکرا دیا تھا۔ تم سونیا، رومانہ جیسی ہستیاں ہو۔ جنہیں میں نے ہمیشہ سر آنکھوں پر بٹھائے رکھا۔ تم مجھے ایسا الزام نہ دو۔"

"میں الزام نہیں دے رہی ہے بے شک تم نے انہیں نہیں ٹھکرایا لیکن یہ بھی تو ٹھکرانا ہی کہلاتا ہے کہ کبھی ان کے ساتھ سال چھ مہینے تک نہیں رہتے۔ ہمیشہ انہیں چھوڑ کر بھٹکتے رہتے ہو۔ یہ کوئی زندگی تو نہیں ہے۔ ہم مشرقی عورتیں جب بھی اپنے مرد کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور کرتی ہیں تو ہمارے تصور میں ایک چھوٹا سا گھر ہوتا ہے اور پیارے پیارے بچے ہوتے ہیں۔ مرد اور عورت صرف اپنی ذات کے لئے، اپنی خوشیوں کے لئے زندہ نہیں رہتے بلکہ اپنے بچوں کی، اپنی آئندہ نسل کی خوشیوں کے لئے بڑی بڑی قربانیاں بھی دیتے ہیں۔ تم نے ابھی تک اپنے مستقبل کو نہیں سمجھا اور نہ ہی اپنی آئندہ نسل کے متعلق سوچا ہے اور نہ اس نسل کے لئے تم اپنے اصولوں کو، اپنی راہوں کو بدلنا چاہتے ہو۔"

"یعنی تم یہ چاہتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ ازدواجی گھریلو زندگی گزاروں؟"

"میں کیا ہر شریف لڑکی یہی چاہے گی۔ فرہاد! بہت ہو گیا بہت بھٹک چکے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تمہیں سنجیدگی سے اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہئے اور یہ سوچنا چاہئے کہ آئندہ بھی تمہارا نام لینے والا کوئی تمہارا بچہ اس دنیا میں ہوگا یا نہیں ہوگا۔ کوئی ایسی عورت ہوگی جو تمہارے بچے کو گود میں کھلائے گی اور اپنا دودھ پلائے گی اور بڑے ارمانوں سے اسے پھلتا پھولتا دیکھے گی۔ میں وہ عورت ہوں۔ فرہاد! کیا تم میرے ساتھ گھریلو ازدواجی زندگی نہیں گزار سکتے؟"

میں نے ایک گہری سانس لے کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا: "مجھے یہی فیصلے کرنے ہیں۔ اگر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے تم لوگوں کے ساتھ ایسی زندگی گزارنا ہے تو پھر تم جانتی ہو کہ میں مسلمان ہوں اور میرے ہاں ایک سے زیادہ شادی رائج ہے۔ میں تمہارے اور سونیا کے ساتھ گھریلو ازدواجی زندگی گزاروں گا۔ تمہارا دھرم کیا کہتا ہے۔ تمہارا مزاج کیا کہتا ہے۔ یہ فیصلے تم کرنا۔ مگر ابھی میں نے اپنا آخری فیصلہ نہیں سنایا ہے۔"

رسونتی نے کہا: "میں سونیا کی عزت کرتی ہوں اور اسے ایک اچھی دوست سمجھتی ہوں۔ اس نے میرے برے وقت میں ساتھ دیا تھا۔ میں بھی اس کے برے وقت میں کام آئی ہوں اور آئندہ بھی ہمارے درمیان ایسی ہی دوستی قائم رہے گی لیکن میں اسے سوکن تسلیم نہیں کرتی۔ سونیا کو بھی یہی چاہئے کہ وہ مجھے سوکن تسلیم نہ کرے۔ فیصلہ تم کرو کہ کس کے ساتھ گھریلو ازدواجی زندگی گزارو گے۔ میں ایسے سونیا کے ساتھ پہلے تمہاری دوستی ہوئی۔ پہلے تمہارے تعلقات ہوئے، اسی کے ساتھ تمہیں زندگی گزارنے کا فیصلہ کرنا چاہئے اور جب تم یہ فیصلہ کرلو گے تو میں ہمیشہ کے لئے تمہارے راستے سے ہٹ جاؤں گی۔ پھر کبھی تمہارے سامنے نہیں آؤں گی۔"

"یہ تمہارا جذباتی فیصلہ ہوگا۔"

"نہیں فرہاد! جب مرد یہ کہتا ہے کہ عورت کو صرف ایک مرد سے وفا کرنا چاہئے اور ایک مرد کا بن کر رہنا چاہئے اور کسی دوسرے کا تصور بھی ذہن میں نہیں لانا چاہئے۔ تو عورت بھی یہی کہتی ہے۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ میرا مرد بھی صرف میرا ہو کسی دوسری عورت کا نہ ہو۔ اگر مرد یہ برداشت کرلے کہ عورت اس کے سوا کسی دوسرے کی بھی ہو کر رہے تو میں بھی تسلیم کرلوں گی کہ تمہارا ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ زندگی گزارنا جائز ہے۔ جذباتی فیصلہ میرا نہیں ہے تمہارا ہے۔ کیا یہ جذباتی حماقت نہیں ہے؟ کہ جو گھر تم بناؤ۔ اس کے ہر کمرے میں تمہارے لئے ایک عورت موجود ہو؟ چھی چھی۔ کیسی باتیں کرتے ہو۔"

میں ٹہلتے ہوئے اس سے دور گیا، پھر بولا: "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح فیصلہ کروں گا۔ کیونکہ مجھے سونیا جتنی عزیز ہے اتنی ہی چاہت تمہارے لئے بھی میرے دل میں ہے۔ میں کسی کو بھی اس دل سے نکال کر نہیں پھینک سکتا۔"

"انسان کا دل ہر چمکتی ہوئی چیز کے لئے مچلتا ہے۔ لہٰذا اسے پوری قوتِ ارادی کے ساتھ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کیسے کرے اور باقی چیزوں کو کیسے نظر انداز کرے اس کا فیصلہ اسے خود کرنا پڑتا ہے۔ کوئی دوسرا نہیں کرتا۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "میں ایسا فیصلہ کرنے میں شاید ناکام رہوں گا۔ ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ ممی کے علم سے کچھ کام لیا جائے۔ وہ اپنے علم نجوم کے ذریعے میری تمہاری اور سونیا کی قسمت کا پورا حال معلوم کریں گی اور ہمارے مستقبل کے متعلق نشاندہی کریں گی۔ اس کے مطابق ہم فیصلہ کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"چلو یہی سہی۔ میں دیکھوں گی کہ ممی کے ذریعے تم کس نتیجے پر پہنچتے ہو؟"

"رسونتی! اب یہ باتیں تو ہو چکیں۔ جب فیصلے کی گھڑی آئے گی اور کوئی نتیجہ سامنے آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ ابھی تو اپنے دل کی بات بتاؤ؟"

"کیا بتاؤں۔ کیا تم میرے دل کی بات نہیں جانتے ہو؟ میں جب سے یہاں آئی ہوں اور جب تک میں وہاں تھی۔ تمہارے ہی بارے میں سوچتی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں سوچنے کے لئے اور کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ ایک تمہاری ذات ہے اور میری سوچیں ہیں اور بس

کچھ نہیں۔"

"ایسی بات ہے تو پھر تم یہاں آکر ایسی باتیں کیوں نہیں کررہی ہو؟"

"اس لئے کہ بعض حالات میں اپنے من کو مارنا پڑتا ہے اور خود کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ ہم نہیں جانتے۔ اگر مجھ سے ناانصافی ہوئی اور میری سوچ کے مطابق میری آرزوؤں کے مطابق مجھے میرا مستقبل نہ ملا تو مجھے کسی گوشۂ تنہائی میں زندگی گزارنی ہوگی اور اس کے لئے مجھے ابھی سے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہئے خواہ مخواہ رومانی گفتگو کرکے اور محبت کی باتیں زیادہ سے زیادہ کرکے اپنے آپ کو بھڑکانا نہیں چاہئے۔ مجھے اسی طرح شانتی ملے گی کہ میں ان باتوں سے کتراتی رہوں۔ ممی اور سونیا کو اب بلا لو۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ ہم ان کی موجودگی میں بھی باتیں کرسکتے ہیں۔ ایسی کوئی خاص پرائیویٹ باتیں تو اب رہی نہیں۔"

"کوئی بات نہ رہے تب بھی جی چاہتا ہے کہ دو چاہنے والے تنہائی میں ایک دوسرے کو خاموشی سے بیٹھے دیکھتے رہیں اور نظروں کی پیاس بجھاتے رہیں۔"

"یہی تو میں نہیں چاہتی کہ ایسا ہو۔ ایسا ہوگا تو دل کی لگی بڑھ جائے گی۔ تمہیں خدا کا واسطہ۔ میرے جذبات سے اور میری آرزوؤں سے اس طرح نہ کھیلو۔ مجھے بھڑکانے کی کوشش نہ کرو۔ میری بات مان لو۔ ممی اور سونیا کو بلا لو۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر سونیا کو مخاطب کیا اور اس سے کہا کہ ممی کے ساتھ چلی آئے۔ سونیا نے مجھ سے مسکراتے ہوئے پوچھا: "کیا بات ہے۔ دال نہیں گلی؟"

میں نے کہا: "ہاں! تم تو جانتی ہو کہ رسونتی شروع سے ہی ایسی ہے اور یہ پہلی عورت ہے جس کے پاس دال نہیں گلتی۔"

ایک منٹ کے بعد ہی وہ ممی کے ساتھ کمرے میں آگئی۔ ہم صوفوں پر ادھر ادھر بیٹھ گئے۔ میں نے ممی سے کہا: "دیکھئے! مجھے اب پلاسٹک سرجری کے مراحل سے گزرنے کے لئے شاید ہفتے دو ہفتے کا عرصہ لگے گا۔ اس دوران مجھے آرام سے لیٹ کر سوچنے کا خوب موقع ملے گا۔ میں فیصلہ کروں گا کہ مجھے کس طرح زندگی گزارنا چاہئے۔ لیکن ایک مسئلہ ایسا ہے جو مجھ سے حل نہیں ہو رہا ہے اور وہ یہ کہ سونیا میرے لئے جتنی عزیز ہے، اتنی ہی رسونتی بھی ہے۔ میں دونوں میں سے کسی کو چھوڑ نہیں سکتا۔ جہاں تک سونیا کا تعلق ہے، میرے اور سونتی کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہے۔ لیکن رسونتی کو انکار ہے۔ وہ سونیا کو اپنا بہترین دوست سمجھتی ہے لیکن سوکن کی حیثیت سے اسے برداشت نہیں کرے گی۔"

ممی نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "بیٹے! تم ایک نہیں چار شادیاں کرسکتے ہو لیکن آج کی عورت اسے پسند نہیں کرتی۔"

"ممی! آپ یہ بات چھوڑ دیں۔ یہ بتائیں کہ ہم تینوں کے ستارے کیا کہتے ہیں۔ اگر آپ نے اب تک اسٹڈی نہیں کی ہے تو ابھی کافی وقت ہے۔ جب تک میں سرجری کے مراحل سے گزر رہا ہوں۔ آپ اطمینان سے میرے، سونیا کے، رسونتی کے مستقبل کے متعلق کچھ حالات معلوم کریں اگر مکمل طور سے ہمارا مستقبل آپ کے علم کے آئینے میں نظر نہ آئے تو کچھ اشارے ہی دے دیں۔ تاکہ ان اشاروں کی روشنی میں ہم کوئی قدم اٹھا سکیں۔"

"میں نے تمہارے اور رسونتی کے حالات تو بڑی تفصیل سے معلوم کئے ہیں۔ سونیا کا ذکر اب سے پہلے میرے سامنے زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے میں نے بہت کم معلومات حاصل کی ہیں۔ ویسے میں سونیا کے بارے میں بھی تفصیلی حالات معلوم کروں گی۔"

"آپ میرے اور رسونتی کے متعلق بتائیں۔"

"میں کیا بتاؤں۔ رسونتی کا ستارہ اور تمہارا ستارہ بالکل ساتھ ساتھ چل رہا ہے لیکن یہ ستارے نہ تو ایک دوسرے کو کراس کرتے ہیں، نہ ایک دوسرے سے کسی بہانے ملتے ہیں۔ یہ ملتے ملتے الگ ہو جاتے ہیں۔ میں نے جو ریڈنگ کی ہے اس کے مطابق رسونتی کا مزاج کچھ اور ہے اور وہ تمہارے غلط اصولوں کے سامنے کبھی نہیں جھکے گی۔"

"کیا میں گھریلو ازدواجی زندگی گزار سکوں گا؟"

ممی نے اثبات میں سر ہلا کر کہا: "ہاں، گزار سکتے ہو مگر گزارنا نہیں چاہو گے۔ تم اپنی عادت کے مطابق اس بار بھی کترانے کی کوشش کرتے رہو گے اور ایک ایسا ستارہ ہے جو تمہیں قابو میں کرے گا اور تمہیں، تمہارے اصولوں کو ختم کرکے صحیح اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کرے گا۔"

میں نے پوچھا: "کیا وہ ستارہ رسونتی کا ہے؟"

ممی نے انکار میں سر ہلایا: "نہیں۔"

"کیا وہ ستارہ سونیا کا ہے؟"

ممی نے اس بار بھی انکار میں سر ہلایا۔ پھر گہری سنجیدگی سے بولیں: "وہ ستارہ ہے مرجانہ کا۔ وہ تمہیں اپنے بس میں کرے گی اور تمہیں تمہارے اصولوں کے خلاف زندگی گزارنے پر مجبور کرے گی۔"

ممی کی باتیں سنتے ہی میں نے فوراً ہی باری باری رسونتی اور سونیا کے دماغ میں یکے بعد دیگرے چھلانگ لگائی۔ کبھی اس کے دماغ کو پڑھا، کبھی اس کے دماغ کو پڑھا۔ دونوں سوچ رہی تھیں۔ یہ مرجانہ کہاں سے آ ٹپکی اور کیا اس کی اتنی اہمیت ہوگئی ہے کہ فرہاد میرے قابو میں نہیں آئے گا اور میری بات نہیں مانے گا بلکہ مرجانہ کی باتوں پر عمل کرے گا۔

سونیا کی طرح رسونتی بھی یہی سوچ رہی تھی: "اور کیا مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں ہے ایسی کشش نہیں ہے یا ایسی صلاحیتیں نہیں ہیں کہ میں ان کے ذریعے فرہاد کو اپنے قابو میں کروں اور اپنی مرضی کے مطابق اسے

زندگی گزارنے پر مجبور کروں ؟"

سونیا نے ناگواری سے مسکراتے ہوئے کہا: "چلو، فیصلہ ہو گیا نہ میں، نہ رسوتی تیسری نئی نویلی تمہیں مبارک ہو۔ تم اسی کے ساتھ گھریلو ازدواجی زندگی گزارو گے!"

ممی نے کہا: "نہیں سونیا! میں نے یہ تو نہیں کہا کہ مرجانہ فرہاد کے ساتھ گھریلو ازدواجی زندگی گزارے گی۔ تم ابھی مرجانہ کے متعلق کچھ نہیں جانتی ہو۔ وہ فولاد کی ایک ایسی دیوار ہے۔ جو گرائی نہیں جا سکتی۔ بڑے مضبوط ارادے کی مالک ہے۔ وہ عورتوں کی طرح شاید ہی زندگی گزار سکے۔ اس کا مزاج ایسا نہیں ہے۔ وہ دوست بن کر اور دنیا جہان کے رشتے اپنا کر تو رہ سکتی ہے لیکن کوئی ایسا رشتہ قبول نہیں کر سکتی جس میں اسے زیر ہونا پڑے خواہ اپنے مرد سے یا کسی سے بھی۔"

رسوتی نے کہا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ بات جہاں تھی وہیں رہ گئی۔ یعنی آپ اپنے علم کے ذریعے یہ نہیں بتا سکتیں کہ فرہاد گھریلو ازدواجی زندگی گزاریں گے یا نہیں ؟"

"میں نے تو بتا دیا ہے۔ فرہاد ایسی زندگی گزار سکتا ہے۔ تمہارے ساتھ یا سونیا کے ساتھ۔ کسی کے ساتھ بھی وہ ایک گھر بسا سکتا ہے لیکن اس کے لئے اس کو آمادہ کرنے والی ہستی دوسری ہے۔"

سونیا نے ہنستے ہوئے کہا: "واہ! آپ کے علم نے تو اور زیادہ اُلجھا دیا۔ بات کچھ پلے نہیں پڑ رہی ہے کہ کیا ہونے والا ہے ؟"

ممی نے کہا: "بیٹی! اگر انسان پوری طرح یہ معلوم کر لے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے تو پھر اس میں اور خدا میں کیا فرق رہ جائے گا؟ وہ ہم سب کو پیدا کرنے والا ہمارا معبود جانتا ہے کہ ستاروں کی چال بھی کس طرح بدل جاتی ہے اور ہمارا علم جو صحیح بات بتا رہا ہے۔ وہ ایک وقت غلط بھی ہو جاتی ہے۔ ستارے اپنا راستہ بدل لیتے ہیں، اپنا مزاج بدل لیتے ہیں۔ اس لئے میں یا کوئی بھی یہ علم جاننے والا پورے یقین سے کچھ نہیں بتا سکتا۔"

سونیا نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا: "میرا خیال ہے، اب ہمیں چلنا چاہئے۔ ماسٹر موس ہڑوڈی کے ہاں ہم لوگوں کو رات کے کھانے کی دعوت ہے۔ فرہاد تو جا نہیں سکیں گے۔ لہٰذا ہم تینوں کو چلنا چاہئے۔"

میں نے سونیا سے کہا: "ٹھیک ہے۔ تم ممی اور رسوتی کو لے کر جاؤ لیکن ساڑھے نو بجے تک یہاں پہنچ جانا۔ کیونکہ مجھے تمہاری ضرورت ہے اور جب تک میں ہوش میں نہ رہوں، اس وقت تک تم میرے پاس رہو گی۔"

سونیا نے وقت پر آنے کا وعدہ کیا۔ پھر ممی اور رسوتی کو اپنے ساتھ لے کر چلی گئی۔ ان کے جانے کے بعد میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر بستر پر لیٹ کر ایک سگریٹ سلگانے کے بعد اس کا کش لگاتے ہوئے مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔

مرجانہ میری ہدایت کے مطابق اپنے گھر والوں کے ساتھ کوٹھی میں محدود ہو گئی تھی۔ ان میں سے کوئی باہر نہیں نکل رہا تھا۔ کھڑکی دروازے بند کر دیئے گئے تھے اور وہ کسی آنے والے سے ملاقات نہیں کر رہے تھے۔ جو بھی آتا تھا۔ اس سے کہہ دیا جاتا تھا کہ وہ صبح سے پہلے کسی سے نہیں مل سکیں گے۔ اس کے علاوہ ٹیلی فون کی گھنٹیاں بار بار بج رہی تھیں۔ ہر بار ٹیلی فون پر یہی کہا گیا کہ کوئی مرجانہ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کی ممی، اس کی خالہ اور خالو نے ریسیور اُٹھا کر یہی جواب دیا کہ مرجانہ گھر میں موجود نہیں ہے۔

میں نے مرجانہ کو ابھی مخاطب نہیں کیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ پہلے اس ریڈ پاور کے باس چوہدری فضل رحیم کے بارے میں کچھ معلوم کر لوں کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے کیا کیا طریقے استعمال کر رہا ہے اور کون کون سے ذرائع کو پکار رہا ہے۔ کیونکہ اس کی زندگی اب تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی رہ گئی تھی اور اسے معلوم تھا کہ جب مرجانہ نے یہ کہہ دیا ہے کہ آج ٹھیک آدھی رات کو مر جاتا ہے تو وہ یقیناً مر جائے گا۔ کوئی اسے بچا نہیں سکے گا۔

میں چوہدری کے دماغ میں پہنچ گیا۔ تب پتہ چلا کہ وہ تو اپنی جان بچانے کے لئے بہت دور تک بھاگتا چلا گیا ہے۔ یعنی اس نے ہمارا ملک ہی چھوڑ دیا تھا۔ جب مرجانہ نے اسے موت کی سزا سنائی تھی تب ہی ایک گھنٹے کے بعد وہاں سے ایک طیارہ یورپ کی طرف جانے والا تھا۔ اس کے لئے اس طیارے میں ایک سیٹ ریزرو کرا دی گئی تھی۔ اس طرح وہ ملک سے باہر چلا گیا تھا۔ یہ سب کچھ ریڈ پاور کی طرف سے کیا گیا تھا لیکن ریڈ پاور والے یہ بھی جانتے تھے کہ چوہدری ملک سے باہر جائے یا دنیا کے کسی کونے میں بھی پہنچ جائے۔ وہ موت سے نہیں بچ سکے گا دوسرے لفظوں میں ٹیلی پیتھی سے نجات نہیں ملے گی۔ اسی لئے وہ لوگ مرجانہ سے رابطہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس سے ملنا چاہتے تھے۔ نہ ملنے کی صورت میں بار بار ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میں چوہدری کے دماغ میں موجود تھا۔ اس وقت جہاز میں مسافروں کو بتایا جا رہا تھا کہ ان کا جہاز ایران کی حدود میں داخل ہو گیا ہے اور وہ اب سے آدھ گھنٹے بعد تہران کے ائیرپورٹ پر اترنے والے ہیں۔ میں نے چوہدری کی سوچ میں کہا: "بیٹے! تم کہاں تک بھاگ کر جاؤ گے۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو تہران پہنچ کر اپنا سفر ملتوی کر دو اور وہیں اپنی موت کا انتظار کرو۔"

اس کے دماغ میں ایسی سوچ آتے ہی وہ ایک دم سے بوکھلا گیا۔ سہم کر اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے مسافر کو دیکھا۔ وہ بھی ریڈ پاور کا ایک اہم آدمی تھا اور چوہدری کو اپنی حفاظت میں لے کر جا رہا تھا۔ اس نے چوہدری سے پوچھا: "کیا بات ہے۔ کیا تم ٹیلی پیتھی کے رابطے کو محسوس کر رہے ہو ؟"

چوہدری نے جلدی جلدی اثبات میں سر ہلایا اور کہا: "ہاں! ابھی میرے دماغ میں یہ بات آ رہی ہے کہ میں اپنی جان بچا کر کہیں نہیں جا سکوں گا۔ لہٰذا مجھے تہران پہنچتے ہی اپنا سفر ملتوی کر دینا چاہئے۔"

اس آدمی نے چوہدری کو دیکھتے ہوئے کہا: "اگر ٹیلی پیتھی کا رابطہ قائم کرنے والی شخصیت چوہدری صاحب کے دماغ میں موجود ہے تو میں انہیں مخاطب کرتا ہوں اور نہایت عزت و احترام سے یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے رابطہ قائم کریں۔ میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

میں نے چوہدری کی زبان سے کہا: "میں یہاں چوہدری کے دماغ میں موجود ہوں اور تمہاری باتیں سُن رہا ہوں۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو، کہو!"

اس نے کہا: "میں چوہدری کی زندگی چاہتا ہوں اور اس کی زندگی بچانے کی خاطر آپ کی کوئی بھی شرط منظور کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

میں نے کہا: "ہمیں کوئی شرط منظور نہیں ہے۔"

اس شخص نے کہا: "میرا نام جوزف دسکی ہے۔ شاید آپ کو یاد ہو۔ مجھے رُدمانیہ میں مادام سونیا کی خدمات کا موقع مل چکا ہے۔ ہم نے ان کا بڑا شاندار استقبال کیا تھا اور انہیں شایانِ شان عہدہ دینے کے لئے بھی تیار تھے لیکن تقدیر ہمارے ساتھ نہیں تھی اور پھر ایسا ہوا کہ ہم لوگ ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ سے رابطہ قائم ہو رہا ہے۔ میں پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ فرہاد علی تیمور صاحب ہیں اور اس وقت آپ کا قیام پیرس کے ایک ہسپتال میں ہے۔ میں اس ہسپتال کے کمرہ نمبر تک سے واقف ہوں۔ محترمہ رسوتی بھی وہاں پہنچی ہوئی ہیں اور مادام سونیا تو پہلے سے موجود ہیں۔ آپ لوگوں کی پوری ٹیم وہاں ٹھہری ہوئی ہے۔ میں اور ملک میں اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہم آپ سے کسی نہ کسی بہانے رابطہ قائم کرنا چاہتے تھے آپ یہ اعتراف کر لیں کہ آپ فرہاد صاحب ہیں۔ تو یہ ہماری بڑی خوش نصیبی ہو گی۔"

جوزف دسکی کی باتوں کے دوران مجھے یاد آ گیا تھا کہ رومانیہ میں جب سونیا پہنچی تھی تو وہاں جوزف دسکی سے بھی رابطہ قائم ہوا تھا اور اس کے لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ ریڈ پاور کے آدمی ہماری موجودہ رہائش کے متعلق پوری معلومات رکھتے تھے۔ وہ دونوں تنظیمیں ایسی تھیں کہ ہر وقت اطلاعات حاصل کرتی تھیں۔ ان کے بڑے عجیب و غریب ذرائع تھے۔ وہ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پلک جھپکتے ہی اہم معلومات پہنچا دیا کرتے تھے۔

میں نے چوہدری کی زبان سے اعتراف کیا: "ہاں! میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو ؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چوہدری صاحب کی زندگی آپ کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور انہیں سزائے موت دینا بھی اتنا ضروری نہیں ہے۔ اگر میں یہ بتا دوں کہ اس سے بھی ایک اہم معاملہ آپ سے طے ہو سکتا ہے تو ۔۔۔ ؟"

"کیسا اہم معاملہ ؟"

"یہ کہ ہمارے پاس تمہارے ملک کے اہم کاغذات محفوظ ہیں جو کہ چوہدری کے ذریعے ہمارے پاس پہنچے ہیں۔ اگر تم سودا کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ تو ہم وہ کاغذات تمہیں واپس کر دیں گے۔ اس کے بدلے تم چوہدری کو معاف کر دو۔"

میں یہ سن کر کہ میرے ملک کے متعلق کچھ اہم کاغذات ان کے قبضے میں ہیں ۔۔۔ فوراً ہی چوہدری کو چھوڑ کر جوزف دسکی کے دماغ میں پہنچ گیا اور آہستہ آہستہ اس کی سوچ کو کریدنے لگا۔ پتہ چلا کہ مختلف اوقات میں مختلف قسم کی معلومات میرے ملک سے حاصل کی گئی تھیں اور یہ معلومات نہایت اہم اور راز میں سمجھے گئے ہیں جو کہ اب راز نہیں رہی تھیں۔ یہ راز ریڈ پاور والوں تک پہنچ گیا تھا اور یہ نیکی چوہدری فضل رحیم کی تھی۔ مجھے بڑا غصہ آ رہا تھا لیکن اب غصہ دکھا کر اپنے ملک کا نقصان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ کاغذات لینے کے لئے چوہدری کی سزائے موت کو بدل دیا جائے یعنی اسے معاف کر کے ریڈ پاور والوں کے حوالے کر دیا جائے۔

غداروں کو معاف نہیں کیا جاتا۔ ان کی پہلی اور آخری سزا موت ہوتی ہے لیکن اپنے ملک کے راز بھی اہم ہوتے ہیں۔ میں نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا: "مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ تم لوگوں کے پاس میرے ملک کے کتنے اہم راز محفوظ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم ۔۔۔ چند کاغذات واپس کرنے کے بعد باقی رازوں کو دبا کر رکھ لو اور مجھے اس کا پتہ نہ چلے۔"

"فرہاد صاحب! آپ اپنی تسلی کے لئے ٹیلی پیتھی کے ذریعے کسی نہ کسی طرح یہ بات معلوم کر سکتے ہیں۔ ہم اپنے پاس آپ کے ملک کا کوئی راز نہیں رکھیں گے۔ جب یہ بھید کھل ہی چکا ہے کہ ریڈ پاور کے کون لوگ آپ کے ملک میں سرگرم رہے ہیں، تو آپ اسے بھی پسند نہیں کریں گے۔ لہٰذا آپ کے کہنے سے پہلے ہی ہم نے ریڈ پاور کے تمام

افراد کو آپ کے ملک سے نکال لیا ہے اور صرف آپ سے معاملہ طے کرنا رہ گیا ہے۔"

"سنو جوزف وسکی۔ یہ معاملہ اتنی آسانی سے طے نہیں ہوگا۔ یہ بات اپنے مالک مین کو بتا دو کہ تمہارے کتنے ہی ممالک کے باس میری نظروں میں ہیں۔ ان کے ذریعے اب تک میں کہاں کہاں پہنچ چکا ہوں۔ تمہارے فرشتے بھی یہ معلوم نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا تمہارے سامنے اس وقت صرف چوہدری فضل رحیم کی جان بچانا ہی نہیں بلکہ اپنے بہت ہی اہم افراد کی بھی زندگی بچانے کا سوال ہے۔ لہٰذا میں اس وقت تم سے کوئی بات آگے بڑھاؤں گا جب مجھے یہ بتایا جائے کہ میرے ملک سے چوہدری کے نکل جانے کے بعد اور کون کون غدار رہ گئے ہیں کیونکہ چوہدری کا تعلق تم سے تھا ہماری حکومت سے نہیں تھا۔ پھر وہ حکومت کے رازوں تک کیسے پہنچ گیا۔ اس کا مطلب تو یہی ہے کہ حکومت کے کچھ کارندے ایسے ہیں جو ہماری ہی حکومت کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرنا چاہتے ہیں۔ رشوت لے کر عیش و عشرت کی زندگی گزار کر اپنے ملک کو آہستہ آہستہ بیچ رہے ہیں۔ میں ان لوگوں تک پہنچنا چاہتا ہوں اور تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ مجھے ان تمام لوگوں کے پتے بتا دو۔ میں چوہدری فضل رحیم کو اس شرط پر معاف کر دوں گا کہ آئندہ وہ ہمارے ملک میں کبھی قدم نہ رکھے۔ میں اس کے خاندان والوں کو بھی اپنے ملک میں برداشت نہیں کروں گا۔"

جوزف وسکی نے کہا: "ہمیں آپ کی شرط منظور ہے۔ وہاں چند ______ غدار قسم کے لوگ رہ گئے ہیں۔ میں ان کے نام اور پتے تہران پہنچتے ہی حاصل کروں گا اور آپ کو بتا دوں گا۔ وہ غدار جو آپ کے ملک کے خلاف کام کرتے رہے ہیں۔ وہ ہمارے لئے بھی غدار ہیں کیونکہ جو اپنے ملک کا نہیں ہوتا وہ کسی کا نہیں ہوتا۔ صرف چوہدری فضل رحیم کو ہم اس لئے بچا رہے ہیں کہ یہ ہمارا بہت شروع سے ہی نمک خوار اور وفادار رہا ہے اور اس کی وفاداری کے پیش نظر ہم اس کی زندگی بچانے کے لئے آپ کی بڑی سے بڑی شرط ماننے پر تیار ہو گئے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ جب تم تہران پہنچ جاؤ گے تو میں تم سے دماغی رابطہ قائم کروں گا۔ فی الحال یہ بتاؤ کہ ___ راولپنڈی میں مرجانہ کے خلاف کیا اقدامات کئے گئے ہیں؟"

اس نے جواب دیا: "ہم نے صرف اس کی کوٹھی کا محاصرہ کرایا ہے تاکہ کوئی بھی شخص وہاں سے نکلے تو ہم اس کے ساتھ بڑی سہولت سے رابطہ قائم کریں اور انہیں کوئی جانی یا مالی نقصان نہ پہنچائیں۔ ہم نے فون کے ذریعے بھی کئی بار رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ پنڈی سے خبر آئی ہے کہ اب تک رابطہ قائم نہیں ہو سکا ہے اور وہ لوگ کسی قسم کی بھی گفتگو کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔"

میں نے کہا: "ٹھیک ہے۔ تم تو ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کر لیتے ہو۔ اس وقت میں چاہتا ہوں کہ تم ٹرانسمیٹر کی طرف جاؤ اور وہاں پہنچ کر ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ مرجانہ کی کوٹھی کا محاصرہ ہٹا لیا جائے اور کوئی انہیں کسی قسم کا نہ تو نقصان پہنچائے اور نہ ہی... ان کی راہ کی رکاوٹ بنے۔"

میرا حکم سنتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھا پھر ٹرانسمیٹر کی طرف جانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ وہاں پہنچ کر ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کر رہا تھا اور میں سن رہا تھا۔ اس نے حکم دے دیا تھا کہ مرجانہ کی کوٹھی سے محاصرہ کو ہٹا لیا جائے۔ میں اس کے دماغ سے نکل کر مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔

وہ اطمینان کی سانس لے کر بولی: "شکر ہے کہ تم آگئے ہم بڑی دیر سے اپنے ہی گھر میں قیدی بنے بیٹھے ہیں۔"

"فکر نہ کرو، میں نے دشمنوں سے رابطہ قائم کر کے ان کا محاصرہ توڑ دیا ہے۔ اب وہ لوگ وہاں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ آئندہ تم لوگ باحفاظت رہو گے۔ کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

اس کے بعد میں نے مرجانہ کو پوری تفصیل سے تمام باتیں بتائیں کہ چوہدری فضل رحیم اس وقت کہاں ہے۔ اور کس طرح تہران پہنچنے کے بعد اس کے ذریعے ہم لوگوں کو ان غداروں کے نام اور پتے حاصل ہوں گے جو اس وقت اہم اداروں اور عہدوں پر ___ کام کر رہے ہیں اور سازشوں کے ذریعے ہمارے دشمنوں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

"ہمارے ملک میں جو غدار ہیں۔ ہم ان کے خلاف ثبوت کیسے حاصل کر سکیں گے؟"

"یہ بات ثابت کرنی ہوگی۔ اس کے لئے دیکھا جائے گا کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ تم ان پتوں پر جا کر ان لوگوں سے فرداً فرداً ملاقات کرو گی اور تمہارے ذریعے میں ان کے دماغوں میں پہنچوں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ انہیں کس طرح ناچ نچایا جاتا ہے اور کس طرح ان کی زبان سے ان کی غداریوں کو اگلوایا جا سکتا ہے۔ بہرحال اپنے گھر والوں سے کہو اب آرام سے سو جائیں۔ انہیں کسی قسم کا اندیشہ نہیں کرنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ان سے آرام کرنے کے لئے کہتی ہوں۔ لیکن میں اس وقت تک نہیں سو سکوں گی جب تک تم دوبارہ آ کر مجھے ان غداروں کے نام اور پتے نہیں بتاؤ گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ایک آدھ گھنٹے کے بعد واپس آؤں گا۔ تمہیں ساری معلومات فراہم کروں گا۔"

یہ کہہ کر میں اس کے پاس سے واپس آیا اور دماغی طور پر ہسپتال کے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ میں بیس منٹ تک مرجانہ سے باتیں کر رہا تھا۔ اب دس منٹ کے بعد چوہدری فضل رحیم اور جوزف وسکی تہران کے ہوائی اڈے پر پہنچنے والے تھے۔ اس کے بعد مجھے ان غداروں کے نام اور پتے بتائے جانے تھے۔ میں سوچنے لگا کہ جو کاغذات ریڈیا در تک پہنچ گئے

ہیں، انہیں واپس لینے کا فائدہ کیا ہوگا؟ جبکہ ان کاغذات سے ہمارے ملک کا راز فاش ہو چکا ہے۔ اصل بات یہ ہوتی کہ میں اپنے ملک کے دیانتدار اور ذمہ دار افسران کو یہ بات پہنچاتا کہ جن کاغذات کی وہ حفاظت کر رہے تھے۔ وہ اب پرائے ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ان ذمہ دار افسران کو ان کاغذات کی اہمیت ختم کر دینی چاہئے اور اپنی... پالیسی تبدیل کرنی چاہئے تاکہ وہ کاغذات ریڈیا در یا کسی بھی خطرناک تنظیم کے لئے بیکار ثابت ہو جائیں۔

میری سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی میں اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں گیا اور دروازے کو کھول دیا۔ ایک نرس وہاں کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "مادام سونیا نے ٹیلی فون کے ذریعے یہ پیغام بھیجا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ میں نے کاغذ کو کھول کر دیکھا۔ اس میں لکھا تھا "مجھ سے رابطہ قائم کرو ___ سونیا۔"

میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا اور کرسی پر بیٹھ کر سونیا کے دماغ میں پہنچ گیا: "ہیلو! کیا بات ہے؟"

اس نے کہا: "اس وقت میں ماسٹر موس ٹرویتی کے ہاں تھی اور ڈنر کے ساتھ کھانے میں مصروف تھی کہ ایک ٹیلی فون میرے نام آیا۔ فون پر کسی نے کہا کہ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے لیکن ہسپتال کے چاروں طرف سخت محاصرہ ہے۔ اس لئے اس نے مجبور ہو کر مجھے فون کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ فرہاد صاحب چند ایسے غداروں کے نام اور پتے معلوم کرنا چاہتے ہیں جو ان کے ملک میں اہم سرکاری عہدوں پر فائز ہیں۔ وہ تمہارے پاس تمام نام اور پتے پہنچانا چاہتا ہے۔"

میں نے سونیا کی باتیں سن کر کہا: "بہتر یہ ہوتا کہ تم اس سے وہ نام اور پتے سن کر نوٹ کر لیتیں۔"

"تم مجھے سبق نہ پڑھاؤ۔ اتنی عقل مجھ میں ہے۔ میں مادام سونیا کہلاتی ہوں۔ میرا تم سے ابتدا ہی سے گہرا ربط و ضبط ہے۔ دونوں خطرناک تنظیمیں سمجھتی ہیں کہ ہمارے درمیان کیسے گہرے تعلقات ہیں۔ پھر بھلا وہ کیسے نام اور پتے نہ لکھواتا۔ چلو! میں وہ نام دہراتی ہوں۔ تم ذہن میں محفوظ کر لو اور اس سلسلے میں جو کرنا چاہتے ہو، کرو۔"

"ٹھہرو! میں مرجانہ تک یہ سارے نام پہنچانا چاہتا ہوں۔ ادھر تم مجھے نام اور پتے بتاتی جاؤ گی۔ ادھر اسے میں نوٹ کراتا جاؤں گا۔"

سونیا نے پوچھا: "کیا مرجانہ پر تمہیں اتنا اعتماد ہے؟ کیا وہ ان غداروں سے تنہا نمٹ لے گی؟"

"سونیا! تم نے ابھی مرجانہ کو دیکھا نہیں ہے۔ وہ ایسی ہی ہے جیسی کہ رومانہ تھی۔ ایک جاپانی ماسٹر نے اسے صرف حدید داؤ پیچ ہی نہیں سکھائے ہیں بلکہ اس کے جسم کو فولاد بھی بنا دیا ہے۔ میں ایک اہم مشورہ تمہیں دوں گا کہ اگر کبھی ایسا موقع آئے کہ تم دونوں کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس سے لڑنے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر لڑنا چاہو گی تو اس کے حملوں سے بچنے کی کوشش کرنا۔ اس لئے کہ اس کا ایک ہاتھ بھی پڑ جائے تو مقابل برداشت نہیں کر سکتا ہے۔"

سونیا نے ناگواری سے کہا: "کیا تم میری توہین کر رہے ہو؟ کیا مرجانہ جیسی بچیاں مجھے شکست دے دیں گی یا مجھے خوف زدہ کر دیں گی کہ ان کے کن حملوں سے مجھے بچنا چاہئے اور کس طرح ان پر حملہ کرنا چاہئے؟"

"خوف زدہ کرنے والی بات نہیں ہے بلکہ تجربہ حاصل کرنے والی بات ہے۔ میں تمہیں معلومات فراہم کر رہا ہوں۔ یہ صرف میں نہیں بلکہ دنیا کی بہت بڑی تنظیمیں بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ تم ایک لاجواب فائٹر ہو۔ تمہارے مقابلے میں کوئی کھڑا نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ تمہاری ذہانت یا مکاری مشہور ہے۔ تم سے جو بھی مقابلے کے لئے آتا ہے سب سے پہلے وہ تمہاری مکاری سے سہم جاتا ہے۔ بیشک تم اپنی ذہانت یا مکاری سے مرجانہ پر سبقت لے جا سکتی ہو لیکن جو بات سچ ہو اس سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ اسی لئے میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ آگے تمہاری مرضی، تم مانو یا نہ مانو۔"

یہ کہہ کر میں نے اس سے رابطہ ختم کیا۔ پھر مرجانہ کو مخاطب کیا۔ وہ اس وقت اپنے بیڈروم میں تنہا تھی اور میری ہی منتظر تھی میں نے کہا: "کاغذ اور پنسل لے کر بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں نام اور پتے بتا رہا ہوں انہیں لکھتی جاؤ۔"

یہ کہہ کر میں نے سونیا سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے ایک نام اور پتہ بتایا۔ میں نے اس سے رابطہ ختم کرنے کے بعد مرجانہ سے رابطہ قائم کیا اور اسے وہ نام اور پتہ لکھوا دیا۔ اسی طرح میں کبھی سونیا سے اور کبھی مرجانہ سے رابطہ قائم کرتا رہا اور ایک جگہ کے نام اور پتے دوسری جگہ پہنچاتا رہا۔

جب یہ کام ہو گیا تو میں نے سونیا سے پوچھا: "تم کب آ رہی ہو؟"

"بس زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹے کے بعد یہاں سے فرصت مل جائے گی۔ میں اپنے وعدے کے مطابق سوا نو بجے تک تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

میں نے اس سے رابطہ ختم کیا پھر مرجانہ کے پاس پہنچا۔ اس نے پوچھا: "تم ابھی کہاں چلے گئے تھے؟"

"میں نے ابھی جتنے نام اور پتے لکھوائے ہیں۔ وہ سب سونیا کے ذریعے حاصل کئے ہیں۔ وہ ادھر مجھے بتا رہی تھی ادھر میں تمہیں لکھوا رہا تھا اسی لئے ابھی تمہارے پاس آنے میں تھوڑا وقت لگ گیا۔"

اس نے پوچھا: "اب کیا چاہتے ہو۔ میں ان لوگوں کے پاس کب جاؤں؟"

"تم پہلے ان میں سے کسی ایک کا نام منتخب کر لو۔ کل صبح میں کسی

وقت تم سے رابطہ قائم کروں گا۔ تب تم اس شخص کے پاس جانا جب تم سے ملاقات ہوگی تو میں تمہارے ذریعے اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی سمجھ رہی تھی کہ تم ایسا ہی کرو گے۔ بہرحال میں کل صبح تمہارا انتظار کروں گی۔"

"اچھا تو اب میں جاتا ہوں۔"

"ذرا ٹھہرو۔ اچھا یاد آیا۔ وہ میری امی ضد کر رہی ہیں کہ ہندوستان جائیں گی اور میں ضد کر رہی ہوں کہ تمہارے پاس پیرس آؤں گی۔ پہلے امی میری بات اس لئے مان گئی تھیں کہ وہ ہندوستان جاتے ہوئے ڈرتی تھیں۔ مجھے ساتھ نہیں لے جانا چاہتی تھیں۔ دشمنوں کا خوف تھا کہ وہ مجھے نقصان پہنچائیں گے لیکن جب سے انہوں نے تمہاری ٹیلی پیتھی کے کمالات دیکھے ہیں۔ تب سے ان کا ارادہ بدل گیا ہے ——— وہ تم پر بھروسہ کرنے لگی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہندوستان پہنچنے کے بعد اگر مصیبت نازل ہوئی تو تم ہمارے کام آؤ گے۔"

"وہ درست کہتی ہیں۔ میں بھلا کیوں نہ کام آؤں گا۔ کیا تمہیں اس حقیقت سے انکار ہے؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ میں امی کو کسی طرح قائل کرنا چاہتی ہوں کہ وہ پیرس چلیں۔"

"اس کی اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ تم پیرس بعد میں بھی آسکتی ہو میں تو ابھی ڈاکٹر کے زیر علاج ہوں۔ مجھ سے ملاقات کروگی تو میرا چہرہ تمہیں نظر نہیں آئے گا۔ کیونکہ پٹیوں سے بندھا ہوا ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ اس عرصے میں تم جو کام نمٹا سکتی ہو وہ نمٹا کر چلی آؤ۔ اپنی آنکھوں کے سامنے دشمنوں کو دیکھو اور انہیں ان کے ——— انجام تک پہنچا دو۔"

"امی بھی یہی کہہ رہی ہیں اور تم بھی یہی کہہ رہے ہو تو میں سوچوں گی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"اچھا! اب میں جاتا ہوں۔ شب بخیر۔ ہو سکے تو آج رات میرے خواب دیکھ لینا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی: "تم جانتے ہو کہ میں خواب نہیں دیکھتی حقیقت کی دنیا میں سانس لیتی ہوں جن کے دل اور دماغ کمزور ہوتے ہیں وہ کسی آئیڈیل کا خواب دیکھتے ہیں۔ میں ایسی تو نہیں ہوں کہ ایسے روگ پالتی رہوں۔"

"ہاں! تم ایسی نہیں ہو اور مجھے بھی ایسا ہی بنانا چاہتی ہو!"

"بالکل۔ کیونکہ ہماری دوستی کی شروعات یہی ہے۔ ہم دونوں مرد بن کر دوستی نبھاتے رہیں گے تاوقتیکہ قدرتی حالات مجھے عورت بننے پر مجبور نہ کردیں۔"

میں نے ایک سرد آہ بھری۔ پھر اس سے رخصت ہو کر ہسپتال کے کمرے میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ ٹھیک نو بجے ڈاکٹر میکی براڈلے میرے کمرے میں آیا اور پھر مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ ہم دونوں ایک لمبے سے اسسٹنٹ کا روم میں پہنچے۔ وہاں ڈاکٹر نے پلاسٹک سرجری کے ابتدائی مراحل سے مجھے گزارنے کے لئے کچھ تیاریاں کی تھیں وہ ان تیاریوں پر نظر ثانی کرنے لگا۔ ساڑھے نو بجے سونیا اپنے وعدے کے مطابق پہنچ گئی۔ ڈاکٹر اپنے کام میں مصروف تھا۔ وہ میرے پاس مجبوراً آہستگی سے بولی: "تم نے سونیتی سے کیا باتیں کی ہیں۔ وہ بے چاری بہت مایوس دکھائی دے رہی تھی؟"

میں نے حیرانی سے پوچھا: "وہ مایوس کیوں ہے؟ میں نے ابھی کوئی فیصلہ تو سنایا نہیں تھا۔"

سونیا نے اپنے شانے اچکا کر کہا: "پتہ نہیں کیا بات ہے؟ اس نے ماسٹر موسس ٹمرونی کے یہاں ٹھیک سے کھایا بھی نہیں اور نہ ہی لوگوں سے ہنس بول رہی تھی۔ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ وہ صبح ہوتے ہی سوئٹزرلینڈ چلی جائے گی۔"

میں نے کہا: "بیشک اسے سوئٹزرلینڈ جانا چاہئے کیونکہ اس کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔ یہاں رہ کر وہ کرے گی بھی کیا؟"

سونیا نے کہا: "تم اس سے دماغی رابطہ قائم کرو اور اس سے مایوسی کی وجہ معلوم کرکے اسے تسلیاں دو۔"

"اچھی بات ہے میں اس سے رابطہ قائم کرلوں گا لیکن ابھی ضروری بات ہے۔ وہ سن لو۔ جب میں اپنے دماغ کو نیم بے ہوشی کے لئے ہدایات دوں گا تو ہوش میں آنے کی شرط یہی ہوگی کہ میرے پاؤں کے تلووں کو سہلایا جائے۔ جب ایسا کیا جائے گا تو میں ہوش میں آجاؤں گا۔ اس بات کو تم ہمیشہ یاد رکھنا۔"

"مجھے اسی وقت سے یاد ہے جب تم نے پہلی بار کہا تھا۔"

اسی وقت ڈاکٹر نے مجھے مخاطب کیا: "مسٹر فرہاد! آئیے میرے ساتھ چلئے۔ مادام آپ بھی آپریشن تھیٹر میں آسکتی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ میں اور سونیا اس کے ساتھ چلتے ہوئے آپریشن تھیٹر میں پہنچے۔ وہاں ایک نرس موجود تھی۔ ڈاکٹر نے اس سے کہا کہ اسٹڈی روم سے اس کی وہ تمام چیزیں اٹھا کر لے آئے جو پلاسٹک سرجری کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

نرس اس کی ہدایت کے مطابق چلی گئی۔ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا کہ اب میں آرام سے بیڈ پر جاؤں اور اپنے اوپر بے ہوشی طاری کر لوں۔ میں نے سونیا کی طرف دیکھا۔ پھر بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ میرے قریب آگئی۔ پھر اس نے میرے ہاتھ کو یوں تھام لیا جیسے میں کسی بہت بڑے مرحلے سے گزرنے والا ہوں اور وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے حوصلہ دے رہی ہو۔ ڈاکٹر نے کہا: "مسٹر فرہاد! اگر ٹیلی پیتھی کے ذریعے بے ہوشی طاری کرنے میں دشواری پیش آئے یا آپ مزید آسانیاں چاہیں

تو یہی بہتر ہوگا کہ ہم اپنے طور پر آپ کو بے ہوش کریں۔"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "نہیں، ڈاکٹر! میں ابھی چند منٹ میں غافل ہو جاؤں گا اور آپ کا کام آسان ہو جائے گا۔ ابھی دیکھ لیجئے۔"

یہ کہہ کر میں نے ایک نگاہ سونیا پر ڈالی۔ سونیا نے بھی نگاہوں سے مسکرا کر مجھے الوداع کہا۔ پھر میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ اپنے دماغ کو ہدایات دیں کہ میں غافل ہو جاؤں۔ سرجری کے دوران مجھے ذرا بھی تکلیف کا احساس نہ ہو اور جب میرے پاؤں کے تلووں کو سہلایا جائے تو میں رفتہ رفتہ ہوش میں آجاؤں۔

یہ ہدایات دماغ کو دینے کے بعد میں رفتہ رفتہ بالکل ہی غافل ہو گیا ——— پھر میں نہیں جانتا کہ غفلت کے ———

دوران میرے ساتھ کیا کچھ ہوتا رہا۔ کس طرح میں پلاسٹک سرجری کے مرحلے سے گزرتا رہا۔ جب وہ مرحلہ ختم ہو گیا تو اس کے بعد میرے ہوش میں آنے کا مرحلہ تھا۔ سونیا میرے پاؤں کے تلووں کو سہلاتی اور میرا دماغ بیدار ہو جاتا۔ پھر میں آنکھیں کھول دیتا۔

لیکن سونیا نے میرے تلوے نہیں سہلائے۔ میں بدستور ذہنی طور پر غافل رہا اور میری آنکھیں بند رہیں۔ عام طور پر آپریشن سے پہلے مریضوں کو بے ہوشی کے انجکشن دیئے جاتے ہیں۔ اس کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے کہ کتنی دیر تک وہ مریض بے ہوش رہے گا پھر کس طرح رفتہ رفتہ ہوش میں آجائے گا۔ ڈاکٹر میکی براڈلے کے دماغ میں بھی میری بے ہوشی کے لئے کوئی وقت مقرر ہوگا اور اس وقت کے گزر جانے کے بعد اس نے یقیناً سونیا سے کہا ہوگا کہ مجھے ہوش میں آجانا چاہئے۔ پتہ نہیں کیوں میں ہوش میں لایا نہیں گیا؟

اب تک میں ٹیلی پیتھی کی روشنی میں دوڑتا رہا تھا۔ یہ بھول گیا تھا کہ تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک روشن اور دوسرا تاریک۔ اور اس وقت میں تاریک پہلو دیکھ رہا تھا اور ٹیلی پیتھی کے ایسے اندھیرں میں بھٹک رہا تھا جس کے متعلق میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں خود اپنے ہی دام میں پھنس جاؤں گا۔ مجھے سونیا پر بھروسہ کرنا بڑا مہنگا پڑ رہا تھا۔ حالانکہ سونیا کسی بھی مقام پر مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی تھی لیکن اس وقت ایسا کیوں ہو رہا تھا؟ اب میں ترتیب سے بتاؤں تو میرے پڑھنے والوں کو دلچسپی ہوگی اور اچھی طرح سمجھ میں بھی آئے گا۔

ہوش میں آنے کے بعد میں نے جو کچھ معلومات حاصل کیں۔ اس کے مطابق ہوا یہ کہ سرجری کے دوران ڈاکٹر میکی براڈلے نے سونیا سے کہا: "آپ کھڑی کھڑی تھک جائیں گی۔ ایک طرف کرسی پر بیٹھ جائیے۔"

سونیا نے پوچھا: "کتنی دیر بعد مسٹر فرہاد کو ہوش میں آ

جانا چاہئے؟"

ڈاکٹر نے کہا: "تقریباً دو گھنٹے بعد!"

سونیا نے رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا: "پھر تو ٹھیک ہے۔ میں ذرا باہر سے آتی ہوں۔ ایک گھنٹے کے اندر آجاؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ آپریشن تھیٹر سے باہر چلی گئی۔ وہ ہسپتال سے باہر کچھ دیر کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی تھی ارادہ تھا کہ باہر کسی اپن ریسٹورنٹ میں فٹ پاتھ کے کنارے آرام سے بیٹھ کر پھلوں کے رس پئے گی۔ تھوڑا وقت وہاں گزارے گی۔ اس کے بعد پھر فرہاد کے پاس آپریشن تھیٹر میں واپس آجائے گی۔

یہ سوچتے ہوئے پہلے وہ ڈاکٹر میکی براڈلے کے آفس میں گئی۔ وہاں ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر اپنے بنگلے کا نمبر ڈائل کیا۔ پھر ملازم سے یہ پوچھا کہ فرہاد کی بلی کو دودھ وغیرہ پلا دیا گیا ہے یا نہیں؟ وہاں ملازموں کو ضروری ہدایات دے کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر اس نے دوبارہ ریسیور اٹھا کر ماسٹر موسس ٹمرونی کے نمبر ڈائل کئے اور اسے بتایا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے کسی اوپن ریسٹوران میں جارہی ہے اور ایک گھنٹے سے پہلے ہسپتال میں واپس آجائے گی۔ اپنے آدمیوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ بہت زیادہ محتاط رہیں اور آپریشن تھیٹر سے لے کر فرہاد کے اسپیشل کمرے تک کسی کو جانے کی اجازت نہ دی جائے۔

تمام احتیاطی تدابیر کے بعد وہ ہسپتال سے باہر آگئی۔ باہر پارکنگ ایریا میں اس کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے لئے ذرا اسپیشل قسم کی کار مہیا کی گئی تھی۔ اس کار کے شیشے ایسے تھے کہ اندر بیٹھنے والا باہر کی دنیا کو دیکھ سکتا تھا مگر باہر سے دیکھنے والے یہ معلوم نہیں کر سکتے تھے کہ کار کے اندر کون ڈرائیو کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ کار کے اندر کئی طرح کے میکینزم فٹ تھے۔ تاکہ خطرات کے وقت ان سے فائدہ اٹھا کر اپنی جان بچائی جا سکے۔

سونیا نے اپنی کار کا دروازہ کھولا۔ پھر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر دروازے کو بند کرتے ہوئے اسے اسٹارٹ کیا اور پارکنگ ایریا سے نکل کر مین روڈ پر آگئی۔ وہاں سے وہ ایک مختصری ڈرائیو کے لئے آگے بڑھتی چلی گئی۔ وہ ایک مصروف شاہراہ پہ کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس لئے کار کی رفتار کو ذرا تیز رکھنا پڑتا تھا۔ وہ تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتی جارہی تھی۔ ایک جگہ اس نے ٹرن لیا۔ آگے بڑھ کر اس نے ایک ریستوران کی طرف دیکھتے ہوئے وہاں گاڑی روکنے کی کوشش کی۔ تب اچانک ہی انکشاف ہوا کہ گاڑی کا بریک فیل ہو گیا ہے۔ کام نہیں کر رہا ہے اور وہ تیز رفتار گاڑی کو اب روک نہیں سکے گی۔

اس وقت رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔ پیرس کی تمام

شاہراہیں مصروف نہیں تھیں۔ جس راستے پر وہ چل پڑی تھی۔ وہ قدرے ویران تھی۔ گاڑیاں آتی جاتی نظر نہیں آتی تھیں۔ پھر اس پر مشکل یہ آن پڑی تھی کہ وہ راستہ میلوں دور تک نشیبی تھا۔ اس لئے جس رفتار سے کار چلائی گئی تھی۔ اسی رفتار سے وہ اس راستے پر دوڑتی جارہی تھی اور اس وقت سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اس گاڑی کو روکا جائے۔

اس کے ماتحت اس کی گاڑی وغیرہ کو بڑی توجہ سے چیک کرتے تھے۔ بریک فیل ہونے کا مطلب یہ تھا کہ کسی کی سازش تھی۔ کسی نے یہ کام بگاڑا تھا۔ وہ پیش آنے والے خطرات کو سمجھ گئی تھی۔ اب اس نے رہ رہ کر گاڑی کا ہارن بجانا شروع کردیا تھا۔ تاکہ پاس سے گزرنے والی گاڑیوں کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوسکیں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ کیوں بار بار ہارن بجارہی ہے۔ اس نے اپنی طرف والے کھڑکی کے شیشے کو نیچا کردیا اور کبھی کبھی باہر کی طرف منہ نکال کر ہیلپ ہیلپ کہہ کر چیخنے لگی۔

بہت سارا راستہ طے ہوجانے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک گاڑی اس کے قریب آرہی تھی۔ پھر اس نے دیکھا۔ دوسری گاڑی بائیں طرف سے بھی قریب آگئی تھی۔ یعنی اب سونیا کی گاڑی دو کاروں کے درمیان تھی اور وہ دونوں کاریں سونیا کی کار کے مقابلے میں بھاری بھرکم اور مضبوط تھیں۔ اس میں سے ایک کار والے نے کھڑکی سے جھانک کر سونیا سے پوچھا "کیا پرابلم ہے؟؟"

سونیا نے چیخ کر بتایا کہ گاڑی کا بریک کام نہیں کررہا ہے۔ اس کی گاڑی کو روکا جائے۔ جواباً چیخ کر تسلی دی گئی کہ وہ آرام سے بیٹھی رہے۔ گاڑی روک دی جائے گی۔

پھر سونیا نے دیکھا کہ گاڑی رکی تو نہیں گئی تھی۔ لیکن دائیں طرف والے نے اپنی کار کے اسٹیئرنگ کو ایک جھٹکے سے گھما کر سونیا کی کار کو زور کا دھکا مارا تھا۔ سونیا بیٹھے بیٹھے لرز گئی۔ ایک طرف لڑھکتے لڑھکتے بچی۔ جیسے ہی وہ سنبھل کر بیٹھی۔ بائیں طرف والی کار نے اس کی کار کو زور کا دھکا مارا۔ وہ پھر گڑبڑا گئی۔ اپنی سیٹ پر ادھر سے ادھر ہوگئی تب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ دائیں بائیں جو لوگ ہیں۔ وہ اس کی مدد کے لئے نہیں آئے ہیں اور نہ ہی اس کی گاڑی کو روکنا چاہتے ہیں بلکہ اس کی کار کے ساتھ اسے بھی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور شاید مار ڈالنا چاہتے ہیں۔

ان کے ارادوں کو سمجھتے ہی سونیا نے کھڑکی کے شیشے کو چڑھا لیا تاکہ دائیں بائیں گاڑی میں بیٹھنے والے اسے دیکھ نہ سکیں۔ اب سونیا کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنی کار کے اسٹیئرنگ کو سنبھالتی اسٹیئرنگ کے بغیر ہی دائیں بائیں گاڑی والے کبھی ادھر سے اور کبھی اُدھر سے دھکے مارتے ہوئے گاڑی کو بیچ شاہراہ پر لئے جارہے تھے اور وہ شاہراہ پیرس شہر سے باہر سنسان تھی۔ شاید ایک دو گاڑیاں گزر بھی رہی ہوں تو کسی نے اس بات کا نوٹس نہیں لیا تھا کہ دائیں بائیں چلنے والی دو کاریں بیچ والی کار کو دھکے مار رہی ہیں۔ وہ تینوں ساتھ ساتھ دوڑتی ہوئی نظر آتی تھیں۔

سونیا نے اسٹیئرنگ سیٹ کو چھوڑ دیا اور اگلی سیٹ ... چھوڑ کر پچھلی سیٹ پر آگئی۔ پچھلی سیٹ کے نچلے حصے میں ایک بڑا سا بٹن تھا جسے ایک طرف گھماتے ہی وہ سیٹ اندر کی طرف دھنسنے لگی۔ پھر جو خلا نظر آیا۔ اس سے پتہ چلا کہ اس خلا سے گزرتے ہوئے پیچھے کار کی ڈگی تک پہنچا جاسکتا ہے اور سونیا دوسرے ہی لمحے اس خلا سے گزرتے ہوئے کار کی ڈگی کی طرف جارہی تھی۔

اس کی گاڑی کو رہ رہ کر بڑے زبردست دھکے لگ رہے تھے۔ دائیں بائیں طرف سے ٹکریں مارنے کا عمل جاری تھا۔ وہ گاڑی کو شاید بالکل ہی پچکا دینا چاہتے تھے اور اس کے اندر بیٹھی ہوئی سونیا کو بھی شاید اسی طرح ختم کردینا چاہتے تھے کہ وہ نکل کر بھاگ نہ سکے۔ اپنی گاڑی کے دروازے نہ کھول سکے۔ وہ سونیا کو جانی نقصان پہنچانے یا گرفتار کرنے کا جو طریقہ اختیار کررہے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سونیا کی ضدی اور لڑاکا طبیعت سے اور خطرناک صلاحیتوں سے اچھی طرح واقف ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ عورت دو چار لوگوں کے بس کی نہیں ہے۔ اسے کسی طرح مجبور کرکے ہی حراست میں لیا جاسکتا ہے۔

وہ پچھلی سیٹ کے خلا سے رینگتے ہوئے ڈگی میں پہنچ گئی تھی اور اندر سے ڈگی کے لاک کو کھول رہی تھی۔ ذراسی دیر میں اس کا ڈھکن کھل گیا اور تازہ ہوا کے جھونکے آنے لگے۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو تیزی سے بھاگتی ہوئی شاہراہ پیچھے کی طرف نظر آرہی تھی اور دونوں گاڑیوں کے پچھلے حصے بھی دائیں بائیں نظر آرہے تھے۔ وہ ڈگی میں اٹھ کر بیٹھ گئی اور وہاں سے چھلانگ لگانے کے لئے اپنے تولنے لگی۔

تینوں گاڑیوں کی رفتار تیز تھی۔ ایسے میں مخالف سمت چھلانگ لگانا خطرے سے خالی نہ ہوتا۔ اس لئے چھلانگ لگانے سے پہلے اچھی طرح سوچنے سمجھنے اور موقع کا انتظار کرنے کی ضرورت تھی۔ ایسے ہی وقت گاڑی کو ایک زبردست دھکا لگا۔ وہ بے اختیار اچھلی تو اس کا سر ڈگی کے فولادی ڈھکن سے ٹکرایا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ اتنی زور کی ٹکر لگی کہ کھوپڑی ہل کر رہ گئی۔ دوسرے ہی لمحے محسوس ہوا کہ لہو کی دھار چہرے پر بہہ رہی ہے۔ اس کا سر بُری طرح زخمی ہوگیا تھا اور وہ ڈگی میں جھکی ہوئی کراہ رہی تھی اور پیچھے گزرتی ہوئی شاہراہ کو دیکھتی جارہی تھی۔

اب اس کے دشمنوں سے بچنے کا بس یہی ایک طریقہ رہ گیا تھا

کہ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر چھلانگ لگادے۔ اس کے لئے وہ ڈگی کے آخری سرے پر آئی۔ اسی وقت پھر اس گاڑی کو ٹکر لگی اور ایسی زبردست ٹکر لگی کہ چھلانگ لگانے سے پہلے ہی وہ بے ارادہ جیسے چھلانگ لگاتی ہوئی فضا میں اچھلی۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ سڑک پر تھی لیکن ایک جگہ ٹھہرنا مقدر نہیں تھا۔ وہاں سے وہ لڑھکتے ہوئے سڑک کے کنارے لگے ہوئے ایک درخت کے تنے سے ٹکراگئی۔ پہلے اس کا سر ڈگی کے فولادی ڈھکن سے ٹکرایا تھا۔ دوسری بار درخت سے ٹکرایا تو آنکھوں کے سامنے بالکل اندھیرا چھاگیا یوں بھی رات کو نظر نہیں آتا لیکن سڑکوں کے کنارے والی روشنیاں بھی اس کی نظروں سے غائب ہوگئی تھیں۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے پھر واپس سڑک کی طرف ذرا سا رینگنے لگی۔ تاکہ ہاتھ اٹھا کر کسی دوسری گاڑی والے کو اپنی طرف متوجہ کرسکے اور اس سے مدد حاصل کرسکے لیکن دوسری طرف پلٹ کر ایک قدم آگے رینگتے ہی نڈھال ہوکر زمین پر گر پڑی۔ ہزار قوت برداشت کے باوجود وہ سر کے زخموں کی تاب نہ لاسکی تھی اور اوندھے منہ گر کر بے ہوش ہوگئی تھی۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ سونیا کو ہسپتال واپس پہنچنا چاہئے تھا مگر وہ پہنچ نہ سکی۔ ماسٹر موس ٹرونی نے ہسپتال فون کرکے معلوم کیا۔ ڈاکٹر کے اسسٹنٹ نے بتایا کہ مادام سونیا ابھی تک نہیں پہنچی ہیں۔ فرہاد صاحب خیریت سے ہیں اور ڈاکٹر میکی براڈلے سرجری میں مصروف ہیں۔

ماسٹر موس ٹرونی نے ریسیور رکھ دیا۔ اسے اس بات کی فکر نہیں تھی کہ مادام ہسپتال کیوں نہیں پہنچ سکی۔ وہ جانتا تھا کہ مادام سونیا من موجی ہے۔ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ ایک گھنٹہ کیا، چار گھنٹے بعد بھی پہنچے تو کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں ہے۔ دوسری طرف جب ایک گھنٹہ اور گزر گیا تو ممی اور رسونتی نے ہسپتال فون کے ذریعے رابطہ قائم کیا۔ وہ دونوں سوئٹزرلینڈ روانہ ہورہی تھیں اور ٹرین چھوٹنے سے پہلے فرہاد کی خیریت معلوم کرنا چاہتی تھیں۔ اس وقت تک ڈاکٹر میکی براڈلے سرجری سے فارغ ہوچکا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ فرہاد اس وقت بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ پندرہ بیس منٹ بعد جب مادام سونیا یہاں آئیں گی تو انہیں ہوش میں لائیں گی۔ اس کے بعد ان سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔

رسونتی نے کہا "اب تو ٹرین کے چھوٹنے کا وقت ہوچکا ہے وہ سوئٹزرلینڈ پہنچنے کے بعد دوسرے دن فرہاد کی خیریت معلوم کرے گی"۔

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ بے چاری ممی اور رسونتی کو پتہ نہیں تھا کہ میں بے ہوش ہونے کے بعد کس مصیبت میں گرفتار ہوگیا ہوں۔ مجھے ہوش میں لانے والی سونیا کا کیا حال ہورہا ہے۔ رسونتی کی ٹیلی پیتھی بحال رہتی تو وہ ساری باتیں معلوم کرلیتی۔ لیکن اِدھر وہ دونوں انجان تھیں اُدھر موس ٹرونی کو کوئی پتہ نہیں تھا کہ سونیا پر کیا گزر رہی ہے؟ اور آگے چل کر مجھ پر کیا گزرنے والی ہے؟

ہسپتال میں میری حفاظت کے لئے سخت پہرہ تھا۔ ڈاکٹر میکی براڈلے نے ماسٹر موس ٹرونی کے ایک ماتحت سے کہا "اب مادام سونیا کو یہاں پہنچ جانا چاہئے اور مسٹر فرہاد کو ہوش میں لانا چاہئے۔ زیادہ دیر بے ہوشی مناسب نہیں ہے"۔

اس ماتحت نے ماسٹر موس ٹرونی سے رابطہ قائم کیا۔ اور اسے ڈاکٹر کا پیغام پہنچایا۔ تب ماسٹر موس ٹرونی نے حیرانی سے سوچا کہ مادام اتنی دیر تک کہاں جاسکتی ہیں۔ جبکہ وہ فرہاد کو دل و جان سے چاہتی ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کو بھی سمجھتی ہیں۔ پھر یہ غیر ذمہ داری کیسی؟

موس ٹرونی نے اپنے تمام ماتحتوں کو فون کے ذریعے اور ٹرانسمٹر کے ذریعے دُور دُور تک پیغامات بھیجے کہ مادام سونیا جہاں بھی نظر آئیں۔ انہیں فوراً ہسپتال پہنچنے کے لئے کہا جائے۔ ایک گھنٹے کے بعد یہ خبر سپر ماسٹر تک پہنچائی گئی کہ سونیا لاپتہ ہے اور تلاش کے باوجود نہیں مل رہی ہے۔ لہٰذا اس نے حکم دیا کہ ——— سونیا کو کہیں نہ کہیں سے تلاش کرکے لایا جائے۔ اس کا ہسپتال پہنچنا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر مسٹر فرہاد ہوش میں نہیں آئیں گے۔

دوسری طرف ڈاکٹر میکی براڈلے بار بار میرے کمرے میں آرہا تھا اور کبھی میری نبض کو ٹٹول کر دیکھتا تھا اور کبھی دل کی دھڑکنوں کو سنتا تھا۔ میں اس لحاظ سے نارمل تھا لیکن میرا دماغ بیدار ہونا نہیں چاہتا تھا اور میں ہوش میں نہیں آرہا تھا۔ آخر دو گھنٹے کے بعد میکی براڈلے نے فون کے ذریعے پیرس کے ایک بہت ہی بوڑھے اور تجربہ کار ڈاکٹر سے رابطہ قائم کیا اور اسے بتایا کہ اس کے ایک مریض فرہاد نے کس طرح ٹیلی پیتھی کے ذریعے خود کو بے ہوش کیا تھا اور اب وہ ہوش میں نہیں آرہا ہے۔

دوسری طرف سے اس ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ اپنے کسی ذرائع سے اسے ہوش میں لانا چاہئے۔ طویل بے ہوشی مریض کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔

ڈاکٹر میکی براڈلے نے میرے بازو میں ایک انجکشن لگایا۔ اس انجکشن کے اثر سے دماغ پر چھائی ہوئی دھند چھٹ جاتی تھی اور بے ہوش رہنے والا ہوش میں آجاتا تھا لیکن اس انجکشن کا میرے دماغ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ میں بدستور بے ہوش پڑا رہا۔

آزمودہ دواؤں کو بے اثر ہوتے دیکھ کر میکی براڈلے نے ماسٹر موس ٹرونی سے رابطہ قائم کیا اور اسے صورت حال بتائی کہ فرہاد

بہت ہی تشویشناک حالت میں ہے۔ فوراً ہی بڑے بڑے ڈاکٹروں سے رجوع کیا جائے اور ہمارے شہر میں اگر کوئی ٹیلی پیتھی کے متعلق وسیع معلومات رکھتا ہو تو اس سے رابطہ قائم کیا جائے اور معلوم کیا جائے کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے بیہوش ہونے والا کس طرح ہوش میں لایا جا سکتا ہے۔

ماسٹر موسس ٹرونی نے یہ پیغام سپر ماسٹر تک پہنچایا۔ خود بھی جدوجہد کرنے لگا۔ اس کا خیال فوراً ہی رسونتی کی طرف گیا۔ وہ جانتا تھا کہ رسونتی بیماری کے باعث خیال خوانی کے قابل نہیں رہی ہے۔ لیکن وہ اپنے پچھلے تجربات سے کام لے کر کوئی نہ کوئی مفید مشورہ ضرور دے گی۔

یہ خیال آتے ہی اس نے اپنے ایک معتمد ماتحت سے رابطہ قائم کیا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا: ”مادام رسونتی اور ممی جس ٹرین سے سفر کر رہی ہیں وہ ٹرین تمہارے علاقے بیری کراس سے گزرے گی اور وہاں تقریباً پندرہ منٹ ٹھہرے گی۔ تم مادام رسونتی سے ملاقات کرو اور انہیں بتاؤ کہ مسٹر فرہاد اپنی خیال خوانی کے زیر اثر بیہوش پڑے ہیں اور انہیں ہوش میں لانے کے لئے کوئی دوا اثر نہیں کر رہی ہے اس سلسلے میں مادام رسونتی صحیح مشورہ دے سکتی ہیں۔ ان سے گزارش کی جائے کہ وہ فوراً ہی مجھ سے رابطہ قائم کریں یا اپنا سفر ملتوی کر کے پیرس واپس آ جائیں۔ ہم ان کی واپسی کے انتظامات پہلے سے کر لیں گے۔“

ماسٹر موسس ٹرونی نے یہ ہدایات دیں۔ اسے امید تھی کہ کہیں نہ کہیں سے کام بن جائے گا۔ یا تو رسونتی مجھے ہوش میں لے آئے گی یا پیرس کے تمام بڑے بڑے ڈاکٹر جو ایک میٹنگ اٹینڈ کرنے والے ہیں اور میرے مسئلے پر غور کرنے والے ہیں۔ وہ مجھے ہوش میں لے آئیں گے یا پھر پیرس میں کوئی ایسا ٹیلی پیتھی کا ماہر ہو گا جو اس علم میں خاصی معلومات رکھتا ہو تو وہ کوئی مفید مشورہ دے گا۔

یہ سب کچھ میری غفلت کے دوران ہوتا رہا۔ میں خود آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا تھا اور خیال خوانی کے ذریعے معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں تو بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا اور ہوش و خرد سے بیگانہ تھا۔ بعد میں جو روداد مجھے معلوم ہوئی ——— وہ میں اس لئے پیش کر رہا ہوں تاکہ میری داستان میں بے ترتیبی پیدا نہ ہو۔

رات کے تین بجے وہ ٹرین بیری کراس کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر رک گئی۔ وہاں ماسٹر موسس ٹرونی کے ماتحت اس ٹرین کے منتظر تھے۔ انہوں نے فوراً ہی ریزرو کمپارٹمنٹ کی طرف جا کر دیکھا۔ وہاں ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ جو مسلح محافظ وہاں رہ گئے تھے وہ بے ہوش پڑے ہوئے تھے اور ان کے پاس شراب کی اور بیئر کی بوتلیں اور گلاس نظر آ رہے تھے۔ آس پاس کے کمپارٹمنٹ میں بھی جو محافظ سفر کر رہے تھے ان کا بھی یہی حال ہوا تھا جس کیبن میں ممی اور رسونتی سفر کر رہی تھیں۔ وہ کیبن خالی تھا۔ البتہ ان دو عورتوں کا سامان وہاں رکھا ہوا تھا۔

یہ خبر فوراً ہی ماسٹر موسس ٹرونی کو پہنچائی گئی۔ اس نے سنا تو چند لمحوں کے لئے سکتے کے عالم میں بیٹھا رہ گیا۔ پہلے تو وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ سونیا اگر غائب ہے تو یہ مادام سونیا کی ہی لاپرواہی ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی وہ ماسٹر موسس ٹرونی وغیرہ کو خاطر میں نہیں لاتی تھی اور دو چار دن کے لئے کہیں نہ کہیں غائب ہو جاتی تھی لیکن جب ممی اور رسونتی کو اغوا کیا گیا اور ان کا کمپارٹمنٹ خالی ملا تو ماسٹر موسس ٹرونی کا دماغ فوراً ہی بہت بڑی سازش کی طرف گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سپر ماسٹر کو چھیڑنے والا صرف ریڈ پاور کا ماسک مین ہی ہو سکتا ہے۔ ورنہ کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ سونیا جیسی عورت پر ہاتھ ڈالتا اور رسونتی جیسی ٹیلی پیتھی جاننے والی عورت کو اغوا کرتا۔

اس نے فوراً ہی ریسیور اٹھا کر پیرس کے باس سے رابطہ قائم کیا۔ جس طرح سپر ماسٹر کی تنظیم میں ہر ملک کے بڑے شہر میں ایک ماسٹر ہوتا ہے۔ اسی طرح ریڈ پاور کی تنظیم میں بھی ہر بڑے شہر میں ایک باس ہوتا ہے۔ دونوں خطرناک تنظیموں کے ماسٹر اور باس پڑھے لکھے تعلیم یافتہ بدمعاش ہوتے ہیں اور ہر ملک کے سیاسی اور سماجی معاملات میں تخریبی کاروائیاں کرتے رہتے ہیں۔

ماسٹر موسس ٹرونی نے رابطہ قائم ہوتے ہی ریڈ پاور کے باس سے کہا: ”مسٹر شارتو! میں ماسٹر موسس ٹرونی بول رہا ہوں۔“

دوسری طرف سے جیسے مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا گیا: ”!!!ماسٹر موسس ٹرونی کو ریڈ پاور کے باس سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟“

”میں زیادہ باتیں کرنا نہیں جانتا۔ صرف ایک سوال کر رہا ہوں اس کا مختصر جواب دو۔ سوال یہ ہے کہ مادام سونیا اور مادام رسونتی کہاں ہیں؟“

”تعجب ہے کہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ میں ان کا سرپرست تو نہیں ہوں۔ ویسے تمہارے لہجے سے اور تمہارے سوال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ معاملہ سنگین ہے۔ مادام سونیا تو ایسی عورت ہیں کہ ان کے گم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے تفصیل سے کچھ بتا سکتے ہو؟“

ماسٹر موسس ٹرونی نے کہا: ”مادام سونیا پچھلے ساڑھے چار گھنٹے سے لاپتہ ہیں اور مادام رسونتی ٹرین میں سفر کر رہی تھیں۔ بیری کراس کے ریلوے اسٹیشن پر پتہ چلا کہ انہیں اور ان کے ساتھ سفر کرنے والی عورت کو اغوا کیا گیا ہے اور ان کے آس پاس جتنے محافظ تھے۔ ان کی شراب میں خواب آور دوا ملائی گئی تھی۔“

دوسری طرف سے باس شارتو نے کہا: ”سمجھ گیا بہت بڑا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔“

”اور شارتو یہ کھیل تم یہاں کھیل رہے ہو۔ اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔“

”ماسٹر موسس ٹرونی! یہاں میں یا میری تنظیم کا کوئی بھی فرد

فرہاد صاحب کو، سونیا کو اور رسونتی کو چھیڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان دونوں عورتوں کے اغوا میں ہم میں سے کسی کا ہاتھ نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر آج ہم انہیں اٹھا کر کہیں لے جائیں، چھپا دیں یا مار ڈالیں تو ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ فرہاد صاحب کا پلہ بھاری ہو گا تو ہمیں کتے کی موت مرنا ہو گا۔ پیر ماسٹر ہو یا ماسک مین۔ دونوں ہی خطرناک تنظیموں کے افراد نے ماضی میں فرہاد صاحب کے ہاتھوں بڑے بڑے نقصانات اٹھائے ہیں۔ کیا آپ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم ایسی نادانی نہیں کریں گے؟“

”تو پھر ان دو خطرناک عورتوں کو چھیڑنے کی جرأت کس نے کی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ مادام سونیا ایک مکار لومڑی کا نام ہے وہ فرہاد کا دایاں بازو ہے۔ جہاں جہاں سے وہ گزرتی ہے، دشمن وہاں وہاں سونیا کے قدموں کی چاپ سن کر تھرتھراتے ہیں۔ دوسری طرف مادام رسونتی ہیں۔ جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مسٹر فرہاد سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ ٹیلی پیتھی کے ساتھ ان کو یوگا پر بھی کمال حاصل ہے۔ پھر ایسی صورت میں وہ کوئی نادان ہو گا یا ان دونوں عورتوں سے لاعلم ہو گا جو ایسی حماقتیں کر رہا ہے۔ کیا اس سلسلے میں تم کسی پر شبہ کر سکتے ہو؟“

شارتو کی آواز سنائی دی: ”شبہ ہی نہیں بلکہ یقین کر سکتا ہوں تصدیق ہے کہ ہماری تنظیم میں ایشیا کے دو خطرناک باس تھے۔ ہندوستان میں ایک کبیر بیدل اور یہاں پیرس میں حشمت بیگ تھا۔ جس کی جگہ اب میں کام کر رہا ہوں۔ ان دونوں نے پچھلے دنوں ہماری تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور اس کی وجہ ایک لڑکی ہے۔ جس کا نام مرجانہ ہے۔“

موسس ٹرونی نے کہا: ”تمہارے اس قصے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے کام کی بات بتاؤ۔“

”وہی بتانے جا رہا ہوں۔ فرہاد صاحب مرجانہ کی مدد کرتے رہے ہیں اور مرجانہ کی ماں پیرس کے امیر ترین عورتوں میں شمار ہوتی تھی۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے پاس اتنا خفیہ خزانہ ہے کہ وہ... ایک جزیرے کی مالکہ بن سکتی ہے۔ بہرحال اس کی بیٹی مرجانہ اپنے چار پرانے دشمنوں کا پیچھا کر رہی ہے، ان سے انتقام لینا چاہتی ہے بلکہ اپنے پہلے ایک دشمن سے انتقام لے چکی ہے۔ یہ بات کبیر بیدل اور حشمت بیگ کو معلوم ہو گئی ہے۔ یہ دونوں بھی مرجانہ کا نشانہ بننے والے ہیں۔ اس سے پہلے پاکستان میں ہمارا ایک ایجنٹ کام کر رہا تھا، وہ فرہاد صاحب کی نظروں میں آ گیا۔ اس کی جان بچانے کے لئے ہمیں فرہاد صاحب کی بہت بڑی شرطیں ماننی پڑیں۔ ان کے ملک کے کچھ اہم کاغذات اور کچھ ایسے راز ہمارے پاس تھے جو انہیں واپس کرنے پڑے یہ نقصانات دیکھ کر کبیر بیدل اور حشمت بیگ نے سمجھ لیا کہ ریڈ پاور جیسی تنظیم بھی ان کی حفاظت نہیں کر سکے گی۔ اور مرجانہ فرہاد صاحب کے ذریعے ان کی زندگی سے ضرور کھیلے گی۔“

”تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ حشمت بیگ اور کبیر بیدل نے فرہاد صاحب کو بے بس کرنے کے لئے مادام سونیا اور مادام رسونتی کو اغوا کیا ہے؟“

”ہاں! میں یہی سمجھتا ہوں۔“

”میں ایسا نہیں سمجھ سکتا۔ ان دو چوہوں کی کیا مجال ہے کہ وہ اتنے خطرناک کام کے لئے قدم اٹھائیں۔“

”آپ انہیں چوہا نہ سمجھیں۔ وہ ایک عرصے تک ریڈ پاور میں رہے ہیں اور زیر زمین رہ کر بھی کام کرنے کے طور طریقوں سے اور تکنیک سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس عرصے میں انہوں نے بڑے ہاتھ پاؤں پھیلائے ہیں۔ حشمت بیگ کا ایک لڑکا جلال بیگ بہت ہی خطرناک قسم کا فائٹر بھی ہے، ذہین بھی ہے۔ بہت باعمل ہے اور بڑا ہی حاضر دماغ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حشمت بیگ اور کبیر بیدل اتنے اہم نہیں ہیں جتنی اہمیت سے جلال بیگ اپنا رول ادا کر رہا ہے۔ غالباً وہ اپنے باپ حشمت بیگ کی حفاظت کے لئے ایسی چالیں چل رہا ہے۔“

موسس ٹرونی نے کہا: ”میں جانتا ہوں کہ حشمت بیگ کی رہائش گاہ یہاں کہاں ہے۔ ابھی میرے آدمی وہاں چھاپہ ماریں گے۔“

”ٹھیک ہے، تم اپنے طور پر بہت سے اقدامات کر سکتے ہو لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ تم جلال بیگ تک نہیں پہنچ سکو گے۔ وہ کوئی ننھا بچہ نہیں ہے۔ اس نے ریڈ پاور میں رہ کر فرہاد صاحب، مادام سونیا اور مادام رسونتی کی پوری ہسٹری پڑھی ہے اور وہ جانتا ہے کہ کس طریقے سے ان لوگوں کو ٹریپ کرنا چاہئے۔ پھر اپنے باپ کی زندگی بچانے کے لئے کوئی سودا کرنا چاہئے۔ وہ یقیناً مادام سونیا اور مادام رسونتی کو کوئی جانی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ صرف سودے بازی کرے گا۔“

”اس کی سودے بازی گئی جہنم میں۔ اس سے کہو کہ ہم سے بات

کہے۔ اس وقت فرہاد صاحب بے ہوش پڑے ہوئے ہیں اور انہیں صرف مادام سونیا ہوش میں لا سکتی ہیں۔ کسی طرح جلال بیگ سے رابطہ قائم کر کے اسے سمجھاؤ کہ وہ نادان بچہ بن کر آگ سے تو کھیل رہا ہے مگر ٹیلی پیتھی کے درندوں کو نہ چھیڑے۔"

ستارو نے کہا: "ماسٹر موس ٹرونی، تمہاری طرح ہم بھی فرہاد کو، رسونتی کو اور سونیا کو دوست بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں کبھی چھیڑنا نہیں چاہتے بلکہ اس موقع کی تاک میں رہتے ہیں کہ کسی طرح ان کے کام آئیں۔ لہٰذا ان کے کام آنے کی خاطر میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ کسی طرح جلال بیگ کا سراغ لگاؤں اور اسے تمہارا پیغام پہنچاؤں۔"

یہ باتیں ہونے کے بعد رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ رات پریشانی میں گزر گئی۔ صبح سات بجے پیرس کے بڑے بڑے ماہر تجربہ کار ڈاکٹروں کا ایک اجلاس ہوا۔ اس میں دو ایسے بوڑھے شامل ہوئے جو ٹیلی پیتھی کے علم پر خاصی معلومات رکھتے تھے۔ اس اجلاس میں ایک ڈاکٹر نے ناگواری سے پوچھا: "مسٹر میکی براڈلے، جب آپ اسے ایک انجکشن کے ذریعے بے ہوش کر سکتے تھے تو پھر آپ نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے بے ہوش ہونے کی اجازت کیوں دی؟"

ڈاکٹر میکی براڈلے نے کہا: "جناب! میں بھی ڈاکٹر ہوں اور میں جانتا ہوں کہ ایک نارمل جسم میں بے وجہ دوا نہیں پہنچانی چاہیے۔ مسٹر فرہاد بالکل نارمل رہے اور جب وہ اپنے علم کے ذریعے خود پر بے ہوشی طاری کر سکتے تھے اور یہ مرحلہ میرے لئے آسان کر سکتے تھے تو پھر میں انہیں انجکشن کے ذریعے کیوں بے ہوش کرتا؟"

ایک ڈاکٹر نے کہا: "ہمیں اس بحث میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہیے کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے بے ہوش ہونے کی اجازت کیوں دی گئی؟ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ ابھی ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ہم مسٹر فرہاد کو ہوش میں لانے کے لئے جو دوائیں استعمال کر رہے ہیں۔ وہ بے اثر کیوں ہو رہی ہیں۔ ہزار بار کی آزمائی ہوئی دواؤں کے ذریعے دماغ کو ہر حال میں بیدار ہونا چاہیے۔ پھر ہمیں ناکامی کیوں ہو رہی ہے؟"

ایک اور ڈاکٹر نے کہا: "یہ تو ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والا کوئی شخص ہی اس کے متعلق کچھ بتا سکتا ہے۔"

ایک بوڑھے نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا: "میں اس سلسلے میں کچھ معلومات رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ٹیلی پیتھی ایک ایسا علم ہے جو دماغ کو تسخیر کرتا ہے جیسا کہ آپ لوگ ہپناٹزم وغیرہ کے بارے میں جانتے ہیں۔ ہپناٹزم کے ذریعے بھی دماغ کو کسی حد تک اپنے حکم کے تابع بنایا جاتا ہے۔ اس سے دماغ کو بے حس بھی کر دیا جاتا ہے اسی طرح ٹیلی پیتھی کے ذریعے دماغ کو ہدایت دی جاتی ہے۔ تو دماغ اسی ہدایت کا پابند ہو کر رہ جاتا ہے۔ پتہ نہیں مسٹر فرہاد نے ہوش میں آنے کے لئے کون سی شرط رکھی ہے اور کس طرح کی ہدایت دی ہے کہ ان ہدایات پر عمل نہیں ہو رہا ہے؟"

ڈاکٹر میکی براڈلے نے کہا: "یہ ہدایات مادام سونیا کو دی گئی ہیں اور مادام سونیا پچھلی رات سے لاپتہ ہیں۔"

ٹیلی پیتھی جاننے والے دوسرے بوڑھے نے کہا: "میں یقین سے کہتا ہوں کہ آپ صاحبان کی دوائیں یقیناً مسٹر فرہاد کے دماغ تک پہنچتی ہیں۔ ان پر اثر ڈال رہی ہیں لیکن آپ ٹیلی پیتھی کے نقطۂ نظر سے سوچیں تو وہ جو ہوش میں نہ آنے کی ہدایت ہے اور ہوش میں آنے کے لئے جو شرط ہے اس کا دماغ تابع ہے۔ جب تک وہ شرط پوری نہیں ہو گی اس وقت تک مسٹر فرہاد ہوش میں نہیں آ سکیں گے۔"

"اس طرح مسٹر فرہاد کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو رہا ہے۔"

ایک اور ڈاکٹر نے کہا: "ایسی زیادہ پریشانی کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ جب تک مسٹر فرہاد ہوش میں نہ آئیں اور مادام سونیا یہاں واپس نہ پہنچیں۔ اس وقت تک انہیں انجکشن کے ذریعے خوراک پہنچائی جائے اور ان کی طرف سے غفلت نہ برتی جائے۔ ان کے پاس ہمیشہ کسی نہ کسی کو موجود رہنا چاہیے۔"

بات محض بے ہوشی کی نہیں، کم بختی کی ہے۔ ڈاکٹر مریض کی صحت کے لئے اچھائی کے لئے دوائیں دیتے ہیں لیکن بعض حالات میں ان دواؤں کا الٹا اثر بھی ہو جاتا ہے۔ یہ مریض کی کم بختی ہوتی ہے۔ اسی طرح میری کم بختی یہ تھی کہ میری ٹیلی پیتھی کا جو اثر ہمیشہ مثبت انداز میں ہوتا تھا اور دوسروں کے لئے ہوتا تھا میرے لیے اس کا اثر الٹا ہوا۔ اگر میں جانتا یا مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ ایسا ہو جائے گا تو میں کبھی ایسا نہ کرتا۔ یہی تو بات ہے کہ انسان کو وقت سے پہلے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ خواہ وہ ٹیلی پیتھی کا کتنا ہی ماہر کیوں نہ بن جائے۔

اب میں سونیا کا ذکر کروں گا۔ جب اسے ہوش آیا تو پھر تکلیف کا احساس ہوا۔ سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اس نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو اسے اپنے وجود کے نیچے کچی زمین نظر نہیں آئی۔ نہ وہ سڑک کا کنارہ تھا نہ ہی وہ شاہراہ تھی۔ کھلی فضا بھی نہیں تھی۔ سر سے بہنے والا خون چہرے پر اس طرح پھیل گیا تھا کہ آنکھوں کے پپوٹے اور پلکیں بھی لہو میں بھیگ گئی تھیں اور نظریں دھندلا گئی تھیں۔ اس نے دھندلی نظروں سے دیکھا۔ اس کے چاروں طرف ایک کمرے کی چار دیواری تھی اور وہ اس کمرے کے ننگے فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

سر سے زبردست ٹیسیں اٹھ رہی تھیں لیکن شدید تکلیف کے باوجود ہوش آتے ہی اسے میرا خیال آیا۔ اس نے پریشان ہو کر سوچا کہ وہ یہاں کب سے ہے؟ اور کتنی دیر گزر چکی ہے؟ وہ گھڑی پہننے کی عادی نہیں تھی لیکن اندازہ کر سکتی تھی کہ کافی وقت گزر چکا ہے یعنی اتنا وقت گزر چکا ہے کہ اس عرصے میں ـــــ فرہاد کو ہوش

میں آ جانا چاہیے۔ وہ بے چین سی ہو گئی اور بڑی مشکل سے فرش پر ہاتھ ٹیک کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

خون کافی مقدار میں بہہ چکا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ کمزوری محسوس نہیں کر رہی تھی۔ تکلیف بس سر میں ہو رہی تھی لیکن ایسی شدید تکلیف ہو رہی تھی کہ اٹھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ بہرحال وہ ہمت کرتے ہوئے اور چکراتے ہوئے سر کو برداشت کرتے ہوئے اٹھ کر دیوار کے سہارے کھڑی ہو گئی۔ پھر اسی طرح دیوار کے سہارے چلتے ہوئے دروازے کے پاس آئی۔ اسے کھولنا چاہا تو پتہ چلا کہ وہ باہر سے بند ہے۔ تب وہ دروازہ پیٹنے لگی۔

باہر سے کسی مردانہ آواز نے پوچھا: "اچھا تو تم ہوش میں آ گئی ہو؟"

"ہاں! دروازہ کھولو۔"

"آرام سے بیٹھو۔ ابھی ڈاکٹر آنے والا ہے۔ تمہارے زخموں کی مرہم پٹی ہو گی۔"

سونیا نے دروازے کو دوبارہ پیٹتے ہوئے کہا: "پہلے دروازہ کھولو۔ میرا ایک ضروری پیغام ڈاکٹر میکی براڈلے تک پہنچا دو۔"

باہر سے کئی ہی مردانہ قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر ایک نے کہا: "اچھا تو ہم تمہارا پیغام پہنچائیں اور اس طرح اپنے آپ کو پھنسا لیں کہ ہم نے تمہیں یہاں قید کر رکھا ہے۔"

سونیا نے چیخ کر کہا: "میں یہ نہیں چاہتی کہ کسی کو نقصان پہنچے۔ میرا نام نہ لینا۔ صرف اتنا کہہ دینا کہ فرہاد کے پاؤں کے تلوؤں کو سہلایا جائے تو وہ ہوش میں آ جائے گا۔"

باہر سے ایک اور شخص نے کہا: "بھئی واہ! کیا پیغام ہے۔ اس کا تو کوئی سر پیر سمجھ میں نہیں آیا۔"

"میں سمجھاتی ہوں۔ فرہاد علی تیمور ڈاکٹر میکی براڈلے کے پرائیویٹ ہسپتال میں بے ہوش پڑے ہیں۔ اب وہ اسی طرح ہوش میں آ سکتے ہیں کہ ان کے پاؤں کے تلوؤں کو آہستہ آہستہ سہلایا جائے۔"

ایک نے کہا: "اچھا تو وہ فرہاد لاٹ صاحب کا بچہ ہے پاؤں کے تلوے سہلانے سے بیدار ہوتا ہے۔"

اس بات پر سب لوگ قہقہے لگانے لگے۔ اتنے میں اچانک ہی سارے قہقہے رک گئے۔ کسی نے پوچھا تھا: "تم سب کیوں ہنس رہے ہو؟"

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی رہی۔ پھر کسی نے ڈانٹ کر پوچھا: "کیوں قہقہے لگا رہے تھے؟ کیا سونیا ہوش میں آ گئی ہے؟"

کسی نے کہا: "یس سر! وہ ہوش میں ہے اور دروازہ کھولنے کے لئے کہہ رہی ہے۔"

پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ سونیا دروازے سے ہٹ گئی۔

اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ ایک شخص ڈاکٹر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ سونیا دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے ڈاکٹر کو اور اس شخص کو دیکھتے ہوئے کہا: "میری مرہم پٹی بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔ میرا ایک ضروری پیغام ڈاکٹر براڈلے تک پہنچا دو۔ تم نہیں جانتے فرہاد علی تیمور کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس وقت وہ میکی براڈلے کے پرائیویٹ ہسپتال میں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ جب تک اس کے پیر کے تلوؤں کو نہ سہلایا جائے۔ وہ ہوش میں نہیں آئے گا۔"

آنے والے شخص نے سر ہلا کر کہا: "ٹھیک ہے۔ میں تمہارا یہ پیغام اپنے باس تک پہنچاتا ہوں۔ میرے باس نے مناسب سمجھا تو اس پیغام کو میکی براڈلے تک پہنچا دے گا لیکن یہ بات یاد رکھو کہ میری غیر موجودگی میں کوئی ہنگامہ نہ کرنا۔ سنا ہے کہ تم بہت تیز طرار ہو اور چار پانچ فائٹروں کے بس میں نہیں آتی ہو۔ یہاں باہر جتنے بھی لوگ کھڑے ہیں سب مسلح ہیں۔ تمہیں لڑنے کا موقع نہیں دیں گے۔ فوراً ہی گولی مار دیں گے۔ لہٰذا شرافت سے رہنا۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ سونیا فرش پر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر بھی اس کے سامنے بیٹھ کر اپنا بیگ کھول کر اس کے زخموں پر جمے ہوئے خون کو صاف کرنے اور مرہم پٹی کرنے لگا۔ مرہم پٹی کے دوران ہی وہ شخص واپس آ گیا۔ اس نے سونیا سے پوچھا: "کیا تم سچ کہہ رہی ہو کہ فرہاد بے ہوش پڑا ہوا ہے؟"

"ہاں! میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"وہ کتنی دیر سے بے ہوش ہے ؟"

سونیا نے کہا "پہلے مجھے وقت بتاؤ تو میں تمہاری بات کا جواب دے سکوں گی"

"اس وقت رات کے ایک بجے ہیں"

"تب تو فرہاد ڈھائی گھنٹے سے بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ اب اسے ہوش میں آ جانا چاہئے"

اس شخص نے یقین کرنے کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بات درست معلوم ہوتی ہے۔ ہم اور ہمارے آدمی اتنی دیر سے تمہارے پاس باتیں کر رہے ہیں۔ اگر فرہاد ہوش میں ہوتا تو وہ تمہارے ذریعے ہمارے دماغوں تک پہنچ جاتا لیکن اب تک ہمارے ساتھ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ہے"

سونیا نے کہا "اگر اس وقت میری ہدایت پر عمل نہ کیا گیا اور میکی براڈلے تک میرا پیغام نہ پہنچایا گیا تو تم لوگ زیادہ دیر تک خیریت سے نہیں رہ سکو گے۔ فرہاد کو کسی نہ کسی طرح ہوش آ ہی جائے گا۔ اس کے بعد تم لوگ دنیا کے کسی حصے میں بھی جا کر چھپ نہیں سکو گے۔ وہ تمہارے دماغوں تک پہنچ کر تمہاری ایسی کی تیسی کر دے گا"

اس شخص نے ہنستے ہوئے کہا "وہ ابھی تو نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ بے ہوش پڑا ہوا ہے اور ہم ایسے احمق نہیں ہیں کہ اسے ہوش میں لا کر اپنے دماغوں تک پہنچنے کا موقع دیں"

سونیا ایک دم سے جھلا گئی۔ اس نے چیخ کر پوچھا "کیا میرا پیغام نہیں پہنچاؤ گے ؟"

"نو، نیور، کبھی نہیں"

سونیا کن انکھیوں سے ڈاکٹر کے بیگ کی طرف دیکھ رہی تھی اس کی بات سنتے ہی اس نے اچانک ہی اپنا ایک ہاتھ ڈاکٹر کے بیگ میں ڈالا۔ وہاں سے ایک چھوٹا سا چاقو نکالا۔ پھر بیٹھے بیٹھے ایک گول چکر لگاتے ہوئے اس شخص کے پاؤں پر اپنی ٹانگ اتنی زور سے ماری کہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ گرتے ہی سونیا نے اس کی گردن دبوچ لی۔ پھر اس چاقو کی نوک کو اس کے حلقوم پر رکھ دیا۔ اس دوران کمرے کے باہر کھڑے ہوئے لوگ دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ سونیا نے چیخ کر کہا "خبردار! اپنی جگہ رک جاؤ۔ ورنہ ابھی میں اس کا نرخرہ کاٹ کر تمہارے سامنے اس کا لہو اچھال دوں گی"

تھوڑی دیر کے لئے ایک دم سے سناٹا چھا گیا پھر اچانک ہی ایک بدمعاش نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "ارے جانے بھی دو۔ ہم تو اپنے باس کا حکم بھول گئے تھے۔ خواہ مخواہ اسے بچانے دوڑ پڑے۔ آؤ ہم وہاں بیٹھ کر اپنے ایک ساتھی کے مرنے کا تماشہ دیکھیں۔ آج تک ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ ایک عورت ایک مرد کو کیسے ذبح کرتی ہے ؟"

سونیا نے انہیں حیرانی سے دیکھا۔ وہ دوڑ کر آنے والے واپس جا رہے تھے اور دور جا کر مختلف کرسیوں پر بیٹھ رہے تھے۔ اس نے جس شخص کو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ وہ آہستگی سے بولا "مادام سونیا! میری یا ان لوگوں کی زندگی کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے۔ ہمارے باس نے ہم چھ آدمیوں کو اسی شرط پر تمہارے پیچھے لگایا تھا کہ ہم اپنی جان کی پروا نہیں کریں گے اور جب بھی مسٹر فرہاد دماغی طور پر ہمیں ٹریپ کریں گے ہم ان کے جال میں پھنس جائیں گے اور اپنے آپ کو مرنے کے لئے ان کے حوالے کر دیں گے لیکن جو ہمارا باس ہے، وہاں تک تم یا فرہاد کبھی نہیں پہنچ سکو گے"

"مجھے تمہارے باس تک پہنچنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ بس میری یہ خواہش پوری کر دو کہ میکی براڈلے سے میرا رابطہ قائم کرا دو یا میرا پیغام پہنچا دو"

"مجھے افسوس ہے مادام! کہ میں آپ کے کسی حکم کی تعمیل نہیں کر سکوں گا۔ بس اپنی جان دے سکوں گا"

سونیا نے بے بسی سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا، اس شخص نے کہا "اس ڈاکٹر کو ہم راستے سے پکڑ کر لائے ہیں اور یہاں لانے کے وقت اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔ واپس پہنچاتے وقت بھی ہم اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیں گے۔ یہ باہر جا کر کسی سے کہے گا بھی تو اس جگہ کی نشاندہی نہیں کر سکے گا۔ اگر کرے گا تو اپنی جان سے جائے گا"

سونیا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے۔ وہ اپنے شکار کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے اپنے قابو میں رکھ کر اپنا کام لینا چاہتی تھی لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اس نے ذرا وقت کو ٹالنے اور دماغ کو کسی طرح کام میں لانے کے لئے اس سے دوسری بات پوچھی "میں وہاں ایک شاہراہ کے کنارے ایک درخت سے ٹکرا کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ یہاں مجھے کون لایا ہے ؟ کیسے لایا گیا ؟ تم لوگ مجھ تک کیسے پہنچے؟"

اس شخص نے کہا "تمہارے دائیں بائیں دوڑنے والی کاریں تمہیں ٹریپ کر کے اور تمہیں بری طرح زخمی کر کے یہاں لانا چاہتی تھیں لیکن تم نے چالاکی کا مظاہرہ کیا۔ وہ لوگ تمہاری کار کو درمیان میں پھنسائے ہوئے دور تک چلے گئے اور تم شاہراہ پر گر پڑیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ تم ڈگی کے راستے سے نکلی تھیں بہرحال ہم نے صرف ان دو کار والوں پر بھروسہ نہیں کیا تھا۔ میں تیسری کار میں پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ کار کی ہیڈ لائیٹس میں میں نے تمہیں سڑک کے کنارے پڑے دیکھا تو اپنی کار میں ڈال کر یہاں لے آیا"

"میں تمہارے باس سے ملنا چاہتی ہوں۔ اس سے کہو کہ فرہاد کی طرف سے خطرہ محسوس نہ کرے۔ اس وقت وہ بے ہوش پڑا ہوا ہے میں اس سے ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں"

"ہمارا باس تمہارے فرہاد کے اور رسوتی کے سامنے کبھی نہیں آئے گا۔ تم جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہو، مجھ سے کہو۔ میں تمہارا پیغام اپنے باس تک پہنچا سکتا ہوں"

"تم نے پہلے کہا تھا کہ فرہاد کو ہوش میں آنے کا موقع نہیں دو گے"

"میں اب بھی یہی کہتا ہوں ـــ تم جو پیغام دو گی وہ باس تک پہنچا دوں گا۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ باس کا جواب کیا ہو گا۔ وہی جو میں تمہیں دے چکا ہوں"

سونیا نے مجبور ہو کر اسے چھوڑ دیا۔ پھر بولی "جاؤ، دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آئندہ کبھی میرا پلہ بھاری ہوتے ہی تمہیں کوئی جانی نقصان نہ پہنچے تو فرہاد کے لیے ـــ کچھ کرو۔ کم از کم یہی بات میکی براڈلے تک پہنچا دو کہ اسے ہوش میں لانے کا طریقہ کیا ہے"

اس کی باتوں کے دوران وہ شخص اٹھ کر کمرے کے دروازے پر چلا گیا۔ پھر اس نے کہا "مادام سونیا، ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ تمہاری مرہم پٹی ہونے کے بعد ہاتھ پاؤں باندھ کر تمہیں ایک محفوظ مقام تک پہنچا دیا جائے۔ کیونکہ ہمارے اندازے کے مطابق وسیع پیمانے پر تمہاری تلاش شروع ہو گی اور جس خطرناک تنظیم سے تمہارا تعلق ہے۔ اس کے ذرائع بڑے وسیع ہیں۔ وہ لوگ یقیناً ہم تک پہنچنے کی کوشش کریں گے اور شاید کامیاب بھی ہو جائیں۔ اس سے پہلے ہم تمہیں اپنے ایک خاص اڈے تک پہنچا دینا چاہتے ہیں"

سونیا وہی چاقو مضبوطی سے پکڑ کر کھڑی ہو گئی پھر بولی "خبردار، کوئی میرے ہاتھ پاؤں نہیں باندھ سکتا۔"

اس کی للکار سن کر کمرے کے باہر بیٹھے ہوئے تمام بدمعاش اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی نے چاقو نکالا اور کسی نے ریوالور نکال لیا۔ پھر ایک ریوالور والے نے کہا "مادام سونیا، تم شاید نہیں جانتیں کہ میں نشانے کا کتنا پکا ہوں۔ میری آنکھوں پر پٹی باندھی جائے تب بھی آواز کی سمت صحیح نشانہ لگاتا ہوں۔ تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ میں ایک نمونہ پیش کروں گا"

سونیا نے ہاتھ اٹھائے۔ جیسی تھی ویسی ہی کھڑی رہی۔ اس شخص نے کہا "دیکھو مادام تمہارا یہ بیٹی کوٹ بڑا گھیرے دار ہے اور یہ ایک طرف زیادہ لہرا رہا ہے میرے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی تمہارے بیٹی کوٹ میں سوراخ پیدا کرتے ہوئے گزر جائے گی۔ اگر تم ذرا بھی حرکت کرو گی تو تمہارے زخمی ہونے کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہو گی"

یہ کہتے ہی اس نے سائلنسر لگے ہوئے ریوالور سے فائر کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے سونیا جہاں تھی وہیں ساکت کھڑی رہ گئی۔ پھر اس نے سر کو جھکا کر اپنے بیٹی کوٹ کو پھیلا کر نظر ڈالی تو اس میں سوراخ ہو چکا تھا۔

اس شخص نے بڑی سفاکی سے کہا "میرے ریوالور سے نکلی ہوئی دوسری گولی تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دے گی۔ اگر تم اپنے فرہاد کی خاطر زندہ رہنا چاہتی ہو تو دوسری طرف گھوم جاؤ۔ ہم تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائیں گے"

سونیا نے چند لمحوں تک سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر وہ چھوٹا سا چاقو ایک طرف پھینکتے ہوئے دوسری طرف پلٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس کے دونوں ہاتھوں کو پیچھے کی طرف کھینچ کر ہتھکڑی پہنا دی گئی ـــ

وہ حرکت کرنا چاہتی تھی مگر دو طرف سے دو آدمیوں نے اس کے بازوؤں کو سختی سے پکڑ لیا۔ پھر اس نے نظریں نیچی کیں تو دیکھا کہ اس کے پاؤں میں بیڑیاں پہنائی جا رہی تھیں۔ اسے پوری طرح بے بس کیا جا رہا تھا۔ آخر میں اس کے منہ پر ایک ٹیپ چپکا دیا گیا۔ تاکہ وہ آواز نہ نکال سکے۔ پھر اس کی آنکھوں پر پٹی باندھنے کے بعد چار آدمیوں نے اسے کاندھے پر اٹھا لیا اور کہیں لے جانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ کھلی فضا میں آ گئی ہے اور اسے ایک گاڑی کی سیٹ پر ڈالا جا رہا ہے۔ وہ میری بے ہوشی کے متعلق سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ اسے ایک امید تھی کہ اگر اس سے رابطہ قائم نہیں ہو گا تو رسوتی اور ممی پیرس میں موجود ہیں۔ میں ان کے سامنے بھی سونیا سے کہہ چکا تھا کہ جب میرے تلوؤں کو سہلایا جائے گا تو میں ہوش میں آ جاؤں گا۔

سونیا کو یہ باتیں یاد تھیں اور وہ توقع کر رہی تھی کہ شاید رسوتی اور ممی ہوش میں لانے والا یہ طریقہ میکی براڈلے کو بتا دیں یا پھر خود آ کر میرے پاؤں کو سہلانے کے بعد مجھے ہوش میں لے آئیں۔ سونیا ایسی ہی باتیں سوچ کر خود کو تسلی دے رہی تھی لیکن مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔

اس وقت اس کے منہ پر ٹیپ لگا ہوا تھا۔ وہ کچھ بول نہیں سکتی تھی۔ دشمنوں سے کچھ پوچھ نہیں سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ دیکھ نہیں سکتی تھی کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ جب اس کا سفر ختم ہو جائے

گا۔ جب اُس کی آنکھوں سے پٹی کھلے گی اور جب وہ اپنے آس پاس کی دنیا کو دیکھ کر کچھ سمجھ سکے گی تو اس وقت میں اپنے قارئین کو اس کی روداد سناؤں گا۔ فی الحال میں اب مرجانہ کی داستان شروع کرتا ہوں کیونکہ اسی کی وجہ سے یہ سارا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔

مرجانہ صبح ساڑھے چار بجے ورزش میں مصروف تھی ایک ملازمہ جو ڈرائنگ روم میں سویا کرتی تھی۔ اُس نے چھت پر آ کر کہا "بی بی جی، ایک صاحب ٹیلیفون پر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

مرجانہ نے سوچا۔ کون ہو سکتا ہے جو اتنے منہ اندھیرے فون پر بات کرنا چاہتا ہے۔ ضرور کوئی خاص بات ہو سکتی ہے۔ یہ سوچ کر وہ چھت سے اترتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ پھر اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو میں مرجانہ بول رہی ہوں۔ آپ کون ہیں؟"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی "میں جو کوئی بھی ہوں، تم مجھے نہیں جانتی ہو لیکن میں تمہیں ایک بہت ضروری خبر سنانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اب فرہاد علی تیمور سے تمہارا دماغی طور پر رابطہ قائم نہیں ہو سکے گا۔"

مرجانہ نے حیرانی سے چونک کر پوچھا "کیوں رابطہ قائم نہیں ہو سکے گا؟"

"اس لیے کہ فرہاد اس وقت زندگی اور موت کے درمیان ہے۔ وہ بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ صرف وہ اور سونیا جانتے ہیں کہ اُسے کس طرح ہوش میں لایا جا سکتا ہے اور یہ طریقہ ہم بھی جانتے ہیں کہ لیکن ہم اُسے ہوش میں نہیں لائیں گے۔ سونیا کا جہاں تک تعلق ہے اُسے ہم نے گرفتار کر کے ایک ایسی جگہ پہنچا دیا ہے جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"

"یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

"جب تک حقیقت کا یقین نہ ہو، اس وقت تک ساری باتیں بکواس لگتی ہیں۔ تم فرہاد علی تیمور کا انتظار کرتی رہو وہ تم سے رابطہ قائم نہیں کرے گا۔ وہ اس وقت تک ہوش میں نہیں آئے گا جب تک ہم نہیں چاہیں گے۔ لہٰذا ہماری ایک بات یاد رکھو۔ اگر تم چاہتی ہو کہ چوبیس گھنٹے کے اندر فرہاد علی تیمور کو ہوش آ جائے اور اُس کی زندگی بچ جائے تو تم اپنی ماں کو لے کر فوراً پیرس پہنچ جاؤ، نہیں پہنچو گی تو فرہاد کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گی۔"

یہ کہتے ہی دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ وہ ہیلو ہیلو کہہ کر چیختی رہی۔ پھر اُس نے بھی ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا اس کے بعد بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے سوچنے لگی کہ جو کچھ اُس نے ٹیلیفون پر سنا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ یہ بات اسی وقت معلوم ہو سکتی ہے جب فرہاد سے دماغی رابطہ قائم ہو گا۔ وہ ٹہل رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ آخر اُس نے سوچا کہ پیرس کے لیے ایک ٹرنک کال بک کرائی جائے اور معلوم کیا جائے کہ فرہاد کس حال میں ہے۔ پھر خیال آیا کہ فرہاد کہاں ہے؟ کس پتے پر کس نمبر پر ٹرنک کال بک کرائی جائے؟

ایسے وقت مرجانہ کو ایک غلطی کا احساس ہوا اور وہ یہ کہ اُس نے اب تک فرہاد سے یہ نہیں پوچھا کہ پیرس میں اس کا قیام کہاں ہے۔ پہلے پتہ چلا تھا کہ وہ ہوٹل میں ہے۔ پھر پتہ چلا کہ وہ سونیا کے گھر گیا تھا۔ اُس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کسی اسپتال میں کسی ڈاکٹر کے زیرِ علاج رہے گا یعنی سرجری کے مراحل سے گزرے گا۔ اس دوران مرجانہ نے نہ تو سونیا کا پتہ پوچھا تھا اور نہ ہی اس ڈاکٹر کے اسپتال کا پتہ یا ٹیلیفون نمبر معلوم کیا تھا۔ بس اتنا یاد تھا کہ اس ڈاکٹر کا نام میکی براڈلے ہے۔

وہ ماسٹر موس ٹرونی کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی تھی۔ ورنہ وہ اُس کے ذریعے میرے حالات معلوم کر لیتی۔ بہرحال اس وقت اُس کے دماغ نے تھوڑا کام کیا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی اپنی والدہ کے بیڈ روم میں گئی وہاں الماری کھول کر اُن کی ڈائری نکالی۔ پھر اس کے اوراق الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگی۔ ایک جگہ پیرس میں رہنے والی ایک خاتون کا پتہ اور ٹیلیفون نمبر نظر آیا۔ اُس نے فوراً ہی وہ نمبر ایک جگہ نوٹ کر لیا۔ پھر اُس نے ورق گردانی کی۔ اُس کو ایک اور شخص کا ٹیلیفون نمبر معلوم ہوا تھوڑی ہی دیر میں اُس نے ایک خاتون اور دو مردوں کے ٹیلیفون نمبر معلوم کیے۔ پھر وہاں سے چلتی ہوئی واپس ڈرائنگ روم میں آئی اور ریسیور اٹھا کر ان نمبروں پر ٹرنک کال بک کرانے لگی۔

اس دوران وہ اندر ہی اندر میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے اُس سے وعدہ کیا تھا کہ دوسری صبح اُس سے رابطہ قائم کروں گا۔ اُسے اُمید تھی کہ یہ رابطہ قائم ہو گا اور میں اُسے مخاطب کروں گا لیکن صبح کے چھ بج گئے۔ گھر والے بیدار ہو گئے۔ اُس نے اپنی امی سائرہ بانو کو بتایا کہ اُس نے فلاں فلاں نمبر پر ٹرنک کال بک کرائی ہے۔ اپنی امی کو یہ بھی بتایا کہ ٹرنک کال کا مقصد کیا ہے۔ اُن کی باتوں کے دوران ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مرجانہ دوڑتے ہوئے ڈرائنگ روم میں گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے چیخ کر اپنی امی کو آواز دی "امی جلدی آیئے آپ کی پیرس والی پڑوسن سے رابطہ قائم ہو گیا ہے۔"

سائرہ بانو تیزی سے چلتی ہوئیں ڈرائنگ روم میں پہنچیں۔ پھر مرجانہ کے ہاتھ سے ریسیور لے کر باتیں کرنے لگی۔ اُس نے خاتون سے کہا کہ اُنھیں پیرس کے ایک ڈاکٹر سے رابطہ قائم کرنا ہے۔ اس ڈاکٹر کا نام میکی براڈلے ہے اور وہ پلاسٹک سرجری کا بہت ہی ماہر اور مشہور ڈاکٹر ہے۔

جواباً پیرس والی خاتون نے کہا کہ وہ اس ڈاکٹر کے نام سے واقف ہے لیکن اُس کا فون نمبر معلوم نہیں ہے۔ وہ ڈائریکٹری دیکھ کر بتا سکتی ہے۔

اس کی امی نے کہا "میں ہولڈ آن کرتی ہوں۔ آپ فوراً ہی نمبر دیکھ کر ڈاکٹر میکی براڈلے سے رابطہ قائم کریں اور اُن سے یہ پوچھیں کہ اُن کے زیرِ علاج ایک پاکستانی جوان ہے جس کا نام فرہاد علی تیمور ہے۔ وہ اس وقت کس حال میں ہے۔ ہم اس کی خیریت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

دوسری طرف سے خاتون نے کہا "میرے پاس ایک ہی ٹیلیفون ہے۔ میں آپ سے رابطہ ختم کرنے کے بعد ہی ڈاکٹر میکی براڈلے سے رابطہ قائم کر سکتی ہوں۔ بہتر یہ ہو گا کہ تھوڑی دیر بعد میں آپ کو ٹرنک کال کروں یا آپ دوبارہ مجھے فون کریں۔"

سائرہ بانو نے کہا کہ وہ پندرہ منٹ کے بعد اُس سے دوبارہ رابطہ قائم کریں گی۔ یہ باتیں ہونے کے بعد رابطہ ختم ہوا تو مرجانہ نے فوراً ہی دوسری کال اسی نمبر پر بک کرائی اور درخواست کی کہ پندرہ منٹ کے اندر یہ رابطہ قائم ہو جائے تو بڑی مہربانی ہو گی۔

وہ ریسیور رکھ کر وہیں بیٹھی رہی تاکہ دوبارہ رابطہ قائم ہو۔ ذرا دیر بعد فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مرجانہ نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔ پھر ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے وہی جانی پہچانی آواز سنائی دی جسے صبح ساڑھے چار بجے مرجانہ سن چکی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "مس مرجانہ! آپ سے رابطہ قائم کیے ہوئے دو گھنٹے گزر چکے ہیں۔ اس عرصے میں آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ مسٹر فرہاد آپ سے رابطہ قائم کرنے کے قابل نہیں رہے — اب بھی آپ میری بات کو سچ مان لیں اور میرے مشورے

کے مطابق فوراً ہی پیرس روانہ ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔"
مرجانہ نے کہا: "میں نے پیرس ایک ٹرنک کال بک کرائی ہے۔ وہاں سے صحیح معلومات حاصل ہونے کے بعد ہی شاید ہم آپ کے مشورے پر عمل کر سکیں۔ اس سے پہلے ممکن نہیں ہے۔"
"اگر آپ پیرس میں کسی کے ذریعے معلومات حاصل کر رہی ہیں تو یہ بڑی اچھی بات ہے۔ آپ یقین کریں، آپ کو وہی باتیں معلوم ہوں گی جو میں کہہ چکا ہوں۔ بہرحال میں پھر آدھے گھنٹے کے بعد فون کروں گا۔"
مرجانہ ریسیور رکھنا چاہتی تھی کہ دوسری طرف سے آواز آئی: "ذرا ٹھہریے۔ ایک بات سن لیجیے۔ اگر میری باتوں کی تصدیق ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ مسٹر فرہاد بے ہوشی کے عالم میں ہیں اور ہمارے سوا کوئی انھیں ہوش میں نہیں لا سکتا تو آپ کے لیے پیرس جانا لازمی ہوگا۔ ایسے حالات میں آپ کو آج کے طیارے میں سیٹ نہیں ملے گی۔ ہم یہ معلومات حاصل کر چکے ہیں۔ ہم نے پی آئی اے کی ایک فلائیٹ میں آپ ماں بیٹی کے لیے دو سیٹیں ریزرو کرا لی ہیں۔ یہ فلائیٹ پنڈی سے جدہ جائے گی۔ جدہ پہنچ کر آپ کو برٹش ایرویز کے طیارے میں دو سیٹیں ریزرو ملیں گی۔ آپ اس طیارے کے ذریعے پیرس پہنچ جائیں گی۔ یہ انتظامات ہم نے کر دیے ہیں۔ باقی سفر کی تیاریاں آپ شروع کر دیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد میں پھر رابطہ قائم کروں گا۔"
مرجانہ نے ریسیور رکھ دیا۔ آدھ گھنٹے بعد پیرس کی خاتون سے دوبارہ رابطہ قائم ہوا۔ اس نے سائرہ بانو کو بتایا: "ڈاکٹر میکی براڈلے کے زیر علاج ایک صاحب فرہاد علی تیمور ہیں۔ اس وقت وہ بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔ یہ بے ہوشی پچھلی رات تقریباً ساڑھے دس بجے سے ہے۔ وہ پہلے تو مجھے یہ باتیں نہیں بتانا چاہتے تھے لیکن جب میں نے بتایا کہ پاکستان سے ایک خاتون سائرہ بانو اور ان کی بیٹی مرجانہ معلومات حاصل کرنا چاہتی ہیں تو وہیں ایک صاحب نے آپ لوگوں سے دلچسپی ظاہر کی۔ ان کا نام موس ٹرونی ہے۔ وہ آپ لوگوں سے فون پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ آپ مناسب سمجھیں تو اپنا ٹیلیفون نمبر مجھے بتا دیں۔ میں وہ نمبر موس ٹرونی کے پاس پہنچا دوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ اور ضروری معلومات آپ لوگوں تک پہنچ جائیں۔"
سائرہ بانو نے اپنا ٹیلیفون نمبر بتایا۔ پھر رابطہ ختم کر کے مرجانہ سے کہنے لگیں کہ جو اطلاع اسے ساڑھے چار بجے صبح ملی تھی وہ صحیح ہے۔ فرہاد پر پچھلی رات ساڑھے دس بجے سے بے ہوشی طاری ہے اور وہ اب تک ہوش میں نہیں آیا ہے۔ کوئی موس ٹرونی نام کا ایک آدمی ہے۔ وہ تمھارا نام سننے کے بعد تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اپنا نمبر دے دیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد شاید وہ تم سے رابطہ قائم کرے۔
پھر ان کے درمیان پیرس جانے کے سلسلے میں باتیں ہونے لگیں۔ مرجانہ کی خالہ اور خالو کو یہ پسند نہیں تھا کہ سائرہ بانو اتنی جلدی پاکستان سے چلی جائیں لیکن یہ معاملہ تھا اور وہ جانتے تھے کہ میری اور مرجانہ کی دوستی کتنی مضبوط اور پائیدار ہے۔ اس دوستی کی ابتدا اسی طرح ہوئی تھی کہ میں اس کے برے وقتوں میں کام آتا رہا تھا۔ اب مجھ پر برا وقت آن پڑا تھا۔ پھر مرجانہ کیسے نہ آتی؟ اس کے رشتہ دار کیسے انکار کر دیتے کہ مرجانہ کو نہیں جانا چاہیے؟
سائرہ بانو بھی مجھ سے بے حد متاثر تھیں کیونکہ میں نے ان کی بیٹی کو دشمنوں سے محفوظ رکھا تھا اور اب بھی کام آ رہا تھا۔ اس لیے وہ اپنی ساری مصروفیات چھوڑ کر بیٹی کے ساتھ پیرس جانے کے لیے بالکل تیار تھیں۔ ابھی باتوں کے دوران پھر فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ پتہ چلا کہ پیرس سے ایک صاحب موس ٹرونی مرجانہ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔
مرجانہ نے ریسیور اٹھا کر کہا: "ہیلو، میں مرجانہ بول رہی ہوں۔"
دوسری طرف سے آواز آئی: "میں ماسٹر موس ٹرونی کہلاتا ہوں۔ ماسٹر اس لیے کہ میرا تعلق ایک ایسی تنظیم سے ہے جس کے متعلق مسٹر فرہاد اچھی طرح جانتے ہیں۔ شاید انھوں نے کبھی اس تنظیم کا ذکر کیا ہو۔ بہرحال میں اپنے منہ میاں مٹھو بننا نہیں چاہتا لیکن اتنا بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ پیرس کا بے تاج بادشاہ ہوں۔ تم یہاں آؤ گی تو تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تمھیں یہاں بلانا چاہتا ہوں۔ یہ مسٹر فرہاد کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب کچھ محض تمھاری وجہ سے ہو رہا ہے۔ دشمن چاہتے ہیں کہ مسٹر فرہاد تمھارے راستے سے ہٹ جائیں اور کسی طرح بھی تمھاری مدد نہ کریں۔ اس کے لیے انھوں نے مادام سونیا کو اور مادام رسونتی کو اغوا کیا ہے اور انھیں یرغمال بنا کر مسٹر فرہاد سے کوئی سودے بازی کرنا چاہتے ہیں۔ میں ٹیلیفون پر تفصیل سے گفتگو نہیں کر سکوں گا لیکن اتنا بتا رہا ہوں کہ تمھارا پیرس پہنچنا بہت ضروری ہے۔"
مرجانہ نے کہا: "ابھی تقریباً تین گھنٹے پہلے ایک صاحب نے مجھے فون کیا تھا کہ مجھے پیرس جانا ہوگا اور ان لوگوں کی طرف سے میرے اور میری امی کے لیے طیارے میں سیٹیں بک کرا دی گئی ہیں۔ ہماری روانگی کے انتظامات کرا دیے گئے ہیں لیکن میں جانتی ہوں کہ جس نے یہ انتظامات کیے ہیں وہ ہمارا دشمن ہے۔"
ماسٹر موس ٹرونی نے کہا: "دشمنوں کی پروا نہ کرو۔ پیرس پہنچ جاؤ۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ کس نے تمھیں یہاں آنے کے لیے کہا ہے اور وہ تمھارے ساتھ کیسی چالیں چلنا چاہتا ہے۔ ویسے میں نے تمھیں اور تمھاری امی کو دیکھا نہیں ہے۔ مجھے بتا دو کہ جب پیرس کے ایئرپورٹ پہنچو گی تو اس وقت تمھارا لباس کیا ہوگا اور تمھاری پہچان کیا ہوگی۔ ویسے میں یہاں ایئرپورٹ کی انکوائری کاؤنٹر سے تمھارے بارے میں معلوم کر سکتا ہوں۔ مسافروں کی فہرست میں تمھارا نام پڑھ سکتا ہوں۔ لگیج کی رسید پر تمھارا نام پڑھ کر تم تک پہنچ سکتا ہوں لیکن میں براہِ راست تم سے ایئرپورٹ پر ملاقات نہیں کروں گا۔ دور ہی دور سے تمھاری نگرانی کی جائے گی تاکہ دشمن تمھیں نقصان نہ پہنچا سکیں۔"
مرجانہ نے کہا: "اچھی بات ہے۔ میری سب سے بڑی پہچان یہ ہوگی کہ میں پاکستانی لباس شلوار اور کرتے میں رہوں گی۔ میرے لباس کا رنگ ہلکا گلابی ہوگا۔ میری سب سے بڑی پہچان یہ ہوگی کہ میرے چہرے پر... میک اپ نہیں ہوگا کیونکہ میں کبھی میک اپ نہیں کرتی۔ کبھی بالکل لپ اسٹک وغیرہ نہیں لگاتی۔ ویسے آپ یہ یاد رکھیں کہ ہم جدہ سے پیرس آنے والے برٹش ایرویز کے طیارے میں ہوں گے۔"
یہ تمام باتیں ہونے کے بعد رابطہ ختم ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس سے رابطہ قائم ہونے کا وقت آیا جو ان کے سفر کے انتظامات کر رہا تھا اور انھیں پیرس جانے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس نے فون پر پوچھا: "ہیلو مرجانہ، کیا آپ نے میری کہی ہوئی باتوں کی تصدیق کر لی ہے؟"
"ہاں، تصدیق ہو چکی ہے۔ فرہاد پچھلی رات سے بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔ میں پیرس جانے کے لیے تیار ہوں۔ میری امی بھی جائیں گی۔"
میری بے ہوشی کے دوران واقعات کی جو ترتیب ہے، اس کے مطابق اب سونیا کے حالات سامنے آتے ہیں۔ سونیا کو منہ پر ٹیپ چپکایا گیا تھا اور آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ہاتھوں کو پیچھے کی طرف موڑ کر ہتھکڑی پہنائی گئی تھی اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ اسے بالکل ہی بے دست و پا بنا کر ایک ویگن... میں سوار کرایا گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ ویگن... میں خود کو محسوس کرتی رہی۔ پھر ایک جگہ وہ گاڑی رک گئی۔ وہاں سے چار آدمیوں نے اسے اپنے کاندھے پر اٹھایا اور ایک ہیلی کاپٹر میں سوار کرا دیا۔ اس کے آس پاس دو آدمی بیٹھ گئے۔ پھر وہاں سے اس کا سفر ہیلی کاپٹر کے ذریعے شروع ہوا۔ تقریباً چار گھنٹے کے بعد وہ کسی جگہ اتاری گئی۔ وہاں اس کے پاؤں کی بیڑیاں اور ہاتھوں کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں۔ اس کے بعد اسے حکم ملا کہ وہ اسی طرح آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی رکھے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتی چلی جائے۔
اس نے حکم کے مطابق عمل کیا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی ایک طرف بڑھنے لگی۔ جب وہ تقریباً سو قدم چل چکی تو اچانک ہیلی کاپٹر کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر آواز کی سمت دیکھا۔ پھر جلدی سے اپنی آنکھوں کی پٹی کھولنے لگی۔ پٹی کھلتے ہی اس نے دیکھا کہ ہیلی کاپٹر زمین سے بلند ہو رہا ہے اور پرواز کرتا ہوا کہیں جا رہا ہے۔ اس نے فوراً ہی اپنے منہ پر سے ٹیپ کو ہٹا دیا۔ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی کہ وہ کہاں ہے؟
وہ کوئی بہت ہی ویران سی جگہ تھی۔ بہت دور تقریباً پانچ چھ کاٹیج نظر آ رہے تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے ان کاٹیج کی طرف گئی اور چیخنے لگی: "کیا یہاں کوئی ہے؟ اگر کوئی ہے تو سامنے آئے۔ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ یہ کون سی جگہ ہے؟"
اس کے آواز دینے پر جواباً کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ دوڑتے دوڑتے رک گئی۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پہلے کاٹیج تک گئی۔ دروازے کے کاٹیج پر ایک گتہ لٹک رہا تھا۔ اس گتے پر لکھا ہوا تھا: "خوش آمدید مادام سونیا۔"
وہ آگے بڑھ کر دروازے کے سامنے پہنچی۔ اِدھر اُدھر محتاط نظروں سے دیکھا۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس ویران علاقے میں اس کے سوا کوئی آدم زاد نہیں ہے۔ اس نے دروازے کو کھولنا چاہا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر سے ٹیلیفون کی گھنٹی سنائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے ایک کمرے میں پہنچی۔ وہاں سنٹر ٹیبل پر ایک ٹیلیفون رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو آواز آئی: "ہیلو ہیلو مادام سونیا۔"
سونیا نے کہا: "میں سونیا بول رہی ہوں۔ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ مجھے کہاں لایا گیا ہے؟"

"تمھیں ایسی جگہ پہنچا دیا گیا ہے کہ وہ جگہ دنیا کے نقشے میں نظر نہیں آئے گی۔ جو لوگ تمھیں تلاش کرنے آئیں گے وہ اس جگہ کے آسمان پر سے تو گزر جائیں گے لیکن زمین پر نہیں پہنچ سکیں گے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ وہاں اونچے اونچے گھنے درخت ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ تمام کالج وغیرہ چھپ گئے ہیں۔ ہمارا ہیلی کاپٹر جہاں اُترا تھا وہ جگہ صرف ہم جانتے ہیں۔ کوئی دوسرا وہاں پہنچ نہیں سکے گا۔ پہنچنا چاہے گا تو ہم اس کے راستے کی رکاوٹ بن جائیں گے۔"

"تم مجھے یہاں لا کر کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ کیا حاصل کرنا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ فرہاد سے کچھ سودا کرنا ہے۔ جب وہ ہوش میں آجائے گا تو اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

سونیا نے کہا: "تم چاہو تو فرہاد ابھی ہوش میں آ سکتے ہیں۔"

"ہاں آ سکتے ہیں لیکن ابھی ہمیں چند دوسرے مہمانوں کا انتظار ہے جو تمھارے پاس پہنچائیں جائیں گے اور تمھارے ساتھ وہاں مختلف کالجوں میں رہیں گے۔"

"تم کن مہمانوں کی باتیں کر رہے ہو؟ کون ہیں وہ لوگ؟"

"ذرا صبر کرو۔ وہ پہنچنے ہی والے ہیں۔ اس وقت تم آرام کرو وہاں ہر کالج میں کھانے پینے پہننے اوڑھنے اور زندگی کی دوسری ضروریات کے تمام سامان موجود ہیں۔ تم لوگوں کو کسی بات کی کمی نہیں ہوگی۔"

سونیا نے کہا: "ٹھیرو، ابھی ریسیور نہ رکھنا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تم سے کوئی ضروری بات کرنا چاہوں تو کس طرح رابطہ قائم کر سکتی ہوں۔"

"رابطہ قائم کرنا ہوگا تو میں خود کروں گا۔ تمھارے ٹیلیفون میں ڈائل نہیں ہے کہ تم نمبر گھما کر کسی سے رابطہ قائم کر سکو۔ میں کبھی ضروری سمجھوں گا تو اس ٹیلیفون کے ذریعے تم سے بات کر لوں گا۔ اچھا گڈ بائی۔"

یہ کہتے ہی دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ سونیا نے غصے سے اپنے ہاتھ کے ریسیور کو دیکھا۔ پھر اسے کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس کے بعد وہ کالج کے ایک ایک کمرے میں جا کر دیکھنے لگی۔ وہاں واقعی زندگی کی ضروریات کا تمام سامان موجود تھا۔ کچن اور اسٹور روم میں جھانکنے کے بعد پتہ چلا کہ وہاں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہیں ہے۔

پھر وہ وہاں سے نکل کر دوسرے کالجوں کی طرف گئی۔ اُسے وقت گزارنا تھا اور یہ سوچنا بھی تھا کہ کس طرح وہ [illegible] سے رابطہ قائم کر سکتی ہے یا ڈاکٹر میکی براڈ سے یا ماسٹر موس ٹرونی وغیرہ کو کس طرح مجھے ہوش میں لانے کا طریقہ [illegible] سکتی ہے۔ یہ سوچنے کے دوران وہ دوسرے کالجوں کے اندر جاتی رہی اور دیکھتی رہی۔ وہاں بھی ضروریاتِ زندگی کا تمام سامان موجود تھا۔ تقریباً ہر کالج میں چھ ماہ کا راشن بھی تھا۔

وہ وہاں سے اس کالج میں واپس آئی جس کے دروازے پر اس کے لیے خوش آمدید لکھا گیا تھا۔ کالج کے اندر [illegible] کر ٹیلیفون پر نظر پڑتے ہی اس کے دماغ میں یہ بات آئی [illegible] ٹیلیفون کا کنکشن کہاں سے آیا ہے۔ پھر یہ کہ بجلی کے بلب وغیرہ بھی تھے۔ بجلی کے تار بھی کہیں سے آتے تھے اور ان کے ذریعے وہ اس مقام تک پہنچ سکتی تھی۔ جہاں سے [illegible] سپلائی کی جا رہی تھی۔

وہ کنکشن کو دیکھتے ہوئے کالج کے باہر آئی۔ وہاں [illegible] کے پچھلے حصے میں اس نے دیکھا۔ دیوار کے ساتھ ایک [illegible] کا پائپ لگا ہوا تھا اور وہ پائپ زمین کے اندر چلا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ زیرِ زمین وائرنگ کی گئی ہے۔ یہ وائرنگ کہیں دُور تک گئی ہے۔ لیکن زمین کے اوپر سے اس وائرنگ کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ اوپر سے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ تار کہاں کہاں سے ہیں کس سمت گئے ہیں اور کتنی دُور تک گئے ہیں۔

وہ سوچتے ہوئے کالج کے اندر آگئی۔ رات بھر جاگی ہوئی تھی۔ سونے کا اب بھی ارادہ نہیں تھا۔ جب وہ میرے متعلق مطمئن نہ ہو جاتی اُسے نیند نہیں آسکتی [illegible] اس نے تھکن اتارنے کے لیے چائے کی ضرورت محسوس کی اور اس کے لیے کچن میں چلی گئی۔

اس وقت صبح ہو رہی تھی۔ چائے پینے کے بعد اس نے کان لگا کر سنا تو دُور کہیں ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ جلدی سے پیالی کچن میں رکھ کر کالج سے آئی۔ باہر صبح کا ہلکا ہلکا سا اُجالا پھیل رہا تھا۔ دن کی [illegible] میں پتہ چلا کہ وہ کتنے سرسبز علاقے میں آگئی ہے۔ دُور تک گھنے درختوں کے سائے تھے اور زمین پر سبز ملائم گھاس جیسے قالین بچھا ہوا تھا۔

وہ سبز گھاس پر تیزی سے چلتی ہوئی کالج سے [illegible] آئی آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ [illegible] کے جھنڈ کی وجہ سے پوری طرح آسمان نظر نہیں آرہا تھا۔ کہیں کہیں سے ۔۔۔ دکھائی دیتا تھا۔ ایسے ہی وقت ہیلی کاپٹر نظر آیا جو کہ آہستہ آہستہ نیچے کی طرف آرہا تھا۔

وہ اسی سمت دوڑتے ہوئے جانے لگی۔ جب وہ دوڑتے دوڑتے کافی دُور پہنچنے کے بعد رُکی تو دیکھا کہ وہ ہیلی کاپٹر زمین پر اُتر چکا تھا اور اس میں سے مسلح افراد دو عورتوں کو اتار رہے تھے انھیں دُور سے دیکھتے ہی بے اختیار سونیا کے منہ سے نکلا: "رسونتی، ممی!"

دُور سے رسونتی نے سونیا کو دیکھا تو وہ ایک دم سے دوڑتے ہوئے آئی اور روتے ہوئے سونیا سے لپٹ گئی۔ ممی آہستہ آہستہ اُن کی طرف آرہی تھیں۔ ہیلی کاپٹر میں آنے والے مسلح افراد اپنے ہاتھ میں ریوالور لیے ہوئے تھے۔ سونیا اُن کے قریب نہیں جا سکتی تھی۔

جب ممی دُور ہوگئیں تو وہ لوگ ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے پھر وہ ہیلی کاپٹر زمین کو چھوڑ کر بلندی کی طرف پرواز کرنے لگا اب وہ لوگ واپس جا رہے تھے۔ انھوں نے اس ویران علاقے میں تین عورتوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا اور میرے لیے ایک چیلنج تھا کہ میں انھیں وہاں سے نکال لاؤں جبکہ میں اپنے آپ کو ہی بے ہوشی کے عالم سے نہیں نکال پا رہا تھا۔

سونیا نے رسونتی کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: "ارے تم رو رہی ہو۔ فرہاد کے ساتھ تم نے بھی کتنے دکھ مصیبتوں کے دن کاٹے ہیں اور کیسے کیسے خطرناک دشمنوں سے مقابلہ کیا ہے، پہلے کبھی تو میں نے نہیں سنا کہ تم روئی تھیں؟"

رسونتی نے کہا: "پہلے کی بات الگ ہے۔ کیونکہ اس وقت فرہاد شانہ بشانہ ہوتا تھا کہیں پیچھے سے یہ توقع ہوتی تھی کہ فرہاد ہمارے سَر پر موجود ہے یا پھر میں فرہاد کی پُشت پر ہوتی تھی تاکہ اُس کی حفاظت کروں لیکن اب تو وہ بالکل بے یار و مددگار اسپتال میں پڑا ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ بے ہوش ہے اور اُسے ہوش میں ہم ہی لا سکتے ہیں۔ میں کیا کروں؟ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ کاش کہ ٹیلی پیتھی کا تھوڑا سا علم مجھے تھوڑی سی دیر کے لیے مل جاتا تو میں ابھی فرہاد کی مدد کے لیے وہاں پہنچ جاتی اور چشم زدن میں بے ہوشی کے عالم سے نکال لاتی۔"

ممی نے اُس کی پیٹھ کو تھپکتے ہوئے کہا: "بیٹی! میں تمھیں پہلے بھی سمجھا چکی ہوں۔ میرا علم کہتا ہے کہ فرہاد کی ابھی بہت طویل زندگی ہے۔ وہ فی الحال مصیبت میں مبتلا رہے گا۔ تکلیفیں برداشت کرے گا لیکن کوئی اُسے وقت سے پہلے نہیں مار سکے گا۔ تم اطمینان رکھو۔"

ممی اور سونیا اُسے تسلیاں دیتے ہوئے کالج کی طرف جانے لگیں ٹھیک اس وقت ——— جب وہ لوگ اس ویران علاقے کے کالج میں تھیں ——— میں اسپتال میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ مجھے ہوش میں لانے والی تمام دوائیں بے اثر ثابت ہوتی جا رہی تھیں۔ صبح سات بجے ڈاکٹروں کا اجلاس ہوا جس میں متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ سونیا کے واپس آنے تک مجھے زندہ رکھنے کے لیے انجکشن کے ذریعے میرے جسم میں خوراک پہنچائی جاتی رہے اور میرے پاس ہمیشہ کوئی نہ کوئی موجود رہے۔

ڈاکٹروں کے اجلاس کی رپورٹ معلوم کرنے کے لیے ماسٹر موس ٹرونی اسپتال کی طرف جا رہا تھا۔ وہ راستے میں سونیا کے بنگلے کے سامنے گاڑی سے اُتر گیا۔ اس نے سوچا کہ بنگلے میں جا کر ملازموں سے معلوم کرے شاید سونیا کی کوئی خبر کسی ذریعے سے آئی ہو۔ وہ بنگلے میں پہنچا تو سامی اِدھر سے اُدھر میاؤں میاؤں کرتی پھر رہی تھی۔ موس ٹرونی کو دیکھ کر اس کے پیچھے لگ گئی۔ اس نے ملازموں سے سوالات کیے۔ پھر مایوس ہو کر جانے لگا۔ سامی اس کے پیچھے پیچھے آنے لگی۔

کار میں بیٹھتے ہوئے موس ٹرونی نے سامی کی طرف دیکھ کر کہا: "جاؤ، واپس جاؤ۔ کیوں میرے پیچھے آ رہی ہو؟"

سامی رُک گئی۔ اس نے کار کے دونوں دروازوں کی طرف دیکھا۔ اگلے دروازے کی کھڑکی کے پاس موس ٹرونی بیٹھا ہوا تھا اس لیے کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اِدھر کی دوسری سیٹ خالی تھی۔ اچانک سامی نے چھلانگ لگائی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھڑکی سے گزر کر دوسری سیٹ سے ہوتے ہوئے کار کی پچھلی سیٹ پر پہنچ گئی۔

موس ٹرونی نے پلٹ کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے سامی سے کہا: "کمال ہے تم بِن بُلائے مہمان کی طرح میری کار میں آگئی ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے اسٹیئرنگ کی طرف توجہ دی۔ پھر کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے سوچا "یہ فرہاد کی محبوب بلی ہے اور سونیا بھی اسے بڑے پیار سے رکھتی تھی۔ لہٰذا اسے اپنے ساتھ اسپتال لے جانا چاہیے۔ یہ اپنے مالک کو تلاش کر رہی ہے۔ اگر اسے فرہاد کی ایک جھلک دکھا دی جائے تو کیا حرج ہے۔"

وہ سوچتا ہوا اور کار ڈرائیو کرتا ہوا اسپتال پہنچ گیا۔ لیکن سامی کے ساتھ اسپتال میں داخل ہوتے وقت اسے

یاد آیا کہ سرجری کے بعد فرہاد کے چہرے پر جا بجا پلاسٹر کی پٹیاں چپکی ہوئی ہیں۔ وہ صورت سے پہچانا نہیں جاتا ہے۔ پھر بھلا یہ بلی کیا پہچانے گی۔ یہ سوچتے ہی اُس نے سامی کو گود سے اُتار دیا۔ پھر اُسے دھتکارتے ہوئے بولا "جاؤ یہاں سے۔ جاؤ۔ اُدھر ویٹنگ روم میں بیٹھی رہو۔ میں ابھی ہوں۔"

پھر وہ ڈاکٹر میکی براڈلے کی طرف جانے لگا۔ سامی اُس کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔ ڈاکٹر نے موس ٹرونی کو ایلاس کی رپورٹ بتائی اور مایوسی ظاہر کی کہ فرہاد کسی بھی دوا کے ذریعے ہوش میں نہیں آ رہا ہے۔ سونیا کا یہاں پہنچنا بے حد ضروری ہے۔

ماسٹر موس ٹرونی نے فرہاد کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ ڈاکٹر میکی براڈلے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کے ساتھ چلتے ہوئے فرہاد کے کمرے کی طرف جانے لگا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر موس ٹرونی ٹھٹک گیا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا تو سامی پیچھے آ رہی تھی۔ اُس نے ایک مسلح گارڈ کو کہا کہ اس بلی کو بھگائے اور کمرے میں نہ جانے دے۔

اس کو یہ ہدایت دے کر وہ ڈاکٹر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ پھر اس سے پہلے کہ سامی اندر داخل ہو۔ اُس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ سامی کے داخل ہونے کے راستے مسدود کر دیے۔ دوسری طرف گارڈ نے سامی کو اُٹھا لیا تھا اور ایک وارڈ بوائے کے حوالے کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اس بلی کو اسپتال کے باہر چھوڑ آؤ۔

وارڈ بوائے نے سامی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ سامی مچل رہی تھی اور اُس کی گرفت سے نکلنا چاہتی تھی لیکن وارڈ بوائے نے اُسے ایک تھیلے میں ڈال دیا۔ پھر اُسے اسپتال کے باہر لے جانے لگا۔ میں اس وقت مجبور تھا۔ اپنی سامی کو اپنے پاس بلا نہیں سکتا تھا۔ میرے اپنے جو میرے کام آ سکتے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے دشمنوں کی گرفت میں جا رہے تھے۔ سونیا، رسونتی، ممی اور اب مرجانہ کی باری تھی۔

ڈاکٹر میکی براڈلے میری نبض دیکھ رہا تھا۔ دوسری طرف ماسٹر موس ٹرونی کھڑا ہوا مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ڈاکٹر، شاید تم نہیں جانتے کہ یہ فرہاد علی تیمور ہماری تنظیم کا سب سے بڑا دشمن ہے اور اس وقت یہ کیسی بے بسی سے بے یار و مددگار پڑا ہوا ہے۔ ہم چاہیں تو اسے چیونٹی کی طرح مسل سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے پوچھا "تو پھر اسے مسل کیوں نہیں دیتے؟ ایسی کیا بات ہے کہ اسے بچانے کی کوشش کی جا رہی ہے؟"

"ہمارا سپر ماسٹر ایسے ذہین اور دلیر دشمن کی قدر کرتا ہے۔ سوتے میں کبھی وار نہیں کرنا چاہتا۔ مجبور بنا کر قتل کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا حکم ہے کہ فرہاد علی تیمور کو بچانے کے لیے اپنی آخری کوشش بھی صرف کر دی جائے۔"

ڈاکٹر میکی براڈلے نے مسکراتے ہوئے کہا "میں فرہاد کے ساتھ دو چار روز گزارنے کے بعد بہت حد تک تمہیں اور تمہاری تنظیم کو سمجھ چکا ہوں۔ تمہاری تنظیم تخریب پسند ہے جبکہ فرہاد تعمیری کام کرتا ہے اور اس کے بڑے احسانات مجھ پر بھی ہیں۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جو بلیک میلنگ کا مواد آپ لوگ میرے خلاف استعمال کرنے کے لیے رکھے ہوئے تھے وہ فرہاد نے میرے حوالے کر دیا تھا۔"

ماسٹر موس ٹرونی نے سر ہلا کر کہا "ہاں، مجھے معلوم ہو چکا ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا "ایک بات میں بھی سمجھ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ سپر ماسٹر اتنا دلیر نہیں ہے جتنا کہ ذہین ہے۔ جانتا ہے کہ اگر مسٹر فرہاد کو اس بے ہوشی کے دوران تم میں سے کسی نے بھی قتل کیا یا اُس کی زندگی بچانے کی کوشش نہیں کی تو دو زبردست مہرے ابھی تمہاری گرفت سے باہر ہیں ——— ایک مادام سونیا، دوسری مادام رسونتی۔ اگرچہ دونوں بھی مسٹر فرہاد کے ساتھ بیک وقت آپ لوگوں کی گرفت میں ہوتیں اور آپ لوگوں کے قابو میں رہتیں تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ آپ ان تینوں کا خاتمہ کر دیتے لیکن یہ شطرنج کی چال ہے۔ جب تک وہ دو مہرے اُدھر رہیں گے اِدھر فرہاد کو تم یا وہ دشمن جو اُس کی طویل بے ہوشی کا باعث بن رہے ہیں۔ نقصان پہنچانے سے باز رہیں گے۔"

ماسٹر نے پہلے تو اُسے گھور کر دیکھا۔ پھر فوراً ہی مسکراتے ہوئے بولا "تم غلط سمجھ رہے ہو۔ ہم فرہاد، سونیا اور رسونتی کو کبھی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ ہم تو انہیں اپنا دوست بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ بہرحال اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ ہمارا اور فرہاد وغیرہ کا معاملہ ہے۔ تم ایک ڈاکٹر ہو لہٰذا اپنے معاملات کو دیکھو کیا اُسے انجکشن کے ذریعے خوراک پہنچا دی گئی ہے؟"

"ہاں، یہ میرا معاملہ ہے۔ میں سمجھوں گا کہ خوراک کب پہنچانا ہے اور کب نہیں۔ چلیے باہر چلیں۔ یہاں ہم لوگوں کا

زیادہ دیر رہنا مناسب نہیں ہے۔ ایک نرس کافی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ دونوں کمرے سے باہر چلے گئے۔ ڈاکٹر میکی براڈلے کے کمرے میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اُس نے فون کے پاس آ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کہا گیا کہ وہ ماسٹر موس ٹرونی سے بات کرنا چاہتا ہے۔ ڈاکٹر میکی براڈلے نے ریسیور موس ٹرونی کی طرف بڑھا دیا۔ اُس نے ریسیور لے کر کہا "ہیلو، میں ماسٹر موس ٹرونی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "میں جو کوئی بھی بول رہا ہوں۔ تم تعارف کے باوجود پہچان نہیں سکو گے۔ اس لیے کہ میں .... تمہارے لیے اجنبی ہوں تمہیں فون اس لیے کیا ہے کہ میں فرہاد کے ہوش میں آنے کا راز جانتا ہوں۔"

موس ٹرونی نے جلدی سے پوچھا "تم کیسے جانتے ہو۔ بتاؤ کہ فرہاد صاحب کس طرح ہوش میں آ سکتے ہیں؟"

"اتنی جلدی نہ کرو پہلے صبر سے سنو کہ مجھے یہ معلومات کیسے حاصل ہوئیں ایسے کہ تمہاری مادام سونیا اور مادام رسونتی اور اُس کے ساتھ ایک بوڑھی عورت تینوں ہماری قید میں ہیں۔ مادام سونیا نے کہا ہے کہ مسٹر فرہاد کو ہوش میں لانے کا طریقہ تم لوگوں کو بتا دیا جائے لیکن ہم یہ کیوں بتائیں؟"

ماسٹر نے جھنجلا کر کہا "یہ کیا بکواس ہے۔ اگر تم بتانا نہیں چاہتے تھے تو پھر فون کیوں کیا؟"

"یہ بتانے کو کہ جب ہم چاہیں گے اس وقت مسٹر فرہاد کو ہوش میں لے آئیں گے۔"

"تم کب ایسا چاہو گے؟"

"اس وقت جب مرجانہ پیرس پہنچ جائے گی۔ شرط یہ ہے کہ ریڈ پاور اور سپر ماسٹر کی تنظیم کا کوئی بھی فرد مرجانہ کے راستے میں نہ آئے۔ مرجانہ کی نگرانی نہ کرے اُسے ہم جہاں بھی لے جانا چاہیں۔ ہمارے راستے کی رکاوٹ نہ بنے۔ جب ہم بخیریت اس لڑکی کو اپنی گرفت میں لے کر اپنے ایک خاص اڈے پر پہنچا دیں گے تو اُس کے بعد مسٹر فرہاد کو ہوش میں لے آئیں گے۔"

موس ٹرونی نے کہا "ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے راستے کی رکاوٹ ... نہیں بنیں گے اور راضی خوشی مرجانہ کو تمہارے حوالے کر دیں گے لیکن تم ابھی اور اسی وقت یہاں آ کر فرہاد صاحب کو ہوش میں لے آؤ یا وہ طریقہ بتا دو۔"

"نہیں نہیں، ہم ایسے نادان نہیں ہیں کہ وعدوں اور قسموں پر اعتماد کریں۔ تم بھی بدمعاش ہو۔ ہم بھی بدمعاش ہیں اور بدمعاشوں کی زبان کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ اس لیے وقت کا انتظار کرو ——— اور اس بات کا خیال رکھو کہ مرجانہ کے اور ہمارے راستے میں کوئی نہ آئے۔ یہ وارننگ ہے۔ اگر اس کے خلاف عمل ہوا تو فرہاد کبھی ہوش میں نہیں آئے گا اور بے ہوشی کے دوران اُس کی موت واقع ہو جائے گی۔"

"ہم کیسے یقین کریں کہ جب مرجانہ تمہاری حراست میں پہنچ جائے گی تو تم فرہاد صاحب کو ہوش میں لے آؤ گے؟"

"ہم وعدہ کرتے ہیں اور ہمارے اس سارے کھیل تماشے کا مقصد ہی یہی ہے کہ ہم مرجانہ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم فرہاد صاحب کو اس لیے ہوش میں لائیں گے کہ اُن سے کچھ سودے بازی کرنا ہے۔ فرہاد صاحب سے وعدہ لیا جائے گا کہ وہ آئندہ مرجانہ سے قطع تعلق کر لیں اور اُس کے معاملے میں کبھی مداخلت نہ کریں۔ صرف اتنی سی شرط مان لینے پر ہم سونیا اور رسونتی کو آزاد کر دیں گے۔ ہمیں فرہاد، سونیا اور رسونتی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہمیں جس کی ضرورت ہے وہ آج شام تک اپنی ماں کے ساتھ پیرس پہنچ جائے گی۔"

اتنا کہہ کر دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ ماسٹر موس ٹرونی نے بھی ریسیور رکھتے ہوئے سوچا کہ مرجانہ کے معاملے میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے اور دشمنوں کو اس بات کا پورا موقع دینا چاہیے کہ وہ مرجانہ اور اُس کی ماں کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ وہ مجھے بچانے کی خاطر مرجانہ کو جہنم میں دھکیلنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

شام تک کوئی قابلِ بیان واقعہ پیش نہیں آیا۔ اب سبھی کو مرجانہ کی آمد کا انتظار تھا بلکہ انتظار اس بات کا تھا کہ مرجانہ دشمنوں کے جال میں پھنسے اور اِدھر مجھے ہوش میں لایا جائے۔ وہاں اس ویران علاقے میں سونیا، رسونتی اور ممی وہ دن بڑی بے چینی سے گزار رہی تھیں اور سونیا کو تو جیسے قرار نہیں تھا۔ رات بھر جاگنے کے باوجود وہ اب بھی سونا نہیں چاہتی تھی اور تدبیر سوچ رہی تھی کہ کس طرح اس علاقے کے متعلق معلومات حاصل کرے یا اس جگہ تک پہنچے جہاں سے بجلی کا کنکشن آیا ہے۔

ممی نے سمجھایا "بیٹی اس طرح دماغ کام نہیں کرے گا۔ دماغ کو آرام و سکون کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ تم پہلے اسے آرام پہنچاؤ، تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ۔ جب سو کر اٹھو گی تو خود کو تازہ دم محسوس کرو گی۔ تمہارے سر کی تکلیف بھی ختم ہو جائے گی۔"

سونیا سونا نہیں چاہتی تھی۔ رسونتی بھی جاگ رہی تھی دونوں کو بے چینی تھی کہ میرا کیا ہونے والا ہے لیکن ممی نے دونوں کو سمجھا بجھا کر سونے پر مجبور کر دیا۔ ان سے کہا کہ وہ جاگتی رہیں گی۔ کم از کم دو گھنٹے کی نیند پوری کرنے کے بعد انھیں بیدار کر دیں گی۔ اُس کے بعد وہ خود سو جائیں گی۔ پھر سونیا اور رسونتی اپنے طور پر تدبیریں سوچتی رہیں گی۔

وہ دن کے نو بجے سو گئیں۔ ممی نے اُن کے لیے دوپہر کا کھانا تیار کیا۔ پھر ایک بجے انھیں جگا دیا۔ وہ دونوں غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آئیں۔ پھر تینوں نے مل کر کھانا کھایا۔ اُس کے بعد ممی سونے کے لیے چلی گئیں۔ سونیا نے اُن سے دریافت کیا "کیا ٹیلیفون پر کسی نے مخاطب کیا تھا؟"

ممی نے انکار میں سر ہلایا اور دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ اُن کے جانے کے بعد سونیا نے کہا "رسونتی، تم اب تک ٹیلی پیتھی کے ذریعے بہت سے کارنامے انجام دے چکی ہو لیکن جسمانی مشقت کی عادی نہیں ہو مگر آج فرہاد کی خاطر تمھیں کچھ محنت کرنی ہوگی۔ میں تم سے زیادہ محنت کروں گی لیکن تمھارا ساتھ ضروری ہے۔"

رسونتی نے کہا "میں فرہاد کے لیے اپنی جان بھی دینے کو تیار ہوں۔ بتاؤ، کیا کرنا ہے؟"

سونیا نے کہا "وہاں اسٹور روم میں ایک کدال ہے۔ ہم وہ کدال لے کر باہر جائیں گے اور جو پائپ دیوار کے ذریعے زمین کے اندر گیا ہے وہاں سے ہم زمین کو تھوڑا تھوڑا کھودنا شروع کریں گے اور یہ دیکھتے جائیں گے کہ وہ پائپ کہاں گیا ہے؟"

رسونتی نے حیرانی سے پوچھا "ہم کتنی دور تک کھود سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جہاں سے یہ کنکشن آیا ہو، وہ جگہ میلوں دور ہو اور میلوں دور تک یہ پائپ کا جال بچھایا گیا ہو۔"

"میں یہ سب کچھ سوچ چکی ہوں۔ خواہ وہ سیکڑوں ہزاروں میل کیوں نہ ہو۔ یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر خاموش بیٹھے رہنے سے بہتر ہے کہ ہم کچھ محنت کریں۔ ہو سکتا ہے کہ روز تھوڑا تھوڑا کھودنے سے اور آگے بڑھتے رہنے سے ہم مہینے دو مہینے، سال دو سال میں کبھی تو اس مقام تک پہنچ جائیں گے جہاں ہم دشمنوں کی گردن ناپ سکیں۔ ایسے بیٹھے رہیں گے تو پتہ نہیں کوئی آئندہ ہماری خبر لے گا یا نہیں؟ یہاں ہمارا کیا حشر ہوگا۔ ہم نہیں جانتی ہیں۔ اِس لیے اپنی حفاظت کی خاطر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

دونوں ایک منصوبے پر متفق ہونے کے بعد اسٹور روم سے کدال لے کر کاٹیج کے پچھواڑے چلی گئیں۔ پھر شام تک وہ زمین کھودنے میں مصروف رہیں۔ کھودنے سے یہ معلومات حاصل ہوئیں کہ وہ تار کے پائپ تقریباً چار پانچ فٹ کی گہرائی میں بچھائے گئے ہیں۔ وہ پائپ سیدھے ایک سمت نہیں گئے تھے۔ تھوڑی دور تک کھدائی کرنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ پائپ اپنی سمت بدل دیتے تھے۔ وہ آگے بھی سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے کبھی دائیں کبھی بائیں گھومتے ہوئے چلے گئے ہوں گے۔ وہ شام تک زیادہ کھدائی نہیں کر سکی تھیں، صرف اندازہ کیا تھا کہ پائپ بہت ہی ٹیڑھے میڑھے بچھائے گئے ہیں اور چار پانچ فٹ کی گہرائی تک کھود کر دیکھنا کہ پائپ کس جگہ سے اپنی سمت بدل رہے ہیں۔ مشکل کام تھا۔

وہ دونوں شام کو تھک ہار کر کاٹیج میں واپس آ گئیں۔ سونیا نے زیادہ کھدائی کی تھی۔ رسونتی نے کبھی کبھی کدال پکڑی تھی۔ اس کے باوجود رسونتی کی گلابی ہتھیلیوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔ اس وقت ممی اُٹھ گئی تھیں اور اُن کے لیے چائے تیار کر رہی تھیں۔ جب اُنھیں پتہ چلا کہ سونیا اور رسونتی کتنی محنت کر کے آئی ہیں تو انھوں نے پیار سے ڈانٹ کر کہا "ایسی حماقت نہ کرو۔ بے شک انسان کو اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کرنا چاہیے لیکن یہ کام تو بہت ہی تکلیف دہ ہے اور اس کے لیے مہینوں اور سال بیت جائیں گے تب کہیں ہم عورتیں کھدائی کرتے ہوئے اس جگہ پہنچیں گی جہاں سے یہ کنکشن آیا ہے۔ ہم ایسا نہیں کر سکیں گی۔"

سونیا نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں ممی، آپ کا ہے میں ہمت نہیں ہار سکتی۔ جب یہاں مجھے دن گزارنے ہیں تو میں خاموش بیٹھ... کر کبھی وقت نہیں گزاروں گی۔ میں صبح سے شام تک محنت کرتی رہوں گی۔ کدال سے جتنی دور تک کھدائی کر سکتی ہوں۔ کھدائی کرتی چلی جاؤں گی۔ میں ہمت ہارنے والی عورت نہیں ہوں۔ جب تک فرہاد کی خیریت معلوم نہیں ہوگی۔ میں اپنے اس کام سے نہیں آؤں گی۔"

❁

پیرس کے وقت کے مطابق مرجانہ کو رات کے نو بجے وہاں پہنچنا چاہیے تھا لیکن جب وہ اپنی امی کے ساتھ جدہ سے پہنچی تو وہاں برٹش ایرویز... کا جو ٹکٹ اُن کے حوالے کیا گیا۔ اُس کے ذریعے وہ جدہ سے روم تک جا سکتی تھیں۔ روم میں اُن کا سفر ملتوی ہو جاتا۔ پوچھنے پر بتایا گیا اور کوئی فلائٹ مل نہ سکی تھی۔ اِس لیے روم تک کی فلائٹ لی گئی۔ وہ وہاں سے کسی دوسرے طیارے میں پیرس جا سکتی ہیں۔ بہرحال دونوں ماں بیٹی نے جدہ سے روم تک کا سفر کیا تھا شام کے چھ بجے وہ روم پہنچیں۔ وہاں پتہ چلا کہ رات کے دس بجے ایک فلائٹ وہاں سے پیرس کی طرف جانے کی۔ وہ ایئرپورٹ کی عمارت میں آ کر وہاں کا ٹکٹ کنفرم کرانا چاہتی تھیں۔ تب ایک شخص نے سامنے آ کر کہا۔ "میڈم آپ مرجانہ ہیں اور یہ آپ کی والدہ ہیں۔ میں نے پہچان لیا ہے آپ لوگوں کے لیے ٹکٹ ہو چکا ہے۔ آپ کی یہاں سے روانگی میں کافی وقت ہے لہٰذا آپ کے قیام کے لیے ایک ہوٹل میں کمرہ بک کر دیا گیا ہے۔ آپ اُس وقت تک وہاں آرام کریں۔ وہاں پارکنگ ایریا میں آپ کے لیے گاڑی موجود ہے۔ تشریف لے چلیے۔"

وہ پیرس میں آ کر پریشان ہو گئی تھیں۔ دونوں کہیں آرام سے بیٹھ کر کچھ سوچنا سمجھنا چاہتی تھیں۔ اس کے لیے ہوٹل ہی مناسب ہوتا۔ اِس لیے وہ دونوں اِس عمارت سے نکل کر پارکنگ ایریا میں پہنچیں پھر اس کار میں بیٹھ گئیں جس کی طرف اس شخص نے اشارہ کیا تھا۔ اُن کی رہنمائی کرنے والا اگلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ گاڑی کے دروازے بند ہو گئے۔ شیشے پہلے ہی چڑھے ہوئے تھے پھر وہ گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد مرجانہ نے ذرا ہوا کھانے کے لیے شیشے کو نیچے کرنا چاہا تو پتہ چلا کہ شیشے اپنی جگہ فکس ہیں اور نیچے کی طرف کھسک نہیں سکتے ہیں۔ اُس نے اس شخص سے کہا "یہ کیسی گاڑی ہے کہ شیشے اپنی جگہ سے اُتر نہیں سکتے ہیں؟"

اُس نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے کہا "ہاں، شیشے اُتر نہیں سکتے مگر مزید شیشے چڑھائے جا سکتے ہیں۔ یہ دیکھیے۔" یہ کہتے ہی ایک کھٹکا سا ہوا پھر اُس شخص کے اور ماں بیٹی کے درمیان ایک شیشے کی دیوار اچانک حائل ہو گئی۔ اسٹیرنگ سیٹ کا حصہ الگ اور پچھلی سیٹ کا حصہ الگ ہو گیا۔ دونوں ماں بیٹی جیسے شیشے کے ایک کیبن میں قید ہو گئی تھیں۔ پھر اچانک انھیں کھانسی شروع ہو گئی۔ پتہ چلا کہ اس شیشے کے کیبن میں دھواں بھر رہا ہے۔ اب مرجانہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ جال میں پھانسا جا رہا ہے۔ اب مرجانہ کا وہاں سے نکلنا ضروری ہے۔ اُس نے پوری قوت سے کھڑکی کے شیشے پر ایک ضرب لگائی۔ وہ شیشہ نہ ٹوٹنے والا تھا۔ اُس کی فولادی ضرب سے اتنا ہوا کہ وہ ذرا سا تڑخ گیا لیکن دوسری بار وہ اُس پر ضرب نہ لگا سکی۔ کیونکہ کھانسی نے بے حال کر دیا تھا۔ دونوں ماں بیٹی کھانستے کھانستے کبھی ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ کبھی پیچھے کی طرف جھکتی جا رہی تھیں۔ پھر کھانسی کا وہ سلسلہ بند ہو گیا۔ دونوں بے ہوش ہو گئی تھیں۔

❁

سونیا، رسونتی، ممی اور اب مرجانہ سب کی سب ٹرام میں آ چکی تھیں۔ میں نے پہلے کبھی اِس پہلو سے غور نہیں کیا کہ میرے دوستوں میں ساری عورتیں ہی عورتیں ہیں کوئی مرد ساتھی نہیں ہے۔ ایک غلام تھا۔ وہ بھی مجھ سے رخصت ہو کر چلا گیا تھا۔ ویسے سونیا اور مرجانہ مردوں سے کم نہیں تھیں۔ پھر بھی یہ عجیب بات تھی کہ اگر فرہاد کے دوستوں کو شمار کیا جاتا تو اُن میں صرف عورتیں ہی نکلتیں اور وہ سب کی سب عورتیں بے بس ہو گئی تھیں۔ کسی طرح بھی اب میری مدد نہیں کر سکتی تھیں۔ اب میرا اپنا کوئی نہیں تھا۔

لیکن میں بھول گیا تھا۔ ہاں، اب بھی میرا اپنا کوئی تھا بلکہ وہ بھی تھی۔ وہ بھی مونث تھی اور وہ چلی آ رہی تھی۔ میری مدد کے لیے چلی آ رہی تھی۔ اُسے روکا گیا تھا۔ اُس کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی گئی تھیں۔ اُسے اسپتال میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی لیکن وہ چھت پر سے ہوتی ہوئی روشن دان سے گزرتے ہوئے میرے کمرے میں پہنچ گئی۔ روشن دان سے آنے والی میری محبوبہ کو سبھی جانتے ہیں۔

وہ اُوپر سے کود کر کمرے کے فرش پر آئی تو نرس نے چونک کر دیکھا۔ نرس اونگھ رہی تھی۔ ایک بلی کو دیکھ کر اُس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ جہاں بیٹھی تھی وہیں پھر اونگھنے لگی۔ سامی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بستر کے پاس آئی۔ پھر اچھل کر میرے پاس پہنچ گئی میرے چہرے پر اگرچہ پلاسٹر کی پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں اور میں پہچانا نہیں جاتا تھا لیکن وہ مجھے پہچان رہی تھی میرے بدن کو سونگھ رہی تھی میرے سینے پر اپنے سر کو رگڑ رہی تھی۔ پھر وہ مجھے سونگھتے ہوئے میرے پیروں کی طرف گئی۔ پھر میری کم بختی کا دور ختم ہونے لگا۔

آہستہ آہستہ میرا ذہن جاگ رہا تھا۔ میں آنکھیں بند کیے پڑا تھا لیکن اب اپنے آس پاس کی دنیا کو سمجھ سکتا تھا۔ اپنے جسم کو محسوس کر سکتا تھا۔ یہ سمجھ سکتا تھا کہ میں بستر پر لیٹا ہوا ہوں اور کوئی میرے پاؤں کے تلووں کو سہلا

رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ میں اپنے اندر بہت کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اتنی طویل بے ہوشی کے بعد اضمحلال لازمی تھا۔ میں نے ادھر اُدھر دیدے گھما کر دیکھا۔ سر گھمانے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ میرا چہرہ بھاری ہے۔ میں پٹیوں کا بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ مجھ میں اتنی سکت نہیں تھی کہ میں اپنا سر اُٹھا کر اپنے قدموں کی طرف دیکھتا۔

اسی وقت نرس شاید اونگھتے اونگھتے بڑبڑا کر اُٹھ گئی تھی۔ اُس نے حیرانی سے چیخ کر کہا "ارے یہ بلی تو مسٹر فرہاد کے پاؤں کو چاٹ رہی ہے۔ بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر بلی کو مارنے کے لیے دوڑی۔ سامی وہاں سے اچھل کر بستر پر آئی اور میرے پاس بیٹھ گئی۔ نرس اُس کے پاس ڈانٹتے ہوئے آنا چاہتی تھی تب میں نے نقاہت سے کہا "پلیز، نرس اس بلی کو کچھ نہ کہو۔ اُسے میرے پاس رہنے دو۔"

میری آواز سنتے ہی نرس ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ اُس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ پھر ایک دم سے اچھل کر واپس پلٹ کر دوڑتے ہوئے اور کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے باہر چلی گئی۔ وہ یہ خوشخبری سنانے گئی تھی کہ میں ہوش میں آ چکا

ہوں۔ اگرچہ میں ہوش میں آ گیا تھا۔ تاہم میرا سر آہستہ آہستہ چکرا رہا تھا۔ کچھ سوچنے سمجھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ غیر شعوری طور پر سمجھ رہا تھا کہ —— میں اسپتال میں ہوں اور ڈاکٹر مبکی براڈلے نے پلاسٹک سرجری کے ذریعے میرے چہرے پر کچھ کام کیا ہے اور میں ایک مریض کی طرح لیٹا ہوا ہوں اس وقت مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ میں پچھلی رات سے بے ہوش پڑا تھا اور اب دوسری رات شروع ہو رہی ہے۔ اُس وقت میرے دماغ پر دھند چھائی ہوئی تھی۔ وہ دھند چھٹنے کے بعد میں اپنوں کو یاد کر سکتا تھا۔

میرے کمرے کا دروازہ پھر ایک بار کھلا۔ اُس کے ساتھ ہی دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔ پہلے مجھے ڈاکٹر مبکی براڈلے کا چہرہ نظر آیا۔ اُس کے بعد موس تردنی دکھائی دیا پھر دو نرسیں وارڈ بوائے اور دو ایسے اجنبی تھے۔ جو مسلح تھے یعنی وہ موس تردنی کے ماتحت تھے۔ ڈاکٹر نے میرے قریب آتے ہی مجھے خوشی سے دیکھا میرے ہاتھ کو تھاما پھر میری نبض پر انگلیاں رکھ کر پوچھا "تم ہوش میں آ گئے۔ تھینکس گاڈ مگر کیسے ہوش میں آئے؟"

ڈاکٹر کا سوال ایسا تھا کہ مجھے اپنی بے ہوشی یاد آ گئی۔ میں نے پوچھا "ڈاکٹر میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا اور وہ۔ وہ سونیا کہاں ہے؟"

ڈاکٹر نے کہا "تمہاری بے ہوشی کو اب چوبیس گھنٹے ہونے والے ہیں۔ تم نے پتہ نہیں سونیا کو کیا سمجھایا تھا اور اپنے دماغ کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے کیسی ہدایات دی تھیں کہ ہم سب پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے اور تمہارے سب ساتھیوں کو خطرات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ سونیا، رسونتی نیا... ہیں۔ دشمنوں نے انہیں اغوا کر لیا ہے اور تمہاری کوئی تیسری ساتھی بھی ہے جس کا نام مرجانہ ہے۔ وہ بھی تڑپ کر... رہی ہے۔"

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے اپنے سر کو جھٹکا۔ پھر کہنے لگا "اوہ سوری مجھے ابھی تمہارے سامنے یہ سب باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ دیکھو تم ابھی دماغ پر زور نہ دو۔ سونیا، رسونتی کی فکر نہ کرو۔ ابھی تمہیں ذرا پُرسکون رہنے کی ضرورت ہے۔ سسٹر جلدی سے جاؤ اور مسٹر فرہاد کے لیے دودھ لے آؤ اور دیکھو اس میں گلوکوز بھی ملا دینا۔ ہری اپ۔"

میں نے اپنی آنکھیں بند کر کے سوچا کہ میں نے خود کو ہوش میں لانے کے لیے اپنے دماغ کو کیا ہدایت دی تھی اور سونیا کو کیا سمجھایا تھا۔ مجھے فوراً ہی یاد آ گیا۔ بہرحال مجھے ہوش میں لانے کا سہرا سامی کے سر تھا۔ اگرچہ میں نے سامی کو ہدایات نہیں دی تھیں۔ وہ ایک بے زبان جانور تھی۔ پتہ نہیں کہاں سے آئی تھی۔ کیسے آ گئی تھی جبکہ وہ سونیا کے بنگلے میں تھی اور اُسے کیسے پتہ چلا کہ میرے تلوے کو چاٹنا چاہیے۔ اگر میں جانوروں کے دماغ کو پڑھ سکتا تو سامی کی حرکتوں کو بھی سمجھ سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ دماغ پر زور دینے سے یہی بات سمجھ میں آ سکتی تھی کہ سامی میری گود میں بیٹھنے اور میری گود میں سر رگڑنے کی عادی تھی۔ کبھی کبھی میرے گال پر اپنی زبان پھیرتی تھی کبھی ہاتھ پر اور کبھی میرے قدموں کو چاٹتی تھی۔ اُس کی یہ عادت اس وقت کام آ گئی تھی۔ اُس نے اپنے طور پر اپنی عادت کے مطابق میرے پاؤں کے تلوے کو چاٹا تھا اور مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔

مجھے ڈاکٹر کی آواز سنائی دی "دیکھو فرہاد تم تنہا آنکھیں بند کیے سوچ و فکر میں ڈوب گئے ہو جبکہ میں تمہیں منع کر رہا ہوں۔"

میں نے آنکھیں کھول کر کہا "نہیں ڈاکٹر، میں کسی فکر اور پریشانی میں نہیں ہوں۔ میں صرف اتنا سوچ رہا ہوں کہ میں ہوش میں کیسے آیا؟"

یہ کہہ کر میں نے ڈاکٹر کو بتایا کہ ہوش میں آنے کی شرط کیا تھی اور اس شرط کو سامی نے کس طرح پورا کیا ہے۔ ڈاکٹر، ماسٹر موس تردنی اور دوسرے لوگ سامی کو بڑی حیرانی سے دیکھنے لگے۔ موس تردنی نے کہا "لعنت ہے مجھ پر۔ یہ بلی تو بار بار اس کمرے میں آپ کے پاس آنا چاہتی تھی لیکن میں نے ہی اس کا راستہ روکا تھا اور اسے اسپتال سے باہر بھگا دیا تھا۔ مجھے معلوم ہوتا تو میں اسے اپنے سر پر بٹھا کر اس کمرے میں لاتا۔ افسوس۔"

ڈاکٹر نے کہا "اگر پہلے سے ہر بات معلوم ہو جائے تو انسان کبھی نہ پچھتائے۔ مسٹر فرہاد جیسا آدمی جو ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ وہ بھی کتنا زبردست دھوکا کھا چکا ہے۔ یہ محض اس لیے کہ مستقبل کی بات یہ صاحب بھی نہیں جان سکتے تھے۔"

نرس دودھ کا گلاس ایک ٹرے میں رکھ کر لے آئی۔ دو آدمیوں نے مجھے سہارا دے کر اُٹھایا اور بستر پر بٹھا دیا۔ سسٹر نے میرے منہ سے دودھ کا گلاس لگا دیا۔ میں جیسے برسوں کا پیاسا تھا۔ جلدی جلدی دودھ کو حلق سے اتارنے لگا۔ پینے کے دوران میں نے سوچا کہ میں نے سونیا کو جو ہدایت دی تھی اس نے عمل کیوں نہیں کیا۔ وہ کہاں گئی؟ اُس کے ساتھ کیسی مجبوریاں پیش آئی ہیں؟ مجھے اُس کے متعلق معلوم کرنا چاہیے۔

سوچنے کے دوران ہی میں نے گلاس خالی کر دیا۔ پھر مجھے آرام سے لٹا دیا گیا۔ لیٹتے ہی میں نے سوچ کے ذریعے سونیا تک پہنچنے کی کوشش کی۔ میں اُس کے دماغ تک پہنچ تو گیا مگر میرا سر دکھنے لگا۔ دماغ کے اندر سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ ایسی سنسناہٹ کے دوران میں نے سونیا کے دماغ سے رسونتی کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہی تھی "سونیا جلدی باہر آؤ دیکھو دُور کہیں ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ مجھے تو اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔"

یہ بات سنتے ہی سونیا اپنی جگہ سے اُٹھ کر تیزی سے جانے لگی۔ اسی وقت میں اُس کے دماغ سے مجبوراً نکل آیا۔ کیونکہ میرا دماغ اتنی شدت سے دکھ رہا تھا کہ میں خیال خوانی جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ جس طرح محنت و مشقت کے لیے جسمانی طاقت ضروری ہوتی ہے اسی طرح خیال خوانی کے لیے دماغ کو توانا اور صحت مند رکھنا ضروری ہوتا ہے اور اس وقت میں ایک طویل بے ہوشی کے باعث دماغی طور پر کمزور ہو گیا تھا۔

اس وقت اپنے قریب مجھے ماسٹر موس تردنی کی آواز سنائی دی۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا لیکن دماغ میں ایسی سنسناہٹ جاری تھی کہ اُس کی بات پلّے نہیں پڑ رہی تھی۔ میں چپ چاپ آنکھیں بند کیے پڑا تھا شاید میرے چہرے سے کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔ تب ہی ڈاکٹر مبکی براڈلے نے کہا "مسٹر موس تردنی میرا خیال ہے کہ آپ ابھی فرہاد صاحب سے باتیں نہ کریں۔"

ڈاکٹر کی اتنی سی بات سننے کے بعد پھر میرا دماغ اس طرح دکھنے لگا جیسے کوئی میرے دماغ کو مٹھی میں لے کر مسل رہا ہو۔ پتہ نہیں ان میں کیا باتیں ہوئیں اور ڈاکٹر کیا کہتا رہا۔ بہت دیر بعد جب میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر دیکھا تو کمرے سے سب جا چکے تھے صرف ڈاکٹر میرے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی اُس نے اُٹھ کر میرے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا "پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ طویل بے ہوشی نے تمہیں ذرا سا نروس بھی کر دیا ہے اور کمزور بھی۔ ابھی تم نارمل ہو جاؤ گے ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔"

میں ذرا سا مسکرایا۔ تب احساس ہوا کہ میں پوری طرح مسکرا نہیں سکتا کیونکہ میرے چہرے پر پلاسٹر کی پٹیاں ایسی لگائی گئی تھیں کہ ہونٹ کھلے ہوئے تھے۔ ناک کے نتھنے سانس لینے کے لیے کھلے رکھے گئے تھے اور آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں مگر اس طرح کہ میں آنکھیں پوری طرح نہیں کھول سکتا تھا منہ بھی پوری طرح کھول نہیں سکتا تھا کھانے پینے کی حد تک منہ کھل جاتا تھا مسکرانے یا ہنسنے سے ہونٹوں کے آس پاس کے حصے سکڑتے تھے اور ذرا سی تکلیف کا احساس ہوتا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا "اپنے چہرے کو بالکل سپاٹ رکھنے کی کوشش کرو۔ میں نے موس تردنی وغیرہ سے کہہ دیا ہے کہ تمہیں یہاں آکر کوئی ڈسٹرب نہ کرے جب تک تمہارا جسم اور دماغ بالکل نارمل حالت میں نہیں ہو گا۔ اُس وقت تک کوئی تم سے بات نہیں کرے گا۔ میں بھی جا رہا ہوں۔ یہاں ایک نرس موجود رہے گی۔ تم اُس کے ذریعے مجھے بلا سکتے ہو یا اپنی کوئی ضرورت پیش کر سکتے ہو۔"

یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔ پھر پلٹ کر بولا "ارے ہاں، یہ بلی کیا تمہارے پاس رہے گی یا میں لے جاؤں؟"

"سامی کو میرے پاس ہی رہنے دیجئے۔"

اُس نے تعریفی نظروں سے سامی کو دیکھا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ نرس نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے پاس آتے ہوئے مسکرا کر مجھے دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں یہیں کرسی پر بیٹھی رہوں گی۔ آپ کسی وقت بھی مجھے آواز دے کر بلا سکتے ہیں۔ ویسے میں آپ سے باتیں کرنے کے لیے بڑی بے چین ہوں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کیسے دماغ کی باتیں پڑھ لیتے ہیں۔"

میں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ "پلیز سسٹر، میں خاموش رہنا چاہتا ہوں اور اپنے کمرے میں کسی کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتا۔ بُرا نہ ماننا، ابھی کمرے سے چلی جاؤ۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت ہو گی تو میں کال بیل کا بٹن دبا دوں گا۔"

میں نے بدستور اپنی آنکھوں کو بند رکھا۔ یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ میرے حکم کے مطابق کمرے سے جا رہی ہے یا نہیں۔ وہ لوگ سبھی میرے حکم کے پابند تھے کیونکہ ایک تو میرے علم کا رعب اُن پر طاری تھا، دوسرے یہ کہ سپر ماسٹر کی دہشت تھی۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ میرے کسی حکم کے خلاف عمل کرتا۔

بہرحال میں اپنے دماغ کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے سونیا، رسونتی اور مرحبا تک کے پاس پہنچنے کی جلدی تھی۔ اس کے لیے لازمی تھا کہ میں اپنے دماغ کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کرتا۔ اپنے اندر سے تھکن کو مٹانے کی کوشش کرتا۔ بعض اوقات تھکن دواؤں کے ذریعے یا تیل مالش کے ذریعے نہیں اُترتی۔ اس کے لیے خود بھی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اپنے آپ کو تمام ذہنی پریشانیوں سے دُور رکھنا پڑتا ہے۔

مجھے کچھ آرام آنے لگا۔ بڑی ٹھنڈک سی محسوس ہونے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ میں خیالوں اور خوابوں کی دنیا میں گم ہو رہا ہوں۔ مخروطی انگلیاں میرے سر کے بالوں کو سہلا رہی ہیں۔ پلاسٹر کی پٹیاں میری ٹھوڑی کے نیچے تک تھیں اور پیشانی پر وہاں تک تھیں جہاں سے سر کے بال شروع ہوتے تھے۔ بہرحال میں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ پھر اچانک ہی میں نے کسی کو اپنے قریب محسوس کیا۔ میں نے فوراً ہی آنکھیں کھول دیں اور دیکھنے کی کوشش کی تو کسی کا سر نظر آیا اور ریشمی بال لہراتے ہوئے دکھائی دیے۔ میں نے ان بالوں کی اطراف رنگت سے پہچان لیا کہ وہی نرس ہے۔ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ کیا حرکت ہے؟ سیدھی کھڑی ہو جاؤ؟"

وہ فوراً ہی ایک دم سے سیدھی کھڑی ہو کر مجھے بڑے ہی پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے میرے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ مجھے پہلے تو غصہ آیا پھر میں نے سوچا کہ ناحق ناراضگی ٹھیک نہیں ہے۔ نرمی سے سمجھا دینا چاہیے۔ یہ سوچ کر میں نے کہا۔ "دیکھو! ابھی میں نے تم سے باہر جانے کے لیے کہا تھا۔ میں ذہنی طور پر بہت پریشان ہوں۔ اگر مجھے سکون نہیں ملے گا تو میں ڈاکٹر سے شکایت کروں گا۔"

وہ بولی۔ "میں نے آپ کے بارے میں بہت کچھ سُنا ہے اور یہ بھی سُنا ہے کہ آپ سنگدل نہیں ہیں اور حسین عورتوں کو پسند کرتے ہیں۔ کیا میں حسین نہیں ہوں؟"

"بے شک ہو مگر میں کسی حسین لڑکی سے دلچسپی لیتا ہوں۔ میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ میرے پاس سے جاؤ۔ میں حسین لڑکیوں کی موجودگی میں اپنے کام کی بات نہیں سوچ سکتا۔ مجھے سوچنے کا موقع دو۔ پلیز چلی جاؤ۔"

"میری ایک خواہش پوری کر دیں اور وہ یہ کہ میرے خیالات پڑھ کر بتا دیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں کل صبح تمہارے خیالات پڑھ کر بتاؤں گا۔ ابھی میں ایسا نہیں کر سکتا۔ جاؤ۔ تم بہت اچھی ہو۔ چلی جاؤ۔"

اُس نے مسکرا کر میرے ہاتھ کو چھوڑ دیا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ سامی میرے بازو پر سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ میں اس طرف کروٹ بدل کر اس کے بدن کو آہستہ آہستہ سہلانے لگا۔ اُس نے ایک بار سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا۔ پھر ہولے سے میاؤں کہہ کر پلکیں جھپکاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں اور سو گئی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بہت تھکی ہوئی ہے۔ وہ یقیناً اتنا بھٹکتی رہی ہے کہ اس کو سونے کا موقع بھی نہیں ملا ہے اور یہ میری خاطر اپنی نیند حرام کر کے اور بھوکی پیاسی رہ کر میرے پاس آئی ہے اور اب نیند پوری کر رہی ہے۔

یہ سوچتے ہی مجھے بڑی شرم آئی کہ میں نے گلاس دودھ خود ہی پی لیا اور اپنی سامی کا خیال نہیں کیا۔ میں نے فوراً ہی کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہی نرس دوڑتی ہوئی آئی۔ پھر خوش ہو کر بولی۔

"میں پہلے ہی سمجھتی تھی کہ آپ میرے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔"

یہ کہتے ہی اُس نے میرے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ میں نے جلدی سے اپنے ہاتھ کو چھڑاتے ہوئے بیزاری سے کہا۔ "پتہ نہیں تمہیں کیوں اتنی خوش فہمی ہے۔ جلدی سے جاؤ اور کٹورے میں دودھ لے کر آؤ۔ میری بلی پیئے گی۔"

اُس نے ناگواری سے سامی کی طرف دیکھا۔ پھر منہ بنا کر واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک بڑے سے پیالے میں دودھ آ گیا۔ میں نے سامی کو جھنجوڑ کر اُٹھایا۔ پھر پیالے کی طرف اشارہ کیا۔ اُس نے میاؤں کہہ کر میری طرف جیسے شکریہ ادا کرتے ہوئے دیکھا اور میز کے اوپر چڑھ کر پیالے میں منہ ڈال کر دودھ پینے لگی۔ نرس نے اُسے دیکھا۔ پھر ایک سرد آہ بھرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ بلی ہمیشہ آپ کے بازو پر سر رکھ کر سوتی ہے؟"

"ہاں۔ یہ ایسا ہی کرتی ہے۔"

وہ حسرت سے بولی۔ "کاش کہ میں بھی بلی ہوتی۔"

میں نے اُس پر ایک نظر ڈالی۔ پھر مجھے شرارت سوجھی تو میں نے کہا۔ "تم بلی ہوتیں تو بلی ہی رہتیں۔ شاید تمہیں نہیں معلوم کہ یہ بلی نہیں ہے۔"

"یہ بلی نہیں ہے تو کیا کتا ہے؟"

"نہیں تم شاید مذاق سمجھو۔ یہ میری محبوبہ ہے۔"

اُس نے حیرانی سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "محبوبہ ہے اس کا کیا مطلب ہوا؟"

میں نے پوچھا۔ "تم نے سُنا ہو گا کہ ہندوستان میں خصوصاً نیپال کے علاقے میں بڑے بڑے جادوگر رہتے ہیں؟"

اُس نے تائید میں سر ہلایا۔ میں نے کہا۔ "ایک جادوگر نے میری اس محبوبہ کو بلی بنا دیا ہے۔"

وہ حیرانی سے چیخ کر بولی۔ "نہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے اِس لیے ہو گیا۔ میں اسے سامی کہتا ہوں۔ سامی میری محبوبہ ہے۔ جب میرے پاس کوئی نہیں ہوتا، میں کمرے میں تنہا ہوتا ہوں تو یہ انسان کے روپ میں آ جاتی ہے۔ ایک حسین دوشیزہ ہوتی ہے۔ دیکھنے والے تو یہ دیکھ کر چلے جاتے ہیں کہ ایک بلی میرے بازو پر سر رکھے سو رہی ہے لیکن جب میرا کمرہ اندر سے بند ہو جاتا ہے تو کوئی یہ نہیں دیکھ سکتا کہ یہ کتنی البیلی محبوبہ بن جاتی ہے۔"

وہ نرس آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر شدید حیرانی سے بلی کو دیکھ رہی تھی اور بے یقینی سے انکار میں سر ہلا رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "تم کیا سمجھو گی۔ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنی بلی کے دماغ کی باتیں سمجھ لیتا ہوں اور یہ میری باتیں سمجھ لیتی ہے۔ ایک مثال تمہارے سامنے ہے۔ میں نے بے ہوشی سے پہلے اس بلی کو بھی سمجھا دیا تھا کہ یہ میرے پاؤں کے تلوے چاٹے گی تو میں ہوش میں آ جاؤں گا۔ سونیا میرے پاؤں کے تلوے سہلا نہ سکی۔ اُس کی مجبوری تھی۔ اُس کا کام اس بلی نے آ کر کیا۔"

اُس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ہاں۔ یہ تو میں نے خود دیکھا ہے۔ اُس نے عجیب کارنامہ انجام دیا ہے۔ ہم سب آپ کی بے ہوشی کی وجہ سے پریشان تھے اور اس نے ساری پریشانیاں دُور کر دیں مگر مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ یہ کوئی دوشیزہ ہے۔ بلی نہیں ہے۔"

"افسوس کہ میں یقین بھی نہیں دلا سکتا۔"

نرس نے پوچھا۔ "کیا مادام سونیا اور مادام رسونتی بھی یہ جانتی ہیں کہ یہ تمہاری محبوبہ ہے؟"

"ہاں سب جانتی ہیں۔ اسی لیے تو میں نے ان عورتوں سے شادی نہیں کی۔ سامی میری بیوی کی حیثیت سے رہتی ہے۔"

"کیا مطلب۔ کیا یہ تمہاری بیوی کی حیثیت سے رہتی ہے؟"

"بے شک یہ جانور نہیں ہے۔ یہ انسان ہے اور ایک حسین دوشیزہ ہے جس کا روپ دیکھ کر دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں لیکن افسوس جادوئی عمل ایسا ہے کہ اب میرے سوا کوئی دوسرا اسے دیکھ نہیں سکتا۔ تنہائی کے وقت یہ اصلی روپ میں میری بیوی بن کر رہتی ہے۔"

وہ بولی۔ "عورت جس سے پیار کرتی ہے، جس پر اپنا تن من نچھاور کرتی ہے اُس کے بچے کو جنم دینا چاہتی ہے اور اس بچے کو اپنی گود میں لے کر خوب چومنا چاہتی ہے۔ اگر تمہاری یہ محبوبہ تمہارے بچوں کی ماں بن جائے تو؟"

"بن جائے کا کیا مطلب ہے۔ یہ تو پچھلے سال میرے بچوں کی ماں بن چکی ہے۔"

وہ پھر شدید حیرانی سے انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں، کیا یہ سچ ہے؟"

"بالکل سچ ہے۔ ہم دونوں ایک علاقے میں بڑے آرام کی زندگی گزار رہے تھے۔ وہاں ہمارے گھر میں کوئی نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے سامی ہمیشہ دوشیزہ کے روپ میں رہتی تھی اور ہم ہنسی خوشی ازدواجی زندگی گزار رہے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ سامی کے پاؤں بھاری ہو گئے یعنی وہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ جب وہ وقت قریب آیا تو ایک

جگہ اچانک دشمنوں نے مجھے گھیر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں زچگی کے وقت سامی کے پاس نہیں پہنچ سکا۔ اگر پہنچ جاتا تو یہ انسان کے روپ میں ہوتی۔ افسوس کہ میرے نہ پہنچنے سے یہ بلی کے روپ میں تھی۔ اس لیے اس نے بلی کے بچے دیے۔
یہ سنتے ہی وہ حیرت کے مارے پیچھے کی طرف گری اور ایک کرسی میں دھنس گئی۔ پھر وہ بڑے غور سے بلی کو دیکھنے لگی۔ اس نے پوچھا اس نے میری طرف بے یقینی سے دیکھتے ہوئے کہا: "نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ یہ میڈیکل تھیوری کے خلاف ہے اور یہ کوئی بھی ذی شعور تسلیم نہیں کرے گا کہ تمھاری طرف سے بلی کے بچے پیدا ہوئے تھے۔"

"کوئی یقین کرے یا نہ کرے لیکن میرے ساتھ ایسا ہوچکا ہے۔ یہ طب اور سائنس کا معاملہ نہیں ہے بلکہ جادو کی بات ہے۔ میری اس محبوبہ پر کسی کا جادو اثر کر رہا ہے۔ جب وہ اثر ختم ہوجائے گا۔ تب یہ ہمیشہ کے لیے دوشیزہ کے روپ میں آجائے گی۔ اس کے بعد میں نے سوچا ہے کہ بچوں کا باپ بنوں گا۔"

"اور تمھارے وہ بچے کیا ہوئے؟"

"سامی نے انھیں بلیوں کی برادری میں چھوڑ دیا ہے۔"

"آپ بڑی مضحکہ خیز باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"

"کیا تم مجھے جھوٹا کہہ رہی ہو؟"

"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ میں تو بس یہ کہہ رہی تھی کہ ایسا کبھی ہو نہیں سکتا۔"

"اگر نہیں ہوسکتا ہے تو پھر تم مجھ سے بحث کیوں کر رہی ہو۔ یہ سب ٹیلی پیتھی اور جادو کی باتیں ہیں۔ تمھاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ اس پر یہ فرمائش کر رہی تھیں کہ میں تمھارے خیالات پڑھ کر بتاؤں۔ جاؤ۔ چلی جاؤ۔ یہاں سے جو مجھے جھوٹا سمجھتی ہے میں اس کے خیالات کبھی نہیں پڑھوں گا۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر میرے پاس آئی پھر میرے ہاتھ کو تھام کر بولی: "نہیں نہیں۔ مجھے معاف کر دیجیے۔ میں آپ کو جھوٹا نہیں کہہ رہی ہوں۔ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے بلکہ اتنا سچ ہے کہ آپ چاہیں تو مجھے بھی بلی بنا سکتے ہیں۔ میں آپ کے لیے بلی بننے کو تیار ہوں۔"

میں نے اسے ایک ہاتھ سے پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "بس ایک ہی بلی کافی ہے۔"

مگر وہ پیچھے ہٹنا نہیں چاہتی تھی۔ پھر آگے بڑھتی تو میں نے کہا: "وہ دیکھو ڈاکٹر صاحب آگئے۔"

وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا تو یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ کسی وقت دروازہ کھلا اور ڈاکٹر میکی براؤن کمرے میں آیا۔ اس نے آتے ہی میری نبض ... بڑھتے ہوئے پوچھا: "ہیلو مسٹر فرہاد کیا حال ہیں۔ کچھ آرام آیا؟ کچھ طاقت توانائی محسوس کر رہے ہو؟"

"جی ہاں۔ ڈاکٹر میں نے سنا تھا کہ ہنسنے بولنے سے تھکن اور کمزوری دور ہوتی ہے اور اپنے اندر ایک نئی توانائی ایک نئی زندگی کا احساس ہوتا ہے۔ آج میں نے آزمالیا۔ میں اتنی دیر سے ہنس بول رہا ہوں تو بڑا فرق محسوس ہو رہا ہے۔"

نرس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ وہ فوراً ہی دودھ کا خالی پیالہ اٹھا کر وہاں سے جانے لگی۔ ڈاکٹر نے کہا: "ماسٹر موس ٹرونی تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ان سے اس وقت باتیں کرسکو گے؟"

"جی ہاں۔ آپ انھیں بھیج دیں۔"

ڈاکٹر نے میرے ہاتھ کو تھپکی دی۔ پھر مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ماسٹر موس ٹرونی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے اس کے دو ماتحت تھے۔ پھر ان کے بعد ایک دوسری نرس تھی۔ وہ ہاتھوں میں میرے لیے کھانے کی ٹرے اٹھائے ہوئے تھی۔ وہ آئی تو موس ٹرونی کے ماتحتوں نے آگے بڑھ کر مجھے سہارا دینا چاہا تاکہ میں کھانے کے لیے بستر پر بیٹھ سکوں لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں روک دیا۔ خود ہی اپنے بل پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

موس ٹرونی نے خوش ہوکر کہا: "یہ بڑی اچھی بات ہے کہ آپ توانائی محسوس کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کی ذہنی حالت بھی نارمل ہوگی اور آپ خیال خوانی کے قابل ہوں گے؟"

میں نے کہا: "کھانے کے بعد سوچوں گا کہ میری سوچ کی لہریں مجھے کہاں کہاں پہنچا سکتی ہیں۔"

نرس نے میرے بستر سے ایک میز لگادی اور اس پر کھانے کی ٹرے رکھ دی۔ میں ادھر گھوم کر کھانے میں مصروف ہوگیا۔ سامی بھی میرے پاس آکر بیٹھ گئی۔ میں گوشت کے کچھ ٹکڑے اس کے سامنے ڈالنے لگا۔ موس ٹرونی نے کہا: "مسٹر فرہاد ہم سونیا اور مادام رسوتی کے لیے بہت پریشان ہیں۔"

"پریشان میں بھی ہوں لیکن پوری طرح تیار ہو

ان کے پاس پہنچنا چاہتا ہوں، میں اب اپنے آپ کو بالکل تندرست محسوس کر رہا ہوں۔ دماغی حالت بھی ایسی ہے کہ خیال خوانی ہوسکتی ہے کھانے کے بعد کچھ اور توانائی ملے گی پھر میں دیکھوں گا کہ کیا کرسکتا ہوں۔"

"کیا آپ کا خیال ہے کہ دشمن انھیں نقصان پہنچا سکیں گے؟"

"نہیں، دشمن ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔ کیونکہ میں ان کے قابو میں نہیں ہوں اور وہ جانتے ہیں کہ میں ان کی موت بن سکتا ہوں۔ آپ اطمینان رکھیں اور انتظار کریں۔ جب ان سے رابطہ قائم ہوگا اور جو معلومات حاصل ہوں گی انھیں میں آپ تک پہنچادوں گا۔ میں فی الحال تنہائی چاہتا ہوں۔"

وہ عاجزی سے بولا: "جناب میں جارہا ہوں لیکن میری ایک خواہش ہے کہ میں تھوڑا وقت آپ کے ساتھ گزاروں۔"

میں نے سر ہلا کر کہا: "اچھی بات ہے۔ اگر ڈاکٹر نے اجازت دی تو میں کل رات کا کھانا آپ کے ساتھ کھاؤں گا۔"

وہ خوش ہوکر بولا "تھینک یو۔ یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ آئی ایم ویری مچ تھینک فل ٹو یو۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ کمرے سے باہر چلا گیا۔ میں کھانے میں مصروف ہوگیا۔ نرس میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی اور میں سونیا وغیرہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ میرا دل بے چین تھا کہ میں ان کے پاس پہنچوں لیکن میں ذرا صبر سے کام لے رہا تھا۔ اتنا یقین تھا کہ انھیں جانی نقصان نہیں پہنچے گا اور پھر سونیا جیسی عورت اپنی اور اپنے ساتھیوں کی حفاظت کرنا خوب جانتی ہے اس لیے میں مطمئن تھا۔

کھانے کے بعد نرس ٹرے اٹھا کر لے گئی۔ پھر میں نے بستر پر لیٹتے ہوئے سامی سے کہا: "میری جان اب ذرا خاموش رہنا۔ مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔ میں مصروف ہوں۔"

سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی لیکن میں نے سگریٹ سے پرہیز کیا۔ اس بات کا اندیشہ تھا کہ تمباکو نوشی سے سر چکرائے گا۔ اس طرح خیال خوانی میں دشواری پیش آئے گی۔ پھر میں دماغی کمزوری محسوس کروں گا تو سونیا وغیرہ تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ بہرحال میں نے سگریٹ سے پرہیز کیا۔ آنکھیں بند کیں۔ پھر سرج کے پاس سے پرواز کرتا ہوا سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

وہاں جو معلومات حاصل ہوئیں۔ اس کے مطابق میں وہیں سے سلسلہ جوڑتا ہوں جہاں سے رسوتی نے سونیا سے آکر کہا تھا کہ باہر قریب کہیں ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دے رہی ہے اور سونیا اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

میرا خیال تھا کہ وہ کالج سے باہر جائے گی لیکن شام ہوتے ہی وہ رسوتی اور ممی کالج کے اندر بند ہوجاتی تھیں کیونکہ جنگلی جانوروں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں کبھی شیر کے دھاڑنے کی آوازیں بھی آتی تھیں۔ وہاں ایک کدال اور باورچی خانے کے چاقوؤں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا کہ جنگلی جانوروں سے مقابلہ کیا جاسکتا یا انھیں مار کر بھگایا جاسکتا۔ اس لیے وہ شام ہوتے ہی کالج میں بند رہنے پر مجبور تھیں۔

رسوتی نے ایک کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر دور آسمان کی طرف دیکھا تھا اور ہیلی کاپٹر کی آواز سنی تھی۔ سونیا کو اس کی اطلاع ملی تو وہ بھی وہاں آکر اس کھڑکی سے باہر دور اندھیرے میں دیکھنے لگی۔ اس نے کہا: "مجبوری ہے اندھیرے میں تو کچھ نظر نہیں آتا۔ ہمارے پاس ٹارچ بھی نہیں ہے کالج کے باہر جو بلب روشن ہیں۔ اس روشنی میں دور اوپر تک نہیں دیکھا جاسکتا۔"

ان کی باتوں کے دوران رسوتی نے کہا: "وہ دیکھو۔ آسمان پر ایک جگنو جیسا جلتا بجھتا نظر آرہا ہے۔"

سونیا نے ادھر دیکھا۔ واقعی ایک بتی کبھی جلتی تھی کبھی بجھتی تھی۔ پتہ چل گیا کہ وہ ہیلی کاپٹر کی روشنی ہے اور وہ ہیلی کاپٹر کالج کی طرف ہی آرہا ہے۔ اس کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اچانک روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ ہیلی کاپٹر سے سرچ لائٹ کے ذریعے زمین کی طرف روشنی پھینکی جارہی تھی اور ہیلی کاپٹر کو اتارنے کے جتن کیے جارہے تھے۔

سونیا نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "میں باہر جاکر دیکھتی ہوں۔"

رسوتی نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ لیا: "نہیں، میں تمھیں رات کے وقت باہر نہیں جانے دوں گی۔"

ممی دروازے کے پاس دونوں ہاتھ پھیلا کر کھڑی ہو گئیں: "بیٹی یہ کیا کر رہی ہو تمھارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ اندھیرے میں باہر جانا عقلمندی نہیں ہے۔"

سونیا نے کہا: "ممی آپ لوگ اطمینان رکھیں۔ مجھے باہر اب درندوں سے نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ ہیلی کاپٹر یہاں

اُتر رہا ہے۔ اُس کی روشنی دور تک پھیل رہی ہے اور وہ ہم سے زیادہ سے زیادہ سو گز کے فاصلے پر اترے گا۔ اِس جنگل کے درندے روشنی اور آواز کے باعث قریب نہیں آئیں گے۔ آپ دیکھ رہی ہیں کہ ہیلی کاپٹر کا شور کتنا ہے۔ ایسے شور سے درندے دُور بھاگتے ہیں۔"

رسونتی نے اُس کے بازو کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔" جو کچھ بھی ہو تمھارا باہر جانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ جو لوگ ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں آرہے ہیں وہ یہیں آکر دستک دیں گے۔ میں تمھیں باہر نہیں جانے دوں گی۔"

سونیا نے اُسے مسکرا کر دیکھا۔ ایک زمانہ تھا جب وہ ایک دوسرے کی دشمن تھیں۔ کبھی وہ دشمن بنتی تھیں۔ کبھی حالات سے مجبور ہو کر دوست بن جاتی تھیں۔ اِس وقت بھی ایسے ہی حالات تھے لیکن اب کی بات اور تھی۔ رسونتی بالکل بدلی ہوئی سی لگتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میرا خیال چھوڑ رہی ہے۔ مجھ سے تعلقات توڑ دینا چاہتی ہے اور سونیا سے میرا رشتہ جوڑ دینا چاہتی ہے۔ شاید اسی جذبے کے تحت وہ سونیا سے محبت کرنے لگی تھی اور شاید اسی لیے اُس نے سونیا کو باہر کسی خطرے میں کودنے سے روکا تھا۔

سونیا نے ہنستے ہوئے کہا۔" مجھے جانے دو۔ ایک انالہ ہے سو بیمار ہیں، کسی ایک بیمار کو تو کم ہونا چاہیے۔"

رسونتی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔" نہیں تم بیمار نہیں ہو۔ فرہاد کی دوا ہو۔ فرہاد کی پہلی دوا اور شاید آخری دوا بھی تمھی رہو گی۔ تمھارا اور اُس کا جوڑ ایسا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ میں ٹیلی پیتھی کا سہارا لے کر فرہاد کے شانہ بشانہ چل سکتی ہوں مگر تم تو ٹیلی پیتھی کے بغیر ہی پُرخطر راہوں سے اُس کے ساتھ گزر جاتی ہو۔ تم مجھ سے زیادہ باکمال ہو۔ میں اِس بات کو آج تسلیم کر رہی ہوں اور انصاف کہتی ہوں کہ فرہاد پر صرف تمھارا حق ہے۔ میں تمھیں بہن کہتی ہوں اور اس ناتے سے تمھیں باہر کسی خطرے میں کودنے کی اجازت نہیں دوں گی۔"

سونیا نے آگے بڑھ کر اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھر تھپکتے ہوئے بولی۔" تم مجھے بہن بنا رہی ہو تو بہن کے دل کو بھی سمجھو۔ میرا دل بہت بڑا ہے۔ اُس میں صرف فرہاد نہیں۔ تم بھی سما گئی ہو۔ میں عورت ہوں اور عورت کے دل کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ عورت ایک بار جس سے محبت کرتی ہے مرتے دم تک اُس کی محبت کو دل سے نکال کر نہیں پھینک سکتی۔ تم فطرت کے خلاف بات نہ کرو۔ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ فرہاد ایک روگ ہے۔ ایسا روگ جو لگ جاتا ہے تو پھر جاتا نہیں ہے۔"

پھر وہ جلدی سے رسونتی کو اپنے سینے سے الگ کرتے ہوئے بولی۔" اوہ! یہ موقع کچھ اور ہے اور ہم کسی بحث میں الجھ گئی ہیں۔ آؤ، کھڑکی سے دیکھیں کہ کون آرہا ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ دونوں کھڑکی کی طرف بڑھیں۔ ممی بھی اُن کے پیچھے چلنے لگیں۔ تینوں نے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ ہیلی کاپٹر اب زمین پر اُتر چکا تھا۔ اُس کے گردش کرتے ہوئے پنکھے تھم رہے تھے۔ سرچ لائٹ کی روشنی کے باعث اُس کے چاروں طرف اُجالا تھا۔ کھڑکی سے صاف نظر آرہا تھا۔ ہیلی کاپٹر سے پہلے دو مسلح جوان نیچے آئے۔ انھوں نے ریوالور ہیلی کاپٹر کی طرف تان کر رکھا تھا۔ جس کی زد میں ایک دوشیزہ اُترتے ہوئے نظر آئی۔ اس کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ پھر اُس کے پیچھے دو مسلح جوان نیچے اترنے لگے۔

ممی نے کہا۔" دو عورتیں اور آگئیں۔ بھلا یہ کون ہو سکتی ہیں؟"

اُن کی بات ختم ہوتے ہی تینوں نے چونک کر اُدھر دیکھا۔ آنے والی دوشیزہ نے ایک مسلح جوان کو اٹھا کر دوسرے مسلح جوان پر پھینک دیا تھا اور ریوالور چھین کر تیسرے نوجوان کی گردن کو پیچھے سے دبوچ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ رسونتی نے اچھل کر کہا۔" میں سمجھ گئی۔ یہ مرجانہ ہو سکتی ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ دوڑتے ہوئے دروازے کی طرف گئی۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھولا۔ پھر وہ باہر نکل کر ہیلی کاپٹر کی طرف دوڑنے لگی۔

اُس وقت تک ہیلی کاپٹر کا پنکھا تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔ جنگل کے بیابانوں میں دور تک شور گونج رہا تھا۔ سونیا دوڑتی ہوئی جا رہی تھی۔ اسی وقت فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک ذرا ٹھٹھک گئی۔ اس نے دیکھا۔ وہ دو مسلح جوان جو زخمی ہو گئے تھے۔ ان کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔ باقی دو جوان مرجانہ سے الجھ رہے تھے۔ وہ حملہ کرنے کے لئے آتے تھے اور مار کھا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ مرجانہ نے پتہ نہیں کس طرح انہیں بھی نہتا کر دیا تھا۔ وہ دونوں زمین پر پڑے ہوئے ریوالور کی طرف بڑھنا چاہتے تھے مگر مرجانہ پھرتی سے ان پر اس طرح حملہ کرتی تھی کہ وہ ریوالور کی بجائے کسی دوسری طرف جا کر گرتے تھے۔

سونیا مسکرانے لگی۔ اسے اطمینان ہو گیا کہ مرجانہ کو اس کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے لگی لیکن یہ اطمینان غلط تھا۔ سونیا کو اس وقت غلطی کا احساس ہوا جب ہیلی کاپٹر زمین سے بلند ہو گیا۔ اسے خیال آیا کہ ہیلی کاپٹر کو یہاں رکنا چاہئے تھا۔ وہ تیزی سے دوڑنے لگی۔ لیکن اب دوڑنا بیکار تھا۔ ہیلی کاپٹر بہت بلندی پر چلا گیا تھا۔ اس نے زمین پر پڑے ہوئے ایک ریوالور کو اٹھا کر بے تحاشہ بلندی کی طرف فائرنگ کی لیکن ہیلی کاپٹر اس فائرنگ کی زد سے نکلتا چلا گیا۔

دوسری طرف فائرنگ کی آواز سن کر لڑنے والے رک گئے تھے اور سونیا کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ وہ جوان جو مرجانہ اور اس کی ماں کو قیدی بنا کر لائے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے تھے اور سہمے ہوئے انداز میں سونیا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سونیا نے مرجانہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔" کیا تم مرجانہ ہو؟"

مرجانہ نے اثبات میں سر ہلایا تب سونیا نے کہا۔" تو پھر جلدی سے زمین پر پڑے ہوئے ریوالوروں کو اٹھا لو۔ ہم یہاں نہتے ہیں۔ یہ ہتھیار ہمارے کام آئیں گے۔"

مرجانہ نے تینوں ریوالور زمین پر سے اٹھاتے ہوئے پوچھا۔" تم کون ہو؟"

" میرا نام سونیا ہے۔ کیا فرہاد نے کبھی میرا ذکر نہیں کیا تھا؟"

" ہاں کئی بار تمہارا ذکر کیا تھا۔ لیکن میں تمہیں چہرے سے نہیں پہچانتی تھی، آج دیکھ رہی ہوں۔"

سونیا نے ان قیدی جوانوں سے کہا۔" تم لوگ اپنی اور ان لاشوں کی کمر سے کارتوس کی پیٹیاں اتار کر ہمارے حوالے کر دو۔"

انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ تھوڑی دیر بعد سونیا اور مرجانہ ان دونوں کو قیدی بنا کر کاٹیج میں لے آئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے سائرہ بانو بھی آگئیں۔ پھر وہاں ایک کمرے میں لے جا کر سونیا ان قیدیوں سے سوالات کرنے لگی کہ وہ کون لوگ ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور یہ کون سی جگہ ہے جہاں انہیں لا کر رکھا گیا ہے؟

ان دونوں قیدیوں نے کہا کہ وہ اس سازش کے متعلق کچھ نہیں جانتے وہ کرائے کے غنڈے ہیں اور اپنا معاوضہ لے کر کسی کے لئے بھی کام کرتے ہیں۔ اپنے کام کو اور معاوضے کو دیکھتے ہیں۔ کام کی نوعیت کو سمجھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

سونیا نے کہا۔" مجھے یقین نہیں آتا کہ ہمارے دشمنوں سے تمہارا تعلق صرف کام اور معاوضے کا ہے۔"

" ہم مجبور ہیں کہ کوئی ثبوت اپنی سچائی کا پیش نہیں کر سکتے۔ ویسے ہم نے ہیلی کاپٹر کے ڈرائیور کو بات کرتے ہوئے سنا ہے کہ آپ لوگوں کے جو دشمن ہیں وہ آپ لوگوں کے سامنے خود کبھی نہیں آئیں گے اور نہ کبھی براہِ راست بات کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کا کوئی آدمی ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ اگر وہ لوگ سامنے آئیں گے یا اپنی آواز سنائیں گے تو ٹیلی پیتھی کا شکار ہو جائیں گے۔ اسی لئے وہ ہمیں معاوضہ دے کر کام کراتے ہیں۔"

سونیا نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کچھ سوچا۔ پھر پوچھا۔" اچھی بات ہے۔ یہ باتیں تو کسی حد تک تسلیم کی جا سکتی ہیں کہ تم لوگ کرائے کے بدمعاش ہو لیکن تم لوگوں نے ہیلی کاپٹر میں سفر کرتے وقت یہ تو دیکھا ہو گا کہ کہاں سے یہ ہیلی کاپٹر پرواز کرتا ہوا یہاں آیا ہے۔ تم لوگوں کو اس علاقے کا علم ہونا چاہئے۔"

ایک قیدی نے کہا۔" مادام! آپ سمجھ دار ہیں۔ خود سمجھ سکتی ہیں کہ ہمارا سفر اندھیری رات میں شروع ہوا اور یہاں اندھیری رات میں آکر ختم ہوا۔ ہم یہ نہیں سمجھ سکے کہ کہاں سے گزر رہے ہیں اور کس علاقے پر سے پرواز کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔ بس اتنا معلوم ہے کہ ہم نے خشکی بھی دیکھی اور سمندر بھی دیکھا ہے۔ اس کے بعد ہم نہیں جانتے کہ کتنی دیر تک پرواز کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں کیونکہ ہمارے ہاتھوں میں گھڑیاں بھی نہیں ہیں۔"

ممی نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔" یہ بات دل کو لگتی ہے کہ اندھیرے میں انہیں کچھ نظر نہیں آیا ہو گا۔"

مرجانہ نے کہا۔" لیکن میرے دل کو ان کی بات نہیں لگتی جب ان سے معاوضہ طے ہوا اور جب انہیں کام بتایا گیا تو یہ بھی بتایا گیا ہو گا کہ ہمیں کس علاقے میں لے جا کر چھوڑنا ہے۔ یہ اندھوں کی طرح تو یہاں نہیں آئے ہوں گے۔ اپنا بھلا بُرا اور آگے پیچھے کے خطرات کو سمجھتے ہوئے انہوں نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا ہو گا۔"

سونیا نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔" تم درست کہتی ہو۔ یہ بدمعاش سیدھی طرح سچ نہیں بولیں گے۔ انہیں گولی مار دینا مناسب ہے۔"

وہ دونوں خوف سے سونیا کو اور کبھی مرجانہ کو دیکھنے لگے۔ کیونکہ وہی دو زبردست عورتیں نظر آرہی تھیں۔ پھر ایک نے کہا۔" ہمیں معاف کر دو۔ ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔"

سونیا نے پوچھا۔" کس بات کے لئے معاف کر دوں؟ معافی کی کوئی وجہ تو ہونی چاہئے۔"

انہوں نے سر کو جھکا لیا۔ ایک نے کہا۔" ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ ہم نے سمجھا تھا کہ بس سیدھا سادا سا کام ہے۔ اسے نمٹا کر چلے آئیں گے۔ یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔"

" ہاں! تم لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ کمزور اور مظلوم عورتیں ہیں۔ ان پر رحم کھانا، ان کے ساتھ انسانی ہمدردی کرنا کوئی ضروری

نہیں ہے۔ انہیں جہنم میں پھینک کر آؤ اور اپنا معاوضہ وصول کرو۔ ویسے آج تم نے دیکھ لیا کہ ہر عورت کمزور نہیں ہوتی۔ یہاں صرف عورتیں ہیں اور یہی عورتیں تمہارا کباڑا کر دیں گی۔"

دونوں کو یقین ہو گیا کہ انہیں زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ جب موت کا یقین ہو ہی گیا تو پھر وہ موت سے کیوں نہ لڑتے۔ ہر انسان زندگی کی خاطر موت سے لڑتا ہے۔ بس اسی لئے انہوں نے اچانک سونیا اور مرجانہ پر اچھل کر حملہ کر دیا۔ وہ دونوں تیار نہیں تھیں اس کی انہیں توقع بھی نہیں تھی۔ اس لئے دھوکہ کھا گئیں۔ دونوں کے ہاتھوں سے ریوالور گر پڑے۔ وہ دونوں قیدی ریوالور اٹھانا چاہتے تھے مگر اتنی سی دیر کافی تھی۔ اگرچہ وہ دونوں غافل تھیں لیکن ایک جھٹکے سے سنبھل بھی گئی تھیں۔ انہوں نے انہیں ریوالور اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔ ان کے منہ پر اور کمر پر لات جمائی۔ پھر انہیں بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور تابڑ توڑ ایسے گھونسے مارے کہ وہ پھر کرسیوں میں جا کر پھنس گئے۔ اب وہ حسرت سے ریوالوروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جو چند قدم کے فاصلے پر زمین پر پڑے ہوئے تھے اور جنہیں وہ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ سونیا اور مرجانہ نے ان ریوالوروں کو اٹھاتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر سونیا نے کہا: "ہم تمہیں یہاں زندہ نہیں رکھ سکتے۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگے۔ سونیا نے کہا: "فکر مت کرو۔ میری بات سنو۔ یہاں تھوڑا راشن ہے اور یہ راشن جانے کچھ عرصے تک کے لئے کافی ہو گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس میں تم دونوں کا بھی حصہ بڑھ جائے۔ پھر یہ کہ ہم تمہیں گولیاں بھی نہیں ماریں گے۔"

ان دونوں کے چہرے پر ایک طرح سے اطمینان جھلکنے لگا۔ سونیا نے کہا: "لیکن ہم تمہیں ان کاٹیجوں میں رہنے کی اجازت بھی نہیں دیں گے۔ ابھی اور اسی وقت تم دونوں اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھا کر یہاں سے چلے جاؤ۔ جدھر بھی تم جا سکتے ہو اور جہاں سے بھی تم راستہ پا سکتے ہو، کسی آبادی کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں کھانا، پانی اور پناہ مل جائے گی۔"

ایک قیدی نے تھوک نگلتے ہوئے کہا: "مگر یہ تو بڑا ہی گھنا جنگل ہے اور یہاں یقیناً جنگلی درندے ہوں گے۔" وغیرہ۔۔۔

"ہوں گے کا کیا مطلب ہے؟ ہیں۔۔۔ ہم ان درندوں کی آوازیں سنتے رہتے ہیں۔ تم بھی باہر جا کر ان کی آوازیں سننا اور وہ درندے بڑی خوشی سے تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔"

دوسرے قیدی نے کہا: "نہیں۔ ہم پر رحم کرو۔ ہم اتنی رات کو اس جنگل میں نہیں جا سکیں گے۔"

مرجانہ نے کہا: "تمہارا تو باپ بھی جائے گا۔ چلو اٹھو یہاں سے ہمیں تشدد پر مجبور نہ کرو۔"

سونیا نے کہا: "ٹھہرو مرجانہ! ابھی ہم انہیں اس کمرے میں قید کرتے ہیں۔ تم میرے ساتھ باہر چلو۔ میں تم سے کچھ مزید باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ پانچوں عورتیں باہر آ گئیں۔ انہوں نے دروازے کو بند کر دیا۔ کھڑکی کے پاس رسونتی کو کھڑا کر دیا تاکہ وہ دیکھتی رہے، کہ دونوں قیدی اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں اور جہاں بیٹھے ہیں، وہیں بیٹھے رہیں۔

رسونتی ان کی نگرانی کے لئے کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔ ممی، مرجانہ اور سونیا ذرا دور برآمدے میں گئیں۔ پھر سونیا نے کہا۔ "میرے دماغ میں ایک آئیڈیا ہے اور وہ یہ کہ ان دونوں قیدیوں کو جنگل میں چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھا کر دور کہیں پھینک دیں۔ پھر یہ اپنے راستے پر چلتے ہوئے کسی آبادی تک پہنچ جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کسی آبادی کا راستہ ضرور جانتے ہیں لہٰذا میں ریوالور لے کر ان کا تعاقب کروں گی اور وہ راستہ دیکھ کر یہاں کل صبح یا شام تک واپس آ جاؤں گی۔"

ممی نے کہا: "بیٹی! ایسی حماقت کی باتیں نہ کرو۔ اتنی اندھیری رات میں تم دو دشمنوں کے پیچھے ایک ریوالور لے کر جاؤ گی۔ کبھی دھوکہ بھی کھا سکتی ہو۔ دشمن سے نہیں، کسی جنگلی درندے کا شکار ہو سکتی ہو۔ اچانک اندھیرے میں کوئی درندہ تم پر حملہ کرے گا تو تم بے بس ہو جاؤ گی۔"

مرجانہ نے بھی ممی کی تائید کرتے ہوئے کہا: "ہاں! تمہیں اتنی رات کو تنہا نہیں جانا چاہئے۔ اگر تمہاری یہ تدبیر مناسب ہے اور ہم کسی راستے کو تلاش کر سکتے ہیں تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

ممی نے حیرانی سے کہا: "تم دونوں ہی پاگل ہو۔ میں تمہاری بڑی ہوں اور یہاں میری مرضی کے بغیر تم دونوں کوئی فیصلہ نہیں کرو گی۔" سونیا نے کہا: "ممی! آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہاں چلو چھ مہینے کا راشن ہے۔ ہم کب تک یہاں قید رہیں گے۔ آخر ہمیں یہاں سے نکلنے کا راستہ تو ڈھونڈنا ہی ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ جب وقت آئے گا تو مناسب طریقے سے ڈھونڈا جائے گا۔ یہ کوئی بات نہیں ہے کہ اس اندھیری رات میں تم دونوں مجھے اور رسونتی کو یہاں کاٹیج میں بند کر کے چلی جاؤ۔ وہاں خود کو خطرات میں ڈالو اور یہاں ہمارے لئے بھی ہر لمحہ خطرہ رہے کہ جنگلی درندے یا جنگلی لوگ آ کر ہمیں یہاں پتہ نہیں کیا نقصان پہنچائیں گے۔ اندیشہ تو بہرحال ادھر بھی ہو گا۔ اور ادھر بھی۔ میں تم لوگوں کو اجازت نہیں دوں گی۔"

سونیا پریشان ہو کر ٹہلنے کے انداز میں ان سے ذرا دور گئی۔ پھر ان کی طرف واپس آتے ہوئے بولی: "ممی! موقع سے انسان کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اگر ذرا سی مجھ سے غلطی نہ ہوتی تو وہ ہیلی کاپٹر بھی ہمارے قبضے میں ہوتا۔ اس طرح ہم اس میں بیٹھ کر یہاں سے نکل سکتے تھے۔ لیکن وہ چلا گیا۔ دو دشمن ہمارے ہاتھ میں ہیں ان کے ذریعے ہم اس قید سے نکل سکتے ہیں۔ ہم لوگوں کو کچھ تو خطرہ مول لینا ہو گا۔ آپ حوصلہ رکھئے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دروازے اور کھڑکیوں کو آپ اور رسونتی بند کر کے اندر بیٹھی رہیں۔ جب تک ہم نہیں آئیں گی دروازہ مت کھولئے گا۔"

میں جانتا تھا کہ یہ بحث طول پکڑ لے گی۔ سونیا اپنی ضد پر قائم رہے گی اور ان کا تعاقب ضرور کرے گی۔ لہٰذا مجھے مداخلت کرنی پڑی۔ میں فوراً ہی ایک قیدی کے دماغ میں پہنچ کر اس پر قابض ہو گیا۔ پھر میں نے مسکرا کر کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "ہیلو! رسونتی۔ مجھے پہچان رہی ہو۔ میں ہوش میں آ چکا ہوں۔"

رسونتی نے ایک دم سے چونک کر کھڑکی کے پار کمرے کے اندر اس قیدی کو دیکھا جس کے اندر میں سمایا ہوا تھا۔ میں نے اس قیدی کے ہونٹوں سے مسکراتے ہوئے کہا: "میں تمہارا فرہاد ہوں اور تم سے مخاطب ہوں۔ سونیا، مرجانہ اور ممی کو اس کمرے میں بلاؤ۔ وہ تینوں جس مسئلے پر وہاں بحث کر رہی ہیں۔ میں وہ مسئلہ حل کر دیتا ہوں۔"

میری بات سنتے ہی رسونتی نے کھڑکی کے پاس سے پلٹ کر خوش ہوتے ہوئے کہا: "ممی! سونیا! ادھر جلدی سے آیئے۔ فرہاد کو ہوش ہو گیا ہے۔ وہ ہم سے مخاطب ہیں۔"

یہ سنتے ہی وہ تینوں دوڑتی ہوئی رسونتی کے پاس آئیں۔ پہلے مرجانہ نے پوچھا: "کہاں ہیں فرہاد؟"

رسونتی نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اس شخص کے ذریعے مسکراتے ہوئے کہا: "ہیلو مرجانہ! ہیلو سونیا! ممی آداب! میں ہوش میں آ چکا ہوں اور اب آپ لوگوں کے سامنے حاضر ہوں۔ اندر آ جائیں۔"

میری آواز، میرا لب و لہجہ پہچانتے ہی وہ پانچوں تیزی سے چلتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گئیں اور اس شخص کو گھیر کر کھڑی ہو گئیں۔ سونیا نے پوچھا: "تم ہوش میں کیسے آ گئے؟"

میں نے جواب دیا: "تم تو مجبور ہو گئی تھیں لیکن میری سامی نے بڑا کام کیا ہے۔"

میں نے سامی کے متعلق بتایا تو وہ سب مسکرانے لگیں۔ میں نے کہا: "بہرحال! ابھی ان دونوں کا مسئلہ اس طرح حل ہو سکتا ہے کہ انہیں اپنے پہلے فیصلے کے مطابق یہاں سے باہر کرو اور ان سے کہو کہ اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھا کر یہاں سے چلے جائیں۔ میں ان کے دماغوں میں اچھی طرح دیکھ چکا ہوں۔ یہ اس علاقے کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی کوئی ایسا راستہ جانتے ہیں کہ یہاں سے نکل کر اپنے آدمیوں تک پہنچ سکیں۔ لہٰذا سونیا تمہارا تعاقب کرنا فضول ہو گا۔ خواہ مخواہ تھکن ہو گی اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ رات کا وقت ہے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آرام کرو اور انہیں جانے دو۔"

ممی نے کہا: "بیٹے! ہمیں اطمینان ہونا چاہئے کہ یہ دونوں رات کو کسی وقت واپس آ کر ہمیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

"ممی! آپ اطمینان رکھیں۔ میں بہت دور تک ان کے دماغوں میں موجود رہوں گا اور دیکھوں گا کہ یہ کہاں جاتے ہیں؟ اور کیا کرتے ہیں۔ جب یہ راستے سے بھٹک جائیں گے اور ان کا یہاں کا راستہ بھول جائیں گے تو میں ان کے دماغ سے نکل آؤں گا بلکہ میں خود انہیں بھٹکا دوں گا۔ بہرحال میں اس کے دماغ سے نکل رہا ہوں۔ انہیں کاٹیج سے نکال دیا جائے۔"

یہ کہہ کر میں سونیا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر سرگوشی میں کہا: "میں تمہارے پاس ہوں۔ انہیں یہاں سے جلدی سے نکالو اور یہ قصہ ختم کرو۔"

سونیا نے انہیں ریوالور دکھاتے ہوئے کہا: "اب تم دونوں یہاں سے چپ چاپ چلے جاؤ اور اپنے ساتھیوں کی لاشیں بھی اٹھا لو۔ یاد رکھو، اگر پلٹ کر آؤ گے تو میں بے دریغ گولی مار دوں گی اور کسی قسم کی رعایت نہیں کروں گی۔ چلو اٹھو، بھاگو یہاں سے۔۔۔۔"

ابھی ان باتوں کے دوران میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور ماسٹر موسس ٹرڈونی نے آ کر کہا: "مسٹر فرہاد! ویری ساری کہ میں مداخلت کر رہا ہوں لیکن ایک ضروری فون آپ کے نام ہے۔ وہی شخص آپ سے بات کرنا چاہتا ہے جس نے مادام سونیا اور مادام رسونتی کو اغوا کیا تھا۔"

میں نے ماسٹر موسس ٹرڈونی سے کہا: "ٹھیک ہے۔ آپ ریسیور اٹھا کر اس شخص سے باتیں کریں۔ میں اس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ مجھے ٹیلی فون پر بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ماسٹر موسس ٹرڈونی کمرے سے واپس چلا گیا۔ میں نے رسونتی سے کہا: "یہاں میرے نام ایک ٹیلی فون ہے اور وہی شخص فون پر بات کرنا چاہتا ہے جس نے تم لوگوں کو یہاں پہنچایا ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے غیر حاضر رہوں گا۔ میری واپسی تک ان

دونوں قیدیوں کی طرف سے محتاط رہنا"

یہی بات میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر اسے سمجھائی اس کے بعد میں دماغی طور پر ماسٹر موسس ٹردنی کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچ گیا تھا اور ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر کہا۔ "ہیلو! میں فرہاد بول رہا ہوں"

دوسری طرف سے آواز آئی "آہا! مسٹر فرہاد، آپ ہوش میں آگئے حالانکہ ہم آپ کے ہوش میں آنے کا نسخہ جانتے تھے اور اب ہم یہ بتانا ہی چاہتے تھے کیونکہ ہمارا کام ہو گیا ہے۔ مرجانہ اور اس کی ماں ہمارے قابو میں آگئی ہیں"

میں نے پوچھا "وہ ماں بیٹی کہاں ہیں؟"

دوسری طرف سے ہولے ہولے ہنسنے کی آواز آئی۔ پھر اس نے کہا "وہ جہاں بھی ہیں وہاں تک تمہاری سوچ کی پرواز نہیں ہو سکتی۔ اگر تم دماغی میں پہنچ بھی جاؤ تو اس علاقے میں نہیں پہنچ سکتے، جہاں انہیں رکھا گیا ہے"

"اچھا، تو سونیا، رسونتی اور ممتی کو بھی وہیں رکھا گیا ہے؟"

"ہاں! ساری عورتیں وہیں ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے کہ آپ کی فیملی میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہیں۔ ایک بھی مرد نہیں ہے"

"ہاں، میں نے محض عورتوں کو اس لئے رکھا ہے کہ تم جیسے بدمعاشوں کو عورتوں کے ہاتھوں سے ہی جوتے پڑتے رہیں"

"میں کوئی سپر ماسٹر یا ماسک مین نہیں ہوں کہ تمہاری عورتوں سے مرعوب ہو جاؤں گا۔ یہ عورتیں تمہارے لئے دردِ سر بن جائیں گی۔ میں ایسی چالیں چلوں گا کہ تمہاری ٹیلی پیتھی بالکل ہی ایک زنگ آلود ہتھیار بن کر رہ جائے گی"

"فضول بکواس کرنے سے بہتر ہے کہ تم اپنا مقصد بیان کرو۔ میں اب ریسیور رکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد دماغ کے ٹیلی فون پر گفتگو کروں گا۔ تم بھی ریسیور رکھ دو"

یہ کہہ کر میں نے ماسٹر موس ٹردنی سے ریسیور رکھوا دیا۔ دوسری طرف اس نے ریسیور کو دیکھا۔ کیونکہ اسے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی تھی۔ اس نے ہیلو ہیلو کہہ کر پکارا۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کے ریسیور کو کریڈل پر رکھوا دیا۔ پھر اسے دوسری طرف پلٹا دیا۔ دوسری طرف ایک اور شخص صوفے پر بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا۔ اس نے پوچھا "کیا فرہاد سے باتیں ہو رہی تھیں؟"

شراب پینے والے شخص کی باتیں سن کر میں اس کے دماغ میں پہنچا۔ اس کی زبان سے میں نے فون کرنے والے کو مخاطب کیا "چلو میں فرہاد یہاں پہنچ گیا ہوں۔ اب باتیں کرو"

اس نے چونک کر اپنے شرابی ساتھی کو دیکھا۔ میں نے کہا۔ "چونکنے کی بات نہیں ہے۔ تم تو میرے کارنامے سن چکے ہو گے۔ اب بتاؤ تم کون ہو؟ اور تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ پریشان ہو کر اپنے ساتھی کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا "میں کیسے یقین کروں کہ تم فرہاد ہو؟ تم تو میرے دوست ہو"

"ہاں! دوست تو ہوں لیکن ابھی فرہاد کے قبضے میں ہوں۔ بہتر ہے کہ تم کام کی باتیں کرو۔ اگر یہ ثبوت چاہتے ہو کہ فرہاد اپنی موجودگی ثابت کرے تو وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں ٹوٹیں گے اور تم بری طرح زخمی ہو جاؤ گے"

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں، نہیں۔ میں یقین کر رہا ہوں میرا نام جلال بیگ ہے۔ اور میں حشمت بیگ کا بیٹا ہوں۔ وہی حشمت بیگ جو مرجانہ کا باپ ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اس کے دعوے کے مطابق مرجانہ میری سوتیلی بہن ہے اور اس کی ماں میری سوتیلی ماں ہے۔ یہ آپس میں ہم سب رشتہ داروں کی باتیں ہیں تمہیں ہم لوگوں سے الگ رہنا چاہیئے"

یہ کہہ کر وہ اپنے شرابی دوست کا منہ تکنے لگا۔ میں اس کے دوست کے دماغ سے نکل گیا تھا اور اس کے دماغ میں پہنچ کر جب چاپ اسے ٹٹول رہا تھا۔ اس کے شرابی دوست کو اس وقت ہلکا سا جھٹکا پہنچا تھا جب میں نے اس کے دماغ کو آزاد کیا تھا۔ وہ سر کو جھٹک کر بولا "پتہ نہیں مجھے ابھی کیا ہو گیا تھا۔ کیا میں کچھ بک رہا تھا؟"

اس کے جواب میں جلال بیگ نے کچھ کہا۔ لیکن میں اپنی معلومات حاصل کرنے میں مصروف تھا۔ تھوڑی دیر بعد پھر میں نے اس شرابی کو اپنا معمول بنا کر جلال بیگ سے کہا "تم جلال بیگ نہیں ہو۔ تمہارا نام جانِ عالم ہے۔ مگر یورپ میں آکر تم آدھے انگریز اور آدھے مسلمان ہو۔ اپنے نام جانِ عالم کو تم نے جون ایلم بنا رکھا ہے اور تم ایک ایسے شخص جلال بیگ کے لئے کام کر رہے ہو۔ جسے تم نے دیکھا بھی نہیں ہے نہ ہی اس کی آواز سنی ہے۔ تحریر کے ذریعے تمہیں پیغامات، ہدایات اور احکامات ملتے ہیں اور تم ان کے مطابق عمل کرتے ہو۔ اس سلسلے میں تمہیں بھاری معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔ جب سے تم نے میرے سلسلے کا کام پکڑا ہے۔ اس وقت سے تم اپنے بیوی بچوں سے جدا ہو۔ صرف اس ڈر سے کہ کہیں میں تمہارے دماغ کے ذریعے تمہارے بیوی بچوں تک نہ پہنچ جاؤں اور ان کے ذریعے تمہیں بلیک میل نہ کروں۔ تمہاری کمزوری سے فائدہ اٹھا کر حقیقت معلوم نہ کر لوں جبکہ حقیقت تم خود نہیں جانتے۔ مجھے تو جلال بیگ سے کام ہے۔ ہو سکے تو اس کے پاس پیغام پہنچاؤ۔ میں اس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں"

اس نے کہا "فرہاد صاحب! جب آپ اتنی باتیں معلوم

کر چکے ہیں کہ میں جلال بیگ کو پہچانتا نہیں ہوں۔ اس کی آواز بھی نہیں سنی ہے تو پھر میں آپ کی باتیں اس کے پاس کیسے پہنچا سکتا ہوں؟"

"اس طرح کہ جیسے اب تک اپنی بات اس کے پاس پہنچاتے رہے ہو"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "میں آج تک ایسا رابطہ قائم نہیں کر سکا کہ اپنی بات اس تک پہنچا سکوں۔ یہ یکطرفہ تعلقات ہیں وہ جب چاہتا ہے ایک تحریر کے ذریعے رابطہ قائم کر لیتا ہے۔ ایک گونگا پیغامبر اس کی تحریر مجھ تک پہنچا دیتا ہے۔ پھر میں اپنی بات اسی وقت لکھ کر اسے بھیج دیتا ہوں۔ اب جب تک وہ گونگا پیغامبر نہیں آئے گا اس وقت تک میں آپ کی بات وہاں نہیں پہنچا سکوں گا"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی وہ فوراً ہی اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس گیا اور ریسیور اٹھا کر بولا "ہیلو! میں جون ایلم بول رہا ہوں"

دوسری طرف سے آواز آئی "اچھی بات ہے سنو! ہمارا ہیلی کاپٹر اس علاقے میں پہنچ گیا تھا اور دونوں ماں بیٹی کو وہاں اتار رہا تھا لیکن وہ مرجانہ بہت ہی خطرناک ثابت ہوئی۔ اس نے دو مسلح جوانوں کو مار ڈالا ہے اور باقی دو کو قیدی بنا کر رکھ لیا ہے۔ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ بڑا ہی حاضر دماغ تھا وہ فوراً ہی وہاں سے نکل بھاگا۔ کیا آپ نے ہسپتال کے ڈاکٹر کو وہ نسخہ بتا دیا تھا کہ فرہاد کس طرح ہوش میں آسکتا ہے"

"میرے بتانے سے پہلے ہی فرہاد ہوش میں آگیا تھا۔ کیا فرہاد سے باتیں کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں! تم فرہاد سے کہو کہ وہ ان عورتوں سے دماغی رابطہ قائم کرے اور انہیں سمجھائے کہ ہمارے آدمیوں سے الجھنے کی کوشش نہ کریں۔ ورنہ ان کے حق میں بہت برا ہو گا۔ ہم ابھی تک ان پر مہربانی کر رہے ہیں اور میزبانی کے عمدہ فرائض ادا کر رہے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو انہیں بھوکوں مار ڈالتے"

جانِ عالم نے کہا "میں ابھی فرہاد صاحب سے اپنے معاملات میں گفتگو کر کے آپ کا ذکر کرتا ہوں"

دوسری طرف سے کہا گیا "ابھی میرا ذکر نہ کرنا۔ میں بتائے دیتا ہوں کہ وہاں سونیا اور مرجانہ کے ہاتھوں میں ہمارے ریوالور اور کارتوس کی پیٹیاں آگئی ہیں اور یہ بات ہمارے لئے پریشانی کا باعث ہے۔ فرہاد سے کہا جائے کہ وہ اپنی عورتوں کو سمجھائے اور ان سے کہہ دے کہ ریوالور اور کارتوس کی پیٹیاں اسی جگہ رکھ دی جائیں جہاں سے وہ اٹھا کر لے گئی ہیں۔ جب دوسری بار ہیلی کاپٹر وہاں پہنچے گا تو ہم وہ چیزیں حاصل کر لیں گے۔ شرط یہ ہے کہ اب کی بار ہیلی کاپٹر وہاں پہنچے گا تو کم از کم سونیا اور مرجانہ کو ہیلی کاپٹر سے پانچ سو گز کے فاصلے پر رہنا چاہیئے۔ یہ باتیں فرہاد ہی سمجھا سکتا ہے"

جانِ عالم نے پوچھا "ہمارا ہیلی کاپٹر وہاں دوسری بار کب جائے گا؟"

"یہ میں نہیں جانتا کہ کب جائے گا۔ جب جلال بیگ کی طرف سے احکامات ملیں گے تو میں آپ کو بتاؤں گا۔ اسی کے مطابق آپ فرہاد کو بتائیں گے کہ ہیلی کاپٹر وہاں کب پہنچ رہا ہے اور کب مرجانہ اور سونیا کو ہیلی کاپٹر سے دور رہنا چاہئے اور ہتھیار ڈال دینے چاہئیں"

جانِ عالم نے کہا "ہمارے دو آدمی مرجانہ کے ہاتھوں مارے گئے، دو قیدی بنا لئے گئے۔ ان قیدیوں کی واپسی کے سلسلے میں کوئی بات نہیں ہو گی؟"

"نہیں، کوئی بات نہیں ہو گی۔ جلال بیگ کو اطمینان ہے کہ وہ دو قیدی ہماری طرح بالکل انجان ہیں۔ جس طرح ہم جلال بیگ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں اسی طرح وہ قیدی بھی سونیا اور مرجانہ کو جلال بیگ تک نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ اس علاقے کے بارے میں بھی صحیح معلومات فراہم نہیں کر سکیں گے۔ وہ تو ان عورتوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے یا پھر کسی طرح ان سے بچ کر وہاں سے بھاگ جائیں گے اور جنگل میں بھٹکتے رہیں گے"

وہ دونوں فون پر باتیں کر رہے تھے اور میں سن رہا تھا۔ پھر جانِ عالم نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے اس کے شرابی دوست کی زبان سے پوچھا "تمہارے باس جلال بیگ نے تمہیں مجھ سے یہ معاملہ طے کرنے کے لئے کہا ہے کہ میں مرجانہ اور اس کی والدہ کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑاؤں؟"

"ہاں! جلال بیگ یہی چاہتا ہے"

"اگر میں یہ وعدہ کر لوں کہ میں مرجانہ کے راستے میں نہیں آؤں گا تو سونیا اور رسونتی کو کب آزاد کیا جائے گا؟ اور انہیں کس طرح میرے پاس پہنچایا جائے گا؟"

"یہ تو ہم نہیں جانتے۔ جلال بیگ نے ہمیں صرف اتنا ہی کہا تھا

کہ ہم تمہیں اس سلسلے میں وارننگ دیں اور اگر تم راضی ہو جاؤ تو سونیا اور رسونتی کو کس طرح آزاد کیا جائے گا؟ یہ ہمیں نہیں بتایا گیا۔ شاید ہمیں اب بتایا جائے کیونکہ اب یہ خبر پہنچے گی کہ آپ ہوش میں آ گئے ہیں اور آپ سے تمام معاملات طے کئے جا سکتے ہیں۔"

میں نے کہا "اچھی بات ہے۔ جب تمہارا باس تم سے رابطہ قائم کرے گا اور مجھ سے تمام معاملات طے کرنا چاہے گا تو مجھے مخاطب کر لینا۔ میں تمہارے ٹیلی فون کا انتظار کروں گا۔ اس وقت تک کے لئے میں جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں ان لوگوں کے پاس سے واپس اپنے ہسپتال کے کمرے میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ سامی میرے پاس گہری نیند سو رہی تھی۔ کمرے میں اب کوئی نرس نہیں تھی۔ شاید ڈاکٹر نے اس خیال سے ڈیوٹی ختم کر دی تھی کہ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے بھی ڈاکٹر کو بلا سکتا تھا۔ اس وقت مجھے سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی۔ میں نے میکی براڈلے کے دماغ میں پہنچ کر کہا "ڈاکٹر! میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

وہ ایک مریض کا معائنہ کر رہا تھا۔ ایک دم سے ٹھٹک گیا۔ پھر سنبھل کر سوچ کے ذریعے بولا "ہاں میں سن رہا ہوں... کیا بات ہے؟"

"مجھے سگریٹ کی طلب ہو رہی ہے۔ کیا میں سگریٹ پی سکتا ہوں۔ اگر پی سکتا ہوں تو کسی وارڈ بوائے کے ذریعے میرے برانڈ کا سگریٹ بھیج دیجئے۔"

"نہیں، تمہیں سگریٹ نہیں پینا چاہئے۔"

"کیا اس کا تعلق پلاسٹک سرجری سے ہے؟"

"نہیں۔ اس کا تعلق تمہاری صحت سے ہے۔ کیا ضروری ہے کہ سگریٹ پیا جائے۔ سگریٹ پینے سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ دو انگلیوں میں پھنسا کر اسے اگربتی کی طرح سلگایا جائے اور دھواں چھوڑا جائے۔ غور دیکھا جائے تو یہ محض نمائش کے لئے اسٹائل کے لئے پیا جاتا ہے۔ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔"

"اچھا تو آپ مجھ سے سگریٹ چھڑانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں! یہ نیک کام میں کرنا چاہتا ہوں۔ تم میرے مشورے پر عمل کرو اور سگریٹ کی خواہش کو کچلنے کی کوشش کرو۔ اگر ناکام ہو گئے تو سمجھ لینا کہ تمہاری قوتِ ارادی کمزور ہے اور اگر کامیاب ہو گئے تو اس کامیابی کا سہرا تمہارے ہی سر ہوگا۔ میں یہ تسلیم کر لوں گا کہ تمہاری قوتِ ارادی بہت مضبوط ہے اور یہ قابلِ تعریف بات ہوگی۔"

"ڈاکٹر! کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک طرف آپ سگریٹ کے نقصانات بیان کریں۔ مجھے ڈرائیں، دھمکائیں کہ سگریٹ پینے سے پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں، سرطان ہو جاتا ہے دنیا بھر کی تمام بیماریاں ہو جاتی ہیں اور دوسری طرف وارڈ بوائے کے ذریعے سگریٹ کا پیکٹ میرے پاس بھیج دیں۔"

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا "مجھ میں ایسی دوغلی عادت نہیں ہے۔ میں نے منع کیا تو سگریٹ تمہارے پاس نہیں پہنچے گا۔ تم برداشت کرنے کی کوشش کرو۔"

میں مایوس ہو کر ڈاکٹر کے پاس سے واپس آ گیا۔ مایوسی کی بات نہیں تھی۔ میں چاہتا تو اپنے علم کے ذریعے اپنے اس کمرے میں سگریٹ کی دکان لگا سکتا تھا۔ میں ڈاکٹر کے سامنے سگریٹ پیتا اور وہ دیکھتے ہوئے بھی دیکھ نہ سکتا۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ منع کرنے والے اور اچھی بات سمجھانے والے کے جذبے کو سمجھنا چاہئے۔ ڈاکٹر میری بہتری کے لئے مجھ پر پابندیاں عائد کر رہا تھا۔ میرا فرض تھا کہ میں ان پابندیوں پر عمل کرتا۔ اس لئے میں نے سگریٹ کی خواہش کو کچل دیا۔ خود کو بہلانے کے لئے خیال خوانی کا سہارا لیا اور سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

رات کے دس بج رہے تھے۔ ممی اور رسونتی نے مل کر رات کا کھانا تیار کیا تھا اور اب وہ پانچوں میز کے اطراف بیٹھ کر کھا رہی تھیں۔ میں نے سوچا اگر ہر بار میں سونیا کے دماغ میں پہنچوں گا اور اس کے ذریعے ان سے گفتگو کروں گا تو یہ بات رسونتی اور مرجانہ کو ذرا بری لگے گی کہ میں گفتگو کے لئے ہمیشہ سونیا کو ترجیح دیتا ہوں۔ حالات نے تینوں کو یکجا کر دیا تھا۔ ایسے میں مجھے بہت سوچ سمجھ کر ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ پھر میں نے سوچ سمجھ کر ممی کو گفتگو کا ذریعہ بنایا۔ تاکہ ان تینوں کو کوئی شکایت نہ ہو۔ میں نے کہا "ہیلو! ممی میں واپس آ گیا ہوں۔ مرجانہ کی امی کو میرا سلام کہئے۔ وہ تینوں خود ہی سمجھ لیں گی کہ میں موجود ہوں۔"

ممی نے مسکراتے ہوئے سائرہ بانو سے کہا "بہن! فرہاد بیٹا سلام کہہ رہا ہے۔"

سونیا، رسونتی اور مرجانہ نے چونک کر ممی کو دیکھا تو ممی مسکراتے ہوئے بولیں "ہاں! یہ ہمارے درمیان موجود ہے۔"

سائرہ بانو میرے سلام کے جواب میں دعائیں دے رہی تھیں۔ ممی کو بتانے لگا کہ کس طرح اس جلال بیگ کے ایجنٹ سے میری باتیں ہوئی ہیں اور وہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ یہی بات ممی نے انہیں بتائی وہ کہنے لگیں کہ جو دشمن ہمیں گرفتار کر کے یہاں لائے ہیں۔ ان کے سربراہ کا نام جلال بیگ ہے اور وہ حشمت بیگ کا بیٹا ہے۔

سائرہ بانو نے چونک کر ممی کو دیکھا، پھر کہا "میرا بھی شبہ یہی تھا کہ میرے دشمن ہی یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔"

ممی نے کہا "وہ چاہتے ہیں کہ مرجانہ اور سائرہ بانو کے راستے میں فرہاد نہ آئے۔ ان کے معاملے میں مداخلت نہ کرے۔ ان دونوں کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دے تو وہ رسونتی اور سونیا کو آزاد کر دیں گے۔"

سائرہ بانو نے بڑے دکھ سے کہا "اوہ! مجھے یہ سن کر بے حد افسوس ہو رہا ہے کہ ہماری وجہ سے آپ لوگوں کو بھی یہاں قید کیا گیا ہے اور فرہاد کو بھی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم لوگوں کو دشمنوں کے حوالے کر دیا جائے۔"

سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ مرجانہ کی ہی نہیں، میری بھی امی ہیں اور اس ناتے سے میں اپنی ماں کو دشمنوں کے حوالے کبھی نہیں کر سکتی۔"

سائرہ بانو نے کہا "میں فرہاد کو سمجھاؤں گی کہ ہم ماں بیٹی کی خاطر اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالے۔"

ممی نے کہا "فرہاد ہم سے بہتر سمجھتا ہے کہ ان حالات میں اسے کیا کرنا چاہئے؟ بہن! آپ اطمینان سے کھانا کھائیں۔ آرام کریں اور اس معاملے کو فرہاد، سونیا اور مرجانہ پر چھوڑ دیں میں تم اور رسونتی محض تماشائی ہیں۔ یہ لوگ لڑنے بھڑنے اور دشمنوں کو تگنی کا ناچ نچانے کا خاصا تجربہ رکھتے ہیں۔ یہ اپنے طور پر فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا چاہئے؟"

رسونتی نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "ممی! آپ نے درست کہا کہ میں بھی تماشائی بن کر رہ گئی ہوں، ٹیلی پیتھی کے بغیر کس طرح بے دست و پا ہو گئی ہوں۔ کاش کہ میں بھی سونیا اور مرجانہ کے شانہ بشانہ اپنے علم کے ذریعے دشمنوں کا مقابلہ کر سکتی۔ کاش! میں اپنے اس علم سے خالی نہ ہوتی۔"

سونیا اور مرجانہ اسے سمجھانے لگیں۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ کر کہنے لگا "رسونتی! تم مایوس کیوں ہوتی ہو؟ جب تم اچھی طرح صحت مند ہو جاؤ گی۔ تمہارا جسم اور تمہارا دماغ بالکل نارمل رہے گا اور کسی قسم کی کمزوری نہیں رہے گی تو یقیناً تمہارا علم تمہیں واپس ملے گا۔"

رسونتی کو سمجھانے کے دوران اچانک ہی میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میرے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور ایک نرس نے اندر آ کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا "جناب! آپ کا ٹیلی فون ہے کوئی جلال بیگ آپ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ تم جلال بیگ سے کہہ دو کہ وہ ریسیور رکھ دے۔ میں اس کے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

نرس وہاں سے واپس چلی گئی۔ میں نے ممی سے کہا "جلال بیگ سے میری ایک اہم گفتگو ہونے والی ہے۔ اس کے بعد میں پھر واپس آؤں گا۔ ابھی جا رہا ہوں۔"

میں واپس اپنے کمرے میں آیا۔ وہاں سے جلال بیگ کے ایجنٹ جان عالم کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر اسے مخاطب کیا "فرہاد تمہارے سامنے ہے۔ بولو، کیا بات ہے؟"

پہلے تو وہ چونکا پھر فوراً ہی سمجھ گیا کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے میں اس کے دماغ میں موجود ہوں۔ اس لئے وہ بولا "ابھی جلال بیگ کے پاس سے جو احکامات ہمیں موصول ہوئے ہیں۔ وہ میں آپ کو سنا رہا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جلال بیگ کو آپ پر بھروسا نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب بھی سونیا اور رسونتی کو آزاد کیا جائے گا تو آپ انہیں اپنی پناہ میں لینے کے بعد پھر مرجانہ اور اس کی ماں کے معاملات میں ٹانگ اڑائیں گے۔"

میں نے کہا "اپنے جلال بیگ سے کہو کہ مجھ سے براہِ راست باتیں کرے یا پھر وہ تمہارے پاس کہیں چھپ کر بیٹھا ہے اور تحریر کے ذریعے تمہیں میری باتوں کا جواب دیتا ہے۔ اب جو کچھ میں کہوں گا پھر اس کا جواب سننے کے لئے مجھے کافی دیر انتظار کرنا پڑے گا۔"

جان عالم نے کہا "وہ جو کچھ ہمیں حکم دے چکے ہیں اس کے بعد آپ کا جواب سننا پسند نہیں کریں گے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ اگر آپ اپنی عورتوں کو تحفظ دینا چاہتے ہیں تو آپ کو بھی اسی وقت ہسپتال چھوڑ دینا پڑے گا۔"

"میں ہسپتال چھوڑ کر کہاں جاؤں گا؟"

"ہسپتال کے پارکنگ ایریا میں ایک نیلے رنگ کی کار کھڑی ہوئی ہے۔ اس کا نمبر میں بتائے دیتا ہوں۔ اس کی پچھلی سیٹ میں آپ بیٹھ جائیں گے۔ اس کا ڈرائیور آپ کو کہیں لے جائے گا۔"

"مجھے بھی تو معلوم ہو کہ مجھے کہاں پہنچایا جائے گا؟"

"وہیں، جہاں آپ کی تمام عورتیں موجود ہیں۔"

"اچھا! تو اس ویران علاقے میں ہم سب لوگوں کو قید کر کے رکھا جائے گا؟"

"آپ کچھ بھی سمجھ لیں۔ ہمارے باس کے حکم کے مطابق آپ کو جانا ہی ہوگا۔ ورنہ وہ عورتیں وہاں سے زندہ واپس نہیں آ سکیں گی۔"

"تم اپنے باس سے کہو کہ زیادہ عقل مند بننے کی کوشش نہ کرے دوسروں کے پاس بھی دماغ ہوتا ہے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارا باس نہ تو مجھے زبردستی اس علاقے میں پہنچا سکے گا اور نہ ہی کسی عورت کو نقصان پہنچا سکے گا۔ کیونکہ مرجانہ اور اس کی ماں اس علاقے میں قید کرنے کے لئے بھیجی گئی تھیں لیکن قید ہونے کے بجائے وہ سونیا کی پناہ میں پہنچ گئی ہیں —

اب وہ سائرہ بانو تک نہیں پہنچ سکے گا۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے پہلے تو مرجانہ ہی ایک مصیبت تھی۔ دوسری بڑی مصیبت سونیا بھی موجود ہے۔ ان دو مصیبتوں سے گزرنے کے لئے تمہارے باس کو پسینہ آجائے گا۔ اس سے کہو کہ سائرہ بانو کو حاصل کرنے کا خیال اپنے دماغ سے نکال دے۔"

جان عالم نے کہا: "میں صرف آپ کا اتنا جواب سننا چاہتا ہوں کہ آپ ہسپتال سے باہر نکلیں گے یا نہیں؟"

"اپنے باس سے کہنا کہ میرے چہرے پر پلاسٹر کی پٹیاں چڑھی ہوئی ہیں۔ میں ایسی حالت میں باہر نہیں نکل سکتا۔ لوگوں کا سامنا نہیں کرسکتا۔ بچے مجھے دیکھ کر ڈر جائیں گے۔ عورتیں مجھ سے کترائیں گی۔ میرا چہرہ ایسا ہے کہ مجھے ایک کمرے میں ہی محدود رہنا چاہئے۔"

"باس کو ساری باتوں کا علم ہے کہ اس وقت آپ کا چہرہ کیسا ہے؟ انہیں آپ کے چہرے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ جیسے بھی ہیں، اسی حالت میں آپ کو وہاں پہنچایا جائے گا۔ آپ ہاں یا نا میں جواب دیں۔"

"میں تمہیں جواب دیتا ہوں۔"

"باس نے کہا تھا کہ انکار کی صورت میں آپ کو ایک خطرے سے آگاہ کردیا جائے اور وہ خطرہ یہ ہے کہ اب سے ٹھیک ایک گھنٹے بعد اس ویران علاقے کے کاٹیجوں پر ہیلی کاپٹر کے ذریعے فائر شیل پھینکے جائیں گے۔ اس طرح تمام کاٹیجوں میں آگ لگ جائے گی۔ وہاں جو مہینوں کا راشن رکھا ہوا ہے، سب برباد ہوجائے گا۔ ان عورتوں کے سروں سے چھت ہٹ جائے گی۔ وہ ویران جنگلوں میں بھٹکتی رہیں گی۔ بھوکی پیاسی مریں گی اور یہ آپ کے محض انکار کرنے کی وجہ سے ہوگا۔"

"تمہارا باس مجھے تو کوئی نادان بچہ لگتا ہے۔ اس نے میرے سامنے شطرنج کی بساط بچھادی ہے اور خود چالیں چلنا نہیں جانتا ہے۔ اس نادان بچے سے کہو کہ اگر کاٹیجوں میں آگ لگائی گئی اور ان عورتوں کو راشن سے محروم رکھا گیا تو ان کے ساتھ سائرہ بانو بھی بھوکی مریں گی اور اگر وہ مرگئیں تو پھر حشمت بیگ اور جلال بیگ کو ان کی وہ خفیہ دولت نہیں ملے گی جس کے لئے وہ بیس سال سے ترس رہے ہیں۔"

جس وقت میں اس کے دماغ میں بیٹھا ہوا بول رہا تھا۔ اس وقت وہ ایک میز کے پاس بیٹھا ہوا یہ ساری باتیں لکھتا جا رہا تھا۔ میرا تمام جواب لکھنے کے بعد اس نے اس کاغذ کو تہہ کیا پھر اپنے کمرے سے باہر گیا۔ باہر برآمدے میں ایک شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق وہ ایجنٹ گونگا ہوگا۔ اس نے اس گونگے کو وہ کاغذ دے دیا۔ گونگا اسے لے کر باہر گیا جہاں ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے جان عالم کے دماغ میں اس کار کے نمبر کو پڑھا۔ میں نے جان عالم سے کہا: "ایک بات تو رہ گئی ہے۔ اپنے نامہ بر کو روکو، میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ جواب میں اسے بھی بھیج دینا۔"

جان عالم نے اس گونگے کو تالی بجا کر پھر بلایا۔ گونگا کار کی طرف جا رہا تھا۔ پھر جان عالم نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا اور اشاروں سے سمجھانے لگا کہ تھوڑی دیر اور اسے ٹھہرنا ہوگا۔ ابھی اور لکھنا باقی رہ گیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ کاغذ اس کے ہاتھ سے لے کر واپس مکان کے اندر جانے لگا۔ اس کے کمرے میں پہنچنے تک میں نے فوراً ماسٹر موس ٹرونی سے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا کہ فلاں جگہ ایک مکان کے سامنے کار کھڑی ہوئی ہے۔ میں نے کار کا نمبر بتاتے ہوئے کہا: "میں اس شخص کو باتوں میں الجھا رہا ہوں۔ آپ فوراً اپنے آدمیوں سے کہیں کہ دور ہی دور سے اس کار کا تعاقب کریں۔ میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ کے لئے اس آدمی کو روک سکوں گا۔"

یہ کہہ کر میں پھر جان عالم کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کمرے میں آ گیا تھا اور میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ پر قابو کرکے اسے کمرے کے اندر بٹھا دیا اور وقت کا انتظار کرتا رہا کہ دس منٹ گزر جائیں تو میں اسے دماغی طور پر آزاد کردوں۔ اس وقت میری کلائی میں گھڑی نہیں تھی۔ شاید ڈاکٹر میکی براڈلے نے آپریشن سے پہلے اتار لی تھی۔ اندازاً دس منٹ کے بعد میں نے موس ٹرونی سے پوچھا: "کیا آپ کے آدمی وہاں تک پہنچ گئے ہیں؟"

"جی ہاں! وہ لوگ اس مکان کے قریب ہیں اور اس کار کو دیکھ چکے ہیں۔"

یہ معلوم ہوتے ہی میں پھر جان عالم کے پاس پہنچ گیا۔ جس سیکنڈ کے لئے میں موس ٹرونی کے پاس گیا تھا تو جان عالم کا دماغ میری گرفت سے آزاد ہوگیا تھا۔ وہ کھڑا ہوا سوچ رہا تھا کہ اب تک وہ کمرے میں چپ کیوں ہے اور فرہاد اس کے دماغ میں کیوں نہیں بول رہا ہے؟ میں نے اسی وقت اس کے دماغ کو گرفت میں لیا تو وہ کمرے کے باہر گیا اور اس تہہ کئے ہوئے کاغذ کو اس گونگے کے حوالے کردیا۔ گونگا اسے لے کر اپنی کار میں گیا۔ اسے اسٹارٹ کرکے آگے بڑھ گیا۔ جب کار کچھ آگے نکل گئی تب میں نے جان عالم کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے چونک کر اپنے آس پاس دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ کمرے کے اندر تھا۔ پھر مکان سے باہر کیسے آیا۔ میں اسے حیران و پریشان چھوڑ کر اپنے کمرے میں واپس آگیا۔

میں تھوڑی دیر چپ چاپ لیٹا رہا۔ پھر میری سوچ نے پرواز کی۔ اس وقت سونیا، مرجانہ، رسونتی، ممی اور سائرہ بانو کھانے سے فارغ ہوچکی تھیں۔ اب کوئی برتن دھو رہی تھی، کوئی کچن کی صفائی کررہی تھی اور کوئی بستر کی چادریں جھٹک کر دوبارہ بچھا رہی تھی۔ سب ہی کام میں مصروف تھیں۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ سب ہی ایک کاٹیج میں رات گزاریں گی۔ سونیا اور مرجانہ نے یہ طے کیا تھا کہ ان تینوں کو کاٹیجوں میں سلانے کے بعد وہ چھت پر چلی جائیں گی۔ اور وہاں رات گزاریں گی۔ نیند آئے گی تو سوئیں گی ورنہ جاگتی رہیں گی۔ میں نے انہیں اس وقت مخاطب نہیں کیا۔ یہ سوچا کہ جب وہ دونوں چھت پر جائیں گی تب میں سونیا اور مرجانہ کو بتاؤں گا کہ جلال بیگ کے ایجنٹ سے کیا باتیں ہوئی ہیں اور وہ لوگ کس قسم کی دھمکیاں دے رہے ہیں اور سائرہ بانو کی خفیہ دولت حاصل کرنے کے لئے کیا کچھ کررہے ہیں؟"

میں وہاں سے پھر دماغی طور پر ہسپتال میں واپس آیا اور ڈاکٹر میکی براڈلے کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے کہا: "ہیلو ڈاکٹر! میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا: "دماغ کے اندر اور کون بولے گا۔ بولو میں سن رہا ہوں۔"

"ڈاکٹر! ابھی میری باتیں اس دشمن سے ہوئی ہیں جس نے رسونتی اور سونیا کو اغوا کیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مجھے بھی وہاں پہنچائے۔ پتہ نہیں وہ کون سا علاقہ ہے؟ بہرحال میں ہسپتال سے باہر نہیں جاسکتا۔ اگر کبھی ایسا موقع آگیا اور مجھے اپنی مرضی کے خلاف جانا ہوا تو میری اس پلاسٹک سرجری کا کیا ہوگا؟"

ڈاکٹر نے جواب دیا: "کچھ نہیں ہوگا کیونکہ میں نے تمہارے چہرے پر پلاسٹک سرجری کا ایک نیا تجربہ کیا ہے۔ بہت شارٹ کٹ راستہ اختیار کرنے اور جلد سے جلد تمہیں اصلی صورت میں واپس لانے کے لئے میں نے کچھ نئے تجربے کئے ہیں اور ایک ہی آپریشن میں تمام چہرے پر پلاسٹک کی پٹیاں چڑھادی ہیں یعنی تمہاری آنکھیں، ناک کے نتھنے اور تمہارے ہونٹ کھلے ہوئے ہیں۔ یہ ہونٹ اور آنکھیں پہلے ہی سے تمہاری اپنی ہیں۔ طارق محمود کے روپ میں بھی یہ آنکھیں فرہاد کی تھیں۔ ہونٹ بھی فرہاد کے ہی تھے باقی چہرے پر جو پلاسٹر کی تہہ ہے اسے میں ایک ہفتے میں اتار دوں گا تو تمہارا چہرہ طلوع ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ ایک ہفتے میں میں تمہاری صورت واپس دلاؤں گا۔ اگر ناکامی ہوئی تو شاید ایک ماہ لگ جائے گا۔"

میں نے پوچھا: "کیا ایک ہفتے کے دوران آپ میرے چہرے کا معائنہ کرتے رہیں گے؟"

"معائنہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ملاقات ہوگی تو میں یونہی دیکھتا رہوں گا۔ اس کے لئے کسی دوا کی یا احتیاط کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ڈاکٹر! آپ مجھے احتیاطاً بتادیں کہ یہ پلاسٹر کی پٹیاں کس طرح میرے چہرے سے ہٹائی جائیں گی۔ اور پھر ہٹانے کے بعد کیا احتیاط کی جائے گی کہ میرا چہرا بگڑنے نہ پائے۔"

"کوئی بھی ڈاکٹر تمہارے چہرے سے پلاسٹر کی ان پٹیوں کو ہٹا سکتا ہے۔ میں ایک لوشن تمہیں دوں گا۔ جب یہ پٹیاں ہٹائی جائیں گی تو چہرے پر اس لوشن کو لگایا جائے گا۔ ویسے چہرے کی جلد قدرتی لگے گی۔ بالکل ملائم ہوگی۔ پھر بھی لوشن لگانے سے مزید فرق پڑے گا۔"

"ڈاکٹر! مجھے آپ وہ لوشن دے دیجئے اور بھی ضروری ہدایات ہوں تو میں ان پر عمل کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ایسا کروں گا لیکن احتیاطاً ایسا کیا جائے گا ورنہ تمہاری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ تم ان دشمنوں کو ٹالنے کی کوشش کرو اور اس سے کوئی ایسا سمجھوتہ کرو کہ مادام سونیا اور مادام رسونتی رہا ہوجائیں اور تمہیں ہسپتال سے باہر نہ جانا پڑے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہی کوشش کروں گا۔"

میں نے وقت کا اندازہ لگایا کہ موس ٹرونی کا آدمی اس گونگے نامہ بر کا پیچھا کرتا رہا یقیناً ان کے کسی خاص مقام تک پہنچا ہوگا۔ یہ سوچ کر میں نے موس ٹرونی سے رابطہ قائم کیا۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کہا: "وہ کار جس کا تعاقب کیا گیا تھا ایک ایسے بنگلے کے احاطے میں جاکر رکی ہے جس کے مکین کو ہم پہلے سے جانتے ہیں۔"

میں نے پوچھا: "وہ کون ہے؟"

"وہ ریڈ پاور کا سابقہ باس ہے۔ اب وہ باس کے عہدے سے ہٹ گیا ہے یا ہٹادیا گیا ہے۔ آج کل ریڈ پاور کا جو باس ہے اس کا نام سُنار تو ہے۔"

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ آپ اس کا نام بتائیں، جو ہٹا دیا گیا ہے۔"

"اس کا نام حشمت بیگ ہے۔"

میں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ اب ہم کسی حد تک جلال بیگ کے قریب پہنچنے والے تھے۔ میں نے کہا: "کیا آپ... حشمت بیگ سے ٹیلی فون پر گفتگو کرسکتے ہیں؟"

"جی ہاں! پہلے بھی میں ایک آدھ بار اس سے باتیں کرچکا ہوں۔ میں ابھی اسے رنگ کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ باتیں کریں۔ میں چپ چاپ سنتا رہوں گا۔"

وہ ریسیور اٹھا کر اس کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ کسی عورت کی آواز سنائی دی۔ ماسٹر موس ٹڑونی نے کہا: "مسٹر حشمت بیگ سے کہو کہ ماسٹروں کی تنظیم کا ماسٹر موس ٹڑونی اس سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

اسے ہولڈ آن کرنے کے لئے کہا گیا۔ میں ہولڈ آن نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں اس عورت کے دماغ میں پہنچ گیا تھا جس نے فون اٹینڈ کیا تھا۔ اب وہ دوسرے کمرے میں جا رہی تھی۔ وہ ایک خواب گاہ تھی۔ وہاں حشمت بیگ ایک آرام دہ صوفے پر نیم دراز تھا۔ اس کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا۔ اس نے کہا: "ماسٹر موس ٹڑونی کا فون ہے۔ وہ آپ سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا: "کیا مصیبت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ فرہاد اور مرجانہ کے سلسلے کی کوئی بات ہو گی۔ پھر یہ کہ ان کی مادام سونیا کو بھی تو اغوا کیا گیا ہے۔ یقیناً اسی سلسلے کی گفتگو ہے۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا ٹیلی فون کے پاس آیا۔ پھر اس نے ریسیور اٹھا کر کہا: "ہیلو! میں حشمت بیگ بول رہا ہوں۔"

ماسٹر موس ٹڑونی نے کہا: "مسٹر حشمت بیگ! تم نے ہماری مادام سونیا کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں مادام سونیا کے پاس سے بھی نہیں گزرا ہوں۔"

"آپ جھوٹ نہ بولیں۔ اس کے اغوا میں آپ کے بیٹے کا ہاتھ ہے۔"

"اوہ، اچھا تو ایسا کہو۔ میرے بیٹے نے جو کچھ کیا ہے اس کا ذمہ دار میں تو نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتے۔ تمہارا اور تمہارے بیٹے کا مفاد ایک ہی ہے۔ سنا ہے کہ سائرہ بانو ایک امیر ترین عورت ہے۔ اس کے ساتھ خفیہ دولت کی ایک للچانے والی داستان گردش کر رہی ہے۔ کتنے ہی لوگ اس سلسلے میں سائرہ بانو سے ملتے بھی ہیں اور پتہ نہیں کیسے کیسے منصوبے بناتے ہیں۔ تم باپ بیٹوں نے جو منصوبہ بنایا ہے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔"

حشمت بیگ نے کہا: "زیادہ باتیں کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ تمہیں صرف مادام سونیا کی ضرورت ہو گی۔ کیونکہ اس کا تعلق ہماری تنظیم سے ہے۔"

"میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔ تم مرجانہ اور اس کی ماں کو حاصل کرنا چاہتے ہو۔ پھر سونیا اور رسونتی کو کیوں پکڑ رکھا ہے؟"

"اس لئے کہ وہ دونوں فرہاد کے لئے اہم ہیں۔ انہیں یرغمال بنا کر میں فرہاد سے سودے بازی کر سکتا ہوں۔"

"کیا تمہیں اس بات کا خوف نہیں ہے کہ فرہاد تمہارے دماغ میں پہنچ جائے گا تو تمہارا انجام کیا ہو گا؟"

"مجھے خوف ہے اور صرف فرہاد کا ہی نہیں مرجانہ کا بھی۔ سنا ہے وہ بہت ہی خطرناک قسم کی فائیٹر ہے۔ اس نے ہمارے ایک بدمعاش سجاد ورکا بہت برا حشر کیا ہے۔ اس کے علاوہ پنڈی میں جو ریڈ پاور کا باس تھا اس کے لئے تو موت کا وقت بھی مقرر کر دیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے ان عورتوں میں سے کسی کو یرغمال بنا کر نہ رکھا تو میرا بھی انجام بہت برا ہو گا۔"

"میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ فرہاد کے دوست بن کر رہو۔ دشمنی بہت مہنگی پڑے گی۔ تمہاری راتوں کی نیند اڑ جائے گی بھوک نہیں لگے گی۔ زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ عقل سے کام لو۔"

"ہاں! ہم نے عقل سے کام لیا ہے۔ میں نے اور میرے بیٹے جلال بیگ نے یہ طے کیا ہے کہ ہم باپ بیٹے ایک دوسرے سے بھی بات نہیں کریں گے، کبھی ملاقات نہیں کریں گے اور ایک دوسرے کو جو جاننے والے ہیں ان سے بھی کترا کر رہیں گے۔ یہ ہم اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک کہ فرہاد زندہ ہے۔ ہماری آخری کوشش یہ ہو گی کہ وہ زندہ نہ رہے۔ ماسٹر موس ٹڑونی! میں تمہیں ایک بہت بڑی آفر دینا چاہتا ہوں۔ اتنی بڑی آفر کہ تمہارا سپر ماسٹر سن کر خوش ہو جائے گا۔"

"ذرا مجھے بھی بتاؤ۔ میں بھی خوش ہونا چاہتا ہوں۔"

"آفر یہ ہے کہ اس وقت فرہاد تم لوگوں کے رحم و کرم پر ایک ہسپتال میں پڑا ہوا ہے۔ اسے ہمارے حوالے کر دو۔ ہم اس کے بدلے میں تمہاری تنظیم میں شامل ہو جائیں گے۔ تم نہیں جانتے کہ میرا بیٹا جلال بیگ کتنا خطرناک قسم کا فائیٹر ہے۔ اور بہت باصلاحیت بھی ہے۔ اس نے تھوڑے سے عرصے میں ایسے خفیہ اڈے قائم کئے ہیں کہ تمہاری تنظیم کا کوئی فرد تاحیات کبھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر فرہاد اور مرجانہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تو ہم ایسے تمام اڈے سپر ماسٹر کے حوالے کر دیں گے۔ میرے بیٹے کو اگر کسی ملک کا ماسٹر بنا دیا جائے تو ہم ہمیشہ سپر ماسٹر کے وفادار بن کر رہیں گے اور ہماری ذات سے انہیں بہت فائدہ پہنچتا رہے گا۔ یہاں تک کہ ہم سائرہ بانو سے حاصل کی ہوئی بے شمار دولت بھی اس کے حوالے کر دیں گے۔ دراصل ہم دولت کے لئے نہیں بلکہ اپنی زندگی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ جب تک مرجانہ فرہاد کے قریب رہے گی اس وقت تک میرا کبیر بیدل اور گھوڑا کبھی چین سے نہیں سو سکیں گے۔"

ماسٹر موس ٹڑونی نے سوچنے کے انداز میں کہا: "ہوں! تمہاری آفر تو بہت اچھی ہے اور میں بہت اچھے وقت پر تم سے فون پر گفتگو کر رہا ہوں۔ اس وقت فرہاد اپنے کمرے میں سو رہا ہے۔ میں نے ڈاکٹر سے معلوم کر لیا ہے۔ اور میں اس بات کا اطمینان ہے کہ فرہاد

ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہماری باتیں نہیں سن رہا ہے۔"

حشمت بیگ نے کہا: "ذرا ایک منٹ انتظار کرو۔ میں ابھی تمہیں رِنگ کروں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کیا۔ پھر ڈاکٹر میکی براڈلے کے نمبر ڈائل کئے۔ فون کی گھنٹی بجتے ہی میکی براڈلے نے ریسیور اٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی میں ڈاکٹر کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ ادھر سے حشمت بیگ نے کہا: "ہیلو ڈاکٹر! میں فرہاد علی تیمور کا ایک بہت ہی گہرا دوست ہوں۔ پاکستان سے آیا ہوں اور اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر کی زبان سے میں نے کہا: "سوری! اس وقت مسٹر فرہاد سو رہے ہیں۔ انہیں ڈسٹرب نہیں کیا جا سکتا۔"

حشمت بیگ نے کہا: "کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ان سے فون پر ہی ملاقات کرا دی جائے۔ میں ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے کہا: "سوری مسٹر! آپ کم از کم چار گھنٹے کے بعد فون کر سکتے ہیں۔ اس وقت ممکن نہیں ہے۔ ہم اپنے مریض کو ڈسٹرب نہیں کریں گے۔"

یہ کہتے ہی ڈاکٹر نے ریسیور رکھ دیا۔ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں ڈاکٹر کے دماغ سے نکل گیا۔ اب وہ حیران ہو گا کہ ابھی اس نے فون کے پاس آ کر ریسیور اٹھانے کے بعد پھر ریسیور کیسے رکھ دیا تھا۔

میں ادھر موس ٹڑونی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ ذرا دیر بعد ہی فون کی گھنٹی بجی۔ موس ٹڑونی نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ تو حشمت بیگ کی آواز سنائی دی: "ماسٹر! آپ نے درست کہا تھا۔ فرہاد اس وقت گہری نیند سو رہا ہے اور وہ ہماری باتیں نہیں سن سکے گا۔"

موس ٹڑونی نے کہا: "اچھا تو تم میری بات کی تصدیق کر رہے تھے۔ کوئی بات نہیں۔ اس طرح ایک دوسرے پر اعتماد ہو سکتا ہے۔ اب ہمارے درمیان جو سمجھوتہ ہو گا وہ صرف ہمارے درمیان ہو گا۔ اس کی بھنک فرہاد کے کانوں تک نہیں پہنچے گی۔"

حشمت بیگ نے پوچھا: "تو پھر کیا کہتے ہو۔ فرہاد اور مرجانہ ہمارے، سونیا اور رسونتی تمہاری ہوں گی۔ منظور ہے؟"

"ہاں منظور ہے۔ سچ پوچھو تو ہم فرہاد اور سونیا سے خوفزدہ ہو کر ہی ان سے دوستی قائم رکھنا چاہتے تھے اور اب بھی اگر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے تو اسی مجبوری کے تحت ان سے دوستی رکھیں گے۔ اگر آپ کا بیٹا جلال بیگ انہیں ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر سمجھو ہم سب کے سروں سے بہت بڑی مصیبت ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے گی۔"

"تو پھر تم راضی ہو؟"

"میں تو راضی ہوں لیکن مجھے سپر ماسٹر کی رضامندی بھی حاصل کرنی ہو گی۔ یہ اتنا بڑا منصوبہ ہے کہ میں تنہا اس کی منظوری نہیں دے سکتا۔ مجھے موقع دیا جائے کہ میں اپنے باس سے بات کر سکوں۔"

"ٹھیک ہے۔ بات کر لو لیکن مجھے جواب کب ملے گا؟"

"آپ تو جانتے ہیں کہ فرہاد جب تک جاگتا رہے گا۔ ہم آپس میں باتیں نہیں کر سکیں گے۔ جب میں دیکھوں گا کہ فرہاد دوسری بار کسی وقت سو رہا ہے تو میں آپ کو ٹیلی فون کے ذریعے مخاطب کروں گا۔ اس وقت تک سپر ماسٹر سے میری بات چیت ہو چکی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس وقت کا انتظار کر سکتا ہوں۔"

ماسٹر موس ٹڑونی نے پوچھا: "تمہارے فرہاد اور مرجانہ اور ہماری سونیا اور رسونتی کا تبادلہ کیسے ہو گا۔ یعنی سونیا اور رسونتی ہمارے پاس کیسے پہنچیں گی اور تم ہسپتال سے فرہاد کو کیسے لے جا سکو گے۔ یہ بات طے ہو جانی چاہئے تاکہ میں سپر ماسٹر کو طریقہ کار بتا سکوں۔"

حشمت بیگ نے سوچتے ہوئے کہا: "طریقہ کار کیا ہو گا۔ اس پر بہت اچھی طرح غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ فرہاد کو ہمارے منصوبوں کا علم ہو جائے یا کسی طرح وہ ہمارے دماغوں میں جھانک کر ہماری خواہشوں کو سمجھ لے۔ میں اس پر ابھی غور کرتا ہوں۔ کوئی طریقہ کار اپنے بیٹے سے بھی پوچھتا ہوں۔ اس کے بعد جب دوبارہ تم مجھے فون کے ذریعے مخاطب کرو گے تو میں کچھ نہ کچھ بتا سکوں گا۔ اس وقت تک کے لئے ہم رخصت ہوتے ہیں۔"

ان کی گفتگو ختم ہو گئی۔ ماسٹر موس ٹڑونی نے ریسیور رکھتے ہوئے اپنی سوچ کے ذریعے کہا: "مسٹر فرہاد! کیا میں ٹھیک جا رہا ہوں؟"

"بہت اچھے جا رہے ہو۔"

"مسٹر فرہاد! جب میں نے حشمت بیگ سے گفتگو کی تو یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس قسم کی آفر دے گا۔ اب وہ یقیناً اس آفر کے بعد پھنس جائے گا۔"

"ہوں، آپ ذرا دیر انتظار کریں۔ میں حشمت بیگ کے پاس جا کر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کر رہا ہے؟"

یہ کہتے ہی میں حشمت بیگ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنے بیڈ روم میں آ گیا تھا۔ اس نے بیڈ روم میں آتے ہی اپنے ملازم سے کہا تھا کہ وہ نمبر ملائے۔ نمبر ملانے کی بات سن کر ہی ملازم سمجھ لیتا تھا کہ حشمت بیگ اپنے بیٹے سے فون پر بات کرنا چاہتا ہے۔ اب حشمت بیگ کو اس فون کا انتظار تھا۔

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اب اس کا بیٹا جلال بیگ اس سے باتیں کرنے والا تھا۔ میں ادھر پوری طرح متوجہ رہا۔ حشمت بیگ نے ریسیور اٹھا کر کہا: "ہیلو! میں حشمت بیگ بول رہا ہوں۔"

جواب میں، دوسری طرف سے چٹکیاں بجانے کی آواز آئی۔ تقریباً تین بار چٹکیاں بجی تھیں۔

"ہاں بیٹے! میں سمجھ گیا۔ ابھی ماسٹر موسس ٹڑدنی سے فرہاد، سونیا، رسونتی، مرجانہ اور اس کی ماں کے سلسلے میں میری کافی طویل گفتگو ہوئی ہے۔ میں نے انہیں آفر دی ہے کہ اگر مرجانہ اور اس کی ماں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے اور فرہاد کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تو ہم سونیا اور رسونتی کو شیپر ماسٹر کے حوالے کر دیں گے۔ اس کے علاوہ ہم ان کی تنظیم میں شامل ہو جائیں گے صرف اتنا ہی نہیں...

سائرہ بانو سے حاصل ہونے والی وہ تمام خفیہ دولت بھی ہم ان کے حوالے کر دیں گے۔ ماسٹر موسس ٹڑدنی راضی ہے لیکن اپنے سپر ماسٹر سے اس سلسلے میں گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق فوراً ہی ایک دوسرے سے رابطہ قائم نہیں کر سکتے۔ اُدھر بھی یہی مجبوری ہے کہ فرہاد کسی وقت ہمارے دماغوں میں جھانک سکتا ہے لہٰذا طے پایا ہے کہ جب فرہاد دوسری مرتبہ سوتا رہے گا تو اس وقت ماسٹر موسس ٹڑدنی مجھ سے رابطہ قائم کرے گا اور شیپر ماسٹر کے خیالات سے آگاہ کرے گا۔ اب اس سلسلے میں تم جو کچھ کہنا چاہو۔ مجھے تحریری طور پر آگاہ کر دو۔ ایک بات اور، وہ یہ کہ فرہاد کو کس طرح جالے اس خفیہ اڈے میں پہنچایا جائے۔ اس کا منصوبہ بہت ذہانت سے بنانے کی ضرورت ہے۔ فرہاد کو شبہ نہیں ہونا چاہئے اور اسے یہ موقع نہیں دینا چاہئے کہ وہ کسی کے دماغ میں جھانک کر ہماری سازش کو سمجھ سکے۔ بس کوئی ایسی تدبیر ہو جائے کہ فرہاد، مرجانہ اور سائرہ بانو ہمارے شکنجے میں آ جائیں۔ فرہاد کو ہم ختم کر دیں۔ سائرہ بانو کی دولت اور جائیداد ہماری ہو جائے اور مرجانہ ہمارے اشارے پر ناچنے کے لئے مجبور ہو جائے۔ جب فرہاد اس دنیا میں نہیں رہے گا تو اُدھر شیپر ماسٹر بھی سونیا اور رسونتی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ یہ تینوں اس کے لئے مصیبت بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے لئے بھی مصیبت ہیں اور یہ مصیبت ایک جھٹکے میں ختم ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ تم کوئی عمدہ سی تدبیر سوچو اور ایسی ذہانت کا مظاہرہ کرو کہ فرہاد کی ذہانت دھری کی دھری رہ جائے۔"

یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لئے چپ رہا۔ پھر اس نے کہا: "بس مجھے اتنا ہی کہنا تھا۔ کیا میں ریسیور رکھ دوں؟"

جواب میں تین بار چٹکیوں کی آواز سنائی دی۔ حشمت بیگ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب جلال بیگ کو جو کچھ بھی کہنا ہوگا۔ وہ تحریر کے ذریعے کہہ دے گا اور وہ تحریری جواب حشمت بیگ کو جلد ہی مل جائے گا۔

میں نے ماسٹر موسس ٹڑدنی کے پاس پہنچ کر کہا: "وہ دونوں باپ بیٹے بہت محتاط ہیں اور جلال بیگ نے جس طرح رابطہ قائم کرنے کا طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ اسی کی وجہ سے میں فی الحال جلال بیگ تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ بہرحال جب آپ اگلی بار حشمت بیگ سے ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ قائم کریں گے تو اس کے بیٹے کی طرف سے کوئی عمدہ سی تدبیر پیش کی جائے گی۔ ان کا خیال ہے کہ مجھے ان کی سازشوں کا علم نہیں ہوگا۔ بہرحال دیکھتے ہیں کہ وہ کتنا ذہین ہے اور کیا کرتا ہے؟"

"مسٹر فرہاد! میرا ارادہ ہے کہ میں کم از کم ایک ہفتے تک ان لوگوں کو بات چیت کے ذریعے ٹالتا رہوں۔ اس دوران آپ کے چہرے پر جو سرجری کی گئی ہے اس کا خاطر خواہ نتیجہ سامنے آئے گا اور ایک ہفتے بعد پلاسٹر کی پٹیاں ہٹادی جائیں گی۔ آپ اپنی اصلی صورت میں آ جائیں گے۔ اس کے بعد تبادلے کی بات ہوگی کہ آپ اور مرجانہ اُدھر جائیں گے، سونیا اور رسونتی اِدھر آئیں گی اور کس طرح یہ تبادلہ ہوگا۔ اس پر ہم اسی دوران اچھی طرح غور کر لیں گے اور کوئی ایسی ترکیب سوچیں گے کہ جلال بیگ ہمارے سامنے بے نقاب ہو جائے گا۔" میں نے موسس ٹڑدنی کی بات کی تائید کی اور اس کے پاس سے واپس آگیا۔ سام ابھی تک سوئی ہوئی تھی۔ میں نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ پھر آنکھیں بند کر کے سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

رات کے بارہ بج کر تیس منٹ ہوئے تھے۔ کاٹیج کے اندر ایک کمرے میں ممی اور سائرہ بانو الگ الگ بستر پر سو رہی تھیں دوسرے کمرے میں ایک بستر پر رسونتی لیٹی ہوئی تھی۔ سونیا اور مرجانہ ان لوگوں کو سلانے کے بعد اوپر چھت پر چلی گئی تھیں۔ وہاں رات گزارنے کا ارادہ تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ دونوں چھت پر ٹہلتی رہی تھیں اور باتیں کرتی رہی تھیں۔ چھت کے کنارے آ کر وہ دونوں اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرتی تھیں۔ کاٹیج کے اطراف آہنی ستون کے ساتھ جو بلب تھے، وہ روشن رکھے گئے تھے تاکہ کوئی انسان یا حیوان اُدھر کا رُخ کرے تو روشنی میں نظر آ جائے۔

تقریباً ڈیڑھ بجے سونیا نے تھکے ہوئے انداز میں چھت پر ٹہلتے ہوئے کہا: "میں تو بہت تھک گئی ہوں۔ اب ہمیں تھوڑی دیر کے لئے سو جانا چاہئے۔"

مرجانہ بھی لیٹ گئی۔ پھر بولی: "تم سو جاؤ۔ میں جاگتی رہوں گی یہ ایسی جگہ ہے کہ یہاں کسی ایک کو تو بیدار رہنے کے لئے جاگنا چاہئے جب مجھے نیند آئے گی تو میں تمہیں جگا دوں گی۔"

سونیا نے کہا: "مرجانہ! تم بہت اچھی ہو۔ فرہاد تمہاری بہت تعریفیں کرتا تھا۔"

"بھلا میں کس قابل ہوں کہ فرہاد تعریف کیا کرتا تھا؟"

"وہ کہتا ہے کہ تم بہت ہی خطرناک قسم کی فائٹر ہو اور تمہارا ایک ہاتھ کسی کے منہ پر پڑ جائے تو وہ خون اگلنے لگتا ہے۔ یہ تو نہیں معلوم کہ کتنی طاقتور ہو مگر ہاں، میں نے جیل کا پٹر کے پاس تمہاری کچھ صلاحیتیں دیکھی ہیں۔ تم لڑنے کا فن خوب جانتی ہو۔"

"اگر تم اسی طرح باتیں کرتی رہیں تو سو نہیں سکو گی۔ سو جاؤ تاکہ صبح تازہ دم اٹھو۔"

سونیا نے آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ مرجانہ کے ہاتھ اسے سہلا رہے تھے۔ سونیا سکون محسوس کر رہی تھی۔ آہستہ آہستہ نیند میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ پھر اسے پتہ نہیں چلا کہ وہ کب سو گئی ہے۔ اسے نیند آ گئی تھی یا محض نیند کا دھوکہ تھا کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔

نیند کا خمار تھا۔ اس خمار میں اس نے مجھے محسوس کیا۔ اسے بہت ساری باتیں یاد آئیں۔ بہت سارے جلوے نظر آئے۔ وہ پہلی ملاقات جب پاکستان میں وہ دشمن بن کر میرا تعاقب کر رہی تھی۔ پھر میں نے اسے دوست بنا لیا تھا۔ کس طرح دوست بنایا تھا اس وقت کا ایک ایک لمحہ اسے یاد آ رہا تھا۔

اُن کے سروں پر کھلا آسمان تھا۔ سونیا کو تارے نظر آ گئے تھے وہ چپ چاپ پڑی ہوئی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی دُور کہیں ایسی آوازیں آتی تھیں جیسے کوئی جنگلی جانور دوڑتا ہوا گزر رہا ہو۔ پھر اسے مرجانہ کی سرگوشی سنائی دی: "سونیا! کیا فرہاد یاد آ رہا ہے؟"

سونیا نے چونک کر مرجانہ کی طرف دیکھا۔ اندھیرے میں وہ سائے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اسی وقت میں نے پہلے بعد دیگرے دونوں کے دماغوں میں پہنچ کر کہا: "میں بہت دیر سے موجود ہوں۔"

دونوں ایک دم سے بڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ مرجانہ نے جلدی سے کہا: "وہ.... وہ فرہاد! یہ تمہاری سونیا تمہیں بہت یاد کر رہی تھی۔"

"اور تم یاد کرا رہی تھیں۔"

سونیا نے جھینپ کر کہا: "چلے جاؤ یہاں سے، تمہیں شرم نہیں آتی۔ چپکے سے کیوں آئے تھے؟"

"آنے کا فائدہ بھی کیا ہوا؟ میرے تو ہوش اڑے ہوئے تھے۔ ابھی ہوش میں آ کر تم لوگوں کو مخاطب کر رہا ہوں۔ ویسے ایک بات ہے سونیا! تم اب تک ناقابلِ شکست رہی ہو لیکن مرجانہ نے تو تمہیں زیر کر دیا ہے۔"

"تم تو جانتے ہی ہو فرہاد! سونیا کو کوئی بھی محبت سے زیر کر سکتا ہے۔ نفرت اور دشمنی سے زیر کرنے والوں کو تم نے منہ کی کھاتے دیکھا ہے۔ مجھے مرجانہ بہت پسند آئی ہے، بہت پیاری لڑکی ہے۔ مجھے تمہاری غیر موجودگی میں ایک اچھی ساتھی مل گئی ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا مرجانہ کو ساتھی بنا کر مجھے چھوڑ دینے کا ارادہ ہے؟"

"فضول باتیں نہ کرو۔ تمہارا پیچھا میں قبر تک نہیں چھوڑوں گی۔ چلو اب کام کی باتیں کرو۔"

اس وقت چھت پر وہ دونوں تنہا تھیں۔ اس لئے سوچ کے ذریعے بات کرنے کے بجائے ذرا اونچی آواز میں باتیں کر رہی تھیں تاکہ سونیا کی بات مرجانہ سن لے اور مرجانہ کی بات سونیا سن لے اور میں تو بے زبان سوچ کے ذریعے گفتگو کر ہی رہا تھا۔ پھر میں نے مرجانہ کو اپنا معمول بنایا تاکہ اس کی زبان سے میں وہ ساری معلومات پیش کروں، جو اب تک مجھے حاصل ہوئی تھیں۔ میں نے موسس ٹڑدنی اور حشمت بیگ کے درمیان ہونے والی طویل گفتگو بھی ان لوگوں کو سنائی اور ان کے منصوبوں سے بھی انہیں آگاہ کیا۔ وہ دونوں سوچ میں پڑ گئیں۔ پھر سونیا نے پوچھا: "اچھا تو وہ تمہیں اور مرجانہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے؟"

"مجھے تو وہ حاصل کرتے ہی ہلاک کر دے گا۔ دراصل اسے صرف مرجانہ اور اس کی اماں کی ضرورت ہے۔"

سونیا نے کہا: "ایسی بات ہے تو اس کی بات مان لی جائے۔ وہ اتنا چالاک اور پھرتیلا ہو نہیں سکتا کہ تمہارے پاس پہنچتے ہی تمہیں قتل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ ایک خطرناک جوا کھیلنا ہی چاہئے۔"

میں نے کہا: "میں تو راضی ہوں۔ اس طرح تبادلہ ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ بہرحال موسس ٹڑدنی کا یہ مشورہ بھی مناسب ہے کہ مجھے کم از کم ایک ہفتے تک ہسپتال سے باہر نہیں نکلنا چاہئے اور وہ ایک ہفتے تک حشمت بیگ کو مختلف بہانوں سے ٹالتا رہے گا۔ تاکہ میرے چہرے سے پٹیاں اتر جائیں اور میں اپنی اصلی صورت میں آ جاؤں۔ اس کے بعد میں بالکل آزاد ہو کر دشمنوں سے نمٹ سکوں گا۔"

سونیا نے کہا: "موسس ٹڑدنی کا مشورہ معقول ہے۔ واقعی تمہارے اپنے اصلی رُوپ میں آنے تک دشمنوں کو کسی طرح ٹالنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ تم پٹیوں سمیت ہسپتال سے باہر آ جاؤ۔ پھر کسی ایسی مصیبت میں پڑ جاؤ کہ کوئی پٹیاں اتارنے والا ڈاکٹر بھی نہ ملے اور تمہارا چہرہ کچھ سے کچھ ہو کر رہ جائے۔"

مرجانہ نے بھی تائید کی: "فرہاد! تمہیں بہت محتاط رہنا چاہئے اتنے عرصے کے بعد تم اپنے اصلی رُوپ میں آ رہے ہو تو تمہارا یہ رُوپ بگڑنا نہیں چاہئے۔ ڈاکٹروں کی پوری توجہ ضروری ہے۔ خواہ ایک ہفتہ لگے یا ایک سال۔ تم ہماری فکر نہ کرنا۔ ہم یہاں بڑے مزے میں ہیں۔"

میں تھوڑی دیر تک ان کی باتیں سنتا رہا اور اپنی باتیں انہیں سمجھاتا رہا۔ پھر ان سے رخصت ہو کر ممی کے پاس آیا۔ ممی کے اس کمرے میں سائرہ بانو گہری نیند سو رہی تھیں۔ بے چاری تھک گئی تھیں۔

نواب سلامت علی سے شادی کرنے کے بعد ہمیشہ عیش و آرام میں رہی تھیں۔ بیس برس کے بعد پھر ایسی مصیبتیں اٹھانے کے لئے اس جنگل میں پہنچ گئی تھیں۔ بہرحال میں نے ممی سے پوچھا "آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں۔ کیا نیند نہیں آرہی ہے ؟"

"تمہیں بیٹے! تم تو دماغ میں موجود ہو۔ سمجھ ہی رہے ہو گے کہ میں تمہارے ہی بارے میں سوچ رہی ہوں۔ میری دعا ہے کہ جلد از جلد تم اپنے اصلی روپ میں آ جاؤ۔ پتہ نہیں یہ دشمن کیا کرنے والے ہیں؟ اور ہم سب کو یہاں کیوں اکٹھا کیا ہوا ہے ؟"

"ممی! آپ فکر نہ کریں۔ میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ وہاں آپ لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔"

"بیٹے! میری بڑی خواہش ہے کہ میں تمہیں تمہارے اصلی روپ میں دیکھوں۔"

"آپ کی یہ خواہش بہت جلد پوری ہو جائے گی۔"

"ہاں بیٹا! انسان تو بہت سی خواہشیں کرتا ہے۔ پھر ان خواہشوں کے پورا ہونے کا انتظار کرتا ہے اور اپنی لمبی عمر کی دعائیں مانگتا ہے۔ میرا کوئی بھروسا نہیں ہے کہ میری عمر اب کتنی رہ گئی ہے جب تم پہلی بار یہاں مجھ سے ملے تب بھی تم طارق محمود کے روپ میں تھے۔ میں نے آج تک تمہارا اصلی چہرہ نہیں دیکھا۔ بس تصویر ہی دیکھی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میری آنکھ بند ہونے سے پہلے ان آنکھوں سے تمہیں جی بھر کے دیکھ لوں۔"

"ممی! آپ کی باتوں سے بڑی مایوسی کا اظہار ہو رہا ہے آپ تو مستقبل کی باتیں سمجھ لیتی ہیں۔ کیا آپ اپنے متعلق مستقبل میں کوئی خطرہ یا کوئی ایسی بات محسوس کر رہی ہیں یا سمجھ رہی ہیں کہ جس سے ہمیں بھی دکھ پہنچے ؟"

وہ جلدی سے سنبھل کر بولیں "نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ انشاء اللہ میں تمہیں ضرور دیکھوں گی اور ہم مل بیٹھے جلد ہی ملیں گے۔"

مجھے ممی کی باتوں سے اور ان کے انداز سے یوں لگا جیسے وہ مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ میں نے ان سے رخصت طلب کی کہ اب میں سونے کے لئے جا رہا ہوں۔ پھر یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ ممی تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہیں۔ پھر سمجھ گئیں کہ میں چلا گیا ہوں۔ تب ان کی اصلی سوچ ان کے دماغ میں آئی۔ وہ ایک دم سے نڈھال ہو گئیں۔ دل ایک دم ڈوبنے لگا اور ان کی آنکھوں میں جیسے آنسو آنا چاہتے تھے اور ان کے تصور میں میری تصویر تھی اور وہ اپنے گاڈ سے دعا مانگ رہی تھیں "بے شک میری زندگی کے دن اب پورے ہو رہے ہیں لیکن فرہاد کا چہرہ میں ایک بار ضرور دیکھ لوں اسے اپنے سینے سے لگا کر چوم لوں۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ ایک بیٹا بنایا تو وہ بھی آتنی دور ہے۔ میں آخری وقت میں اسے دیکھنے کے لئے تڑپنے لگی ہوں اور مایوس ہو رہی ہوں کہ شاید ہم نہ مل سکیں۔"

پتہ نہیں جو لوگ علم نجوم کے ماہر ہوتے ہیں اور برسوں کا تجربہ رکھتے ہیں وہ اپنے مستقبل اور اپنی زندگی کے اختتام کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر لیتے ہیں یا نہیں۔ ممی کی سوچ بتا رہی تھی کہ انہوں نے معلوم کر لیا ہے اور وہ اس دنیا سے رخصت ہونا چاہتی ہیں۔ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ خداوند کریم کے حکم سے۔ ہاں حکم خداوندی جس کے آگے علم نجوم، ہپناٹزم، ٹیلی پیتھی اور دنیا کے سارے علوم سرنگوں ہو جاتے ہیں اور انسان فنا کی طرف آخری قدم اٹھاتا ہے اور پھر دوسرا قدم اٹھا نہیں پاتا۔

مجھے بڑی دیر کے لئے چپ لگ گئی۔ قدرت کا اصول یہی ہے کہ انسان کو وقت سے پہلے اپنی موت کا علم نہیں ہوتا۔ ویسے اس دنیا میں ایسے واقعات بھی ہیں کہ کچھ لوگوں کو اپنی موت کا پہلے علم ہو جاتا ہے اور جب علم ہو جاتا ہے تو ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی یہ مجھے نہیں معلوم۔ ہاں ممی کی بات کہہ سکتا ہوں کہ انہیں دکھ نہیں تھا کیونکہ ایک دن تو انہیں دنیا سے اٹھنا تھا۔ بس ایک خواہش دل میں باقی تھی کہ وہ مجھے میرے اصلی چہرے کے ساتھ دیکھ لیں۔ مجھے چوم لیں اور میرے ہی بازو میں آخری سانس لے کر اپنی تنہا زندگی کا یہ الزام مٹا دیں کہ وہ مرتے وقت تنہا نہیں تھیں۔ اپنے بیٹے کی... آغوش میں تھیں۔

میں بڑی دیر تک بہت اداس لیٹا رہا۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ میں خیال خوانی کروں یا سو جاؤں۔ رات بہت گزر گئی تھی مجھے سو جانا چاہئے تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ مجھے زیادہ صدمہ سہنے کی عادت نہیں ہے۔ میرا مزاج بھی ایسا ہے کہ میں اپنے آپ کو دوسری طرح بہلا لیتا ہوں۔ کیوں نہ میں سو جاؤں۔ سو جاؤں گا تو ممی کا غم ہلکا ہو جائے گا۔ کم از کم میری نیند کے دوران تو یہ صدمہ نہیں رہے گا۔

میں سونا ہی چاہتا تھا کہ اچانک رسونتی کا خیال آیا۔ میں نے وہاں سبھی سے باتیں کی تھیں۔ ایک سونتی رہ گئی تھی۔ اس کے دل میں بھی خواہش ہوگی کہ میں تنہائی میں اس سے باتیں کروں اور میں اس کے دل کی یہ بات بھی جانتا تھا کہ وہ میری طرف سے مایوس ہو چلی ہے اور میرے راستے سے ہٹنا چاہتی ہے۔ اکثر عورتیں عقل کی کھوٹی ہوتی ہیں۔ عشق میں ناکام ہو کر زہر کھا لیتی ہیں یا کسی اور طرح سے خودکشی کرنے کی حماقت کرتی ہیں۔ رسونتی کی طرف سے بھی یہی ڈر تھا کہ وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر اور خود کو دنیا میں تنہا پا کر کوئی ایسا احمقانہ قدم نہ اٹھا لے۔

یہ سوچتے ہی میں اس کے پاس پہنچ گیا اور بڑے اچھے وقت پر پہنچا۔ وہ یقیناً مجھ سے مایوس ہو گئی تھی لیکن خودکشی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اپنے ہاتھوں اپنی جان دینے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔ کچھ اچھا نہیں لگتا تھا کہ اپنی جان سے گزر جائے۔ مگر ہاں کسی اور طرح خودکشی کرنا چاہتی تھی۔ اس کے لئے اس نے سوچا تھا کہ چپ چاپ اس کاٹیج سے نکل جائے اور دور جنگل میں کہیں بھٹک جائے۔ کوئی شیر یا دوسرا جنگلی درندہ اسے کھا جائے گا یا پھر وہ زندہ رہی تو بھٹکتی ہوئی اتنی دور چلی جائے گی کہ میں اس کے پاس نہیں پہنچ سکوں گا یا حالات مجھے اس کے پاس پہنچنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

دراصل وہ مجھ سے ڈرتی تھی میرے قریب نہیں رہنا چاہتی تھی، کسی ایسی جگہ بھی نہیں رہنا چاہتی تھی جہاں میرے پہنچنے کی توقع ہوتی۔ وہ جانتی تھی کہ دشمنوں سے بات بگڑی تو میں اس کی اور سونیا وغیرہ کی حفاظت کے لئے کسی نہ کسی طرح اس جنگل میں بھی پہنچ جاؤں گا۔ پھر اس کا میرا سامنا ہوگا۔ نظریں ملیں گی، دل کمزور ہوگا، جذبے شور مچائیں گے۔ پھر میری محبت کے نشے میں وہ یہ بھول جائے گی کہ میں صرف اس کا ہو کر نہیں رہ سکتا۔ آہ! یہ مرد ازل سے عورت کے مطالبے کو نہیں سمجھتے کہ وہ اپنے مرد کو صرف اپنا بنا کر رکھنا چاہتی ہے۔

وہ اپنے کمرے کا دروازہ بڑی آہستگی سے کھول کر باہر دیکھنے لگی۔ باہر کاٹیج کے چاروں طرف تھوڑی سی روشنی تھی جو دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اتنا گھپ اندھیرا تھا جیسے کاٹیج کے علاوہ ساری دنیا پر سیاہی پھیر دی گئی ہو اور یہ دنیا ایسی مٹ گئی ہو کہ ڈھونڈنے سے بھی نظر نہ آئے۔

اس کا دل ڈوبنے لگا۔ پتہ نہیں اس اندھیرے میں کیا ہو ؟ پہلی بار خیال آیا کہ وہ جان دینے سے تو نہیں ڈرتی ہے لیکن عزت سے ڈرتی ہے۔ اگر کوئی جنگلی جانور سامنے آجائے تو وہ نہیں ڈرے گی لیکن اگر کوئی جنگلی حملہ کر دے تب وہ کیا کرے گی۔ اس سے بدترین موت تو اور کوئی نہ ہوگی۔ وہ ایک دم سے گھبرانے لگی۔ کبھی واپس کمرے کی طرف دیکھنے لگی کہ ارادہ بدل دے۔ کبھی یہ خیال آیا تو پھر ایک نئے عزم سے فیصلہ کیا کہ نہیں جو کچھ بھی ہو۔ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانا چاہئے۔ اسی تذبذب میں وہ آگے بڑھتی رہی۔ دبے قدموں سے روشنی کی سرحد کو پار کر گئی۔

اب وہ اندھیرے میں تھی۔ اتنا اندھیرا ابھی نہیں تھا۔ کیونکہ جہاں روشنی ختم ہوتی ہے وہاں سے پھر بھی روشنی کی تھوڑی سی بھیک اندھیرے کو ملتی ہے۔ اس نیم اندھیرے میں اور نیم روشنی میں وہ پھر ایک بار ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ کبھی جنگل کی طرف اور کبھی کاٹیج کی طرف۔ پھر وہ ہمت کر کے آگے بڑھ گئی۔ اب اسے قدم بڑھانے کے لئے سوچنا سمجھنا پڑتا تھا کہ کہیں کسی گڑھے میں نہ گر پڑے یا کسی خاردار جھاڑی میں نہ الجھ جائے۔ وہ سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک اندھی کی طرح اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا تب اچانک ہی ایک مضبوط ہاتھ نے اسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا... اور اس سے پہلے کہ وہ چیختی، ایک دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا۔ اس کی چیخ حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔

میں ہڑبڑا کر بستر پر اٹھ بیٹھا۔ ایک نئی افتاد آپڑی تھی۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ وہ اندھیرے سے ڈر کر واپس آجائے گی لیکن وہ ضدی آگے بڑھتی رہی اور خود کو کسی مصیبت میں گرفتار کرا دیا۔ اب میں نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ اسے کس نے پکڑا ہے ؟ جب تک پکڑنے والا اپنی آواز نہ سناتا۔ اس وقت تک میں رسونتی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر تک شکار اور شکاری کے درمیان کشمکش ہوتی رہی۔ رسونتی خود کو اس کی گرفت سے چھڑا نہیں پا رہی تھی۔

—— وہ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ رسونتی کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ کوئی قد آور ہستی تھی جو اس پر چھا گئی تھی وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر کون ظلم کر رہا ہے یہ نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کے منہ پر اتنی سختی سے ہاتھ جما ہوا تھا کہ وہ اس ہاتھ کو ہٹا نہیں سکتی تھی۔ شکاری دوسرے ہاتھ سے اسے آہستہ آہستہ اب تھپک رہا تھا۔ اشارے میں سمجھا رہا تھا کہ اسے جدوجہد نہیں کرنی چاہئے اور نہ ہی شور مچانا چاہئے لیکن وہ چیخنے کا موقع نکالنا چاہتی تھی۔ اتنی دیر میں اس کی سمجھ میں آگیا تھا کہ وہاں اس کی جان کو تو خطرہ نہیں ہے مگر عزت خطرے میں ہے۔ اگر اس نے چیخ کر کسی کو مدد کے لئے نہ بلایا تو پھر وہ کہیں کی نہ رہے گی۔

میں نے فوراً ہی سونیا کے پاس پہنچ کر کہا "جلدی اٹھو رسونتی اپنے کمرے سے نکل کر باہر اندھیرے میں گئی تھی۔ وہاں کسی نے اسے دبوچ لیا ہے اور اسے چیخنے کا موقع نہیں دے رہا ہے، جلدی بھاگو۔"

میرے کہتے کہتے سونیا چھت سے اٹھ کر دوڑتے ہوئے کنارے کی طرف گئی۔ پھر وہاں سے چھلانگ لگائی اور دیکھتے ہی دیکھتے نیچے برآمدے کے سامنے پہنچ گئی۔ پھر اس نے چیخ کر آواز دی "رسونتی! تم کہاں ہو ؟"

اس وقت تک میں مرجانہ کو بھی خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی میں نے اپنے دانت بھینچ لئے اور مٹھیاں باندھ لیں۔ مجھے غصہ آیا کہ اس کم بخت کی پٹائی کرنا شروع کر دوں کیونکہ وہ کم بخت میری سونیا اور رسونتی کے خلاف اپنی نفرت پر قابو نہ پا سکی تھی۔ اس وقت اسی نے رسونتی کو پکڑ رکھا تھا۔

سونیا کی آواز سنتے ہی مرجانہ نے رسونتی کو یکبارگی چھوڑ دیا اور روشنی کی طرف اسے دھکیلتے ہوئے خود دوسری طرف بھاگتی چلی

گئی۔ رسونتی کو آزادی ملتے ہی وہ پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی، دوڑتی ہوئی سونیا کے پاس آئی اور اس سے لپٹ کر ایک دم سے دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اسی وقت دوسری طرف سے مرجانہ کی آواز سنائی دی "کون ہے۔ میں نے ابھی بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنی ہے۔ خبردار حرکت نہ کرنا۔ میں گولی مار دوں گی۔"

میں مرجانہ کی چالاکی کو سمجھ رہا تھا۔ وہ سونیا کو سنانے کے لئے ایسی بکواس کر رہی تھی۔ پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی سونیا اور رسونتی کے پاس پہنچ کر بولی "کیا بات ہے؟ رسونتی! کیا تم نے کسی کو دیکھا ہے؟"

اتنے میں ممی اور سائرہ بانو بھی کاٹیج سے باہر آ گئی تھیں۔ انہیں بات کرتے دیکھ کر ممی نے رسونتی سے پوچھا "آخر تمہیں اتنی رات کو تنہا باہر نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟"

رسونتی ذرا ہچکچائی۔ وہ اس بات کا انکشاف نہیں کر سکتی تھی کہ وہ سب کو چھوڑ کر تنہا جنگل میں بھٹکنے جا رہی تھی۔ دوسرے لفظوں میں فرہاد کا ساتھ چھوڑ کر کہیں دور چلی جانا چاہتی تھی۔ اس نے بات بناتے ہوئے کہا "ممی! اندر گھٹن ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا ذرا باہر یہاں روشنی میں ٹہلتی رہوں گی۔ مجھے اس لئے ڈر نہیں لگا تھا کہ اوپر سونیا اور مرجانہ موجود تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ یہ دونوں میری حفاظت کریں گی اور میرا یقین جھوٹا نہیں تھا، دیکھ لیجئے۔"

وہ سب باتیں کرتی ہوئی کاٹیج میں آ گئیں۔ سائرہ بانو نے کہا "مجھے تو نیند آ گئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ تم سب ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

سونیا نے کہا "ہاں! ہمیں بھی اوپر چھت پہ نیند نہیں آ رہی تھی۔ پھر ابھی مرجانہ باتھ روم میں جانے کے لئے نیچے آئی تو تھوڑی دیر بعد ہی مجھے فرہاد نے اطلاع دی کہ رسونتی خطرے میں ہے۔ تب میں بھاگتی ہوئی نیچے آئی تھی۔"

مرجانہ نے چونک کر سونیا کو دیکھا پھر پوچھا "کیا فرہاد نے تمہیں اس بات کی اطلاع دی تھی؟"

"ہاں! ورنہ مجھے کیسے معلوم ہوتا؟"

مرجانہ ان لوگوں سے معذرت کرتے ہوئے باتھ روم کی طرف جانے لگی۔ وہ تنہائی چاہتی تھی۔ پھر ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کے باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے اس نے سوچ کے ذریعے مجھے پکارا "فرہاد! کیا تم میرے پاس موجود ہو؟"

"موجود ہوں اور تمہاری حرکتیں بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

وہ مسکرائی پھر بولی "بس یونہی ہم جنگل میں بھی ہیں اور یہاں وقت نہیں گزر رہا ہے۔ پھر یہ کہ اچھے دوست اور اچھے ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے میں تمہاری محبوباؤں سے دوستی کر رہی ہوں۔"

میں نے کہا "نہیں، یہ غلط ہے۔ اسے نہ چھیڑو۔ وہ بہت پریشان ہے۔"

یہ کہہ کر میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اسے رسونتی کے ارادے بتائے اور اسے تاکید کر دی کہ رسونتی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس چپ چاپ اس کی نگرانی کی جائے اور اسے کبھی الگ ہونے کا موقع نہ دیا جائے۔

ان لوگوں کے ساتھ کافی وقت گزارنے کے بعد میں پھر دماغی طور پر ہسپتال کے کمرے میں واپس آ گیا۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔ اب مجھے سو جانا چاہئے تھا اور میں سونے کے لئے اپنے دماغ کو ہدایات دینے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے لیٹے ہی لیٹے پوچھا "کون ہے؟"

باہر سے وارڈ بوائے کی آواز آئی "جناب! آپ کا ٹیلی فون ہے ماسٹر آپ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے جاؤ، میں بات کر لوں گا۔"

وارڈ بوائے چلا گیا۔ میں ماسٹر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ٹیلی فون کا ریسیور رکھنے کے بعد میرا ہی انتظار کر رہا تھا۔ میں نے کہا "ہیلو ماسٹر! کیا بات ہے؟"

"مسٹر فرہاد! میں نے حشمت بیگ سے کہا تھا کہ جب آپ سو جائیں گے تو میں اس سے رابطہ قائم کروں گا۔ میں ابھی رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے آپ کو اطلاع دے رہا ہوں۔"

میں نے کہا "بہت رات ہو چکی ہے۔ تین بج گئے ہیں جنرل حشمت بیگ کو اسی وقت یقین آئے گا کہ میں سو رہا ہوں۔ آپ رابطہ قائم کریں۔ میں آپ کے پاس موجود رہوں گا۔"

اس نے فوراً ہی ریسیور اٹھا کر حشمت بیگ کے نمبر ڈائل کئے تھوڑی دیر بعد اس سے رابطہ قائم ہوا۔ وہ نیند بھری آواز میں ذرا سا جھنجھلاتے ہوئے بول رہا تھا "ہیلو، کیا بات ہے۔ اتنی رات کو فون کرنے کی کیا تُک ہے؟"

"مسٹر حشمت بیگ! میں ماسٹر موسس ٹرڈنی بول رہا ہوں اور فرہاد سے چھپ کر باتیں کرنے کے لئے یہی وقت مناسب ہوتا ہے۔"

اس نے جماہی لیتے ہوئے کہا "ہاں ٹھیک ہے! میں نے اپنے بیٹے سے باتیں کی ہیں۔ اس نے مجھے کہا ہے کہ اگر سپر ماسٹر بھی تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہے اور ہمیں اپنی تنظیم میں شامل کرنا چاہتا ہے تو پہلے ہمارا یہ کام ہو جائے یعنی اپنی اپنی پسند کی ہستیوں کا تبادلہ۔ فرہاد، مرجانہ اور سائرہ بانو کو اپنی طرف موڑنے کے لئے میرے بیٹے نے کہا ہے کہ آپ چاہیں تو فرہاد کو نیند کا انجکشن دے سکتے ہیں۔۔۔ وہ ایک طویل گہری نیند سو جائے گا۔ اس کے سونے کے دوران ہم بہت کچھ الٹ پھیر کر لیں گے۔ صرف مرجانہ اور سائرہ بانو ہی نہیں بلکہ فرہاد کو بھی اس کی جگہ سے اٹھا کر لے آئیں گے۔"

ماسٹر موسس ٹرڈنی نے کہا "یہ سب کچھ ناممکن نہیں ہے۔ میں کوشش کروں تو فرہاد کو نیند کا انجکشن دے سکتا ہوں لیکن ابھی میں اپنے سپر ماسٹر سے بات کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ سپر ماسٹر ان دنوں دوسرے معاملات میں اس بُری طرح مصروف ہے کہ اس سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا ہے۔ جب بھی رابطہ قائم ہو گا میں آپ کو پھر تکلیف دوں گا اور اس سلسلے میں بات کو آگے بڑھاؤں گا۔ فی الحال مجبوری ہے۔ ہمیں پھر کل تک انتظار کرنا ہو گا۔ کل تک سے مراد یہ ہے کہ کل کسی وقت جب فرہاد سوئے گا۔ تب ہی ہم باتیں کر سکتے ہیں۔"

ان کے درمیان گفتگو جلد ہی ختم ہو گئی۔ میں نے موسس ٹرڈنی سے اطمینان کا اظہار کیا۔ پھر رخصت ہو کر اپنے دماغ کو حسب معمول سونے کے متعلق ہدایات دیں اور گہری نیند میں ڈوب گیا۔ سامی کافی دیر تک سوئی رہی تھی۔ اس لئے وہ میرے سونے کے دوران جاگتی رہی اور کمرے میں ہی موجود رہی۔

دوسرے دن بھی موسس ٹرڈنی نے بہانے کر کے حشمت بیگ کو ٹال دیا۔ حشمت بیگ بھی خاموشی سے اس کے بہانوں کو تسلیم کرتا رہا۔ تیسرے دن جب میں سونیا اور مرجانہ وغیرہ کے پاس پہنچا تو وہ کاٹیج کے باہر کھلے سبزہ زار میں چولہا جلا کر کھانا پکا رہی تھی اور یہ چولہا جلانے کے لئے وہ درخت کی لکڑیاں کاٹ کر لائی تھیں پتہ چلا کہ سونیا نے مٹی کا تیل بچا کر رکھنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ وہ کبھی وقت پڑنے پر مٹی کے تیل کو بھی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے وہ ایسی چیزوں کی بچت کر رہی تھی۔

وہ پانچوں وہاں اپنی خوشی سے تو نہیں تھیں مگر جس حال میں تھیں، خوش تھیں۔ انہیں بڑا اطمینان تھا کہ میں ہوش میں آ گیا ہوں اور ان سے رابطہ قائم کرتا رہتا ہوں۔ پھر یہ کہ سونیا اور مرجانہ کی موجودگی نے باقی تین عورتوں کی ہمت بندھائی ہوئی تھی۔ سونیا اور مرجانہ اپنے پاس ایک ایک ریوالور اور کارتوس کی پیٹیاں رکھتی تھیں تیسرا ریوالور ممی کے پاس اور چوتھا سائرہ بانو کے پاس ہوتا تھا۔ رسونتی نہ تو ریوالور چلانا جانتی تھی اور نہ ہی وہاں پانچواں ریوالور تھا۔ وہ اس ہتھیار کی موجودگی میں بے دھڑک کاٹیج سے ذرا دور چہل قدمی کے لئے بھی کبھی کبھی نکل جاتی تھیں۔ دور دور تک رنگ برنگے پھول نظر آتے تھے۔ گھنے درختوں کے سائے تھے۔ دن کے وقت بہت اچھا لگتا تھا اور وہ جیسے وہاں پکنک منا رہی تھیں۔

جب پانچویں دن میں نے سونیا سے رابطہ قائم کیا تو ایک دم ہی حالات بدل گئے۔ سونیا بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ مرجانہ اور اس کی امی سائرہ بانو دونوں ہی غائب ہیں۔ میں نے سونیا سے پوچھا "آخر وہ غائب کیسے ہو گئیں۔ کیا وہ کاٹیج سے کہیں دور گئی تھیں؟"

سونیا نے کہا "ہاں! مرجانہ کے پاس ریوالور اور کارتوس کی پیٹی تھی۔ اس لئے ہمیں اطمینان تھا۔ دونوں ماں بیٹی باتیں کرتے ہوئے کاٹیج سے دور چلی گئی تھیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہمیں کچھ ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے جنگل میں بہت سے گھوڑے دوڑ رہے ہوں۔ اس کے بعد ہی ایک چیخ سنائی دی۔ میں نے آواز کی سمت کا اندازہ کیا۔ پھر ریوالور لے کر اس طرف جانا چاہتی تھی۔ مگر رسونتی نے مجھے پکڑ لیا۔ وہ خوفزدہ تھی اور التجا کر رہی تھی کہ اسے تنہا چھوڑ کر نہ جاؤں۔ میں نے ممی سے کہا "آپ کے پاس ریوالور ہے۔ آپ رسونتی کا خیال رکھیں۔ میں ابھی واپس آ جاؤں گی۔ میں انہیں تسلی دے کر بہت دور تک تلاش کرتی ہوئی گئی لیکن ان کا کچھ پتہ نہ چلا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی ان کی خبر لے کر آتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں فوراً مرجانہ کے دماغ میں پہنچ گیا لیکن اس کا دماغ میرے کام نہیں آ سکتا تھا کیونکہ وہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی میں نے اس کی امی کے دماغ میں چپ چاپ جھانک کر دیکھا۔ وہ ننگے فرش پر چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھیں اور ایک ہاتھ سے انہوں نے اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے وہ سوچ رہی تھیں، کاش فرہاد خیال خوانی کے ذریعے ان لوگوں کے پاس پہنچ جائے۔ بس یہی ایک سہارا تھا۔ میں نے انہیں آہستگی سے مخاطب کیا "میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

وہ فوراً ہی بولیں "بیٹے! تم آ گئے، خدا کا شکر ہے دیکھو ہماری کیا حالت ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں، بدمعاشوں نے ہمیں کہاں لا کر ڈال دیا ہے۔"

میں نے پوچھا "جب آپ کو یہاں لایا گیا تو اس وقت آپ ہوش میں تھیں؟"

"ہاں! میں ہوش میں تھی مگر ان بدمعاشوں نے میری بیٹی کو بڑی بے دردی سے مارا ہے۔ پیچھے سے اس کے سر پر ضرب لگائی تھی۔ وہ دھوکے میں مار کھا گئی۔ مگر وہ حملہ ایسا زبردست تھا کہ میری بیٹی چکرا کر گری تو پھر خود اٹھ نہ سکی۔ دو آدمیوں نے اسے ایک گھوڑے پر لاد لیا تھا۔ پھر ایک نے مجھے زبردستی اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا لیا اور وہ جنگلوں میں دوڑتے رہے میں اندازہ نہیں کر سکتی کہ کب تک وہ گھوڑے دوڑتے رہے۔ میں دنیا بھر کی مصیبتیں اپنی جوانی میں اٹھا چکی ہوں اور مصیبتوں کے وقت اپنے ہوش و حواس قائم رکھنے کا بھی سلیقہ آ گیا ہے۔ بدمعاشوں کی گرفت میں تھوڑی دیر تک چیخنے چلانے کے بعد میرے دماغ نے کہا کہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

راستے کو پہچاننے کی کوشش کرنا چاہئے لیکن راستہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ جنگل ہی جنگل تھا۔ درخت ہی درخت نظر آرہے تھے۔ اور وہ درختوں کے سائے میں اِدھر اُدھر سے گزرتے جارہے تھے پتہ نہیں ان لوگوں کو راستہ کیسے معلوم ہورہا تھا۔ اچانک میری نظر اس شخص کی کلائی پر پڑی جس نے مجھے گرفت میں لیا ہوا تھا میں نے دیکھا۔ گھڑی کے بجائے اس کی کلائی میں قطب نما بندھا ہوا تھا اور اسی قطب نما کی رہنمائی میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے دوڑاتا جارہا تھا۔"

میں نے پوچھا "آخر اُن کی گھڑ سواری کہاں ختم ہوئی؟"

"جہاں ختم ہوئی وہ بھی گھنا جنگل ہی تھا اور اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں انہی جھاڑیوں کے درمیان وہ راستہ تھا۔ چار آدمیوں نے ایک بڑے سے پتھر کی سِل ہٹائی تو ایک زینہ نظر آیا۔ جو زمین کے اندر چلا گیا تھا۔ اسی زینے کے راستے ہم ماں بیٹی کو یہاں لاکر رکھا گیا ہے۔"

"کیا وہ بدمعاش وہاں موجود ہیں؟"

"پتہ نہیں بیٹے! میں نے تو کئی بار آوازیں دیں، پانی مانگا مگر کسی بہانے سے بھی بلانے پر کوئی نہ آیا اور نہ ہی جواباً کوئی آواز سنائی دی۔ یہاں اتنی گہری تاریکی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا ہے۔"

میں نے پوچھا "مرجانہ کے سر میں جہاں ضرب لگائی گئی تھی۔ کیا وہاں سے خون بہہ رہا ہے؟"

"پہلے بہہ رہا تھا۔ مگر اب سوکھ گیا ہے۔ زخم پر پپڑیاں جم ہیں۔"

میں نے انہیں مشورہ دیا "آپ آہستہ آہستہ اس کے چہرے کو اور گردن کو سہلاتی رہیں۔ وہ جلد ہی ہوش میں آجائے گی۔ میں ابھی سونیا کے پاس سے ہوکر آتا ہوں۔ آپ اطمینان رکھیں۔ میں آپ کو تنہا نہیں رہنے دوں گا۔"

میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر دونوں ماں بیٹی کی رُوداد سنائی سونیا نے پریشان ہوکر پوچھا "میں کیا کروں؟ کیسے انہیں تلاش کروں؟ کاش کہ میرے پاس بھی ایک قطب نما ہوتا۔"

"اگر قطب نما ہوتا تب بھی تم اس مقام تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ اس لئے کہ سفر کبھی سیدھا ایک سمت نہیں ہوتا۔ سمتیں بدلتی رہتی ہیں۔ امی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ گھنے درختوں کے سائے میں کبھی اِدھر سے اور کبھی اُدھر سے گزر رہے تھے۔ یقیناً سمتیں بدل رہی تھیں۔ صرف وہی لوگ سمجھ رہے تھے کہ ان کی منزل کس طرف ہے اور وہ صرف مشرق و مغرب، شمال اور جنوب کو قطب نما کے ذریعے سمجھ رہے تھے۔"

سونیا نے کہا "ماسٹر موسس ٹرونی اور حشمت بیگ کے درمیان مذاکرات جاری تھے اور وہ لوگ ابھی کسی آخری فیصلے پر نہیں پہنچے تھے۔ پھر یہ حرکت ہمارے خلاف کیوں کی گئی؟ مرجانہ اور سائرہ بانو کو اغوا کیوں کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حشمت بیگ اور اس کے بیٹے جلال بیگ نے سمجھ لیا ہے کہ انہیں ٹالا جارہا ہے۔ اس لئے وہ اپنے طور پر اپنے منصوبوں پر عمل کررہے ہیں۔"

"ہاں! ایسی چالیں چل رہے ہیں کہ میں مجبور ہوکر ہسپتال سے باہر نکل آؤں۔"

"اب کیا ہوگا۔ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ تم تو ہسپتال سے ابھی نکل نہیں سکتے۔"

"صرف تین دن رہ گئے ہیں۔ تین دن کے بعد میرے چہرے کی پٹیاں اتار دی جائیں گی۔ لیکن ان تین دنوں میں امی کا کیا ہوگا؟ وہ تو بڑی دہشت زدہ ہورہی ہیں۔ مرجانہ ہوش میں آنے گی تو اس کی طرف سے اتنی فکر نہیں ہے۔ وہ خود کو اور اپنی امی کو سنبھال لے گی لیکن ہم یہ سوچ کر پریشان ہوں گے کہ وہ بے یار و مددگار ہیں۔"

وہ بولی "ایسے حالات میں مجھ سے خاموش بیٹھا نہیں جاتا۔ میرے اندر ہلچل سی مچی ہوئی ہے کہ میں ریوالور اور کارتوس کی پیٹی لے کر نکل پڑوں اور جنگل میں انہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے بس چلتی ہی رہوں۔ اتنا چلوں، اتنا ڈھونڈوں کہ تھک کر گر پڑوں۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ تم کس قدر بے چین ہو لیکن تم ممی اور سونی کو تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتیں۔ وہاں تو مرجانہ سے بڑی امیدیں ہیں وہ حالات سے نمٹ لے گی لیکن یہاں ممی اور سونی تو بالکل ہی تنہا ہیں اور کبھی کسی نے وہاں ان پر حملہ کیا تو وہ دونوں اپنی حفاظت بھی نہیں کرسکیں گی۔ تمہیں اس کے پاس ہی رہنا چاہئے۔"

یہ باتیں سمجھا کر میں پھر سائرہ بانو کے پاس پہنچا۔ اس وقت پتہ چلا کہ مرجانہ ہوش میں آگئی ہے۔ اس وقت وہ کراہ رہی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "مرجانہ! ہمت سے کام لو۔ میں تمہارے پاس ہوں۔ کیا حال ہے تمہارا؟"

"میرے سر پر اتنی سخت ضرب لگائی ہے کہ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرا سر پھٹ گیا ہو۔ میرا سر اس وقت بڑی طرح دُکھ رہا ہے۔"

"برداشت کرنا ہی ہوگا۔ اب کیا کیا جاسکتا ہے؟ وہاں نہ ڈاکٹر ہے نہ دوائیں ہیں۔"

وہ بولی "میرے استاد وانشو ردکی نے مجھے تکلیف برداشت کرنے کی عادت سکھائی ہے اور میں برداشت کرسکتی ہوں۔"

"شاباش! آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرو۔ یہیں کہیں کوئی دیوار ہو تو ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ۔"

اُس نے میری ہدایات پر عمل کیا۔ قریب ہی ایک دیوار تھی وہاں وہ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ میں نے کہا "میں تمہارے دماغ میں رہ کر تمہاری تکالیف کو تمہاری ہی طرح محسوس کرسکتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم کمزور نہیں ہو۔ تم اب بھی دشمنوں سے مقابلہ کرسکتی ہو لیکن سر کی تکلیف ایسی ہے کہ اٹھنے کی ہمت نہیں ہورہی ہے۔ تمہارا سر چکرا رہا ہے حتیٰ کہ سوچ کے ذریعے بھی تمہیں باتیں کرنا اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ لہٰذا تم کچھ نہ بولو۔ کبھی کبھی میں تم سے کچھ کہہ دیا کروں گا اور جب ذرا سی ہمت ہو تو ضرور اٹھنے کی کوشش کرنا اور دیوار کے سہارے چلتی رہنا۔ دیوار کو ٹٹول کر اندازہ کرنا کہ جہاں ہو، وہ کتنا بڑا کمرہ یا تہہ خانہ ہے اور اس کا کوئی دروازہ کہاں پر ہے۔ اندر ہوا آنے کے لئے روشن دان جیسی کوئی چیز تو ضرور ہوگی۔ تلاش کرنے سے کچھ نہ کچھ کام کی بات ضرور معلوم ہوگی۔"

میرا مشورہ سنتے ہی وہ آہستہ آہستہ اٹھنے لگی۔ میں نے پوچھا "یہ کیا کررہی ہو؟ ابھی ذرا آرام کرلو۔ اپنے سر کی تکلیف پر قابو پاؤ۔"

مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔ دیوار سے اپنی پیٹھ لگائے آہستہ آہستہ تکلیف سے کراہتے ہوئے اٹھ رہی تھی۔ پھر وہ سیدھی کھڑی ہوگئی۔ اسی وقت سائرہ بانو نے اس کے پاؤں کو پکڑتے ہوئے پوچھا "بیٹی! یہ تم کیوں اٹھ گئیں؟ کہاں جارہی ہو؟"

مرجانہ نے سوچ کے ذریعے مجھ سے کہا "فرہاد! امی کو سمجھاؤ کہ وہ خوفزدہ نہ ہوں۔ میں ان کے ساتھ ہوں۔ تم بھی ہو۔ میں ابھی دیواروں کے سہارے چلتے چلتے ان کے پاس واپس پہنچ جاؤں گی۔"

میں نے سائرہ بانو کو سمجھایا کہ انہیں نہیں ڈرنا چاہئے۔ وہ مرجانہ کو چھوڑ دیں تھوڑی دیر بعد مرجانہ واپس آجائے گی۔ ماں آخر ماں ہوتی ہے۔ انہوں نے جلدی سے کہا "نہیں بیٹے! میں بالکل نہیں ڈرتی۔ میں یہاں اکیلی بیٹھی رہوں گی۔ تم مرجانہ کے ساتھ رہو۔ میری فکر نہ کرو۔ دیکھو اسے تنہا نہ چھوڑنا۔"

میں نے انہیں تسلّی دی "آپ اطمینان رکھیں۔ میں آپ دونوں میں سے کسی کو تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ کبھی اس کے پاس رہوں گا کبھی آپ کے پاس۔ دونوں کی خبر لیتا رہوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

اس دوران سائرہ بانو نے اس کے پاؤں کو چھوڑ دیا تھا اور مرجانہ دیوار سے لگی ہوئی آہستہ آہستہ تکلیفیں برداشت کرتی ہوئی ٹھہر ٹھہر کر بڑھتی جارہی تھی۔ دیواریں کھردری تھیں کبھی اسے دیوار پر پتھر محسوس ہوتے، کبھی مٹی۔ ایسا لگتا تھا کہ اندر ہی اندر زمین کو کھود کر وہ تہہ خانہ بنایا گیا ہو۔

میں اس کے دماغ میں بیٹھا انتظار کرتا رہا کہ وہ آگے بڑھتے بڑھتے دیوار کے اس کنارے تک پہنچ جائے گی۔ یہاں سے دوسری دیوار شروع ہوگئی۔ جیسا کہ ایک کمرے کی چار دیواری ہوتی ہے کسی کمرے کی ایک دیوار سے لگ کر چلا جائے تو چاروں سمت چلنے والے کو مڑنا پڑتا ہے مگر مرجانہ بڑی دیر تک چلنے کے بعد بھی کسی سمت نہ مڑی۔ وہ دیوار سیدھی چلی گئی تھی۔ تب میں نے اس سے کہا "مرجانہ! رک جاؤ۔"

وہ رک گئی۔ پھر نڈھال ہوکر آہستہ آہستہ بیٹھنے لگی میں محسوس کررہا تھا کہ اس کے دماغ میں کیسی سنسناہٹ ہے اور کس طرح اس کے زخم سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ اور کیا کررہی ہے؟ جیسے وہ بے خودی کے عالم میں دیوار سے لگ کر اتنی دُور چلی آئی تھی اور چلے آنے میں اس کے ارادے کا دخل نہیں تھا۔ بس اس کی ضدی طبیعت اسے وہاں تک کھینچ لائی تھی۔ میں نے اسے آرام کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ اسے سمجھا دیا کہ بس آگے نہ بڑھے۔ پہلے اپنے آپ کو سنبھالے، واپس جانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کی امی کو اس کے پاس ہی پہنچا دیتا ہوں۔

یہ کہہ کر میں سائرہ بانو کے پاس پہنچا۔ پھر انہیں کہا "مرجانہ تھوڑی دُور جاکر تھک گئی ہے اور بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ اس کے پاس آجائیں۔"

"بیٹے! میں اس اندھیرے میں کیسے جاؤں؟ وہ کہاں ہوگی؟"

میں نے کہا "اگر آپ اپنے پاس والی دیوار پر پیٹھ لگا کر آگے بڑھیں گی تو آپ کو دائیں طرف چلنا پڑے گا اور اگر اس دیوار کے رُوبرو کھڑی ہوکر دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے چلیں گی تو پھر بائیں طرف چلتے ہوئے آپ اپنی بیٹی تک پہنچ جائیں گی۔"

وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سوچنے لگیں کہ دیوار کس سمت ہے۔ انہوں نے کدھر منہ کرنے کے بعد بیٹی کے پاؤں کو پکڑا تھا۔ وہ سوچتے ہوئے ایک طرف کھسکنے لگیں مگر کھسکنے کے باوجود دیوار نہیں ملی۔ میں نے پریشان ہوکر پوچھا "امی! آپ یہ کیا کررہی ہیں؟ کدھر جارہی ہیں؟ دیوار تو آپ کے قریب ہی ہونی چاہئے؟"

"ہاں بیٹا! ابھی تو اِدھر ہی تھی۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگیں پھر کچھ آگے بڑھ گئیں۔ بڑھتے ہی ان کا ہاتھ دیوار سے لگ گیا۔ تب میں نے اطمینان کی سانس لے کر کہا "ٹھیک ہے

اب آپ اس کے سہارے کھڑی ہو جائیں۔"
وہ دیوار کے رُوبرو دونوں ہاتھ ٹیک کر کھڑی ہو گئیں پھر اس دیوار کو ٹٹولتے ہوئے بائیں طرف بڑھنے لگیں۔ میں ان کے ساتھ لگا رہا اور ان کے ہاتھوں سے اور دماغ سے یہ محسوس کرتا رہا کہ وہی دیوار ہے کیونکہ کہیں کہیں دیوار پر پتھر اور کہیں کہیں مٹی محسوس ہوتی تھی۔ وہ میرے اندازے کے مطابق صحیح سمت جا رہی تھیں۔ میں انتظار کرتا رہا کہ وہ آگے بڑھتے بڑھتے مرجانہ تک پہنچ جائیں گی۔ تھوڑی دیر بعد اچانک اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ حماقت یوں کہ مرجانہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بہت ٹھہر ٹھہر کر آگے بڑھ رہی تھی۔ اس لئے اس نے بہت کم فاصلہ طے کیا تھا لیکن سائرہ بانو تو چاق و چوبند تھیں۔ وہ جلدی جلدی دیوار کا سہارا لیتے ہوئے بڑھ رہی تھیں۔ جتنی دیر میں نے انتظار کیا اتنی دیر میں وہ بہت دُور نکل گئی تھیں اور اس کے باوجود انہیں مرجانہ کہیں محسوس نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے آہستگی سے آواز دی "بیٹی! تم کہاں ہو؟"
جواب میں بیٹی کی آواز سنائی نہیں دی۔ شاید بیٹی نے آواز نہیں سنی تھی۔ میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "تمہاری امّی تمہیں آواز دے رہی ہیں۔ کیا تم نے نہیں سنا؟"
"نہیں۔ میں نے تو نہیں سُنا، امّی کہاں ہیں؟"
پھر اس نے بلند آواز سے پکارا "امّی آپ کہاں ہیں؟"
وہاں تہہ خانے کے سناٹے میں آواز گونجتی ہوئی دُور تک گئی۔ میں سائرہ بانو تک پہنچ گیا۔ مرجانہ کی آواز انہوں نے سنی تھی۔ لیکن وہ آواز بہت دُور سے آئی تھی۔ انہوں نے جواباً چیخ کر کہا۔ "بیٹی! میں یہاں ہوں۔ میں تو فرہاد کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہوئے دیوار کے رُوبرو بائیں طرف چلتی جا رہی ہوں لیکن تم سے ملاقات نہیں ہو رہی۔"
میں نے کہا "امّی! آپ اندھیرے میں گڑبڑا گئی ہیں۔ مرجانہ جس دیوار کا سہارا لے کر آگے بڑھی تھی، شاید آپ نے اس دیوار کا سہارا نہیں لیا ہے۔ یہ کوئی دوسری دیوار ہے۔"
یہی بات میں نے مرجانہ کو بتائی "امّی اندھیرے میں بھٹک رہی ہیں۔ اس سے ہو کہ کسی دوسری دیوار کا سہارا لے رہی ہیں۔ میں نے انہیں روک دیا ہے۔ اب سوچنا ہے کہ تم دونوں کیسے پھر ایک جگہ آسکتی ہو؟"
تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ میرا دماغ تیزی سے سوچتا رہا۔ پھر میں نے مرجانہ سے کہا "ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔ تمہاری امّی جہاں تمہارے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہیں تھوڑا سا کھسکتے ہوئے دوسری دیوار کے پاس پہنچ گئی تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگ کسی کمرے یا تہہ خانے میں نہیں بلکہ سُرنگ میں ہو اور یہ سُرنگ زیادہ چوڑی نہیں ہے۔ تم جس دیوار سے لگی کھڑی ہو اگر دو تین قدم بھی آگے بڑھو تو شاید تمہیں اپنے سامنے دوسری دیوار مل جائے گی۔"
وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ دیوار کا سہارا لے کر پھر کراہتے ہوئے بڑی مشکل سے اٹھنے لگی۔ مارے درد کے اس کا سر پھٹا جا رہا تھا۔ ظالموں نے بڑی بیدردی سے اس کے سر پر ضرب لگائی تھی، ورنہ مرجانہ ایسی لڑکی تھی کہ معمولی چوٹوں کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ اس نے بچپن ہی سے دُکھ، تکلیفیں برداشت کرنے کی ہمت پائی تھی لیکن اس وقت وہ تکلیف برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ یقیناً اس کا سر اس بُری طرح زخمی ہوا تھا کہ اس کے لئے باقاعدہ علاج کی بھی ضرورت تھی۔
وہ تھوڑی دیر تک دیوار سے پیٹھ لگائے ہانپتی رہی اور تکلیف کو برداشت کرتی رہی پھر اس نے آہستہ سے پاؤں اٹھائے کہ پہلے ایک قدم، پھر دوسرا قدم اور پھر تیسرا قدم رکھا۔ سامنے کی سمت اندھیرے میں دونوں ہاتھوں کو آگے بڑھا کر راستہ ٹٹولتے ہوئے چلنے لگی۔ چوتھے قدم پر اس کا ہاتھ ایک دیوار سے لگ گیا۔ یقیناً وہ کوئی سُرنگ تھی۔ میں نے کہا "میرا اندازہ درست ہو رہا ہے۔ اب تم ذرا اوپر ہاتھ اٹھا کر دیکھو۔ اگر یہ سُرنگ ہے تو اس کی چھت بھی نیچی ہوگی۔"
لیکن وہ ہاتھ اٹھا کر نہ دیکھ سکی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر اِدھر سے اُدھر ڈگمگا رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ بیٹھنے لگی۔ کراہتے ہوئے کہنے لگی "فرہاد! میں ..... مجھ سے اب برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ شاید میں بے ہوش ہو جاؤں۔ امّی کا خیال رکھو۔" یہ کہتے کہتے وہ زمین پر دوزانو ہوئی۔ اس کے بعد اوندھے منہ گر پڑی۔ دُور کہیں سے سائرہ بانو کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کو پکار رہی تھیں پھر اُن کی آواز آہستہ آہستہ گم ہونے لگی۔ میں سمجھ گیا کہ مرجانہ بے ہوش ہو گئی ہے اور اب میں اس کے دماغ سے دوسروں کو نہیں سن سکوں گا۔ میں اس کے پاس سے نکل کر سائرہ بانو کے پاس پہنچا۔ پھر ان سے کہا "آپ خاموش ہو جائیں۔ مرجانہ ابھی جواب نہیں دے سکے گی۔ وہ بہت کمزور ہو گئی ہے۔ اس وقت ایک جگہ لیٹی ہوئی ہے۔ اسے آنکھیں بند کر کے چُپ چاپ لیٹنے دیں۔ میں آپ کی رہنمائی کرتا رہوں گا آپ آہستہ آہستہ وہاں پہنچنے کی کوشش کریں۔"
میں نے سائرہ بانو کو یہ نہیں بتایا کہ مرجانہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ ایسا کہنے پر وہ اور پریشان ہو جاتیں اور اپنی بیٹی کے لئے چیخنا چلانا اور رونا شروع کر دیتیں۔ میں نے کہا "آپ اب تک بائیں طرف بڑھتی جا رہی تھیں۔ اب آپ دائیں طرف بڑھنا شروع کر دیں۔ میرا اندازہ ہے کہ آپ اُدھر پہنچ جائیں گی، جہاں وہ لیٹی ہوئی ہے۔"
وہ میری ہدایت کے مطابق اب دیوار سے لگ کر دونوں ہاتھوں سے دیوار کو ٹٹولتے ہوئے دائیں طرف بڑھنے لگیں۔ میں ان کے دماغ میں موجود رہا۔ تاکہ کہیں وہ پھر بھٹک جائیں لیکن تقدیر میں کچھ اور لکھا تھا۔ اچانک ڈاکٹر ہیکی براڈلے میرے کمرے میں آ گیا۔ وہ میرے چہرے پر لگی ہوئی پلاسٹر کی پٹیوں کا معائنہ کرنا چاہتا تھا۔ یوں بھی وہ روز صبح و شام معائنہ کرتا تھا اور ان پٹیوں کے اوپر ہی کچھ دوائیں لگایا کرتا تھا۔ اس کے آنے کے باعث میں ذرا دیر کے لئے اس سے باتوں میں اُلجھ گیا۔ بمشکل دو تین منٹ اس کے ساتھ میں نے ضائع کئے ہوں گے۔ پھر میں نے اس سے معذرت چاہتے ہوئے کہا "دیکھئے! اس وقت میں بہت ضروری خیال خوانی میں مصروف ہوں۔ آپ خیال نہ کریں۔ اپنا کام کرتے رہیں، میں چُپ چاپ پڑا رہوں گا۔"
ڈاکٹر ہیکی براڈلے نے کہا "بیشک! میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گا۔ تم اپنا کام کرو۔"
میں دوسرے ہی لمحے سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اسی طرح دیوار کو ٹٹولتے ہوئے دائیں طرف بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ میں چُپ چاپ ان کے دماغ میں موجود رہا۔ جب وہ بہت دیر تک چلتی رہیں تو میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟ کیا آپ کو مرجانہ نہیں ملی؟"
"نہیں، وہ تو کہیں نہیں ہے۔"
"جس طرح آپ آگے بڑھتی جا رہی ہیں، اس حساب سے اب تک آپ مرجانہ کے پاس پہنچ کر ضرور اس سے ٹکرا جاتیں۔ آپ کے پاؤں اس کی طرف بڑھتے تو آپ اسے محسوس کر لیتیں۔ لیکن آپ کہاں جا رہی ہیں؟ کیا آپ نے دیوار تو نہیں بدل دی؟"
"نہیں، میں اسی دیوار سے لگ کر چل رہی ہوں۔ ہاں مگر دیوار پھر دوسری طرف مڑ گئی تھی۔ میں بھی اس کے ساتھ چلتے ہوئے آگے بڑھ گئی ہوں۔ کیا تم یہ سب محسوس نہیں کر رہے تھے ....؟"
میں نے پریشان ہو کر کہا "میں یہاں ہسپتال کے کمرے میں ڈاکٹر چند سیکنڈ کے لئے ڈاکٹر سے باتیں میں مصروف ہو گیا تھا۔ ان چند سیکنڈ میں پتہ نہیں آپ کیسے ایک دیوار سے دوسری دیوار تک پہنچ گئیں۔"
"بیٹے! یہ دوسری دیوار نہیں ہے۔ اسی دیوار کے سلسلے میں چلی آ رہی ہوں۔ بس یہی ہے کہ یہ ایک طرف مڑ گئی ہے۔"
"اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سُرنگ دوسری طرف مڑ کر بھی گئی ہے یعنی اس سُرنگ میں کئی سمت راستے گئے ہیں۔ بڑی مشکل ہے۔ آپ تو راستے سے بھٹک گئی ہیں جدھر مرجانہ ہے اُدھر آپ نہیں جا رہی ہیں۔ ذرا دیر ٹھہر جائیے۔ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے دیجئے۔"
میرا ذہن بُری طرح اُلجھ کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ دونوں ماں بیٹی اندھیری سُرنگ میں گم ہو گئی تھیں۔ راستہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پہلے وہ ایک جگہ تھیں۔ اب بچھڑ گئی تھیں۔ یہ اور زیادہ پریشانی کی بات تھی کہ سائرہ بانو اکیلی بھٹکتی رہتیں۔ انہیں سنبھالنا بہت مشکل ہو جاتا۔ کسی نہ کسی طرح انہیں مرجانہ کے پاس پہنچانا ضروری تھا۔
ڈاکٹر ہیکی براڈلے کی آواز سنائی دی "فرہاد! کیا بات ہے تم مٹھیاں بھینچ رہے ہو؟ کیا کوئی پریشانی ہے؟"
میں نے کہا "ہاں ڈاکٹر! میرے دو ساتھی بہت ہی مصیبت میں گرفتار ہیں اور وہ ایسے حالات سے گزر رہے ہیں کہ میں ابھی ان کی مدد نہیں کر سکتا ہوں۔ سوچ رہا ہوں کہ ان کے لئے کیا کروں؟ آپ کچھ خیال نہ کریں۔ میں آپ سے باتیں نہیں کر سکوں گا۔"
یہ کہہ کر میں پھر سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا۔
وہ اپنی بیٹی کے لئے رو رہی تھیں۔ مجھے آوازیں دے کر کہہ رہی تھیں "فرہاد! تم کہاں ہو۔ تم مجھے بتاؤ، میری بیٹی خیریت سے ہے یا نہیں۔ وہ میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتی ہے؟"
"امّی! آپ اس سے بہت دُور چلی آئی ہیں۔ آپ کی آواز اس کے پاس پہنچ نہیں سکتی۔ اگر پہنچے گی تب بھی وہ اس قدر کمزوری محسوس کر رہی ہے کہ ابھی کچھ بولنا نہیں چاہتی ہے۔ میں انشاء اللہ آپ کو اس کے پاس پہنچا دوں گا۔ اب آپ ایسا کریں کہ اس دیوار سے پیٹھ لگا کر کھڑی ہو جائیں۔ اس کے بعد بالکل سیدھی آہستہ آہستہ قدم بڑھائیں، دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتی رہیں۔ آپ کو سامنے ہی ایک دیوار ملے گی۔ جب وہاں پہنچ جائیں گی تو پھر آگے بتاؤں گا۔"
وہ دیوار سے پیٹھ لگانے کے بعد سامنے کی طرف بڑھنے لگی اندھوں کی طرح دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر راستہ ٹٹولنے لگیں لیکن اس طرح ٹٹولنے کے باوجود وہ ایک جگہ ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ گر پڑیں۔ ان کے حلق سے چیخ نکلی۔ میں نے تسلی دی "ہمت سے کام لیں۔ کوئی بات نہیں ہے۔ اندھیرے میں ٹھوکر لگتی ہی ہے۔ آپ اٹھنے کی کوشش کریں....."
انہیں تسلی دیتے ہی میں نے ان کی سوچ پڑھی تو پتہ چلا کہ انہوں نے ٹھوکر نہیں کھائی تھی۔ بلکہ کسی نے ٹانگ اڑا دی تھی اور وہ اوندھے منہ گر پڑی تھیں۔ وہ چیخنے لگیں "کون ہے؟"
اسی وقت کسی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے انہیں اٹھایا۔ وہ پھر چیخنے لگیں "کون ہے، مجھے بتاؤ تم کون ہو؟ خدا کے

لئے رحم کرو۔ ہم ماں بیٹی پر ظلم نہ کرو۔"

ان کے بولنے کے دوران دو آدمیوں نے انہیں دو طرف سے پکڑ لیا۔ پھر انہیں ایک طرف لے جانے لگے وہ تڑپنے اور مچلنے لگیں، چیخنے لگیں "مجھے چھوڑ دو۔ میری بیٹی کے پاس مجھے جانے دو خدا کے لئے ہم ماں بیٹی پر ظلم نہ کرو۔ تم جو چاہو گے میں تمہاری ہر بات، ہر مطالبہ پورا کردوں گی۔ لیکن میری بیٹی اس وقت بہت کمزور ہے۔ اسے سخت چوٹیں آئی ہیں، خدا کے لئے مجھے جانے دو۔"

میں جانتا تھا کہ سائرہ بانو کو گرفت میں لینے والے اپنی آواز نہیں سنائیں گے۔ اب انہیں بچانے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ میں فوراً ہی سائرہ بانو کے دماغ میں قابض ہو گیا۔ چلتے چلتے یکبیک انہوں نے الٹی قلابازی کھائی۔ دو طرف سے انہیں گرفت میں لیا گیا تھا۔ ان کی گرفت ایک دم ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک ادھیڑ عمر عورت قلابازی کھانے کے کرتب دکھا سکتی ہے۔ گرفت ڈھیلی ہوتے ہی سائرہ بانو نے دونوں ہاتھوں کو زور سے جھٹکا دیا۔ وہ دونوں لڑکھڑاتے ہوئے شاید پیچھے چلے گئے تھے کیونکہ اب وہ سائرہ بانو کے پاس نہیں تھے۔ اندھیرے میں گم ہو چکے تھے۔

میں نے سوچا کہ میں سائرہ بانو کو اپنا معمول بنا کر ان کے دماغ پر قابض ہو کر کیا کر سکتا ہوں۔ میں اسی طرح کرتب تو دکھا سکتا تھا اور بچاؤ کے لئے کوششیں کر سکتا تھا لیکن جوابی حملے اس لئے نہیں کر سکتا تھا کہ سائرہ بانو ہاتھ پاؤں کی نازک تھیں اگر وہ گھونسے یا کراٹے کے ہاتھ جماتیں تو دشمنوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔

بہرحال سائرہ بانو کو مصیبتوں سے نجات دلانے کا یہی ایک راستہ تھا کہ میں ان کے دماغ کو اپنا لوں اور انہیں گم ہو جانے دوں۔ لہٰذا سرنگ کے اس اندھیرے میں اس وقت جسمانی طور پر تو سائرہ بانو تھیں لیکن دماغی طور پر میں کھڑا ہوا تھا اور دشمن مجھے ڈھونڈ رہے تھے اور میں پیچھے کی طرف ہٹتے ہوئے ان سے کترا رہا تھا۔ تاکہ نہ وہ میرے قریب آئیں۔ نہ سائرہ بانو کے ہاتھ سے مجھے لڑنے کی ضرورت پیش آئی۔ پیچھے ہٹتے وقت سائرہ بانو کا بدن دیوار سے لگ گیا۔ یعنی میں جو دماغی طور سے وہاں موجود تھا، میں دماغی طور سے وہاں لگ گیا تھا اور وہاں کھڑا ہوا سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ دوسری طرف سے بھی خاموشی تھی۔ شاید وہ لوگ اندھیرے میں تلاش کر رہے تھے کہ شکار کہاں گیا؟ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد مجھے اچانک یہ خیال آیا کہ میں ان لوگوں سے سائرہ بانو کو بچانے کی حماقت کر رہا ہوں۔

حماقت اس طرح کہ مجھے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ لوگ سائرہ بانو کو کہاں لے جاتے ہیں۔ یقیناً اس سرنگ سے باہر ایسی جگہ لے جائیں گے جہاں حشمت بیگ یا جلال بیگ اس دولت تک پہنچنے کا راستہ معلوم کر سکیں۔ اس کے لیے وہ یقیناً صرف سائرہ بانو کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

یہ سوچتے ہی میں نے بچاؤ کا ارادہ دماغ سے نکال دیا اور وہیں سے سائرہ بانو کی آواز میں چیخ کر کہا "دیکھو! خبردار میرے قریب نہ آنا۔ ورنہ بہت برا ہو گا۔"

ایسا کہنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ میری آواز سن کر اس سمت میں آئیں اور مجھے پکڑ لیں۔ یعنی سائرہ بانو کو اٹھا کر لے جائیں اور یہی ہوا۔ آواز سنتے ہی وہ اندھیرے میں اندازہ کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ میں سائرہ بانو کے دماغ میں ہی موجود رہا۔ کیونکہ اگر میں اس دماغ کو آزاد چھوڑتا تو سائرہ دہشت زدہ ہو جاتیں۔ پھر چیخنے چلانے لگتیں۔ جب ان لوگوں نے مجھے (سائرہ بانو کے جسم کو) گرفت میں لیا تو میں نے زیادہ چلانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بس یونہی تھوڑی بہت جدوجہد کی، تھوڑی سی چیخ و پکار کی۔ پھر اس کے بعد چپ رہا۔ اس طرح جدوجہد نہ ہوئی۔ اب وہ لوگ سائرہ بانو کو اٹھائے ہوئے سرنگ سے گزرتے ہوئے کہیں جا رہے تھے۔

مجھے مرجانہ کی بے بسی پر افسوس ہو رہا تھا۔ میری سمجھ میں آ رہا تھا کہ میں اپنی اس دوست کی خاطر کس طرح اپنی جان داؤ پر رکھ دوں۔ میں اس کے لئے کیا کروں؟ بے چاری سرنگ کے کسی گوشے میں بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے بچاؤ کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بس ایک ہی امید تھی کہ سائرہ بانو کو لے جانے والے کہیں سرنگ سے باہر پہنچیں اور کسی حد تک بے نقاب ہوں تو پھر ان سے کھیل کھیلا جا سکتا ہے اور دوبارہ مرجانہ کے پاس آ کر اسے سرنگ سے باہر لے جایا جا سکتا ہے۔

وہ لوگ چلتے ہی جا رہے تھے۔ وقت نہیں ختم ہو رہا تھا نہیں ہو رہا تھا۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر وہ رک گئے۔ انہوں نے سائرہ بانو کو زمین پر کھڑا کیا۔ ایک نے پیچھے سے ان کے دونوں بازوؤں کو سختی سے جکڑ لیا تھا۔ دوسرا کہیں غائب ہو گیا۔ میں نے سائرہ بانو کے ذریعے اس سناٹے کی آہٹیں سننے کی کوشش کی۔ ہلکی ہلکی دھپ دھپ کی آواز سنائی دے رہی تھی اور یہ آواز اوپر کی طرف جا رہی تھی جس کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرا شخص زینے پر چڑھ رہا تھا۔ میرے جی میں آیا کہ میں ایک بار پھر سائرہ بانو کے دماغ میں گھس کر اس شخص کو مار دوں اس سے نجات حاصل کر کے خود سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر جا کر خود ہی باہر نکلنے کا راستہ تلاش کروں لیکن یہ حماقت ہوتی۔ اس لئے میں نے صبر سے کام لیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ جیسے پتھر کی سل ہٹائی جا رہی ہو اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ ہلکی ہلکی روشنی اب سرنگ کے اندر آ رہی تھی۔

اس روشنی میں ایک لوٹا پھوٹا زینہ نظر آیا اور کسی شخص کے پاؤں نظر آئے جو اوپری زینے پر تھے۔ اس کے جسم کا باقی حصہ اب اس جگہ سے باہر چلا گیا تھا جہاں سے وہ پتھر ہٹایا گیا تھا۔ میں نے سائرہ بانو کی آنکھ سے ادھر ادھر دیکھا تو زینے کے نچلے حصے میں زمین پر ایک چھوٹا سا پتھر پڑا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ میں نے پوری قوت سے سائرہ بانو کے جسم کو استعمال کرتے ہوئے اس شخص کی گرفت سے انہیں چھڑا لیا۔ پھر فوراً ہی لپک کر پتھر کو اٹھایا۔ اس سے پہلے کہ وہ شخص لڑکھڑانے کے بعد سائرہ بانو کی طرف بڑھتا، سائرہ بانو کے دونوں ہاتھوں نے بڑی مضبوطی سے اس پتھر کو اس کے سر پر دے مارا۔ اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی اور وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر بیٹھنے لگا۔ سائرہ بانو فوراً ہی پلٹ کر زینے پر چڑھنے لگیں۔ اسی وقت اوپر شاید کراہنے کی آواز پہنچی تھی۔ پھر زینے پر چڑھنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ اوپر سے کسی نے پوچھا "اگر ایک ہی عورت ہاتھ آئی ہے تو وہ کون ہے؟"

جو شخص اوپری حصے پر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے آہستگی سے کہا "ہم اندھیرے میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکے۔ اب آپ کہیں تو نیچے جا کر اس روشنی میں اسے دیکھیں کہ کون ہمارے ہاتھ آئی ہے؟"

"تو پھر میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ جا کر اس کا منہ دیکھو۔"

اس سے پہلے کہ وہ شخص اوپری زینے سے پلٹ کر نیچے آتا سائرہ بانو زینے پر سے چیختے ہوئے اوپر جانے لگیں "اللہ کے واسطے میرے حال پر رحم کرو۔ میری بچی بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔ اسے طبی امداد پہنچاؤ۔ یہ انسانی فرض ہے۔ خدا کے لئے بالکل ہی درندے نہ بن جاؤ۔"

سائرہ بانو کو اوپر آتے دیکھ کر بات کرنے والوں کو چپ سی لگ گئی۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی آواز سائرہ بانو کے کانوں تک نہیں پہنچی ہے۔ یا سائرہ بانو کے ذریعے مجھ تک نہیں پہنچی ہے وہ بہرے گونگے بن گئے۔ اوپری زینے پر کھڑے ہوئے شخص نے نیچے جھک کر سائرہ بانو کی طرف دیکھا۔ اسی وقت میں نے سائرہ بانو کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے بوکھلا کر ڈگمگانے لگیں۔ زینے پر سے گرنا چاہتی تھیں کہ پھر میں نے دماغی طور پر انہیں سنبھالا تو وہ اپنا توازن برقرار رکھ سکیں۔ پھر میں نے ان کے دماغ میں کہا "امی! ذرا خود کو سنبھالیں۔ اب تک میں نے آپ کے دماغ کو اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ دشمنوں پر یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ میرا آپ سے یا مرجانہ سے رابطہ ہے۔ آپ یہی کہیں کہ فرہاد آپ لوگوں سے دور رہا ہے اور تقریباً چھ گھنٹے سے اس نے ہم سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔"

سائرہ بانو نے پوچھا "میری بیٹی کہاں ہے؟ کیسی ہے؟"

"آپ مرجانہ کی فکر بالکل نہ کریں۔ وہ بخیریت ہے۔ آپ اس وقت گھبراہٹ، پریشانی اور خوف کا اظہار کرتی رہیں۔ یہ دشمن آپ کو جہاں لے جانا چاہیں، اطمینان سے چلی جائیں لیکن ایسی جدوجہد کرتی رہیں جیسے آپ بیٹی کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی ہوں۔ میں آپ کی بیٹی کے ساتھ رہوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ آپ کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ مرجانہ کی سلامتی کے لئے میں جیسا کہہ رہا ہوں، ویسا ہی کریں۔ فوراً گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کریں۔"

سائرہ بانو تو پریشان تھیں ہی اور خوفزدہ بھی۔ اس لئے پریشانی اور خوف کا اظہار کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ میں انہیں چھوڑ کر اوپر باتیں کرنے والے دو آدمیوں میں سے ایک کے دماغ میں پہنچا۔ جس کے دماغ میں پہنچا وہ اوپر جھاڑیوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس چار آدمی ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جس کے دماغ میں، میں پہنچا، وہ ان کا سرغنہ تھا۔

سرنگ کے زینے پر سے اٹھ کر اوپر جھاڑیوں میں جھانکنے والے آدمی نے اشارے سے کہا کہ وہ عورت زینے پر ہے۔ آ کر دیکھ لیا جائے کہ کون ہے؟

وہ سرغنہ آگے بڑھا اور اس نے وہیں سے جھانک کر اندر زینے کی طرف دیکھا۔ سائرہ بانو کا چہرہ روشنی میں آ گیا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا۔ تب جھانکنے والے کے دماغ نے کہا "اوہ! یہ تو بہت اچھا ہوا۔ سائرہ بانو ہاتھ آئی ہے۔ ہمیں اسی کی ضرورت تھی۔"

اس سوچ کے ساتھ ہی اس نے زینے کے پاس کھڑے ہوئے شخص سے اشارتاً کہا کہ سائرہ بانو کو پکڑ کر اوپر لے جائیں۔ اس کے اشاروں پر عمل کیا گیا۔ اس شخص نے سائرہ بانو کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتے ہوئے اشارے سے کہا کہ وہ چپ چاپ اوپر چلی آئے۔ سائرہ بانو ضد کر رہی تھیں۔ کبھی چیخ رہی تھیں، کبھی اپنی بیٹی سے ملنے کے لئے تڑپ رہی تھیں۔ پھر وہ اوپر آ گئیں۔

چار ماتحت آگے بڑھے۔ ان میں سے ایک نے سائرہ بانو کے منہ پر کپڑا باندھ دیا۔ پھر آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دی گئی۔ پھر دو آدمی انہیں دو طرف سے پکڑ کر جھاڑیوں کے پار لے جانے لگے۔ وہ شخص چپ چاپ کھڑا انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ

لوگ بہت دور نکل گئے اور اسے یقین ہو گیا کہ سائرہ بانو کے کانوں تک اس کی آواز نہیں پہنچے گی تب اس نے اطمینان سے اپنے سامنے کھڑے ہوئے آدمی سے کہا: "سائرہ بانو کو تو تم لوگ اندھیرے میں بھی ڈھونڈ کر لے آئے۔ اس کی بیٹی مرجانہ کہاں ہے؟"

اس آدمی نے جواب دیا: "مسٹر کیشو! آپ جانتے ہیں کہ ہم اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر گئے تھے۔ بس ایک ذرا سا یہ اطمینان تھا کہ مرجانہ بُری طرح زخمی ہے۔ شاید کہیں دم توڑ گئی ہو گی۔ ہم اس کی ماں کو آسانی سے اٹھا کر لے آئیں گے۔ لیکن اندھیرے میں پہچاننا بہت مشکل تھا۔ جب اندھیرے میں ہم نے کسی کے قدموں کی آہٹ سنی اور وہ آہٹ ہمارے قریب آتی ہوئی محسوس ہوئی تب ہم نے سمجھ لیا کہ وہ سائرہ بانو ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مرجانہ اتنی جلدی چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہو گی۔ اسی اندازے کے مطابق ہم سائرہ بانو کو اٹھا کر لے آئے۔ لیکن مرجانہ کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتے کہ وہ اس وقت اس اندھیری سرنگ میں کہاں پڑی ہو گی۔"

کیشو نے کہا: "اس لڑکی کو بھی زندہ رکھنا بہت ضروری ہے۔ جلال بیگ نے کہا تھا کہ مرجانہ کو بہت زیادہ نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اس حد تک اسے کمزور بنایا جائے کہ وہ زندہ رہ سکے۔ بہرحال ہمیں اس سرنگ کے اندر اب ٹارچ لے کر جانا ہو گا۔"

کیشو کے ماتحت نے کہا: "ہمیں اپنے ساتھ اور چار بہترین قسم کے فائیٹرز کو لے جانا چاہئے۔ کیونکہ مرجانہ کی رپورٹ ہمارے سامنے ہے۔ اس نے ہیلی کاپٹر کے پاس دیکھتے ہی دیکھتے دو آدمیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ اور باقی دو کو قیدی بنا لیا تھا۔ اس سے پہلے کا ریکارڈ بھی بڑا خراب ہے۔ ہمیں بہت محتاط ہو کر وہاں جانا ہو گا۔"

کیشو نے کہا: "تم خواہ مخواہ گھبرا رہے ہو۔ مرجانہ بُری طرح زخمی ہے۔ اس قابل بھی نہیں ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں ہلا سکے۔ اگر وہ اس قابل ہوتی تو اپنی ماں کے لئے ڈھال بن جاتی۔ بہرحال چلو چار آدمیوں کو بلا لو۔"

اسی وقت میں نے کیشو کے دماغ میں کہا: "مجھے اپنے ساتھ فرسٹ ایڈ کا سامان بھی لے جانا چاہئے۔ یقیناً مرجانہ کے زخموں کی مرہم پٹی کرنی ہو گی۔ ایسا نہ کیا جائے گا تو ہم اسے زندہ کیسے رکھ سکیں گے؟"

کیشو کا ماتحت جھاڑیوں سے گزرتا ہوا جا رہا تھا۔ کیشو نے اسے پھر آواز دے کر کہا: "اور ہاں! دیکھو فرسٹ ایڈ کا پورا سامان اٹھا کر لے آؤ۔ وہاں اس لڑکی کی مرہم پٹی کرنی ہو گی۔"

میں نے اطمینان کی سانس لی۔ پھر اسی وقت، مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ اب وہ کس ہوش میں آئی ہے یا نہیں۔ وہ اب بے ہوش نہیں تھی۔ کسی قدر ہوش میں تھی۔ لیکن اپنے آپ میں نہیں تھی۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ وہ یہ نہیں سمجھ رہی تھی کہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ سر کی تکلیف بڑھ گئی تھی کہ اب وہ تکلیف ایک طرح سے نشہ بن گئی تھی۔ وہ درد کے نشے میں تھی۔ اس پر ایک عجیب بے خودی کا عالم تھا۔ آنکھیں کھول کر دیکھتی تو اندھیرے میں کتنے ہی دیئے جلتے بجھتے آتے۔ کبھی اس کا دماغ بجھنے لگتا تھا اور کبھی دیئے کی طرح جلنے لگتا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا: "مرجانہ! میں فرہاد تمہارے پاس ہوں۔ ذرا ہمت سے کام لو۔ میں نے ابھی معلوم کیا ہے۔ دشمن تمہاری مرہم پٹی کے لئے یہاں آنے والے ہیں۔"

اس کی کمزور سوچ نے کہا: "کون ہے؟ کون مجھ سے بول رہا ہے؟ آؤ، میرے پاس آؤ۔ میرا ہاتھ پکڑ لو۔ مجھے کہیں چھپا لو۔"

"مرجانہ! میں اتنی دور ہوں کہ تمہیں اپنے بازوؤں میں نہیں لے سکتا۔ ورنہ میں ساری دنیا سے، سارے مصائب سے اور ساری تکلیفوں سے تمہیں بچا کر چھپا لیتا۔ کوئی تمہیں دیکھ نہ پاتا۔ مگر میں صرف خیال خوانی کے ذریعے ہی تمہارے پاس پہنچ سکتا ہوں۔"

اس کی سوچ نے ذرا سنبھل کر کہا: "اوہ! فرہاد، تم ہو۔ تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ دیکھو اب میں اس دنیا سے جانے والی ہوں۔ مجھے تھوڑی دیر کے لئے آ کر پکڑ لو۔ اب میں آخری بار تم سے کیا لوں کہ تمہارے بازوؤں میں مرنے کو جی چاہتا ہے۔ آہ، کہاں ہیں تمہارے بازو؟"

ایسا کہتے وقت اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ وہ ایک دم سے نڈھال ہو گئی تھی۔ اب وہ سوچ کے ذریعے بھی کچھ بولنا نہیں چاہتی تھی۔ میں بھی خاموش رہ کر آنے والوں کا انتظار کرنے لگا۔ اچھے خاصے انتظار کے بعد قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر اس تاریک سرنگ میں ٹارچ کی روشنی اِدھر سے اُدھر لہرانے لگی۔ وہ روشنی آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی بھٹکتی ہوئی مرجانہ کے قریب پہنچ گئی۔ پھر مرجانہ کو دیکھتے ہی وہ لوگ تیزی سے چلتے ہوئے اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ میں کیشو کے دماغ میں تھا اور اسی کے دماغ سے سمجھ رہا تھا کہ ٹارچ کی روشنی میں مرجانہ کا چہرہ پہچانا نہیں جا رہا ہے۔ کیونکہ بہت اتنا خون بہہ رہا تھا کہ وہ خون تمام چہرے پر پھیل گیا تھا اور سر کے بال بھی خون سے تر ہو گئے تھے اور اب وہ خون چہرے اور بالوں پر جم گیا تھا۔ وہ عجیب سی نظر آ رہی تھی۔

کیشو سوچنے لگا: "ایسے تو اس لڑکی کے زخموں پر دوائیں نہیں لگائی جا سکتیں۔ پہلے اس کے سر کو دھونا ہو گا، زخم کو

صاف کرنا ہو گا۔ اس کے بعد مرہم پٹی ہو سکتی ہے۔"

پھر سوچ کر اس نے اپنے ماتحتوں کو اشارے سے کہا کہ مرجانہ کو اٹھا کر اوپر لے چلیں۔ وہ لوگ اسے اٹھا کر لے جانے لگے اور باہر آ گئے۔ وہ مرجانہ کو غار سے باہر ایک ایسی جگہ لائے جہاں ایک خیمہ لگا ہوا تھا۔ مرجانہ کو خیمے کے اندر پہنچا دیا گیا۔ پھر پانی لا کر اس کے بالوں کو اچھی طرح دھویا گیا۔ چہرے پر سے خون کو صاف کیا گیا۔ زخموں کو بھی اچھی طرح صاف کرتے رہنے سے وہ کراہتی رہی۔ تکلیف بڑھتی رہی۔ لیکن وہ لوگ بڑی ہمدردی سے مرہم پٹی کر رہے تھے۔ دوائیں لگا کر پٹی باندھنے کے بعد اس کے بازو میں ایک انجکشن لگایا گیا۔ پھر وہ لوگ اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگے۔

وہ ہوش میں ہی تھی۔ لیکن بولنے کے قابل نہیں تھی۔ آنکھیں کھولنے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا۔ مرہم پٹی کے بعد ذرا آرام ملا تھا تو وہ اسی طرح لیٹی رہنا چاہتی تھی۔ پھر انجکشن نے اثر دکھایا تو سر کی تکلیف کچھ کم ہونے لگی۔ تب اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ وہ اوندھے منہ لیٹی ہوئی تھی لیکن سر کا پچھلا حصہ بُری طرح زخمی تھا۔ وہ چت ہو کر لیٹ نہیں سکتی تھی۔ اسے خیمے کے اندر کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔ سامنے ہی ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پیچھے دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے آنکھ کھولتے ہی پوچھا: "میری امی کہاں ہیں؟"

کیشو نے جواب دیا: "تم فکر نہ کرو۔ وہ خیریت سے ہیں اور ہم نے انہیں حشمت بیگ کا مہمان بنا کر بھیج دیا ہے۔ وہ پیرس پہنچنے والی ہوں گی۔"

حشمت بیگ جیسے دشمن کا نام سنتے ہی مرجانہ کو غصہ آنے لگا تھا۔ آہستہ آہستہ میں نے اس سے کہا: "دیکھو! مرجانہ اپنے دماغ میں ایک ذرا سا غصے کو پیدا نہ ہونے دو ورنہ تمہیں بہت نقصان پہنچے گا۔ تم بہت کمزور ہو اور تمہارا دماغ اس وقت غصیلے جذبات کا متحمل نہ ہو سکے گا۔ بالکل پُرسکون رہو۔ میں تمہاری امی کے ساتھ رہوں گا۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

مرجانہ کی سوچ نے کہا: "تو پھر تم میرے پاس کیوں ہو؟ فوراً جاؤ اور میری امی کے ساتھ رہو۔ میری فکر نہ کرو۔"

"میں جا رہا ہوں مگر وعدہ کرو کہ جب تک تمہارے سر کا زخم ٹھیک نہ ہو جائے اور تم اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو جاؤ۔ اس وقت تک دشمنوں کے خلاف کوئی حرکت نہ کرنا۔ میرا انتظار کرتی رہنا۔ میں آ جاؤں گا تب ہی کچھ کیا جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔ اب تم ان کے پاس جاؤ۔"

میں اس سے رخصت ہو کر سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا۔ کافی دیر سے میں نے ان کی خبر نہیں لی تھی۔ ویسے اطمینان تھا کہ انہیں کوئی جانی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ کیونکہ ان کی بے انتہا دولت کی دشمنوں کو ضرورت تھی اور وہ مرجانہ کے انتقام سے بھی بچنا چاہتے تھے اس کے لئے سائرہ بانو کی زندگی ضروری تھی۔

جب میں سائرہ بانو کے پاس پہنچا تو وہ ہیلی کاپٹر میں بیٹھی ہوئی تھیں اور ہیلی کاپٹر انجانی سمت پرواز کر رہا تھا۔ اب ان کی آنکھوں کی پٹیاں کھول دی گئی تھیں۔ منہ پر سے بھی کپڑا ہٹا لیا گیا تھا۔ میں نے کہا: "امی! میں حاضر ہوں۔ دیر اس لئے ہو گئی کہ اب تک آپ کی بیٹی کے پاس تھا۔ اس کی مرہم پٹی ہو چکی ہے۔ اب وہ آرام سے ایک بستر پر لیٹی ہوئی ہے تو میں مطمئن ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔"

ان کی ممتا نے تڑپ کر پوچھا: "میری بیٹی بالکل خیریت سے ہے نا؟"

"بالکل خیریت سے ہے۔ آپ ذرا بھی فکر نہ کریں۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو یا مجھے بہلا رہے ہو؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں امی۔ آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولیں: "ہاں! ٹھیک ہے۔ ابھی مجھے پتہ چل جائے گا کہ میری بیٹی خیریت سے ہے یا نہیں۔"

میں نے پوچھا: "کیسے پتہ چلے گا؟"

انہوں نے جواب دیا: "یہ جو دشمن مجھے یہاں سے لے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اس شرط پر میرے منہ پر اور آنکھ پر سے پٹی کھولی ہے کہ میں شور نہیں مچاؤں گی اور کسی کو مدد کے لئے نہیں پکاروں گی۔ تب مجھے پیرس پہنچتے ہی میری بیٹی کی آواز سنائی جائے گی اور مجھ سے بات کرائی جائے گی۔ یوں مجھے اس کی خیریت کا علم ہو جائے گا اور اگر میں شور مچاؤں گی یا کسی کو مدد کے لئے پکاروں گی تو پیرس پہنچتے ہی مجھے میری بیٹی کی لاش کی تصویر دکھائی جائے گی۔ میں کبھی اس کی لاش کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ میرے اندر تھرتھری سی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نے ان کی ہر بات مان لی ہے اور میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ کسی کو اپنی مدد کے لئے نہیں پکاروں گی۔ میں صرف اپنی بیٹی کی سلامتی چاہتی ہوں اور اسی امید پر اپنی بچی سے دور پیرس جا رہی ہوں کہ وہاں پہنچتے ہی اس سے رابطہ قائم ہو گا اور اس سے باتیں ہو سکیں گی۔"

"آپ کو پتہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو پیرس میں کہاں لے جائیں گے؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ میرے ہی بنگلے میں لے جائیں گے اور مجھ سے معلوم کرنا چاہیں گے کہ میری وہ خفیہ دولت

کہاں سے جسیس کا چرچا عام ہو رہا ہے؟"

میں نے کہا: "میری معلومات کے مطابق آپ کو حشمت بیگ کا مہمان بنا کر لے جایا جا رہا ہے۔"

وہ سن کر پریشان ہو گئیں۔ میں نے کہا: "پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں کہ وہ ذلیل آدمی ہے لیکن میں آپ کے ساتھ موجود رہوں گا تو وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"بیٹے! مجھ پر تو یہ بات صادق آتی ہے کہ مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں۔ میں اتنی مشکلات سے گزرتی رہی ہوں کہ میں اپنی ذات کے لئے اب کبھی پریشان نہیں ہوتی جب سے میں ماں بنی ہوں۔ میں نے مرجانہ کو جنم دیا ہے۔ تب سے میری زندگی کا مقصد ایک ہی ہے۔ میری بیٹی اور اس کی سلامتی۔ میری تم سے التجا ہے کہ اس کا ساتھ کبھی نہ چھوڑو۔ میری فکر بالکل نہ کرو۔ ہو سکے تو ہر لمحہ اس کے ساتھ رہ کر اس کی حفاظت کرتے رہو۔ دشمن اسے مارنے پر تلے ہوئے ہیں اور مجھ سے ذرا بھی کوئی غلطی ہوئی یا میں نے کسی بات کو ماننے سے انکار کر دیا تو وہ مرجانہ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ کسی طرح تم اسے ان کی قید سے نکال کر لے جاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ مجھ پر بڑا احسان ہوگا اور میں سکون سے مر سکوں گی۔"

"امی آپ کے دشمن مریں گے۔ آپ مرنے کی بات نہ کریں۔ زندہ رہنے کی باتیں کریں۔ آپ کی بیٹی بھی زندہ سلامت رہے گی اور بہت جلد میں ماں بیٹی کو ملا دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ بس تین دن میرے چہرے کی پٹیاں کھلنے میں باقی رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد دیکھئے کہ میں دشمنوں کا کیا حشر کرتا ہوں؟"

میں انہیں تسلی دے کر واپس جانا چاہتا تھا کہ ان کی سوچ کے ذریعے پتہ چلا، ہیلی کاپٹر کی پرواز نیچی ہو رہی ہے۔ ان کی سوچ نے کہا: "یہ ہیلی کاپٹر کسی عمارت کی چھت پر اتر رہا ہے اور چونکہ میں یہاں سے ایک بار گزر چکی ہوں۔ اس لئے اس شہر کو پہچان رہی ہوں۔ یہ روم ہے۔"

میں نے پوچھا: "آپ کو یاد ہے کہ یہ ہیلی کاپٹر کہاں کہاں سے پرواز کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے؟"

"جب مجھے ہیلی کاپٹر میں بٹھایا گیا تو اس وقت میری آنکھیں بند تھیں۔ پرواز کرنے کے بعد بہت دیر تک میری آنکھوں پر پٹی بندھی رہی۔ پھر وہ پٹی کھول دی گئی۔ تب میں نے دیکھا کہ ہیلی کاپٹر سمندری حصے سے گزر رہا ہے۔ پھر اس کے بعد خشکی کا حصہ آیا اور اب روم کا وسطی حصہ ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اٹلی کے کسی شہر سے پرواز کرتے ہیں اور سمندر کے چھوٹے حصے کو عبور کرکے بحیرہ روم میں کسی جزیرے میں پہنچتے ہیں۔ جہاں آپ لوگوں کو قید کیا گیا تھا۔ وہ جزیرہ ہے۔"

"جانے دو۔ کوئی سی بھی جگہ ہو۔ تم مرجانہ کے پاس رہو۔"

"آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میں ابھی اس کے پاس سے آ رہا ہوں۔ وہ آنکھیں بند کیے آرام سے لیٹی ہوئی ہے۔ اور ابھی کسی طرح بھی ڈسٹرب نہیں کرنا ہے۔ اسی لیے میں تھوڑا سا آپ کے ساتھ گزار رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے یہاں پہنچنے کے بعد دشمن آپ سے کچھ باتیں کرتے ہیں یا نہیں۔ دشمن کی باتیں سننا میرے لیے حد ضروری ہے۔ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو آپ لوگوں کی حفاظت کرنا دشوار ہو جائے گا۔"

وہ خاموش رہیں۔ اس وقت تک وہ ہیلی کاپٹر ایک عمارت کی چھت پر اتر گیا تھا۔ اور اب سائرہ بانو دو محافظوں کی نگرانی میں ہیلی کاپٹر سے اتر رہی تھیں۔ سامنے ہی کھلی ہوئی چھت پر جان عالم اپنے ماتحتوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سائرہ بانو کو دیکھ کر بڑے ہی ادب سے کہا: "ہیلو مادام! میں جان عالم ہوں اور پیرس سے بات کرنے والے کو آپ کے سامنے لایا نہیں جا سکتا۔ آپ لوگوں سے گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ صرف مجھے ہی ترجمانی کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ ایک بھاری معاوضے کے لالچ میں ایسا کر رہا ہوں۔ بہرحال آئیے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

سائرہ بانو نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "میں پہلے اپنی بیٹی سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

جان عالم نے کہا: "آپ اطمینان رکھیں۔ اس کا بھی انتظام ہو چکا ہے۔ نیچے ایک کمرے میں چلیں۔ وہاں آپ کی بیٹی سے گفتگو کرا دی جائے گی۔"

وہ لوگ چھت سے اتر کر زینہ طے کرتے ہوئے ایک کمرے میں پہنچے۔ اس دوران میں جان عالم کی سوچ پڑھتا رہا اور معلوم کرتا رہا کہ وہ سائرہ بانو سے کیا باتیں کرنا چاہتا ہے۔ ایک کمرے میں آئے۔ وہاں سائرہ بانو کے لیے چائے اور ناشتے کا اچھا خاصا انتظام تھا۔ وہ کھانا پینا نہیں چاہتی تھیں۔ انہیں بھوک لگی ہوئی تھی لیکن جان عالم نے سمجھایا: "دیکھئے، آپ کی زندگی آپ کی بیٹی کے لیے ضروری ہے۔ اور زندہ رہنے کے لیے آپ کو کھانا چاہیے۔ یقیناً آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہوگا۔"

میں نے بھی سوچ کے ذریعے انہیں سمجھایا تو وہ ہلکا سا ناشتہ کرنے بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد جان عالم نے کہا: "میرے باس کی خواہش ہے کہ میں اس کا پیغام آپ تک پہنچا دوں۔ پیغام یہ ہے کہ آپ پیرس پہنچتے ہی پہلے حشمت بیگ سے ملاقات کریں۔ اور ان کی میزبانی قبول کریں۔ اس کے بعد جس اہم معاملے پر وہ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ پوری سچائی سے ان سے آپ گفتگو کریں۔ اگر آپ نے حشمت بیگ کے ساتھ تعاون کیا تو آپ کی بیٹی کل صبح تک آپ کو واپس مل جائے گی۔"

سائرہ بانو اس کی باتیں سنتی رہیں اور ناشتہ کرتی رہیں۔ پھر انہوں نے ایک پیالی چائے پی۔ اس وقت تک ان کے سامنے ایک ٹرانسمیٹر لا کر رکھ دیا گیا تھا اور جان عالم اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے اس کیمپ سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ جہاں ایک خیمے میں مرجانہ پڑی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ جان عالم نے کہا: "ہیلو میں جان عالم بول رہا ہوں۔ سائرہ بانو یہاں پہنچ گئی ہیں۔ اب پروگرام کے مطابق دونوں ماں بیٹی کی گفتگو کرائی جائے۔ اوور۔"

"اچھی بات ہے۔ ایک منٹ انتظار کریں۔ ابھی میں رابطہ قائم کروں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

میں دوسری طرف بات کرنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ یہ معلوم کرنے کو کہ گفتگو کرانے میں ایک منٹ کی دیر کیوں ہوگی۔ پتہ چلا کہ وہ بات کرنے والا ٹرانسمیٹر کے ساتھ دوسرے خیمے میں تھا اور اب ٹرانسمیٹر کو لے کر اس خیمے سے نکل کر مرجانہ کے خیمے میں پہنچ رہا تھا۔ مرجانہ آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے بازو پکڑ کر پہلے اسے جھنجھوڑا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر اس نے کہا: "دیکھو تمہاری ماں ٹرانسمیٹر کے ذریعے تم سے گفتگو کرنا چاہتی ہے۔ لو اس سے باتیں کرو۔"

مرجانہ نے ماں کا نام سن کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن سر میں ایسی ٹیسیں اٹھیں کہ وہ پھر بستر پر گر پڑی۔ اس شخص نے کہا: "اٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹرانسمیٹر مائیک کو اپنے ہاتھ میں لے لو۔ میں ٹرانسمیٹر کو کنٹرول کرتا رہوں گا۔"

جب مرجانہ نے مائیک کو اپنے ہاتھ میں لیا تو میں واپس سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے اپنی بیٹی کی آواز سنی: "ہیلو۔ امی میں مرجانہ بول رہی ہوں۔ آپ کہاں ہیں؟ خیریت سے ہیں یا نہیں؟ اوور۔"

"بیٹی میں بالکل خیریت سے ہوں۔ اس وقت روم میں ہوں اور پیرس جانے والی ہوں۔ وہاں حشمت بیگ سے ضروری معاملات پر گفتگو ہوگی۔ ان لوگوں نے وعدہ کیا ہے کہ اگر میں نے ان کی شرائط تسلیم کر لیں تو تمہیں میرے پاس پہنچا دیں گے۔ میں سب کچھ مان لوں گی۔ ان کی شرط کچھ بھی ہو۔ اوور۔"

"نہیں امی، آپ غلط بات کبھی تسلیم نہ کریں اور نہ ہی اپنی اس دولت کا راز دشمن کو بتائیں۔ اگر آپ نے ہمت ہار دی تو ہم سب ہار جائیں گے۔ میں آپ سے زیادہ باتیں نہیں کر سکتی۔ میرے سر میں شدید تکلیف ہے۔ آپ اس سلسلے میں فرہاد سے مشورہ لیں۔ اس کے مشورے پر ہی آپ عمل کریں۔ یقیناً آپ نقصان میں نہیں رہیں گی۔"

میں نے امی کے دماغ میں کہا: "آپ کی بیٹی اس وقت بہت تکلیف میں ہے۔ اس کے سر پر اتنی شدید چوٹ آئی ہے کہ اسکی ہمت ہے جو برداشت کر رہی ہے۔ آپ اس سے زیادہ باتیں نہ کریں۔ میں آپ کی رہنمائی کرتا رہوں گا۔"

انھوں نے مائیک پر کہا: "بیٹی ٹھیک ہے تمہارے سر میں تکلیف ہے تو آرام کرو۔ میں پیرس پہنچنے کے بعد حشمت بیگ سے کہوں گی، پھر تم سے گفتگو کرائی جائے۔ میں تم سے باتیں کیے بغیر، تمہاری خیریت دریافت کیے بغیر سکون سے نہیں رہ سکوں گی۔ اب آرام کرو۔ اوور اینڈ آل۔"

جان عالم نے ٹرانسمیٹر کو بند کرتے ہوئے سائرہ بانو سے پوچھا: "ابھی آپ کی بیٹی فرہاد صاحب کا ذکر کر رہی تھی۔ کیا فرہاد صاحب ہمیشہ آپ لوگوں کے پاس موجود رہتے ہیں؟"

سائرہ بانو نے جواب دیا: "اس سے تمھیں کوئی مطلب نہیں ہے۔ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔"

"آپ کے ذاتی معاملات سے حشمت بیگ کو دلچسپی ہے۔ اس لیے ہم یہ سوال کر رہے ہیں۔ ویسے آپ جواب نہیں دیں گی۔ تو وہاں حشمت بیگ کے پاس پہنچ کر جواب دینا ہوگا۔ اور یہ آپ کو سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ حشمت بیگ سے تعاون کریں گی۔ تو آپ کی بیٹی آپ کو صبح تک واپس مل جائے گی۔"

سائرہ بانو نے تھکے ہوئے انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے کہا: "امی اب آپ اطمینان سے پیرس جائیں۔ فکر نہ کریں۔ میں مرجانہ کے پاس جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں مرجانہ کے پاس آیا۔ وہ آنکھیں بند کیے پڑی ہوئی تھی۔ اس کا دماغ پرسکون تھا۔ سر کی تکلیف بھی کم تھی۔ میں نے اسے نہیں چھیڑا۔ چپ چاپ اس کی خیریت معلوم کرنے کے بعد وہاں سے سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ سونیا کو مخاطب کرتے ہی اس نے کہا: "فرہاد تم تقریباً سات گھنٹے سے غیر حاضر ہو۔ اور میں پریشان ہوں کہ پتہ نہیں، تمہارے ساتھ کیا ہو گیا ہے اور مرجانہ کی تو کوئی خبر ہی نہیں مل رہی ہے۔"

میں نے کہا: "مرجانہ کی حالت بہت بری ہے۔ اس کے سر پر اتنی زور سے ضرب لگائی گئی ہے کہ بس سر کا پھٹنا ہی باقی رہ گیا۔ اس کے سر کے بال اور چہرہ خون سے لت پت ہو گیا ہے۔ وہ گھنٹوں ایسی حالت میں رہی کہ میں اس کی حالت محسوس کرکے تڑپتا رہا۔ لیکن اس کے لیے کچھ نہ کر سکا۔ بہرحال اب اس کے سر کے بالوں سے اور چہرے سے خون صاف کر دیا گیا ہے۔ زخموں کی مرہم پٹی کر دی گئی ہے۔ انجکشن لگایا گیا ہے۔ وہ سکون سے لیٹی ہوئی ہے۔ انشاء اللہ وہ جلد ہی چلنے پھرنے

کے قابل ہو جائے گی۔"

پھر میں نے سونیا کو سائرہ بانو کے متعلق بتایا کہ وہ پیرس پہنچنے والی ہے۔ سونیا ان کے متعلق سنتی رہی لیکن مرجانہ کے متعلق سوچتی رہی۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے۔ تمھارا دھیان تو مرجانہ کی طرف لگا ہوا ہے۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کے بولی "یہی ازلی فنٹاسٹک پارٹنر"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "مرجانہ ہی نہیں ہے۔ شی ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی "ہاں شی ہے مگر ہی کے طور پر بھی بہت اچھی لگتی ہے۔ تم سن کر جل رہے ہوگے۔"

"یہ جلنے کڑھنے کا موقع نہیں ہے۔ میں اس کی طرف سے پریشان ہوں۔"

"میں بھی کم پریشان نہیں ہوں۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ یہاں ممی اور رسونتی کو ریوالور اور کارتوس وغیرہ دے کر اس کی تلاش میں نکل جاؤں۔ مجھے امید ہے کہ میں اسے کہیں نہ کہیں تلاش کر لوں گی۔"

"نہیں سونیا جذبات میں نہ آؤ۔ وہ ایک کیمپ میں آرام کر رہی ہے۔ اسے دوائیں مل رہی ہیں۔ وہ جلد ہی اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے گی۔ پھر دیکھ لینا۔ وہ خود ہی دشمنوں کا ناطقہ بند کر دے گی۔ اطمینان رکھو۔ ذرا سائرہ بانو کو پیرس پہنچنے دو۔ دیکھتے ہیں کہ آئندہ کیا ہوتا ہے۔"

"دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ حشمت بیگ کا بیٹا جلال بیگ جو خود کو ذہین، مکار اور بہت خطرناک قسم کا فاسٹر سمجھتا ہے۔ اس سے صبر نہیں ہو رہا ہے۔ وہ جلد سے جلد سائرہ بانو کو اپنے قابو میں کر کے مرجانہ کو سائرہ بانو سے الگ رکھ کے اور ماں کی ممتا سے کھیل کر خفیہ دولت تک پہنچنا چاہتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح وہ تمھیں بھی مجبور کر رہا ہے کہ تم ان کی مدد کے لیے جوش و جذبے میں آکر ہسپتال سے باہر نکل آؤ۔"

"ہاں، تم صحیح سمت میں سوچ رہی ہو۔ وہ یہی چاہتے ہیں۔ بہرحال آج کی رات گزرنے کے بعد میرے چہرے سے پٹیاں کھلنے کے لیے صرف دو دن رہ جائیں گے اور انشاء اللہ یہ دو دن بھی گزر ہی جائیں گے۔"

میں نے اس سے باتیں کرنے کے بعد ممی اور رسونتی سے ملاقات کی۔ اور انھیں بھی تمام حالات بتائے۔ رسونتی سے لگاوٹ کا اظہار کیا تو وہ کترانے لگی۔ اب وہ میری باتوں میں آنے والی نہیں تھی۔ اس نے سنجیدگی سے تہیہ کر لیا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے گا۔ وہ میری دنیا سے دور چلی جائے گی۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ اتنی دور چلی جاتی کہ میں خیال خوانی کے ذریعے بھی اس کے پاس نہ پہنچتا۔ لیکن ابھی وہ مجبور تھی۔ جنگل میں بھٹکنے کے لیے ایک بار نکلی تھی تو کامیاب نہ ہو سکی دوسری بار نکلنے سے ممی وغیرہ نے منع کیا تھا۔ سونیا نے بھی التجا کی تھی کہ وہ ایسی حرکت نہ کرے۔ جس سے ان لوگوں کی اور فرہاد کی پریشانیاں بڑھ جائیں۔ یہ باتیں رسونتی مجھے نہیں کہہ سکتی تھی۔ لیکن میں اس کے خیالات پڑھ رہا

تھا۔ بہرحال مسائل تو ایک کے بعد دوسرے کھڑے ہو رہے اور سائرہ بانو کے بعد رسونتی میرے لیے ایک مسئلہ بننے والی تھی پھر سونیا کے پاس پہنچ کر کہا "سونیا ابھی میں چپ چاپ ر خیالات پڑھ رہا تھا۔ وہ اب تک اس موقع کی تلاش میں ہے طرح ہم لوگوں سے بہت دور چلی جائے۔ اس کا خاص خیا

"دیکھو فرہاد وہ کوئی بچی نہیں ہے سمجھ دار ہے اور سے اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ تمھاری زندگی سے ہٹ لیکن یہاں دور ہونا حماقت کی بات ہے اور یہی بات رسونتی کی نہیں آ رہی ہے۔ اگر کسی آبادی میں ہوتی تو ہم اتنا پریشان نہ ہو چوبیس گھنٹے جاگ کر پہرہ دے نہیں سکتی۔ بے چاری ممی بھی مجبور ہماری نیند کے وقت یا کبھی غفلت کے وقت وہ نکل بھا کر سکیں گی۔"

"ہاں یہ پریشانی تو ہے۔ مگر کچھ نہ کچھ تو اس کے بارے سوچا ہوگا۔"

"میری سمجھ میں ایک ہی بات آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ تم رسونتی شادی کا وعدہ کر لو۔"

"نہیں، میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ جب میں شادی سکتا۔ تو میں ایسا کیوں کہوں۔ کہنے کے بعد بات نہ نباہی تو زیادہ دکھ پہنچے گا۔"

"میں یہ نہیں جانتی کہ دکھ زیادہ پہنچے گا یا کم پہنچے گا۔ رسونتی کا علاج یہی ہے اور اسے اسی صورت میں روکا جا سکتا کے دل میں یہ بات بٹھا دو کہ تم صرف اس کو چاہتے ہو اور اسی بن کے رہو گے۔"

"سونیا ہم ایسے مصائب میں گھرے ہوئے ہیں یعنی ہمارے چاروں طرف ہیں اور ہم ایک دوسرے سے اس طرح ہوئے ہیں کہ میں ابھی پیار و محبت کی باتیں کر ہی نہیں سکتا اور گا بھی تو میرا بہت سا وقت ضائع ہوگا۔ مجھے ہر لمحہ ادھر سے خوانی کے پروں پر پرواز کرتے ہوئے پہنچنا پڑتا ہے۔ صرف تم سب کے لیے حفاظتی تدابیر سوچنی پڑتی ہیں۔ اور دشمن جو ہیں۔ ان کا توڑ بھی کرنا پڑتا ہے۔"

سونیا خاموش رہی۔ میں اس سے رخصت ہو گیا۔ حالات سے گزر رہے تھے۔ وہ حالات ایک نئے موڑ پر اسی جب سائرہ بانو پیرس پہنچ جاتیں۔ اس سے پہلے تو بس آرام اور اپنوں کی خبر گیری تھی۔ یہی سوچ کر میں چپ چاپ رسونتی پہنچ گیا اور اس سے پیار محبت کی باتیں کرنے لگا۔ اسے دلانے لگا کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ اسے چاہتا ہوں گئی۔ تو میرا دماغ کسی کام کے قابل نہیں رہے گا۔ میں خیال

سکوں گا اور ہمیشہ ذہنی الجھنوں میں مبتلا رہوں گا۔

غرض یہ کہ میں پیار محبت اور لگاوٹ کی جتنی باتیں کر سکتا تھا وہ کرتا رہا۔ جب مجھے سائرہ بانو کے دماغ کے ذریعے یہ معلوم ہوا کہ وہ پیرس پہنچ گئی ہیں اور حشمت بیگ کے بنگلے میں داخل ہو رہی ہیں۔ تب میں رسونتی سے رخصت ہو کر سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا۔

وہ بنگلے کے دروازے پر پہنچ کر ٹھٹک گئیں۔ انھیں ایک دم سے اکیس برس پہلے کا وہ دن، وہ شام یاد آگئی تھی جب وہ پہلی بار حشمت بیگ کی حویلی میں پناہ حاصل کرنے کے لیے داخل ہو رہی تھیں۔ اس بنگلے کے اندر بھی وہی حویلی والی شان و شوکت تھی۔ قیمتی سامان سے بڑا ساڈرائنگ روم آراستہ کیا گیا تھا۔ دو یورپین عورتیں باادب کھڑی ہوئی تھیں کہیں سے آرکسٹرا کی ہلکی ہلکی دھن سنائی دے رہی تھی۔ اسی وقت حشمت بیگ کی آواز سنائی دی۔

"بابا۔ بیگم سلامت علی تشریف لائی ہیں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آج مدتوں بعد دیدار نصیب ہو رہے ہیں۔"

سائرہ بانو نے ناگواری سے کہا "ہندوستانی فلموں کے بدمعاش کسی شریف عورت کا استقبال اسی طرح کرتے ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "کیا کیا جائے۔ تم چیز ہی ایسی ہو کہ بدمعاشی کے لیے دل مچلنے لگتا ہے۔ قسم سے جیس بائیس برس گزر چکے ہیں لیکن تمھاری شادابی اور شگفتگی میں فرق نہیں آیا۔"

وہ سخت لہجے میں بولیں "خبردار، زبان کو قابو میں رکھ کر گفتگو کرنا۔ میں سائرہ بائی نہیں بلکہ بیگم نواب سلامت علی ہوں اور ایک بیٹی کی ماں بھی ہوں۔ مجھ سے بازاری انداز میں گفتگو نہ کرو۔"

"ہاں، اس بیٹی کی ماں ہو۔ جس کا باپ میں ہوں۔ اس بات سے تم انکار تو کر سکتی ہو۔ مگر حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتیں۔"

"پھر یہ تمھاری بکواس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ میری بیٹی کے باپ کا نام نواب سلامت علی ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی۔"

"جان جاؤ گی۔ ابھی تو تم میری مہمان ہو۔ میں بڑی نرمی اور محبت سے پیش آؤں گا۔ کیا خیال ہے کھانا کھا لیا جائے۔ وقت ہو چکا ہے اور ملازم میز پر کھانا لگا رہے ہیں۔"

"میں تمھارے گھر کا کھانا نہیں کھاؤں گی۔ مجھے تمھاری اس حویلی کی وہ پہلی اور آخری رات یاد ہے۔ جب تم نے اپنی ذلالت کا ثبوت دیا تھا۔ میرے کھانے کی میٹھی ڈش میں بھنگ ملا دی تھی اور مجھے بے دست و پا بنا کر رکھ دیا تھا۔"

حشمت بیگ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "وہاں ہندوستان میں میں اپنی عزت سے ڈرتا تھا۔ ان دنوں میں دولت جمع کر رہا تھا اور عزت بنا رہا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمھاری چیخ و پکار سے بدنام ہو جاؤں۔ اسی لیے میں نے بھنگ ملا دی تھی۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں

ہے۔ یہاں مرد اور عورت کے تعلق کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ پھر یہ کہ اس علاقے میں میرا راج ہے۔ کوئی یہاں پوچھنے نہیں آئے گا کہ سائرہ بانو کیوں چیخ رہی ہیں۔ لہٰذا اطمینان رکھو کہ میں نے کھانے میں کچھ نہیں ملایا ہے۔ تم مجھ پر اعتماد کر کے کھا سکتی ہو۔"

اس دوران میں حشمت بیگ کے خیالات کو پڑھ رہا تھا۔ اس کی چھپی ہوئی سوچوں کو ٹٹول رہا تھا۔ پھر میں نے سائرہ بانو کے پاس پہنچ کر کہا "آپ اطمینان سے کھانا کھا سکتی ہیں۔ میں نے معلوم کر لیا ہے کہ کھانے میں کچھ نہیں ملایا گیا ہے۔"

سائرہ نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے حشمت بیگ سے کہا "ٹھیک ہے میں تمھارا کھانا کھا سکتی ہوں۔ لیکن تم کس سلسلے میں مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے ہو۔ وہ بات اب شروع ہو جانی چاہیے۔"

حشمت بیگ نے ایک طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "آپ تشریف لے چلیں۔ ہم کھانے کی میز پر اطمینان سے باتیں کرتے رہیں گے۔"

وہ چپ چاپ آگے بڑھ گئیں۔ دو عورتیں کنیزوں کی طرح ان کی رہنمائی کر رہی تھیں۔ پھر انھیں ڈائننگ ٹیبل کے پاس لے جا کر ایک کرسی کھینچتے ہوئے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میز کے دوسری طرف حشمت بیگ بیٹھنے لگا۔ سائرہ بانو نے بیٹھتے ہوئے کہا "جب تک میری بیٹی مجھے نہیں ملے گی، میں ٹھیک طرح کھا نہیں سکوں گی۔"

وہ بولا "انسان کو ہر حال میں زندہ رہنا چاہیے۔ خوش رہنا چاہیے اور کھانے سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیے۔ اس لیے کہ کھانے کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ بیٹی ماں کے بغیر اور ماں بیٹی کے بغیر مجبوراً رہ سکتی ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے۔ تمھاری ماں نے تمھیں پیدا کرنے کے بعد گندی نالی میں پھینک دیا ہوگا اور تم دونوں ایک دوسرے کے بغیر رہ گئے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "میں بہت ڈھیٹ ہوں اور کسی کی بات کا برا نہیں مانتا اور پھر تمھارے منہ سے تو پھول جھڑتے ہیں۔"

سائرہ بانو نے ناگواری سے کہا "کام کی باتیں شروع کرو۔ میں نے کھانا شروع کر دیا ہے۔"

وہ ایک چمچ اور ڈش کو اٹھاتے ہوئے بولا۔ "کل صبح دس بجے تک مرجانہ تمھارے پاس پہنچ جائے گی لیکن اس کے لیے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ تم آج ہی رات کو مجھے اپنے اس خفیہ خزانے تک پہنچا دو۔ دوسری بات یہ کہ آج رات تم...."

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی اس کے ذہن کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ کرسی سے الٹ کر گر پڑا۔ سائرہ بانو نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ وہ گرنے کے بعد جلدی سے اٹھ کر کپڑے جھاڑ رہا تھا۔ اور یہ کہہ رہا تھا "پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا۔ بس یک بیک میرے دماغ

کو ذرا تکلیف پہنچی تھی اور میں پیچھے الٹ گیا۔"

ایسا کہتے ہی وہ ایک دم سے چونک گیا۔ دماغ کی بات پرائے میں یاد آ گیا۔ اس نے حیرانی سے اور پریشانی سے سائرہ بانو کو دیکھتے ہوئے پوچھا: "کیا فرہاد یہاں موجود ہے؟"

سائرہ بانو نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا: "ہاں وہ بہت قریب ہے۔ اگر تم نے میرے ساتھ کوئی بدسلوکی کی یا زیادتی کی یا میرے وقار اور میری حیثیت کے خلاف کوئی بات کہی تو فرہاد تمھیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں صرف مرجانہ کی ہی نہیں، فرہاد کی بھی ماں ہوں۔"

وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے اور دانت پیستے ہوئے سائرہ بانو کو دیکھتا رہا۔ سائرہ بانو نے مسکرا کر کہا: "آؤ، بیٹھ جاؤ۔ کھانا کھاؤ۔"

وہ جھلا کر بولا: "کیا ایسی حرکتوں کے بعد آدمی سے کھانا کھایا جائے گا؟"

سائرہ بانو نے کہا: "انسان کو زندہ دل ہونا چاہیے۔ ہمیشہ خوش رہنا چاہیے۔ دیکھو، کھانا تو کبھی چھوٹ نہیں سکتا۔ ہاں، تمھارے کہنے کے مطابق رشتے چھوٹ جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس وقت تمھارا بیٹا تم سے چھوٹا ہوا ہے۔ تم میری بیٹی کو مجھ سے کیا جدا کرو گے۔ ایک وقت آئے گا کہ فرہاد تمھیں تمھارے بیٹے سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دے گا۔ اور جلال بیگ کو اتنے بڑے انجام تک پہنچائے گا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے تو کباب کر رہ جاؤ گے۔"

حشمت بیگ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھ کھانے کی میز پر رکھ کر چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ پھر تائید میں سر ہلا کر بولا: "ہاں، فرہاد ایسا کر سکتا ہے اور یہی سب کچھ سوچ کر ہم نے بڑی اچھی تدابیر کی ہیں۔ جلال کبھی سامنے نہیں آئے گا۔ کبھی فرہاد کو ایسا موقع نہیں دے گا کہ وہ اس کے دماغ تک پہنچ سکے۔ میرا بیٹا ان شاء اللہ ہمیشہ محفوظ رہے گا اور تمھاری بیٹی وہ صبح تک یا تو تم سے ملے گی یا تم اس کی لاش دیکھو گی۔"

سائرہ بانو نے غصے سے چمچ پھینک کر اسے مارتے ہوئے کہا: "بکواس مت کرو۔ جسے خدا رکھے، اسے کون چکھے۔ میری بیٹی اللہ کے کرم سے زندہ سلامت رہے گی۔ میں کہتی ہوں کہ کام کی باتیں کرو۔ دھمکیوں میں وقت ضائع نہ کرو۔"

وہ کھانا شروع کرتے ہوئے بولا: "چلو تم کھانا کھاؤ۔"

جب سائرہ بانو نے کھانا شروع کیا تو وہ بولنے لگا: "اب میں سنجیدگی سے دو شرائط پیش کر رہا ہوں۔ میں تمھاری توہین نہیں کروں گا اور کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جس سے فرہاد کو غصہ آئے۔ بہرحال پہلی بات یہ ہے کہ تم آج ہی رات مجھے اپنے خفیہ خزانے تک پہنچا دو۔ دوسری بات یہ کہ مرجانہ ہمیشہ تمھارے پاس پیرس میں رہے گی۔ کبھی ایشیا کی طرف خصوصاً ہندوستان کی طرف نہیں جائے گی۔ گویا میں اور کبیر بیدل وہاں رہیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ دشمن لڑکی ہمارے پیچھے نہ آئے۔"

سائرہ بانو نے کہا: "اچھا، تو آج کل کبیر بیدل سے تمھاری گاڑھی چھن رہی ہے۔ کہاں ہے وہ؟"

"وہ کہیں بھی ہے۔ میں تو تم سے بات کرنے کے بعد فرہاد کا ٹارگٹ بن گیا ہوں۔ وہ میرے دماغ میں پہنچ سکتا ہے۔ لیکن کبیر بیدل اتنا احمق نہیں ہے۔ وہ نہ تو مجھ سے بات کرے گا اور نہ ہی کبھی تمھارے سامنے آئے گا۔"

سائرہ بانو نے چپکے سے پوچھا: "کیوں فرہاد، مرجانہ تو کہہ رہی تھی کہ تم کبیر بیدل کے دماغ تک پہنچ چکے ہو؟"

"جی ہاں، امی میں پہنچ چکا ہوں اور ابھی میں اس کی خبر لاتا ہوں۔" یہ کہتے ہی میں کبیر بیدل کے دماغ میں پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ اسی بنگلے کے ڈرائنگ روم کے ساتھ والے کمرے میں چھپا کھڑا سائرہ بانو کی باتیں سن رہا ہے۔ میں نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا دیا تو وہ چیختا ہوا آگے بڑھا۔ اس کمرے کا دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور دوڑتا ہوا آ کر سائرہ بانو کے قدموں کے پاس گر پڑا۔

اسے دیکھتے ہی حشمت بیگ پھر چونک کر کھڑا ہو گیا۔ سائرہ بانو نے کہا: "کیا دیکھتے ہو؟ تم سمجھتے ہو کہ میرا بیٹا تم لوگوں کے پاس پہنچ نہیں سکتا۔"

"مجھے شبہ تھا کہ شاید فرہاد کبیر تک پہنچ چکا ہے لیکن اب بھی میں یقین سے کہتا ہوں کہ فرہاد ساری زندگی پاؤں گھسیٹتا رہے تب بھی وہ اس فاصلے کو طے نہیں کر سکتا جو میرے بیٹے جلال بیگ نے قائم کیا ہے۔ وہ کبھی میرے بیٹے تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

سائرہ بانو نے کبیر بیدل کو ٹھوکر مار کر کہا: "یہاں کیوں پڑے ہو۔ چلو اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

وہ اٹھنے لگا۔ حشمت بیگ نے کہا: "تم میرے دوست کی توہین کر رہی ہو۔ یاد رکھو کہ تمھاری بیٹی ہمارے قبضے میں ہے۔ میں بہت نرمی سے پیش آ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ فرہاد مجھے اور کبیر بیدل کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ لیکن فرہاد کو یہ سن لینا چاہیے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہم دونوں کی جان جائے گی تو دو کے بدلے کئی جانیں جائیں گی۔ تمھاری بیٹی مرجانہ، سونیا، سوتی وہ بوڑھی ممی اور تم سب کو فرہاد کبھی نہیں بچا سکے گا۔ اگر میرا یہ دعویٰ غلط ہے تو فرہاد ہمیں مار کر دیکھ لے۔ میرا بیٹا جلال بیگ تم ساری عورتوں کو کتے کی موت مارے گا۔ فرہاد کو تم کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دے گا۔ ہمیشہ موت کی طرح اس کا پیچھا کرتا رہے گا۔ بہت جلد فرہاد کے دن پورے ہو جائیں گے۔"

سائرہ بانو نے ناگواری سے منہ بنا کر کہا: "تم پھر دھمکیوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ اگر تم سہولت سے باتیں کرتے اور اپنی بدمعاشی پر نہ اترتے۔ غلط الفاظ میرے لیے استعمال نہ کرتے تو فرہاد تمھیں کبھی سزا نہ دیتا۔ کبیر بیدل کو تم نے چھپا رکھا تھا اس لیے فرہاد نے اسے ظاہر کر دیا۔ یہ تمھاری غلطی تھی۔ سہولت اور دوستانہ فضا میں باتیں کرو گے تو باتیں ہوں گی ورنہ۔۔۔۔"

حشمت بیگ انھیں گھورتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا پھر بولا: "میں نے دو شرائط پیش کی ہیں۔ ان کا جواب دو۔"

"جواب دو نہیں، جواب دیجیے۔ میں کوئی معمولی عورت نہیں ہوں فرہاد کی ماں ہوں۔ ادب سے بات کر سکتے ہو تو کرو۔"

وہ پریشان ہو کر بولا: "میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری شرائط کے جواب میں کچھ فرمائیں۔"

میں نے سائرہ بانو کے دماغ میں کہا: "امی، اس سے کہہ دیجیے کہ تین دن کے بعد آپ خفیہ خزانے کے متعلق کوئی جواب دیں گی۔ اس سے پہلے ممکن نہیں ہے۔"

انھوں نے یہی بات حشمت بیگ سے کہہ دی۔ حشمت بیگ نے تلملا کر پوچھا: "تین دن کے بعد کیوں، آج کیوں نہیں جواب دے سکتیں؟"

"میں تمھاری پابند نہیں ہوں۔ تم میری بیٹی کے سلسلے میں دھمکی نہ دو۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم میری بیٹی کو نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ اگر پہنچاؤ گے تو اس خفیہ خزانے تک نہیں پہنچ سکو گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے بعد فرہاد تمھیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ تمھاری بوٹی بوٹی کاٹ کر رکھ دے گا۔ یہی بات تم پر بھی صادق آتی ہے کہ اگر ہم نے تمھیں نقصان پہنچایا تو تم ہماری بیٹی کو نقصان پہنچاؤ گے۔ اسی لیے دونوں کی مجبوریاں ہیں۔ لہٰذا دونوں کو سہولت اور آرام سے ایک دوسرے کی بات مان لینا چاہیے۔"

حشمت بیگ نے سر ہلا کر کہا: "ٹھیک ہے۔ آپ تین دن کی مہلت چاہتی ہیں۔ یہ بات میں اپنے بیٹے تک پہنچا دوں گا۔ اب میری دوسری شرط یہ ہے کہ مرجانہ پیرس چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گی خصوصاً ہندوستان کی طرف رخ نہیں کرے گی۔"

سائرہ بانو نے جواب دیا: "میں نے اپنی بیٹی فرہاد کو سونپ دی ہے۔ اب وہی مرجانہ کا مالک ہے۔ اور وہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ مرجانہ کو کہاں رہنا چاہیے۔ یہ شرط تم فرہاد کو پیش کر سکتے ہو۔"

"آپ کے بیان کے مطابق فرہاد اس وقت یہاں موجود ہے۔ کیا اس شرط کا جواب مجھے نہیں مل سکتا؟"

اچانک کبیر بیدل نے کہا: "میں فرہاد ہوں اور کبیر بیدل کی زبان سے بول رہا ہوں۔ تمھاری شرط کا جواب یہ ہے کہ مرجانہ پر کہیں آنے جانے کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ اس لیے کہ میں دنیا بھر میں گھومتا رہتا ہوں۔ مرجانہ بھی یقیناً میرے ساتھ رہے گی۔ میں یہ ضمانت دیتا ہوں کہ وہ تمھیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔ تمھاری شرط کا مقصد بھی یہی ہونا چاہیے کہ تم مرجانہ سے محفوظ رہ سکو۔"

حشمت بیگ نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "ہاں دراصل ہم یہی چاہتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے۔ فرہاد کہ تم زبان کے پکے ہو۔ ہم تمھاری زبان پر بھروسا کرتے ہیں کہ مرجانہ ہمیں جانی نقصان نہیں پہنچائے گی۔"

کبیر بیدل نے اثبات میں سر ہلا کر کہا: "ہاں اس وقت تک نقصان نہیں پہنچائے گی جب تک ہم باہمی سمجھوتے کے پابند رہیں گے۔"

حشمت بیگ نے کہا: "بیگم سلامت علی نے تین دن کی مہلت لی ہے۔ لہٰذا ہم بھی تین دن کے بعد مرجانہ کو واپس کریں گے۔"

اس کی بات سن کر سائرہ بانو نے غصے سے کہا: "یہ نہیں ہو سکتا۔ جب میں نے تین دن کی مہلت لی ہے تو تمھاری مرضی کے مطابق ہی کوئی نہ کوئی جواب دوں گی۔ تم میری بیٹی کو صبح تک میرے پاس واپس لے آؤ۔"

حشمت بیگ نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "ہم اتنے احمق نہیں ہیں۔ اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے والی بات ہونی چاہیے۔ آپ ہمیں اس خزانے تک پہنچائیں گی، ہم آپ کو آپ کی بیٹی تک پہنچائیں گے۔"

میں نے سائرہ بانو سے کہا: "امی، آپ فکر نہ کریں۔ تین دن کی بات ہے۔ میں ہر لمحہ مرجانہ کے ساتھ رہوں گا۔ اور اس کی دیکھ بھال کروں گا۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آپ صبر کریں اور ان کی بات مان لیں۔"

سائرہ بانو نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ میں نے کبیر بیدل کی زبان سے کہا: "ٹھیک ہے۔ ساری باتیں ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اب آپ لوگ آرام سے کھانا کھائیں۔"

میں اپنے ہسپتال کے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ دروازہ کھلا تو میرے لیے کھانے کی ٹرالی آ رہی تھی۔ یہاں بھی کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ میں اٹھ کر صوفے پر چلا گیا اور وہیں بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ کھانے کے دوران میں وقتاً فوقتاً سائرہ بانو اور حشمت بیگ کے دماغ میں جھانک کر دیکھتا رہا۔ کبھی مرجانہ کی خبر لیتا تھا۔ وہ آرام سے چپ چاپ سو رہی تھی۔ اسے گہری نیند آ گئی تھی۔ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ میرے کھانا ختم کرنے تک اُدھر سائرہ بانو حشمت بیگ کی کار میں بیٹھ کر اپنے بنگلے کی طرف جا رہی تھیں۔ اگلی سیٹ پر حشمت بیگ اور کبیر بیدل بیٹھے ہوئے تھے اور سائرہ بانو کو بخیریت ان کی منزل تک پہنچانے پر مجبور تھے۔

کھانے کے بعد میں پھر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ چھت پر آ گئی تھی۔ نیچے کمرے میں ممی اور سوتی نے دروازے اور کھڑکیوں کو اندر سے اچھی طرح بند کر لیا تھا۔ ممی نے اپنے پاس ایک ریوالور اور کارتوس کی پیٹی رکھی تھی۔ وہ اب بہت زیادہ محتاط تھیں۔ سونیا کے خیال کے مطابق جس طرح اچانک ہی دشمنوں نے حملہ کر کے مرجانہ کو نقصان پہنچایا

ہے۔ اور دونوں ماں بیٹی کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اسی طرح وہ کسی وقت بھی دوبارہ حملہ کر سکتے ہیں، لہٰذا محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ممی ماں تینوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ تنہا کبھی دن کے وقت بھی اکیلی کاٹیج سے باہر نہیں جائیں گی۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہاں رات کے کتنے بجے ہیں۔ سونیا گھڑی نہیں پہنتی تھی، اسی لیے میں نے ممی کی سوچ کے ذریعے معلوم کیا۔ انھوں نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھا تو مجھے پتہ چل گیا کہ رات کے ساڑھے دس بجے ہیں۔ میں نے اپنی گھڑی دیکھی، تو میری گھڑی میں بھی ساڑھے دس ہونے ہی والے تھے۔ میں سوچنے لگا۔ پھر میں نے ماسٹر موس ٹرونی سے رابطہ قائم کیا۔

"ہیلو ماسٹر میں فرہاد ہوں۔"

اس نے خوش ہو کر کہا: "فرمائیے مسٹر فرہاد۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ میں دن رات انتظار کرتا رہتا ہوں کہ آپ کبھی رابطہ قائم کریں گے اور مجھے اس قابل سمجھیں گے کہ میں آپ کے کسی کام آؤں۔"

"ہاں، اب وقت آیا ہے کہ آپ میرے کام آسکتے ہیں۔ میری باتیں ذرا غور سے سنیں۔ میں نے سائرہ بانو یعنی مرجانہ کی ماں سے معلوم کیا تھا کہ وہ کس راستے سے گزرتے ہوئے روم پہنچی ہیں اور روم سے پیرس آئی ہیں۔ پہلے ہیلی کاپٹر نے جنگل سے پرواز کیا تھا۔ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ یہ پٹی کھولی گئی تو انھوں نے دیکھا کہ نیچے سمندر ہے۔ وہ مختصر سا سمندر عبور کرنے کے بعد روم کی ایک عمارت کی چھت پر پہنچ گئی تھیں۔"

ماسٹر موس ٹرونی نے کہا: "اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ دشمن مادام سونیا، مادام رسونتی اور مرجانہ وغیرہ کو یہاں سے بحیرہ روم کے کسی جزیرے میں لے گئے ہیں۔ اور وہیں کے جنگلات میں انہیں چھپا رکھا ہے۔"

میں نے کہا: "آپ ٹھیک سمجھ رہے ہیں۔ میں یہی آپ کو سمجھانا چاہتا تھا۔ ایک بات اور سن لیں۔ اس وقت میری گھڑی میں ساڑھے دس بجنے والے ہیں۔ اور وہاں ممی کی گھڑی میں بھی ساڑھے دس بجے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم سب دنیا کے نقشے میں ایک ہی طول البلد پر ہیں یعنی ہم نقشے کے مطابق ایک ہی طول البلد پر پرواز کرتے ہوئے اتنے بڑے جزیرے پر اپنے ہیلی کاپٹر کو اتاریں تو کسی حد تک سونیا اور رسونتی کے قریب پہنچ جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جنگل کوئی ایک دو میل کا نہیں، کئی سو میل کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے تاہم کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

ماسٹر موس ٹرونی نے کہا: "آپ نے ہماری بہت بڑی مشکل آسان کر دی ہے ہم یہی معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آخر مادام سونیا اور مادام رسونتی کہاں چھپا کر رکھی گئی ہیں۔ میں ابھی اپنے آدمیوں کو تیار کرتا ہوں۔ نقشے کے مطابق اسی طول البلد پر ہمارے آدمی پرواز کرتے ہوئے وہاں جنگل میں پہنچیں گے۔ اور دن کے وقت ہیلی کاپٹر کے ذریعے پورے جنگل کو چھان ماریں گے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ کاٹیج کہاں نظر آتے ہیں۔"

میں نے کہا: "آپ میری کچھ اور ضروری باتیں سن لیں۔ ہیلی کاپٹر دو یا دو سے زیادہ ہوں اور اس پر کم از کم پچاس بہترین قسم کے [illegible] ان کے پاس جدید اسلحہ اور جنگل میں زندگی گزارنے اور جنگلات کو پار کرنے کا تمام ساز و سامان ہونا چاہیے۔ کھانے اور ہیلی کاپٹر کے لیے ایندھن وغیرہ پہنچانے کے انتظامات بھی ہوں۔ دو دن کے بعد میرے چہرے سے پٹی اترنے والی ہے۔ ایک ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ لہٰذا پہلے سے وہاں ایک کیمپ تیار رہنا چاہیے۔"

"جناب آپ کے ایک ایک حکم کی تعمیل ہوگی۔ اور آپ کی توقع سے بہتر ایسے انتظامات کیے جائیں گے کہ آپ کو وہاں پہنچنے کے بعد کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ لیکن آپ کے ذریعے میں کچھ اور معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"فرمائیے میں کیا کر سکتا ہوں۔؟"

موس ٹرونی نے کہا: "آپ مادام سونیا اور مادام رسونتی وغیرہ سے یہ دریافت کریں کہ جس جنگل میں وہ ہیں، وہاں کس قسم کے درخت ہیں۔ درخت کی ساخت بتائیں۔ یہ بتائیں کہ ان درختوں میں پھل لگتے ہیں یا نہیں۔ خواہ جنگلی پھل ہوں۔ لیکن وہ کس شکل کے ہوتے ہیں اور کیسے ہوتے ہیں۔ دیگر یہ کہ کس قسم کے پھول وہاں کھلتے ہیں۔ ان کے رنگ کیا ہیں۔ ان پھولوں کی بناوٹ کیا ہے۔ اگر یہ ساری تفصیلات معلوم ہو جائیں تو اس خاص علاقہ کو شناخت کرنے میں بڑی آسانی رہے گی۔"

مجھے یہ بات بہت پسند آئی۔ میں نے سونیا اور رسونتی سے باری باری رابطہ قائم کیا۔ ممی سے بھی پوچھا کہ وہاں کس قسم کے درخت ہیں۔ کیسے پھل ہوتے ہیں۔ کس قسم کے پھول کھلتے ہیں۔ ان کے رنگ ہیں پھلوں کی شکل کیا ہے۔ وہ تینوں مجھے باری باری اپنے طور پر بتاتی رہیں۔ اور یہ باتیں میں ماسٹر موس ٹرونی تک پہنچاتا رہا۔

ایک گھنٹے کی خیال خوانی میں اچھا خاصا کام ہو گیا۔ میں نے ٹرونی کے لیے بہت ساری معلومات فراہم کیں۔ اس کے بعد کیشو کا خیال آیا یعنی اس سرغنہ کا جس کی پناہ میں مرجانہ تھی اور جو کیمپ کا لیڈر تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا اور رفتہ رفتہ معلوم کرنے لگا کہ وہ جس جنگل میں ہے، وہاں کس قسم کے درخت اور پھول ہوتے ہیں۔ تھوڑی سی محنت کے بعد پتہ چلا کہ وہاں بھی ویسی ہی چیزیں ہیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ سونیا وغیرہ کا کاٹیج اس کیمپ سے زیادہ دور نہیں ہے۔ سائرہ بانو کا بیان تھا کہ جب گھوڑے پر لاد کر دشمن لے گئے تو کافی دیر تک گھوڑے دوڑتے رہے تھے۔ اگر گھوڑوں کی رفتار پچیس یا تیس میل فی گھنٹہ ہوگی

سونیا سے تقریباً پچاس ساٹھ میل کے فاصلے پر ہوگی۔ میں نے اس کیشو کے دماغ کو پھر سے کریدنا شروع کیا۔ اس کے دماغ میں چپکے سے سونیا کا نام لیا۔ تاکہ یہ نام آئے تو اسی سلسلے سے وہ سوچنے لگے کہ سونیا وہاں سے کتنی دور ہوگی۔

لیکن یہ معلوم کر کے مجھے حیرانی ہوئی کہ وہ سونیا اور رسونتی کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ اسے صرف اپنے کیمپ کی باتیں بتائی گئی تھیں۔ مرجانہ اور سائرہ بانو کے متعلق بتایا گیا تھا کہ اسے ان کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے اور کس طرح سائرہ بانو کو وہاں سے روانہ کر کے مرجانہ کو اپنی قید میں رکھنا چاہیے۔ وہ بس انہی احکامات پر عمل کر رہا تھا اسے ان کاٹیجوں کا علم نہیں تھا۔

سائرہ بانو اپنے بنگلے کے احاطے میں پہنچ گئی تھیں۔ ان کے پیچھے حشمت بیگ اور کبیر بیدل بھی تھے۔ جب وہ اپنے بنگلے کے دروازے پر پہنچیں اور اسے کھولنا چاہا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جبکہ وہ اسے مقفل کرنے کے بعد پاکستان گئی تھیں۔ بنگلہ چاروں طرف سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ کھلا ہوا تھا۔ جب وہ دروازہ کھول کر اندر پہنچیں تو وہاں کا نظارہ دیکھ کر اور زیادہ حیران اور پریشان ہو گئیں۔ تمام سامان الٹ پلٹ گیا تھا۔ کوئی چیز اپنی جگہ ٹھکانے پر نہیں تھی۔ حشمت بیگ نے کھسیانی ہنسی ہنس کے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"بیگم نواب سلامت علی۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی غیر موجودگی میں ہمارے آدمیوں نے آپ کے بنگلے کی تلاشی لی تھی۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ خفیہ جگہ اسی بنگلے کے اندر ہے۔ جہاں آپ نے نواب صاحب کا سارا خزانہ چھپا رکھا ہے۔ ہم نے یہاں کے فرش کو ٹھونک بجا کر دیکھ لیا۔ دیواروں کا بھی اچھی طرح معائنہ کیا لیکن ہمیں نہ تو تہہ خانے کا سراغ ملا اور نہ ہی یہ دیواریں اندر سے کھوکھلی لگیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے آپ کے گھر کے سامان کو برباد کیا۔ اسے نقصان پہنچایا اور ترتیب خراب کی۔ آپ کسی ایک کمرے میں آرام سے بیٹھیں۔ ہمارے آدمی ابھی آکر پورے بنگلے کو پہلے کی طرح سجا بنا دیں گے۔"

میں نے سائرہ بانو سے کہا: "ٹھیک ہے امّی، آپ کسی ایک کمرے میں جا کر آرام سے بیٹھیں۔ ان کے آدمی بنگلے کے تمام سامان کو ترتیب سے رکھ دیں گے۔ اور پورے بنگلے کی صفائی بھی کر دیں گے۔"

وہ بولیں: "بیٹا میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے سوچ کے ذریعے تمہیں پکارا تھا کیونکہ مجھے اچانک یاد آیا کہ میں پیرس آگئی ہوں تو تم بھی پیرس میں ہی ہو۔ کیا کروں بیٹا۔ ذہنی پریشانی ایسی ہے کہ میں اس بات کا خیال نہیں رکھ سکی۔ مجھے سب سے پہلے تمہارے پاس آنا چاہیے اور میں ابھی آنا چاہتی ہوں۔"

"امّی۔ میں آپ کو نہیں روکوں گا لیکن ایک تو میرا چہرہ پٹیوں سے چھپا ہوا ہے۔ آپ میری صورت نہیں دیکھ سکیں گی۔ دوسری بات یہ کہ میں ابھی آپ سے رخصت ہونے کے بعد صبح تک مرجانہ کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اس کا خیال رکھوں اور دیکھتا رہوں کہ اس کے زخم کب تک بھرتے ہیں۔ اور وہ کب تک اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوتی ہے۔"

"ہاں، بیٹا اس کا خیال رکھو۔ میں تمہارے پاس آؤں گی تو تم خیال خوانی کے ذریعے وہاں نہیں جا سکو گے۔ مجھ سے باتیں کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ ٹھیک ہے میں کل صبح تمہارے پاس آؤں گی۔"

"میں آپ کے لیے حفاظتی اقدامات کر رہا ہوں جب حشمت بیگ اور کبیر بیدل اپنے آدمیوں کے ساتھ وہاں سے واپس چلے جائیں گے۔ تو پھر میری طرف سے بھیجے ہوئے آدمی آئیں گے جو چاروں طرف سے آپ کے بنگلے کو گھیر کر رکھیں گے اور جب تک آپ نہیں چاہیں گی کسی کو اندر نہیں آنے دیں گے۔ آپ کو کسی قسم کا خطرہ پیش نہیں آئے گا۔ اچھا، اب میں جا رہا ہوں۔"

ان سے رخصت ہو کر میں نے موس ٹرونی کو سائرہ بانو کے بنگلے کا پتہ بتایا اور اس سے کہا کہ وہ اپنے خاص آدمیوں کو وہاں کی نگرانی کے لیے مامور کر دے اور اس بات کا خیال رکھے کہ حشمت بیگ یا جلال بیگ کا کوئی آدمی اس بنگلے میں بغیر اجازت داخل نہ ہو سکے۔

یہ ہدایات دے کر میں نے پھر باری باری کبھی مرجانہ کی اور کبھی سونیا اور رسونتی کی خبر لی۔ اس کے بعد سونے کا وقت ہو چلا تھا۔ مجھے بھی آرام کرنا تھا۔ اس لیے میں حسب معمول اپنے دماغ کو ہدایات دے کر صبح تک کے لیے سو گیا۔ دوسری صبح امی مجھ سے ملنے آئیں تھوڑی دیر تک بیٹھی رہیں۔ اپنی والہانہ محبت کا اور ممتا کا اظہار کرتی رہیں اور میں خوش ہوتا رہا کہ مجھے بھی ایک ماں کا پیار مل رہا ہے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے مرجانہ، سونیا، رسونتی وغیرہ کی باری باری خبر لی اور مطمئن رہا۔ پھر وہ دن بھی کسی طرح گزر گیا اس دن ماسٹر موس ٹرونی بہت مصروف رہا۔ ہیلی کاپٹر کے انتظامات ہو گئے تھے۔ تمام ضروری سامان بھی مہیا کیا جا رہا تھا۔ اور وہاں کے ایک بڑے سے اسٹیڈیم میں تقریباً پانچ سو آدمی ایسے جمع تھے جو سپر ماسٹر کی تنظیم کے لیے کام کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو آزمایا جا رہا تھا کہ وہ لڑنے مرنے کے سلسلے میں کتنے دلیر ہیں۔ وہاں اسٹیڈیم میں بڑے خطرناک مقابلے ہو رہے تھے ہر قسم کے ہتھیار بھی آزمائے جا رہے تھے اور سہنے لوگ بھی لڑ رہے تھے۔ موس ٹرونی کو اپنی صلاحیتیں دکھا رہے تھے۔ موس ٹرونی اور دوسرے خاص آدمی وہاں بیٹھے ان کا انتخاب کر رہے تھے۔ ان پانچ سو میں سے میرے حکم کے مطابق پچاس آدمیوں کا انتخاب کرنا تھا۔ شام تک انھوں نے پچاس جواں مرد ایسے منتخب کیے جو ہمہ وقت اپنی جان پر کھیل جانے کے لیے تیار رہتے تھے۔ انھیں ہر قسم کے اسلحہ کا استعمال آتا تھا۔ اور انھوں

نے زندگی کا ایک اچھا خاصا حصہ جنگلوں میں گزارا تھا۔ اس کے علاوہ ایک سو ایسے مہم جو فائٹرز ریزرو رکھے گئے تھے جو انتخابی مقابلے میں دوسرے اور تیسرے نمبر آئے تھے۔ ان سب کو مادام سونیا اور مادام رسونتی کی تصویریں دکھا دی گئی تھیں۔ مرجانہ کی تصویر نہیں تھی۔ لیکن اس کا حلیہ بتایا گیا تھا، اور یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ فی الحال اس کے سر پر پٹی بندھی ہوگی۔

دوسری صبح منہ اندھیرے ہی وہ تمام مہم جو نوجوان پیرس سے روانہ ہو گئے۔ دوپہر تک ان کی طرف سے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اطلاع ملتی رہی کہ وہ کس طرف سفر کر رہے ہیں اور کہاں کہاں پہنچ رہے ہیں۔ وہ یوں کرتے تھے کہ کہیں ایک جگہ جنگل میں ہیلی کاپٹر اتار دیا کرتے تھے۔ اور پھر تھوڑی دور جا کر ایسے درخت، پھل اور پھول دیکھنے کی کوشش کرتے تھے جن کی نشاندہی سونیا اور رسونتی نے کی تھی۔ لیکن جب ایسی جگہ نہ ملتی تو وہ آگے بڑھ جاتے تھے۔ اس طرح مہم شمالی افریقہ پہنچ گئے۔ شام تک اس مہم جو پارٹی کے لیڈر نے ماسٹر موس ٹروفی ـــــــ سے کہا کہ وہ ایک جگہ کیمپ بنا رہے ہیں۔ اب وہ دوسری صبح تلاش کرنے کے لیے نکلیں گے۔ لیکن انھیں دور تک سفر کرنے کے لیے اچھے تیز رفتار گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس جنگل میں اچھی خاصی تعداد میں گھوڑے روانہ کرنے کے انتظامات کیے جائیں۔

ماسٹر موس ٹروفی کے اندازے کے مطابق وہ جنگلات الجیریا کے شمال مشرقی حصے میں تھے۔ اس لیے اس نے الجیریا کے شہر بنی عباس سے گھوڑے روانہ کرنے کے انتظامات کر دیے۔ میں نے ماسٹر موس ٹروفی کو بتا دیا تھا کہ سائرہ بانو نے حشمت بیگ سے تین دن کی مہلت لی ہے۔ جس میں سے ایک دن گزر چکا ہے۔ لہٰذا دو دن گزرنے سے پہلے مرجانہ کو ہماری پناہ میں آ جانا چاہیے۔ ورنہ جلال بیگ سے سودے بازی کرنے میں بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔ وہ اس بات پر اڑ جائے گا کہ سائرہ بانو اس کے باپ کو خفیہ خزانے تک پہنچائے۔ نہ پہنچانے کی صورت میں وہ مرجانہ کی جان لے سکتے ہیں۔ میں اسے اب کسی خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا اس لیے اپنے آدمیوں سے کہہ کر وہ کل تمام دن صرف مرجانہ کو تلاش کرتے پھریں۔ اور ایک لمحہ بھی اس سلسلے میں ضائع نہ کریں۔

پچھلے چوبیس گھنٹوں میں مرجانہ کے سر کی تکلیف بالکل ختم ہو گئی تھی۔ زخم ہرا تھا۔ اور اس کی باقاعدہ مرہم پٹی ہو رہی تھی۔ انجکشن لگائے جا رہے تھے۔ وہ دوائیں بھی کھا رہی تھی۔ اب وہ اٹھ کر چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی تھی۔ لیکن اسے خیمے سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ وہ خیمے کے سامنے کرسی رکھ کر بیٹھ سکتی تھی۔ اس سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ صرف اشاروں میں ضرورت کی کچھ باتیں ہو جایا کرتی تھیں۔

میں نے اسے مخاطب کیا "ہیلو مرجانہ! تمھیں چلتے پھرتے دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی ہے۔"

اس نے جواب دیا "ہاں، اب میں لوگوں کو چلتا پھرتا کرنا چاہتی ہوں۔ سوچ رہی ہوں کہ کیا کیا جائے۔"

"ابھی کچھ نہ سوچو۔ زخم کو تھوڑا اور بھر جانے دو۔ جب تم کوئی عملی کوشش کرو گی۔ تو بھاگ دوڑ ہوگی یا مار پیٹ ہوگی۔ کچھ نہ کچھ ایسی بات ہوگی کہ بھرنے والا زخم پھر ہرا ہو جائے گا۔ تمھاری تکلیف بڑھ جائے گی۔ اس لیے ذرا آرام کرو۔ میں نے انتظامات کیے ہیں۔ لوگ تمھاری تلاش میں ہیں۔ سپر ماسٹر کی تنظیم سے تعلق رکھنے والے افراد ہیلی کاپٹر لے کر جنگلوں میں پرواز کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کل تک ان کو گھوڑے مل جائیں گے۔ تو وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگلوں میں دوڑتے پھریں گے۔ کہیں نہ کہیں وہ تم کو پا لیں گے۔ اس لیے ابھی بالکل آرام سے رہو اور ان لوگوں کو ذرا بھی شبہ ہونے نہ دو کہ تم فرار ہونے کی کوشش میں ہو۔"

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگانا چاہتی تھی لیکن سر کے پچھلے حصے میں تکلیف ہونے لگی تو وہ آخر سیدھی بیٹھتے ہوئے بولی "پہلے تو میں حشمت بیگ، کبیر بیدل اور دگھو کی تلاش کر رہی تھی۔ اب جو تھا نام ایک اور بڑھ گیا ہے اور وہ ہے جلال بیگ۔ یہ سب اسی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اس نے جس طرح میرے سر کے پیچھے ضرب لگوائی ہے، اسے میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ میری جگہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو مر چکی ہوتی۔ اتنی شدید چوٹ کبھی برداشت نہ کرتی۔ میرا تو بھیجہ ہل کر رہ گیا ہے۔ میں کسی دن اسے ہلا کر رکھ دوں گی۔"

"غصہ برداشت کرنے کی کوشش کرو۔ غصے کی زیادتی سے سر دُکھنے لگتا ہے۔ تمھارے سر کی تکلیف بڑھ جائے گی۔ ایک بات یاد ہے تمھیں؟"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ اندھیری سرنگ میں جب تم پر نیم بے ہوشی طاری تھی۔ اور تم یوں محسوس کر رہی تھیں کہ اب تمھارا دم نکلنے والا ہے۔ اور تم شاید زندہ نہ رہ سکو تو تم نے آخری سانسوں میں کسے پکارا تھا؟"

"مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔"

"میں یاد دلاتا ہوں۔ تم مجھے یاد کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ تم میرے بازوؤں میں دم توڑنا چاہتی ہو اور میں تمھیں تسلیاں دے رہا تھا ـــــــ"

"جھوٹے کہیں کے۔ مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ میں ایسا کہہ نہیں سکتی۔ میرا مزاج کچھ اور ہے۔"

"بیشک مزاج کچھ اور ہے۔ لیکن جب آخری وقت آتا ہے اور زندگی دور ہوتی دکھائی دیتی ہے اور موت سامنے کھڑی ہوتی ہے

تو ایسے وقت اچھے اچھوں کے مزاج بدل جاتے ہیں۔ تمھارے بھی بدل گئے تھے۔ تم یقین کرو یا نہ کرو۔"

"اونہہ۔ میں کبھی یقین کر ہی نہیں سکتی۔ کوئی اور بات کرو۔"

"اور بات یہ کہ سونیا تمھیں بہت یاد کرتی ہے۔ تمھارے لیے بہت بے قرار ہے۔ اور بار بار رسونتی اور ممی کو چھوڑ کر تمھاری تلاش میں نکلنا چاہتی ہے۔ میں نے بڑی مشکلوں سے اسے روک رکھا ہے۔"

"سونیا بڑی سویٹ ہے۔"

"ہوں۔ رسونتی بھی سویٹ نظر آئی تھی۔ تم نے اسے وہاں اندھیرے میں کیوں پکڑا تھا؟"

"بس یونہی۔ ویسے سچ بات کہتی ہوں کہ رسونتی حسین ہے۔ جوان ہے۔ لیکن جو بات سونیا میں ہے وہ بات میں نے کسی اور میں نہیں دیکھی۔۔۔"

"بھئی بس کرو۔ تم نے تو سونیا کا قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ ابھی میں جا رہا ہوں لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ تم یہاں سے فرار ہونے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی۔"

اس نے مجھ سے وعدہ کیا۔ میں دماغی طور پر اپنے ہسپتال کے کمرے میں واپس آ گیا۔ میرے دن اور رات ہسپتال کے کمرے میں گزر رہے تھے۔ رینگتے ہوئے بھی کسی نہ کسی طرح وقت گزر ہی رہا تھا۔ آخر وہ دن آ گیا۔ اسی کی دوسری صبح ڈاکٹر نے کہا تھا کہ میں اپنا اصلی چہرہ دیکھ سکوں گا۔ اس دن مہم جو پارٹی کے جوان بہت مصروف رہے۔ انھیں گھوڑے دستیاب ہو گئے تھے اور میلوں وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر تمام دن جنگل کی خاک چھانتے رہے اور میلوں دور تک کا سفر کیا تھا۔ لیکن انھیں یا تو جنگل ہی جنگل نظر آتے تھے یا حبشیوں کی کچھ آبادی دکھائی دی تھی۔ اس آبادی میں ٹوٹی پھوٹی انگریزی جاننے والے بھی تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہاں کوئی ایسی جگہ ہے۔ جہاں چار پانچ لکڑی کے کاٹیج ہوں اور وہاں مخصوص قسم کے پھول اور پھل نظر آتے ہوں۔ ان حبشیوں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے بتایا کہ انھوں نے ایسی کوئی جگہ نہیں دیکھی ہے۔

وہ سارا دن بڑی مصروفیت میں گزرا۔ لیکن کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ جنھیں تلاش کیا جا رہا تھا۔ وہ پتہ نہیں جنگل میں کہاں چھپے ہوئے تھے۔ یا وہ جنگل نہیں تھا۔ کوئی اور جنگل تھا۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ بہرحال سارا دن گزر گیا رات آ گئی۔

ہسپتال میں میری وہ آخری رات تھی جبکی براڈلے نے ڈنر کے بعد میرے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا "وش یو گڈ لک۔ کل تمھاری کامیابی کا دن ہے۔ میں تمھیں بتاؤں گا کہ میں کتنا تجربہ کار اور کامیاب سرجن ہوں۔ تم کل اپنا اصلی چہرہ دیکھ سکو گے۔ اوکے۔ اب صبح ملاقات ہوگی۔ شب بخیر۔"

وہ مجھ سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ میں بھی جلد سو جانا چاہتا تھا لیکن اپنے فرائض بھی نبھانے تھے۔ میں نے سائرہ بانو کی خبر لی۔ پھر مرجانہ سے ملاقات کی۔ اس کے بعد سونیا، رسونتی اور ممی کے پاس پہنچ گیا۔ رات کے وقت وہ تینوں کاٹیج کی چھت پر آ گئی تھیں۔ ممی نے کہا تھا کہ سونیا اور رسونتی سوتی رہیں اور وہ جاگ کر پہرہ دیتی رہیں گی۔ کوئی خطرہ ہوگا تو وہ سونیا کو اٹھا دیں گی۔

سونیا بوڑھی خاتون کو تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی۔ خود جاگنا چاہتی تھی۔ لیکن ممی نے سمجھایا "بیٹی ایک تو تم رت جگا کرو گی دوسرے یہ کہ دشمن آ گئے تو تمھیں سونے کی فرصت بھی نہیں ملے گی۔ پتہ نہیں کیا حالات ہوں۔ لہٰذا جب تک کوئی خطرہ نہ ہو تمھیں آرام کرنا چاہیے۔ اس وقت تک میرا اور رسونتی کا فرض ہے کہ ہم باری باری جاگتے رہیں اور پہرہ دیتے رہیں۔ تم ہمارے لیے بہت قیمتی ہو تمھیں سونا چاہیے۔"

رسونتی اور ممی نے اسے سمجھا بجھا کر سلا دیا۔ رسونتی بھی یہ کہہ کر سو گئی کہ ایک بجے کے بعد ممی اسے بیدار کر دیں گی۔ پھر رسونتی پہرہ دے گی اور ممی سو جائیں گی۔ بیٹھے کرنے کے بعد اب ممی جاگ رہی تھیں اور وہ دونوں سو رہی تھیں۔ اب تک اس کاٹیج کے اطراف رات کو کبھی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ صرف جنگلی درندوں کی آوازیں کبھی کبھی سنائی دیتی تھیں۔ وہ بھی دور ہوتی چلی جاتی تھیں۔ کوئی دشمن رات کو کبھی ادھر نہیں آیا۔ اسی لیے مجھے بھی اطمینان تھا کہ یہ رات بھی آرام سے گزر جائے گی۔ یہ سوچ کر میں نے اپنے دماغ کو ہدایات دیں اور صبح چھ بجے تک کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

صبح کے چھ بج گئے۔ دماغ نے ہدایات پر عمل کیا۔ میری آنکھیں کھل گئیں۔ میں نے تھوڑی دیر تک چھت کو گھورتے رہنے کے بعد سوچا۔ پہلے کس کی خبر لینا ہے۔ سائرہ بانو کے اطراف سخت پہرہ تھا۔ وہ محفوظ تھی۔ مرجانہ میری ہدایات پر عمل کر رہی تھی۔ اور فرار ہونے سے گریز کر رہی تھی۔ اس کے سر کی تکلیف بالکل ختم ہو گئی تھی۔ صرف زخم رہ گیا تھا جس کا علاج ہو رہا تھا اور علاج کے دوران جو تکلیف ہوا کرتی ہے۔ وہ ایسی تھی کہ مرجانہ اسے ہنستے ہنستے برداشت کر سکتی تھی۔ بہرحال مجھے مرجانہ کی بھی اب اتنی فکر نہیں تھی۔ لہٰذا میں سونیا، رسونتی اور ممی کے پاس پہنچ گیا۔

وہاں پہنچتے ہی پتہ چلا کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔ صبح پانچ بجے سے ہی سونیا کو ممی نے اٹھا دیا تھا اور اسے بتایا تھا کہ کاٹیج کے آس پاس کچھ گھڑ سوار نظر آ رہے ہیں۔ سونیا نے جلدی سے اٹھ کر دیکھا تو کاٹیج سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تقریباً چھ گھڑ سوار نظر آئے۔ جو کاٹیج کے چاروں طرف موجود تھے۔ کوئی درخت کے پیچھے تھا۔ کوئی درخت کے آگے بالکل سونیا کے سامنے جیسے تن کر چیلنج کر رہا تھا کہ نیچے آؤ۔ دیکھا جائے گا۔

سونیا خاموشی سے چاروں طرف چھت پر گھومتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اب تک کسی بھی دشمن نے نہ تو للکارا تھا اور نہ ہی کاٹیج کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ سب خاموشی سے تاڑ رہے تھے۔ سونیا نے آہستگی سے کہا: "ممی آپ رسونتی کو لے کر نیچے کمرے میں چلی جائیں اور کھڑکی کے سامنے نہ جائیں۔ شاید وہ فائرنگ کریں۔ باقی میں یہاں نمٹ لوں گی جلدی کریں۔"

ممی اور رسونتی چھت پر بیٹھ گئیں۔ پھر وہاں سے رینگتے ہوئے نیچے جانے لگیں۔ میں اسی وقت حشمت بیگ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اب تک گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ کو بری طرح جھنجوڑ ڈالا۔ وہ ایک دم سے چیخ مار کر اٹھا اور بستر پر تلملاتے ہوئے اِدھر اُدھر تڑپنے لگا۔ میں نے غصے سے سوچ کے ذریعے کہا: "ذلیل انسان سائرہ بانو نے تین دن کی مہلت لی تھی اور تو اس پر راضی ہو گیا تھا۔ پھر سونیا وغیرہ کو کیوں پریشان کیا جا رہا ہے۔ تمہارے آدمی کاٹیج کو کیوں گھیر رہے ہیں؟"

حشمت بیگ نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھامتے ہوئے کہا: "خدا کے لیے مجھے ایسی سزائیں نہ دو۔ میرا دماغ جھنجنا جاتا ہے۔ میں سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہتا۔"

میں نے کہا: "فوراً میری بات کا جواب دو۔ ورنہ میں اس سے بھی برا سلوک کروں گا۔"

اس نے کہا: "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نہیں جانتا کون لوگ کاٹیج کو گھیر رہے ہیں اور ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا کیونکہ میرا بیٹا جلال بیگ اپنی مرضی کا مالک ہے اور وہ اپنے منصوبے مجھے نہیں بتاتا ہے۔ تم مجھے تھوڑا سا وقت دو۔ میں اپنے بیٹے سے کسی طرح رابطہ قائم کر کے اسے سمجھاؤں گا کہ مہلت کی مدت ختم ہونے تک وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے۔"

میں حشمت بیگ کو چھوڑ کر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ چھت پر تنہا کھڑی ہوئی تھی۔ ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا۔ اور انگلی ٹریگر پر رکھی ہوئی تھی۔ اس نے تھوڑی دیر تک انتظار کرنے کے بعد للکار کر پوچھا: "تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے سر اٹھا کر اوپر چھت کی طرف دیکھتے رہے۔ سونیا نے پھر پوچھا: "میں آخری بار پوچھتی ہوں۔ دوستی کے لیے آئے ہو یا دشمنی کے لیے۔ اگر جواب نہیں دو گے تو میں گولی چلا دوں گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی گھوڑے سوار ایک ایک کر کے پلٹ گئے۔ جیسے منہ پھیر کر جا رہے ہوں۔ لیکن ذرا دور جا کر وہ ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ پھر انھوں نے دائیں طرف گھوڑوں کو موڑ لیا یعنی سب ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہو گئے۔ اس کے بعد آگے والے گھوڑے سوار نے جنگلیوں کے انداز میں چیختے ہوئے گھوڑے کو لگام سے مارا۔ ایڑ لگائی اور اسے دوڑانے لگا۔ گھوڑے نے تیزی سے دوڑنا شروع کیا۔ اس کے پیچھے دوسرے گھوڑے بھی دوڑنے لگے۔ سونیا نے دیکھا۔ اب وہ چھ گھوڑے سوار ذرا ذرا سے فاصلے پر دوڑ رہے تھے۔ اور کاٹیج کے چاروں طرف گھوم رہے تھے ایک دائرہ بنا کر اِدھر سے اُدھر بھاگتے چلے رہے تھے۔ سونیا چھت پر تنہا تھی وہ چاروں طرف گھوم گھوم کر نہیں دیکھ سکتی تھی کہ کون سا گھڑ سوار کس طرف جا رہا ہے۔ بس اتنا پتہ تھا کہ وہ جدھر بھی جا رہا ہو ایک دائرے میں چکر کاٹنے کے بعد پھر سامنے کی طرف آئے گا۔ وہ کھڑی ہو کر ان کی حرکتوں کو دیکھنے لگی۔

میری بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ لوگ کاٹیج کے چاروں طرف اتنی تیزی سے گھوڑے کیوں دوڑا رہے ہیں۔ پھر اچانک ہی ساری بات سمجھ میں آگئی۔ اچانک ہی رسی کا ایک پھندا لہراتا ہوا چھت کی طرف گیا اور سونیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس سے پہلے کہ سونیا سنبھلتی اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ پھر وہ چھت کے کنارے سے لڑکھڑا کر برآمدے کی چھت پر آئی اور وہاں سے لڑھکتے ہوئے نیچے آ کر گھاس پر گر پڑی۔

وہ سونیا تھی۔ کوئی اناڑی عورت نہیں تھی کہ اچانک حملے سے بوکھلا جاتی۔ چھت پر سے لڑھکتے ہوئے آ کر زمین پر گرنے کے باوجود تجربات نے اسے جو کچھ سکھایا تھا۔ اس پر اس نے عمل کیا یعنی ریوالور کو اس نے چھوڑا نہیں تھا۔ اس پر گرفت مضبوط تھی۔ اور کارتوس کی پیٹی تو اس کی کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ فرش پر پہنچتے ہی پہلے تو تکلیف کا احساس کیا۔ مگر دشمنوں کی موجودگی نے فوراً ہی اس احساس کو ختم کر دیا۔ ضد اور غصہ اس کے دماغ میں بھر گیا۔ مکاری اور ذہانت جو اس کی خصوصیت تھیں۔ وہ اپنا کام دکھانے لگیں۔ گرتے ہی اس نے کروٹ بدلتے ہوئے اندھا دھند فائرنگ کی۔ دو بار گولی چلائی دوسری گولی کام آگئی جس نے پھندا ڈال کر رسی سے کھینچا تھا۔ وہی گولی کا نشانہ بن کر گھوڑے کی پیٹھ سے لڑھکتا ہوا نیچے آیا۔ مگر گھوڑے سے الگ نہ ہو سکا کیونکہ اس کا پاؤں رکاب میں پھنسا ہوا تھا۔ اور گھوڑا اسے لے کر بھاگ رہا تھا۔ رسی اس آدمی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ وہ حالات کو سمجھتے ہوئے فوراً ہی اٹھ گئی تھی اور دوڑتے ہوئے اس گھوڑے کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگی۔

اسی وقت پے در پے کئی فائر ہوئے۔ سونیا کے قریب سے کتنی گولیاں گزریں۔ اس کے بعد ایک گولی کھڑکی کا شیشہ توڑتے ہوئے اندر گئی۔ رسونتی کی چیخ سنائی دی۔ پھر دوسرے ہی لمحے اندر سے فائرنگ شروع ہوئی ممی گولیاں چلا رہی تھیں۔ سونیا کو موقع دے رہی تھیں۔

وہ دوڑتے ہوئے اس خالی گھوڑے تک پہنچ جائے۔ جو دوسرے گھڑ سوار تھے۔ وہ سونیا کے قریب نہیں آ رہے تھے۔ کیونکہ اندر سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ پھر جواباً ان لوگوں نے جھنجلا کر کاٹیج کی طرف فائرنگ کی تاکہ ممی کو فائرنگ سے روکا جائے لیکن اس وقت تک سونیا گھوڑے تک پہنچ گئی تھی۔ اور اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گئی تھی۔ سوار ہوتے ہی اس نے گرنے والے شخص کے پاؤں کو رکاب سے آزاد کیا۔ اور پھر گھوڑے کی لگام تھام کر کھینچتے ہوئے ایک دم ہی سے جنگل کی طرف بھاگنے لگی۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ وہ لوگ ممی کا خیال چھوڑ دیں۔ کاٹیج کی طرف فائرنگ نہ کریں اور اس کا تعاقب کریں تاکہ اسے گرفتار کیا جا سکے۔ یا ہلاک کیا جا سکے سونیا نے موت کو اپنے پیچھے لگا لیا تھا۔

سونیا کی تدبیر اپنی جگہ درست تھی۔ لیکن سب کے سب دشمنوں نے اس کا تعاقب نہیں کیا تین گھوڑے سوار اس کے پیچھے بھاگے۔ باقی تین میں ایک تو سونیا کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا تھا۔ دو رہ گئے تھے۔ وہ دونوں کاٹیج سے ذرا دور ہٹ کر ممی اور رسونتی کے خلاف مورچہ بنانے لگے۔ میں پریشان ہو گیا کہ کہاں دیکھوں اور کس کے پاس رہوں۔ اُدھر سونیا کے پیچھے موت دوڑی چلی جا رہی تھی اِدھر ممی اور رسونتی بھی دو دشمنوں کے رحم و کرم پر تھیں۔ بے چاری ممی تنہا کب تک فائرنگ کرتیں یا گنتی کے کارتوس کب تک کام آتے پھر یہ کہ ممی ریوالور کا استعمال تو جانتی تھیں۔ لیکن ان کا نشانہ درست نہیں تھا۔ دوسری طرف رسونتی اس معاملے میں بالکل کوری تھی اس نے ریوالور کو کبھی پکڑا بھی نہیں تھا۔

میں دونوں طرف سے الجھا ہوا تھا۔ اس لیے پلک جھپکتے ہی کبھی رسونتی کے پاس اور کبھی سونیا کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ وہ تیزی سے گھوڑے کو دوڑاتی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی پیچھے سے دشمن فائر کرتے تھے لیکن گولی اسے شاید اس لیے نہیں لگتی تھی کہ دوڑتے ہوئے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر نشانہ صحیح نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ سونیا رہ رہ کر گھوڑے کی گردن سے لپٹ جاتی تھی اور وقتاً فوقتاً گھوڑے کی لگام کو کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف کرتی تھی۔ گھوڑا مختلف سمت دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ جس سے دشمنوں کو اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ کس لمحے سونیا کا گھوڑا کس سمت جائے گا۔ بہرحال وہ بڑی ہوشیاری سے اور پوری حاضر دماغی سے تعاقب کرنے والے دشمنوں کو اپنے پیچھے لگائے ہوئے تھی۔

میں چند لمحوں کے لیے اسے چھوڑ کر رسونتی اور ممی کے پاس پہنچا۔ وہ دونوں کمرے کے اندر سہمی ہوئی تھیں۔ کھڑکی دروازے بند تھے اور وہ کبھی اس کھڑکی سے کبھی اس کھڑکی سے دشمنوں کو دیکھتی تھیں۔ جو اب نظر نہیں آ رہے تھے۔ پتہ نہیں کہاں گم ہو گئے تھے۔ یہ اندیشہ تھا کہ وہ کاٹیج کے پچھلی طرف سے چپ چاپ اس کمرے کی طرف بھی آ سکتے ہیں۔ اور دروازے کو توڑ سکتے ہیں مگر وہ کیا کر رہے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ اور نہ ہی میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے معلوم کر سکتا تھا۔ کاش کہ میں ان گونگے بدمعاشوں تک پہنچ سکتا۔ وہاں سنسنی پھیلی ہوئی تھی کہ پتہ نہیں کس لمحے کیا ہو جائے۔

میں پھر چند لمحوں کے لیے انھیں چھوڑ کر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ گھوڑوں کی دوڑ جاری تھی۔ وہ آگے پیچھے گھوڑے دوڑاتے جا رہے تھے۔ سونیا سمجھ رہی تھی کہ اس کا تعاقب کرنے والے اس کے قریب آتے جا رہے ہیں۔ وہ آگے کی طرف بھی دیکھتی تھی اور کبھی کبھی گردن گھما کر پیچھے دیکھ لیتی تھی۔ آگے اس لیے دیکھنا پڑتا تھا کہ بہت سے درخت ایسے تھے جن کی شاخیں نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ اور وہاں سے گزرتے وقت اس کو سر جھکا کر گزرنا پڑتا تھا۔ اگر وہ سر اٹھا کر گھوڑے پر بیٹھی رہتی تو شاخوں سے ٹکرا کر زخمی ہو کر گھوڑے کی پیٹھ سے نیچے گر پڑتی۔ اسی لیے اسے آگے پیچھے کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔

پھر اس کا تعاقب کرنے والے بالکل ہی قریب پہنچنے لگے۔ وہ چاہتی تو پیچھے کی طرف ہاتھ بڑھا کر اندھا دھند فائرنگ کر سکتی تھی۔ اپنے دشمنوں کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر سکتی تھی۔ لیکن اس کے حساب سے ریوالور میں صرف دو گولیاں رہ گئی تھیں۔ اور باقی گولیاں کمر کی پیٹی میں بندھی ہوئی تھیں۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ وہاں سے گولیاں نکال کر ریوالور کے چیمبر کو بھرتی۔ اس نے دوڑتے دوڑتے چشم زدن میں کچھ فیصلہ کیا۔ پھر ریوالور کو اپنے دانتوں میں دبا لیا۔ لگام کو ڈھیل دیتے ہوئے اور ایڑ لگاتے ہوئے تیزی سے گھوڑے کو آگے دوڑانے لگی۔ سامنے ہی ایک ایسا درخت آ رہا تھا جس کی شاخ نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھی۔ اس نے رکاب سے اپنے پاؤں ڈھیلے کر لیے۔ جیسے ہی وہ شاخ قریب آئی اس نے فوراً اچھل کر اس شاخ کو پکڑ لیا۔ اس کے نیچے سے گھوڑا نکل کر چلا گیا۔ اسی تیز رفتاری میں باقی تین گھوڑے سوار بھی آگے بڑھتے چلے گئے۔ جب انھوں نے آگے گھوڑے کو خالی دیکھا تو انھوں نے اپنے گھوڑوں کو لگام دی لیکن وہ گھوڑے رکتے رکتے بھی کچھ فاصلے تک چلے گئے۔ اس وقت تک سونیا اس شاخ کو چھوڑ کر نیچے زمین پر آ گئی تھی۔ اور ریوالور کو ہاتھ میں لے کر کھڑی ہوئی تھی۔ جیسے ہی وہ تینوں گھوڑے سوار رکے اور پلٹنا ہی چاہتے تھے کہ اس نے متواتر فائرنگ کی۔ دو گولیاں چلیں اور دو سوار گھوڑے سے نیچے گرے۔ تیسرا بھاگتا ہوا ایک جھاڑی کے پیچھے چلا گیا۔ کیونکہ سونیا کے ریوالور میں تیسری گولی نہیں تھی۔ وہ بھی دوڑتی ہوئی ایک درخت کے پیچھے گئی پھر اپنے ریوالور کے چیمبر کو بھرنے لگی۔

میں پھر چند سیکنڈ کے لیے کاٹیج میں پہنچ گیا۔ رسونتی اور ممی

وحشیانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھڑکی کے پیچھے دیکھ رہی تھیں۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر دیوار سے لگی ہوئی تھیں اور کبھی کبھی کھڑکی سے جھانک لیتی تھیں۔ کان لگا کر کچھ آہٹ سننے کی کوشش کرتی تھیں۔ مگر کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ دونوں دشمن واپس چلے گئے ہیں۔ یا کچھ کرنے میں مصروف ہیں۔

میں نے رسونتی کو مخاطب کیا تو اس کی جان میں جان آئی۔ میں نے کہا" تم پریشان نہ ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

وہ بولی "ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے سوچ کے ذریعے تمہیں پکارا تھا۔ مگر تمہارا جواب نہیں ملا۔ میں سمجھی تم ہم سے غافل ہو۔"

"میں غافل نہیں ہوں۔ سونیا بھی مصیبت میں ہے۔ دشمن اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ کبھی میں اس کی طرف جاتا ہوں۔ کبھی تم لوگوں کے پاس آتا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ وہ ریوالور اپنے ہاتھ میں رکھو اور کارتوس کی پیٹیاں اپنے شانے سے لٹکا لو۔"

"لیکن فرہاد میں شرمندہ ہوں کہ ایسے حالات میں مجھے ریوالور کا استعمال نہیں آتا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ جب کوئی افتاد آ پڑے گی تو میں تمہارے دماغ پر پوری طرح قابض ہو جاؤں گا۔ پھر تمہارے ہاتھ ریوالور کو اچھی طرح استعمال کر سکیں گے اور نشانہ بھی صحیح ہوگا۔ تم فکر نہ کرو۔ جو کہتا ہوں اس پر عمل کرو۔ میں ابھی سونیا کی خبر لے کر آتا ہوں۔"

سونیا درخت کے تنے سے لگی ہوئی کھڑی تھی۔ اور ذرا سا سر آگے کر کے اپنے سامنے دور دیکھ رہی تھی۔ دور ایک جھاڑی کے پیچھے گھوڑے کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ اس گھڑ سوار نے اپنے گھوڑے کی لگام کو درخت کی ایک شاخ سے باندھ دیا تھا کیونکہ باقی گھوڑے بھاگ گئے تھے۔ اسے خدشہ تھا کہ اس کا گھوڑا بھی نہ بھاگ جائے۔ میں نے سونیا سے پوچھا "تمہیں اس درخت کے پیچھے کتنی دیر ہوئی ہے؟"

"میں اندازے سے کہہ سکتی ہوں کہ ایک منٹ گزرا ہے۔"

"مقابلے کا وقت ایک منٹ بہت ہوتا ہے۔ ایک منٹ میں دشمن کچھ سے کچھ کر گزرتا ہے۔ یہ جنگل ہے اگر وہ اوندھے منہ لیٹ کر رینگتا ہوا گھاس پر سے اپنی جگہ تبدیل کرے گا تو تمہیں پتہ نہیں چلے گا۔ تمہیں آہٹ نہیں ملے گی۔ تم فوراً گھاس پر لیٹ جاؤ اور اسی طرح اپنی جگہ تبدیل کرو۔"

وہ اوندھے منہ لیٹ کر رینگنے کے لیے بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی آئی اور درخت کے تنے کے اس حصے میں پیوست ہو گئی۔ جہاں ابھی وہ کھڑی تھی۔ وہ تڑپ کر گھاس پر لیٹ گئیں۔ وہاں سے لڑھکتے ہوئے درخت کے تنے کے دوسری طرف پہنچ گئی۔ وہاں پہنچ کر بھی وہ لیٹی رہی اور ذرا سا سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ چاروں طرف اونچی اونچی گھاس تھی۔ لیٹنے والے ایک دوسرے کو نظر نہیں آسکتے تھے۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل سے دور دور تک دیکھ رہی تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ درخت کے پتے بھی خاموش تھے۔ ہوا نہیں چل رہی تھی۔ بالکل گہری خاموشی میں اچانک ہی دور سے ہولے ہولے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ سونیا نے کان لگا کر سنا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ آواز کتنی دور سے آ رہی ہے اور کس سمت سے آ رہی ہے۔ یہ دشمن کی طرف سے دھوکہ بھی ہو سکتا تھا اس لیے وہ کان لگائے آواز کو بہت محتاط ہو کر سنتی رہی۔ ریوالور پر اس کی گرفت مضبوط تھی اور ٹریگر پر انگلی جمی ہوئی تھی۔

ایک ذرا اکتا دینے والے اور دل کو دھڑکا دینے والے انتظار کے بعد ایک جگہ گھاس میں ہلچل سی ہوئی۔ پھر ایک انسانی جسم نظر آیا۔ وہ وہی دشمن تھا۔ آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر اس طرح کھڑا ہوا کہ اس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ وہ ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ سونیا نے اس پر فائر نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ وہ ڈگمگاتے ہوئے آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے اچانک ہی لڑکھڑایا۔ پھر اوندھے منہ گھاس پر گر پڑا۔

سونیا کی سوچ نے حیرانی سے پوچھا "یہ کیا ہوا؟"

میں نے کہا "تم گھاس پر لڑھکتے وقت مسلسل فائرنگ کر رہی تھیں۔ شاید فائرنگ کی زد میں وہ آگیا ہے۔ آگے بڑھ کر دیکھو۔ مگر کھڑی نہ ہونا۔ اسی طرح رینگتی ہوئی آگے بڑھو۔"

وہ گھاس پر رینگتے ہوئے اسی طرف بڑھنے لگی۔ جہاں وہ شخص اوندھے منہ گرا تھا۔ وہ دشمن کی چال بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن سونیا بھی کچی نہیں تھی۔ وہ اتنی محتاط تھی کہ کسی بھی لمحے پلک جھپکتے ہی فائر کر سکتی تھی۔ بہر حال وہ آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئی۔ وہ واقعی مردہ پڑا ہوا تھا۔

میں نے سونیا سے کہا "اب وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً اس کے گھوڑے کو لو اور کاٹیج واپس پہنچو۔ ممی اور رسونتی خطرے میں ہیں۔ وہاں جو دو گھوڑ سوار رہ گئے تھے۔ ان کے متعلق پتہ نہیں چل رہا ہے کہ وہ کیا کرنے والے ہیں۔"

سونیا اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور چاروں طرف دیکھتے ہوئے گھوڑے کی طرف بڑھنے لگی اور اندازہ کرنے لگی کہ وہ کس طرف سے آئی تھی اور وہ کاٹیج کس سمت ہو سکتا ہے۔ پھر وہ بولی "فرہاد۔ یہاں سمتوں کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ چاروں طرف ایک ہی جیسے درخت پھل اور پھول نظر آتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کدھر سے آئی تھی۔"

"تم گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ پھر اس کے بعد دیکھو کہ درخت کی وہ شاخ کہاں ہے۔ جس پر تم دوڑتے ہوئے گھوڑے پر سے اچھل کر لٹک گئی تھیں۔ وہ شاخ اگر نظر آ جائے تو سمجھ لو کہ اس

کے مخالف سمت سے آ رہی تھیں۔ اس لیے تمہیں مخالف سمت ہی جانا چاہیے۔ اسی طرح راستے کا تم اندازہ کرتی رہو گی تو کاٹیج تک پہنچ جاؤ گی۔ میں ان کے پاس جا رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں پھر ممی اور رسونتی کے پاس پہنچا۔ اسی وقت فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ ایک گولی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر اندر آئی۔ اسی وقت مجھے ڈاکٹر میکی براڈلے کی آواز سنائی دی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا "مسٹر فرہاد۔ اب وقت ہو گیا ہے۔ میں آپ کو آپ کا چہرہ واپس کرنے آیا ہوں۔"

میں نے کہا "ڈاکٹر اس وقت میرے ساتھی بڑی مصیبت میں ہیں۔ وہاں میرا ذہنی طور پر موجود رہنا بے حد ضروری ہے۔ اگر آپ مجھے ڈسٹرب نہ کریں تو میں چپ چاپ آنکھیں بند کر کے لیٹا رہوں گا۔ آپ میرے چہرے کے ساتھ جو کرنا ہے کرتے رہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ تم اپنے کام میں مصروف رہو۔ میں اپنے کام کو نباہتا رہوں گا۔ کیری آن۔"

میں آنکھیں بند کر کے پھر اس کاٹیج میں پہنچ گیا۔ ممی جوابی فائرنگ کر رہی تھیں۔ میں رسونتی کے دماغ پر قابض ہو گیا تھا۔ اسی وقت رسونتی فرش پر بیٹھ گئی۔ پھر فرش پر دونوں ہاتھ اور پاؤں کے بل رینگتے ہوئے دوسری طرف کھڑکی کی طرف جانے لگی۔ وہاں اس نے دیوار کی آڑ لے کر کھڑکی کے پار دیکھا تو وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ ممی نے پلٹ کر اس سے کہا "بیٹی تم وہاں نہ جاؤ۔ تم دشمنوں سے مقابلہ نہیں کر سکو گی۔"

رسونتی نے مسکرا کر کہا "ممی۔ اس وقت میں رسونتی نہیں، فرہاد ہوں۔ اب یہ باقاعدہ ریوالور کو استعمال کر سکے گی۔ اور دشمنوں کی چالوں کو سمجھ سکے گی۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

وہ خوش ہو کر بولیں "بیٹے! یہ تم نے اچھا کیا کہ میرے پاس آگئے۔ میرا دل بڑا گھبرا رہا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ تم آ جاؤ اور ہاں تم نے مجھے بتایا تھا نا؟ وہ دن اور تاریخ مجھے یاد ہے۔ آج تمہارے چہرے سے پٹیاں اترنے والی ہیں۔ تم اپنا اصلی چہرہ پاؤ گے اور میری پیشگوئی درست ہوگی۔"

"ممی! آپ کے علم کا جواب نہیں ہے۔ اس وقت ڈاکٹر میکی براڈلے میرے چہرے سے پٹیاں اتار رہا ہے اور میں آپ کے پاس موجود ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں اپنے اصلی روپ میں آ جاؤں گا۔ پھر جلد ہی ہسپتال سے نکل کر اس جگہ کو تلاش کرتے ہوئے آپ کے پاس پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ آپ کی یہ خواہش ضرور پوری ہوگی کہ آپ مجھے میرے اصلی چہرے کے ساتھ دیکھیں اور آپ ضرور دیکھیں گی۔"

ایسا کہتے وقت میں نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔ رسونتی نے فوراً ہی کھڑکی کے پار دیکھا۔ ایک شخص ہاتھ میں ریوالور لیے دوڑتا ہوا جا رہا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے نشانہ لگایا۔ اس نے فائر کیا لیکن اسی وقت وہ شخص کھڑکی کے فریم سے باہر چلا گیا۔ یعنی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ کاٹیج لکڑی کے تختوں سے بنایا گیا تھا۔ اس کا فرش بھی لکڑی کے تختوں کا تھا۔ چلنے سے ہلکی سی آواز پیدا ہوتی تھی۔ میں نے رسونتی کی سماعت کے ذریعے آواز سنی۔ کوئی برآمدے کے تختے پر آگیا تھا اور آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھ رہا تھا۔ شاید باہر اس کمرے کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا تھا جس میں ممی اور رسونتی موجود تھیں۔

تھوڑی دیر تک گہری خاموشی رہی۔ باہر سے کسی کے چلنے کی آواز نہیں آئی۔ پھر یکلخت ممی نے چیخ ماری۔ انھوں نے کھڑکی کے پار ایک شخص کو دیکھ لیا تھا جو ہاتھ بڑھا کر رسونتی کا نشانہ لے رہا تھا۔ ممی نے فوراً ہی اس کا نشانہ لے کر اپنے ریوالور سے گولی چلائی مگر کھٹ کی آواز کے ساتھ ریوالور خالی رہا۔ تب انھیں احساس ہوا کہ وہ چیمبر کی چھ گولیاں استعمال کر چکی ہیں۔ انھیں چیمبر کو بھرنا چاہیے تھا لیکن اب وقت نہیں تھا۔ میں نے رسونتی کی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔ ان کے چیخنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی اور نہ ہی میں رسونتی کی آنکھوں سے اس دشمن کو دیکھ سکا تھا جو کھڑکی کے پار کھڑا ہوا نشانہ لے رہا تھا۔ اسی الجھن میں ممی دوڑتے ہوئے چیختے ہوئے آئیں اور رسونتی سے لپٹ گئیں۔ اسی وقت ٹھائیں سے گولی چلی اور ممی کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ گولی ان کی پیٹھ میں پیوست ہو گئی تھی۔ پھر دوسرا فائر ہوا۔ دوسری گولی بھی انھیں لگی۔ اس وقت تک میں ممی کو ایک ہاتھ سے سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے فائر کرنا چاہتا تھا لیکن اتنی دیر میں وہ شخص نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تاہم میں نے اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے کھڑکی پر پے در پے دو فائر کیے۔ اس کے بعد ممی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

وہ تڑپ رہی تھیں۔ ڈوبتی ہوئی نظروں سے رسونتی کے چہرے کو تک رہی تھیں۔ میں نے کہا "ممی! یہ آپ نے کیا کیا۔ آپ کو رسونتی سے آکر نہیں لپٹنا چاہیے تھا۔"

"بیٹے! یہ تیری امانت ہے نا۔ میں نے ایک وقت میں دو فرائض انجام دیے۔ تیری امانت کی حفاظت کی اور تجھ سے آکر لپٹ گئی۔ تو اس وقت رسونتی نہیں فرہاد ہے۔ میرا بیٹا ہے اور میں تجھے نہیں دیکھتے ہوئے بھی دیکھ رہی ہوں۔"

میں نے بڑے کرب سے اور بڑے دکھ سے کہا "ممی! یہ کیا ہو گیا ممی! آپ میرا اصلی چہرہ دیکھنا چاہتی تھیں۔ دیکھیے، شاید ڈاکٹر نے میرے چہرے کی آخری پٹی بھی اتار دی ہو گی اور میرے

چہرے کو وہ لوگ دیکھ رہے ہوں گے مگر میری ماں نہیں دیکھ رہی ہے۔ آہ، میں آپ کی یہ آخری خواہش بھی پوری نہ کر سکا!"

"بیٹے! بڑی خواہشیں ہوتی ہیں اس دنیا میں لیکن سبھی خواہشیں تو پوری نہیں ہو جاتیں۔ یہی کیا کم ہے کہ تم مجھ سے ہزاروں میل دور ہو لیکن میں تمھارے بازوؤں میں ہوں۔ تمھاری آواز کو اپنے دماغ میں سن رہی ہوں اور دیکھو تمھارے ہی سینے سے لگ کر دم توڑ رہی ہوں۔"

ان کی باتیں سن کر میں تڑپ گیا۔ میں نے دونوں بازوؤں میں اچھی طرح سمیٹ کر انھیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ ہولے ہولے ہمک رہی تھیں اور بہت دھیمے سروں میں کہہ رہی تھیں۔ "بیٹے! جب میں بہرملے سے رسونتی کو لے کر چلی تبھی میں سمجھ گئی تھی کہ اب میں کبھی واپس نہیں جا سکوں گی۔ اسی لیے میں نے وکیل کو بلا کر تمھارے نام وصیت کر دی تھی کہ میری کوٹھی، دولت اور جائداد جو کچھ بھی ہے۔ وہ سب تمھارے لیے ہے۔ کبھی بہرملے جاؤ تو یہ چیزیں اپنی ماں کا تحفہ سمجھ کر قبول کر لینا۔ میں جا رہی ہوں بیٹے! خدا حافظ بیٹے! میرے..... بچے!"

ایسا کہتے ہوئے وہ ایک دم سے ختم ہو گئیں۔ میں مرد ہوں رونا نہیں جانتا لیکن پتھر پگھلتے بھی ہیں، ٹوٹتے بھی ہیں خواہ وہ کتنی ہی مضبوط چٹان بن کر رہیں اور میں اس وقت کتنے ہی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر میکے براڈے نے مجھے جھنجھوڑ کر کہا "مسٹر فرہاد! یہ کیا آپ اس قدر کیوں تن گئے ہیں؟ چہرے اور جسم کو بالکل اکڑا لیا ہے۔ اپنے جسم کو ڈھیلا رکھیں اور آنکھیں کھول کر دیکھیں۔ میں آئینہ دکھا رہا ہوں۔ آپ کو اپنا اصلی چہرہ نظر آئے گا۔"

میں نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ آہستگی سے کہا "ڈاکٹر! اس وقت مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔ میں تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولوں گا اور آپ لوگوں سے باتیں کروں گا۔" یہ کہہ کر میں پھر رسونتی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر کے لیے میں نے رسونتی کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تھا اس لیے اس نے اپنی آنکھوں سے شعوری طور پر ممی کی لاش دیکھی تھی اور اب وہ رو رہی تھی، ان سے لپٹ رہی تھی۔ رونے اور صدمہ اٹھانے کے دوران اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ کر گر پڑا تھا۔ اُسے ریوالور کا خاص خیال رکھنا چاہیے تھا۔ ٹھیک ہے کہ ممی کی موت نے ہم سب کو بے حد صدمہ پہنچایا تھا تاہم اپنی سلامتی لازمی تھی۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک کی موت کا صدمہ برداشت کرتے کرتے اپنے لیے بھی موت کو دعوت دی جاتی۔ میں نے رسونتی سے کہا "ریوالور اٹھا لو۔"

وہ تڑپ کر بولی "مجھے نہیں اٹھانا ہے ریوالور۔ مجھے زندہ نہیں رہنا ہے۔ میں ممی کے ساتھ مرجانا چاہتی ہوں۔ ایسی زندگی کس کام کی کہ کوئی اپنا نہ ہو۔ کوئی یار و مددگار نہ ہو اور انسان اسی طرح تنہائی میں، ویرانی میں ایسے بے بسی کی موت مرے۔ میرا اب ممی کے بغیر دنیا میں ہے ہی کون؟ زندہ نہیں رہنا چاہتی۔"

میں سمجھ گیا کہ اس وقت وہ میری بات نہیں مانے گی۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ تب اس کے ہاتھ ریوالور کے لیے آگے بڑھے۔ جیسے ہی ہاتھ ریوالور تک پہنچا اسی وقت جھاڑیوں سے ایک گولی چلی اور ریوالور کے پاس آکر لگی۔ میں نے رسونتی کے ہاتھ کو فوراً واپس کھینچ لیا۔ پھر سر اٹھا کر دیکھا تو ایک شخص کھڑکی کے پاس ہاتھ بڑھائے رسونتی کو ریوالور کی زد میں لیے ہوئے تھا۔

اب رسونتی کے سامنے موت کھڑی ہوئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کس طرح اس کی جان بچاؤں۔ اگر میں رسونتی کا ہاتھ ریوالور کی طرف بڑھاتا تو اس سے پہلے ہی وہ گولی چلا دیتا۔ پھر یہ کہ میں دشمن کے دماغ تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔ مجبوری تھی۔ اب صرف اتنا ہی ہو سکتا تھا کہ اسے کسی طرح باتوں میں بہلایا جائے۔ کوئی موقع تلاش کیا جائے۔ یہ بات دماغ میں آتے ہی میں نے کہا "ٹھہر جاؤ۔ ابھی مجھے نہ مارنا۔ میں بالکل نہتی ہوں۔ ریوالور بھی نہیں اٹھاؤں گی لیکن یہ میری ممی ہیں۔ میں مرنے سے پہلے ان کا ماتم کرنا چاہتی ہوں۔ ٹھیک ہے کہ تم ظالم ہو، درندے ہو، تمھیں کسی پر رحم نہیں آتا اور مجھ اکیلی عورت پر بھی رحم نہیں آئے گا لیکن تم میں ذرا بھی انسانیت ہے تو میری آخری خواہش کا احترام کرتے ہوئے مجھے اپنی ممی کی لاش پر رو لینے دو۔"

یہ کہتے ہی میں جواب کا انتظار کیے بغیر ممی سے لپٹ کر رونے لگا۔ اس کے بعد ہی میں نے رسونتی کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اب وہ ممی سے لپٹی رو رہی تھی۔ میں اتنی دیر میں سونیا کے پاس پہنچ گیا تاکہ یہ معلوم کر سکوں کہ وہ رسونتی کی مدد کے لیے قریب پہنچی ہے یا نہیں۔ پتہ چلا کہ وہ جنگل میں بھٹک رہی تھی۔ راستہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بہت دیر تک گھوڑے کو دوڑاتے رہنے کے باوجود اسے کاٹیج نظر نہیں آتے تھے۔

میں نے پوچھا "سونیا! کہاں بھٹک رہی ہو؟ وہاں کاٹیج میں قیامت گزر گئی ہے۔ ایک بری خبر ہے۔ سن لو کہ ممی مر چکی ہیں۔ دشمن نے انھیں گولی مار دی ہے اور اب رسونتی ان کے ریوالور کی زد میں ہے اور میری مجبوری یہ ہے کہ میں اُسے بچا نہیں سکتا، ان دشمنوں کے دماغوں میں پہنچ نہیں سکتا۔ ابھی سچویشن اتنی خراب ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں پھر واپس جا رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں نے اس بری خبر کا ردِعمل سونیا سے نہیں سنا اور واپس رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت تک وہ کھڑکی کے باہر کھڑا ہوا شخص کھڑکی کے راستے اندر آگیا تھا اور آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا رسونتی کے پاس پہنچ گیا تھا۔ پھر اس نے جھک کر وہاں پڑے ہوئے ریوالور کو اٹھا لیا۔ یعنی رسونتی کو بچانے کا ایک سہارا تھا وہ سہارا بھی دشمن کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ رسونتی رو رہی تھی اور اسے اس بات کی پروا نہیں تھی کہ دشمن سر پر پہنچ گیا ہے اور کسی وقت بھی اُسے گولی مار سکتا ہے۔

چند لمحوں کے بعد پھر باہر سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ برآمدے میں بچھے ہوئے تختے چرچراہٹ کی آواز..... پیدا کر رہے تھے۔ وہ دو دشمن تھے اب دوسرا بھی آگیا تھا اور کھڑکی کے راستے سے اندر آ رہا تھا۔ پھر..... اپنے ساتھی کے قریب آکر اس کی گردن پر ریوالور رکھتے ہوئے بولا "میں تمھیں بہت سمجھا چکا ہوں۔ اب اگر تم نے اس عورت کو گولی ماری تو اس سے پہلے میں تمھاری کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔"

میں رسونتی کے دماغ میں تھا۔ میں نے بڑی حیرانی سے سر اٹھا کر اس کے آنے والے ساتھی کو دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھا اور غصے میں نظر آ رہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ دونوں اس خطرناک سچویشن میں ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے لیکن یہ دشمنی شاید پہلے سے چلی آ رہی تھی۔ اب وہ آنے والا شخص کہہ رہا تھا "میں نے تمھیں اس وقت بھی سمجھایا تھا جب سونیا یہاں سے فرار ہوئی تھی اور ہمارے ساتھی اس کے تعاقب میں گئے تھے۔ میں نے تمھیں بھگوان کا واسطہ دے کر کہا تھا کہ یہ بے چاری دو عورتیں ہیں، ان کی جان نہ لو۔ انھیں چھوڑ دو۔ میں نے اپنی بیوی کا اور اپنی جوان بیٹی کا حوالہ دیا۔ میں انھیں رحم میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ پتہ نہیں وہ کس حال میں ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ میں یہاں ان سے دشمنی کر رہا ہوں، وہاں بھی کوئی ان سے دشمنی کر رہا ہو۔ اگر میری بیٹی کی عزت پر آنچ آئی تو میرے دل پر کیا گزرے گی۔ میں نے ایک ایک بات تمھیں ہجے کر کے سمجھائی مگر تم نہیں سمجھے۔ تم جلال بیگ کے نمک خوار بننے پر تلے ہوئے ہو۔ وہ جلال بیگ تمھیں کیا دے گا۔ زیادہ سے زیادہ کچھ دولت دے دے گا مگر انسانیت کبھی نہیں دے سکے گا اور میں سمجھ گیا ہوں کہ میں محبت سے سمجھاؤں تب بھی تم میں انسانیت پیدا نہیں ہوگی۔ اس لیے آخری بار کہتا ہوں۔ اپنا ریوالور نیچے گرا دو۔ چلو، جلدی کرو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی پہلے والے آدمی نے بجلی کی سی پھرتی دکھائی۔ وہ ایک دم سے پلٹ کر اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن دوسرا بھی بجلی ہی تھا۔ جب تک وہ پلٹ کر اس پر حملہ کرتا اس وقت تک گولی چل چکی تھی۔ وہ تڑپ کر فرش پر گر پڑا۔

میں نے اطمینان کی سانس لی جو موت رسونتی کی طرف آ رہی تھی وہ پلٹ کر اس کے دشمن کو چاٹ گئی۔ رسونتی کی جان بچانے والے نے افسوس کرنے کے انداز میں اپنے ساتھی کی لاش کی طرف دیکھا پھر رسونتی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں نے اپنی آواز سنا دی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ فرہاد صاحب میرے دماغ تک پہنچ جائیں گے یا پہنچ چکے ہوں گے لیکن میں دشمن ہونے کے باوجود ان سے التجا کرتا ہوں کہ مجھ سے دشمنی نہ کریں۔ اس وقت تک مجھے زندہ رہنے دیں جب تک میں اپنی بیٹی اور بیوی کے پاس نہ پہنچ جاؤں۔ مجھے اپنی بیٹی سے محبت ہے۔ اتنی محبت کہ اسی کے طفیل میں نے اس بیٹی کی جان بچائی ہے۔"

رسونتی نے کہا "فرہاد تمھارے دماغ میں پہنچ چکا ہے اور وہ تم سے انتقام نہیں لے گا۔ بھلا کس بات کا انتقام لے گا؟ تم نے تو ہم سب پر بڑا احسان کیا ہے اور اس احسان کا بدلہ فرہاد ضرور دے گا۔ نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔"

وہ بولا "ہاں میں نے نیکی ضرور کی ہے لیکن میں جلال بیگ سے بھی دشمنی مول لینا نہیں چاہتا۔ میرے دوسرے ساتھیوں کو اس بات کا علم نہ ہو کہ میں نے تمھاری جان بچائی ہے اور تمھارا پیچھا کر کے اپنے ایک ساتھی کی جان لی ہے۔"

میں نے رسونتی کی زبان میں کہا "تمھارے دو ساتھی جو سونیا کے تعاقب میں گئے تھے، اب ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔ تمھاری یہ نیکی جلال بیگ کے کانوں تک نہیں پہنچے گی۔"

"اچھا ہوا کہ وہ مارے گئے لیکن دوسرے یہاں پہنچیں گے اگر تم یہاں تنہا رہو گی تو وہ تمھیں پریشان کریں گے۔"

میں نے رسونتی کے ذریعے پوچھا "کیا تم وہ راستہ بتا سکتے ہو جہاں سے تم اور تمھارے ساتھی یہاں پہنچے ہیں؟"

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں۔ ہم آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہیں اور اس جنگل کے راستوں کو پہچان نہیں سکتے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر راستہ نہیں پہچانتے ہو تو کہاں سے آتے ہو اور یہاں تک کیسے پہنچے ہو؟"

"ہمیں وہ گھوڑے پہنچاتے ہیں جن پر سوار ہو کر ہم آتے ہیں۔ یہ بہت سدھائے ہوئے گھوڑے ہیں۔ یہاں سے پتہ نہیں کتنی دور ایک کیمپ ہے جہاں مرجانہ نام کی ایک لڑکی قیدی کی حیثیت سے رکھی گئی ہے۔ ہم اسی کیمپ سے آئے ہیں۔ یہ گھوڑے اُس کیمپ سے لے کر اس کاٹیج تک کا راستہ پہچانتے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اب یہاں سے اس کیمپ میں واپس جاؤں گا تو کیا رپورٹ دوں گا۔ مجھے یہ بتانا ہوگا کہ اس کاٹیج میں ایک لڑکی زندہ رہ گئی ہے۔"

"تمھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ان سے یہ کہہ سکتے ہو کہ سونیا کا تعاقب کرنے والوں میں تم بھی تھے۔ جب تمھارے تین ساتھی

یکے بعد دیگرے سونیا کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تو تم اپنی جان بچا کر اس کیمپ میں واپس آ گئے ہو۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا "ہاں۔ میں یہ بہانہ کر سکتا ہوں۔ اچھی تدبیر ہے۔"

میں نے کہا "سونیا! اس وقت جنگل میں بھٹک رہی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ وہ کیسے یہاں تک پہنچ سکتی ہے؟"

"آپ سونیا سے کہہ دیں کہ وہ گھوڑے کی لگام کو ڈھیلا چھوڑ دے۔ اگر وہ لگام کو اپنے قابو میں رکھے گی اور اسے اِدھر سے اُدھر موڑتی رہے گی تو گھوڑا اِدھر سے اُدھر بھٹکتا رہے گا۔ اگر گھوڑے کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو وہ کیمپ کی طرف جائے گا یا پھر اس کاٹیج کی طرف آئے گا۔ دو سے ایک جگہ وہ پہنچ جائے گی۔"

"تمھارا بہت بہت شکریہ۔ میں ابھی جا کر سونیا کو یہ بتا دیتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر اسے مشورہ دیا کہ گھوڑے کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے اور اس کی لگام اپنے کنٹرول میں نہ رکھے۔ وہ گھوڑا خود بخود اسے یا تو کاٹیج تک پہنچا دے گا یا اس کیمپ کی طرف لے جائے گا جہاں مرجانہ قید ہے۔ سونیا میرے مشورے پر عمل کرنے لگی۔ میں اس کے پاس سے پھر رسونتی کی طرف واپس آیا۔ اس وقت وہ شخص ... سے کہہ رہا تھا "بیٹی! تم کہاں جاؤ گی۔ کیا یہاں تنہا رہو گی؟"

رسونتی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، پھر نظریں جھکا کر فرش پر پڑی ہوئی ممی کی لاش کو دیکھا۔ اس کے بعد وہ بڑے کرب سے بولی "تم نے مجھے کیوں زندہ رہنے دیا۔ مجھ پر اگر احسان کرنا چاہتے ہو تو مجھے بھی مار ڈالو۔ میں زندہ رہ کر تھک گئی ہوں۔ اب زندگی کا بوجھ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

وہ شخص رسونتی کو حیرانی سے دیکھنے لگا کیونکہ ابھی میں رسونتی کی زبان سے کچھ اور باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اُسے سوچ کے ذریعے سمجھایا "دیکھو رسونتی! پاگلوں جیسی باتیں نہ کرو۔ تمھیں زندہ رہنا ہے۔ تم اگر جان بوجھ کر موت کو دعوت دو گی یا کسی بہانے مرنا چاہو گی تو میری الجھنوں میں بہت اضافہ ہو گا۔ ہم نے جو اچھا بُرا وقت ماضی میں ایک ساتھ گزارا ہے، اس کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤ جس سے میری پریشانیاں بڑھ جائیں۔ میرا چہرہ مجھے واپس مل گیا ہے لیکن مجھے اتنی فرصت نہیں ہے کہ میں آنکھیں کھول کر آئینہ دیکھوں۔ میں تمھارے پاس آنا چاہتا ہوں۔ تم وعدہ کرو کہ میرے مشورے پر عمل کرو گی اور اپنی حفاظت آپ کرو گی۔ میں یہاں سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے جلد از جلد روانہ ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ وعدہ کرو کہ تم میرا انتظار کرو گی۔"

"فرہاد! تمھیں سونیا اور مرجانہ کی حفاظت کرنا چاہیے۔ وہ دونوں خطرات میں گھری ہوئی ہیں۔ میں تو پھر بھی ان کے مقابلے میں

محفوظ ہوں اور ایک کاٹیج میں ہوں۔ یہاں اب کوئی ... آئے گا۔ تمھیں میری تلاش کرنے کے بجائے ان کی ... چاہیے۔"

"میں خیال خوانی کے ذریعے سبھی کے پاس جا ... کی خیریت معلوم کرتا رہتا ہوں، حتی الامکان سب ... کی کوشش کرتا ہوں لیکن سب سے پہلے میں تمھارے ... کوشش کروں گا۔ چلو، وعدہ کرو کہ میرا انتظار کرو گی۔"

اس نے سر جھکا لیا۔ اس کی سوچ میری طرف ... تھی اور وہ میرا انتظار کرنے پر راضی تھی لیکن سوچ کے ... کچھ نہیں کہا۔ اس کے چور خیالات نے مجھے بتا دیا ... زبان سے اس شخص سے کہا "دیکھو۔ یہ فرہاد کی ممی ہیں ... بے حد عزت کرتا تھا۔ میں چاہتی ہوں انھیں بڑے احترام ... کیا جائے۔ ان کے لیے قبر کھودو، کفن کے لیے نیا کپڑا ... کے لیے یہاں کوئی صندوق تلاش کرو۔ اگر فرہاد کو یہ ... تو وہ اپنے سامنے کفن دفن کے انتظامات کرتا۔ آخری بار ... دیکھ لیتا لیکن اس بات کی امید نہیں ہے کہ وہ جلد یہاں ... ممی کی آخری رسومات ہمیں ادا کرنی ہوں گی۔"

اس نے ریوالور ہولسٹر میں رکھتے ہوئے کہا "بیٹی ... سارے انتظامات کر دیتا ہوں۔ یہاں شاید اسٹور میں ... ہیں گڑھا کھود دوں گا۔"

رسونتی نے ایک اسٹور کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اُدھر ...

میں نے آنکھیں کھول کر ہسپتال کے کمرے میں دیکھا۔ ڈا... ایک نرس، ایک وارڈ بوائے، ماسٹر موس ٹروفی اور اس کے دو ... میں موجود تھے۔ مجھے آنکھیں کھول کر اٹھتے دیکھ کر وہ لوگ ... ہوئے۔ پھر ماسٹر موس ٹروفی نے سنجیدگی سے مجھے مبارک ... میرا چہرہ مجھے واپس مل گیا ہے۔ اس کے بعد ہی فوراً اس ... کیا "مادام سونیا اور مادام رسونتی خیریت سے تو ہیں نا؟"

یہ کہتے ہوئے اس نے آئینہ میری طرف بڑھا دیا ... میں اپنا اصلی چہرہ دیکھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو میں خوشی سے ... ہو جاتا۔ نیا چہرہ ملنے کی خوشی میں جشن مناتا لیکن اس وقت ... ایسے نہیں تھے۔ میں نے ماسٹر موس ٹروفی کو تمام حالات بتا... چپ چاپ سنتا رہا۔ پھر میں نے کہا "اب میرے لیے ... کا انتظام کریں۔ جنگل میں سفر کرنے کے لیے جو ضروری سامان ... کی ضرورت ہے۔ وہ سب میرے لیے مہیا کر دیں۔ میں ... ہونا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں آئینہ ایک طرف رکھ کر بستر پر سے اٹھ ... نے میاؤں کہہ کر مجھے مخاطب کیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھ...

... پنجوں پر زور دے کر اپنے بدن میں تناؤ پیدا کرنے لگی۔ یہ اس کا ... مخصوص انداز تھا۔ جب وہ میری گود میں اچھل کر آنا چاہتی تھی تو اسی ... طرح پینترے بدلتی تھی۔ میں نے اپنے دونوں بازو پھیلائے تو وہ اچھل کر میرے سینے کی طرف آئی۔ میں نے اسے دبوچ لیا۔ پھر اسے چوم کر اسے سہلاتے ہوئے ماسٹر موس ٹروفی کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔ باہر میں نے ڈاکٹر میک براڈلے سے رخصتی مصافحہ کیا۔ اس کے بعد ہم ایک کار میں بیٹھ گئے۔ پھر وہاں سے ماسٹر موس ٹروفی کے بنگلے کی طرف جانے لگے۔

میں نے راستے میں سامی کو پیار سے سہلاتے ہوئے کہا "میری جان! میں ایک ایسی مہم میں جا رہا ہوں جس کے نہ راستوں کا پتہ ہے نہ منزل کا نشان۔ میں تمھیں کہاں لے جا سکوں گا۔ تمھارا خیال رکھنا میرے لیے دشوار ہو جائے گا۔ بہتر ہے کہ تم میری واپسی تک ماسٹر موس ٹروفی کے پاس رہو۔"

سامی میاؤں کہہ کر اپنا چہرہ میرے سینے پیار کبھی میرے ... پر رگڑنے لگی۔ وہ مجھ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن مجبوری تھی۔ میں نے موس ٹروفی سے کہا "ماسٹر! جس طرح سونیا اور رسونتی سے میرا گہرا رشتہ ہے، اسی طرح اس بلی سے بھی مجھے بہت گہرا لگاؤ ہے۔ ... کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا اور یہ بھی مجھے چھوڑنا نہیں چاہتی لیکن حالات مجبور کر رہے ہیں اس لیے میں اسے آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔ آپ اسے میری امانت سمجھ کر پوری حفاظت رکھیے گا۔"

"جناب! آپ کا حکم ہمارے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ سپر ماسٹر کا حکم ہے۔ ہم اس بلی کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے ڈیش بورڈ کے ریڈیو ٹرانسمیٹر کو آن کیا اور کسی ... دریافت کیا کہ کیا پوزیشن ہے؟ دوسری طرف سے کہا گیا "ایک ... دیر سے آپ لوگوں کا تعاقب کر رہی ہے۔ ہم نے اس کار کو اپنی ... نظروں میں رکھا ہوا ہے۔ ویسے دشمن بہت زیادہ تیزی اور طراری دکھا ... رہا ہے۔ آپ نے تو دیکھا ہی ہے کہ آپ کے ٹیلیفون کے ریسیور کے اندر ... جاسوسی آلہ نکلا تھا جو کسی دشمن نے آپ کے پیغامات نوٹ کرنے ... کے لیے چھپا رکھا تھا۔ یہ لوگ بڑی گہری اور خفیہ چالیں چل رہے ہیں۔"

"چلنے دو۔" ماسٹر موس ٹروفی نے کہا "ہم بھی نادان نہیں ہیں۔ دیکھتے ... ہیں آگے کیا ہونے والا ہے۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کو آف کرنے کے بعد مجھ سے کہا "میں اپنے ... بہت محتاط ہوں اور آپ سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ آپ ... پر بھروسہ نہ کریں۔ میرا جو بھی ماتحت آپ کے پاس ہو اُسے آپ ... خیال خوانی کے ذریعے چیک کر لیا کریں تاکہ آئندہ کسی مقام پر دھوکا نہ ... کھانا پڑے۔"

"میں ایسا ہی کروں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

میری بات ختم ہوتے ہی کار کے پیچھے کہیں دُور ایک دھماکہ سا سُنائی دیا۔ میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ اسی وقت موس ٹروفی نے ریڈیو ٹرانسمیٹر کو آن کیا اور پوچھا "کیا بات ہے؟"

جواب ملا "ماسٹر! جو کار آپ لوگوں کا تعاقب کر رہی تھی اسے میں نے ریوالور کا نشانہ بنایا اور اس کے ٹائر کو پنکچر کر دیا۔ کار ڈرائیو کرنے والا اس اچانک افتاد سے شاید گھبرا گیا۔ اسٹیرنگ سنبھال نہ سکا اس لیے سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے ایک ٹرک سے وہ کار ٹکرا گئی ہے۔"

موس ٹروفی نے "ویری گڈ" کہہ کر ٹرانسمیٹر کو آف کر دیا۔ جب ہم اس کے بنگلے میں پہنچے تو وہاں بڑے سخت حفاظتی انتظامات تھے۔ کوئی اجنبی کسی طرح بھی میرے قریب نہیں آ سکتا تھا۔ وہاں پتہ چلا کہ میرے سفر کو شروع کرنے کے لیے کم از کم دو گھنٹے لگیں گے کیونکہ کئی طرح کے انتظامات کرنے تھے۔ جنگل میں رہ کر وہاں بھٹکتے رہنے کے دوران کھانے کا سامان ضروری تھا۔ اس کے علاوہ ایسے ہتھیار اور ایسا سامان جو وہاں کام آ سکتے تھے، ان سب کو ساتھ لے کر جانا تھا۔ جب دو گھنٹے تک انتظار کرنے کی بات آئی تو میں نے ایک کمرے میں پہنچ کر ماسٹر موس ٹروفی سے کہا "مجھے ذرا تنہا چھوڑ دیا جائے۔ میں پھر آپ سے آ کر ملوں گا۔"

موس ٹروفی سمجھ گیا کہ میں تنہائی کیوں چاہتا ہوں۔ اس لیے وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ میں نے اسی وقت رسونتی سے رابطہ قائم کیا۔ دیکھا تو وہاں ممی کو ایک تابوت میں دفنایا جا چکا تھا اور وہ شخص جانے والا تھا۔ یعنی اب رسونتی کو اس کاٹیج میں تنہا رہنا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا "رسونتی! تم ذرا بھی فکر نہ کرو۔ میں یہاں سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے اس جنگل میں پہنچنے ہی والا ہوں۔ کسی نہ کسی طرح تمھارے کاٹیج تک پہنچ جاؤں گا۔ تم حوصلہ رکھو۔"

وہ بڑی اداسی سے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے بولی "حوصلہ نہیں کروں گی تو کیا کروں گی؟ ڈرتی رہوں گی تو ڈرتے ڈرتے مرنا ہو گا۔ کیوں نہ پھر حوصلہ کر کے زندہ رہنا سیکھ لوں۔"

"شاباش، چلو اسی انداز میں سوچ کر وہاں چند گھنٹے تک تنہا رہ لو۔ میں کسی نہ کسی طرح پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

اسے اچھی طرح تسلیاں دینے کے بعد میں سونیا کے پاس پہنچا۔ اس نے میرے مشورے کے مطابق گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی تھی۔ اب وہ گھوڑا اسے کسی سمت لیے جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا "تم کدھر جا رہی ہو۔ کچھ اندازہ ہو رہا ہے یا نہیں؟"

"مجھے کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے۔ ہاں یہ جو میری کلائی میں گھڑی بندھی ہوئی ہے۔ یہ قطب نما ہے جو میں نے اپنے دشمن کی ایک کلائی سے اتاری تھی۔ اسے دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ گھوڑا کتنی ہی جگہ مڑنے کے باوجود

زیادہ تر مشرقی سمت دوڑتا چلا جا رہا ہے۔"

ایسا کہتے ہوئے وہ گھوڑے کی لگام کو کھینچنے لگی۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے ؟"

اس نے دور ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا "وہاں ایک پہاڑی کی نصف بلندی سے دھواں اٹھتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ وہ جگہ بہت دور ہے۔ کاش میرے پاس دوربین ہوتی تو میں دیکھ سکتی۔ وہاں اونچے اونچے درخت ہیں اور پہاڑیاں اونچی نیچی ہیں شاید پتھریلی چٹانیں بھی ہوں گی۔ جن کی وجہ سے وہ جگہ چھپی ہوئی ہے۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ وہاں کچھ لوگ ہیں اور انھوں نے آگ جلائی ہے۔ تبھی دھواں اٹھ رہا ہے۔"

"سونیا! تم نے گھوڑے کی لگام کو کھینچ کر غلطی کی۔ اسے لگام کا جھٹکا دے کر ہانک دو اور دیکھو کہ وہ اسی دھویں کی طرف جاتا ہے یا نہیں ؟"

سونیا نے یہی کیا۔ گھوڑے کو آگے بڑھایا اور لگام کو ڈھیل دے دی۔ وہ گھوڑا اسی سمت دوڑنے لگا۔ جدھر دھواں اٹھ رہا تھا۔ پھر سونیا نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی۔ میں نے پوچھا "اب کیا ہوا ہے ؟"

وہ بولی "آگے پہاڑی کے سامنے کھلا میدان ہے۔ اگر یہ گھوڑا دوڑتا ہوا وہاں سے گزرے گا تو اوپر سے لوگ مجھے آتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ مجھے اس راستے سے نہیں گزرنا چاہیے۔"

"یہ تم نے اچھا کیا۔ ویسے رسونتی کی مدد کرنے والے اس آدمی نے کہا تھا کہ وہ گھوڑا یا تو کاٹیج کی طرف جائے گا یا پھر اس کیمپ کی طرف جہاں مرجانہ قید ہے۔ تم وہاں ذرا ٹھہرو۔ میں مرجانہ کے پاس جا کر معلوم کرتا ہوں کہ وہ جس کیمپ میں ہے وہیں کہیں سے دھواں اٹھ رہا ہے یا نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر میں مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ خیمے کے باہر ایک اونچی چیز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے کہا "ہیلو مرجانہ! میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جس کیمپ میں تم ہو کیا وہاں کھلی جگہ آگ جلائی گئی ہے اور وہاں سے دھواں اٹھ رہا ہے ؟"

اس نے دور ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہاں، ان لوگوں نے ہرن کا شکار کیا ہے۔ اس کا گوشت بھوننے کے لیے ایک جگہ آگ روشن کی ہے لیکن لکڑیاں گیلی ہیں اس لیے بہت زیادہ دھواں اٹھ رہا ہے۔ یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ لکڑی کا گیلا پن دور ہو جائے۔ دھواں ختم ہو تو پھر گوشت بھونا جائے لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہاں سے دھواں اٹھ رہا ہے ؟"

"مجھے نہیں، سونیا کو معلوم ہوا ہے۔ وہ تمھارے قریب پہنچ گئی ہے۔"

مرجانہ خوش ہو کر کرسی پر سیدھی بیٹھ گئی۔ "کیا واقعی سونیا میرے پاس آ گئی ہے۔ کہاں ہے وہ ؟"

"وہ ابھی کافی فاصلے پر ہے مگر دور سے یہ دھواں دیکھ رہی ہے۔ اب میں اسے جا کر بتاؤں گا کہ وہ تمھارے قریب پہنچ چکی ہے۔ پہلے تم وہاں کا جغرافیہ مجھے بتاؤ کہ وہ کیسی جگہ ہے۔ کیا درختوں کے جھنڈ میں ہے یا آس پاس پتھریلی چٹانیں ہیں۔ کتنے خیمے ہیں اور کتنے لوگ ہیں اور وہ کن ہتھیاروں سے مسلح ہیں ؟"

اس نے جواب دیا "جدھر پہاڑی کی ڈھلان ہے۔ اُدھر پتھریلی چٹانیں ہیں۔ باقی ہر طرف دُور دُور تک ہریالی ہے۔ اونچے اونچے درخت ہیں اور گھنی جھاڑیاں ہیں۔ یہاں چار خیمے ہیں۔ پہلے دس آدمی تھے جن میں سے چار آدمی ایک گھنٹہ پہلے کہیں گئے ہیں۔ اس وقت چھ آدمی ہیں اور ان کے پاس ریوالور اور کارتوس کی پیٹیاں ہیں۔ دوسرے ہتھیار بھی ہیں۔ مثلاً تیر کمان، چھرے، تلواریں اور نیزے ہیں جانوروں کو شکار کرنے کے لیے بڑے بڑے رسّے اور شکنجے ہیں۔"

میں نے پوچھا "اور کچھ ؟"

وہ اِدھر اُدھر دُور تک دیکھنے لگی۔ پھر بولی "ہاں، کچھ گھوڑے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق چار یا چھ ہوں گے اور اس سے کچھ زیادہ خچر ہیں جو سامان لادنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے، تم اپنی جگہ بیٹھی رہو اپنے طور پر کوئی حرکت نہ کرنا ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی۔ میں سونیا کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ بہت جلد تمھارے پاس پہنچ جائے گی۔ ہم کوئی منصوبہ بناتے ہیں۔"

یہ کہہ کر میں سونیا کے پاس آ گیا اور اسے وہ ساری باتیں بتائیں پھر اس سے کہا کہ اب وہ درختوں کے جھنڈ میں سے ہوتے ہوئے اس پہاڑ کی نصف بلندی تک پہنچنے کی کوشش کرے کیونکہ میدانی راستے سے وہ نہیں جا سکے گی۔ اس نے گھوڑے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "تمھارے دماغ میں کوئی تدبیر ہے کہ وہاں میں پہنچ کر کیا کروں جو اور مرجانہ کو وہاں سے کیسے نکال لاؤں ؟"

"تم جتنی دُور تک اس گھوڑے پر سوار ہو کر جا سکتی ہو جاؤ۔ اس کے بعد تمھیں پیدل ہی جانا ہوگا کیونکہ گھوڑے کے ٹاپوں کی آوازیں ان کے کانوں تک پہنچیں گی۔ تم دشمنوں کے اس کیمپ کے جتنے قریب پہنچ سکتی ہو، پہنچنے کی کوشش کرو۔ وہاں کا ماحول دیکھ کر ہی تمھارے ذہن میں کوئی تدبیر آئے گی۔ ان چھ آدمیوں کی پوزیشن بھی معلوم کر سکو گی کہ وہ کدھر ہیں اور تمھیں کدھر سے گزرنا ہے۔"

میری باتوں کے دوران سونیا تیزی سے گھوڑے کو دوڑاتی رہی۔ میں اُسے چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لیے رسونتی کے پاس چلا گیا۔ وہ تنہا تھی۔ مجھے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ اس وقت وہ کاٹیج کے اندر بالکل تنہا تھی۔ اس نے دروازے اور کھڑکیوں کو بند کر دیا تھا اور ایک کرسی پر بیٹھی سوچ رہی تھی۔ اپنی زندگی کا حساب کر رہی تھی کہ وہ کن حالات سے گزرتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہے اور اب اس کا کیا بنے گا ؟

میں اُسے چھوڑ کر اس آدمی کے دماغ میں گیا جس نے رسونتی کی جان بچائی تھی اور ممی کے کفن دفن کا انتظام کیا تھا۔ وہ رسونتی سے رخصت ہو کر پھر اسی کیمپ کی طرف جانے کے لیے روانہ ہو گیا تھا لیکن جب میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ وہیں کاٹیج کے قریب درختوں کے جھنڈ کے پاس ہے اور دُور سے کاٹیج کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اس کا دل نہیں مانتا تھا کہ ایک بے یار و مددگار لڑکی کو تنہا چھوڑ کر چلا جائے۔ اُسے چھوڑتے وقت اسے اپنی بیٹی کا خیال آ رہا تھا اور اس کے قدم رک رہے تھے۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا "دوست! تم صحیح معنوں میں انسان ہو، اپنی بیٹی کے حوالے سے پرائی بیٹیوں کے دکھ درد کو بھی سمجھتے ہو۔ میں تمھارے اس احسان کا بدلہ ضرور چکاؤں گا۔ اگر تم نہیں جانا چاہتے ہو تو بہتر ہے کہ رسونتی کے ساتھ وہاں کاٹیج میں رہو۔ اس کا حوصلہ بڑھتا رہے گا۔ ویسے تمھارا نام کیا ہے ؟"

"مجھے ہرڈیو کہتے ہیں۔ میں رسونتی کے پاس نہیں جا سکتا۔ یہاں اتنی دور اس لیے چھپا ہوا ہوں کہ شاید میرے آدمی اِدھر آ نکلیں، وہ مجھے رسونتی کے محافظ کی حیثیت سے دیکھیں گے تو میرے بھی دشمن بن جائیں گے۔ میں یہاں اتنی دُور چھپ کر رسونتی کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ اگر کوئی اسے نقصان پہنچانا چاہے گا تو میں یہاں سے دفاع کر سکتا ہوں۔ میرے پاس ریوالور اور کافی گولیاں موجود ہیں۔"

ہرڈیو کی باتیں سُن کر مجھے مرجانہ کی باتیں یاد آئیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے مرجانہ نے کہا تھا کہ اس کیمپ میں دس آدمی تھے۔ ایک گھنٹہ پہلے چار آدمی کہیں گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ چار آدمی اِدھر ہی آ رہے ہوں۔ اس لحاظ سے ہرڈیو نے بڑی دانشمندی سے کام لیا تھا۔ وہ دور ہی سے رسونتی کی نگرانی کر رہا تھا۔

میں اسے چھوڑ کر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ گھوڑے کا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ اس نے لگام کو ایک درخت سے باندھ دیا تھا تاکہ گھوڑا وہاں سے بھاگ نہ سکے اور کبھی ادھر سے واپسی ہو تو یہی گھوڑا کام آ سکے۔ میں نے کہا "میں واپس آ گیا ہوں۔ اب تم یہاں سے پیدل چلو۔"

اس نے اپنے دونوں ریوالوروں کے چیمبر دن کو چیک کیا۔ وہ بھرے ہوئے تھے۔ اس نے ان دونوں کو دو طرف ہولسٹر میں رکھ لیا۔ کارتوس کی ایک پیٹی اس کی کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ اس نے دوسری پیٹی نشست سے نکالی۔ پھر ایک بڑا سا چاقو لے کر اپنی کمر میں اڑس لیا۔ اس کے بعد آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم مرجانہ کے ذریعے وہاں کسی بھی شخص کے دماغ تک پہنچ سکو ؟"

"نہیں۔ وہاں سب گونگے بنے ہوئے ہیں۔ کوئی مرجانہ کے سامنے زبان نہیں کھول رہا ہے۔ ان کے دماغوں تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔"

"تم مرجانہ کے ذریعے انھیں چھیڑنے کی کوشش کرو۔ ہو سکتا ہے ان کے منہ سے کچھ آوازیں نکلیں۔ وہ کچھ بولنے پر مجبور ہو جائیں تو میرا مرحلہ آسان ہو جائے گا۔"

مجھے یاد آیا کہ اس کیمپ کا جو لیڈر تھا، میں اس کے لب و لہجے کو سن چکا تھا اور اس کے دماغ میں بھی پہنچ چکا تھا۔ اس کا نام کیشو تھا۔ میں نے اپنی یادداشت پر زور دے کر اس کے لب و لہجے کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ تھوڑی دیر کوشش کرنے کے بعد بھی میں اسے یاد نہ کر سکا۔ میں نے مرجانہ کے پاس پہنچ کر اُسے دشمنوں کو چھیڑنے کے لیے کہا۔ اس نے جواب دیا "میں کئی بار کوشش کر چکی ہوں لیکن وہ سب گونگے بنے ہوئے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ لوگ گونگے نہیں ہیں۔ مجھ سے بہت دور جا کر ایک دوسرے کے چہرے کے قریب ہو کر سرگوشیوں میں کچھ کہتے ہیں۔ میں نے ایک شخص کے سامنے عاشقانہ انداز میں مسکرانے کی کوشش کی تاکہ وہ میری طرف مائل ہو جائے لیکن وہ مجھ سے دُور چلا گیا۔ یہ سب لوگ تمھاری ٹیلی پیتھی سے ڈرتے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی تدبیر سے بھی ان کی زبان نہیں کھل سکتی ہے۔"

"ایک تدبیر ہے اور وہ یہ کہ میں ان میں سے کسی کی پٹائی شروع کر دوں۔ تب وہ چیختے چلاتے وقت بے اختیار ضرور کچھ بولے گا۔"

"نہیں ایسی حرکت نہ کرنا۔ تمھارے سر کا زخم بچا ہے۔ تم نے اگر کسی پر حملہ کیا تو ان کے جوابی حملے تمھارے لیے نقصان دہ ہوں گے تمھیں نہایت اطمینان سے اپنے زخم بھرنے کا انتظار کرنا چاہیے۔ اب وہاں جو کچھ بھی ہونے والا ہے اُسے تم سونیا پر چھوڑ دو۔ میں پھر اس کے پاس جا رہا ہوں۔ اب وہ تمھارے قریب پہنچنے ہی والی ہے۔"

میں سونیا کے پاس آ گیا۔ وہ ہری ہری گھاس پر کبھی دوڑنے کے انداز میں تیزی سے چلتی تھی اور کبھی آہستہ آہستہ چلنے لگتی تھی۔ میں نے اسے بتا دیا کہ دشمنوں کو چھیڑ کر ان کی آوازیں سننے کی کوشش ناکام ہو گی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ ایک جگہ رک گئی۔ وہ دھواں بالکل قریب سے نظر آ رہا تھا اور درختوں کے جھنڈ کے پاس خاکی رنگ کے خیمے نظر آ رہے تھے۔ میں نے کہا "تم منزل تک پہنچ گئی ہو۔ مرجانہ وہیں ہے۔ اب تمھارا کیا ارادہ ہے ؟"

"میں ان لوگوں کو اپنی طرف بلانا چاہتی ہوں۔ اس گھنے جنگل میں آنکھ مچولی کیسی رہے گی ؟ میں چھپتی پھروں گی، وہ ڈھونڈتے پھریں گے۔ ڈھونڈنے کا دستور یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے الگ ہو کر مختلف سمتوں میں جاتے ہیں۔ اپنے شکار کو گھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح میں انھیں الگ الگ شکار کر سکوں گی۔ کیا خیال ہے ؟"

"تمھارا خیال سو فیصدی درست ہے۔ تم اس تدبیر پر عمل کرو لیکن ایک بات یاد رکھو۔ جو بھی شکار تمھارے سامنے آئے پہلے اس کی زبان کھلوانے کی کوشش کرو۔ اس پر حملہ کر کے اُسے فوراً ہی ختم نہ کر دینا۔

وہ خون آلود تلوار کو نچاتے ہوئے بولا "ہاں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کے دو سر اور چار ہاتھ ہیں۔ وہ دونوں سروں سے بیک وقت آگے پیچھے دیکھتی ہے اور بیک وقت چاروں ہاتھوں سے چاروں طرف حملے کرتی ہے۔ میرے دونوں ساتھی اس کے ہاتھوں مارے گئے ہیں اور میں بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر یہاں آیا ہوں۔"

ان میں سے ایک نے کہا "تم دونوں یہاں ٹھہرو۔ میں کیشو کو بلا کر لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے کیمپ کی طرف جانے لگا تاکہ اپنے لیڈر کیشو کو اس واقعے کی اطلاع دی جا سکے۔ ایسی چڑیل نہ تو کبھی دیکھی تھی اور نہ کبھی سنی تھی۔ ایسی باتوں پر یقین نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کے اپنے ساتھی نے بیان دیا تھا اور اس حالت میں کہ اس کی تلوار خون آلود تھی اور کپڑوں پر بھی خون کے دھبے پھیلے ہوئے تھے۔ وہ بدحواس تھا اور جھوٹ نہیں بول سکتا تھا اس لیے وہ اپنے لیڈر سے اس بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ کیا راستہ اختیار کرتا ہے۔

جب وہ فوراً دوڑ نکل گیا تو اچانک ہی ادھر خون آلود تلوار فضا میں لہرائی۔ اس کے ساتھ ہی جنگل کے سناٹے میں ایک چیخ لہراتی چلی گئی۔ کیشو کی طرف جانے والے نے فوراً ہی پلٹ کر دیکھا تو اس کا ساتھی گھاس پر گر کر تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہا تھا اور وہی خون آلود تلوار والا وحشیانہ انداز میں اس کی طرف تیں کر رہا تھا جیسے للکار رہا ہو کہ تم بھی مقابلے کے لیے آجاؤ۔ دوسرے نے فوراً ہی اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا "خبردار۔ اپنی تلوار زمین پر پھینک دو اور ذرا بھی حرکت نہ کرو ورنہ میں دوستی کا خیال نہیں کروں گا، گولی چلا دوں گا۔"

تلوار والے نے اس کی طرف ایک ایک قدم بڑھتے ہوئے اور وحشیانہ انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "میرے پاس بھی ریوالور ہے اور میں پلک جھپکتے ہی ریوالور نکال کر تم پر حملہ کر سکتا ہوں مگر اپنی تلوار نکالو تو مزہ آئے گا۔ اس لیے کہ ابھی میں اس چڑیل سے تلوار بازی میں جیت کر آیا ہوں۔ یہی فن تم پر آزمانا چاہتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے قریب پہنچ کر تلوار کو سر سے بلند کیا پھر چاہتا تھا کہ اس پر حملہ کرے کہ دھائیں سے گولی چل گئی۔ اس کا تلوار والا ہاتھ ایک جھٹکے سے نیچے آگیا اور وہ اپنے سینے کو تھام کر زمین پر بیٹھنے لگا۔ اب اس کا وقت پورا ہو گیا تھا۔ ریوالور والا وہاں سے پلٹ کر تیزی سے دوڑتے ہوئے کیمپ کی طرف جانے لگا۔ میں مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔

وہ خیمے کے سامنے اسی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے پاس ہی کیشو کھڑا ہوا تھا۔ ان دونوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ وہ ریوالور والا دوڑتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا۔ مرجانہ کرسی سے اٹھنا چاہتی تھی لیکن کیشو نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔ پھر اپنے آنے والے ماتحت کو دیکھنے لگا۔ اس کا ماتحت رک گیا تھا۔ اس نے ایک نظر مرجانہ پر ڈالی پھر کیشو کو اشارے سے اپنی طرف بلاتے ہوئے ذرا سے دور جانے لگا۔ مرجانہ سمجھ گئی کہ وہ کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا "تم ٹھیک سوچ رہی ہو۔ چپ چاپ بیٹھی تماشہ دیکھتی رہو۔ ابھی وہ دونوں زندہ رہ گئے ہیں۔ سونیا اسی طرف آ رہی ہے۔"

میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دھیرے دھیرے اسی طرف چلی آ رہی تھی۔ میں نے کہا "سوری۔ میں ان لوگوں کے ساتھ الجھا ہوا تھا۔ تمہارے پاس آنے میں دیر ہو گئی۔"

"کوئی بات نہیں۔ بتاؤ کیا رہا ہے؟"

"کیمپ میں صرف دو آدمی رہ گئے ہیں۔ ان سے نمٹنا ہے۔ تم تو قریب آ ہی گئی ہو۔ بس جلدی پہنچ جاؤ۔"

میں ان دونوں آدمیوں کے پاس پہنچ گیا۔ کیشو اس کی ساری باتیں سن چکا تھا اور اب بڑی طرح گھبرایا ہوا تھا۔ سہمے سہمے انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ پھر اس نے کہا "میرا خیال ہے کہ یہ فرہاد کا کارنامہ ہے۔ چڑیلوں کا وجود نہیں ہے، محض بکواس ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو۔ ہم تو اس چڑیل کو دیکھنے نہیں جائیں گے۔ ہمیں اپنی فکر کرنی ہو گی۔"

ریوالور والے نے کہا "باس! آپ تو بہت زیادہ گھبرا گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے اس جنونی ساتھی نے کوئی بلا جنگل میں دیکھ لی ہو گی جس کی وجہ سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا اور اپنے ہی آدمیوں کو مار ڈالا۔ مجبوراً مجھے اسے مارنا پڑا۔"

"تم نہیں سمجھو گے کہ فرہاد کیسی حرکتیں کرتا ہے۔ مجھے باقاعدہ سمجھایا گیا ہے کہ جب ہم مرجانہ اور اس کی ماں کو اپنی قید میں رکھیں گے تو فرہاد سے کس طرح محتاط رہنا چاہیے اور فرہاد کن ہتھکنڈوں سے دشمنوں کو ٹریپ کرتا ہے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ ہم تک ابھی نہیں پہنچ سکا ہے۔"

کیشو نے انکار میں سر ہلا کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "نہیں، میں اس بات کو نہیں مانتا۔ اگر وہ یہاں تک نہیں پہنچا ہے تو اب ہماری دانشمندی یہ ہو گی کہ اس کے پہنچنے سے پہلے یہاں سے بھاگ جائیں۔ یہاں رہیں گے تو پھر ہماری زندگی ہماری نہیں رہے گی۔"

یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔ ریوالور والے نے للکار کر کہا "رک جاؤ۔ کہاں جاتے ہو؟"

وہ رک گیا۔ حیرانی سے اپنے ماتحت کو دیکھ کر بولا "تم کس انداز میں گفتگو کر رہے ہو؟"

اس نے کہا "یہ فرہاد علی تیمور کا انداز ہے۔ میں تمہیں فرار ہونے کا موقع نہیں دوں گا۔"

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولا "تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم تو میرے

ماتحت ہو۔ بہت اچھے ساتھی ہو اور اب تک میرے حکم کی تعمیل کرتے آئے ہو اور اب فرہاد بن کر خواہ مخواہ مجھے ڈرا رہے ہو۔ کیوں یہ مذاق کر رہے ہو؟"

"ایک گولی میرے ریوالور سے نکل کر تمہارے سینے کے پار ہو گی تو پتہ چلے گا کہ مذاق ختم ہو چکا ہے۔ میں جو کہتا ہوں اس پر عمل کرو اور وہ یہ کہ تم یہاں سے نہیں بھاگو گے۔ سونیا آ رہی ہے۔ وہ ہم لوگوں سے بہت کچھ سوالات کرنے والی ہے۔ اس کو جواب دینا ہمارا فرض ہے۔"

ایک طرف سے آواز آئی "ہاں۔ میں آ چکی ہوں۔ تم اپنا ریوالور پھینک دو۔"

دوسری طرف سے مرجانہ بھی قریب آ رہی تھی۔ اس نے اس آدمی سے ریوالور لے لیا۔ پھر پوچھا "کیوں فرہاد! تم اس کے اندر موجود ہو؟"

میں نے اس آدمی کی زبان سے کہا "ہاں۔ میں موجود ہوں۔"

وہ بولی "پھر تو کوئی بات نہیں۔ آؤ سونیا! میرے گلے لگ جاؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے آگے بڑھتے ہوئے اپنے دونوں بازو پھیلا دیے۔ سونیا بڑی محبت سے مسکراتے ہوئے دوڑتے ہوئے آئی اور اس کے سینے سے لگ گئی۔ مرجانہ نے اسے اپنے بازوؤں میں لے کر پیشانی پر پیار کیا۔ سونیا نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے زخمی سر کو تھام کر کہا "مرجانہ! تمہیں کتنا پریشان کیا گیا ہے۔ کتنی تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ میں ان بدمعاشوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

میں نے اس آدمی کی زبان سے کہا "ابھی زندہ تو چھوڑا نہیں گیا ہے۔ یہی دو رہ گئے ہیں۔ اب تم لوگ اپنا رومانی سین ختم کرو اور ان کا محاسبہ شروع کرو۔"

وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئیں۔ پھر سونیا نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ابھی تو تم فرہاد ہو۔ ہاں، یہ دوسرا آدمی دشمن ہے۔ خطرہ اسی کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ اسی کو ہم اپنی نظروں میں رکھیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب گئی پھر اس سے پوچھا "ہم اس جنگل کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یوں تو ہمیں بہت کچھ معلوم ہے۔ تم ہمیں یہ بتاؤ گے کہ یہ کیمپ یہاں پر کس طرح قائم کیا گیا ہے؟ تم سب کہاں سے آئے ہو؟ یہ سامان کہاں سے لایا گیا ہے؟ اور تمہارا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟"

کیشو نے سہمے ہوئے انداز میں کہا "مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ میں روم میں تھا۔ وہاں سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے جنگل کے کسی حصے میں مجھے پہنچایا گیا۔ وہاں پہلے ہی بہت بڑا کیمپ لگا ہوا تھا۔ مجھے وہاں سے کچھ آدمی دیے گئے۔ ان کا لیڈر مجھے بنایا گیا اور یہ سامان دیا گیا پھر ہدایت دی گئی کہ میں ان گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے بڑھوں۔ ایک آدمی مجھے گائیڈ کرتا رہے گا لہٰذا میں ایک شخص کی رہنمائی میں یہاں تک آیا۔ یہاں آ کر اس نے بتایا کہ ادھر سامنے والی پہاڑیوں میں ایک سرنگ کا دہانہ ہے۔ اس پر وہاں ایک بھاری پتھر رکھا ہوا ہے۔ اگر اسے ہٹایا جائے تو سرنگ کا راستہ دکھائی دے گا۔ ہم زینے کے ذریعے اس سرنگ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ مجھے یہاں دو ماں بیٹی ملنے والی ہیں۔ انھیں اپنی قید میں رکھنا ہے۔ اور جوان بیٹی سے ماں ہو گی۔ انھیں میرے کچھ ساتھی اپنے ساتھ یہاں سے لے جائیں گے۔ بیٹی کو میں اپنی قید میں رکھوں گا اور میں اب تک انھی ہدایات پر عمل کر رہا ہوں۔"

اس کی باتیں سن کر مرجانہ نے کہا "اف! وہ سرنگ نہیں بلکہ قبر ہے۔ وہاں اتنی تاریکی اور حبس ہے کہ زندہ رہ کر آدمی خود کو مردہ سمجھتا رہتا ہے۔"

سونیا نے کہا "جب ان دونوں سے کوئی فائدہ نہیں، ہمیں کوئی رہنمائی نہیں مل سکتی تو پھر کیوں نہ ہم ان دونوں کو اسی سرنگ میں بھیج دیں۔ خس کم جہاں پاک ہو گا۔"

میں نے سونیا سے کہا "پہلے ان لوگوں سے یہ تو معلوم کرو کہ یہاں دس آدمی تھے۔ ان کے باقی چار آدمی کہاں گئے ہیں؟"

سونیا نے کیشو سے یہ بات پوچھی۔ اس نے جواب دیا "ہمارے پاس پندرہ دن کا راشن تھا۔ وہ چار آدمی راشن لینے گئے ہیں۔ پندرہ دن پورے ہونے سے پہلے وہ مزید پندرہ دن کے لیے راشن لے آئیں گے۔"

میں نے پھر سونیا سے ایک سوال کرنے کے لیے کہا۔ سونیا نے وہی سوال اس سے کیا "یہ بتاؤ کہ یہاں جو گھوڑے ہیں ان پر سوار ہونے کے بعد ہم کہاں پہنچیں گے؟ یہ گھوڑے سدھائے ہوئے ہیں اور اپنی منزل کو پہچانتے ہیں۔ ان کی منزل کہاں ہے؟"

اس نے جواب دیا "یہ گھوڑے اس بڑے کیمپ کی طرف جائیں گے جہاں سے آ کر میں نے یہاں کیمپ لگایا ہے۔ وہ بڑا کیمپ نمبر ون کہلاتا ہے، یہ کیمپ نمبر ٹو اور وہ کاٹیج کیمپ نمبر تھری ہے۔ جہاں آپ لوگوں کو رکھا گیا تھا۔ ہمارے پاس ایسے گھوڑے تھے جو کیمپ نمبر تھری یعنی آپ لوگوں کے کاٹیج کی طرف جاتے تھے اور وہاں سے واپس آ جاتے تھے لیکن وہ جب سے گئے ہیں اس وقت سے اپنے سواروں کے ساتھ واپس نہیں آئے۔ وہ کیوں واپس نہیں آئے۔ یہ آپ جانتی ہیں۔ کیونکہ آپ واپس آئی ہیں۔"

"کیا یہ خچر بھی سدھائے ہوئے ہیں؟"

"نہیں، یہ اپنے مالک کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ آپ لوگ انھیں جہاں لے جائیں گی، یہ چلے جائیں گے۔ یہ کسی منزل کو نہیں پہچانتے ہیں۔"

ایسا کہنے کے بعد کیشو نے سونیا کے آگے اچانک ہی گھٹنے ٹیک دیے۔ پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا "آپ ہمیں بھی اپنا خچر اور گدھا سمجھیں۔ آپ ہمیں جہاں ہانک کر لے جائیں گی، ہم چلے جائیں گے۔

ہم آپ کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں سوچیں گے۔ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ آپ کو اپنے خدا کا واسطہ ہے ہمیں اس سرنگ میں نہ بھیجیں۔ ہم جیتے جی مر جائیں گے۔"

دوسرے آدمی نے کہا۔" آپ ہمیں ایک بار اپنی خدمت کا موقع دیں، ہم ثابت کر دیں گے کہ ہم آپ کے وفادار ہیں۔"

سونیا نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔" تم لوگ کبھی وفادار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اپنی جان کے خوف سے اپنے اس مالک سے غداری کر رہے ہو جس کے اب تک وفادار تھے۔ اب ہمارا پلہ بھاری ہوا ہے تو ہماری وفاداری کی قسمیں کھا رہے ہو۔ پتہ نہیں ہمیں کہاں جانا ہے یہ ادھر بھٹکنا ہے ہمارا سفر کتنا لمبا ہوگا ہمیں قدم قدم پر کتنی مصیبتوں کا سامنا کرنا ہوگا ہم تم دونوں کو اپنے ساتھ مصیبت بنا کر نہیں رکھیں گے۔ لہٰذا اب فوراً اٹھ کھڑے ہو اور آگے آگے چلتے ہوئے اس جھاڑی میں داخل ہو جاؤ۔"

وہ دونوں آہستگی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ سرنگ کے اندر جا کر بے موت مرنا نہیں چاہتے تھے۔ پتہ نہیں پھر کوئی انھیں وہاں سے نکالنے آتا یا نہ آتا۔ وہ سرنگ نما قبر میں دفن ہو کر رہ جاتے۔ اس لیے ہچکچا رہے تھے۔ سونیا نے ڈانٹ کر کہا۔" کیا تم ... لوگوں نے سنا نہیں۔ آگے بڑھو۔"

سونیا کی بات ختم ہوتے ہی کیشو نے اچانک ہی اس پر چھلانگ لگائی۔ سونیا کوئی نادان بچی تو تھی نہیں۔ وہ پھرتی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زمین پر اوندھے منہ گر پڑا۔ مرجانہ آگے بڑھ کر اس کی گردن پر پاؤں رکھتے ہوئے بولی۔" کیا اس پر دونوں پاؤں رکھ کر کھڑی ہو جاؤں۔ ابھی اس کی گردن ٹوٹ جائے گی۔" پھر اس نے ٹھوکر مار کر کہا۔ "چلو اٹھو اور اس جھاڑی میں داخل ہو جاؤ۔ تم لوگوں نے ہم ماں بیٹی کے لیے اسے قبر بنایا تھا۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ مرجانہ نے وہیں پڑی ہوئی ایک لکڑی اٹھائی اور اس سے اس کی پٹائی کرتی ہوئی بولی۔" چلو۔ بڑھتے چلو۔" وہ دونوں مرجانہ سے مار کھاتے ہوئے جھاڑی کے اندر داخل ہوئے۔ سونیا کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سرنگ کے دہانے پر بڑا پتھر رکھا ہوا تھا۔ وہ دونوں زور لگا کر اس پتھر کو ہٹانے لگے۔ جب وہ اس حد تک ہٹ گیا کہ اس میں ایک شخص داخل ہو سکے تو سونیا نے انھیں حکم دیا کہ یکے بعد دیگرے اس میں اترتے جائیں۔ وہ پھر ہچکچانے لگے اور گڑگڑانے لگے۔ کبھی خدا کا اور کبھی انسانیت کا واسطہ دینے لگے لیکن سونیا پگھلنے والی نہیں تھی۔ اس نے ایک فائر کیا تو وہ دونوں کانپ گئے۔ پھر اس سرنگ کے اندر داخل ہونے لگے۔

جب دونوں سرنگ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے چلے گئے تو سونیا اور مرجانہ نے زمین پر گھٹنے ٹیکے اور اس کو سرکانے کی کوشش کی۔ تھوڑی سی محنت کے بعد وہ اسے سرنگ کے دہانے پر پہلے کی طرح رکھنے میں کامیاب ہو گئیں۔ وہ دونوں اس پتھر کے نیچے زمین میں دفن ہو گئے۔ مرجانہ نے زمین پر سے اٹھ کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔" اب ہمیں جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

سونیا نے اس کے سر پہ بندھی ہوئی پٹیوں کو دیکھ کر پوچھا۔" تمھاری یہ پٹیاں کس وقت باندھی گئی تھیں؟"

"یوں تو وہ لوگ میرے سر کی مرہم پٹی کرتے رہتے ہیں یہ پٹی پچھلی رات باندھی گئی تھی۔"

"پھر تو ابھی میں تمھارے زخم دیکھوں گی۔ اس پر دوا لگا کر پٹیاں باندھوں گی۔ اس کے بعد ہم یہاں سے چلیں گے۔"

مرجانہ نے کہا۔" ایسا نہ ہو کہ وہ چار آدمی جو یہاں سے گئے ہیں واپس آ جائیں۔ تم میری فکر نہ کرو۔ ہم بہت دور نکل جائیں گے۔ کہیں آرام کرنے کے لیے ٹھہریں گے تو وہاں پٹی بدل دینا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کہیں دور سے شیر کے دھاڑنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دونوں چونک کر آواز کی سمت دیکھنے لگیں۔ سونیا نے اپنا ایک ریوالور مرجانہ کو دیتے ہوئے کہا۔" اب ہم نہتے نہیں ہیں۔ شیر آئے گا تو ہم اپنی حفاظت کر سکیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ جھاڑی سے باہر آ گئیں۔ پھر انھوں نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد سوچا کہ خیمے میں رہنے سے اپنی حفاظت نہ ہو سکے گی۔ کیوں نہ تھوڑی دیر کے لیے درخت پہ چڑھا جائے۔ یہ سوچ کر وہ دونوں ایک درخت پر چڑھنے لگیں تاکہ بلندی سے دیکھ سکیں کہ شیر کہاں ہے اور کدھر سے آ رہا ہے۔

تھوڑے تھوڑے وقفے سے شیر کی آواز سنائی دیتی تو جنگل میں سناٹا چھا جاتا تھا۔ وہ دونوں درخت کی اونچائی پہ دو شاخوں پر پہنچ گئی تھیں اور وہاں سے چاروں طرف نظریں دوڑا رہی تھیں۔ انھیں کہیں شیر نظر نہیں آیا۔ صرف کبھی کبھی اس کی آواز سنائی دیتی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آواز گھنے جنگلوں میں کہیں گم ہو گئی اور مرجانہ نے آدھ گھنٹے تک انتظار کیا پھر وہ درخت سے اتریں۔ وہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ دشمن واپس آ سکتے تھے۔ اب لمبے سفر کے لیے مختلف خیموں میں جا کر ضروری چیزیں جمع کرنے لگیں اور انھیں خچروں پر لادنے لگیں۔ خاص طور پر ان کے لیے فرسٹ ایڈ کا سامان رکھا گیا تاکہ اس کے زخموں کی مرہم پٹی ہوتی رہے۔ میں نے سونیا سے کہا۔" میں تھوڑی دیر کے لیے رخصت ہوتا ہوں کیونکہ ہیلی کاپٹر پہ سوار ہو کر میں اسی جنگل کی طرف آ رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ اس ہیلی کاپٹر کے ذریعے کہاں پہنچوں گا۔ کوشش کرو کہ وہ کھونا نہ جو تم بہت دور جنگل میں باندھ آئی ہو۔ اس کے ذریعے کالج تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ یہاں سے نکل جاؤ۔"

کی لگام اپنے ہاتھ میں پکڑ کر انھیں اسی طرف لے چلو تاکہ دشمن یہاں آئیں تو انھیں سواری اور بار برداری کے لیے گھوڑے اور خچر نہ ملیں۔"

سونیا نے کہا۔" اب تم ہماری فکر نہ کرو۔ ہم بآسانی یہاں سے نکل جائیں گی۔"

میں نے مرجانہ سے بھی تھوڑی سی بات کی پھر دماغی طور پر اپنے کمرے میں حاضر ہو گیا جو موس ٹروفی کے بنگلے میں تھا۔ موس ٹروفی بنگلے کے کمرے میں بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا۔ اس کے ساتھ دو مختلف ملکوں کے ماسٹر بھی موجود تھے۔ وہ دونوں کسی ضرورت کے تحت پیرس آئے تھے اور مجھ سے بھی ملنے کے خواہشمند تھے۔

ماسٹر موس ٹروفی کے دماغ سے بہت کچھ پڑھ لینے کے بعد میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر سوچ کے ذریعے مجھے بتانے لگا۔" انتظامات بالکل مکمل ہیں۔ ہم ابھی ہیلی پیڈ کی طرف جائیں گے اور یہاں سے ہیلی پیڈ تک اتنے سخت انتظامات کیے گئے ہیں کہ آپ کی مرضی کے بغیر کوئی قریب نہیں آسکے گا اور نہ ہی ملاقات کر سکے گا۔ حتیٰ کہ اپنی ہی تنظیم کے دو ماسٹر ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ آپ چاہیں تو انکار کر دیں۔"

میں نے کہا۔" نہیں میں آپ کے پاس آ رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ باہر مسلح گارڈ کھڑے ہوئے تھے۔ سب مجھے دیکھ کر اٹینشن ہو گئے۔ پھر ایک گارڈ نے مجھے ماسٹر موس ٹروفی کے کمرے تک پہنچایا۔ وہاں دونوں ماسٹر مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ موس ٹروفی نے ان سے تعارف کرایا۔ وہ بہت زیادہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ ان سے بہت مختصر سی گفتگو ہوئی کیونکہ میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں جلد سے جلد وہاں سے روانہ ہونا چاہتا تھا۔ روانگی سے پہلے ماسٹر موس ٹروفی نے چند خاص آدمیوں کو کمرے میں بلایا۔ ان میں ایک ہیلی کاپٹر کا پائلٹ تھا جو نیلی وردی میں ملبوس تھا۔ اس نے میرے سامنے سلیوٹ کیا۔ مجھ سے باتیں کرنے لگا تاکہ میں اس کی آواز اور لب و لہجے کو اپنے ذہن میں نقش کر سکوں۔ پھر میں نے مطمئن ہو کر کہا۔" ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔"

وہ چلا گیا تو چھ اسٹن گن والے جوان کمرے میں داخل ہوئے۔ پھر جوان باری باری اپنی آواز سنانے لگے۔ مجھ سے کچھ باتیں کرنے لگے۔ اس کے بعد میں نے مطمئن ہو کر انھیں بھی رخصت کر دیا۔ ان کے جانے کے بعد موس ٹروفی مجھے ایک کمرے میں لے گیا۔ وہاں بہت سا سامان تھا۔ اس نے بتایا کہ کون سا سامان کیا ہے۔ یعنی وہاں کھانے پینے اور فرسٹ ایڈ کے سامان وغیرہ کے علاوہ مختلف قسم کے ہتھیار تھے۔ میرے لیے کتنے ہی طرح کے ملبوسات تھے۔ موس ٹروفی نے کہا کہ میں مہم پر روانہ ہونے سے پہلے اپنے لیے لباس کا انتخاب کر لوں اور لباس بھی تبدیل کر لوں۔

میں اس کا شکریہ ادا کر کے غسل خانے میں چلا گیا۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر میں نے ایک پتلون اور بنیان پہ ایک جیکٹ پہنی۔ کمر سے کارتوس کی پیٹی باندھی، ہولسٹر میں ریوالور رکھا۔ دوسری طرف ایک ہاتھ بھر کا شکاری چاقو کمر سے لٹکایا۔ میری ایک کلائی میں گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ میں نے دوسری کلائی میں گھڑی کی طرح ایک قطب نما باندھ لیا۔ موس ٹروفی نے مجھے اینٹی ڈارک آئی لینس دیے جنھیں میں آنکھوں میں لگا کر جنگل کی تاریکیوں میں دیکھ سکتا تھا۔ یہ آئی لینس میرے لیے بہت اہم تھے۔ انھیں میں نے اپنی پتلون کی چور پاکٹ میں رکھ لیا۔ اس کے بعد موس ٹروفی نے مجھے ایک بیگ دکھایا جسے میں اپنے ساتھ لے جانے والا تھا۔ اس بیگ میں ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر تھا، ایک ایسا ریوالور تھا جس سے فائر کرنے کے بعد فضا میں دور تک ان گولیوں سے اُجلی شعاعیں نکلنے لگتیں۔ جنگل دور تک روشن ہو جاتا۔ یہ اس لیے تھا کہ کبھی کہیں سے حملہ ہو تو جنگل کو دور تک روشن کر کے اپنے دشمنوں کی محاذ آرائی دیکھ سکوں۔ ایک پلاسٹک کے ڈبے میں چھوٹی چھوٹی بے شمار گولیاں تھیں۔ یہ گولیاں طبی سائنس کی انوکھی ایجاد تھیں۔ ایک گولی نگل لینے کے بعد چوبیس گھنٹے تک بھوک اور پیاس نہیں لگتی تھی۔ یعنی ان گولیوں کے ذریعے میں جنگل میں کئی دن تک بغیر کھائے پیے رہ سکتا تھا۔ یہ گولیاں احتیاطاً رکھ دی گئی تھیں ورنہ میرے ساتھ کافی خوراک جا رہی تھی۔

اس بیگ میں عجیب و غریب چیزیں تھیں، ایک بوتل میں ایسا سفوف رکھا تھا کہ اگر جنگل میں بستر کے چاروں طرف چھڑک دیا جاتا تو رات کو زہریلے کیڑے مکوڑے بستر کے قریب نہیں آسکتے تھے۔ آرام سے رات گزاری جا سکتی تھی۔ موس ٹروفی ایک ایک چیز نکال کر مجھے دکھاتا جا رہا تھا۔ جب بیگ خالی ہو گیا تو اس نے کہا۔" اب دیکھیے یہ جو بظاہر ایک عام سا بیگ ہے، اب یہ آپ کے لیے کتنا کارآمد ہو سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ بیگ کو الٹنے لگا۔ اندر اسٹیل کا ایک ہینڈل تھا۔ اس ہینڈل میں ایک طرف بٹن لگا ہوا تھا۔ موس ٹروفی نے کہا۔" اگر آپ سیکڑوں فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگانا چاہیں یا کسی اونچی عمارت کی چھت سے کودنا چاہیں تو چھلانگ لگاتے ہی اس بٹن کو دبا دیجیے۔ چھتری کی طرح یہ بیگ کھلتا چلا جائے گا۔" میں اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اس کھلی ہوئی چھتری کو الٹنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی میں نے دیکھا کہ وہ چھتری پھر ایک عام سا بیگ بن گئی تھی۔

موس ٹروفی اس بیگ میں ان تمام چیزوں کو دوبارہ رکھنے کے دوران مجھے ٹرانسمیٹر کی فریکوئنسی اور کوڈ نمبر یاد کرانے لگا۔ اس کے بعد پھر اس بیگ کو اٹھا کر میری پشت سے باندھ دیا اور ایک اسٹین گن پکڑا دی۔ اس کے بعد بولا۔" اور کوئی خدمت ہو تو حکم دیں۔ بندہ حاضر ہے۔"

میں نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا۔ "موس ٹروفی! تم نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ میں جنگل میں پہنچ کر اپنے ساتھیوں کو تلاش کر کے لانے میں کامیاب ہوا تو تمھارے اس احسان کا بدلہ ضرور چکاؤں گا۔"

اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں نے آپ پر احسان نہیں کیا ہے بلکہ آپ کو اپنا باس سمجھ کر خدمت کی ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس خدمت سے مجھے کتنی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ بہرحال اب وقت ہو چکا ہے۔ آئیے۔"

ہم بنگلے سے باہر آ کر ایک بڑی سی کار میں بیٹھ گئے۔ اس کے شیشے بلٹ پروف تھے۔ ہمارے آگے پیچھے مسلح گارڈز کی گاڑیاں تھیں۔ ان گاڑیوں میں ہیلی کاپٹر کا پائیلٹ اور وہ چھ مسلح جوان بھی تھے جو میرے ساتھ ہیلی کاپٹر میں سفر کرنے والے تھے۔ پورے انتظامات کے ساتھ ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔

راستے میں میں نے دیکھا۔ موس ٹروفی ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے ماتحتوں سے باتیں کرتا جا رہا تھا۔ اسے معلومات حاصل ہو رہی تھیں اور وہ انھیں ہدایات دیتا جا رہا تھا۔ اس کے مطابق اس کے ماتحت عمل کر رہے تھے اور ہماری نگرانی کرتے چلے جا رہے تھے۔

میں نے صبح سے اب تک سائرہ بانو سے دماغی رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ وہ یقیناً پریشان ہوں گی۔ یہ سوچتے ہی میں نے ان کے دماغ میں جھانک کر کہا۔ "ہیلو امی! میں آپ کا بیٹا فرہاد علی تیمور ہوں۔"

وہ اپنے دماغ میں میرے لب و لہجے کو سن کر چونک گئیں۔ پھر سیدھی بیٹھ کر بولیں۔ "بیٹے! میں بہت دیر سے تمھارا انتظار کر رہی ہوں۔ مجھے کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے کہ میری بیٹی کہاں ہے اور کیسی ہے۔"

"میں آپ کو یہی خوشخبری سنانے آیا ہوں کہ آپ کی بیٹی دشمنوں کی قید سے آزاد ہو گئی ہے اور اس وقت وہ جنگل میں ہے۔ کسی آبادی تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ انشا اللہ بہت جلد آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔"

وہ خوش ہو رہی تھیں۔ پھر کچھ سوچ کر بولیں۔ "بیٹے! کہیں تم مجھے جھوٹی تسلیاں تو نہیں دے رہے ہو؟"

"نہیں امی! میں آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں خود اس وقت پیرس چھوڑ کر اسی جنگل کی طرف جا رہا ہوں۔ انشا اللہ میں بہت جلد مرجانہ کو آپ کے پاس لے کر آؤں گا۔"

وہ دعائیں دینے لگیں۔ میں نے کہا۔ "آپ ایک بات کا خاص خیال رکھیں۔ میری عدم موجودگی میں اگر کوئی دشمن آپ کو کسی طرح بھی بہکائے یا آپ کو اپنے بنگلے سے باہر آنے پر مجبور کرے تو آپ فوراً ماسٹر موس ٹروفی سے رابطہ قائم کریں۔ وہ ہر حال میں آپ کی حفاظت کرے گا۔"

"بیٹے! تمھارا یہ ماسٹر میرا بہت خیال رکھتا ہے۔ اس کے آدمی ہمیشہ میری کوٹھی کے چاروں طرف پہرہ دیتے رہتے ہیں اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ میں یہاں بہت محفوظ ہوں۔ اور تمھاری ہدایت کے مطابق کبھی کسی کی باتوں میں آ کر اپنے بنگلے سے باہر نہیں جاؤں گی۔"

اچانک ہی میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ مجھے ایک بڑا زبردست جھٹکا لگا تھا۔ میں کار کی پچھلی سیٹ پر لڑھک گیا تھا۔ پتہ چلا کہ گاڑی کسی گاڑی سے ٹکرا گئی ہے۔ پھر اچانک ہی فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ اس کے بعد کچھ نظر نہیں آیا۔ چاروں طرف دھواں ہی دھواں پھیل رہا تھا۔ ماسٹر موس ٹروفی کی آواز سنائی دی۔ "فرہاد صاحب! آپ محتاط رہیں۔ ہم ایئرپورٹ کے احاطے میں پہنچ گئے ہیں۔ آپ اپنے پاس بیٹھے ہوئے باڈی گارڈ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں۔ وہ کسی وقت بھی موقع پا کر آپ کو اس گاڑی سے نکال کر لے جائے گا اور اس دھوئیں سے گزارتا ہوا ہیلی کاپٹر تک پہنچا دے گا۔ ہم یہاں دشمنوں سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ آپ بے فکر رہیں۔"

میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے باڈی گارڈ کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر سر گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ وہاں بھی دھواں ہی دھواں نظر آ رہا تھا۔ پتہ چل نہیں رہا تھا کہ کون کس کی طرف فائرنگ کر رہا ہے۔ اچھا خاصا ہنگامہ برپا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی ایک طرف کا دروازہ کھلا پھر میرے باڈی گارڈ نے میرے ہاتھ کو کھینچا۔ "آئیے جناب! میں آپ کو لے چلتا ہوں۔"

میں اس کے ساتھ کار سے باہر نکلا۔ گھنے دھوئیں میں سے گزرتا ہوا اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ میرا ہاتھ کھینچتا ہوا ایک طرف لیے جا رہا تھا۔ میں اس کے ہاتھ کے اشارے پر دوڑتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک دوڑتے رہنے کے بعد ہم دھوئیں کے بادلوں سے نکل آئے۔ باہر نکلتے ہی جیسے واقعی بادل چھٹ گئے ہوں۔ سامنے ہی بڑا سا ہیلی کاپٹر نظر آ رہا تھا۔ میں سیڑھیاں چڑھتا ہوا کاک پٹ کے اندر چلا گیا۔ میری پچھلی والی سیٹ پر چار مسلح جوان تھے۔ اس کے آگے والی سیٹ پر دو مسلح جوان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان کے درمیان بیٹھ گیا۔ ہیلی کاپٹر کا پائیلٹ پہلے ہی آگے بیٹھا ہوا تھا۔ کاک پٹ بند ہو گیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے پنکھے نے گردش شروع کی۔ تھوڑی دیر بعد ہیلی کاپٹر نے زمین کو چھوڑ دیا۔ اور فضا میں بلند ہونے لگا۔

میں نے ماسٹر موس ٹروفی کے دماغ میں جھانک کر پوچھا۔ "ہیلو ماسٹر! آپ خیریت سے ہیں؟"

"جی ہاں۔ آپ ابھی سنا دیجیے۔"

"میں اس وقت ہیلی کاپٹر میں ہوں اور ہیلی کاپٹر زمین چھوڑ کر بلندی پر پرواز کر رہا ہے۔"

"اوہ۔ وِش یو بیسٹ جرنی مسٹر فرہاد!"

"تھینک یو ماسٹر! یہ سب آپ کے تعاون کا نتیجہ ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنے کے لیے پہنچوں گا۔"

"فرہاد صاحب! آپ سے گذارش ہے کہ آپ وقتاً فوقتاً اپنی خیریت سے آگاہ کرتے رہیں۔ میں بے چینی سے آپ کا انتظار کرتا رہوں گا۔"

"میں آپ سے یقیناً رابطہ قائم کرتا رہوں گا۔ آپ سے بھی گذارش ہے۔ وہ یہ کہ جو دشمن سرِ عام اس قسم کا ہنگامہ کر سکتے ہیں وہ سائرہ بانو کو حاصل کرنے کے لیے بھی بہت کچھ کر گزریں گے۔ آپ ان کا خاص خیال رکھیں اور ان کے چاروں طرف پہرے کو اور سخت کر دیں۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ میں یہاں سے جانے کے بعد خود دیکھوں گا کہ ان کی نگرانی ہو رہی ہے اور پہرے کو کس طرح مزید سخت کیا جا سکتا ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

میں موس ٹروفی سے رخصت ہونے کے بعد اپنے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ سب اجنبی ہی لوگ تھے۔ میں انھیں موس ٹروفی کے کمرے میں دیکھ چکا تھا۔ ان سے باتیں کر چکا تھا۔ یہ سب کے سب نوجوان تھے اور اتنے ہنگامے اور اتنی رکاوٹیں ہونے کے باوجود ہیلی کاپٹر میں مجھ سے پہلے آ کر بیٹھ گئے تھے۔ میں مطمئن ہو کر مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دونوں خچروں پر سامان لاد کر اور ایک پر سوار ہو کر باقی گھوڑوں کی لگامیں تھامے وہاں سے جا رہی تھیں اور کافی فاصلہ طے کر چکی تھیں۔ میں نے سونیا سے پوچھا۔ "بات یہ ہے۔ تم کدھر جا رہی ہو؟"

اس نے جواب دیا۔ "یہ تو میں بھی نہیں جانتی کہ کہاں جا رہی ہوں۔ میں نے ایک گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ کر آئی تھی۔ اس گھوڑے کے ذریعے ان تک پہنچ سکتی تھی لیکن افسوس کہ جب ہم وہاں پہنچے تو وہ صحیح سلامت نہیں تھا۔ اس کے کتنے ہی ٹکڑے ہو چکے تھے۔ ہم نے کسی درندے کے دہاڑنے کی آواز سنی تھی وہ کمبخت اس گھوڑے پر حملہ کر کے اور اس کی تکا بوٹی کر کے چلا گیا تھا۔"

"کیا مطلب یہ ہے کہ تم کاٹیج کی طرف نہیں جا رہی ہو؟"

"میرے ساتھ کوئی رہنمائی نہیں ہے۔ میں اندازاً چلی جا رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں راستہ بھٹکتے ہوئے پھر کہیں دشمنوں کے نرغے میں چلے جائیں۔ اس خیال سے میں یہ کوشش کر رہی ہوں کہ یہ گھوڑے جدھر ہمیں لے جانا چاہتے ہیں ادھر نہ جاؤں بلکہ ان کی لگامیں موڑ کر کسی دوسرے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کر رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی تم لوگوں کے پاس پہنچنے ہی والا ہوں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہیلی کاپٹر کہاں اترے گا۔ میں تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم کروں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے مرجانہ سے کہا۔ "تمھارے زخم کی تکلیف کیسی ہے؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اب زخم میں پہلے جیسی تکلیف نہیں ہے۔ بس کبھی کبھی ٹیسیں اٹھتی ہیں۔ یہ رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گی۔ ابھی سونیا میرے زخموں کو صاف کرنے کے بعد مرہم پٹی کر رہی تھی۔"

"تمھاری امی تمھارے لیے بہت پریشان ہیں۔ میں نے انھیں تسلی دی ہے۔ ویسے وہ بہت محفوظ ہیں۔ تم ان کی پروا نہ کرو۔ ہم کوشش کریں گے کہ تم جلد ہی ان کے پاس جاؤ۔"

"میں تو چاہتی ہوں کہ میری امی مجھے مل جائیں۔ میں ان کے پاس رہوں لیکن ان کے پاس رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمھیں چھوڑ کر وہاں چلی جاؤں۔ ہم سب ایک ساتھ جائیں گے۔"

"ہاں۔ ہم سب تمھاری امی کے پاس جائیں گے۔ اطمینان رکھو۔"

یہ کہہ کر میں ان لوگوں سے رخصت ہو گیا اور رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بیچاری اکیلی کاٹیج میں تھی۔ کھانے کا وقت گزر چکا تھا لیکن وہ نہیں کھا رہی تھی۔ ایک تو ممی کے مرنے کا صدمہ تھا۔ دوسرے تنہائی اور پریشانی تھی۔ میں نے اُسے سمجھایا کہ صدمہ کرنے اور پریشان رہنے سے پریشانیاں دور نہیں ہوں گی۔ میں جلد ہی اس کے پاس پہنچنے والا ہوں۔ لہٰذا اسے کچھ کھانا پینا چاہیے۔

میں اُسے سمجھا ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ ایک دم گھبرا کر اٹھ گئی اور ڈر سے کانپنے لگی۔ میں نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ میں تمھارے دماغ میں موجود ہوں۔ اگر کوئی خطرہ ہوا تو تمھارے اندر پوری طرح سما کر اس خطرے کا مقابلہ کروں گا۔ فکر نہ کرو۔ پوچھو کہ کون دستک دے رہا ہے۔"

اس نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی۔ "بیٹی! میں ہوں، میرا نام ہرڈیو ہے۔ ابھی میں تمھارے ساتھ تھا۔ تمھیں چھوڑ کر چلا گیا تھا مگر نہ جا سکا۔ میرا دل نہیں مانا کہ میں تمھیں بے یار و مددگار چھوڑ کر جاؤں۔ اب تک میں دور جنگل میں بیٹھا ہوا اس کاٹیج کی طرف دیکھتا ہوا پہرہ دے رہا تھا۔ ابھی تک تمھارا کوئی دشمن نہیں آیا ہے۔ میں نے سوچا کہ بھوک لگی ہے۔ تھوڑا سا تمھارے پاس آ کر کھا لوں۔ اس کے بعد چلا جاؤں گا۔"

میں نے رسونتی سے کہا۔ "میں ہرڈیو کو اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔ وہ دوست ہے۔ تم دروازہ کھول دو۔ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

رسونتی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ ہرڈیو کاٹیج میں داخل ہو کر دروازے کو اندر سے بند کرنے لگا۔ میں نے ہرڈیو سے کہا۔ "رسونتی بہت اداس ہے اور پریشان ہے۔ اس نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ تم کوشش کرو کہ یہ کچھ کھا لے۔"

اس نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں کوشش کروں گا۔"

رسونتی اس کے لیے کھانا نکالنے کچن میں گئی تو ہردیو بھی اس کے پیچھے کچن میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کھانے کا ڈبہ کھولتے ہوئے پانی میں ڈال کر گرم کیا۔ پھر اسے پلیٹ میں نکال کر ہردیو کے سامنے رکھ دیا۔ ہردیو نے کھانے کی طرف دیکھا پھر اداس ہو کر ایک سرد آہ بھری۔

رسونتی نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ بولا "میری بیٹی تمہارے برابر ہے۔ اس وقت وہ یاد آ رہی ہے۔ جب میں کھانے بیٹھتا ہوں تو پہلا نوالہ اس کے منہ میں رکھتا ہوں اس کے بعد خود کھاتا ہوں۔"

وہ بولی "مجھے افسوس ہے بابا! کہ آپ اپنی بیٹی سے بچھڑے ہوئے ہیں۔"

"نہیں، میں بچھڑا ہوا نہیں ہوں۔ میری بیٹی تو میرے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔"

رسونتی نے چونک کر دیکھا۔ ہردیو نے سر ہلا کر پوچھا "کیا تم میری بیٹی نہیں ہو؟"

"ہاں بابا! میں آپ کی بیٹی ہوں۔ آپ نے جس طرح میری جان بچائی ہے اور جس طرح یہاں میری حفاظت کر رہے ہیں۔ یہ تو میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ آپ ایک باپ کا فرض ادا کر رہے ہیں۔"

"تو پھر تم بھی بیٹی ہونے کا فرض ادا کرو۔ میرے ہاتھ سے کھالو۔"

"نہیں بابا! میرا دل نہیں چاہتا۔ میں نہیں کھاؤں گی۔"

"پھر تو میں بھی نہیں کھا سکوں گا کیونکہ میں اپنی بیٹی کو کھلائے بغیر کبھی نہیں کھاتا ہوں۔"

وہ میز پر سے اٹھنے لگا۔ اسی وقت رسونتی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "آپ کھانا چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ میں آپ کو کھلاؤں گی۔"

"جب تم میرے ہاتھ سے نہیں کھا رہی ہو تو میں تمہارے ہاتھ سے کیسے کھاؤں؟"

"بابا! میں آپ کو بھوکا نہیں جانے دوں گی۔ آپ پتہ نہیں جنگل میں کس طرح رہیں گے۔ سارا دن تو بھوکے رہ کر گزار دیا ہے۔ آیئے میں آپ کے ہاتھ سے کھاؤں گی۔"

ہردیو خوش ہو کر اس کا ہاتھ تھام کر بولا "شاباش بیٹی! تم نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اب میں پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ آؤ، بیٹھو۔ میں تمہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتا ہوں۔"

وہ دونوں باپ بیٹی کھانے لگے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر وہاں سے دماغی طور پر ہیلی کاپٹر میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت دن کے دو بج رہے تھے۔ سفر شروع کیے ہوئے ایک گھنٹہ گزرا تھا اور مجھے بتایا گیا تھا کہ اندھیرا ہونے سے بہت پہلے ہی میں جنگل میں پہنچ جاؤں گا۔ میرے سوچنے کے دوران ٹرانسمیٹر سے اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے اپنے بازو بیٹھے ہوئے جوان کو دیکھا جو ٹرانسمیٹر کو ہینڈل کر رہا تھا۔ اس نے اُسے آن کر کے اپنا کوڈ ورڈز اور نام بتایا۔ پھر دوسری طرف سے جواب سننے کے لیے ایک دوسرا بٹن آن کر دیا۔

دوسری طرف سے ماسٹر موس ٹرانی کی آواز سُنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "جب سے ہیلی کاپٹر نے پرواز شروع کی ہے اس وقت سے اب تک کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم نہیں کیا گیا ہے۔ کنٹرول ٹاور سے کئی بار ہیلی کاپٹر کے پائیلٹ کو مخاطب کیا گیا لیکن پائیلٹ بالکل خاموش ہے۔ معلوم کرو کہ کیا بات ہے؟"

یہ سنتے ہی ہماری نظریں پائیلٹ پر گئیں۔ وہ ہمارے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پشت نظر آ رہی تھی۔ ایک جوان نے اس کے شانے کو پکڑ کر ہولے سے جھنجھوڑتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ اس کے جواب میں پائیلٹ کا ایک ہاتھ اٹھا۔ اس میں ایک تہہ کیا ہوا کاغذ تھا۔ وہ کاغذ ہماری طرف خاموشی سے بڑھا رہا تھا۔ میں نے اس سے وہ کاغذ لے لیا۔ پھر اُسے کھول کر پڑھا۔ لکھا ہوا تھا "مجھے کچھ کہنے یا چھیڑنے سے پہلے میرے قدموں کی طرف دیکھو۔ وہاں ایک زبردست قوت کا بم بندھا ہوا ہے۔ اس کا کنکشن میرے دائیں پاؤں کے نیچے ہے۔ میں اس بٹن پر ہلکا سا دباؤ بھی ڈالوں گا تو ایک دھماکہ ہوگا اور ہیلی کاپٹر کے ساتھ ہم سب کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ میں اکیلا اپنی جان داؤ پر لگا کر یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ تم لوگ اپنی خیر مناؤ۔ اگر زندگی عزیز ہے تو مجھے بالکل نہ چھیڑنا اور نہ ہی بات کرنے پر مجبور کرنا۔"

میں نے وہ پرچہ پیچھے بیٹھے ہوئے محافظوں تک بڑھا دیا۔ ان لوگوں نے بھی پڑھا۔ پھر ہیلی کاپٹر کے اندر ایک سنسنی سی پھیل گئی۔ اب ہم سب اس فکر میں مبتلا ہو گئے کہ اس پائیلٹ کے ساتھ کیا کریں۔ اگر ہم پیچھے سے اس کے سر پر ایک کاری ضرب لگاتے تو وہ بے ہوش ہو جاتا۔ تب بھی بات نہ بنتی کیونکہ مار کھاتے ہی اس کے بدن کو جو جھٹکا لگتا اس جھٹکے سے پاؤں کے نیچے والا بٹن دب جاتا۔ اس کے ساتھ ہی دھماکہ ہوتا اور ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچتا۔ ہم یکلخت اس کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنی طرف یعنی پیچھے کی طرف کھینچ سکتے تھے۔ بٹن پر سے اس کے پاؤں کو یکبارگی ہٹا سکتے تھے۔ لیکن افسوس کہ اس نے سیفٹی بیلٹ باندھا ہوا تھا۔ اسے کھینچنے سے پہلے سیفٹی بیلٹ کو کھولنا پڑتا اور اسے کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھانے سے پہلے ہی وہ ہوشیار ہو جاتا اور اپنی دھمکی پر عمل کر بیٹھتا۔

ہم بُری طرح پھنس گئے۔ ماسٹر موس ٹرونی نے اپنے تمام ذرائع استعمال کر کے پوری ذہانت سے میری سلامتی کے لیے بڑے ہی مکمل انتظامات کیے تھے، اس کے باوجود دشمن اپنی چال میں کامیاب ہو گئے تھے۔ میں نے ماسٹر موس ٹرونی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ ٹرانسمیٹر کے سامنے بیٹھا ہمارے جواب کا منتظر تھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا "ہیلو ماسٹر! میں فرہاد بول رہا ہوں۔ یہاں سچویشن بہت ہی نازک ہے اور ہم سب کی زندگی خطرے میں ہے۔ وہ پائلٹ دشمن کا آدمی ہے۔"

ماسٹر موس ٹرونی نے شدید حیرانی سے پوچھا "یہ کیسے ہو گیا۔ ہم نے تو اپنے طور پر بڑے سخت انتظامات کیے تھے پھر یہ کہ آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنے اور دشمنوں کے دماغوں کو پڑھ سکتے تھے پھر یہ دھوکا کیسے کھا گئے؟"

"ماسٹر! حالات ایسے تھے۔ آپ نے خود دیکھا ہے کہ ہیلی پورٹ تک پہنچتے ہی دشمنوں نے کیسے ہنگامے کیے تھے۔ کیسے دھماکے ہو رہے تھے۔ گولیاں چل رہی تھیں۔ دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ایسے میں یہی غنیمت ہے کہ ہمارے چھ مسلح محافظ میرے آس پاس بیٹھے ہوئے ہیں، صرف ایک پائلٹ بدل گیا ہے اور شاید ان کا یہی منصوبہ تھا کہ اس طرح ہنگامے کے دوران صرف پائلٹ کو تبدیل کیا جائے۔"

موس ٹرونی نے کہا "ہوں۔ تبھی کنٹرول ٹاور والوں کو پائلٹ کی آواز نہیں مل رہی تھی۔ وہ اس لیے خاموش تھا کہ اگر کچھ بولتا تو تم اس کی آواز سن کر چونک جاتے اور پرواز سے پہلے ہی محتاط ہو کر اسے دبوچ لیتے۔"

"ماسٹر! ان دشمنوں کی پلاننگ کا یہ حصہ بڑی ذہانت سے ترتیب دیا گیا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ جب ہنگامے کے دوران ہم ہیلی کاپٹر میں سوار ہوں گے تو ایک دوسرے کو ہوش نہیں رہے گا۔ پھر یہ کہ میرے آس پاس جو مسلح محافظ ہوں گے۔ میں زیادہ سے زیادہ انہی کو دیکھوں گا۔ آگے بیٹھے ہوئے پائلٹ کی طرف شاید ہی میرا دھیان جائے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسے وقت پرواز کرنے سے پہلے کنٹرول ٹاور کے قواعد کا پابند ہونا نہیں پڑتا۔ وہاں دشمنوں سے بچنے کے لیے پرواز لازمی ہو گئی تھی۔ کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کرنا بہت زیادہ ضروری نہ تھا۔ اس لیے اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھا لیا۔"

"اب کیا ہوگا، فرہاد صاحب؟"

"ہم سوچ رہے ہیں کہ کیا کر سکتے ہیں۔"

"کیا آپ اسے بولنے پر مجبور نہیں کر سکتے؟"

"نہیں! اس نے ایک تحریر کے ذریعے دھمکی دی ہے۔ اگر اس کی بات پر ہم نے عمل نہیں کیا تو وہ ہیلی کوپٹر کو تباہ کر دے گا۔ اس کے پاؤں کے نیچے ایک بٹن ہے جس پر ہلکا سا دباؤ پڑتے ہی دھماکہ ہوگا اور پھر نہ ہیلی کاپٹر رہے گا نہ ہم رہیں گے۔"

"کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی؟"

"ہم ہر طرح سے اپنے ذہن کو آزما رہے ہیں۔ تدبیریں سوچ رہے ہیں مگر اب تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ جب کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا تو پھر اسی پائلٹ کے رحم و کرم پر رہنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ ہمیں کہاں پہنچاتا ہے۔ ویسے یہ اطلاع آپ کو ایک گھنٹے بعد کیوں ملی کہ ہمارے ہیلی کاپٹر کا پائلٹ رابطہ قائم نہیں کر رہا ہے؟"

ماسٹر نے کہا "میں سائرہ بانو کے پاس گیا ہوا تھا اور ہمارے کنٹرول ٹاور میں جو آدمی ہیں انہیں پتہ نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں۔ وہ مجھے تلاش کر رہے تھے۔ جب مجھے بتایا گیا تو تقریباً ایک گھنٹہ گزر چکا تھا اس کے باوجود میں نے دو ہیلی کاپٹر آپ لوگوں کے تعاقب میں بھیجے ہیں لیکن ہمیں صحیح سمت کا اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ آپ ذرا اپنے قطب نما کو دیکھ کر سمت بتائیں۔"

میں نے قطب نما کو دیکھ کر بتایا "ہمارا رُخ جنوب مشرق کی طرف ہے۔"

ماسٹر نے کہا "جبکہ ہیلی کاپٹر کا رُخ جنوب کی طرف ہونا چاہیے۔ پروگرام کے مطابق وہ اسپین کے اوپر سے گزرتا ہوا افریقہ کے جنگلوں میں پہنچنے والا تھا۔ اب اگر یہ جنوب مشرق کی طرف جا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسپین کی بجائے اٹلی کی طرف جا رہا ہے۔"

میں کبھی کبھی سر اٹھا کر اس کے بائیں پاؤں کی طرف دیکھتا تھا اور سوچتا رہ جاتا تھا کہ کیا کروں۔ اگر اس کا دماغ میری مٹھی میں ہوتا تو میں بڑی آسانی سے اس کے بائیں پاؤں کو وہاں سے ہٹا دیتا۔ پھر وہ لاکھ کوشش کرتا تب بھی پاؤں کو بٹن پر نہ لے جا سکتا مگر بنیادی بات یہی تھی کہ اس کا دماغ میری مٹھی میں کیسے آتے؟ اسے چھیڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اسے زبردستی باتیں کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر ذرا بھی اس کے خلاف کوئی بات ہوتی تو پلک جھپکتے ہی موت ہم پر جھپٹ پڑتی۔

موت کا سوئچ اس کے قدموں میں تھا۔ زندگی ہمارے ہاتھ میں تھی۔ ہم جب تک خاموش بیٹھے رہتے یہ زندگی ہماری ہوتی۔ ہم چپ چاپ بیٹھ کر زیادہ سے زیادہ اپنی ذہانت کو آزما سکتے تھے اور ہم آزما رہے تھے لیکن کوئی تدبیر سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ اس طرح جم کر بیٹھا ہوا تھا کہ اسے اس کی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکتا تھا۔

دو گھنٹے تک ہم گم صم بیٹھے رہے۔ کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ سب اپنی اپنی جگہ سوچ رہے تھے کہ ایسے وقت کیا کیا جا سکتا ہے کس طرح اس پائلٹ کو وہاں سے ہٹا کر اس کی جگہ لی جا سکتی ہے۔ سب سوچتے ہی جا رہے تھے اور سب سوچتے ہی رہ گئے تھے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ بہت بڑے شہر کے اوپر سے پرواز کر رہے ہیں بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ ہیلی کاپٹر ایک بہت اونچی عمارت کی چھت پر اترنے لگا۔

تبھی مجھے یاد آیا کہ سائرہ بانو کو بھی ایسی ہی کسی عمارت کی چھت پر لایا گیا تھا پھر وہاں سے انہیں پیرس پہنچایا گیا تھا۔ یہ جلال بیگ کا بھی خاص اڈہ معلوم ہوتا تھا۔ مجھے بھی اسی اڈے پر اتارا جا رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر چھت پر اتر گیا۔ پنکھے کی گردش آہستہ آہستہ کم ہونے لگی۔ اس کے بعد کاک پٹ اٹھ گیا۔ تب ہی کہیں سے ہیلی کاپٹر میں آواز سنائی دی "خوش آمدید مسٹر فرہاد علی تیمور! ہم امید کرتے ہیں کہ آپ یہاں کوئی ہنگامہ نہیں کریں گے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیں گے کہ وہ اپنے ہتھیار اسی ہیلی کاپٹر میں رکھ کر نیچے اتر آئیں۔ آپ پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔ آپ ہتھیار ساتھ لا سکتے ہیں کیونکہ ہم آپ سے ظاہری ہتھیاروں کو تو چھین سکتے ہیں لیکن ٹیلی پیتھی کا ہتھیار نہیں چھین سکتے لیکن پلیز اپنے ساتھیوں کو حکم دیں کہ وہ ہتھیار ڈال کر آپ کے ساتھ نیچے اتر آئیں۔"

میں نے ان سے کہا "اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ابھی ہم ان کے احکامات کی تعمیل کرتے رہیں۔ اپنے ہتھیار یہیں چھوڑ دو اور میرے پیچھے چلے آؤ۔"

یہ کہہ کر میں سیڑھیوں سے اترتا ہوا چھت پر آ گیا میرے پیچھے ایک ایک کر کے میرے محافظ بھی آنے لگے جب ہم سب نیچے اتر گئے تو کاک پٹ بند ہو گیا۔ اس کے بعد چھت پر ایک طرف زینے سے ایک شخص ابھرتا ہوا آیا۔ اس نے آتے ہی مجھے سلام کیا اور کہا "میں وہی ہوں جس نے اس چھت پر سائرہ بانو کا استقبال کیا تھا۔ اس وقت بھی مجھے یہ خدشہ تھا کہ آپ سائرہ بانو کے ذریعے میرے دماغ میں پہنچ جائیں گے۔ بہرحال اس وقت تو میں محفوظ رہا تھا لیکن آج خود ہی اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔"

میں نے لاپروائی سے کہا "اور تم نے محسوس کیا ہوگا کہ میں ابھی تک تمہارے دماغ میں نہیں پہنچا اور نہ پہنچنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کیونکہ تم جلال بیگ کے ایک معمولی آلۂ کار ہو۔"

اتنے میں بہت سے مسلح جوان چھت پر آ گئے۔ انہوں نے میرے چھ محافظوں کو گھیر لیا۔ اس شخص نے سر جھکا کر کہا "یہ [illegible] خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے ایک ادنیٰ غلام سمجھا [illegible] لائیے، نیچے کچھ لوگ آپ کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا اور زینے سے اترنے لگا۔ ہم اس کے پیچھے جانے لگے۔ زینے سے اتر کر برآمدے سے [illegible] ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ اچھا کشادہ ڈائننگ ہال معلوم ہوتا تھا۔ وہاں تقریباً بارہ آدمی کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میز پر انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ [illegible] باری باری میرے سامنے آ کر مصافحہ کرنے اور اپنا تعارف [illegible] میزبان نے کہا "آپ پیرس سے [illegible] روانہ ہوئے تھے۔ آپ نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا ہوگا [illegible] آپ کے لیے یہ اہتمام کیا گیا ہے۔ ہم بھی آپ [illegible] بیٹھے ہیں۔ آئیے کھانا شروع کیا جائے پھر باتیں [illegible]"

میرے لیے اس لانبی میز کے آخری سرے پر ایک کرسی رکھی گئی تھی جہاں میں سب سے الگ [illegible] تھا۔ میں وہاں بیٹھ کر ان کے ساتھ کھانے میں [illegible] کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا کہ اس کھانے میں کچھ [illegible] سبھی میرے ساتھ کھا رہے تھے۔ میں نے [illegible] پہلے کوئی شخص اٹھا کر اس میں سے کچھ لیتا تھا [illegible] بھی اٹھا لیتا تھا۔ اتنی سی دیر میں خیال خوانی کے ذریعے یہ بھی معلوم کر لیتا تھا کہ کھانے میں کوئی نقصان دہ چیز ملی ہوئی نہیں ہے۔

کھانے کے دوران ایک شخص نے کہا "ہم سب آپ سے کھل کر باتیں کر رہے ہیں۔ آپ جب چاہیں ہمارے [illegible] پہنچ کر ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں لیکن ہم آپ سے [illegible] کرتے ہیں کہ ہمیں نقصان پہنچانے سے پہلے ہماری [illegible] کر لیں کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں؟ آپ کو پتہ چلے گا کہ ہم مظلوم ہیں۔"

میں نے ایک لقمہ چباتے ہوئے کہا "خیال خوانی کی [illegible] ہی کیا ہے؟ فی الحال آپ ہی یہ بتا دیں کہ آپ لوگ [illegible] مظلوم ہیں؟"

دوسرے شخص نے کہا "جلال بیگ ہمیں [illegible] بلیک میل کرتا ہے اور ہم سے بڑی بڑی رقمیں [illegible] ہے۔ اپنا دھندا چلانے کے لیے اس نے پتہ نہیں کتنے [illegible]

[illegible] سیکھے ہیں اور کر رہا ہے۔ ہم اس شہر کے بہت بڑے دولتمند [illegible] سمجھے جاتے ہیں۔ ہماری کوئی نہ کوئی کمزوری اس کے ہاتھ میں ہے۔"

میں نے پوچھا "اس نے تم لوگوں کو میرے سامنے کیوں بھیجا؟"

ایک اور شخص نے جواب دیا "ہمیں بھیجنے میں اس کا کوئی [illegible] نہیں ہے۔ وہ ہمارے ذریعے آپ تک اپنی کچھ باتیں پہنچانا [illegible] یوں تو وہ کسی اور کے ذریعے بھی اپنی بات کہہ سکتا [illegible] وہ چاہتا تھا کہ آپ جس شان و شوکت کے مالک ہیں [illegible] اعتبار سے آپ کا استقبال اس شہر کے بڑے بڑے دولتمندوں [illegible] چاہیے۔ اسی لیے اس نے ہم لوگوں کو یہاں بھیجا ہے۔"

میں نے پوچھا "کیا آپ لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ مجھے [illegible] گیا تو دشمن سمجھ کر آپ لوگوں کو ذہنی اذیتوں میں مبتلا کر دوں گا؟"

ایک نے کہا "ہاں، ہم نے یہ سوچا تھا اور جلال بیگ سے [illegible] بھی کی تھی کہ ہمیں میزبانی کے یہ فرائض نہ سونپے جائیں لیکن اس [illegible] ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ فرہاد نادان نہیں ہے۔ وہ کسی [illegible] مارنے سے پہلے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے۔ [illegible] وہ تمہارے خیالات پڑھے گا تو پتہ چل جائے گا کہ تم میری [illegible] سے آتے ہو اور مجبور ہو کر آتے ہو اور تم اس کے دشمن نہیں ہو۔"

میں نے ایک ڈش کو اٹھاتے ہوئے کہا "کھانا بہت [illegible] ہے۔ آپ لوگ بھی بہت اچھے ہیں۔ میں آپ کی میزبانی کا [illegible] ادا کرتا ہوں۔"

ایک شخص نے کہا "جناب ہم نے جیسا آپ کے متعلق سنا [illegible] ایسا ہی پایا۔ آپ بھی بہت ہی اچھے انسان ہیں۔ آپ [illegible] لوگ ڈرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ دشمن ہی ڈرتے ہوں [illegible] دوستوں کو تو آپ سے مل کر خوشی ہوتی ہوگی۔"

"اچھا یہ بتاؤ، جلال بیگ تم لوگوں کے ذریعے مجھے کیا [illegible] چاہتا ہے؟"

"وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپ کا وہ دشمن نہیں ہے۔ آپ [illegible] ان ماں بیٹی کی خاطر اس کے سامنے دیوار ہیں۔ اگر آپ مرجانہ [illegible] سائرہ بانو کا ساتھ چھوڑ دیں تو وہ آپ کا ہر مطالبہ پورا کرے گا۔"

"میں مرجانہ اور سائرہ بانو کو چھوڑنے کے لیے تیار ہوں لیکن [illegible] مطالبہ پورا نہیں کر سکے گا۔"

ایک شخص نے میز پہ ہاتھ مار کر کہا "وہ ضرور پورا کرے گا۔ [illegible] اپنا مطالبہ پیش کریں۔"

"میں کیا پیش کروں۔ اگر وہ سامنے ہوتا تو میں کچھ کہتا۔"

میز کے آخری سرے سے ایک شخص نے کہا "جلال بیگ [illegible] موجود نہیں ہے لیکن آپ کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی ہے۔ وہ جہاں بھی ہے آپ کی باتیں سن رہا ہے۔ آپ اپنا مطالبہ پیش کریں۔"

میں نے کہا "اگر جلال بیگ یہ چاہتا ہے کہ میں مرجانہ اور سائرہ بانو کا پیچھا چھوڑ دوں تو میرا مطالبہ ہے کہ جلال بیگ اور اس کا باپ حشمت بیگ بھی ان دونوں ماں بیٹی کا پیچھا چھوڑ دیں۔"

ایک شخص نے پوچھا "یہ کیا شرط ہوئی۔ آپ تو وہی مطالبہ کر رہے ہیں جو جلال کا مطالبہ ہے۔"

"ہاں ایک چیز اگر متنازعہ ہو تو اس کے لیے یہی دانشمندانہ طریقہ ہوتا ہے کہ فریقین میں سے کوئی اس کا مطالبہ نہ کرے۔ دونوں ہی اس سے دستبردار ہو جائیں۔ سائرہ بانو اور مرجانہ سے اگر جلال بیگ کو مفاد حاصل ہوتا ہے تو میرا بھی کچھ مفاد ان ماں بیٹی سے وابستہ ہے۔ وہ مفاد یا تو مالی ہوگا یا اخلاقی ہوگا۔ بہرحال جو بھی ہو، میں نے اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔ اس کے آگے اور کوئی بات نہیں ہوگی۔"

ایک اور شخص نے کہا "جلال بیگ نے کہلایا ہے کہ آپ کے جو ساتھی جنگل میں لے جا کر چھوڑے گئے ہیں، وہ جنگل [illegible] ہیں وہاں سے آپ کا کوئی ساتھی [illegible] باہر نہیں نکل سکے گا اور اب آپ کو بھی وہیں پہنچایا جائے گا [illegible] وہاں سے نکلنے کا راستہ نہیں ملے گا۔ نکلنے کا [illegible] اتنا سخت پہرہ ہے کہ وہاں سے گزرنے والوں کو بغیر کچھ [illegible] گولی مار دی جاتی ہے۔"

میں کہنا چاہتا تھا کہ جلال بیگ کا یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ سائرہ بانو کو تو کسی طرح وہاں سے نکال لیا گیا ہے۔ مرجانہ بھی ان کی قید سے آزاد ہو گئی ہے۔ ادھر سونیا کو بھی ابھی کسی کی طرف سے خطرہ نہیں ہے۔ دشمن اس کے پاس نہیں ہیں۔ سونیا تو آزاد ہی ہے لہٰذا جلال بیگ اپنی چالیں چلنے کے باوجود ناکام رہا ہے۔

یہ باتیں میں نے سوچیں لیکن زبان پر نہیں لایا کیونکہ ایسا کہنے سے جلال بیگ کے لیے چیلنج ہوتا جبکہ وہ مجھے اس جنگل میں پہنچانے والا تھا تو مجھے چیلنج نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بھڑکانے سے بات بگڑ جاتی۔ میں نے کچھ دیر سوچنے کے انداز میں کہا۔ "ہوں یہ درست معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگل سے میرے ساتھی باہر نہیں نکل سکیں گے۔ شاید میں بھی وہاں سے جا کر پھنس جاؤں گا۔ بہرحال میں دیکھتا ہوں کہ اس جنگل سے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ سکوں گا یا نہیں۔ واپس آ گیا تو شکست جلال بیگ کی ہوگی۔ نہ آ سکا تب میں جلال بیگ کا مطالبہ بغیر کسی شرط کے

مان لوں گا۔"

ایک طرف سے کہا گیا: "جلال بیگ کا ایک مطالبہ اور ہے وہ یہ کہ سائرہ بانو پر سے پہرہ ہٹا دیا جائے اور حشمت بیگ کو اس خاتون سے آزادی کے ساتھ ملنے کی اجازت دی جائے۔"

میں نے کہا: "ابھی تو یہ ممکن نہیں ہے۔ جب تک ماں بیٹی ایک دوسرے سے نہیں ملیں گی اس وقت تک سائرہ بانو کے پاس ایک پرندہ بھی پر نہیں مار سکے گا۔"

کھانے کے بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے اور ایک دوسرے کمرے میں آئے۔ وہ ہال نما کمرہ تھا۔ وہاں قیمتی صوفے بچھے ہوئے تھے۔ سب لوگ صوفوں پر جا کر بیٹھنے لگے۔ بیرے انہیں کافی کی پیالیاں پیش کر رہے تھے۔ میں نے بھی ایک پیالی اٹھالی۔ وہاں کے ایک رئیس نے کہا: "جناب! آپ یہاں آ ہی گئے ہیں کیوں نہ ایک رات یہاں روم میں گزار لیں۔ ہم آپ کو یہاں کی سیر کرائیں گے۔ صبح ہوتے ہی یہاں سے چلے جائیے گا۔"

"میں تو دشمنوں کے رحم و کرم پر ہوں۔ پتہ نہیں وہ مجھے کب جانے دیں گے۔ اگر میری مرضی ہو تو میں ابھی یہاں سے جانا پسند کروں گا کیوں کہ میں اپنے ساتھیوں کے بغیر نہیں رہ سکتا چاہے وہ کسی جنگل میں ہوں یا جہنم میں۔ میں بھی وہیں رہنا پسند کروں گا۔"

ایک دولت مند نے دوسرے دولت مند سے کہا: "آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ آپ فرہاد صاحب کو روم کی سیر کرائیں گے جب کہ میرے علم میں یہ بات ہے کہ اس بلڈنگ کے اندر اور باہر بڑا سخت پہرہ لگایا گیا ہے۔ شاید فرہاد صاحب کو اس عمارت سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

میں نے کہا: "عمارتوں پر اور انسانوں پر پہرے لگائے جا سکتے ہیں، دلوں پر آج تک کسی نے پہرہ نہیں لگایا۔ میرے دوست نے میزبانی کا فرض ادا کرنے کے لیے مجھے اس شہر میں گھومنے کی دعوت دی۔ میں ان کا شکر گزار ہوں۔ اگر جلال بیگ نے پہرہ لگایا ہے تو کوئی بات نہیں۔ پھر زندگی میں کبھی یہاں آیا تو اپنے دوست کی اس خواہش کو ضرور پورا کروں گا۔"

وہ شخص جو ہیلی کاپٹر کے پاس میرا استقبال کرنے کے لیے آیا تھا، وہ مسکرا کر بولا: "اگرچہ آپ کے لیے اس عمارت سے باہر جانے پر پابندی ہے تاہم یہ عمارت آپ کے لیے ایک وسیع دنیا ثابت ہو سکتی ہے۔ آپ اس کمرے سے نکل کر کسی بھی کمرے میں جائیں۔ آپ کو بڑے بڑے ہال ملیں گے۔ یہاں تھیٹر بھی ہے سینما ہال بھی ہے۔ شراب خانے بھی ہیں اور قمار خانے بھی یہاں کے کمرے میں ہوشربا رقص پیش کیے جاتے ہیں۔ منزل میں ایک بڑا ہال ہے اور اس کے آس پاس بھی مختلف کمرے اس طرح بنائے گئے ہیں کہ آدمی انہیں بھول بھلیاں سمجھتا ہے اور واقعی ان میں گم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک کمرے میں رات کے دس بجے اندھیرا کر دیا جاتا ہے۔ وہاں شہر کا منتخب حسن اور دولت مند لوگ ہوتے ہیں۔ جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو سب ایک دوسرے کو تلاش کرتے ہیں۔ جو جس کو پا لیتا ہے وہی اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔"

میرے ایک میزبان نے پوچھا: "سنا ہے فرہاد صاحب کہ آپ حسن و شباب کے رسیا ہیں؟"

میں نے کہا: "آپ نے شباب کا اضافہ کر دیا۔ اس اضافے کو ختم کر دیجیے تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ حسن کا رسیا ہوں اور حسن صرف عورت میں نہیں ایک پھول میں بھی ہوتا ہے۔ چاند ستاروں میں بھی ہوتا ہے۔ قدرت نے اس دنیا کے ذرے ذرے میں حسن کو بکھیرا ہوا ہے۔ بس دیکھنے والی نظر چاہیے۔"

دوسرے میزبان نے کہا: "فرہاد صاحب! آپ کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس سے آپ مختلف باتیں کر رہے ہیں۔ اگر آپ یہاں کے حسن کو دیکھیں تو میرا خیال ہے کہ ضرور پسند فرمائیں گے اور کبھی نہیں بھولیں گے۔ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ جس کی طرف انگلی اٹھائیں گے وہی آپ کا ساتھی ہوگا۔"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "مجھے ان باتوں سے قطعی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ یہ جانتے ہیں کہ میرے ساتھی جنگلوں میں بھٹک رہے ہیں۔ میری بہت ہی پیاری ممی کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ ایسے صدمات سہہ کر میں کسی تفریح میں دلچسپی نہیں لے سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی خواہش کے مطابق آپ کی خوشیوں میں شریک نہیں ہو سکوں گا۔"

میرا استقبال کرنے والے میزبان نے کہا: "واقعی آپ اپنے ساتھیوں کے لیے پریشان ہوں گے۔ ویسے آپ یہاں کی دلچسپیوں میں شریک ہوں یا نہ ہوں یہاں سے آپ کا سفر آدھی رات کو شروع ہوگا۔ اس وقت تک تو آپ کو کہیں نہ کہیں اٹھنا بیٹھنا یا آنا جانا ہوگا۔ آپ مناسب سمجھیں تو اس کمرے سے نکل کر عمارت کے مختلف حصوں میں جا کر تفریح کریں اور نہ کرنا چاہیں تو آپ کے لیے ایک کمرہ مخصوص ہے، وہاں آرام کر سکتے ہیں۔ میں جا رہا ہوں۔ جب بھی میری ضرورت ہو تو آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے بلا لیجیے میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ دوسرے دولت مندوں نے مجھے

گھیر لیا۔ کافی کی خالی پیالیاں رکھنے کے بعد ہم وہاں سے نکلے اور اس عمارت کے مختلف حصوں کی طرف جانے لگے۔ پہلے ہم ایک بہت ہی خوبصورت باغیچے میں پہنچے۔ وہ واقعی ایسا باغیچہ تھا جسے ہمیشہ یاد رکھا جا سکتا تھا۔ بہت ہی خوبصورت اور خوشبودار پھول تھے۔ چاروں سو ہریالی تھی اور اس ہریالی میں ایک مور پنکھ پھیلائے رقص کر رہا تھا۔ ہلکی ہلکی موسیقی سنائی دے رہی تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو کتنی ہی رقاصائیں رقص کرتی ہوئی مور کے آس پاس آگئیں اور اس مور کے ساتھ ناچنے لگیں۔ ان پر پھولوں کی پتیاں برس رہی تھیں۔ سامنے ایک فوارہ بڑے ہی خوبصورت انداز میں رقص کرتا ہوا پانی کو ادھر سے ادھر اچھال رہا تھا۔ حوض میں سفید راج ہنس تیر رہے تھے۔ بڑا ہی دلچسپ منظر تھا۔ میں اس نظارے میں محو ہو گیا۔ ایک میں ہی نہیں سبھی اس نظارے کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے اچانک میرے کانوں کے قریب سرگوشی سنائی دی: "جناب! مجھ سے ٹیلی پیتھی کے ذریعے رابطہ قائم کریں۔"

میں نے چونک کر دیکھا تو ایک رئیس میرے پاس ہی کھڑا ہوا تھا اور دوسروں پر یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ بھی اس نظارے میں گم ہو گیا ہے۔ مجھے یاد آیا۔ اس کا نام وڈ مارک اسمتھ تھا اور مجھے اس کا لب و لہجہ بھی یاد تھا۔ میں نے فوراً ہی دماغی رابطہ قائم کرتے ہوئے پوچھا: "ہیلو مسٹر وڈ مارک! کیا بات ہے؟"

اس نے کہا: "جناب! میں بہت دیر سے اس موقعے کی تلاش میں ہوں کہ تنہائی میں آپ سے بات کرنے کا موقع ملے مگر یہاں سبھی لوگ آپ کے آس پاس جمع رہتے ہیں۔ ہر ایک کی خواہش ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ آپ کے ساتھ رہے۔ آخر میں نے مجبور ہو کر آپ کو یہ مشورہ دیا ہے۔ آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھ سے دماغی رابطہ قائم کیا۔ اب میں آپ کو ایک ضروری بات بتاؤں اور وہ یہ کہ میرے پاس جلال بیگ کی ایک تصویر ہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ تصویر کے ذریعے کسی کے دماغ میں بھی پہنچ جاتے ہیں۔"

میں نے خوش ہو کر کہا: "مسٹر وڈ مارک! اگر ایسی بات ہے تو تم مجھ پر بہت بڑا احسان کرو گے۔ اس تصویر کو پانے کے بعد میں جلال بیگ کا ایسا حشر کروں گا کہ دوسرے دشمن اسے دیکھ کر کانپ اٹھیں گے اور اس تصویر کے ذریعے میرے اور میرے ساتھیوں کی موجودہ مصیبتیں بھی ختم ہو جائیں گی۔ کہاں ہے وہ تصویر؟"

"وہ میرے گھر میں ہے۔"

میں نے ذرا مایوس ہو کر کہا: "اوہ، وہ تصویر تم اپنے ساتھ یہاں لاتے تو کتنا اچھا ہوتا۔"

"جناب! مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ یہاں قیدی بنا کر لائے جا رہے ہیں اور ہم لوگوں سے کہا گیا تھا کہ ہم میزبانی کے فرائض ادا کرنے کے لیے اس عمارت میں جائیں گے لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ ہماری سخت چیکنگ ہوگی اور یہی ہوا۔ عمارت میں داخل ہونے سے پہلے ہمیں سر سے پاؤں تک ٹٹولا گیا ہے۔ لباس کے اندر تک دیکھا گیا ہے کہ ہم کوئی ایسی چیز تو نہیں لے جا رہے ہیں جو جلال بیگ کے مفاد کے خلاف ہو۔ اسی لیے میں وہ تصویر اپنے ساتھ نہیں لایا۔"

میں نے قائل ہو کر کہا: "تم نے اچھا کیا کہ تصویر یہاں لے کر نہیں آئے۔ اطمینان رکھو میں وہ تصویر حاصل کر لوں گا۔"

"آپ وہ تصویر مجھ سے کیسے حاصل کریں گے؟"

میں اس کی بات کا جواب نہیں دے سکا کیونکہ دوسرے میزبان نے مجھے مخاطب کیا تھا، وہ کہہ رہا تھا: "جناب! ہماری بہت سی کمزوریاں جلال بیگ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ ہم سے وعدہ کر رہا تھا کہ ہم میں سے جو بھی آپ کو اس کے مطالبات ماننے پر راضی کرے گا وہ آئندہ اسے بلیک میل نہیں کرے گا اور جو بھی بلیک میلنگ کا مواد ہے وہ سب اسے واپس کر دے گا۔"

میں نے مسکرا کر پوچھا: "اچھا تو آپ اسی کوشش میں ہیں کہ میں اس کے مطالبات مان لوں اور آپ کا بھلا ہو جائے۔"

وہ بولا: "ہم میں سے ہر شخص یہی کوشش کر رہا ہے جب تک آپ اس عمارت میں رہیں گے، ہر شخص کی زبان پر یہی ہوگا کہ آپ جلال بیگ کے مطالبات مان لیں۔"

میں نے کہا: "یہ دنیا واقعی بہت خود غرض ہے۔ اپنے فائدے کے لیے دوسروں کا نقصان نہیں دیکھتی۔ آپ اپنے فائدے کے لیے چاہتے ہیں کہ میں راستے سے ہٹ جاؤں اور وہ جلال بیگ ماں بیٹی کو نقصان پہنچائے؟"

وہ ذرا شرمندہ سا ہو کر بولا: "یہ بات نہیں ہے۔ ہم ان ماں بیٹی کا بھی نقصان نہیں چاہتے ہیں۔ آپ تو بہت زیادہ سمجھدار ہیں۔ آپ کوئی ایسا راستہ نکالیں کہ ان ماں بیٹی کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے اور ہم جلال بیگ کی بلیک میلنگ سے محفوظ رہیں۔"

"اچھا۔ میں سوچتا ہوں کہ ایسا کون سا طریقہ ہو سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر میں سوچنے کے بہانے خاموش ہو گیا۔ ادھر وہ

بھوں ہی مدہوش ہوا تو میں نے وڈ مارک سے دماغی رابطہ قائم کرتے ہوئے پوچھا: "ہاں یہ بتاؤ کہ تم نے وہ تصویر اپنے گھر میں کہاں رکھی ہے؟"

اس نے جواب دیا: "میرے کمرے میں ایک دیوار کے ساتھ آہنی تجوری ہے۔ اس کے اندر میرے بہت سے اہم کاغذات رکھے ہوئے ہیں۔ انہی کاغذات میں ایک تصویر جلال بیگ کی ہے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ جلال بیگ کی ہی تصویر ہے؟"

"جی ہاں! میں پورے یقین سے کہتا ہوں۔ یہ چند برس پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں جلال بیگ اتنا محتاط اور اتنا پراسرار نہیں تھا کہ پردوں کے پیچھے رہ کر احکامات صادر کرے اور سارے ماتحت اس کی تعمیل کریں۔ پہلے وہ خود ہی بلیک میلنگ کے سلسلے میں ہمارے سامنے آیا کرتا تھا۔ پہلے اس کے ذرائع اتنے وسیع نہیں تھے۔"

میں نے پھر ایک سوال کیا: "کیا تم بتا سکتے ہو کہ اچانک ہی اس کے ذرائع اتنے وسیع ہوتے گئے اور وہ آج کی دور تک اپنی پہنچ رکھتا ہے کہ جہاں چاہتا ہے اپنے دشمنوں کو پہنچا دیتا ہے جیسا کہ مجھے اور ساتھیوں کو جنگل میں پہنچایا گیا ہے؟"

"میری معلومات کے مطابق جلال بیگ نے اسرائیلی حکومت سے رابطہ قائم کیا ہوا ہے اور وہاں سے اسے بڑی امداد حاصل ہوتی رہتی ہے۔"

اس کی باتیں سنتے ہی میرے ذہن میں کچھ حقائق روشن ہو گئے۔ سب سمجھ میں آ گیا کہ جلال بیگ اتنا پراسرار کیسے بن گیا تھا اور اتنے وسیع ذرائع کہاں سے اسے نصیب ہو رہے تھے۔

میں اپنی سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ میرے میزبان نے مجھے مخاطب کیا: "جناب! میں کون سا طریقہ اختیار کر سکتا ہوں کہ مرجانہ اور سائرہ بانو کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور جلال بیگ ان لوگوں کو بلیک میل نہ کر سکے؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "تدبیر اتنی آسانی سے ذہن میں نہیں آتی۔ اس پر غور کروں گا۔ ہر پہلو پر نظر رکھوں گا تب کوئی ایسا طریقہ ہو سکتا ہے کہ میرا اور جلال بیگ کا سامنا ہو جائے۔ اس کے بعد میں اس کے قبضے سے تمام بلیک میلنگ کا مواد نکلوا کر آپ لوگوں کے سامنے رکھ دوں گا۔ بائی دی وے، میں ذرا باتھ روم میں جانا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں وہاں سے اٹھ گیا۔ اس شخص نے باتھ روم تک میری رہنمائی کی۔ میں اندر جا کر دروازے کو بند کرنے کے بعد وڈ مارک کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ ارادہ تھا کہ اسے مخاطب کروں لیکن پتہ چلا کہ اسے دوسرے مخاطب کر رہے ہیں اور آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے چپکے سے اس کے دماغ میں کہا: "ان سے نجات حاصل کرو۔ میں تم سے باتیں کرنے کے لیے ہی باتھ روم میں آیا ہوں۔"

وہ اچانک اٹھ کر بولا: "مجھے باتھ روم جانا ہے، ابھی آ جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ دوسرے باتھ روم میں چلا گیا۔ تب میں نے اس سے پوچھا: "ہاں تو تم کہہ رہے تھے کہ دیوار کے ساتھ تجوری لگا ہوا ہے۔ اس کے اندر اہم کاغذات ہیں اور وہ تصویر ہے۔ اس تصویر کی کوئی اور پہچان بتاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ دوسری تصویریں بھی ہوں۔"

"ہاں کچھ اور تصویریں بھی ہیں لیکن جلال بیگ کی تصویر کے پیچھے جے بی لکھا ہوا ہے۔"

پھر اس نے چونک کر پوچھا: "لیکن آپ ایسا کیوں پوچھ رہے ہیں۔ تصویر تو میں ہی آپ کو لا کر دوں گا۔ پھر اس کی پہچان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تم زحمت نہیں کرو گے۔ میں اسے تمہاری تجوری سے حاصل کروں گا۔"

وہ ایک دم اچھل کر بولا: "باتیں آپ میری تجوری کھول لیں گے اور آپ تو یہاں قید ہیں۔ میری تجوری کی وہ تصویر کس طرح حاصل کریں گے؟"

میں نے کہا: "تم فکر نہ کرو۔ میرا کارنامہ دیکھتے جاؤ۔ اتنا بتا دو کہ تجوری کھولنے والا نمبر کیا ہے؟"

وہ اپنی تجوری کا لاک نمبر بتلانے لگا۔ پھر میں نے اس کا نام اور بنگلے کا نمبر ذہن نشین کیا جہاں وڈ مارک رہتا ہے۔ میں نے معلوم کیا کہ بنگلے میں صرف اس کی بیوی ہے۔ اس کی بیٹی کی شادی ہو چکی ہے۔ ایک بیٹا ہے جو دوسرے شہر کسی کام سے گیا ہوا ہے یعنی اس وقت اس کی بیوی بنگلے میں تنہا ہے۔ یہ باتیں معلوم کرنے کے بعد میں نے وڈ مارک سے کہا کہ وہ باتھ روم سے واپس جائے، میں اپنا کام کر لوں گا۔

اس نے حیرانی سے پوچھا: "جناب! ایک بات کا جواب دیں۔ اس عمارت میں اتنا سخت پہرہ ہے۔ آپ وہ تصویر کس طرح اس عمارت کے اندر لائیں گے اور وہ کس طرح ملے گی؟"

"مجھے وہ تصویر اسی وقت نہیں مل جائے گی۔ میں اس تصویر کو حاصل کروں گا۔ وہ بعد میں میرے پاس پہنچے

تم اطمینان رکھو اور واپس جاؤ۔"

وہ باتھ روم سے واپس جانے لگا۔ میں نے ماسٹر موس ٹروئی کو مخاطب کیا: "ہیلو ماسٹر! میں اس وقت روم میں ہوں۔ ہمیں یہاں ایک عمارت میں قید کیا گیا ہے لیکن عمارت کے اندر کھلی آزادی ہے۔ میں جہاں چاہوں جا سکتا ہوں صرف عمارت سے باہر نکلنے پر پابندی ہے۔ بڑا سخت پہرہ ہے۔ میرے ساتھ جو چھ محافظ تھے انہیں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ میں ابھی ان سے دماغی رابطہ قائم کر کے معلوم کروں گا کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔"

موس ٹروئی نے کہا: "آپ اس عمارت کی نشاندہی کریں۔ وہاں روم میں ہمارے مسلح جوان اس عمارت کو چاروں طرف سے گھیر لیں گے۔"

میں نے کہا: "جلد بازی نہ کرنا۔ میں اس عمارت کی نشاندہی کروں گا لیکن جو اہم بات ہے اسے آپ سنیں اور کاغذ قلم اپنے سامنے رکھ کر جو کچھ میں لکھواتا ہوں اسے یادداشت کے طور پر نوٹ کر لیں۔"

وہ کاغذ قلم لے کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا: "یہاں مجھے جلال بیگ کی تصویر دستیاب ہو سکتی ہے۔ میں اس کے ذریعے جلال بیگ کے دماغ تک پہنچ سکتا ہوں۔ یہ سارا ڈرامہ ایک جھٹکے میں ختم کر سکتا ہوں لیکن وہ تصویر آپ کے آدمی حاصل کر سکتے ہیں۔ کیا آپ روم کے ماسٹر سے رابطہ قائم کریں گے؟"

"بے شک ابھی رابطہ قائم ہو جائے گا۔ جو کام آپ وہاں کرانا چاہیں وہ سب ہو جائے گا۔ آپ حکم دیں۔"

میں نے وڈ مارک اسمتھ کا نام لکھوایا اور اس کے بعد کہا کہ یہ وڈ مارک مجھ سے تعاون کر رہا ہے۔ اس کے پاس جلال بیگ کی تصویر ہے۔ یہ تصویر وڈ مارک کے بیڈ روم کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ایک آہنی تجوری میں ہے۔ اس تجوری کا نمبر بھی نوٹ کر لیں۔"

میں نے اسے نمبر نوٹ کرایا۔ پھر اسے بتایا کہ بنگلے میں اس وقت اس کی بیوی تنہا ہے اور کوئی نہیں ہے۔ "آپ اپنے آدمیوں کو سختی سے یہ ہدایت دیں کہ وڈ مارک کی بیوی کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہ ہو۔ وہ خاموشی سے جائیں اور آئرن سیف کو کھولنے کے بعد صرف وہ تصویر نکال لیں۔ وہاں کتنے ہی اہم کاغذات، زیورات اور نقد رقم ہو، کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ جس تصویر کے پیچھے جے بی لکھا ہو گا وہی تصویر حاصل کی جائے۔ اس کے بعد سیف کو جوں کا توں بند کرنے کے بعد واپس آ جائیں۔"

"مسٹر فرہاد! ایسا ہی ہو گا۔ میں ابھی رابطہ قائم کرتا ہوں۔"

"ایک بات اور سنیے۔ جلال بیگ کی یہ تصویر بہت اہم ہے۔ اس کی خاص حفاظت کی جائے۔ اس کی کئی کاپیاں بنائی جائیں۔ ایک کاپی آپ اپنے پاس محفوظ رکھیں۔ باقی ایک کاپی اس جنگل میں بھیجیں جہاں آپ کے ماتحتوں نے کیمپ لگایا ہے۔ اگر میں اتفاق سے جنگل کے اس حصے میں پہنچ گیا تو وہ تصویر دیکھ لوں گا اور اگر نہ پہنچ سکا تو کبھی پیرس آ کر آپ کے پاس اس تصویر کو دیکھوں گا۔"

موس ٹروئی سے رخصت ہو کر میں نے وڈ مارک کے دماغ میں جھانک کر معلوم کیا کہ وہ عمارت کون سی ہے۔ پتہ چلا کہ اس عمارت کی پیشانی پر جلی حرفوں سے نیوکلب لکھا ہوا ہے۔ یہ عمارت تاریخی شاہراہ پر واقع ہے اور یہ چھ منزلہ ہے۔

یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میں اپنے محافظوں میں سے ایک محافظ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ ان لوگوں کو ایک کمرے میں قید کیا گیا تھا اور قید کرنے کے بعد اب تک انہیں کوئی کھانے پینے کی چیز نہیں دی گئی تھی۔ میں اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا جو استقبال کرنے ایئرپورٹ پر میرے پاس آیا تھا۔ وہ شخص ایک ٹرک کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دماغ سے پتہ چلا کہ میرے چھ محافظوں کو اس ٹرک کے پچھلے حصے میں بٹھا کر اور دوسرے مسلح گارڈز کی تحویل میں دے کر کہیں دوسری جگہ پہنچایا جائے گا۔ اس ٹرک کے پچھلے آہنی دروازے کو لاک کر دیا جائے گا تاکہ اندر مسلح محافظ رہیں اور باہر سے دروازہ مقفل ہو اور ان کے فرار ہونے کا ذرا سا بھی خدشہ نہ رہے۔

میں اس کے دماغ میں بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہاں جتنے بھی مسلح گارڈز اور ٹرک ڈرائیور تھے وہ سب گونگے بنے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے باتیں نہیں کرتے تھے کیونکہ جو شخص مجھ سے باتیں کرتا تھا اس کے سامنے وہ باتیں کر کے اپنا لب و لہجہ مجھے سنانا نہیں چاہتے تھے۔ انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ کسی وقت بھی فرہاد ان کی باتیں سن سکتا ہے۔

پھر اس شخص نے مسلح گارڈز کو حکم دیا کہ ان چھ قیدیوں کو یہاں لا کر ٹرک میں سوار کرا دیں۔ مسلح گارڈز وہاں سے گونگے بن کر چلے گئے، صرف ٹرک ڈرائیور رہ گیا۔ میں نے اس شخص کے دماغ پر قابض ہو کر مجبور کیا کہ وہ ٹرک ڈرائیور سے باتیں کرے۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا: "تم سب کو سختی سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میرے سامنے کوئی بھی بات نہ کرے لیکن میں اس وقت فرہاد علی تیمور سے مطمئن ہو کر آیا ہوں۔ وہ اس وقت میرے دماغ میں نہیں ہے

ہم آپس میں باتیں کر سکتے ہیں؟"
ڈرائیور خاموش رہا۔ اس شخص نے پوچھا "تم مجھے حیرانی سے کیا دیکھ رہے ہو۔ کیا میری باتوں کا یقین نہیں ہے۔ کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟"
ڈرائیور نے ادب سے کہا "نہیں جناب! آپ کہتے ہیں تو مجھے باتیں کرنے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بہرحال آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"
اس شخص نے اپنی جیب سے چابی نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا "اس چابی کو رکھو۔ جب وہ قیدی سوار ہو جائیں تو اس آہنی دروازے کو پیچھے سے مقفل کر دینا۔ یہ چابی اپنے پاس رکھنا جہاں انہیں پہنچاؤ گے وہاں یہ چابی ان لوگوں کو دے دینا۔"
وہ شخص اسے چابی دینے کے بعد واپس پلٹ کر عمارت کے ایک چبوترے پر کھڑا ہو گیا۔ مسلح گارڈز ان چھ جوانوں کو قید کر کے لا رہے تھے اور انہیں اشاروں سے ٹرک میں سوار ہونے کے لیے کہہ رہے تھے۔ وہ نوجوان یکے بعد دیگرے ٹرک پر سوار ہو گئے۔ وہاں پہلے سے چار مسلح جوان تھے۔ اس کے بعد چار مسلح جوان اور بھی سوار ہو گئے۔ دروازے کو پیچھے سے بند کر کے مقفل کر دیا گیا۔ میں اس شخص کے دماغ پر قابض رہا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ ٹرک وہاں سے روانہ ہو گیا۔ پھر بھی میں نے اس کے دماغ کو آزاد نہیں چھوڑا۔ میں باتھ روم میں بیٹھا ہوا تھا حالانکہ اب مجھے وہاں سے نکل آنا چاہیے تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ میں اس کے دماغ کو آزاد نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ تک میں اس کے اندر سمایا رہا۔ اس کے بعد پھر میں نے اسے آزاد کیا تو وہ چونک کر اپنے آس پاس دیکھنے لگا۔ اب اسے اپنے سامنے ٹرک نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ مجھے کیا ہو گیا تھا میرے سامنے ٹرک کس وقت روانہ ہوا، مجھے کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر وہ چونک کر سوچنے لگا "کیا فرہاد نے مجھے ٹریپ کیا تھا مگر کیوں؟"
ایسا سوچتے ہوئے وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ اسے پتہ چلا کہ اس کی جیب میں وہ چابی نہیں ہے۔ پروگرام کے مطابق اسے چابی کو اپنے پاس رکھنا چاہیے تھا۔ یہاں ایک چابی سے دروازہ لاک کیا جاتا۔ اس کے بعد وہ ٹرک جہاں پہنچایا جاتا وہاں دوسری چابی سے کھول لیا جاتا۔ چابی دینے کی قطعی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ دے چکا تھا۔
تب اسے یقین ہو گیا کہ یقیناً فرہاد نے اسے ٹریپ کیا تھا۔ چابی کسی کو دے دی ہے اور وہ اپنے آدمیوں کو بچانا چاہتا ہے یہ سوچتے ہی وہ دوڑتا ہوا اس کمرے کی طرف جانے لگا جہاں ٹیلیفون رکھا ہوا تھا۔ اب وہ ٹیلی فون کے ذریعے کسی کو خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ اس کمرے کی طرف جانے کی بجائے لفٹ کی طرف لے گیا۔ لفٹ کے ذریعے وہ چھتی منزل پر پہنچا۔ پھر اس منزل سے زینے طے کرتا ہوا چھت پر آیا۔ چھت پر وہ ہیلی کاپٹر کھڑا ہوا تھا۔ دو مسلح گارڈز چھت پر ٹہل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر انہوں نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا کیونکہ وہ ان کا لیڈر تھا۔ وہ سیدھا ہیلی کاپٹر کے اندر چڑھا۔ پھر وہاں سے کاک پٹ کو کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ چھت پر کھڑے ہوئے مسلح گارڈز کو بھی وہاں آ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں گارڈز اس کے حکم کے بندے تھے۔ وہ تیزی سے زینے طے کرتے ہوئے اوپر آئے اور اس سے پوچھنے لگے "کیا بات ہے؟"
اس نے جواباً کہا "ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ لہٰذا ابھی کوئی سوال نہ کریں پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ جائیں۔ وہ دونوں وہاں بیٹھ گئے۔ کاک پٹ بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد انجن اسٹارٹ ہوا۔ پنکھا گردش میں آیا اور تھوڑی دیر بعد وہ چھت کو چھوڑ کر فضا میں بلند ہونے لگا۔ جب وہ پرواز کرتا ہوا دور چلا گیا تو میں نے اس شخص کے بائیں پاؤں کو اس بٹن تک پہنچا دیا جس کا تعلق وہاں بندھے ہوئے بم سے تھا۔ اس کے بائیں پاؤں کا دباؤ بٹن پر پڑتے ہی یکبارگی ایک زوردار دھماکا ہوا۔ اس کے بعد ہیلی کاپٹر کے ساتھ ان لوگوں کے بھی چیتھڑے اڑ گئے ہوں گے لیکن معلوم نہ کر سکا کیونکہ ان کا دماغ موت کی گہرائی میں سو گیا تھا۔
اس سے فارغ ہوتے ہی میں نے فوراً موسی ٹروڈی سے رابطہ قائم کیا۔ اس وقت وہ روم کے ماسٹر سے ٹرانسمیٹر پر گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "ماسٹر! روم کے ماسٹر سے کہو کہ ایک ٹرک ہمارے چھ آدمیوں کو لے کر کسی جگہ جا رہا ہے۔ اس کے ڈرائیور کو ٹریپ کر کے وہاں سے ماسٹر کے پاس پہنچایا جائے گا۔ مجھے ماسٹر کا پتہ بتایا جائے اور اس ماسٹر کو ٹرک کا نمبر بتایا جائے۔ میں نمبر بتا رہا ہوں۔"
میں نے ٹرک کا نمبر بتانے کے بعد وہاں سے ماسٹر کے بتائے ہوئے ایک پتے کو ذہن نشین کیا۔ پھر ڈرائیور کے دماغ پر قابض ہو کر اس ٹرک کو مسلح گارڈز سمیت اس پتے پر ماسٹر کے پاس پہنچا دیا۔ اس کے بعد باتھ روم سے باہر آ گیا۔
بڑے ہال میں افراتفری نظر آئی۔ بہت سے لوگ کھڑکیوں سے جھانک کر باہر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ہیلی کاپٹر جو دھماکا ہوا تھا اس کی آواز یہاں تک سنائی دی تھی اور لوگ دھماکے کا سبب معلوم کرنے کے لیے باہر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کچھ لوگ اوپر چھت کی طرف جانا چاہتے تھے لیکن مسلح گارڈ

روک رہے تھے۔ میں زینے کے پاس پہنچا تو نجانے کیوں انہوں نے مجھے جانے کا راستہ دے دیا۔
جب میں زینے طے کرتا ہوا اوپر پہنچا تو وہاں یہ بحث جاری تھی کہ ہیلی کاپٹر جو چھت پر کھڑا ہوا تھا اسے کس نے اڑایا ہے۔ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کے ساتھ دو مسلح گارڈ بھی گئے تھے۔ اس ہیلی کاپٹر میں تین آدمی اس ہیلی کاپٹر کے ساتھ اپنی جانیں گنوا چکے تھے۔ دو مسلح گارڈز کے بارے میں تو فوراً پتہ چل گیا تھا کہ وہ ڈیوٹی دے رہے تھے۔ وہی ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر گئے۔ تیسرے شخص کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ مسٹر پارکن لاپتہ ہیں۔ مسٹر پارکن وہی شخص تھا جسے میں نے ہیلی کاپٹر میں بٹھا کر جہنم میں بھیج دیا تھا۔
بہرحال مسٹر پارکن کی تلاش شروع ہوئی۔ فون کے ذریعے مسٹر کینڈی نے بھی اپنے لوگوں کو ادھر ادھر دوڑا کر پتہ چلایا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا ہے لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر مسٹر پارکن کے بعد وہاں جو آفیسر تھا وہ مجھے گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس نے اپنی آنکھوں پر آئی لینس لگا رکھا تھا۔ میرے لیے گونگا بنا ہوا تھا۔ اس نے قلم نکال کر ایک کاغذ پر کچھ لکھا اور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے لے کر پڑھا تو لکھا تھا۔ "مسٹر فرہاد! یہ آپ سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا کہ مسٹر پارکن کہاں ہیں۔ آپ نے انہیں غائب کیا ہے؟"
میں نے اس تحریر کو پڑھنے کے بعد مسکرا کر اس آفیسر کی طرف دیکھا۔ کہا "بھائی! میں تو اپنے میزبانوں کی بھیڑ میں تھا مجھے کہیں آنے جانے کا موقع ہی نہیں ملا۔ پھر میں مسٹر پارکن کو کہاں غائب کر سکتا ہوں اور کیوں کر سکتا ہوں۔ میرا اس میں فائدہ ہی کیا ہے؟"
میرا جواب سن کر اس نے پھر کاغذ پر لکھا۔ میں نے پڑھا، لکھا تھا "آپ بے شک میزبانوں کی بھیڑ میں تھے لیکن آپ بھیڑ میں رہ کر بھی دماغ کے ذریعے دوسروں کے دماغ میں پہنچ جاتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق ان سے عمل کراتے ہیں۔ کیا آپ نے مسٹر پارکن کو پائلٹ بنا کر ہیلی کاپٹر میں یہاں سے نہیں بھیجا تھا؟"
میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "بالکل نہیں۔ میں ایسے اناڑی پن کا کام نہیں کرتا۔ دشمن کو اگر مارتا ہوں تو ذرا سلیقے سے۔ آپ ذرا بتائیں کہ مسٹر پارکن کو ہیلی کاپٹر میں بھیجنے سے میرا کیا فائدہ ہوتا۔ پھر یہ کہ اس ہیلی کاپٹر میں مجھے یہاں سے روانہ ہونا تھا مجھے بتایا گیا تھا کہ اسی جنگل میں پہنچایا جائے گا جہاں میرے دوسرے ساتھی ہیں۔ ایسی صورت میں میں وہاں جانے کے لیے بے چین ہوں۔ میں اس ہیلی کاپٹر کو کیوں تباہ کروں گا اور کیسے کروں گا؟"
وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ شاید میری باتوں سے قائل ہو رہا تھا۔ اسی وقت ایک مسلح گارڈ دوڑتا ہوا زینے طے کرتا ہوا اوپر چھت پر آیا۔ اس نے آفیسر سے کچھ اپنی زبان میں کہا۔ آفیسر سنتا رہا اور مجھے گھور کر دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے پھر کاغذ لے کر اس پر لکھنا شروع کیا۔ میں نے اسے پڑھا۔ وہ لکھ رہا تھا۔ "مسٹر فرہاد! جس ٹرک میں آپ کے چھ آدمیوں کو قیدی بنا کر بھیجا گیا تھا وہ ٹرک غائب ہے۔ کہیں پتہ نہیں چل رہا ہے۔ جہاں اسے پہنچنا چاہیے تھا وہاں نہیں پہنچا۔ ہم اس ٹرک کو ڈھونڈ نکالنے کے تمام ذرائع استعمال کر چکے ہیں لیکن بڑی حیرانی کی بات ہے کہ وہ ٹرک کہیں نہیں ہے۔ اس شہر میں کم از کم پینتالیس منٹ کے اندر وہ اس شہر سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ یہ بھی آپ ہی بتا سکتے ہیں۔"
میں نے ہنستے ہوئے کہا "بہت خوب! آپ کا جو بھی نقصان ہو گا اس کا ذمہ دار میں ٹھہرایا جاؤں گا۔ صرف اس لیے کہ میں یہاں آ گیا ہوں۔ آپ میرے علاوہ کچھ اور نہیں سوچ سکتے۔ کیا آپ نے سپر ماسٹر کی تنظیم کو کوئی بچوں کی تنظیم سمجھا ہوا ہے۔ آپ نے ان سے ٹکر لی ہے۔ میں ان کی حفاظت میں جا رہا تھا۔ آپ مجھے ان سے چھین کر لائے ہیں۔ آپ لوگوں نے بڑی غلطی کی جو ہیلی کاپٹر کو اس چھت پر لا کر اتارا کیونکہ ہیلی کاپٹر میں ایک انڈیکیٹر لگا ہوا تھا اس کے ذریعے وہاں دور بیٹھے ہوئے ماسٹروں کو پتہ چل جاتا تھا کہ ہیلی کاپٹر کہاں سے گزر رہا ہے اور کہاں پہنچایا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح کے انڈیکیٹر ان چھ آدمیوں کی کمر کے بیلٹ میں موجود ہیں۔ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو پتہ چلتا رہا کہ وہ ٹرک کہاں جا رہا ہے اور کن راستوں سے گزر رہا ہے۔ اس لیے یقیناً ماسٹر کے آدمیوں نے اس ٹرک کو غائب کر دیا ہے اور ایسا غائب کیا ہے کہ آپ لوگ کبھی اسے تلاش نہیں کر سکیں گے۔"
ایک مسلح گارڈ اس آفیسر سے مقامی زبان میں کچھ کہنے لگا۔ آفیسر توجہ سے سنتا رہا۔ پھر اس نے تائید میں سر ہلایا اور کاغذ پر لکھنے لگا۔ میں نے پڑھا۔ اس نے لکھا تھا "مسٹر فرہاد! آپ نیچے جا کر تفریحات میں حصہ لیں۔ آپ سے بعد میں ملاقات ہو گی، شکریہ۔"
میں اس کا شکریہ ادا کر کے زینے کے پاس آیا جب زینے سے اترنے لگا تو میرے دائیں بائیں دو مسلح گارڈ اترنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ اب مجھے نگرانی میں رکھا جائے گا۔ میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھی جائے گی۔ جب ہم نیچے پہنچے تو مسلح گارڈ نے اشارے سے لفٹ کی طرف چلنے کے لیے کہا۔ ہم لفٹ کے

فریعے چوتھی منزل پر ایک بڑے ہال میں پہنچے۔ جب میں اس ہال میں داخل ہوا تو دیکھا ایک طرف چھوٹے سے اسٹیج پر دو قد آور پہلوان فری اسٹائل کشتی لڑ رہے تھے۔ دوسری طرف کراٹے کی مشقیں ہو رہی تھیں۔ کہیں نن چکو چلاتے جا رہے تھے اور کہیں جمناسٹک کے کرتب دکھاتے جا رہے تھے۔ وہ بڑا سا ہال اپنے جیسے ہوتے فائٹروں کے لیے مشق کرنے کی جگہ تھی۔

مجھے وہاں پہنچانے والے مسلح گارڈ نے ایک دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے ادھر دیکھا تو دیوار پر ایک بڑا سا بلیک بورڈ تھا جیسا کہ اسکولوں میں ہوتا ہے۔ وہاں چاک سے لکھا ہوا تھا۔ "مسٹر فرہاد! ہمیں دو سوالوں کا صحیح جواب چاہیے۔ ایک تو یہ کہ پارکن کہاں ہے؟ دوسرا یہ کہ وہ ٹرک کیسے غائب کیا گیا ہے؟ آپ کو جواب دینے کے لیے دس منٹ کی مہلت دی جاتی ہے آپ بلند آواز سے جواب دیں ہم اسے سن لیں گے۔ جواب غلط ہوا تو اس ہال سے آپ اپنے پیروں پر چل کر نہیں جا سکیں گے۔ یہ جتنے فائٹر نظر آ رہے ہیں آپ کو اپاہج بنا کر چھوڑ دیں گے۔ اب آپ اپنے انجام کا فیصلہ خود کر لیں۔"

میں نے اس سیاہ بورڈ کی تحریر پڑھنے کے بعد پلٹ کر دیکھا تو وہ دونوں مسلح گارڈ جا چکے تھے اور دروازہ باہر سے بند ہو چکا تھا۔ میں نے گھیر گھیر کر یہاں سے وہاں تک پہلوانوں کو دیکھا، وہ تعداد میں بارہ تھے اور مختلف شعبوں میں اپنی صلاحیتیں منوا چکے تھے۔ کوئی فری اسٹائل کا پہلوان تھا اور کوئی جوڈو اور کراٹے کا، کوئی نن چکو چلانا جانتا تھا اور کوئی نیزے بازی میں استاد سمجھا جاتا تھا سب اپنے اپنے کام کے استاد تھے۔

وہ لوگ کبھی مجھے اور کبھی دیوار گھڑی کو دیکھ رہے تھے دس منٹ گزرنے کا انتظار کر رہے تھے۔ میں دو چار قدم چلتے ہوئے ذرا آگے بڑھا پھر سر اٹھا کر بلند آواز سے کہنے لگا "میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جتنے پہلوان ہیں کیا یہ بیک وقت مجھ پر حملہ کریں گے یا تنہا مقابلہ کر کے اپنی صلاحیتیں آزمائیں گے؟ جب مجھے میری باتوں کا جواب مل جائے گا تو میں آپ کی وہ دس منٹ کی مہلت لوں گا اور آپ کے سوالوں کا جواب دوں گا۔"

میں انتظار کرنے لگا لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ ایک پہلوان نے اشارے سے دیوار گھڑی کو دکھایا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ میں وقت ضائع کر رہا ہوں اور دس منٹ کسی وقت بھی گزرنے والے ہیں۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس اسٹیج پر پہنچ گیا جہاں پہلے دو پہلوان فری اسٹائل لڑنے میں مصروف تھے۔ ان میں تو سب ہی اپنے اپنے طور پر لڑنے میں ماسٹر تھے لیکن یہ دو پہلوان بہت ہی قد آور اور ڈیل ڈول کے لحاظ سے پہاڑ نظر آتے تھے

میرے پاس جو ریوالور تھا تو وہ میری پشت سے بندھا ہوا بیگ تھا وہ سب کچھ میرے دشمن میزبان نے یہ کہہ کر رکھ لیا تھا کہ بعد میں دے دیا جائے گا۔ میں بالکل نہتا تھا۔ میں نے بلند آواز سے کہا "مجھے جو جواب دینا تھا وہ دے چکا ہوں۔ تم لوگوں پر اب تک دو بار تباہیاں آ چکی ہیں۔ ایک تو تمہارا آفیسر پارکن غائب ہو گیا، دوسرے تمہارا ٹرک تمہارے قیدیوں کے ساتھ لاپتہ ہے اور پتہ نہیں تم یہاں کے ماسٹر کے ذریعے کتنے نقصانات اٹھاؤ گے اور کتنے نقصانات کا الزام مجھ پر عائد کرو گے۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ہے تو تم اپنے پہلوانوں کو آزما لو، میں یہ چیلنج قبول کرتا ہوں۔"

یہ سنتے ہی ایک پہلوان رنگ کے اندر اسٹیج پر آ گیا۔ پھر میرے سامنے پینترے بدلنے لگا۔ میں بھی جواباً پینترے بدل رہا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کا موقع تلاش کر رہے تھے۔ پھر اس نے موقع ڈھونڈ لیا۔ میرے ایک ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے کر آرم لاک لگانے کی کوشش کی لیکن میں اچھل کر دونوں ٹانگیں اس کی گردن میں پھنساتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ وہ اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکا تھا اس لیے اسٹیج پر پہاڑ جیسا شانے چت ہوا۔ اب اس کی گردن میری دونوں ٹانگوں کے درمیان تھی اور میں اس کی گردن کو دبا تا جا رہا تھا۔ پہلے تو اس کے حلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکلیں۔ میں نے کان لگا کر سنا تو وہ غصے میں جھنجھلا کر بڑبڑا رہا تھا "یو سن آف اے بچ آئی ول کِل یو۔"

میں اس کی آواز پر توجہ دے رہا تھا کہ اچانک میرے منہ پر ایک زبردست ہاتھ پڑا۔ میں پیچھے کی طرف الٹ گیا میری ٹانگوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ اپنی گردن چھڑا کر لڑکھڑاتا ہوا دور جا کر کھڑا ہونے لگا۔ میں بھی اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے میرے سینے پر فلائنگ کک ماری۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے سینے پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔ میں لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا کر رنگ کی رسی سے ٹکرایا، وہاں سے جھٹکا کھا کر بیچ اسٹیج میں آ کر گر پڑا۔ مجھ میں اتنی سکت نہیں تھی کہ فوراً ہی اٹھ سکتا کیونکہ زبردست کک ماری گئی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اٹھنے لگا۔ اس سے پہلے ہی اس نے میرے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اٹھایا اور میرے منہ پر ایک گھونسہ رسید کیا۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ بڑا زبردست ہاتھ تھا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر دوسرا گھونسہ میری ٹھوڑی پر پڑ چکا تھا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا پھر جا کر رنگ کی رسی سے ٹکرایا پھر واپس آیا تو جھک کر اس کے پیٹ میں اپنے سر کو مارا۔ وہ کراہنے لگا۔ اپنے پیٹ کو پکڑ کر جھکنے لگا۔ اسی وقت میں نے اس کے

منہ پر ایک گھٹنا زور کا مارا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کو تھامنے لگا۔ پھر میں نے اپنی کہنی اس کے سر کے پچھلے حصے پر ماری۔ وہ ایک دم سے اوندھے منہ گر پڑا۔

تب مجھے اس کے دماغ پر قابض ہونے کی مہلت ملی میں رنگ کے ایک کونے سے ٹیک لگا کر ہانپنے لگا۔ اب مجھے میدان میں آنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ میرا دماغ اس کی کھوپڑی میں تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا پھر مجھ سے مقابلہ کرنے کے بجائے رنگ سے باہر چلا گیا باہر جا کر اس نے وہاں کے سب سے لمبے تڑنگے پہلوان کو ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے ایک طرف بلایا۔ پہلوان نے پہلے تو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر اس کے پاس آ گیا۔ اس نے دور ایک کونے میں پہلوان کو لے جا کر پوچھا "تم نے فرہاد کے لڑنے کا انداز دیکھا؟"

دوسرے پہلوان نے کہا "ہاں میں دیکھ رہا ہوں۔ وہ لڑنے کے فن سے واقف ہے۔ ویسے تم مجھے یہاں کیوں بلا کر لائے ہو؟"

وہ بولا "میں ایک راؤنڈ لڑ چکا ہوں اور چاہتا ہوں کہ دوسرا راؤنڈ تم اس سے لڑنے کے لیے جاؤ۔ اس وقت تک میں سستا لوں گا پھر تیسرا راؤنڈ میں لڑنے جاؤں گا۔ اس طرح زیادہ تھک جائے گا اور ہم تازہ دم ہو کر اسے اسی طرح راؤنڈ بدل بدل کر مارتے رہیں گے۔"

اس نے سر ہلا کر کہا "اچھی بات ہے۔ اب میں لڑنے کے لیے جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے رنگ کی طرف آنے لگا۔ آنے کے دوران ہی میں اس پہلوان کے دماغ سے نکل کر اس پہلوان کے دماغ میں آ گیا۔ وہ جو میری طرف لڑنے کے لیے آ رہا تھا وہ نیزہ باز کی طرف پلٹ گیا۔ اس نے نیزہ باز کے ہاتھ سے نیزے کو لے کر ہاتھ میں تولا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اسے اپنے گھٹنے پر ایک جھٹکے سے مار کر توڑ دیا۔

نیزہ باز نے اس کی اس حرکت کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ تم نے کیا کیا؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی پہلوان کا ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، اسے ایک جھٹکے سے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر اپنے سر سے بلند کرنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اسے ایک دوسرے پہلوان کے اوپر دے مارا۔ دوسرے تمام پہلوان اسے دشمن بن کر دیکھنے لگے۔ ایک پہلوان کچھ زیادہ ہی غصے والا تھا۔ وہ بڑبڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھا "یو بسٹرڈ! تم نے یہ کیا حرکت کی ہے؟"

مجھے پتہ چلا کہ جس نے نیزہ توڑا تھا اور نیزے باز کو اٹھا کر پھینکا تھا اس کا نام زورو ہے۔ ایک نے زورو پر حملہ کرنے کے لیے اپنا نن چکو سنبھالا۔ اسی وقت میں نے زورو کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے بارے میں کچھ سوچتا کہ اس نے اب تک کیا کیا ہے؟ اس پر نن چکو کا حملہ ہوا۔ وہ پریشان ہو کر پیچھے ہٹا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے اپنے ہی ایک ساتھی نے اس پر حملہ کیوں کیا ہے؟ اس نے پوچھا "یہ کیا حرکت ہے۔ تم اپنے نن چکو کو واپس رکھ لو۔"

وہ نن چکو چلاتے ہوئے بولا "تم نے اپنے ایک ساتھی کا نیزہ توڑ دیا ہے اسے اٹھا کر پٹخ دیا۔ تمہیں اس کی سزا ملنی چاہیے۔"

وہ نن چکو اتنی تیزی سے چلا رہا تھا کہ زورو اپنے مقابل کو اپنے قابو میں نہیں لا سکتا تھا۔ میں اس پہلوان کے دماغ پر قابض ہو گیا جو مجھ سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس پہلوان نے پیچھے سے جا کر نن چکو والے کو جکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ہی میں اس کے دماغ کو چھوڑ کر زورو کے دماغ میں پہنچا تو زورو نے ایک زبردست کراٹے کا ہاتھ نن چکو والے کے منہ پر جما دیا۔ وہ ایک دم سے تلملا کر بیٹھ گیا۔

وہاں عجیب تماشہ ہو رہا تھا جس کی زبان سے مجھے زورو کا نام معلوم ہوا تھا میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ میں نے اس کے ذریعے زورو کو ایک فلائنگ کک ماری۔ زورو لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ وہ پہاڑ جیسا ڈیل ڈول رکھتا تھا۔ فلائنگ کک کا اس پر خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔ اس نے لپک کر فلائنگ کک مارنے والے کو پکڑ لیا۔ پھر اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا۔

ایک ساتھ کتنے ہی پہلوان زورو سے لپٹ گئے۔ میں بڑی تیزی سے کبھی اس کے دماغ میں اور کبھی اس کے دماغ میں پہنچ رہا تھا۔ اس وقت تک میں چار پہلوانوں کے دماغوں میں پہنچ چکا تھا اور یکے بعد دیگرے ہر ایک سے کام لے رہا تھا۔ جب میں ایک کے دماغ میں ہوتا تو دوسرے کو یہ سوچنے کی مہلت ملتی تھی کہ ایک لمحہ پہلے وہ کیا کر رہا تھا لیکن جب وہ میرے خلاف سوچتا کہ فرہاد کی ٹیلی پیتھی ایسا کر رہی ہے تو میں دوسرے ہی لمحے پہلے کو چھوڑ کر دوسرے کے دماغ پر قابض ہو جاتا۔ پھر کبھی تیسرے کے بعد کبھی چوتھے کے۔ اس طرح وہ چاروں یکے بعد دیگرے اپنے ہی ساتھیوں پر حملے کر رہے تھے۔

میں نے احتیاطاً ٹوٹے ہوئے نیزے کی انی والا حصہ اٹھا کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا تاکہ کوئی اچانک میری طرف حملہ کرے

تو میں اسے جواب دے سکوں۔ تھوڑی دیر میں وہاں کے پہلوانوں کی حالت خراب ہونے لگی۔ کسی کی ناک سے، کسی کے منہ سے خون بہنے لگا تھا۔ کسی کے کپڑے پھٹ گئے تھے اور کوئی اپنے جسم کو سہلاتا ہوا فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ ان کے لڑنے کی آوازیں تمہیں دوسری جگہ سنی جا رہی تھیں۔ بیس منٹ بعد اس ہال کا دروازہ کھل گیا۔ بہت سے مسلح گارڈز ریوالور لے کر ہال میں داخل ہوئے۔ اس بیس منٹ میں وہاں کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ میں صحیح سلامت کھڑا ہوا تھا اور تمام پہلوانوں کا حلیہ بگڑا ہوا تھا۔ دو مسلح جوان میرے پاس آئے، ایک نے ریوالور کی نال میری پیٹھ سے لگا کر ہولے سے دھکا دیا۔ اشارہ تھا کہ میں آگے بڑھوں۔ میں آگے والے نوجوان کی رہنمائی میں بڑھنے لگا۔ ہم کمرے سے نکل کر باہر آئے۔ وہاں سے گزرتے ہوئے پھر زینے پر چڑھنے لگے۔ اس وقت میں نے مسلسل فائرنگ کی آوازیں سنیں۔ چھت پر ہیلی کاپٹر کا پنکھا گردش کر رہا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو دوسرا ہیلی کاپٹر نظر آیا۔ وہی آفیسر وہاں گونگا بنا کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں پر آئی لینس چڑھا ہوا تھا۔ اس نے ایک کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے اس کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر کو پڑھا، لکھا تھا "مسٹر فرہاد! ہم نے سنا تھا کہ آپ کتنے خطرناک ہیں۔ آج دیکھ لیا۔ یوں بھی یہاں کا ماسٹر مسلسل فون کر رہا ہے اور دھمکیاں دے رہا ہے کہ آپ کو آزاد کیا جائے ورنہ اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ ہم ایسا ہونے سے پہلے ہی آپ کو یہاں سے روانہ کر دینا چاہتے ہیں۔ سیدھی طرح ہیلی کاپٹر میں جا کر بیٹھ جائیے ورنہ یہاں جتنی بھی اسٹین گنیں نظر آ رہی ہیں ان کی گولیاں آپ کے جسم پر خالی ہو جائیں گی۔"

میں نے اس کاغذ کو ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا "میرا وہ بیگ، ریوالور اور چاقو مجھے واپس ملنا چاہیے۔"

اس آفیسر نے کچھ لکھا اور اسے اپنے ایک ماتحت کی طرف بڑھا دیا۔ پھر ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے پڑھا۔ لکھا تھا "صرف آپ کا بیگ واپس کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے تلاشی لی ہے۔ بیگ میں اچھی حیرت انگیز چیزیں ہیں لیکن اس سے ہمارے محافظوں کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ ریوالور اور چاقو سے آپ بہت کام لے سکتے ہیں۔ یہ دو چیزیں آپ کو واپس نہیں ملیں گی۔"

میں نے اسے پڑھ کر وہ کاغذ بھی ایک طرف پھینک دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ میرا بیگ اٹھا کر لایا۔ میں نے اسے اپنی پشت پر باندھ لیا۔ ایک نے اسٹین گن کے ذریعے مجھے اشارہ کیا کہ میں ہیلی کاپٹر میں سوار ہو جاؤں۔ میں سوار ہو گیا۔ وہاں پہلے ہی چار مسلح جوان بیٹھے تھے۔ دو میرے پیچھے تھے اور دو میرے دائیں بائیں۔ آگے ہیلی کاپٹر کا پائلٹ بیٹھا ہوا تھا۔ کاک پٹ بند کر دیا گیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہیلی کاپٹر چھت سے بلند ہوا اور اس عمارت سے دور جانے لگا۔

وہ چھ محافظ جو میرے ساتھ آتے تھے انہیں رہائی مل گئی تھی میں اب تک قیدی بنا ہوا تھا۔ میں نے ان میں سے ایک محافظ کے دماغ میں دیکھا تو وہ سدم کے ماسٹر کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور ماسٹر ٹیلی فون پر باتیں کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے اسی عمارت کے ایک آفیسر سے باتیں ہو رہی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا "فرہاد ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر یہاں سے جا چکا ہے۔ ہم نے اسے دوسری جگہ بھیج دیا ہے۔ اب وہ اس عمارت میں نہیں ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو اس سے کہیں کہ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے آپ سے رابطہ قائم کر کے اپنی موجودہ پوزیشن بتا دے۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اس عمارت پر حملہ کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ دونوں طرف کی جانیں ضائع ہوں گی اور ہم قانون کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ خواہ مخواہ مصیبتوں میں پڑنا ہوگا۔ آپ خوب سوچ لیں۔"

اتنا کہنے کے بعد دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ ماسٹر بھی اپنا ریسیور رکھتے ہوئے سوچنے لگا کہ اب کس طرح فرہاد کی موجودہ پوزیشن کو سمجھا جائے کہ وہ کہاں ہے؟

اس کے ایسا سوچتے ہی میں ان میں سے ایک محافظ کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس محافظ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "ہیلو ماسٹر جولیئس! میں فرہاد علی تیمور آپ سے مخاطب ہوں۔"

ماسٹر جولیئس چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ابھی جو ایک معمولی ماتحت تھا اور اس کے اشاروں پر جان دینے والا آدمی تھا اب وہ خود کو فرہاد کہہ رہا تھا۔ اس نے کہا "میں سچ مچ فرہاد علی تیمور ہوں۔ آپ کو میں بتاؤں کہ اس وقت ہیلی کاپٹر میں سفر کر رہا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ دشمن مجھے کہاں لے جائیں گے۔ بہرحال اب اس عمارت پر حملہ کرنا فضول ہے۔ آپ مناسب سمجھیں تو بعد میں یہ کارروائی کر لیں۔ ابھی بہت سے کام ہیں مثلاً یہ کہ جلال بیگ کی تصویر حاصل کرنا۔"

وہ مسکرا کر بولا "اگر آپ اس وقت فرہاد ہیں اور میرے ماتحت کے دماغ میں بیٹھ کر بول رہے ہیں تو میں آپ کو آزمانا چاہتا ہوں۔ آپ میرے دماغ میں جھانک کر دیکھ لیں کہ اس تصویر کے سلسلے میں میں نے کیا کیا ہے؟"

میں نے چند سیکنڈ ضائع کیے۔ پھر میں نے اسی ماتحت کی زبان سے کہا "آپ نے وہ تصویر اپنے ماتحتوں کے ذریعے حاصل کر لی ہے اور وہ تصویر اس وقت آپ کے میز کی دراز میں ہے۔"

وہ خوش ہو کر بڑی حیرانی سے بولا "واقعی کمال ہے فرہاد صاحب! آپ تو دماغ کے اندر چھپی ہوئی باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔ وہ تصویر واقعی یہاں دراز میں موجود ہے۔"

میں نے کہا "یہ غیر ذمہ داری ہے۔ دراز میں اسے نہیں رکھنا چاہیے۔ وہ تصویر میرے لیے بہت اہم ہے۔ میں اس کے ذریعے جلال بیگ کے دماغ تک پہنچ سکتا ہوں۔ آپ فوراً اس کی کئی کاپیاں کروائیں اور اس کی چند کاپیاں ماسٹر موس لارڈنی کے پاس بھیج دیں اور چند اپنے پاس محفوظ رکھیں۔ جب بھی میں واپس آؤں گا تو آپ لوگوں سے وہ تصویر حاصل کر لوں گا۔"

اس سے باتیں کرنے کے بعد میں نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ کمبختوں نے مجھے رات کا کھانا بھی نہیں کھلایا تھا۔ وہ سپر ماسٹر کے ماسٹروں سے اور ان کے ماتحتوں سے اس قدر سہمے ہوئے تھے کہ اپنی اس عمارت کو بچانے کے لیے مجھے فوراً ہی وہاں سے رخصت کر دیا تھا۔ بہرحال رات ہو چکی تھی اور مجھے سونیا اور مرجانہ کی فکر تھی لہٰذا میں پہلے ان کے پاس پہنچ گیا۔

وہ دونوں جنگل میں بھٹکتے ہوئے نہ جانے کہاں پہنچ گئی تھیں۔ ان کے پاس کھانے پینے، دشمنوں سے لڑنے اور اپنی حفاظت کرنے کا تمام سامان موجود تھا۔ کسی بات کا اندیشہ نہیں تھا لیکن اب رات آئی تو یہ فکر بھی ہوئی کہ رات کیسے گزاری جائے اور کہاں گزاری جائے۔ وہ خیمہ لگا سکتی تھیں، لیکن جنگلی درندوں کا ڈر تھا۔ جنگلی درندوں کو دور رکھنے کے لیے وہ خیمے کے آس پاس آگ روشن کرتیں تو دشمنوں کا خوف تھا کہ وہ جنگل کی تاریکی میں روشنی دیکھ کر ادھر چلے آئیں گے۔ رات سلامتی سے گزارنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ درخت پر چڑھ کر صبح کر دیں۔

ان کے سامان میں ایک بڑا مضبوط سا جال تھا، جس کی چوڑائی بیس فٹ اور لمبائی پچیس فٹ تھی۔ یہ جال جانوروں کو زندہ پکڑنے کے لیے تھا۔ انہوں نے اس جال کو سامان سے نکالا۔ پھر ایک درخت پر چڑھ کر اس کے ایک سرے کو باندھنے لگیں۔ اس کی چوڑائی تک انہوں نے اسے ایک درخت کی شاخ تک باندھا۔ پھر اسی طرح بیس فٹ کی لمبائی پر جا کر دوسرے درخت سے لے کر تیسرے درخت تک اسے اس طرح باندھا کہ وہ جال یہاں سے وہاں تک بالکل چھت کی طرح تن گیا۔ زمین سے تقریباً پچیس فٹ کی اونچائی پر ان کے لیے ایک بستر بن گیا۔ وہ وہاں نہایت آرام سے اور حفاظت سے رات گزار سکتی تھیں۔ اپنی نیند پوری کر سکتی تھیں۔ ایسا کرنے کے بعد انہوں نے کچھ ضروری سامان جال تک پہنچایا۔ ریوالور، کارتوس، اسٹین گنیں اپنے پاس لا کر رکھیں۔ پھر دونوں نہایت اطمینان سے ایک دوسرے کے پاس لیٹ گئیں۔

میں نے یکے بعد دیگرے دونوں کو مخاطب کیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ میں نے کہا "آرام سے لیٹی رہو۔"

سونیا نے کہا "تم بڑی دیر تک غیر حاضر رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک کسی کو چکر دے رہے تھے یا کسی کے چکر میں آ گئے تھے؟"

میں نے کہا "درست یہ ہے کہ میں چکر میں آ گیا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے انہیں اپنی روداد سنائی۔ دونوں سے باری باری باتیں کرتا رہا۔ وہ دونوں اونچی آواز میں گفتگو کرتی تھیں تاکہ سونیا کی بات مرجانہ بھی سن لے اور جب میں مرجانہ سے مخاطب ہوں تو مرجانہ کا جواب سونیا سن لے۔ اس طرح دونوں کی تسلی ہو رہی تھی۔ مرجانہ نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا "فرہاد! یہ لوگ تمہیں ہیلی کاپٹر میں بٹھا کر کہاں لے جا رہے ہیں؟"

"میں نے بتایا ناں کہ یہ مجھے اسی جنگل میں لے جائیں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ مجھے کہاں لے جا کر چھوڑتے ہیں۔ تم دونوں کے قریب یا رسونی کے آس پاس یا پھر کسی تیسری جگہ۔"

مرجانہ نے کہا "خدا نہ کرے کہ وہ کسی تیسری جگہ تمہیں پہنچائیں۔ پتہ نہیں یہ لوگ تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ کیا انہوں نے تم سے کسی طرح سودے بازی کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں، یہ چاہتے ہیں کہ میں تمہارے راستے سے ہٹ جاؤں۔ پھر ہماری کوئی دشمنی نہیں ہوگی۔ میں نے بھی جواباً کہہ دیا کہ میں تم ماں بیٹی کے راستے سے اس شرط پر ہٹوں گا کہ وہ بھی تم دونوں کے راستے سے ہٹ جائیں۔"

مرجانہ نے ناراض ہو کر پوچھا "تم نے ایسی شرط کیوں رکھی کیا تم ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ گے؟"

میں نے مسکرا کر کہا "میں نے یہ بات اس لیے کی کہ وہ کبھی اس بات کو تسلیم نہ کرتا۔"

وہ بولی "میں جانتی ہوں اور مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تم اور تمہارے دوست مختلف مقامات میں مصیبتوں کا سامنا کر رہے ہیں۔"

سونیا نے مرجانہ کو ایک ہاتھ جماتے ہوئے کہا "کیوں

فضول باتیں کر رہی ہو۔ تم کوئی غیر ہو کہ ہم تمہارے اوپر احسان کر رہے ہیں۔ تم ہماری بہن ہو اور انسان اپنے بہن کی زندگی کے جھمیلوں سے گزرتا رہتا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تم فرہاد سے کوئی دوسری بات کرو۔"

میں نے دخل دیتے ہوئے کہا "میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔ ابھی سونتی کی خیریت معلوم کرنے جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں سونتی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کالج کے ایک کمرے میں تنہا کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کھڑکیاں اور دروازے اندر سے بند تھے۔ اس کے ہاتھ کے پاس ایک میز پر ریوالور رکھا ہوا تھا حالانکہ وہ ریوالور کا استعمال صحیح طور سے نہیں جانتی تھی۔ نشانہ تو لگا ہی نہیں سکتی تھی۔ پھر بھی اسے سہارے کے طور پر اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ ہردیو شام کو کھانے کے بعد وہاں سے چلا گیا تھا اور اسے یقین دلا گیا تھا کہ زیادہ دور نہیں رہے گا۔ اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔ سونتی نے اس سے کہا تھا "بابا آپ رات کو اندھیرے میں تنہا اس جنگل میں نہ رہیں۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔ آپ کیسے رات گزاریں گے۔ جب اندھیرا ہو جائے تو آپ کالج میں آ جائیں۔ ہم اسی کالج میں ایک ساتھ رات گزاریں گے۔"

ہردیو نے وعدہ کیا تھا کہ وہ رات کو کسی وقت کالج میں آ جائے گا لیکن اب رات بیت چکی تھی۔ وہ اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ کہیں سے اس کی آہٹ یا آواز بھی سنائی نہیں دی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ اس بھیانک جنگل نے اسے نگل لیا ہو۔

سونتی کی سوچ پڑھتے ہی میں نے فوراً ہردیو کی خبر لی۔ اس کے دماغ میں پہنچا تو پتہ چلا کہ واقعی جنگل اسے نگل رہا تھا۔ وہ ایک جگہ پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ اس کے بائیں پاؤں پر ایک زہریلے سانپ نے ڈس لیا تھا اور اس کا زہر اس کے بدن میں پھیل رہا تھا۔

آہ، بے چارہ ہردیو! میں پریشان ہو کر سیٹ پر سیدھا بیٹھ گیا۔ میرے اس طرح سیدھے بیٹھنے سے آس پاس والے مسلح جوان محتاط ہو کر اپنی اسٹین گن سنبھالنے لگے۔ پیچھے سے ایک نوجوان نے ریوالور کی نال میری گردن پر رکھ دی۔ میں جب بھی ادھر سے ادھر پہلو بدلتا تھا، وہ لوگ اسی طرح محتاط ہو جاتے تھے اور ایک ریوالور کی نال میری گردن سے آ لگتی تھی۔ میں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ چپ چاپ ہردیو کے پاس پہنچ گیا۔

لیکن میں وہاں پہنچ کر کیا کر سکتا تھا۔ اگر دشمنوں نے اسے گھیرا ہوتا تو ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کی مدد کر سکتا تھا۔ اگر وہ راستہ بھولا ہوتا تو میں اس کے دماغ کے ساتھ ساتھ چل سکتا تھا لیکن ایک زہریلے سانپ نے اسے کاٹ لیا تھا۔ اس کا علاج کیسے کرتا؟ یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس کے کام آؤں؟ میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہردیو! یہ تمہارے ساتھ کیا ہو گیا۔ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں بتاؤ؟"

سانپ کا زہر اس کے دماغ پہنچنے کی طرف چڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ جیسے سو جانا چاہتا تھا۔ میرے مخاطب کرنے پر اس نے ذرا سی آنکھیں کھولیں، پھر کراہتے ہوئے کہا "فرہاد صاحب! میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ میرے لیے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اوپر سے میرا بلاوا آ گیا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے پھر نشے کی سی حالت میں سر کو جھکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے لیے میرا دل تڑپ رہا تھا۔ وہ ایک سپاہی تھا۔ اپنی بیٹی کے حوالے سے دوسری بیٹیوں کے دکھ درد میں کام آتا تھا۔ اس نے سونتی کی جان بچائی تھی اور میں اتنا بے بس تھا کہ اس کی جان نہیں بچا سکتا تھا۔ اس کے کسی کام نہیں آ سکتا تھا۔ میں نے کہا "ہردیو تم تنہا ہو۔ میں سونتی کو خبر کرتا ہوں۔ تمہاری زندگی گزر رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکا اور سونتی بھی کسی کام نہ آ سکے گی لیکن وہ تمہاری منہ بولی بیٹی ہے۔ تمہارے سرہانے آخری وقت بیٹھی رہے گی تو تمہاری آتما کو ذرا شانتی ملے گی۔"

اس نے میری بات سن کر انکار میں سر ہلاتے ہوئے بڑی تکلیف سے کہا "نہیں فرہاد صاحب نہیں۔ میری بیٹی کو کچھ نہ کہنا۔ اسے کچھ نہ بتانا۔ وہ پریشان ہو جائے گی۔ محبت سے مجبور ہو کر کالج سے نکلے گی۔ آپ نہیں جانتے کہ کیسی گہری تاریکی اور سناٹا ہے۔ قدم قدم پر زہریلے سانپ اور کیڑے مکوڑوں کا خطرہ ہے۔ پھر یہ کہ کوئی جنگلی درندہ شیر، ریچھ وغیرہ بھی اس کو دبوچ سکتا ہے۔ نہیں آپ میری بیٹی کو کالج سے نکلنے پر مجبور نہ کریں۔"

اس وقت میری حالت عجیب سی تھی۔ دماغ میں اتنا جوش اور جذبہ بھرا ہوا تھا کہ میں اپنے آس پاس بیٹھے ہوئے دشمنوں کو قتل کر کے فوراً ہی ہردیو کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن کیسے پہنچ سکتا تھا۔ وہ کہاں تھا، میں نہیں جانتا تھا اور اگر وہ ہیلی کاپٹر میرے قبضے میں آ جاتا تب بھی میں ہردیو کو نہیں ڈھونڈ سکتا تھا۔

ایک طرف وہ ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ دوسری طرف سونتی کمرے میں سہمی ہوئی بیٹھی تھی اور بار بار کھڑکی کے شیشوں کے پار دیکھنے لگتی تھی۔ اس کے چاروں طرف جنگل کی بھیانک تاریکی تھی۔ موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس سناٹے میں سائیں

سائیں کرتی ہوئی ہوائیں جیسے موت کی سرگوشیاں سنا رہی تھیں۔ میں نے اسے تسلی دی "سونتی! گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے پاس ہوں۔"

وہ بولی "تم میرے پاس نہیں ہو۔ مجھے زندگی کی اب اتنی ضرورت نہیں رہی۔ میں چاہتی ہوں کہ کسی بہانے موت آئے لیکن جلدی آئے۔ اس طرح مجھے بیچ جنگل میں بٹھا کر یہ زندگی پریشان نہ کرے۔ بہرحال میں کسی طرح اس کمرے کے اندر کس حد تک محفوظ ہوں اندر ہی رہی ہوں۔ تم میرے بابا کے پاس جاؤ۔ وہ بے چارے پتہ نہیں کہاں جنگل میں بھٹک رہے ہیں۔ راستہ بھول گئے ہیں یا ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں تمہارے بابا کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں۔ وہ خیریت سے ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں ان کی بھی خبر لیتا رہوں گا اور تمہارے پاس بھی رہوں گا۔"

وہ ذرا مطمئن ہو کر بولی "تم نے کہا تھا کہ اس جنگل میں آ رہے ہو۔ کیا تم یہاں پہنچ گئے ہو؟"

"نہیں، راستے میں دشمنوں نے دوسری جگہ روک لیا تھا اب میں پھر اسی جنگل کی طرف آ رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ تقدیر مجھے کہاں پہنچاتی ہے۔"

اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے پوچھا "تم نے رات کا کھانا کیوں نہیں کھایا؟"

وہ بولی "کیسے کھاتی۔ ایک طرف بابا کی فکر تھی۔ دوسرے خود کو یہاں تنہا پا کر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ یہ موت کا انتظار کرنے سے بہتر ہے کہ اپنے ہاتھوں مر جاؤں۔ ریوالور میرے پاس ہی ہے۔ کسی وقت بھی اپنے آپ کو گولی مار لوں گی۔"

"ایسی احمقانہ باتیں نہ سوچو۔ میں بہت جلد تمہارے پاس پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ خودکشی حرام ہوتی ہے۔ تم دیکھ رہی ہو کہ ہم، تم، سونیا، مرجانہ اور ہردیو سب اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی مصیبتوں سے گزر رہے ہیں اور سبھی حوصلے سے کام لے رہے ہیں۔ سب کو یہ امید ہے کہ زندہ رہیں گے۔ سب امید اور حوصلے سے کام لے رہے ہیں۔ ایک تم ہو کہ حوصلہ ہار جاتی ہو، امید چھوڑ دیتی ہو۔ اگر تم نے خودکشی کی۔ اپنی جان دے دی تو ہمارے لیے پریشانیاں اور بڑھ جائیں گی۔ تمہارا صدمہ ہم سب کو ہوگا۔ دیکھو سونتی! ایسا کوئی قدم اٹھا کر ہمیں پریشان نہ کرنا۔"

"نہیں میں ابھی خودکشی نہیں کروں گی۔ یہ تو میں اپنے دل اور دماغ کی بات کرتی ہوں کہ کبھی کبھی ایسا خیال آتا ہے۔"

"تو پھر اٹھو اور کچن میں جا کر کھانا کھاؤ۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ بس کبھی دو چار منٹ کے لیے غیر حاضر ہو جاؤں گا کیونکہ اپنا اور سونیا وغیرہ کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

میری بات سن کر وہ اٹھ گئی اور کچن کی طرف جانے لگی۔ آہ کیسی گھڑی آئی تھی۔ ایک طرف جسے وہ باپ کہہ چکی تھی وہ بے چارہ موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ ادھر وہ کھانا کھانے جا رہی تھی۔ اگر اسے ذرا بھی ہردیو کی موجودہ حالت کا پتہ چلتا تو وہ چیخیں مار کر رونا شروع کر دیتی۔ وہ بے چاری اپنے حوصلے سے زیادہ مصیبتیں اٹھا رہی تھی۔

میں اس کی طرف سے ذرا مطمئن ہو کر سونیا اور مرجانہ کو سونتی اور ہردیو کے متعلق بتانا چاہتا تھا لیکن جب میں وہاں پہنچا تو وہ دونوں سطح زمین سے بہت بلندی پر جال سے تنے ہوئے بستر پر گہری نیند سو رہی تھیں۔ مجھے ان کی نیند پر بڑا پیار آیا۔ وہ بے چاری تمام دن سفر کرتی رہی تھیں اور اب تھکے ہوئے انداز میں سوئی تھیں۔ میں نے انہیں بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہاں سے ہردیو کے پاس پہنچ گیا۔

وہ گھاس پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس اتنی تاریکی تھی کہ درخت وغیرہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ آنکھیں کھول کر ہی کچھ دیکھ سکتا۔ کسی کا آسرا نہیں تھا کہ کوئی اُدھر سے گزرے تو اسے زہر کے عذاب سے بچا لے۔

مجھے اس بات پر حیرانی ہوئی کہ سانپ کو ڈسے ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی اور وہ ابھی تک زندہ تھا جیسا کہ سنا گیا ہے سانپ کے ڈسنے کے بعد یا تو فوراً ہی موت واقع ہو جاتی ہے یا آہستہ آہستہ آدمی دم توڑتا ہے۔ میں نے ہردیو کی سوچ کے ذریعے معلوم کیا کہ سانپ کو ڈسے ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے۔ اس کا ذہن بوجھل سا تھا۔ دماغ پر دھند چھائی ہوئی تھی۔ وہ میری بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا مگر اس کے لاشعور نے بتایا کہ ایک گھنٹے سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے اور وہ ابھی تک اس زہریلی تکلیف میں مبتلا ہے۔

میں نے پھر اس کے دماغ میں جھانک کر اس زہر سے پیدا ہونے والی تکلیف کو سمجھنا چاہا۔ پتہ چلا کہ ایسی تکلیف اس کی رگوں میں دوڑ رہی تھی جیسے خون میں زہر بھر گیا ہو لیکن وہ زہر اسے نہیں مار رہا تھا۔ بس ایسی تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا جس کو وہ کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔

یہ سوچتے سوچتے میرا سر دکھنے لگا کہ میں اس بیچارے کے لیے کیا کروں۔ کس طرح اسے طبی امداد پہنچاؤں۔ کوئی راستہ

نہیں تھا۔ کوئی تدبیر سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں تھک ہار کر سونتی کے پاس آیا۔ وہ کھانے سے فارغ ہو گئی تھی اور پھر کمرے میں آکر ریوالور لے کر اسی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ میں نے کہا "سو جاؤ۔"

"نہیں میں بابا کا انتظار کروں گی۔ تم ذرا دیکھو کہ وہ کیوں نہیں آ رہے ہیں۔"

میں اسے کیا بتاتا کہ وہ کیوں نہیں آ سکتا ہے۔ میں نے پھر جھوٹ کہا "وہ جنگل میں ہی ہے اور اسے وہیں رہنا چاہیے وہ ایک درخت پر چڑھا ہوا ہے۔ اسے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ وہ دور سے تمہاری نگرانی کر رہا ہے اور یہی دانشمندی ہے تم جا کر سو جاؤ۔ جب کوئی ایسی ویسی آہٹ یا آواز ہو تو اٹھ جانا۔ تمہارے پاس ریوالور ہے۔ تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔"

وہ میری ہدایت کے مطابق اٹھ کر بستر پر آئی اور وہاں لیٹ گئی۔ میں آہستہ آہستہ اس کے دماغ کو سلانے لگا۔ دھیرے دھیرے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ پھر وہ گہری نیند سو گئی۔ میں نے اس کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد دماغی طور پر حاضر ہو کر ہیلی کاپٹر کے اندر دیکھا۔ سب لوگ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بیزار ہو کر کہا "بھئی کوئی اگر نہیں بولتا تو کسی طرح یہ تو بتا دو کہ یہ سفر کب تک جاری رہے گا؟"

میری بات کا کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے مسلح جوان کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے گھڑی کو دیکھا تو اس نے ایک کے ہندسے پر انگلی رکھ دی۔ اس وقت گیارہ بجے تھے وہ اشارتاً کہہ رہا تھا کہ ایک بجے ہمارا سفر ختم ہو جائے گا۔

میں نے سردیو کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "کیا تم وہاں سے چلتے ہوئے یا گھسٹتے ہوئے کسی طرح کاٹج تک پہنچ سکتے ہو؟"

اس کے دماغ نے جواب دیا کہ وہ اس قابل نہیں ہے ہاتھ پاؤں بالکل ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ جسم میں جیسے جان نہیں رہی۔ وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

میں پھر مایوس ہو گیا۔ اگر وہ کسی طرح کاٹج تک پہنچ جاتا تو وہاں فرسٹ ایڈ کا سامان رکھا ہوا تھا۔ شاید کسی طرح وہ بچ جاتا۔ میں سونتی کو جنگل کی تاریکیوں میں نہیں بھیج سکتا تھا اور سردیو کاٹج کی طرف نہیں آ سکتا تھا۔ ہر طرف سے مجبوری تھی۔ میں نے ہر طرح سے سوچ کر دیکھ لیا تھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ صبر کیا جائے اور تقدیر کے فیصلے کو تسلیم کر لیا جائے۔ میں نے اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اب ان فکروں سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے کہیں گم ہو جاؤں۔ میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ میں ایک پون گھنٹے تک سوتا رہوں۔ پھر جب ایک بجنے میں پندرہ منٹ باقی ہوں تو میری آنکھ کھل جائے یا پھر کوئی ایسی غیر معمولی بات ہو جو میرے خلاف ہو تو ایسی حالت میں بھی میری آنکھ کھل جائے۔

اس طرح میں تھوڑی دیر کے لیے سو گیا۔ سونے والے کو پتہ نہیں چلتا کہ وقت کیسے گزر رہا ہے۔ جاگنے پر یوں لگتا ہے جیسے ابھی آنکھ بند کی تھی اور ابھی آنکھ کھل گئی۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے ہیلی کاپٹر کے پنکھوں کا شور سنا۔ آس پاس وہی مسلح جوان بیٹھے ہوئے تھے اور ہیلی کاپٹر اسی طرح پرواز کر رہا تھا۔ بیدار ہوتے ہی میں نے سردیو کی خبر لی وہ اسی طرح گھاس پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ اس پر بے ہوشی طاری تھی لیکن ابھی تک وہ زندہ تھا۔ زہر نے اسے مارا نہیں تھا۔ بے ہوشی کا ایک فائدہ اسے یہ پہنچا کہ اذیت سے عارضی نجات مل گئی تھی۔ فکر، پریشانی اور زہریلی اذیت کو محسوس کرنے والی حس وقتی طور پر مردہ ہو چکی تھی۔ وہ آرام سے لیٹا ہوا تھا۔

میں اسے چھوڑ کر سونتی کے پاس پہنچا۔ وہ بھی ابھی تک سو رہی تھی اور آس پاس کے جنگل کو، اپنی تنہائی کو اور دکھوں، پریشانیوں کو بھول گئی تھی۔ نیند بڑی ہمدرد ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے ساری پریشانیوں سے نجات دلا دیتی ہے۔

میں سونیا اور مرجانہ کے پاس پہنچا تو مجھے ... وقت پر پہنچا کیونکہ وہ دونوں اچانک ہی بیدار ہو گئی تھیں اور جنگل کے سناٹے میں کچھ آہٹیں سن رہی تھیں۔ میں نے ان کے ذریعے شیر کے دھاڑنے کی آوازیں سنیں۔ وہ دونوں جال پر چت ہوئی تھیں۔ فوراً ہی اوندھے منہ لیٹ گئیں اور جال سے نیچے دیکھنے لگیں۔

اس وقت تک چاند نکل آیا تھا۔ جنگل میں دور دور تک چاندنی کا اجالا ایسا تھا جیسے وہاں کے سبزہ زاروں پر چاندی چمک رہی ہو۔ ہر چیز دور تک روشن اور واضح تھی انہیں اپنے ٹھیک نیچے تقریباً پچیس فٹ کی پستی میں ایک شیر نظر آیا جو اپنی جگہ کھڑا ادور بندھے ہوئے گھوڑوں اور خچروں کو دیکھ رہا تھا۔

تب گھوڑے ہنہنانے لگے۔ خچر اپنے طور پر چلانے لگے۔ درخت پر سوتے ہوئے پرندے ایک دم سے پھڑپھڑا کر اڑنے لگے تھے۔ جنگل کے سناٹے میں عجیب سا شور دور تک گونجنے لگا تھا۔ سونیا اور مرجانہ نے اپنے اپنے ریوالور کو مضبوطی سے ... رکھا تھا۔ پھر مرجانہ نے سرگوشی میں کہا "میں نے تو سنا ہے شیر کا شکار کرنے کے لیے مخصوص قسم کی رائفل اور کارتوس ... یہ ریوالور کی گولی اس کا کیا بگاڑے گی؟"

"... مخصوص رائفل ہوتی ہے، لیکن ہم اپنے ریوالور کی ... زخمی کر سکتے ہیں۔ دہشت زدہ کر کے بھگا سکتے ہیں۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ دیکھو یہ اپنے جسم کو تان رہا ہے۔ جیسے ان گھوڑوں پر حملہ کرنے ہی والا ہو۔ پہلے تم ..."

مرجانہ نے جال کے سوراخ سے ریوالور کی نال گزار دی ... نشانہ لیتے ہوئے ایک فائر کیا۔ گولی یقیناً اسے لگی ... بہت زور سے گرجتا ہوا، دھاڑتا ہوا وہاں سے اچھلا ... چھلانگ لگاتے ہوئے گھوڑوں کی طرف جانے ... وقت سونیا نے فائرنگ کی مسلسل دو فائر کیے۔ تیسرا ... مرجانہ کی طرف سے ہوا۔ اس وقت شیر چھلانگ مارنے ... فضا میں بلند ہوا تھا اور ایک گھوڑے پر جھپٹنے ہی ... گولیاں لگتے ہی وہ فضا میں تڑپ گیا۔ اپنے شکار کی ... سے ہٹ کر دوسری طرف گر پڑا۔ پھر وہاں سے تڑپ ... اس سے پہلے کہ مزید فائرنگ ہوتی، اس نے ایک ... جست لگائی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ...

گھوڑے اور خچر ادھر سے ادھر اچھل رہے تھے۔ رسیوں ... چھڑانے کے لیے زور لگا رہے تھے۔ کسی طرح رسیاں تڑا کر وہاں سے بھاگنا ... چاہتے تھے لیکن ان دونوں نے تمام جانوروں کو مضبوطی سے ... باندھ رکھا تھا۔ مرجانہ نے کہا "شیر نظر نہیں آ رہا ہے۔ شاید ... بھاگ گیا۔"

سونیا نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے ... کہیں چھپا اپنے زخموں کو چاٹ رہا ہو۔ ہمیں اس کی آواز ... کی کوشش کرنا چاہیے لیکن یہ گھوڑے اور خچر بہت ... شور مچا رہے ہیں۔"

وہ دونوں کان لگا کر سننے لگیں۔ واقعی اتنا زیادہ شور ... تھا کہ شیر کے کراہنے کی آواز سن نہیں پا رہی تھیں۔ سونیا ... بیزاری سے منہ بنا کر کہا "عجیب مصیبت ہے۔ یہ شور بہت ... دور تک پھیل رہا ہوگا۔ کہیں ہمارے دشمنوں کے ... کانوں تک پہنچ گیا تو مصیبت آ جائے گی۔ وہ آواز کی سمت ... آنے لگے اور ہمیں گھیر لیں گے۔"

مرجانہ نے پوچھا "کیا کیا جائے؟ مجبوری تھی۔ فائرنگ ..."

"ہاں مجبوری تھی لیکن یہ مجبوری دشمنوں کے لیے فائدہ مند ہو گی۔ بہر حال دیکھتے ہیں۔"

وہ دونوں خاموش رہیں اور آہٹیں سننے کی کوشش کرنے لگیں۔ آہستہ آہستہ شور تھمنے لگا۔ گھوڑے اور خچر ذرا شانت ہونے لگے۔ پرندے بھی اپنے اپنے گھونسلوں میں آ کر بیٹھ رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے ذرا دور جال پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے جسم کے خالی حصوں کو بھر لیا تھا۔ ریوالور پوری طرح لوڈ ہو چکے تھے۔ اسی وقت دور کہیں سے شیر کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے کراہنے میں بھی ایسی گھن گرج تھی کہ کمزور دل کے لوگ کانپ اٹھتے۔ وہ دونوں آواز کی سمت کا تعین کرنے لگیں۔ جب آواز کی سمت کا اندازہ ہوا تو پھر وہی آواز دوسری طرف سے سنائی دی۔ وہ ادھر سے پلٹ کر ادھر دیکھنے لگیں۔ وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر دہاڑنے کے انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ شیر زخمی ہونے کے بعد جھنجھلا گیا ہے۔ غرا رہا ہے۔ اس کی غراہٹ کبھی ادھر اور کبھی ادھر سنائی دیتی تھی۔ چاروں طرف رات کے سناٹے میں وہ غراہٹ رینگتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ درخت کے اوپر تنے ہوئے جال کے چاروں طرف گھوم رہا ہے۔ موقع کی تاک میں ہے کہ کدھر سے جست لگا کر جال کی بلندی پر پہنچے اور اپنے شکار کرنے والوں کو شکار کرے۔

وہ دونوں بڑی محتاط اور چوکنی ہو کر جال پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک جگہ سوکھے پتے چرمرانے کی آواز آئی جیسے ان پتوں پر سے کوئی گزرا ہو۔ پھر سونیا نے دیکھا۔ شیر نے ان کے چاروں طرف چکر لگانے کی غرض سے ایک جھاڑی کے پیچھے چھلانگ لگائی تھی اور دس گز کے فاصلے پر جو دوسری جھاڑی تھی اس کے پیچھے پہنچ گیا تھا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ چھلانگ لگانے کے دوران ہی سونیا نے فائر کیا۔ وہ دوسری جھاڑی کے پیچھے گر پڑا۔ سونیا نے جب سے ہوش سنبھالا تھا ریوالور سے کھیلتی آئی تھی۔ اس کا نشانہ خطا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ شیر کے ردعمل کا انتظار کرنے لگی۔ مرجانہ بھی بہت محتاط ہو کر ریوالور ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔

میں اور سونیا آج تک انسانوں کی دشمنی سے گزرتے آئے تھے۔ آج پہلی بار سونیا ایک خونخوار شیر کا سامنا کر رہی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ شکار کیسے کیا جاتا ہے۔ اسے شکار کرنے کے لیے کن باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھی اور مرجانہ نے تو ہماری مہم جوئی کی زندگی میں ابھی پہلا قدم رکھا تھا ابھی وہ عملی تجربات سے گزر رہی تھی اور ان ابتدائی تجربات میں

اسے بے زبان درندوں کے مقابلے میں آنے کا موقع بھی مل رہا تھا۔

اس وقت انہیں اس بات کا تجربہ ہوا کہ پہلے وہ شیر خوب گرج رہا تھا، دہاڑ رہا تھا۔ پہلی بار گولی کھانے کے بعد اس کے گرجنے اور دہاڑنے میں کمی ہوئی۔ پھر اس کی چالاکی سمجھ میں آئی کہ وہ دبے پاؤں اس جال کے چاروں طرف فاصلہ رکھ کر گھوم رہا تھا اور موقع کی تلاش میں تھا کہ کس طرف سے چھلانگ لگائے شاید زخمی ہونے کے بعد وہ اتنی اونچی چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا۔ مجھے اور سونیا وغیرہ کو اس بات کا تجربہ بھی نہیں تھا کہ شیر کتنی اونچی چھلانگ لگا سکتا ہے۔ بہرحال بڑی دیر تک شیر نے کوئی آواز نہیں نکالی تھی۔ دبے قدموں جال کے چاروں طرف گھومتا رہا تھا۔ کبھی اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ چھلانگ لگانے کی ضرورت پڑتی تھی تب سونیا وغیرہ کو پتہ چلتا تھا کہ وہ موجود ہے۔

سونیا بڑبڑانے لگی: "ہم کتنے آرام سے گہری نیند سو رہے تھے۔ یہ کمبخت ہمارا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہا۔ اب دشمنوں سے نجات ملی تو یہ شیر پیچھے پڑ گیا۔"

مرجانہ نے کہا: "وہ دیکھو وہ جھاڑیاں ہل رہی ہیں۔"

سونیا نے بھی ادھر دیکھا۔ واقعی جھاڑیاں کبھی ہلتی تھیں اور کبھی وہاں خاموشی چھا جاتی تھی۔

میں نے کہا: "سونیا! اس حد تک تو اطمینان ہو گیا ہے کہ شیر زخمی ہونے کے بعد اتنی اونچی چھلانگ نہیں لگا سکے گا جتنی اونچائی پر تم دونوں بیٹھی ہوئی ہو۔"

اس نے پوچھا: "تم یہاں کب سے ہو؟"

"جب سے شیر تم دونوں کو چکر دے رہا ہے۔"

سونیا نے مرجانہ سے کہا: "فرہاد صاحب یہاں موجود ہیں۔"

میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "ہاں میں موجود ہوں مگر تم یہ شکایت نہ کرنا کہ میں نے تم لوگوں کو مخاطب کیوں نہیں کیا؟"

"واہ، شکایت کی بات کیوں نہیں ہے۔ یہاں ہماری جان نکلی جا رہی ہے۔ تم ذرا اپنی موجودگی کا ثبوت دیتے تو اور زیادہ حوصلہ ہوتا۔"

"مرجانہ! ایک بات یاد رکھو۔ جہاں سونیا موجود ہے وہاں فرہاد کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ تم دیکھ ہی رہی ہو کہ وہ کیسی تیز طرار، چالاک، مکار اور حاضر دماغ ہے۔ وہ کسی بھی حال میں کسی بھی بڑے سے بڑے خطرے میں ہمت ہار جاتی ہی نہیں ہے۔"

مرجانہ نے سونیا کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا: "سونیا کو تو میں نے اچھی طرح جان لیا ہے کہ یہ ایک جان بن گئے ہیں۔ میں جانتی ہوں۔ سونیا کی موجودگی میں کسی اور انسانی سہارے کی ضرورت پیش نہیں آ سکتی۔ مگر تم اتنی دیر خاموش کیوں تھے؟"

"میں بولتا اور تم لوگوں کو باتوں میں لگاتا تو ادھر وہ شیر اپنا کام دکھا جاتا۔ بہرحال دیکھو کہ وہ کہاں ہے؟"

وہ دونوں پھر اس جھاڑی کی طرف دیکھنے لگیں۔ اب وہ جھاڑی بالکل ساکت تھی۔ وہاں سے غراہٹ کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ شیر کی مکاری بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کبھی وہ زخموں کی تاب نہ لا کر غراتا تھا اور کبھی برداشت کر لیتا تھا اور خاموش ہو جاتا تھا۔ اس خاموشی میں وہ کہیں سے کہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس وقت بھی شاید ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ اس جگہ نہیں تھا۔ کسی اور جگہ چلا گیا تھا لیکن ضرور کہیں آس پاس ہی موجود تھا۔

سونیا نے کہا: "فرہاد! ادھر تم نے ہمیں باتوں میں لگایا ادھر وہ محاذ بدلنے کے لیے کہیں چلا گیا۔"

"واہ، خوب! ابھی مرجانہ اور تم شکایت کر رہی تھیں کہ میں یہاں بہت دیر سے خاموش تماشائی کی طرح موجود تھا۔ اب میرا بولنا جرم ہو گیا۔"

میری بات پر وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

سونیا نے ہنستے ہوئے کہا: "ارے تم تو محبوبہ کی طرح روٹھ گئے۔ چلو ہم منا لیتے ہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ میں بہت دیر سے تم لوگوں کے ساتھ موجود ہوں۔ اب مجھے رسونتی کی بھی خبر لینا ہے اس لیے مجھے جانے دو۔ تھوڑی دیر بعد آ جاؤں گا۔"

میں ان سے رخصت ہو کر دماغی طور پر ہیلی کاپٹر میں حاضر ہو گیا۔ میرے پاس بیٹھے ہوئے مسلح جوان نے میری طرف دیکھا۔ پھر اپنی گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ایک بج کر تیس منٹ کا اشارہ کر کے ایک انگلی زمین کی طرف دکھانے لگا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ڈیڑھ بجنے والے ہیں اور ہمارا ہیلی کاپٹر زمین پر اترنے والا ہے۔

میں نے سوچا کہ منزل پر پہنچنے سے پہلے رسونتی کی خبر لوں۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ سوتے سوتے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی اور ریوالور اٹھا کر کبھی اس کھڑکی کی طرف اور کبھی اس کھڑکی کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے ذریعے پتہ چلا کہ وہ ہیلی کاپٹر کی آواز سن رہی ہے۔ میں نے پوچھا: "کیا تمہیں ہیلی کاپٹر کے پرواز کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں؟"

"ہاں معلوم ہوتا ہے کہ دشمن ادھر آ رہے ہیں۔"

"تم ذرا بھی نہ گھبرانا۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

عجیب اتفاق تھا کہ ادھر میرا ہیلی کاپٹر منزل پر پہنچ کر زمین پر اترنے کے لیے ایک چکر لگا رہا تھا۔ ادھر رسونتی کے بنگلے کے پاس بھی ایک ہیلی کاپٹر آ گیا تھا۔ میں نے کچھ سوچ کر پوچھا "مجھے یہ بتاؤ کیا وہ ہیلی کاپٹر تمہارے کاٹیج کے چاروں طرف چکر لگا رہا ہے؟"

اس نے کہا: "ہاں میں کبھی دائیں طرف کبھی بائیں طرف کبھی آگے اور کبھی پیچھے اس کی آوازیں سن رہی ہوں۔ باہر نکل کر دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے تمہیں باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے ہیلی کاپٹر میں بیٹھے بیٹھے ذرا اٹھ کر اور گردن کو گھما کر نیچے دیکھنے کی کوشش کی۔ جب ہیلی کاپٹر ایک طرف گھومتے ہوئے ذرا سا جھک گیا تو مجھے زمین کی طرف تھوڑی سی روشنی دکھائی دی۔ اسی روشنی میں کاٹیج کی جھلک بھی نظر آئی۔ کیا میں رسونتی کے پاس پہنچ رہا ہوں؟ اس خیال سے ہی یکبارگی میرا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ میں نے آس پاس بیٹھے ہوئے محافظوں سے پوچھا: "یہ کون سی جگہ ہے؟ یہ کاٹیج کیسے نظر آ رہے ہیں؟"

کسی نے جواب نہیں دیا۔ میں نے رسونتی کے پاس پہنچ کر کہا: "رسونتی! مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ جو ہیلی کاپٹر تمہارے آس پاس چکرا رہا ہے، میں اسی میں سوار ہوں لیکن مجھے اپنی منزل کا پتہ نہیں ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ میں تمہارے قریب پہنچ گیا ہوں۔ میں اس بات کی تصدیق چاہتا ہوں۔ تم ریوالور سے ایک فائر کرو، میں آواز سنوں گا۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے سے ہاتھ باہر نکال کر ایک فائر کیا۔ اس کی آواز میرے کانوں تک پہنچی تو میرا شبہ یقین میں بدل گیا۔ میں خوشی سے کھل اٹھا۔ اسی وقت میرے بازو میں بیٹھے ہوئے مسلح جوان نے کاغذ اور قلم نکال کر کچھ لکھا۔ پھر اسے میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے پڑھا، لکھا تھا: "مسٹر فرہاد! آپ اپنی ایک ساتھی رسونتی سے رابطہ قائم کر کے اسے فائرنگ سے منع کریں۔ اسے یہ بات اچھی طرح سمجھا دیں کہ اگر اس نے ہمارے ہیلی کاپٹر سے اترنے کے بعد ایک گولی بھی چلائی تو ہم اسٹین گن سے آپ کے جسم کو چھلنی کر کے رکھ دیں گے۔"

وہ تحریر پڑھنے کے بعد میں نے رسونتی سے رابطہ قائم کیا۔ اسے بتایا: "میں تمہارے پاس قیدی بن کر آ رہا ہوں، اور اس وقت دشمنوں میں گھرا بیٹھا ہوں۔ میرے ہر دشمن کے پاس اسٹین گن ہے۔ اگر اب تم گولی چلاؤ گی تو یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ تم کسی صورت میں بھی اس ریوالور کو استعمال نہیں کرو گی۔"

رسونتی نے اس بات کو اہمیت نہیں دی کہ میں قیدی بن کر آ رہا ہوں۔ اس کے لیے یہ خوشخبری تھی کہ میں اس کے پاس پہنچ رہا تھا۔ ایسے وقت پہنچ رہا تھا جب وہ بالکل ہی بے یار و مددگار تھی۔ انسانی آبادی سے سیکڑوں ہزاروں میل دور تھی اور جنگل درندوں کے بیچ گھنے جنگل میں زندگی اور موت کے درمیان اٹکی ہوئی تھی۔ ایسے میں میرا پہنچنا اس کے لیے ایک نئی زندگی کا پیغام تھا۔ وہ خوش ہو کر بولی: "تم سچ کہہ رہے ہو یا مجھے بہلا رہے ہو؟"

"میری جان! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں اسی ہیلی کاپٹر میں سوار ہوں۔ تم میری بات مانو اور ریوالور پھینک دو۔"

اس نے اسی وقت ریوالور پھینک دیا۔ میں نے کہا: "بس انتظار کرو۔ میں ابھی تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

میں نے دماغی طور سے ہیلی کاپٹر میں حاضر ہو کر پیچھے گونگے دشمنوں کو بتایا کہ رسونتی نے ریوالور پھینک دیا ہے اور اب ہماری طرف فائرنگ نہیں ہو گی، وہ بے فکر رہیں۔

میری باتیں سننے کے بعد پائلٹ نے ہیلی کاپٹر کو کاٹیج کے چاروں طرف ایک بار پھر گھمایا۔ میں رسونتی کے پاس پہنچ گیا تھا۔ وہ خوف اور دہشت کو بھول کر دروازہ کھول کر کاٹیج سے باہر کھڑی تھی اور کاٹیج کے چاروں طرف گھومنے والے ہیلی کاپٹر کو گھوم گھوم کر دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ جنگل سے نکل کر بھری آبادی میں پہنچ گئی ہو۔ میں اس کے لیے ایک پوری دنیا، ایک پوری انسانی آبادی بن گیا تھا۔

اس وقت ہیلی کاپٹر سے سرچ لائٹ کی روشنی زمین پر پھینکی جا رہی تھی اور اب وہ ایک جگہ آہستہ آہستہ زمین پر اتر رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں گردش کرنے والے پنکھے کا شور ایسا تھا کہ کان کے پردے پھٹ رہے تھے۔ جیسے جیسے ہیلی کاپٹر زمین کے قریب پہنچتا جا رہا تھا ویسے ہی کاٹیج صاف نظر آ رہا تھا۔ پھر رسونتی بھی نظر آئی۔ پنکھے کی ہوا اتنی تیز تھی کہ درخت کے پتے زور زور سے ہل رہے تھے۔ جھاڑیاں ایک طرف جھکی جا رہی تھیں۔ میں نے دیکھا، رسونتی کے بال بھی اڑ رہے تھے اور وہ اڑتی ہوئی ساڑی کو ادھر سے ادھر سنبھال رہی تھی۔ وہ کاٹیج سے ذرا دور چلی آئی تھی۔ میں نے کہا: "یہ کیا کر رہی ہو؟ اتنی دور آنے کی کیا ضرورت تھی۔ واپس جاؤ، میں تو آ ہی رہا ہوں۔"

وہ پیچھے ہٹنے لگی۔ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ واپس جائے۔ بس وہ مجھے ہیلی کاپٹر سے اترتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی۔ پوری طرح یقین کرنا چاہتی تھی کہ میں نے سچ کہا ہے اور میں اس کے پاس آچکا ہوں۔

وہ ہیلی کاپٹر زمین پر اتر کر ٹھہر گیا۔ پنکھے کی گردش آہستہ آہستہ کم ہونے لگی۔ ہم سب اس کے اندر خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے پاس بیٹھے ہوئے مسلح جوان نے پھر کاغذ پر کچھ لکھا اور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے ہاتھ میں لے کر پڑھا۔ اس نے لکھا تھا: "اب ہم ہیلی کاپٹر سے اترنے والے ہیں۔ ہم اس طرح باہر جائیں گے کہ پہلے دو مسلح آدمی ہیلی کاپٹر سے اتریں گے ایک شخص رسوتی کی طرف اور دوسرا ہیلی کاپٹر کی طرف اسٹین گن تانے کھڑا رہے گا تاکہ تم ہیلی کاپٹر سے اترو تو کوئی شرارت نہ کرو۔ تم سے پہلے یہاں مرجانہ شرارت کر چکی ہے۔ رسوتی کو پھر سمجھا دو کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ دونوں ہاتھ سر سے بلند کیے کھڑی رہے۔"

وہ تحریر پڑھنے کے بعد میں نے تائید میں سر ہلایا۔ رسوتی کو بھی سمجھا دیا کہ وہ دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑی رہے اور اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ میں باہر آنے والا ہوں۔

پھر کاک پٹ اٹھایا گیا۔ دو مسلح جوان سیڑھیوں سے اتر کر نیچے گئے۔ ہیلی کاپٹر سے چار گز کے فاصلے پر ایک جوان ہیلی کاپٹر کی طرف رُخ کر کے اسٹین گن اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اسٹین گن کی نال کا رُخ اس زینے کی طرف تھا جس پر سے میں اترنے والا تھا۔ دوسرے نوجوان نے اس کی پشت سے پشت لگا کر رسوتی کی طرف رخ کر لیا تھا اور اسے بھی نشانے پر رکھ لیا تھا۔ وہ لوگ ہم سے بہت زیادہ سہمے ہوئے تھے۔ میں مسکرانے لگا۔ پیچھے سے اشارہ کیا گیا کہ میں باہر جاؤں۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پھر باہر آ کر سیڑھیوں سے اترتے ہوئے زمین پر قدم رکھے۔ میرے بعد دو مسلح جوان نیچے آئے۔ پھر میرے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے اپنے اسٹین گن کی نال میرے دونوں طرف کی پسلیوں سے لگا دی تھی۔ وہ مجھے کسی بھی جوابی کارروائی کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔

ہیلی کاپٹر کا پنکھا تھم گیا تھا۔ انجن بند ہو چکا تھا۔ جنگل میں پھر وہی گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔ وہی شخص جو رسوتی کی طرف اسٹین گن لیے کھڑا ہوا تھا وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا رسوتی کے قریب پہنچا۔ قریب پہنچنے کے بعد اس نے جیب سے ایک اینٹی کاسٹیوم آئی گلاس نکال کر اپنی آنکھ سے لگایا اور رسوتی کو دیکھنے لگا۔ میں غصے سے کھول گیا کیونکہ اس اینٹی کاسٹیوم آئی گلاس کے ذریعے وہ رسوتی کو دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس نے لباس کے اندر کوئی ہتھیار چھپا رکھا ہے یا نہیں۔ اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مطمئن ہو کر اس آئی گلاس کو آنکھ سے اتار کر اپنے ساتھیوں کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مطمئن ہو گیا ہے۔ میں صبر کر کے رہ گیا۔ اس شخص نے اپنی جیب سے ایک ہتھکڑی نکالی اور اسے رسوتی کی بائیں کلائی میں پہنا دی۔ پھر اس نے ہاتھ کا اشارہ ہماری طرف کیا۔ ہمارے آس پاس کھڑے ہوئے تینوں مسلح جوانوں نے مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ دیا۔ میں رسوتی کے قریب پہنچا تو ہتھکڑی کا دوسرا سرا میری دائیں کلائی میں پہنا دیا گیا۔ اس طرح مجھے اور رسوتی کو ایک ہی ہتھکڑی میں باندھ دیا گیا تھا۔ وہ اپنی خاموش حرکتوں سے سمجھا رہے تھے کہ اب میں اپنی تیز طراری نہیں دکھا سکوں گا۔ نہ کہیں بھاگ کر جا سکوں گا۔ ہر لمحہ مجھے اس بات کا خیال رہے گا کہ میرے ساتھ ایک کمزور عورت بندھی ہوئی ہے تو مجھے بنا پھر تیلا پن دکھانے کا موقع نہیں دے سکے گی اور میں اس کمزور عورت کی خاطر اپنی شرافت کا ثبوت دیتا رہوں گا۔ ان کے حکم کی تعمیل کرتا رہوں گا۔

اور یہی بات تھی۔ مجھے مجبوراً خاموش رہنا پڑ رہا تھا ایک تو یہ کہ میرے دشمنوں کے پاس اسٹین گنیں تھیں۔ اگر ان کے ہاتھوں میں ریوالور ہوتے تو میں انہیں اپنی تیزی اور طراری دکھاتا لیکن اسٹین گن کے سامنے کسی کی بھی چالاکی اور پھرتیلا پن کام نہیں آتا۔ میں رسوتی کے ساتھ بندھا ہوا کاٹیج کے سامنے کھلے ہوئے میدان میں کھڑا رہا۔ ہمارے آس پاس دو مسلح جوان تھے باقی دو مسلح جوان کاٹیج کے اندر چلے گئے تھے اور وہاں تلاشی لے رہے تھے کہ کوئی چھپا ہوا نہ ہو یا کوئی ایسا ہتھیار وہاں نہ رہ جائے جو کسی وقت بھی ہمارے کسی کام آسکے۔

اس وقت دشمنوں کی یہ چال سمجھ میں نہیں آتی کہ مجھے رسوتی کے پاس کیوں پہنچایا گیا ہے اور وہ مجھے یہاں لا کر اور رسوتی کے ساتھ ایک ہی ہتھکڑی میں باندھ کر ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ فی الحال یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ لوگ مجھے رسوتی کے ساتھ باندھ کر پھر ہیلی کاپٹر میں بٹھائیں گے اور ہم دونوں کو تیسری جگہ لے جائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کاٹیج سے باہر آگئے۔ پھر چاروں مجھے اور رسوتی کو دھکا دیتے ہوئے ایک لیمپ پوسٹ کے پاس لے گئے۔ کاٹیج سے تقریباً پچیس گز کے فاصلے پر دو دو چاروں طرف لیمپ پوسٹ زمین میں نصب کیے گئے تھے اور ان میں تیز پاور کے بلب لگا دیے گئے تھے جس سے کاٹیج کے

چاروں طرف روشنی ہوتی تھی۔ اس ایک لیمپ پوسٹ کے پاس پہنچنے کے بعد ایک مسلح جوان نے اپنی جیب سے ایک اور ہتھکڑی نکالی اور اس لیمپ پوسٹ سے وہ ہتھکڑی باندھ دی۔ لیمپ پوسٹ قطر میں تقریباً دو انچ رہا ہوگا۔ وہ ایک پتلا مگر مضبوط آہنی ستون تھا۔ اپنی جگہ زمین میں اتنی مضبوطی سے گڑا ہوا تھا کہ اسے ہلایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیمپ پوسٹ کو ہتھکڑی پہنانے کے بعد اس ہتھکڑی کے دوسرے سرے کو ہماری ہتھکڑی سے منسلک کر دیا گیا۔ اس طرح ہم لیمپ پوسٹ سے باندھ دیے گئے۔

میں دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ کوئی جدوجہد نہیں کر سکا۔ اگر میں تنہا ہوتا اور وہ اس طرح مجھے ایک آہنی ستون سے باندھ کر جانے کی کوشش کرتے تو میں اپنی جان پر کھیل جاتا۔ اس جنگل میں تنہا بندھے رہنے سے بہتر یہی سمجھتا کہ اپنی زندگی کے لیے لڑتے ہوئے مر جاؤں لیکن رسوتی کا مرنا مجھے گوارا نہیں تھا۔

رسوتی خاموش تھی مگر اندر سے پریشان تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اس وقت نہ تو میری ٹیلی پیتھی کام آسکتی ہے اور نہ ہی میں اپنی جسمانی قوت کا مظاہرہ کر سکتا ہوں۔ کسی بھی تدبیر کو آزمانے اور کسی بھی طرح جدوجہد کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا ہے اور ہم اس طرح ستون سے بندھے ہیں کہ اب دشمنوں کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں تقدیر کے رحم و کرم پر رہنا ہوگا۔

رسوتی کو مجھ سے ملنے کی بڑی آرزو تھی بڑا انتظار تھا۔ لیکن جب میں ملا تو پوزیشن ایسی تھی کہ ہم اپنے حالات پر غور کر سکتے تھے۔ اپنے ذہن کو الجھا سکتے تھے لیکن اپنی باتیں نہیں کر سکتے تھے۔ باتیں کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں تھا۔

وہ لوگ ہماری طرف سے پلٹ کر ہیلی کاپٹر کی طرف جانے لگے۔ وہاں سے واپس جا رہے تھے۔ پہلے ایک نوجوان ہیلی کاپٹر کے اندر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کیسٹ ریکارڈر تھا۔ اس نے وہاں کھڑے ہو کر ایک کاغذ پر کچھ لکھا۔ پھر وہ میری طرف آنے لگا۔ دوسرا شخص کاٹیج کے اندر جانے لگا۔ وہ کیسٹ ریکارڈر کو میرے پاس لے کر آیا۔ اس نے میرے سامنے اس ریکارڈر کو رکھنے کے بعد کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے لے کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا: "ہم جا رہے ہیں ہمارے جانے کے بعد اس کیسٹ ریکارڈر کو آن کر کے سن لینا تمہارے کام کی باتیں ہیں۔"

میں اس تحریر کو پڑھ رہا تھا۔ اس وقت اس مسلح جوان نے میرے پیچھے پہنچ کر میری پشت سے بندھے ہوئے بیگ اتار لیا تھا۔ اس میں میرے کام کی بہت سی چیزیں تھیں۔ اس بیگ کو اتارنے کے بعد اس نے مجھ سے تقریباً دس بارہ گز کے فاصلے پر اسے پھینک دیا تاکہ میں اس بیگ تک نہ پہنچ سکوں۔ اس کے بعد اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس کا اشارہ پاتے ہی جو شخص کاٹیج کے اندر گیا تھا اس نے ساری بتیاں بجھا دیں۔ یک وقت ہمارے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ چاند آسمان پر چمک رہا تھا۔ لیکن بتیاں بجھنے کے باعث ہمیں اندھیرے کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ لوگ اب ہیلی کاپٹر میں سوار ہو رہے تھے اور ہم مجبور تماشائی کی طرح چپ چاپ انہیں دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ہیلی کاپٹر کا انجن اسٹارٹ ہوا۔ پنکھے نے گردش کی اور چند منٹ بعد ہی وہ ہیلی کاپٹر زمین سے بلند ہو کر پرواز کرتا ہوا ہم سے دور جانے لگا۔ ہم چاندنی میں اسے دیکھ رہے تھے۔ کچھ دور جانے کے بعد وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم وہاں ستون سے بندھے کے بندھے رہ گئے۔

رسوتی نے مجھے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے مسکراتے ہوئے کہا: "ارے تم بزدل ہو۔ کیا میں تمہارے پاس موجود نہیں ہوں؟"

وہ سر ہلا کر بولی: "بس یہی شکر ادا کر رہی ہوں کہ تم میرے پاس ہو۔ نہ ہوتے تو ابھی میرا دم نکل جاتا۔ ان دشمنوں نے ہمارے ساتھ کیسی حرکت کی ہے۔ کیسی بھیانک سزا دی ہے۔ اس جنگل میں ہمیں کاٹیج سے باہر لا کر باندھ دیا ہے تاکہ جنگلی درندے آئیں اور ہمیں چیر پھاڑ کر رکھ دیں۔ ہمارے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے۔ کوئی درندہ ادھر آ نکلا تو تم کیا کر سکو گے فرہاد؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "میں کیا کر سکوں گا، یہ میں نہیں جانتا مگر میں رونا نہیں جانتا۔ میرے ساتھ رہنے والی سونیا اور مرجانہ بھی آنسو بہانا نہیں جانتیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری آنکھیں بھی خشک ہو جائیں۔ تم کسی مصیبت کو مصیبت نہ سمجھو۔ دیکھو ایک بات ہم مسلمان جانتے ہیں کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ جب تک خدا کی مرضی نہیں ہو گی کوئی مجھے اور میرے ساتھیوں کو مار نہیں سکے گا۔ میرا اعتماد خدا پر بہت مستحکم ہے۔"

"فرہاد! ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے خدا پر اسی طرح بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ ہمارا خدا ہی ہمارا پہلا اور آخری سہارا ہوتا ہے۔ اس پر بھروسہ نہیں کریں گے تو جائیں گے کہاں؟ لیکن بعض حالات میں جب آدمی بالکل ہی بے بس ہو جاتا ہے اور کوئی تدبیر بھی سمجھ میں نہیں آتی، کہیں سے کوئی سہارا ملنے کی امید بھی باقی نہیں رہتی تب عقیدہ بھی ڈگمگانے لگتا ہے۔

یوں لگتا ہے جیسے اب خدا بھی ہماری مدد کو نہیں آئے گا۔ دیکھو، ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ تمہارے پاس وہ بیگ تھا اسے بھی دشمنوں نے تمہارے جسم سے الگ کر کے دور پھینک دیا ہے۔"

"وہ بیگ اگر مجھے مل بھی جائے تو اس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کے سہارے میں اس ہتھکڑی کو کھول سکوں یا کاٹ سکوں یا کسی طرح اس ستون کو اکھاڑ سکوں۔ ویسے ذرا ٹھہرو، میں کوشش کر کے دیکھتا ہوں کہ یہ ستون کتنا مضبوط ہے۔"

یہ کہہ کر میں اس ستون کو دھکے مارنے لگا۔ اس سے بار بار ٹکرانے لگا۔ میرے ہر ٹکرانے کے ساتھ رسونتی کے منہ سے کراہ نکلتی تھی۔ میں نے رک کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

وہ اپنی کلائی کو دکھانے لگی۔ سمجھ میں آ گیا۔ میں ستون کو دھکا مارتا تھا تو اس کے جھٹکے سے رسونتی کی کلائی کو تکلیف پہنچتی تھی۔ وہ کوئی زبردست قسم کی فائٹر نہیں تھی۔ اس نے کبھی کسی سے ہاتھا پائی نہیں کی تھی۔ کبھی جسمانی ورزش نہیں کی تھی۔ صرف یوگا کی مشقیں کرچکی تھی۔ اس سے جسم اتنا مضبوط نہیں ہوتا کہ ہتھکڑی کی سختیوں کو برداشت کر سکے۔

مجھے رکتے دیکھ کر وہ بولی۔ "تم کیوں رک گئے۔ تھوڑی بہت تو تکلیف اٹھانی ہی پڑتی ہے۔ آزادی کی خاطر میں یہ تکلیف برداشت کر لوں گی۔ تم کسی طرح اس ستون کو زمین سے ہلانے کی کوشش کرو۔"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ بہت مضبوط ہے حالانکہ بہت ہی پتلا سا ہے لیکن زمین میں گہرائی تک نصب کیا گیا ہے۔ جب تک زمین کو کھودا نہیں جائے گا اس وقت تک یہ ستون باہر نہیں نکلے گا۔"

"زمین کو کھودنے کے لیے تو کدال وغیرہ کی ضرورت ہو گی ایک کدال وہاں کاٹیج کے اسٹور میں رکھی ہوئی ہے۔ اسی سے ممی کے لیے قبر کھودی گئی تھی۔"

ممی کی بات کرتے ہی وہ ایک دم سے اداس ہو گئی۔ میں بھی تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گیا۔ ہم دونوں کے سر جھکے ہوئے تھے۔ ممی بڑی شدت سے یاد آ رہی تھیں۔ عجیب وقت تھا کہ ممی کا صدمہ بھی تھا۔ اپنی مجبوریاں بھی تھیں۔ ایسی قید تھی کہ ہمارے چاروں طرف چار دیواری نہیں تھی۔ کھلا جنگل تھا اور درندوں کو کھلی دعوت تھی کہ آئیں اور ہمیں کھائیں۔

رسونتی نے کہا۔ "ذرا اس کیسٹ ریکارڈر کو تو دیکھو کہ اس میں کیا ہے۔ ڈوبنے والے تنکے کا سہارا بھی ڈھونڈتے ہیں شاید اس ریکارڈر کی آواز سن کر کوئی سہارا ہمیں مل جائے۔"

میں نے زمین پر رکھے ہوئے کیسٹ ریکارڈر کو دیکھا۔ جو ہتھکڑی کا حصہ آہنی ستون کو پہنایا گیا تھا وہ ستون پر اوپر سے نیچے سرک سکتا تھا۔ ہم اس ہتھکڑی کو نیچے کی طرف سرکاتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے۔ پھر میں نے کیسٹ ریکارڈر کو آن کیا۔ چند لمحوں کے بعد اس میں سے آواز ابھرنے لگی۔

"فرہاد! تمہاری ہسٹری شیٹ سے ظاہر ہوتا ہے اور ہمارے تجربات نے بھی یہی سمجھایا ہے کہ تمہیں کہیں بھی انسانی آبادی میں قیدی بنا کر نہیں رکھا جا سکتا اور نہ ہی تم سے دشمنی کی جا سکتی ہے۔ تمہیں کہیں سے چھپ کر گولی مار دینا نہایت آسان ہے لیکن ہماری ایک مجبوری ہے جس کے تحت ہم تمہیں زندہ رکھ رہے ہیں۔ وہ مجبوری کیا ہے اسے تم شاید کبھی نہ سمجھ سکو۔ بس اتنا بتا دوں کہ تم براہِ راست نہیں بالواسطہ ہمارے کام آ رہے ہو۔ ہم تمہیں مارنا نہیں چاہتے لیکن ایک اچھا سبق سکھانا چاہتے ہیں۔

اس مقصد کے لیے ہم نے تمہیں جنگل میں چھوڑ دیا ہے۔ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اس کاٹیج میں رسونتی اکیلی رہ گئی ہے ایک کمزور عورت تمہیں اور کمزور بنا سکتی ہے اس لیے ہم نے تمہیں اس کے پاس پہنچایا ہے۔ اب تم اس کے ساتھ اسی طرح بندھے رہو اور آزادی سے جدوجہد نہ کر سکو۔

ہمارے منصوبے کے مطابق تم اس وقت تک ایک ستون سے باندھ دیے گئے ہو گے اور تمہیں بے بس کر دیا گیا ہو گا۔ تمہاری ٹیلی پیتھی زنگ آلود ہو چکی ہے۔ اب تم ہمارے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہارے سامنے ایک آرام دہ کاٹیج ہے۔ تم وہاں جا کر پناہ نہیں لے سکتے آرام سے نہیں سو سکتے۔ باہر کھلے جنگل میں درندوں کا انتظار کرتے رہو گے۔ تمہارے سامنے کاٹیج میں کھانے کا ذخیرہ ہو گا مگر تم ستون سے بھوکے بندھے رہو گے۔ اسی کاٹیج میں کچھ ہتھیار بھی ہوں گے جو تمہارے کام آ سکتے ہیں لیکن تم ان ہتھیاروں تک نہیں پہنچ سکو گے۔ تمہیں ہر لمحہ اپنی مجبوری اور بے بسی کا احساس ستائے گا اور ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ٹیلی پیتھی کے ہتھیار سے خالی ہونے کے بعد تم کس طرح اپنی زندگی کے لیے لڑ سکتے ہو اور اپنی زندگی کو باقی رکھ سکتے ہو۔ ویسے تم نے اپنے آپ کو بچا لیا اور یہاں سے نجات حاصل کر لی تو بھی اس جنگل سے نہیں نکل سکو گے۔ تمہیں قدم قدم پر ایسی رکاوٹیں ملیں گی کہ زندہ رہے تو ساری زندگی یاد کرتے رہو گے۔

دیکھو کہ یہ رات سلامتی سے گزرتی ہے یا نہیں۔ اگر درندوں نے تم دونوں کو زندہ چھوڑ دیا تو دوسرے تمام دن دھوپ میں بھوکے پیاسے جلتے رہنا۔ جب شام ہو جائے گی تو یہ فیصلہ کرنا کہ تم ہماری ایک شرط مان کر اپنی زندگی بچا سکتے ہو یا نہیں

شرط یہ ہے کہ مرجانہ اور سائرہ بانو کے راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹ جاؤ!

اگر تمہیں یہ شرط منظور ہو تو فوراً ہی مرجانہ سے دماغی رابطہ قائم کر کے اسے مجبور کرنا کہ وہ اپنی ماں کے پاس پیرس پہنچ جائے۔ وہ ... ہو جائے گی اور جنگل میں بھٹکتی ہو گی تو ہم اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور اسے پیرس پہنچا دیں گے۔

ہماری دوسری شرط بھی تمہیں معلوم ہے۔ یاد نہ ہو تو سن لو... وہاں سائرہ بانو کے آس پاس جو پہرہ لگایا گیا ہے وہ ختم کر دیا جائے۔ ماسٹر ہریندر مونی سے دماغی رابطہ قائم کر کے اسے حکم دو کہ وہ بھی آئندہ سائرہ بانو اور مرجانہ کے راستے میں نہ آئے۔ جب یہ دو شرطیں پوری ہو جائیں گی تو ہم اسی دن جلال بیگ اور مرجانہ کی شادی کر دیں گے۔ جب وہ جلال بیگ کی بیوی بن جائے گی تو اپنے جہیز میں اپنے باپ کی ساری جائیداد اور خزانہ بھی ساتھ لے آئے گی۔

اپنے دماغ سے یہ خوش فہمی نکال دینا کہ مرجانہ اگر جلال بیگ کی شریکِ حیات بن کر اس کے پاس جائے گی تو تم اس کے ذریعے جلال بیگ کے دماغ تک پہنچ جاؤ گے۔ نہیں، جلال بیگ کو ہم نے اس قدر پُراسرار بنایا ہے کہ تم کبھی وہاں نہیں پہنچ سکو گے۔ مرجانہ بھی کبھی اس کی آواز نہیں سن سکے گی نہ ہی اس کی آنکھوں میں جھانک سکے گی۔ وہ ہمیشہ گونگا ... کہ اپنی شریکِ حیات مرجانہ بیگم سے ملتا رہے گا اور اس کی دولت حاصل کرتا رہے گا۔

جس دن جلال بیگ اور مرجانہ کی شادی ہو گی، اس دن تمہیں سونیا اور رسونتی کو مصیبتوں سے نجات مل جائے گی۔ ہم ... جنگل میں تم تینوں کے رہنے کا انتظام کر دیں گے۔ تمہیں باقاعدہ راشن ملتا رہے گا۔ ضروریاتِ زندگی کے دوسرے سامان بھی تمہارے پاس پہنچتے رہیں گے۔ تم تینوں اس وقت تک اس جنگل میں قیدی بن کر رہو گے جب تک کہ مرجانہ جلال بیگ کے بچوں کی ماں نہیں بن جائے گی اور اپنی دولت مکمل طور پر جلال کے حوالے نہیں کر دے گی۔

ہماری دو شرطیں بہت معمولی ہیں۔ انہیں مان لو اور اس جنگل میں سونیا اور رسونتی کے ساتھ آزاد قیدی بن کر زندگی گزارو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جب مرجانہ اور سائرہ بانو سے ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا تو ہم تم تینوں کو یہاں سے نکال لیں گے۔

بہرحال اب سے لے کر کل شام تک تمہیں سوچنے سمجھنے اور عملی طور پر جدوجہد کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ اپنی اور رسونتی کی زندگی بچانے کے لیے آزادی حاصل کرنے کے لیے، اس آہنی ستون سے چھٹکارا پانے کے لیے جو کچھ کر سکتے ہو، کر دیکھو۔ نہ کر سکو تو ہماری دونوں شرطوں کے آگے سر جھکا دینا۔"

وہ کیسٹ ریکارڈر ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا۔ دوسرے لمحے اچانک ہی بولنے والا رونے لگا اور روتے روتے بولنے لگا۔ "فرہاد صاحب! اب میری شامت آ گئی ہے، کیونکہ میں اپنی آواز میں یہ ساری باتیں بول رہا ہوں۔ میں ایک مجبور انسان ہوں۔ میرے سامنے کاغذ پر یہ جو کچھ لکھا ہوا ہے میں اسے کیسٹ ریکارڈر کے سامنے پڑھ رہا ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ آپ مجھے دشمنوں کا آدمی سمجھ کر زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں آپ کو آپ کے خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے کوئی سزا دینے سے پہلے میرے دماغ میں چپ چاپ جھانک کر دیکھ لیجیے گا۔ میں بے قصور ہوں۔ میرا آپ کے دشمنوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس ایک مجبوری نے ان کے جال میں پھنسا دیا ہے۔"

وہ کیسٹ میں اپنی آواز ریکارڈ کرنے والا آخر تک اپنی صفائی پیش کرتا رہا۔ پھر کیسٹ ریکارڈر خاموش ہو گیا۔ آواز بند ہو گئی۔ میں نے اسے آف کر دیا۔ رسونتی خاموش تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ انگریزی زبان صرف بولتی ہی نہیں تھی بلکہ اچھی طرح سمجھ بھی لیتی تھی۔ پہلے مریسے نے اسے باقاعدہ پڑھایا تھا۔ پھر ممی کی صحبت میں رہ کر وہ فر فر انگلش بولنے اور سمجھنے لگی تھی۔ اس نے اس کیسٹ ریکارڈر کی ساری باتیں سمجھ لی تھیں۔

وہ بولی۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کل شام تک یہاں بھوکے پیاسے بندھے رہیں گے۔ کوئی ہماری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔ کل شام کو ہمارے وہی دشمن واپس آئیں گے۔ اگر ہم کل تک زندہ رہے تو۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے دیکھنے لگی۔ جیسے کوئی جنگلی جانور اس کے قریب آ رہا ہو۔ پھر اس نے پوچھا۔ "تم خاموش کیوں ہو، کیا سوچ رہے ہو؟"

"میں وہ باتیں سوچ رہا ہوں جو کیسٹ ریکارڈر سے سنی گئی ہیں۔ اس میں میرے لیے ایک ہی اہم بات ہے جسے میں سمجھنا چاہتا ہوں۔"

رسونتی نے کہا۔ "وہ کون سی بات ہے؟"

"اس کیسٹ ریکارڈر میں کہا گیا ہے کہ مجھ سے براہِ راست نہ سہی بالواسطہ کام لیا جا رہا ہے یعنی میرے دشمن مجھ سے کوئی کام لے رہے ہیں۔ کوئی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اسی لیے وہ مجھے

زندہ چھوڑ دیتے ہیں اور میری زندگی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مجھے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ مجھے اس بات کی خبر کیوں نہیں ہے کہ میرے ذریعے ان کا کون سا کام ہو رہا ہے۔"

"یہ بات اہم ہے مگر کسی اور وقت سوچی جا سکتی ہے ابھی تو یہ سوچو کہ ہم یہاں رات کس طرح گزاریں گے؟"

"یہ وقت تو گزارنا ہی ہوگا۔ ہم یہاں سے جا نہیں سکتے۔ کسی کو مدد کے لیے بلا نہیں سکتے۔ ہمیں اسی ستون سے بندھے رہنا ہوگا۔ اگر جنگلی جانور آ گئے تو ہمارا خدا ہی حافظ ہے۔ ویسے میں وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی بھی جنگلی جانور تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے مجھ سے مقابلہ کرے گا۔ پہلے میں مروں گا پھر...."

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی رسونتی نے اپنا ایک ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا "بھگوان نہ کرے کہ تمہیں کچھ ہو۔ میں جانتی ہوں۔ میرا دل کہتا ہے کہ تم سخت جان ہو اور قسمت کے دھنی ہو۔ کوئی نہ کوئی ایسی بات سامنے آئے گی کہ ہم یہاں سے بچ نکلیں گے۔"

میں نے اس کے ہاتھ کو اپنے منہ پر سے ہٹا کر اپنے دل پر رکھ دیا۔ وہ اپنا ہاتھ کھینچنا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور آہستگی سے کہا "رسونتی! شاید ہماری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ ایک ہتھکڑی میں قید ہو جائیں اور اسی طرح جنگل کے سناٹے میں ایک ساتھ ایک جگہ رہ کر ایک دوسرے کے قریب اپنی جانیں دے دیں۔ شاید یہ ہمارا آخری وقت ہو کیوں نہ ہم اس آخری وقت کو ہنستے بولتے اور محبت کرتے ہوئے گزار دیں۔"

میں نے کھینچا تھا، وہ کھنچی چلی آئی تھی۔ اپنا سر میرے سینے پہ رکھ دیا تھا۔ وہ ایسی مصیبت کا وقت تھا کہ رومانس ہو ہی نہیں سکتا تھا اور میرا بھی مقصد رومانس کا نہیں تھا۔ دراصل میں اسے بہلانا چاہتا تھا تاکہ وہ موجودہ مصیبت کو زیادہ اہمیت نہ دے۔

میں نے ایک ذرا اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ پتہ چلا وہ بھی ایسے وقت رومانس کی قائل نہیں ہے۔ بس ذرا میرے قریب سے قریب تر ہو کر موجودہ خوف و دہشت کو ذرا کم کرنا چاہتی ہے۔ وہ شروع ہی سے میری موجودگی میں بڑی محتاط رہتی تھی۔ جذبے اسے بہکاتے تھے، وہ بہکتی نہیں تھی۔ محبت اسے میری طرف کھینچ کر لاتی تھی مگر وہ میرے اور اپنے درمیان ایک حد قائم کر دیتی تھی۔ اس وقت خوف و دہشت نے اسے میرے اتنا قریب کر دیا تھا تاہم وہ اندر ہی اندر اپنے آپ کو تیار رکھے ہوئے تھی کہ میں اگر ذرا بھی دست درازی کروں تو وہ مجھ سے دور ہو جائے۔

اچانک ہی وہ چیخ مار کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی اور وہ اتنی مضبوطی سے لپٹی ہوئی تھی، جیسے اپنے سینے کی بھاری بھاری دھڑکنوں کے ساتھ میرے اندر سما جانا چاہتی تھی۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "سانپ...."

میں نے ادھر دیکھا تو ایک سانپ رینگتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا۔ ہم بیٹھے ہوئے تھے، میں نے کہا "جلدی اٹھو۔"

وہ مارے دہشت کے اٹھ نہیں رہی تھی۔ مجھ سے لپٹی جا رہی تھی۔ میں نے اسے ایک بازو میں سنبھالا۔ پھر اسے گرفت میں لے کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ کوشش اس لیے کہ ہمارے ہاتھوں کی ہتھکڑی کے ساتھ دوسری ہتھکڑی ستون سے بندھی ہوئی تھی۔ اٹھنے کے لیے پہلے اس ہتھکڑی کو ستون پر اوپر کی طرف کھسکانا ہوتا تھا۔ بہرحال کسی طرح ہتھکڑی کو اوپر کھسکاتے ہوئے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کہا "چلو اب ستون سے چپک کر اوپر چڑھتی چلی جاؤ۔"

وہ مجھ سے اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ ستون کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ کبھی آنکھ کھول کر اپنی طرف آتے ہوئے سانپ کو دیکھتی تھی پھر دہشت سے آنکھیں بند کر لیتی تھی۔ وہ بڑی طرح کانپ رہی تھی۔ تب مجھے خیال آیا کہ یہ بیچاری رسونتی ہے۔ خاص قسم کی ویسی ہی عورت ہے جن کے متعلق عام رائے یہ ہوتی ہے کہ یہ ذات کمزور ہوتی ہے۔ وہ صرف گھر گرہستی کے کام جانتی ہیں یا شوہر کی خدمت کرنا۔ وہ کسی کھمبے پر یا درخت پر نہیں چڑھ سکتیں حالانکہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ بچے کھیلنے کے طور پر بھی چڑھتے اترتے رہتے ہیں۔

ناچار میں نے اسے اٹھا کر اپنے کاندھے پر بٹھا لیا۔ پھر خود ستون سے لپٹ کر اوپر چڑھنا چاہا تو میرا ایک ہاتھ اوپر کو اٹھا ہوا تھا کیونکہ رسونتی میرے کاندھے پر تھی۔ اس کا ہاتھ مجھ سے اوپر تھا۔ میں نے اس سے کہا "دیکھو، اپنا ہاتھ زیادہ سے زیادہ نیچے رکھو تاکہ میں اپنے دونوں ہاتھ ملا کر اس ستون پر چڑھ سکوں۔"

اس نے اس حد تک تعاون کیا۔ اپنا ہاتھ نیچے کر دیا۔ پھر میں دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی مدد سے اوپر چڑھنے لگا۔ تقریباً چار فٹ اوپر چڑھنے کے بعد میں نے نیچے کی طرف دیکھا تو وہ سانپ رینگتا ہوا ہماری جگہ پہنچ گیا تھا اور وہیں ٹھہر گیا تھا۔ اپنے آدھے جسم کو ادھر ادھر کر رہا تھا جیسے ہماری جگہ کو سونگھ رہا ہو۔ پتہ نہیں سانپوں میں سونگھنے

کی حس ہوتی ہے یا نہیں لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے وہ وہاں ہماری موجودگی کے آثار پا رہا ہو۔

رسونتی نے بدستور آنکھیں بند رکھتے ہوئے پوچھا "کیا وہ چلا گیا؟"

"نہیں اسے ہماری جگہ پسند آ گئی ہے۔"

اس نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھول کر نیچے کی طرف دیکھا پھر چیخ مار کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں کیونکہ وہ سانپ ہماری جگہ آرام سے بیٹھ گیا تھا اور آگے بڑھنا نہیں چاہتا تھا مجھے سانپوں کی پہچان نہیں ہے۔ چاندنی رات میں وہ سبزی مائل سیاہ نظر آ رہا تھا، اور ہمارے قدموں کے نیچے آرام سے بیٹھا ہوا تھا وہ زہریلا ہے یا نہیں ہے؟ ہاں کسی سے سنا تھا کہ سیاہ سانپ عام طور پر زہریلا ہوتا ہے۔

بہرحال وہ ناگ ہو یا ناگن؟ زہریلا ہو یا بے ضرر، سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ میں کب تک رسونتی کو کاندھے پر بٹھائے ستون سے چپکا رہ سکتا تھا۔ وہ بہت ہی پتلا ستون تھا۔ اس سے زیادہ دیر لپٹ کر لٹکا رہنا مشکل تھا۔ میں نے پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے تھے۔ وہ جوتے ستون سے زیادہ دیر ٹک کر یا چپک کر نہیں رہ سکتے تھے۔ میں زیادہ تر اپنے ہاتھوں کے بل پر لٹکا ہوا تھا اور اپنی دونوں ٹانگیں ستون کے اطراف لپیٹ لی تھیں۔

اتنا کچھ ہونے کے باوجود اچانک ہی میرا ہاتھ پھسل گیا۔ میں ایک جھٹکے سے دو فٹ نیچے آیا۔ رسونتی کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ ہم بالکل ہی زمین پر نہیں پہنچے کیونکہ ہتھکڑی اس ستون سے پھنس گئی تھی۔ ہمیں اس ہتھکڑی نے نیچے جانے سے روک دیا تھا۔ اس کی وجہ سے ہماری کلائی کو زبردست جھٹکا پہنچا تھا لیکن جان بچ گئی تھی۔ سانپ رسونتی کی چیخ سن کر اور ہمارے ستون سے جھٹکا کھانے کی آہٹ پر ایک دم سے چونک گیا تھا اور پھنکار کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کا رخ ہماری طرف تھا جیسے سر اٹھا کر ہمیں دیکھ رہا ہو۔

میں نے اپنی ٹانگیں پھر اوپر کی طرف سکوڑ لیں اور دونوں ہاتھوں کی مدد سے اوپر کی طرف کھسکنے لگا۔ آہستہ آہستہ پھر دو فٹ کی بلندی پر پہنچ گیا یعنی ہم سانپ سے چار فٹ کی بلندی پر تھے۔ میں نے کوشش کی اور ایک فٹ مزید اوپر چلا گیا۔

کوئی اس وقت مجھے دیکھتا ٹیلی پیتھی جاننے والا اور بڑے سے بڑے خطرات سے گزرنے والا فرہاد علی تیمور اس وقت کتنا مجبور اور بے بس تھا۔ آج تک کسی دشمن نے مجھے اس حال تک نہیں پہنچایا تھا۔ میں نے دانت پیس کر دل ہی دل میں کہا "بیٹے جلال بیگ! یہودیوں کے چمچے! اگر میں یہاں سے بچ نکلا اور تم تک پہنچ گیا تو تمہیں بھی اسی طرح ماروں گا۔ اسی طرح تمہارے آس پاس موت کو لا کر کھڑا کر دوں گا۔ تم زندہ رہو گے اور اپنی موت کو دیکھ دیکھ کر دہشت سے مرتے رہو گے۔"

میں نے خود کو سمجھایا۔ نہیں فرہاد! جھنجھلانے اور کھسیانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں ابھی دشمن کے متعلق نہیں سوچنا چاہیے ذہن کو پرسکون رکھ کر موجودہ سچویشن کو سمجھنا چاہیے کہ کس طرح مصیبت سے چھٹکارا مل سکتا ہے؟

میں نے پھر سر جھکا کر نیچے دیکھا۔ میرے قدموں کے نیچے پانچ فٹ کی دوری پر وہ سانپ کبھی کبھی پھنکارتا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے اچانک ہی ہرڈیو یاد آیا۔ اسے بھی سانپ نے ڈس لیا تھا۔ میں اپنی مصیبتوں میں اسے اتنی دیر تک بھول چکا تھا۔ وہ یاد آیا تو میں نے فوراً ہی اس کے دماغ کی طرف چھلانگ لگائی۔

بڑی حیرانی کی بات تھی کہ وہ زندہ تھا بلکہ نہ مردہ تھا، نہ زندہ تھا۔ زندگی اور موت کے درمیان ابھی تک لٹکا ہوا تھا۔ اس کے احساسات سے پتہ چل رہا تھا کہ زہر نے زیادہ اثر نہیں دکھایا ہے لیکن کچھ ایسا اثر ہے کہ وہ بالکل ہی کمزور ہو گیا ہے۔ اس کا دل ڈوبتا جا رہا ہے نبض کی رفتار بالکل سست پڑ گئی ہے۔ اب اس نے آنکھیں کھول دی تھیں اور سر اٹھا کر دیکھ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟

میں نے اسے مخاطب کیا "ہرڈیو! کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ میں فرہاد بول رہا ہوں۔ ہرڈیو میری آواز سنو اور جواب دو۔"

اس کے دماغ میں جیسے میری سوچ گونج رہی تھی لیکن واضح نہیں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے بہت سی آوازیں بہت سا شور اس کے دماغ میں گڈمڈ ہو گیا ہو۔ میں نے بار بار آواز دی تو وہ مجھے پہچاننے لگا۔ اس کی کمزور سی سوچ نے کہا "ہاں فرہاد صاحب! میں پہچان گیا ہوں۔ دیکھئے میں کس طرح مر رہا ہوں۔"

"ہرڈیو! حوصلہ کرو۔ دل میں امید کی شمع روشن کرو کہ تم زندہ رہو گے اور زندگی کے لیے اپنے اندر کے زہر سے لڑتے رہو گے۔ تم کسی طرح کاٹج تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے اور تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے یہاں کافی دوائیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی دوا تمہارے کام آ جائے۔ اس وقت میں ایک ایسی جگہ ہوں جہاں مجھے بھی ایک سانپ ڈسنے والا ہے۔ اس سے پانچ فٹ کی دوری پر ہوں۔ میں اس سے دور نہیں بھاگ سکتا۔ تم آ گئے تو

تمہارے پاس ریوالور ہوگا۔ تم اسے گولی مار سکتے ہو۔ تمہاری وجہ سے ہی مجھے اس موذی سے نجات مل سکتی ہے۔ کوشش کرو۔ آہستہ آہستہ سرکتے ہوئے آؤ۔"

وہ میری باتیں سن رہا تھا اور اپنے اندر حوصلہ پیدا کر رہا تھا۔ پھر وہ ہمت کر کے آگے کی طرف کھسکنے لگا۔ میں نے اطمینان کی سانس لی۔ کچھ تو سہارا مل رہا تھا کہ وہ جلدی نہ سہی، آہستہ آہستہ ہی سہی۔ اس وقت نہ سہی صبح تک ہی سہی رینگتا ہوا یہاں تک پہنچے گا۔ بس مجھے اپنی قوتِ ارادی اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے اسی طرح ستون سے لٹکے رہنا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ میرے ہاتھوں میں، میری کلائیوں میں کتنی قوت ہے کہ میں رسونتی کا اور اپنا بوجھ اٹھائے اس ستون سے کب تک لٹکا رہ سکتا ہوں۔

میں نے تھوڑی دیر بعد پھر سردیو کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ بے حس و حرکت زمین پر پڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دور زمین پر رینگنے کے بعد بالکل نڈھال سا ہو گیا تھا۔ اپنے اندر وہ حوصلہ پیدا کر رہا تھا کہ ذرا دم لے کر وہ آگے بڑھے گا۔ میں بھی اپنی سوچ کے ذریعے اس کے دماغ میں حوصلہ پیدا کرنے لگا۔ اس کے ذہن میں یہ بات بٹھانے لگا کہ انسان کے لیے کوئی کام ناممکن نہیں ہوتا۔ کوئی بھی مصیبت ہو وہ انسان سے بڑی نہیں ہوتی۔ جب آدمی عزم کرتا ہے تو پھر اس عزم سے بڑی مصیبت پست ہو کر رہ جاتی ہے اور جب گزر جاتا ہے تو پیچھے رہ جانے والی مصیبت حقیر سی نظر آتی ہے۔

میں اسے حوصلہ دیتا رہا۔ وہ پھر آنکھیں کھول کر آگے دیکھتے ہوئے رینگنے لگا۔ تھوڑی دور تک رینگتا چلا گیا۔ ذرا ٹھہر ٹھہر کے بڑھ گیا۔ پھر تھوڑی دور رینگنے کے بعد نڈھال ہو کر زمین پر اپنا سر ٹیک کر بالکل ہی بے حس و حرکت ہو گیا۔ اب وہ اپنے اندر حوصلہ نہیں پا رہا تھا۔ سوچ رہا تھا۔ پھر ذرا جان میں جان آئے گی تو دیکھا جائے گا۔

میں بڑے صبر آزما حالات سے گزر رہا تھا۔ ستون سے اس طرح چپکے ہوئے اور لٹکے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ تو ضرور گزر گیا ہوگا۔ وہ سانپ بڑا ہی ضدی تھا۔ اب تک میرے قدموں کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ میں ابھی پُرعزم تھا۔ اپنی جسمانی قوتوں کا اندازہ لگا رہا تھا کہ ابھی کم از کم گھنٹے دو گھنٹے تک اسی طرح لٹکا رہ سکتا ہوں اور رسونتی کا بوجھ بھی اٹھا سکتا ہوں لیکن ذرا سی تو امید ہونی چاہیے کہ کہیں سے مدد پہنچے گی یا وہ سانپ مہربان ہو کر وہاں سے چلا جائے گا۔

رسونتی نے سہمے ہوئے انداز میں پریشان ہو کر پوچھا۔ "اب کیا ہوگا فرہاد! ہم اس طرح کب تک لٹکے رہیں گے؟"

"یہی میں سوچ رہا ہوں۔ کیا ہمیں اسی ستون سے چپک کر زندگی گزارنی پڑے گی۔ مرد اور عورت نکاح کی ہتھکڑی میں بندھ کر پھر کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے لیکن یہ ہتھکڑی ہمیں بڑی مہنگی پڑ رہی ہے۔"

میری یہ بات سن کر رسونتی نے سر کو جھکا لیا۔ ایسے وقت اسے خیال آیا کہ وہ مجھ پر سوار ہے۔ اس طرح کہ اس کا سارا بوجھ میرے دونوں شانوں پر ہے۔ اگر کوئی دوسرا وقت ہوتا تو وہ کبھی اس طرح مجھ پر بیٹھنے کے لیے راضی نہ ہوتی۔ اب وہ مجھ سے اتنی قریب تھی بلکہ مجھ پر سوار تھی۔ یہ خیال آیا تو وہ اس زہریلے سانپ کو بھول کر ایک ذرا سے شرمانے لگی تھی۔ ادھر سے ادھر کسمسا رہی تھی۔ تب اس نے اپنے طور پر ستون سے چپکنے کا ذرا حوصلہ کیا۔ اس ستون کو اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ تھام لیا وہ ذرا اوپر اٹھنا چاہتی تھی۔ میں نے پوچھا "کیا کر رہی ہو؟ میرا ہاتھ اوپر کی طرف کھینچو گی تو توازن بگڑ جائے گا۔"

"میں ذرا اوپر اس ستون کو مضبوطی سے تھام کر خود ہی اس سے چپک کر رہنا چاہتی ہوں۔ تم پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ بوجھ بننے کی بھی انتہا ہوتی ہے۔"

"ہاں اپنے دل پر حوصلے کا اظہار کرنا بڑی اچھی بات ہے اگر تم اپنی قوتوں سے اپنے بل پر اس ستون کے ساتھ چپکی رہ سکتی ہو تو اس کی کوشش کرو۔ میں تمہیں سہارا دیتا رہوں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے آہستہ آہستہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر کی طرف ذرا کھسکایا تاکہ وہ میرے کاندھے سے اوپر ہو کر اس ستون سے چپکے رہنے کی کوشش کرے۔

وہ ستون کو بڑی مضبوطی سے تھام کر میرے کاندھے سے سنبھل سنبھل کر الگ ہونے لگی۔ سانپ زیادہ دیر پھنکار کر بیٹھا نہیں رہ سکا تھا۔ اب وہ زمین پر لیٹ گیا تھا لیکن اسی جگہ تھا اور وہاں سے ٹلنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اس وقت تک رسونتی میرے کاندھے سے اتر گئی تھی۔ اسی وقت اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کے بل پر لٹکے رہنے کو آسان سمجھا تھا جب اسے دونوں ہاتھوں پر اپنے پورے جسم کا بوجھ برداشت کرنا پڑا تو وہ برداشت نہ کر سکی۔ ایک دم سے جھٹکا کھا کر نیچے آئی لیکن بالکل نیچے نہیں جا سکتی تھی کیونکہ میرے ساتھ ہتھکڑی سے بندھی ہوئی تھی۔ ہتھکڑی نے اسے روک لیا۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنی دونوں ٹانگیں

ذرا ہی ستون سے چھوڑ کر اس کے گرد لپیٹ دی تھیں اس طرح اب میں ستون اور رسونتی کے گرد لپٹا ہوا تھا صرف دو ہاتھ سر کے اوپر ستون سے چپکے ہوئے تھے۔ اتنی دیر میں اس نے بھی ستون کو دوبارہ مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔

اب ہم دونوں کی پوزیشن ایسی تھی کہ ہم بالکل ایک دوسرے کے روبرو تھے ہمارے درمیان صرف ایک پتلا سا ستون تھا۔ وہ میرے کاندھوں پر سے اس لیے اتر گئی تھی کہ وہاں اسے شرم آ رہی تھی اور اس کہاوت کے مصداق کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ وہ کاندھوں سے اتر کر میرے روبرو سانسوں سے قریب آ گئی تھی۔ وہاں سے ہٹنا، الگ ہونا ممکن نہ تھا۔

میری داستان پڑھنے والوں کے لیے تقدیر ہمارے ساتھ دلچسپ مذاق کر رہی تھی لیکن ہمارے لیے یہ تقدیر کا بہت ہی بھیانک مذاق تھا۔ وہ سانپ جو زمین پر لیٹ گیا تھا وہ پھر ستون کو جھٹکا لگنے اور شاید رسونتی کے چیخنے کے باعث ہڑبڑا کر اٹھ گیا تھا اور کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔

یا اللہ! بہت ہو چکا۔ رحم کر میرے مالک! آج تک میں اپنی تمام مصیبتوں سے جس طرح جلدی جلدی گزرتا رہا، اسی طرح مجھے اس مصیبت سے بھی جلد ہی گزار دے۔ یا تو زندگی کے ساتھ گزار دے۔ یا موت کے ساتھ گزار دے مگر اب یہ قصہ ختم ہونا چاہیے۔ میں ہمت نہیں ہارتا لیکن امید کی کوئی کرن کہیں سے تو نظر آنی چاہیے۔

ایسا سوچتے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت پھر میں نے سردیو کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بے چارہ رینگ رہا تھا۔ بہت آہستہ آہستہ رینگ رہا تھا۔ کچھوے کی چال چل رہا تھا اگر ہمارے درمیان جو فاصلہ تھا اس کو بڑی آہستگی سے بہت دھیرے دھیرے کم کرتا جا رہا تھا۔ اپنی ہمت کے مطابق وہ میرے کام آنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن پھر نڈھال ہو کر بے دم ہو کر اوندھا لیٹ گیا۔ گہری گہری سانس لینے لگا۔ سستانے لگا اور انتظار کرنے لگا کہ تھوڑی سی ہمت پھر آئے تو وہ پھر آگے بڑھے۔

میں نے رسونتی کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ نظر ملتے ہی اس نے نظریں جھکا لیں۔ اس کا چہرہ جو خوف اور دہشت سے پیلا پڑ گیا تھا۔ اب شرم و حیا سے تمتما رہا تھا۔ مجھ سے دور ہونے والی مجھ سے چپکی ہوئی بے بسی سے زندگی کی سانسیں لے رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے، کیا نیچے اتر کر سانپ کے پاس پہنچ جائے یا اپنی جان دے دے۔ تب مجھے اس شرمیلی لڑکی پر بڑا پیار آیا۔ اس کا ڈرنا اور ڈر کر مجھ پر بوجھ بننا، پھر سہم سہم کر مجھ سے لپٹنا یہ سب کچھ بہت دلفریب تھا۔ اس وقت وہ مجھے بہت ہی بہت ہی اچھی لگ رہی تھی۔

میں نے سر جھکا کر نیچے دیکھا تو وہ سانپ پھر کنڈلی چھوڑ کر زمین پر لیٹ گیا تھا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ کچھ سوچا پھر رسونتی سے کہا "دیکھو اب میں آہستہ آہستہ نیچے کھسک رہا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ کھسکتی رہو۔"

وہ سہم کر بولی "نہیں میں اس سانپ کے قریب نہیں جاؤں گی۔"

"دیکھو زور سے نہ بولو۔ آہستگی سے باتیں کرو، ورنہ وہ پھر کنڈلی مار کر بیٹھ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اب میں ذرا نیچے اتر کر اس کا سر اپنے جوتے سے کچل دوں۔ یہ اچھا موقع ہے اس وقت وہ زمین پر لیٹا ہوا ہے۔ تم ذرا حوصلے سے کام لو۔"

اس نے پوچھا "میں کیا کروں، بتاؤ؟"

"میں بہت آہستہ آہستہ تین تک گنتا ہوں۔ تین بولتے ہی تم زمین کی طرف کود جانا۔"

وہ سہم کر بولی "نہیں، وہاں تو۔۔۔"

میں اس کی بات کاٹ کر بولا "گھبراؤ نہیں۔ تم سے پہلے میں اس سانپ تک پہنچ جاؤں گا۔ تین کہتے ہی تم کود جانا۔ ستون کو بالکل ہی چھوڑ دینا۔ بلکہ اسی وقت ستون کو چھوڑ دو۔ سارا بوجھ مجھ پر ڈال دو۔ میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ تم نے ستون کو چھوڑنے میں ایک پل کی بھی دیر کی تو سانپ مجھے ڈس لے گا۔ تم ستون کو چھوڑ دو۔"

اس نے فوراً ہی ستون کو چھوڑ دیا اور میرے کاندھے پر ایک بازو حمائل کر کے سارا بوجھ مجھ پر ڈال دیا۔ اسی وقت میں نے سانپ کو نیچے دیکھا۔ وہ خاموش پڑا ہوا تھا۔ میں بالکل آہستہ آہستہ نیچے کھسکنے لگا۔ جب تقریباً دو فٹ کی بلندی پر ہم رہ گئے تو میں نے ستون سے پھنسی ہوئی ہتھکڑی کو ذرا اوپر نیچے کیا تاکہ مجھے یکلخت نیچے جانے میں آسانی ہو۔

ایسا کرنے کے بعد جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ میں سیدھا سانپ کے سر پر پہنچ سکتا ہوں تو میں نے اسی وقت ستون کو چھوڑ دیا۔ دوسرے ہی لمحے میرا ایک پاؤں سانپ کے سر پر تھا۔ وہ تلملایا۔ اپنے جسم کو اینٹھنا شروع کیا۔ پھر وہ اسی طرح گھومتے ہوئے میرے پاؤں سے لپٹنے لگا۔ میں اپنے پاؤں کا زور ڈال رہا تھا۔ اس کے سر کو کچلتا جا رہا تھا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میں پوری طرح اس کے سر کو کچل نہیں سکوں گا کیونکہ نیچے زمین بہت ہی ملائم تھی۔ میں سانپ کے سر کو دبا رہا تھا

اور وہ زمین میں دھنستا جا رہا تھا یعنی میرے قدموں کا بوجھ اس پر ضرور پڑ رہا تھا لیکن اتنا نہیں جتنا کہ اس کے سر کو کچلنے کے لیے ضروری ہوتا۔

سر کو اچھی طرح کچلنے اور دبائے رکھنے کے باوجود سانپ زندہ تھا بلکہ اپنے جسم کے بقیہ حصے کو میرے پاؤں کے گرد سختی سے لپیٹ رہا تھا۔ بار بار بل دے رہا تھا۔ تب ہی رسونتی نے چیخ کر حیرانی سے کہا۔ "فرہاد! وہ دیکھو، تمہارے جوتے سے ایک چاقو نکلا ہوا ہے۔"

میں سانپ کی طرف متوجہ تھا۔ میں نے اپنے جوتے کی طرف خیال نہیں کیا تھا۔ رسونتی کے کہنے سے میں نے دیکھا۔ میرے جوتے کی نوک سے ایک تین انچ لمبا چاقو کا پھل نکلا ہوا تھا۔ میں بڑا حیران ہوا کیونکہ اب تک یہ میرے جوتے میں نہیں تھا لیکن یہ سمجھنے میں مجھے دیر نہیں لگی کہ ماسٹر موس ٹرونی نے جو جوتے مجھے پہنائے ہیں اس کے تلوے میں خفیہ چاقو رکھے گئے ہیں اور وہ کسی میکنزم کے تحت باہر نکل آتے ہیں۔

وہ میکنزم کیا ہے؟ میں زمین پر پاؤں رکھ کر چلتا رہا تھا۔ میرے پورے جسم کا بوجھ جوتے پر پڑتا رہا تھا لیکن چاقو کبھی باہر نہیں نکلا۔ اب جبکہ میں نے دو فٹ اوپر سے سانپ کے سر پر اپنے دائیں پیر کا زور ڈالا تھا تو اسی زور ڈالنے اور جھٹکا لگنے کے باعث شاید یہ چاقو نکلا تھا۔ اس خیال کو آزمانے کے لیے میں نے اپنے بائیں پاؤں کو دیکھا۔ پھر میں نے اس پاؤں کو اٹھا کر ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ زمین پر پٹخا۔ اس کے پٹختے ہی شپ کی آواز کے ساتھ اس جوتے کی نوک سے بھی تین انچ لمبا چاقو نکل آیا۔

اسے کہتے ہیں بغل میں بچہ شہر میں ڈھنڈورا۔ ہتھیار میرے پاس موجود تھا اور مجھے خبر نہ تھی۔ میں نے بائیں پاؤں کے چاقو سے اس سانپ کے بقیہ جسم کو کاٹنا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے پیچ ڈھیلے پڑ گئے۔ میرا پاؤں اس کی سخت گرفت سے آزاد ہوتا چلا گیا۔ اب اس کا سر میرے دائیں پاؤں کے جوتے کے نیچے دبا ہوا تھا۔ جب اس کے ٹکڑے ہو گئے تب میں نے اپنا بایاں پاؤں ہٹا دیا۔ اس کا سر آدھا زمین میں دھنسا ہوا تھا اور وہ کٹا ہوا سر تڑپ رہا تھا۔ میں نے تین انچ کے تیز آہنی پھل کو اس کے سر میں پیوست کر دیا۔

رسونتی نے اطمینان کی سانس لے کر ستون سے لپٹتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ ستون کے سہارے ذرا دیر تک کھڑی یقین کرتی رہی کہ ایک بلا سے نجات مل گئی ہے۔ پھر وہ بولی۔ "اُف! تم نے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں۔ مجھ سے دیکھا نہ جاتا تھا۔"

"اور ٹکڑے کر دیتا ہوں، تل کر کھائیں گے۔"

وہ آنکھ کھول کر ابکائی لیتے ہوئے بولی۔ "گندے کہیں کے!"

میں نے اپنا دایاں پاؤں زمین سے اٹھایا تو سانپ کا سر جوتے کی نوک والے چاقو میں پیوست ہوا تھا۔ میں نے اسے اس کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو، جوتے کا نیا ڈیزائن ہے۔ اس کا اگلا حصہ سانپ کا سر ہے۔ اب یہ فیشن چل نکلے گا۔"

"اب یہ مصیبت ختم ہو گئی ہے۔ سانپ مر گیا ہے تو بڑی شوخی سوجھ رہی ہے۔ زندہ دلی دکھا رہے ہو، ورنہ پہلے تو بڑے گھبرائے ہوئے تھے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہاں تم بہت دلیری کا ثبوت دے رہی تھیں اور میں بے چارہ بہت سہما ہوا تھا۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے۔ اس ایک بلا کے ٹلنے سے ساری بلائیں ٹل گئی ہیں؟ کیا ہم اس آہنی ستون سے آزاد ہو گئے ہیں؟ کیا ہماری ہتھکڑی کھل گئی ہے؟ کیا اس جنگل کے درندے سب مر گئے ہیں، ادھر نہیں آئیں گے؟"

رسونتی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ وہ سانپ کے مرنے کے بعد ذرا خوش ہو گئی تھی اور اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھنے لگی تھی۔ میں نے اسے موجودہ سچویشن کا احساس دلایا تو جیسے ناچتے ہوئے مور نے اپنے بھدے پاؤں دیکھ لیے ہوں۔ وہ ایک دم سے سہم گئی۔ اس کا چہرہ دیکھ کر مجھے افسوس ہوا کہ میں نے اسے یہ باتیں کیوں یاد دلائیں۔ وہ بھولی ہوئی تھی تو اس کے دماغ سے ان باتوں کو بھلائے رکھنا چاہیے تھا۔

میں سانپ کے ٹکڑوں کو وہاں سے دور پھینکنے کے لیے زمین پر بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ وہ بھی بیٹھ گئی۔ ہم اس طرح بندھے ہوئے تھے کہ ایک بیٹھتا تو دوسرے کو بھی بیٹھنا پڑتا۔ ایک کھڑا ہوتا تو دوسرے کو بھی کھڑا ہونا پڑتا۔ ہم ایک دوسرے کے عمل اور ردعمل سے منسوب ہو گئے تھے۔ میں نے ایک ایک ٹکڑے کو اٹھا کر دور پھینکتے ہوئے مذاق کرنا شروع کیا۔ سانپوں اور عورتوں سے متعلق لطیفے سنائے۔ اسے بہلانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اب تو اس کے ذہن پر پھر وہاں کا ماحول مسلط ہو گیا تھا۔ تاریک اور بھیانک جنگل چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور وہ میرے لطیفوں سے محظوظ نہیں ہو سکتی تھی۔

میں اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ سانپ کے تمام ٹکڑے وہاں سے دور پھینکنے کے بعد آرام سے زمین پر بیٹھ گیا۔ مجھے اپنا جوتا

چبھنے لگا۔ اسے اتار کر میں نے ادھر ادھر ٹٹولتے ہوئے اس چاقو کے میکنزم کو معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ بظاہر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آخر میں نے ایڑی کو پکڑ کر اس پر دباؤ ڈالا۔ کچھ نہیں ہوا۔ پھر میں نے جوتے کی ایڑی کو پکڑ کر ذرا دائیں بائیں زور سے گھمایا تو ایڑی ذرا سا سرک گئی۔ وہ چاقو شپ کی آواز کے ساتھ اندر چلا گیا۔ جوتے کی ایڑی ذرا سی ایک طرف گھوم گئی تھی۔ میں نے اسے پھر پوری قوت سے سیدھا کیا تو چاقو باہر نہیں نکلا۔ اندر ہی رہا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جوتے پر زوردار دباؤ ڈالنے سے یا ایک جھٹکے سے جوتے کو زمین پر مارنے سے چاقو باہر نکل آتا تھا اور ایڑی کو ایک طرف گھمانے سے اندر چلا جاتا تھا۔

رسونتی نے پوچھا۔ "کیا تم بھول گئے تھے کہ تمہارے جوتے میں یہ چاقو چھپے ہوتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتا تھا کہ میرے پاس یہ ہتھیار موجود ہیں۔ یہ جوتے موس ٹرونی نے مجھے دیے تھے لیکن اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا، شاید بھول گیا تھا۔"

یہ کہہ کر میں نے بائیں پاؤں کا جوتا اتار لیا۔ اس کے بعد رسونتی سے کہا۔ "تم ذرا ستون سے تھوڑی دور ہٹ کر بیٹھو۔"

وہ ذرا پیچھے چلی گئی لیکن اس کا بایاں ہاتھ پیچھے نہ جا سکا۔ میرے ساتھ ہی ستون سے لگا رہا۔ میں نے جوتے کو ایک ہاتھ کی گرفت میں لیا، پھر اس کے چاقو سے ستون کے آس پاس والی مٹی کو کھودنے لگا۔ اب امید ہو چلی تھی کہ میں اسی طرح آہستہ آہستہ کھودتے ہوئے اس ستون کو زمین سے اکھاڑ دوں گا اور اس کے اکھڑے ہوئے نچلے حصے سے ہتھکڑی کے ایک حصے کو نکال لوں گا۔ اس طرح ہم ستون سے نجات پا لیں گے۔ میری اور رسونتی کی ہتھکڑی بدستور رہے گی لیکن ستون ہمارے ساتھ نہیں رہے گا۔

ادھر سے ذرا اطمینان ہوا اور امید بندھی تو میں نے سونیا اور مرجانہ کی خبر لی۔ میں رات کے ڈیڑھ بجے ان سے رخصت ہوا تھا۔ اس وقت تک انہوں نے شیر کو بڑی طرح زخمی کر دیا تھا۔ اور شیر کسی ایسی جگہ چھپ گیا تھا یا وہاں سے چلا گیا تھا کہ اس کی آواز نہیں مل رہی تھی لیکن ہر لمحے یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ وہ کہیں چھپا ہوا ہے اور کسی سمت سے اچانک ہی حملہ کرے گا۔

وہ دونوں زمین سے تقریباً بتیس فٹ کی بلندی پر تھیں اور اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اس تنے ہوئے جال پر ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے یہ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں کہ کہیں سے وہ شیر نظر آ جائے گا۔ چاندنی خوب اچھی طرح پھیلی ہوئی تھی اور وہ دور تک دیکھ سکتی تھیں۔ ایک گھنٹے تک وہ اس شیر کا انتظار کرتی رہیں۔ جب کہیں سے اس کی کوئی آہٹ سنائی نہیں دی تو مرجانہ نے کہا۔ "اس بلا کے انتظار میں ساری رات گزر جائے گی اور وہ کمبخت نظر نہیں آئے گا۔ ہمیں کچھ کرنا چاہیے ورنہ یہ انتظار اور دہشت ہمیں مار دے گی۔"

سونیا نے سر ہلا کر کہا۔ "ہوں، میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ ہم کب تک یہاں جال کے اوپر بیٹھے رہیں گے۔ دن نکل جائے گا تب بھی یہی ڈر رہے گا کہ وہ کہیں جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ ہمیں کسی طرح معلوم کرنا چاہیے کہ وہ ہمارے آس پاس موجود ہے یا جا چکا ہے۔"

وہ دونوں تھوڑی دیر سوچتی رہیں۔ پھر سونیا نے کہا۔ "ٹھیک ہے، میں رسی کا پھندا درخت کی سب سے اونچی شاخ پر ڈال کر رسی سے جھولتے ہوئے کبھی ادھر والے درخت پر اور کبھی ادھر والے درخت پر جاؤں گی۔ چاروں طرف رسی سے جھولتے ہوئے دور دور تک دیکھوں گی کہ وہ نظر آتا ہے یا نہیں۔"

مرجانہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا تم اس طرح رسی کو پکڑ کر دور تک جا سکو گی۔ اگر کہیں کسی شاخ سے الجھ گئیں یا ٹکرا کر نیچے گر پڑیں پھر کیا ہوگا؟"

وہ سنجیدگی سے بولی۔ "میں خطرات کے وقت یہ نہیں سوچتی کہ ایسا کروں گی تو کیا ہوگا۔ اپنی جان بچانے کے لیے اپنی سلامتی کے لیے جس تدبیر پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔ اس پر عمل کرنا چاہیے۔ میں رسی سے جھولتے وقت محتاط رہوں گی۔ تم فکر نہ کرو۔"

مرجانہ کو تسلیاں دینے کے بعد اس نے جال پر پڑی ہوئی رسیاں اٹھا کر اس کا پھندا بنایا۔ پھر اسے گھما کر بہت بلندی پر ایک شاخ کی طرف پھینکا جو اس شاخ میں پھنس گیا۔

مرجانہ نے ابھی مہماتی زندگی کی ابتدا کی تھی۔ ابھی ہمارے ساتھ وہ عملی طور پر ان خطرات سے اور پیچیدہ حالات سے گزر رہی تھی۔ اس لیے وہ اس بات پر حیران تھی کہ سونیا کتنی کامیابی سے پھندا پھینک سکتی ہے۔ اسے انسانی آبادی میں ہی نہیں بلکہ جنگلوں میں بھی زندگی گزارنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ سونیا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "اچھا، گڈ بائی! میں جا رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ رسی کو مضبوطی سے تھام کر جال کے اوپر دوڑتی ہوئی رسی سے لٹکتی ہوئی دور نکل گئی۔ مرجانہ اٹھ کر جال پر کھڑی ہو گئی تھی۔ دوسری طرف سونیا دور ایک درخت کی شاخ سے لپٹ کر اس پر چڑھ گئی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے رسی کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور اب وہاں اس شاخ

پر بیٹھی ہوئی دور دور تک نظریں دوڑا رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک ہر طرف دیکھنے کے بعد جب وہ مطمئن ہو گئی اور اسے شیر نظر نہیں آیا تب وہ اس شاخ پر کھڑی ہو گئی۔ رسی کو مضبوطی سے تھام کر اپنی طرف کھینچا، پھر اس سے لٹکتی ہوئی دوسرے درخت کی طرف جانے لگی۔ وہاں بھی وہ ایک شاخ پر پہنچ کر ٹھہر گئی تھی۔ وہ چاروں طرف نظریں دوڑا رہی تھی اور اسی طرح ایک درخت سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے درخت پر جال کے چاروں طرف چکر لگا رہی تھی۔ جھولتے ہوئے نظریں دوڑاتے ہوئے شیر کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آخر واپس آ کر وہ جال پر ٹھہر گئی۔ مرجانہ کے سامنے کھڑے ہو کر بولی "شیر کہیں نہیں ہے۔"

مرجانہ نے اس کے دونوں بازوؤں کو مضبوطی سے تھام کر کہا "اس شیرنی کے سامنے کوئی شیر ٹھہر نہیں سکتا سونیا۔ جب میں نے دانشوروں سے تمام ہنر سیکھ لیے ایک ایک داؤ پیچ معلوم کر لیے اور اپنے آپ کو فولاد بنا لیا تب میں سمجھنے لگی ہوں کہ میں ناقابلِ شکست ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ میں ضدی ہوں اور کسی کے مقابلے میں شکست تسلیم نہیں کر سکتی لیکن مجھے سونیا جیسی باصلاحیت بننے میں ابھی برسوں لگیں گے۔"

سونیا نے کہا "اب بس کرو، میری اتنی تعریفیں نہ کرو۔ ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے کیونکہ اب دو گھنٹے بعد صبح ہو جائے گی۔ نیند پوری نہیں ہو سکتی۔ شاید کچھ اور آگے بڑھنے کے بعد ہم کسی آبادی تک پہنچ جائیں۔"

مرجانہ نے دور نیچے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس کے لیے ہمیں نیچے اترنا ہوگا۔ ایسا کرو کہ میں نیچے جاتی ہوں اور وہاں جا کر دو مشعلیں جلاتی ہوں۔ تم اوپر ریوالور لے کر کھڑی رہو تاکہ کہیں سے کوئی دشمن یا شیر آ جائے تو اسے گولی کا نشانہ بنا سکو۔"

سونیا نے کہا "نہیں تم زخمی ہو۔ میں تمہیں ایسا کوئی کام نہیں کرنے دوں گی۔ تم یہاں ریوالور لے کر کھڑی رہو گی، میں نیچے جاؤں گی اور مشعلیں جلاؤں گی۔"

سونیا کی بات سنتے مرجانہ نے اچانک ہی اسے دونوں بازوؤں میں اٹھایا۔ پھر سر سے بلند کر کے دور جال پر پھینک دیا۔ اس سے پہلے کہ سونیا اٹھ کر سنبھلتی، مرجانہ نے دوڑ کر رسی کو تھام لیا پھر نیچے کی طرف کھسکتے ہوئے اور زمین کی طرف جاتے ہوئے بولی "میں نیچے جا رہی ہوں۔ ریوالور اٹھا لو۔ تمہارا فرض ہے کہ میری حفاظت کرو۔ اب جھنجھلانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔"

سونیا ریوالور تھام کر جال کے سرے پر آ گئی۔ وہاں سے نیچے مرجانہ کو بڑے پیار سے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگی۔ مرجانہ سامان میں سے دو مشعلیں نکال کر انہیں روشن کر رہی تھی۔ اس نے ایک مشعل کو روشن کر کے سامان اور خچروں کے پاس زمین میں گاڑ دیا۔ دوسری مشعل کو ان دو درختوں کے درمیان زمین میں نصب کیا جن کے ساتھ وہ جال بندھا تھا۔ پھر وہ رسی پر چڑھتے ہوئے واپس جال میں آئی۔ سونیا نے اس کا گریبان پکڑ کر پوچھا "کیوں مجھے اٹھا کر کیوں پھینکا تھا؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "تم سیدھی طرح ماننے والی نہیں تھیں۔ چلو اب اس درخت پر جا کر جال کو کھولو۔ میں یہاں سے کھولتی ہوں۔ پھر ہم نیچے جا کر تمام سامان کو پیک کریں گے۔"

وہ دونوں دو درختوں پر پہنچ گئیں۔ وہاں سے اس جال کو کھولنے لگیں۔ تقریباً رات کے ساڑھے تین بجے انہوں نے تمام سامان باندھ لیا۔ پھر انہیں خچروں پر لاد کر اور خود گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ جب میں ان کے پاس پہنچا اس وقت صبح کے تقریباً چھ بجنے والے تھے۔ ادھر میں ستون کے اطراف مٹی کھودتا جا رہا تھا۔ کبھی جوتے سے لگے ہوئے چاقو سے کھودتا تھا، کبھی ہاتھ سے مٹی نکال نکال کر پھینکتا تھا۔ اس میں بڑا وقت لگ رہا تھا۔ اس کام کے دوران میں نے سونیا اور مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر یہ ساری معلومات حاصل کی تھیں جہاں انہوں نے رات کو قیام کیا تھا۔ اب وہ وہاں سے کئی میل دور آگے نکل گئی تھیں۔ وہ زخمی شیر ان کے مقابلے پر پھر نہیں آیا تھا۔ کسی دوسری طرف نکل گیا تھا یا شاید مر گیا تھا۔

میں نے سونیا اور مرجانہ کو مخاطب کر کے مختصر الفاظ میں اپنی روداد سنائی کہ میں اور رسونتی کس طرح ستون سے بندھے ہیں۔ کس طرح ایک زہریلے سانپ نے ہمیں دہشت زدہ کر رکھا تھا اور اب میں مٹی کھود کر اس ستون کو اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہوں تاکہ ہم ایک جگہ بندھے رہنے سے نجات پا جائیں۔

سونیا اور مرجانہ میری روداد سن کر تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔ رسونتی سے بندھے رہنے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ فکر اس بات کی تھی کہ رسونتی مہماتی زندگی گزارنے والی لڑکی نہیں تھی۔ وہ نازک اندام تھی اور خطرات کا مقابلہ کرنا نہیں جانتی تھی۔ میرے شانہ بشانہ جس طرح سونیا آج تک جدوجہد کرتی آئی تھی ایسی جدوجہد کا رسونتی خواب بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ بہرحال سونیا اور مرجانہ اس بات پر کڑھ رہی تھی کہ جس راستے پر وہ سفر کر رہی ہیں وہ راستہ میری طرف نہیں جا رہا ہے۔ پتہ نہیں انہیں کہاں لے جا رہا ہے؟

میں نے انہیں تسلی دی کہ وہ فکر نہ کریں۔ میں جنگل میں پہنچ گیا ہوں۔ بلا سے مجھ پر مصیبتیں ٹوٹ رہی ہیں اور دشمنوں نے بڑی عجیب و غریب سزا مجھے دی ہے۔ اس کے باوجود میں اللہ

تعالیٰ سے یہ امید رکھتا ہوں کہ ہم سب اسی جنگل میں ملیں گے اور دشمنوں کے خلاف محاذ بنائیں گے۔

اس وقت دن کا اجالا اچھی طرح پھیل گیا تھا۔ دور دور تک جنگل نظر آ رہا تھا۔ سونیا اور مرجانہ نے چلتے چلتے اچانک گھوڑے کی لگام کو کھینچ کر روک دیا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولیں "فرہاد! معلوم ہوتا ہے کہ ہم آبادی کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ سامنے ہی ایک سڑک نظر آ رہی ہے اور وہ پختہ سڑک ہے۔"

میں نے کہا "مبارک ہو۔ اب تم دونوں واقعی اس جنگل سے نجات حاصل کر کے آبادی میں پہنچ جاؤ گی۔ ہماری بہت سی مصیبتیں دور ہو جائیں گی۔ تم کسی بھی آبادی میں پہنچ کر ٹرانسمیٹر، ٹیلی فون وغیرہ سے رابطہ قائم کر سکتی ہو۔ پھر وہاں سے ایک ٹیم بنا کر ہماری تلاش میں ادھر آ سکتی ہو۔"

"ہاں میں ایسا ہی کروں گی۔"

وہ دونوں تیزی سے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے اور خچروں کو ہانکتے ہوئے اس سڑک کی طرف جانے لگیں۔ ادھر میں مٹی کھودتا جا رہا تھا اور کافی حد تک کھود چکا تھا۔ بہت گہرائی تک مٹی نکال لینے کے بعد میں نے ستون کو ہلایا تو وہ ادھر ادھر ہلنے لگا۔ اب میں اسے اچھی طرح ہلانے کے بعد اکھاڑ سکتا تھا۔

اسی وقت شیر کی غراہٹ سنائی دی۔ میں اور رسونتی ایک دم سکتے میں آ گئے۔ پہلے ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ کہیں بہت دور سے وہ غراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ میں نے رسونتی کو دیکھا تو اس کا منہ لٹک گیا تھا۔ اب تب میں رونے ہی والی تھی۔ میں نے کہا "دیکھو خدا کے لیے حوصلہ رکھو، رونے سے شیر تمہیں معاف نہیں کرے گا۔"

یہ کہتے ہی میں نے اس ستون کو زور زور سے دھکے دینے شروع کیے۔ وہ ادھر سے ادھر ہل رہا تھا اور زمین کو چھوڑتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ میں نے اس کو ایک جھٹکے سے اکھاڑ لیا۔ پھر اسے زمین کے اوپر لے آیا۔ اسی وقت شیر کی غراہٹ بڑی قریب سنائی دی۔ تب میں نے دیکھا۔ وہ ہم سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھا۔

میں نے ستون کے اوپری حصے کو دیکھا جہاں تار مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔ میں اس ستون کو زور زور سے دھکے دے کر تار کو کھینچنے لگا۔ وہ تار ڈھیلے پڑ رہے تھے مگر ٹوٹ نہیں سکتے تھے۔ بار بار دھکے دینے کا فائدہ اتنا ہوا کہ ستون کا اوپری حصہ کچھ نیچے آ گیا۔ اب وہ ستون ہمارے لیے ایسا معمولی سا ہتھیار بن گیا تھا کہ جس کے ذریعے ہم شیر کو مار نہیں سکتے تھے لیکن اس درندے سے کھیل سکتے تھے اور کھیل ہی کھیل میں اسے اپنے سے دور رکھ سکتے تھے۔

میں نے پھر شیر کی طرف دیکھا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ کچھ آگے بڑھتے ہی وہ لڑکھڑا کر گر پڑا اور کراہنے لگا۔ تب میں نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ زخموں سے چور تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے جسم پر گولیاں لگی ہیں۔ ہو سکتا تھا کہ کچھ گولیاں آر پار گئی ہوں اور کچھ اس کے جسم میں رہ گئی ہوں۔ وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا اور غرا رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر ہماری طرف بڑھنے لگا۔

یقیناً یہ وہی شیر تھا جو پچھلی رات سونیا اور مرجانہ کو پریشان کر چکا تھا اور انہی کے ہاتھوں زخمی ہو کر وہاں سے بھاگتا ہوا یہاں پہنچا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ تیزی سے ہماری طرف نہیں آ سکے گا اور نہ ہی چھلانگ لگا کر ہم پر جھپٹے گا۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی مگر یہ بات یقینی تھی وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب تک وہ ہمارے قریب آئے اس وقت تک میں اس ہتھکڑی کو ستون سے نکال لوں گا اور رسونتی کے ساتھ دوڑتا ہوا کالج کے اندر چلا جاؤں گا۔

شیر کی دھیمی رفتار دیکھ کر میں نے ہتھکڑی کو ستون سے نکالنے کی کوشش کی۔ ہتھکڑی جب سیدھی ستون سے گزرتی تھی تو گزرتی چلی جاتی تھی۔ جب ذرا ٹیڑھی ہوتی تھی تو پھنس جاتی تھی۔ اسے نکالنے میں بڑی سہولت سے کام لینا پڑا۔ ٹھہر ٹھہر کر اسے ستون کے نچلے حصے تک پہنچانا پڑا۔ وہ ستون کے آخری حصے تک پہنچ گئی۔ اس وقت تک شیر آگے بڑھتے بڑھتے کالج کے برآمدے تک پہنچ گیا۔ یعنی ادھر ہم نے ہتھکڑی کو ستون سے نکال کر اس ستون سے نجات حاصل کی تو ادھر شیر نے برآمدے میں پہنچ کر ہمارے کالج کے اندر جانے کا راستہ روک دیا تھا۔

وہ غصے میں تھا اور زخموں کی تکالیف کے باعث جھلایا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کس طرح ہمارا راستہ روک سکتا ہے اور راستہ روکنے کے بعد ہم پر حملہ کر سکتا ہے۔ وہ ستون میرے اور رسونتی کے درمیان تھا۔ میں نے اسے مضبوطی سے ہتھیار کے طور پر تھام لیا۔ ادھر وہ شیر کبھی زور زور سے غرا رہا تھا، کبھی اپنا سر گھما کر ادھر سے ادھر اپنے زخموں کو چاٹ رہا تھا اور اپنا ہی لہو چاٹنے کے بعد غصے میں آ کر ایک دم سے اچھل پڑتا تھا۔ پھر تکلیف کے باعث بیٹھ جاتا تھا۔

اس کی عجیب عجیب حرکتیں دیکھنے میں آ رہی تھیں اور

ہر حرکت بڑی ہی غضب ناک تھی۔ دہشت زدہ کرنے والی تھی۔ رسونتی تو مارے دہشت کے کانپ رہی تھی۔ رہ رہ کر میرا بازو تھام لیتی تھی۔ پھر اسے خیال آتا تھا کہ وہ مجھے پکڑے گی تو میں اپنے اور اس کے بچاؤ کے لیے اس ستون کو ہتھیار کے طور پر استعمال نہیں کر سکوں گا۔ لہٰذا وہ مجھے آزاد چھوڑ دیتی تھی۔

میرے اور شیر کے درمیان وہ بیگ پڑا ہوا تھا جسے دشمنوں نے میری پشت سے کھول کر اُدھر پھینک دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ آگے بڑھ کر اسے اٹھانا چاہیے۔ ہوسکتا ہے اس میں کوئی ایسی چیز یا ایسا ہتھیار ہو جو شیر کے خلاف کام آسکے۔ مجھے یاد نہیں تھا کہ اس میں کتنی ساری چیزیں بھری ہوئی ہیں۔

میں نے سنا تھا کہ زخمی شیر بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ خود مرتے مرتے شکاریوں کو بھی لے مرتا ہے۔ اس وقت میں نے ذاتی طور پر یہ تجربہ کیا۔ میں نے اس بیگ تک پہنچنے کے لیے جیسے ہی قدم بڑھایا وہ ادھر سے بپھر گیا۔ آگے بڑھ کر حملہ کرنے کے لیے پینترے بدلنے لگا۔ میں نے بھی اس کے پینترے کی مناسبت سے خود پینترے بدلتے ہوئے ستون کے آخری سرے کو اس کی طرف رکھا تاکہ وہ جدھر سے بھی آئے اُدھر سے میں اس ستون کے ذریعے اسے دوسری طرف دھکیل دوں اور اپنی طرف آنے کا موقع نہ دوں۔

پھر ایسا ہی ہوا۔ وہ شیر جدھر سے ہماری طرف بڑھنے کی کوشش کرتا تھا، میں ستون کے ذریعے اسے جھٹکے دیتا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ پھر آگے بڑھتا تھا۔ پھر ستون کے ذریعے دھکے کھا کر دوسری طرف چلا جاتا تھا۔ یہ کھیل بہت دیر تک جاری رہا، آخر وہ جھنجلا گیا۔ جھنجلا کر پیچھے ہٹا۔ پیچھے جا کر کچھ اس طریقے سے اپنے بدن کو کھینچنے اور تاننے لگا کہ اندازہ ہوا اب ایک دم سے چھلانگ لگانے ہی والا ہے۔

اس کی چھلانگ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوتی۔ کیونکہ جتنی اونچی چھلانگ وہ لگاتا، میں اتنی اونچائی تک ستون کے آخری حصے کو اٹھا نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ دوسری طرف تاروں سے بندھا ہوا تھا۔ اس کے اٹھنے کی ایک حد مقرر تھی۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ شیر نے پینترا بدلتے ہوئے اچانک ایک زبردست چھلانگ لگائی۔ سیدھا ہماری طرف آیا۔ ہم نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ مجھ پر آئے گا یا رسونتی پر۔ اسی وقت فضا میں سے گولی کی آواز سنائی دی اور شیر فضا میں ہی تڑپ کر نیچے گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسری بار سنبھلتا، پھر دوسری بار فضا میں سے گولی کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد وہ اٹھ نہ سکا۔ زمین پر ٹھنڈا ٹھنڈا لیٹ گیا۔

تھوڑی دیر کے لیے ہم پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ جنگل میں بالکل خاموشی چھا گئی۔ شیر کی غراہٹ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی تھی مگر ہم زندہ کیسے رہ گئے تھے۔ وہ کون تھا جس نے فائرنگ کے ذریعے ہماری جان بچائی تھی۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا تو دور ایک جگہ ہر دلیو اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے ذرا سر اٹھا کر دیکھا۔ ہم اسے دیکھتے ہی ایک دم سے چونک گئے۔ اس کے چہرے پر اور پورے جسم پر آبلے پڑ گئے تھے۔ منہ سے اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے زندگی کی آخری سانسیں گننے سے پہلے ہماری جان بچائی تھی۔ جب اسے یقین ہوا کہ شیر مر چکا ہے تو اس کا ریوالور والا ہاتھ زمین پر گر پڑا۔ پھر اس کا سر زمین پر ٹِک گیا اور وہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا۔

میں ستون کو چھوڑ کر رسونتی کو کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے کر دوڑتے ہوئے ہر دلیو کے پاس پہنچا۔ دیکھا نہ جاتا تھا، دیکھا نہ گیا۔ پتہ نہیں وہ کس قسم کا سانپ تھا جس کے ڈسنے کا اثر یہ ہوا تھا کہ تمام بدن پر آبلے پڑ گئے تھے۔ وہ اذیتوں میں مبتلا ہو کر ساری رات گزارنے کے بعد صبح تک اسی جذبے سے زندہ تھا کہ جیسے بیٹی کہہ چکی ہے اس کی زندگی بچانے کے لیے یہاں تک گھسٹتے ہوئے آئے گا اور وہ آیا تھا اور اس نے اپنی بیٹی کی جان ایک بار پھر بچائی تھی۔ اس کی لاش کے سامنے میرا سر عقیدت سے جھک گیا۔

رسونتی دونوں ہاتھوں سے منہ کو ڈھانپ کر رو رہی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر تک اسے رونے دیا۔ ایک شخص نے باپ بن کر اپنا فرض ادا کیا تھا اور اس فرض کی ادائیگی پر بیٹی کو رونا آرہا تھا۔ آخر میں نے رسونتی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "صبر کرو۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اگر ہم یہاں ماتم کرتے رہ جائیں گے تو دشمن ہم تک پہنچ جائیں گے۔ وہ لوگ شام تک یہاں آنے والے ہیں۔ ہمیں اس سے پہلے یہاں سے نکل جانا ہے اور اس سے بھی پہلے اس ہتھکڑی سے نجات پانا ہے۔"

رسونتی نے روتے ہوئے کہا "میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے دشمنوں کی پروا نہیں ہے مجھے اپنی موت سے بھی ڈر نہیں لگتا۔ میں سب سے پہلے بابا کی آخری رسمیں پوری کروں گی۔ سب سے پہلے ان کی چتا کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگاؤں گی پھر کوئی دوسرا کام کروں گی۔"

میں نے اسے سمجھایا "نادان نہ بنو۔ میں جانتا ہوں ہر دلیو کے مذہب کے مطابق اس کی لاش جلائی جائے لیکن تم سوچو کہ ایک تو میرا ہاتھ ہتھکڑی سے بندھے ہوئے ہیں۔ میں کلہاڑی لے کر درخت کاٹ نہیں سکتا۔ لکڑیاں جمع نہیں کر سکتا۔ ان لکڑیوں کو کاٹتے کاٹتے صبح سے شام ہو جائے گی۔ پھر بھی چتا کے لیے میں تنہا اتنی لکڑیاں اکٹھی نہیں کر سکوں گا۔"

"تو کیا تم میرے بابا کو ایسے ہی یہاں سے چھوڑ کر جانا چاہتے ہو؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں میں ایسا کم ظرف نہیں ہوں۔ اس شخص نے بہت بڑی انسانیت کا ثبوت دیا ہے۔ میں اسے یہاں دفن کر کے جاؤں گا۔ فی الحال جلدی میں یہی ہو سکتا ہے لیکن میں جو کچھ بھی کروں گا اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس ہتھکڑی سے نجات حاصل کی جائے اور اس کے لیے ابھی ہم کالج کے اسٹور روم میں جا کر دیکھیں گے۔ شاید کوئی اوزار ایسا ملے جس سے یہ ہتھکڑی کھل سکے۔"

میں اسے سمجھا بجھا کر ہر دلیو کے پاس سے اٹھا کر اپنے ساتھ کالج میں لے آیا۔ وہاں اسٹور روم میں پہنچ کر ہم نے تمام سامان کی تلاشی لی بہت سے لوہے کے اوزار تھے۔ اگر کوئی لوہے کی آری ہوتی تو اس سے ہتھکڑی کو کاٹا جا سکتا تھا لیکن آری نہ ملی۔ البتہ ایک چھینی اور ہتھوڑی مل گئی۔ اس کے ذریعے بھی ہتھکڑی کو کسی نہ کسی طرح کاٹا جا سکتا تھا۔

اسٹور روم سے باہر آکر ہم پکے فرش پر بیٹھ گئے۔ میں نے رسونتی سے کہا کہ اپنا ہاتھ فرش کے ساتھ لگا کر رکھے اور دوسرے ہاتھ سے اس چھینی کو ہتھکڑی کے درمیان رکھے۔ میں ہتھوڑی سے ضربیں لگاؤں گا تو یہ آہستہ آہستہ کٹتی چلی جائے گی۔

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ چھینی کو انگلیوں سے پکڑ کر ہتھکڑی کے درمیان رکھا۔ میں نے ہتھوڑی سے ایک زوردار ضرب لگائی تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ چھینی کو پھینک کر اپنا ہاتھ جھٹکنے لگی۔ میری ایک ضرب لگنے سے اس کی انگلیاں جھنجھنا گئی تھیں۔ وہ ایسی ہی نازک تھی۔ ایسی ضربیں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے کہا "اگر تم اتنی نزاکت سے کام لو گی تو ہم اس جنگل سے نہیں نکل سکیں گے۔ اپنے آپ کو سخت جان بنانے کی کوشش کرو۔ ٹھیک ہے کہ ہتھوڑی سے ضربیں لگنے سے انگلیاں جھنجھنا اٹھتی ہیں لیکن صرف پہلے پہل ایسا ہوگا۔ پھر تمہیں برداشت کرنے کی عادت ہو جائے گی۔ چلو چھینی کو پکڑو۔"

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں میرے ہاتھوں میں اتنی طاقت نہیں ہے۔ میری انگلیاں دکھ رہی ہیں۔"

میں نے سوچا۔ نرمی سے کام نہیں چلے گا۔ اس لیے اسے ڈانٹ کر کہا کہ وہ چھینی کو اٹھا کر مضبوطی سے پکڑ لے۔ میرے ڈانٹنے پر وہ برا مان گئی۔ ناراضگی سے منہ پھلا لیا۔ میں نے کہا "مجھ پر تمہاری ناراضگی کا ذرا بھی اثر نہیں ہوگا جو کہتا ہوں وہ کرو۔"

اس نے مجبور ہو کر چھینی کو پھر اٹھایا اور اسے ہتھکڑی کے درمیان رکھا۔ میں نے ایک بار پھر زوردار ضرب لگائی۔ اس کے ساتھ ہی وہ چیخ مار کر چھینی کو چھوڑتے ہوئے رونے لگی۔ مجھے اس کے رونے پر ہنسی آگئی۔ وہ منہ پھیر کر روتے ہوئے بولی "میری مجبوریوں کا مذاق اڑا رہے ہو۔ بہت ہنسی آرہی ہے۔ شرم نہیں آتی۔ اگر میں اس ہتھکڑی سے بندھی نہ رہتی تو ابھی تم سے منہ پھیر کر کہیں چلی جاتی۔ کبھی تمہارا سامنا نہ کرتی۔"

میں نے ہتھوڑی اور چھینی کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "فی الحال تو تم ہتھکڑی سے بندھی ہوئی ہو کہیں جا نہیں سکو گی اور میں اس ہتھکڑی کو تمہاری مدد سے نہیں کاٹ سکوں گا۔ یہ کوشش فضول ہے۔ وقت ضائع ہوگا۔ چلو اٹھو۔"

میں وہاں سے اٹھ کر اس کے ساتھ پھر اسٹور روم میں گیا۔ وہ اپنے آنسو پونچھتی رہی۔ میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ وہاں سے ایک کدال اٹھا کر کالج سے باہر آیا۔ باہر آکر میں نے پہلے اپنا وہ بیگ پشت کی طرف رکھتے ہوئے اس سے کہا "اسے میری پشت پر باندھ دو۔ ہو سکتا ہے کہ اچانک ہی کوئی دشمن آجائے۔ کم از کم یہ بیگ تو میرے ساتھ رہے گا۔"

رسونتی نے اس بیگ کو میری پشت سے باندھ دیا۔ اس کے بعد میں پھر اسی اکھڑے ہوئے ستون کے پاس آیا۔ وہاں میرے جوتے پڑے ہوئے تھے۔ میں انھیں پہننے لگا۔ مجھے ہر طرح تیار رہنا چاہیے تھا۔ پتہ نہیں کون سا وقت کیسا ہوتا اور کس وقت ہمیں یہاں سے بھاگنا پڑتا اس لیے میں نے جوتے بھی پہن لیے۔ اس کے بعد ایک جگہ جا کر ہر دلیو کی لاش کے قریب ہی زمین کو کھودنے لگا۔

میں قبر کھودنے کی تفصیل بیان نہیں کر سکتا۔ بڑی

دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ ایک ہاتھ سے میں کدال نہیں چلا سکتا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے کدال چلاتے وقت تیسرا ہاتھ رسونتی کا ہوتا تھا اور وہ کدال کی ہر ضرب کے ساتھ جھٹکے کھاتی تھی۔ ہتھکڑی میں پھنسی ہوئی اُس کی کلائی دُکھنے لگتی تھی اور وہ بار بار کراہنے لگتی تھی۔ بڑی مصیبتوں سے میں نے ایک قبر کھودی۔ ایک چادر کاٹیج سے لا کر اس میں ہردلیو کے جسم کو لپیٹا اور اُسے آہستگی سے قبر میں اُتار دیا۔ اُسے دفن کر کے مٹی برابر کرنے کے بعد میں نے اُس کے سرہانے ایک چھوٹی سی درخت کی شاخ نصب کر دی۔ پھر رسونتی کے ساتھ چلتا ہوا۔ تھکے ہوئے انداز میں آ کر کاٹیج میں بیٹھ گیا۔ میں پچھلی رات سے بھوکا تھا۔ وہاں تھوڑے سے بسکٹ وغیرہ تھے جو ہم نے کھا لیے اور پھر آدھے گھنٹے کے لیے لیٹ گئے۔

❁

دن کے دس بجے تک ہم نے وہاں سے فرار ہونے کے تمام انتظامات مکمل کر لیے۔ کھانے کا تھوڑا سا سامان بیگ میں رکھ لیا۔ زیادہ اس لیے نہیں رکھا کہ رسونتی بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ پھر یہ کہ موس ٹروڈی نے مجھے ایسی گولیاں دی تھیں جنھیں کھانے کے بعد چوبیس گھنٹے تک بھوک نہیں لگ سکتی تھی۔ لہٰذا کھانے کی فکر نہیں تھی۔ دو بڑے بڑے تھرماس میں پانی بھر لیا گیا۔ ایک تھرماس کو رسونتی نے اپنے شانے سے لٹکا لیا۔ دوسرے کو میں نے۔ ہردلیو کے پاس سے جو ریوالور اور کارتوس کی پیٹی ملی تھی وہ میں نے اپنے پاس رکھ لی۔ اُس کے پاس سے چھرا بھی برآمد ہوا تھا۔ وہ ہتھوڑی اور چھینی میرے لیے ضروری تھی۔ میں نے سوچا کہیں کسی موقع پر یہ ہتھکڑی کو کاٹنے کے کام آ سکتی ہیں اس لیے میں نے انھیں بھی بیگ میں ڈال لیا تھا۔

دشمنوں نے کہا تھا کہ اگر ہم رات کو درندوں سے بچ گئے تو دوسرے دن بھوکے پیاسے دھوپ میں چلتے رہیں گے لیکن اس وقت دھوپ نہیں نکلی تھی۔ بادل چھائے ہوئے تھے اور اب تب میں بارش ہونے ہی والی تھی۔ دس بج کر پچیس منٹ پر جب ہم نے سفر شروع کرنا چاہا تو اچانک ہی بارش ہونے لگی۔ اس بارش سے ایک بہت بڑا نقصان ہوا۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ جو شیر زخمی ہو کر سونیا اور مرجانہ کے پاس سے یہاں تک آیا تھا وہ اپنے لہو کے دھبے راستے میں چھوڑتا آیا ہوگا۔ میں انہی دھبوں کے ذریعے اُس جگہ پہنچ جاؤں گا جہاں پچھلی رات سونیا اور مرجانہ نے قیام کیا تھا۔ پھر وہاں سے میں قطب نما دیکھ کر اس سمت جاؤں گا جس سمت وہ دونوں گئی تھیں۔ اس طرح میں اُس پختہ سڑک تک پہنچ جاؤں گا۔

لیکن میرا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ بارش زور پکڑتی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس جنگل میں جہاں کہیں بھی خون کے دھبے ہوں گے وہ بارش سے مٹ گئے ہوں گے۔

رسونتی نے پوچھا: "اتنی تیز بارش ہو رہی ہے۔ ہم یہاں سے کیسے جا سکتے ہیں؟"

"اگر ہم یہاں سے نہیں جائیں گے تو شام تک دشمن ہمیں نئی مصیبتوں میں مبتلا کر دیں گے۔ بارش ہو، طوفان ہو، جو کچھ بھی ہو ہمیں یہاں سے اسی وقت نکلنا ہوگا۔ اسٹور روم میں ایک صندوق کے اندر پلاسٹک کی بڑی بڑی چادریں ہیں۔ آؤ، ہم انھیں نکال لیتے ہیں۔"

پھر ہم نے یہی کیا۔ تقریباً پونے گیارہ بجے ہم پلاسٹک کی بڑی سی چادر ایک ساتھ اوڑھ کر وہاں سے نکلے اور ایک سمت چلنے لگے۔ ہماری کوئی منزل کوئی راستہ نہ تھا لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ قطب نما دیکھ کر کسی ایک سمت چلتا چلا جاؤں گا۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی انسانی آبادی ضرور ملے گی۔

بہت دیر تک اور بہت دور تک چلتے رہنے کے بعد رسونتی نے پوچھا: "فرہاد، ہم کب تک چلتے رہیں گے؟"

"جب تک تمھارے قدم ہمیں آگے بڑھنے دیں گے، ہم بڑھتے رہیں گے۔"

"اگر تھک جائیں تو؟"

"تو دم لینے کے لیے ذرا بیٹھ جائیں گے۔ رات آئے گی تو کہیں صبح کرنے کا انتظام کر لیں گے۔ اس کے بعد پھر سے چل پڑیں گے۔ اُس وقت تک چلتے رہیں گے جب تک کہ کوئی انسانی آبادی نظر نہیں آئے گی۔ ہم جتنی دور تک چل سکتے ہیں، جتنی تیزی سے چل سکتے ہیں، اتنا ہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ ہم اپنے دشمنوں سے میلوں دور ہوتے چلے جائیں گے۔"

وہ خاموشی سے میرے ساتھ چلنے لگی۔ میں نے سونیا اور مرجانہ سے رابطہ قائم کیا۔ اُن دونوں سے جب بھی رابطہ قائم کرتا تو باری باری اُن کے دماغوں میں پہنچتا تھا تاکہ کسی کو شکایت نہ ہو۔ میں نے سونیا سے پوچھا: "اب کتنی دور رہ گئی ہے تمھاری آبادی؟"

وہ بولی: "ہم تو اس پختہ سڑک پر چلتے جا رہے ہیں لیکن ابھی تک آبادی کا نام و نشان نہیں ہے۔ کوئی گاڑی بھی اس سڑک پر سے نہیں گزر رہی ہے لیکن امید ہے کہ ہم دوپہر تک یا شام تک ضرور کسی نہ کسی آبادی میں پہنچ جائیں گے۔"

میں نے کہا: "اس وقت ہم جنگل کے جس حصے سے گزر رہے ہیں وہاں تیز بارش ہو رہی ہے۔ رسونتی میرے ساتھ ہتھکڑی میں بندھی ہوئی ہے۔ بے چاری نے کبھی ایسی مصیبتیں نہیں اٹھائی تھیں۔ وہ مجبوراً ایسے حالات سے گزر رہی ہے۔ تمھاری سوچ سے پتہ چل رہا ہے کہ تم جس علاقے سے گزر رہی ہو وہاں بارش نہیں ہو رہی ہے۔"

"ہاں، یہاں بادل چھائے ہوئے ہیں، بارش کے آثار ہیں لیکن یہی غنیمت ہے کہ ہم بھیگنے سے محفوظ ہیں۔"

"سونیا! میں نے اس وقت ایک اہم بات کہنے کے لیے تم سے رابطہ قائم کیا ہے۔ میں نے پچھلی رات کی روداد تمھیں سنائی ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ دشمن ایک کیسٹ ریکارڈر میرے پاس چھوڑ گئے تھے۔ میں نے کیسٹ سے اُبھرنے والی جو آوازیں سنیں اُس کو بھی مختصر طور پر تمھارے سامنے بیان کر دیا تھا لیکن اُس کی ایک اہم بات میرے دماغ میں برابر چبھ رہی ہے۔ دشمن کی طرف سے کہا گیا ہے کہ وہ لوگ براہ راست نہ سہی بالواسطہ مجھ سے کام لے رہے ہیں اور انہیں میری ذات سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔ میں اُس وقت سے یہ سوچ رہا ہوں کہ میں کس طرح اُن کے کام آ رہا ہوں؟ وہ لوگ کیسی چالیں چل رہے ہیں؟ میں یہ بات تمھارے دماغ میں ڈالنا چاہتا ہوں اگر تم بھی اس پہلو پر غور کرو اور مجھے بتاؤ کہ دشمن مجھ سے کس طرح اپنا کام نکال سکتے ہیں؟"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی: "واقعی یہ بات بہت اہم ہے۔ تمھاری باتیں سننے کے بعد یوں لگتا ہے جیسے ہم سب کو اس جنگل میں پہنچا کر کسی نہ کسی طریقے سے احمق بنایا جا رہا ہے اور ہم سے کوئی کام نکالا جا رہا ہے۔ اس بات پر یقیناً سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا اور میں کر رہی ہوں۔"

"اب ایک بات اور سن لو اور وہ یہ کہ مرجانہ کو اب اپنی امّی کے پاس رہنا چاہیے۔ سائرہ بانو کو تنہا چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ میرے ذہن میں یہ تدبیر ہے کہ ادھر سے مرجانہ کو اور اُدھر سے سائرہ بانو کو پاکستان روانہ کر دیا جائے۔ دونوں ماں بیٹی وہیں رہیں گی۔ ہم اِس جنگل سے نکلنے کے بعد پاکستان جائیں گے اور کچھ عرصہ وہیں قیام کریں گے۔ وہ میرا وطن ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب وہاں محفوظ رہ سکیں گے۔ دشمنوں کا جم کر مقابلہ کر سکیں گے۔ اگر تمھیں میری رائے سے اختلاف ہو تو مجھ سے اس سلسلے میں بحث کر سکتی ہو۔"

"میں ابھی بحث نہیں کرنا چاہتی۔ میں اسی نکتے پر غور کروں گی کہ دشمن کیسی چالیں چل رہے ہیں اور کس طرح ہم سے کام لے رہے ہیں، ویسے دونوں ماں بیٹی کا تحفظ اسی میں ہے کہ انھیں پاکستان پہنچا دیا جائے۔ نہ مرجانہ ہمارے ساتھ بھٹکے گی اور دشمنوں کا شکار ہوتی رہے گی اور نہ اُدھر سائرہ بانو ماسٹر موس ٹروڈی وغیرہ کی محتاج رہیں گی۔ دونوں ماں بیٹی کو واقعی اب پاکستان پہنچ جانا چاہیے۔ میں اسے سمجھاتی ہوں۔"

"تم ابھی مرجانہ سے کچھ نہ کہو۔ میں اُس سے باتیں کر رہا ہوں۔ جب وہ نہیں مانے گی تب تم بھی اپنے طور پر اُسے سمجھانا اور یقین دلانا کہ ہم سب پاکستان پہنچنے والے ہیں۔"

میں سونیا کو چھوڑ کر مرجانہ کے پاس آ گیا۔ میں نے اسے تمام باتیں تفصیل سے بتائیں۔ پھر اُسے احساس دلایا کہ سائرہ بانو لاکھ ماسٹر موس ٹروڈی وغیرہ کی حفاظت میں سہی لیکن ہم میں سے کسی کو اُن کے پاس رہنا چاہیے۔ اب وہ سونیا کے ساتھ کسی آبادی میں پہنچنے والی ہے لہٰذا اُسے اپنی امّی کے پاس پہنچنا چاہیے۔

اس نے پوچھا: "میں تنہا اپنی امّی کے پاس جاؤں گی۔ کیا تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گے؟"

میں نے کہا: "پہلے سونیا موس ٹروڈی وغیرہ سے رابطہ قائم کر کے تمھارے پاکستان جانے کا انتظام کرے گی۔ اُدھر سے تمھاری امّی کو بھی پاکستان بھیجا جائے گا۔ تم دونوں وہاں رہو گی پھر ہم اس جنگل سے نکلتے ہی تمھارے پاس پہنچ جائیں گے۔"

"فرہاد، کہیں تم مجھے بہلا تو نہیں رہے ہو یا مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو؟"

"احمقانہ باتیں نہ کرو۔ بھلا میں تم سے کیوں پیچھا چھڑانا چاہوں گا۔ میں تو تمھاری امّی کی بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں۔ ہمیں اپنا محاذ بنانے کے لیے ایک مناسب جگہ کی ضرورت ہے اور وہ مناسب جگہ ہمارا اپنا وطن ہے۔"

"تم رسونتی کے ساتھ جنگل میں بھٹک رہے ہو۔ میں امّی کے پاس پاکستان میں رہوں گی، سونیا آبادی میں پہنچ کر کیا کرے گی؟"

"وہ آبادی میں پہنچ کر ایک سرچنگ ٹیم بنائے گی۔ پھر ہمیں تلاش کرنے کے لیے دوبارہ اس جنگل میں آئے گی اور ہمیں ڈھونڈ نکالے گی۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر تم سونیا اور رسونتی کے ساتھ پاکستان آنے کا مصمم ارادہ کرچکے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

مرجانہ کے راضی ہونے پر میں نے محسوس کیا۔ جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اُتر گیا ہو۔ مجھے یقین تھا کہ جلال بیگ اُن ماں بیٹی کے پیچھے ضرور پاکستان پہنچے گا۔ اس لیے میرا بھی یہ پختہ ارادہ تھا کہ اس جنگل سے نکلتے ہی میں اپنے وطن جاؤں گا۔ جلال بیگ کے متعلق سوچتے ہوئے مجھے اُس کی تصویر یاد آئی۔ میں نے موس ٹردنی کے دماغ میں پہنچ کر جھانکنا چاہا۔ تاکہ جلال بیگ کی تصویر کے متعلق معلومات حاصل کروں لیکن میں رسونتی کے ساتھ چلتے چلتے ٹھٹک کر کھڑا ہوگیا۔ مجھے ماسٹر موس ٹردنی کا دماغ نہیں مل رہا تھا۔ میری سوچ وہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ ظاہر ہے اس کا مطلب یہی تھا کہ موس ٹردنی اب اس دنیا میں نہیں رہا۔

رسونتی نے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ تم کیوں رُک گئے؟"

"وہ جو پیرس میں ماسٹر موس ٹردنی تھا۔ جس نے ہمارا بڑا ہی شاندار استقبال کیا تھا۔ وہ بیچارہ مرچکا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اچانک ایسا کیسے ہوگیا۔ ٹھیرو میں معلوم کرتا ہوں مگر ہمیں چلتے رہنا چاہیے۔"

میں نے رسونتی کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے روم کے ماسٹر کے دماغ میں پہنچنا چاہا لیکن میری سوچ کی لہریں اِدھر اُدھر بھٹک کر رہ گئیں۔ میں چلتے چلتے پھر بے اختیار رُک گیا کیونکہ روم کا وہ ماسٹر بھی مرچکا تھا۔

رسونتی نے حیرانی سے پوچھا۔ "اب کیا بات ہوگئی؟"

"کیا بتاؤں؟ میری خود سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ روم کا ماسٹر بھی مرچکا ہے۔ یقیناً وہ دونوں ماسٹر کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں۔ چلو، آگے بڑھتی رہو۔"

میں پھر اُس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے ان چند محافظوں میں سے ایک کے دماغ میں پہنچ گیا جو پیرس سے میرے ساتھ روم تک قیدی بن کر آئے تھے۔ اس ایک محافظ کی سوچ پڑھنے سے پتہ چلا کہ یہاں روم کے ماسٹر کی رہائش گاہ میں بڑی ابتری پھیل گئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس ماسٹر سے دشمنوں کا بڑا زبردست مقابلہ ہوا ہوگا۔ گھر کی ساری چیزیں اُلٹ پلٹ تھیں۔ پھر پتہ چلا کہ دشمن اپنے ساتھ کچھ نہیں لے گئے صرف ایک تصویر تھی۔ جو جلا کر اسی ماسٹر کے کمرے میں پھینک دی گئی تھی۔ پتہ نہیں وہ کس کی تصویر تھی۔ وہ محافظ نہیں جانتا تھا لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ وہ جلال بیگ کی تصویر ہوگی اور اُسے حاصل کرنے کے لیے دشمنوں نے اِدھر روم کے ماسٹر کو اور اُدھر پیرس کے ماسٹر کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ جلال بیگ کی تصویر یہاں سے وہاں تک نہ پہنچ سکی۔ روم میں ہی جل کر خاک ہوگئی۔

خطرہ بڑھ گیا تھا۔ دشمن کے ذرائع بہت وسیع تھے بلکہ وہ بڑے پُراسرار ذرائع استعمال کرکے دُور دُور تک پہنچ جایا کرتے تھے۔ سُپر ماسٹر کی تنظیم کے دو اہم ماسٹروں کو انھوں نے جس انداز میں ہلاک کیا ہوگا اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اُن کے لیے بڑی سے بڑی مہم سر کرلینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ سُپر ماسٹر کی تنظیم کا کوئی بھی ماسٹر کوئی معمولی شخص نہیں ہوتا۔ وہ بڑا ہی باصلاحیت بہت ہی ذہین اور بہت ہی احتیاط پسند ہوتا ہے اُس کے آگے پیچھے کتنے ہی مسلح گارڈز ہوتے ہیں۔ وہ دُور دُور تک اپنے کاموں کو انجام دینے کے لیے رابطہ قائم کرسکتا ہے۔ اُس کے پاس بھی بڑے پُراسرار ذرائع ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود دو ماسٹر مارے گئے تھے۔ اس طرح یہ سوچنا پڑتا تھا کہ پھر سائرہ بانو کی کیا اہمیت ہوگی۔ جہاں جو پہرہ لگایا گیا ہے اس پہرے کو بھی دشمن دیکھتے ہی دیکھتے توڑ دیں گے۔

یہ سوچتے ہی میں سائرہ بانو کے پاس پہنچا۔ وہ بخیریت تھیں۔ اُن کے اطراف پہرہ بھی بڑا سخت تھا۔ بے شک ماسٹر موس ٹردنی مارا گیا تھا لیکن اُس کے ماتحت برابر اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ میں نے انھیں مخاطب کیا۔ "امی! اسلام علیکم، میں فرہاد بول رہا ہوں۔" وہ کچن میں اپنے لیے کھانا تیار کر رہی تھیں میرے مخاطب کرنے پر چونک گئیں۔ پھر بولیں۔ "بیٹے اتنی دیر تک کہاں غائب تھے۔ کل سے انتظار کر رہی ہوں۔"

"میں بڑی مصیبتوں میں پھنس گیا تھا۔ اب آپ کی دعا سے بخیریت ہوں۔ مرجانہ بھی بالکل خیریت سے ہے۔ اب وہ جنگل سے نکل کر کسی آبادی میں پہنچنے ہی والی ہے۔ میں اُس سے بچھڑا ہوا ہوں لیکن سونیا اُس کے ساتھ ہے۔ ہم سب نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو اور مرجانہ کو جلد از جلد پاکستان جانا چاہیے۔ اس کے بعد ہم بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔ لہٰذا آپ پاکستان جانے کے لیے تیاریاں کرلیں۔ کسی وقت بھی اچانک ہی آپ کو وہاں سے روانہ ہونا پڑے گا جو اہم چیزیں وہاں سے لے جاسکتی ہیں انھیں پہلے سے اپنے سوٹ کیس میں رکھ لیجیے۔ میں ابھی مرجانہ سے رابطہ قائم کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد پھر میں آپ سے دوبارہ رابطہ قائم

کروں گا۔ اجازت دیجیے۔"

میں اُن سے اجازت لے کر سونیا کے پاس پہنچا۔ اُسے بتایا کہ ماسٹر موس ٹردنی مرچکا ہے بلکہ مارا گیا ہے۔ سونیا نے بڑی حیرانی کا اظہار کیا۔ میں نے کہا۔ "یہ سب جلال بیگ کی تصویر کی وجہ سے ہوا ہے۔ دشمن نہیں چاہتے تھے کہ وہ تصویر موس ٹردنی وغیرہ کے ذریعے مجھ تک پہنچے۔ اس تصویر کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے دونوں ماسٹروں کو قتل کردیا اور وہ تصویر جلا ڈالی۔ افسوس جلال بیگ تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھا۔ دشمنوں نے اُسے مٹا دیا۔ کیا تم موس ٹردنی کے علاوہ کسی اور ماسٹر سے رابطہ قائم کرسکتی ہو؟"

"ہاں اسپین، ترکی، یونان، جرمنی کسی بھی ملک کے ماسٹر سے رابطہ قائم کرسکتی ہوں لیکن اس کے لیے مجھے کسی آبادی میں پہنچنا ہوگا۔ ہم اس سڑک پر بہت دیر سے چل رہے ہیں اور ابھی خاصی رفتار سے چل رہے ہیں پھر بھی ابھی تک کسی آبادی کا نام و نشان تک نہیں ملا ہے۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے؟"

میں سونیا کے پاس سے واپس آکر رسونتی کے ساتھ چلتے ہوئے سوچنے لگا کہ کیا کیا جائے؟ اچانک مجھے یاد آیا۔ جب میں پیرس سے روانہ ہو رہا تھا تو اس وقت دو ممالک کے ماسٹر مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے آئے تھے۔ ماسٹر موس ٹردنی نے ان کا تعارف کرایا تھا۔ اُن کا خیال آتے ہی میں اُن کے لب و لہجے کو یاد کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کوشش کرنے کے بعد میں نے ایک ماسٹر کے لب و لہجے کو پکڑ کر اپنی سوچ کو اُس کے دماغ تک پہنچانے لگا۔

اس ماسٹر کا تعلق لندن سے تھا اور وہ ان دنوں پیرس آیا ہوا تھا۔ اُس کا نام جارج ماتھیو تھا۔ میں نے اُس کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "ہیلو ماسٹر جارج ماتھیو، کیا میرے لب و لہجے کو پہچان رہے ہو۔ میں فرہاد علی تیمور ہوں؟"

وہ ایک دم سے چونک کر اپنے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ اپنے سر کو کھجاتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "یہ میں فرہاد صاحب کے لہجے میں کیوں سوچ رہا ہوں؟ کیوں اپنے آپ کو مخاطب کر رہا ہوں؟"

میں نے کہا۔ "یہ تم نہیں سوچ رہے ہو۔ یہ فرہاد کی سوچ ہے اور اس وقت فرہاد تم سے مخاطب ہے۔ اس بات کا یقین کرلو۔ ورنہ یقین دلانے کے لیے مجھے تمھارے ساتھ کچھ اُلٹی سیدھی حرکتیں کرنی ہوں گی۔"

اُس کی سوچ نے کہا۔ "میں کیسے یقین کروں؟ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"

میں نے اُسے یقین دلانے کے لیے وہی ہتھکنڈے استعمال کیے جیسا کہ دوسروں کے ساتھ کرتا آرہا تھا۔ وہ شراب پی رہا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے بوتل گرادی۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اُسے کھڑا کردیا۔ میں اُسے بتاتا جاتا تھا کہ اب وہ ایسی حرکت کرے گا اور وہ ویسی ہی حرکت کرتا تھا۔ تب اُس نے دونوں ہاتھوں سے کان پکڑ کر کہا۔ "جی ہاں فرہاد صاحب میں نے مان لیا۔ آپ میرے دماغ میں موجود ہیں۔ فرمائیے کیا حکم ہے؟"

"میں نے معلوم کیا ہے کہ ماسٹر موس ٹردنی اب اس دنیا میں نہیں رہے۔"

"جی ہاں انھیں کسی نے قتل کردیا ہے۔ ہم بہت حیران ہیں کہ ماسٹر کے بنگلے میں کوئی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اُن کا قتل بڑے ہی پُراسرار طریقے سے ہوا ہے۔"

"اب میں اس قتل کی تفصیل معلوم نہیں کروں گا کیونکہ میں ایک بہت ضروری کام آپ سے لینا چاہتا ہوں۔"

"حکم کیجیے بندہ حاضر ہے۔ سُپر ماسٹر کا حکم ہے کہ آپ کی طرف سے یا سونیا کی طرف سے جو بھی خبر ملے یا جو بھی حکم ہو اس پر فوراً عمل کیا جائے۔"

میں نے کہا۔ "ہاں سائرہ بانو کے اطراف سخت پہرہ ہے لیکن میں مطمئن نہیں ہوں۔ کیونکہ ماسٹر موس ٹردنی بھی بڑی حفاظت میں رہتے تھے۔ بہرحال میں چاہتا ہوں کہ وہ آج ہی پیرس سے باہر چلی جائیں۔ آپ انتظام کیجیے کہ کسی ایسے طیارے میں انھیں سیٹ مل جائے جو پاکستان جارہا ہو۔ میں سائرہ بانو کو جلد از جلد پاکستان پہنچانا چاہتا ہوں۔"

اس نے کہا۔ "آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں معلومات حاصل کرکے اور انتظامات کرکے آپ کو بتاؤں گا۔ میں آپ سے کیسے رابطہ قائم کروں؟"

"میں خود آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔ آپ فوراً انتظامات کریں۔"

میں اُس کے پاس سے واپس آگیا۔ رسونتی نے پوچھا۔ "کہاں کہاں اُلجھے ہو۔ کچھ مجھے بھی بتاتے چلو۔ میرا بھی فوراً راستہ کٹنا چاہیے۔ میں گونگوں کی طرح بالکل اکیلی چلی جارہی ہوں۔"

"میں جگہ جگہ اُلجھا ہوا ہوں۔ حالات کچھ ایسے ہی ہیں۔ دشمنوں کی گرفت بڑی مضبوط ہے۔ انھوں نے ایسا جال بچھایا ہوا ہے کہ ہم اُلجھتے چلے جارہے ہیں۔"

میں اُسے بتانے لگا کہ وہاں ماسٹروں کے ساتھ کیا ہوا ہے اور سائرہ بانو کس طرح خطرات میں گھری ہوئی ہیں اور

میں اُن ماں بیٹی کو پاکستان روانہ کرنے کے بعد یہ ارادہ کر رہا ہوں کہ ہم سب بھی پاکستان چلے جائیں گے۔ وہ تمام باتیں سننے کے بعد بولی "تم مجھے جہاں بھی لے چلو، میں چلوں گی لیکن یہاں سے آگے نہیں چل سکتی۔ میرے پاؤں دُکھنے لگے ہیں۔"

"دیکھو سونتی، میں جانتا ہوں کہ تم نے کبھی ایسی مصیبتوں والی زندگی نہیں گزاری لیکن اس وقت تو تمھیں ہمت سے کام لینا ہوگا۔"

"میں تمھارے ساتھ رہ کر ہمت سے کام لینا سیکھتی جا رہی ہوں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں اچانک ہی نازنین کی بیٹی بن جاؤں اور تھکنے کا نام نہ لوں۔ کچھ دیر تو مجھے بیٹھ جانے دو۔ چلو دس منٹ بیٹھوں گی پھر آگے چلوں گی۔"

میں نے مسکرا کر کہا: "چلو ٹھیک ہے۔ اس درخت کے سائے میں بیٹھ جاؤ۔ بارش بھی تھم رہی ہے۔"

ہم ایک درخت کے سائے میں آ گئے۔ جنگل کی ہریالی بارش کی وجہ سے تر بتر ہو رہی تھی۔ دُور تک فضا بالکل دھلی دھلائی نظر آ رہی تھی لیکن اتنے گھنے درخت تھے کہ ہم دُور تک دیکھ نہیں سکتے تھے۔ سونتی نے ایک پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تمھارے ساتھ رہنے سے یہ مصیبت ہے کہ تنہائی کا احساس برقرار رہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے تم ساتھ نہیں ہو۔ جب دیکھو خیال خوانی میں مصروف رہتے ہو۔ کبھی تو اپنے ہم سفر کی طرف دیکھ لیا کرو۔ میں تو بالکل بور ہو جاتی ہوں۔"

"کیا تم چاہتی ہو کہ سونیا، مرجانہ اور سائرہ بانو وغیرہ کی خبر نہ لیا کروں؟"

"میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اُن لوگوں سے رابطہ قائم نہ کیا کرو۔ میں تو بس یونہی بور ہو کر شکایت کر رہی تھی۔ ذرا گھڑی دیکھ کر بتاؤ۔ ہم کتنی دیر تک چلتے رہے ہیں؟"

میں نے گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا "کچھ بھی نہیں۔ ابھی تو صرف دو گھنٹے ہوئے ہیں۔"

"تم دو گھنٹے کو صرف کہہ رہے ہو۔ میں تو زندگی میں کبھی اس طرح نہیں چلی ہوں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "اب تم مجھے باتوں میں اُلجھا رہی ہو۔"

"نہیں تمھیں آزادی ہے، خیال خوانی کرو۔ بے شک تمھارا فرض ہے کہ جلد از جلد سائرہ بانو کو وہاں سے نکال دو۔ وہاں خطرہ ہے۔"

میں نے جارج ماتھیو کے پاس پہنچ کر اُس کی سوچ کو پڑھا۔ وہ کوششوں میں مصروف تھا۔ اُس سے معلوم کیا تو آج پاکستان سے گزرنے والے کسی بھی طیارے میں سیٹ نہیں مل رہی تھی۔ میں نے اُس کے دماغ پر دستک دیتے ہوئے کہا "سیٹ نہیں مل رہی ہے تو اپنے خاص ذرائع استعمال کیجیے۔ کسی بھی طرح ایک سیٹ ملنی چاہیے۔ سائرہ بانو کو آج یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"فرہاد صاحب آپ اطمینان رکھیں۔ میں پوری کوشش میں ہوں۔ ضرور کسی نہ کسی طیارے میں سیٹ حاصل کر لوں گا۔ آپ سائرہ بانو کو تیار رہنے کی تاکید کر دیں۔"

میں پھر سائرہ بانو کے پاس گیا "امّی، میں آپ کی روانگی کے انتظامات کر رہا ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر میں آپ کو اطلاع ملے گی کہ آپ کو کس طیارے میں سفر کرنا ہے۔ آپ بالکل تیار رہیں۔"

یوں تو میں دن رات خیال خوانی میں مصروف رہتا ہوں لیکن میرا وہ دن بڑی مصروفیت میں گزر رہا تھا۔ ایک تو اس طرح جنگل سے میں سونتی کے ساتھ گزرتا جا رہا تھا۔ اس جنگل کی آخری حد کو پہنچنا چاہتا تھا اور پہنچ نہیں پا رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آنے والے کسی لمحے میں کون سی مصیبت سامنے آنے والی ہے۔ مجھے ذہنی طور پر سونتی کے ساتھ اس جنگل میں حاضر رہنا پڑتا تھا۔ پھر میں دماغی طور پر وہاں سے غائب رہنے پر بھی مجبور تھا۔

تھوڑی دیر بعد پتہ چلا کہ ایک طیارے میں سائرہ بانو کے لیے سیٹ ریزرو ہو گئی ہے۔ اب انھیں وہاں سے روانہ کرنے کے لیے کچھ احتیاطی تدابیر پر عمل کرنا تھا اور وہ یہ کہ سائرہ بانو کے چہرے پر میک اپ کیا جاتا۔ انھیں ایک جعلی پاسپورٹ کے ذریعے وہاں سے پاکستان روانہ کیا جاتا۔ اس طرح دشمنوں کو یہ پتہ نہ چلتا کہ وہ پیرس سے باہر جا رہی ہیں۔ میں مرجانہ کو یہ بات بتانے کے لیے اُس کے اور سونیا کے پاس پہنچا تو پتہ چلا کہ انھیں دُور آبادی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ کچھ جانور دکھائی دے رہے ہیں اور دُور دُور جھونپڑیاں نظر آ رہی ہیں۔ میں نے مرجانہ کو بتایا کہ اُس کی امّی کے لیے ایک طیارے میں سیٹ ریزرو ہو چکی ہے۔ آج رات وہ پیرس سے روانہ ہو جائیں گی۔

میں نے سونیا سے کہا "یہ اچھی بات ہے کہ تم دونوں کسی آبادی میں پہنچ رہی ہو۔ اگر وہ چھوٹی سی بستی ہو تب بھی وہاں یہ پتہ چل سکتا ہے کہ تم لوگ کس علاقے میں ہو اور وہاں سے قریب ترین شہر کون سا ہے۔ جب تمھیں اس کا نام معلوم ہوگا تو میں پیرس کے قائم مقام ماسٹر جارج ماتھیو سے رابطہ قائم کر کے اسے بتاؤں گا کہ تم دونوں کس شہر میں ہو اور جارج کس طرح اس علاقے کے ماسٹر سے رابطہ قائم رکھے مرجانہ کو پاکستان بھیجنے کے انتظامات کر سکتا ہے۔ سائرہ بانو آج رات پیرس سے روانہ ہو جائیں گی۔"

صبح سے میں اِدھر اُدھر ٹیلی پیتھی کی چھلانگیں لگا رہا تھا۔ میں ایک بار پھر ماسٹر جارج ماتھیو کے پاس پہنچا۔ اس نے بتایا "پیرس میں ایک پاکستانی خاتون ہیں جن کا نام مس ڈارلنگ افروزہ ہے۔ وہ اس لیے مس کہلاتی ہیں کہ چھتیس برس کی عمر میں بھی شادی نہیں کی ہے۔ اُن کے مقابلے میں سائرہ بانو تین برس بڑی ہیں۔ تین برس کا فرق کوئی زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ میک اپ کے ذریعے اُن کو بآسانی مس ڈارلنگ افروزہ بنایا جا سکتا ہے۔ ہمارے آدمیوں نے مس ڈارلنگ افروزہ کو کار میں بٹھا کر سائرہ بانو کے بنگلے میں پہنچا دیا ہے۔ اب وہاں مس ڈارلنگ سائرہ بانو کو ٹریننگ دے رہی ہیں۔ اپنے متعلق بتا رہی ہیں کہ وہ کس انداز میں گفتگو کرتی ہیں ــــ اور کتنی شوخیوں کا مظاہرہ کرتی رہتی ہیں۔ انھیں سنجیدگی ختم کر دینی چاہیے۔ جب وہ پاکستان پہنچ جائیں گی تو پھر وہ اپنی عادات کو اختیار کر سکتی ہیں۔"

بے چاری سائرہ بانو فطرتاً سنجیدہ تھیں۔ ان کے لیے شوخ بننا مشکل تھا لیکن وہ اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے اپنی عادت کو بدلنے کی کوشش کر رہی تھیں اور ہنسنے مسکرانے ــــ اور بات بات پر طنزیہ فقرے ادا کرنے کا وعدہ کر رہی تھیں۔ مس ڈارلنگ افروزہ کی خصوصیت یہی تھی کہ وہ بڑی زندہ دل تھی۔ اخباروں اور رسالوں کی دُنیا میں ایک خطرناک قسم کی فوٹو گرافر کی حیثیت سے مشہور تھی۔ وہ ایسی ایسی سچویشن کی تصویریں اُتار کر لاتی تھی کہ اخبار والے بھاری معاوضہ دے کر وہ تصویریں خریدنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اُس نے یورپ کے کتنے ہی دولت مند اور مشہور ہستیوں کی ایسی تصویریں اُتار رکھی تھیں۔ اُن تصویروں کی بدولت دولت مند اور مشہور لوگ سجدہ ریز رہتے تھے۔ وہ جس ملک میں جاتی تھی وہاں کے ماسٹر زمین خاص موقعوں پر اُس کی خدمات حاصل کرتے تھے۔ اس بار بھی سائرہ بانو کے سلسلے میں اُس کی خدمات حاصل کی جا رہی تھیں یعنی اس بار مس ڈارلنگ افروزہ سے تصویریں نہیں مانگی تھیں اور نہ ہی کسی کی تصویریں اُتارنے کے لیے کہا گیا تھا۔ بس اسے اُس وقت تک سائرہ بانو کے بنگلے میں چھپ کر رہنا تھا جب تک سائرہ بانو پیرس سے پرواز کر کے پاکستان نہ پہنچ جاتیں۔

اس نوٹو گرافر خاتون کا نام بھی عجیب تھا۔ افروزہ کے ساتھ ڈارلنگ کا لفظ لگا ہوا تھا اور یہ لفظ سائرہ بانو کی سنجیدگی کو مجروح کرتا تھا۔ ویسے دیکھا جائے تو سائرہ بانو نے خود پر سنجیدگی طاری کر رکھی تھی اور وہ اتنی زیادہ بوڑھی بھی نہیں تھیں۔ انتالیس برس کی عمر تھی اور اس عمر میں ہمارے ہندوستان اور پاکستان کی ہیروئنیں فلموں میں کالج گرل کا رول ادا کرتی ہیں۔

میں نے اُن کے دماغ میں پہنچ کر کہا "امّی جب حالات آپ کو تنوع اور ایک تیز طرار خاتون بننے پر مجبور کر رہے ہیں تو آپ کو ضرور بننا چاہیے۔ جو لوگ حالات کے مطابق خود کو بدلتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی ناکام نہیں ہوتے اور بڑی بڑی مصیبتوں سے گزر جاتے ہیں۔ یوں بھی آپ کی عمر زیادہ نہیں ہے۔ ہم آپ سے چھوٹے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ آپ بالکل ہی معمر خاتون بن کر نہ رہیں۔ اپنی عمر کے مطابق شوخ رنگ کے کپڑے پہنیں۔ آپ کے بال اگر کہیں سے سفید ہیں تو انھیں سیاہ کر لیں ـــ غرض کہ خود میں جوانی کی حرارت پیدا کر لیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ ضرور ایسا کریں گی۔"

وہ بولیں "بیٹے، میں کوشش تو کروں گی۔ مجھے ڈارلنگ افروزہ بننے میں دیر اس لیے بھی نہیں لگے گی کہ اتفاق سے نواب مرحوم نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔ میں بہترین تصویریں اُتار لیتی ہوں اور سچویشن کا خاص خیال رکھتی ہوں۔ اگرچہ مجھ میں سنجیدگی ہے لیکن بیٹی سے ملنے کی خوشی میں شوخی بھی آ سکتی ہے۔ میں ایسا کر لوں گی لیکن بیٹے ایک بات سے ذرا ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔"

"وہ کیا بات ہے؟ مجھے بتائیے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولیں "دیکھو نا میرے آگے ایک جوان بیٹی ہے اُس نے اگر مجھے ایک جوان عورت کے حلیے میں دیکھ لیا اور مجھے شوخیاں کرتے ہوئے پایا تو وہ کیا سوچے گی۔ مجھے تو شرم آتی ہے۔"

"نہیں امّی آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ مرجانہ تو بہت خوش ہوگی۔ آپ بغیر کسی شرم اور ہچکچاہٹ کے خود کو بدلنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کے پاس پھر آؤں گا۔"

یہ کہہ کر میں اُن کے پاس سے دماغی طور پر جنگل میں واپس آ گیا تو سونتی نے مجھے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "یہ تمھاری خیال خوانی بعض اوقات بڑی فائدہ مند ہوتی ہے۔ دیکھو نا، تم نے دس منٹ کا وقت دیا تھا کہ میں یہاں

بیٹھ کر اپنی ٹانگیں سیدھی کر سکتی ہوں لیکن تم آدھے گھنٹے سے مصروف ہو اور میں آرام کر رہی ہوں۔"

میں نے ہتھکڑی والے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دے کر کہا: "بہت آرام کر چکیں۔ چلو اٹھو۔" پھر میں نے تمام سامان اپنے اوپر لاد لیا۔ کچھ میری پشت سے بندھا ہوا تھا۔ کچھ میرے دونوں شانوں پر لٹکا تھا۔ ریوالور ہولسٹر میں تھا لیکن دوسرے چھوٹے چھوٹے سامان دونوں ہاتھوں میں پکڑے رہتا تھا۔ سونیا نے صرف کھانے کا تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ ہم وہاں سے آگے بڑھے اور چلنے کے دوران میں سونیا اور مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔

وہ دونوں حبشیوں کی ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچ گئی تھیں۔ وہاں ہر طرف کالے کالے مرد، عورتیں اور بچے نظر آ رہے تھے۔ سونیا نے دو چار لوگوں سے انگریزی میں دریافت کیا کہ وہ کون سی بستی ہے؟ اور وہاں سے قریب ترین شہر کون سا ہے؟ لیکن اس کی زبان کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس نے اشاروں سے اپنی بات کا جواب طلب کیا۔ ایک بوڑھے نے اشاروں کی زبان میں اُن سے کہا کہ وہ دونوں ابھی ایک جھونپڑی میں آرام کریں پھر انھیں سب کچھ بتا دیا جائے گا اور انھیں کسی شہر تک پہنچانے کا انتظام بھی کر دیا جائے گا۔ ویسے اگر اُن کے پاس کھانے پینے اور پہننے کی کچھ چیزیں ہوں تو وہ بستی والوں کو کچھ دے دلا کر خوش کر سکتی ہیں۔

سونیا نے کہا: "ہمیں جو بھی شخص کسی بڑے شہر میں پہنچائے گا ہم اُسے اپنے یہ گھوڑے، خچر اور تمام سامان دے دیں گے۔"

اس کی باتیں سمجھنے کے دوران حبشیوں کی بھیڑ میں ایک شخص داخل ہوا۔ اُس نے اشاروں سے سونیا اور مرجانہ کو ایک طرف چلنے کے لیے کہا۔ وہ دونوں اُس کے پیچھے چلنے لگیں۔ ایک بڑی سی جھونپڑی کے پاس پہنچ کر اُس نے اس بڑے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سونیا اور مرجانہ کو دروازہ کھولنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ سونیا آگے بڑھی پھر اس دروازے کو ذرا سا کھول کر جھانک کر دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے خوش ہو کر اُسے پوری طرح کھول دیا۔ اس جھونپڑی کے اندر ایک جیپ کار کھڑی ہوئی تھی۔

سونیا نے اندر پہنچ کر اس کے انجن کو چیک کیا۔ پیٹرول کی ٹنکی دیکھی۔ پیٹرول بھرا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کچھ ڈبوں میں بھی پیٹرول محفوظ تھا یعنی کسی شہر تک پہنچنے کے لیے ایک تیز رفتار گاڑی انھیں مل گئی تھی۔ مرجانہ بھی جیپ کے پاس آ کر اُسے اِدھر اُدھر سے دیکھ رہی تھی۔ تب اچانک ہی جھونپڑی کا دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔

دونوں نے ایک دم سے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ سونیا نے آگے بڑھ کر دروازے کو کھولنا چاہا تو پتہ چلا کہ وہ باہر سے بند کر دیا گیا ہے اور کوئی اس دروازے سے باہر اس سے لگا کھڑا ہے تاکہ دھکے مار کر اس کمزور سے دروازے کو کھولا نہ جا سکے۔

ابھی سونیا اس دروازے کو دیکھ رہی تھی کہ جیپ کار کی دوسری طرف ایک اور دروازے کے کھلنے کی آواز سنائی دی۔ دونوں نے اُدھر دیکھا۔ دو گورے نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرا کمر پہ ہاتھ رکھے دونوں کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ سونیا نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا: "بڑی خوشی ہوئی کہ یہاں ہماری زبان سمجھنے والے موجود ہیں۔ اتنی دیر سے ہم ان حبشیوں کی بھیڑ میں اپنا دماغ کھپا رہے تھے۔ کوئی ہماری بات نہیں سمجھ رہا تھا۔ بائی دی وے آپ لوگوں کی تعریف!"

جس کے پاس ریوالور نہیں تھا۔ وہ اپنی کمر سے ایک ہتھکڑی کو کھولتے ہوئے مرجانہ کی طرف بڑھنے لگا۔ مرجانہ نے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ایک کمزور لڑکی کی طرح اپنا ہاتھ ہتھکڑی کے لیے بڑھا دیا۔ وہ شخص اُس کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ اب اُسے ہتھکڑی پہنانا ہی چاہتا تھا کہ اُس کی شامت آ گئی۔ پلک جھپکتے ہی کچھ سے کچھ ہو گیا۔ مرجانہ کا جو ہاتھ ہتھکڑی کے لیے بڑھا تھا وہ اُس کے منہ پر ایسا زبردست پڑا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا ریوالور والے کی طرف گیا۔ سونیا چوکنے والی نہیں تھی۔ اُس نے ہتھکڑی والے کو مزید ایک لات رسید کی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ ریوالور والے نے سنبھلنا چاہا۔ ایسے وقت سونیا دشمنوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیتی۔ اس کی ایک ٹھوکر ہاتھ پر پڑی۔ ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل کر جیپ کار کے اندر چلا گیا۔

مرجانہ کا ہاتھ جس کے منہ پر پڑا تھا۔ اُس کا خون تھوکنا لازمی ہو جاتا تھا۔ اُس کا ایک ہی ہاتھ اتنا زبردست تھا کہ دشمن کے ہاتھ سے ہتھکڑی چھوٹ کر گر پڑی تھی اور وہ اپنا سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔ دوسرا شخص جس کا ریوالور ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا جیپ کار کی طرف جا رہا تھا لیکن سونیا نے اُس کی ٹانگ میں ٹانگ پھنسا کر گرا دیا۔ وہ اوندھے منہ گرا تو مرجانہ اُس کی طرف بڑھی۔ سونیا نے اُسے ٹوکا اور کہا: "نہیں، یہ میرا شکار ہے تم اپنے والے کو دیکھو، میں اپنے والے سے نمٹتی ہوں۔"

میں نے اُن دونوں سے کہا: "دیکھو تم اپنے دشمنوں کو اس طرح نہ مارنا کہ وہ بولنے کے بھی قابل نہ رہیں۔ اُن کی زبان سے کچھ اُگلوانے کی کوشش کرو۔"

سونیا اپنے والے سے نمٹ رہی تھی۔ مرجانہ نے جیپ کار کے اندر ہاتھ ڈال کر اُس ریوالور کو اُٹھا لیا۔ پھر للکارتے ہوئے بولی: "اگر تم دونوں اپنی زندگی چاہتے ہو تو اپنا اپنا نام بتاؤ، ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم لوگ کون ہو؟"

وہ دونوں پریشان ہو گئے۔ ریوالور کے سامنے اپنی جنگ جاری نہیں رکھ سکتے تھے اور بھاگ بھی نہیں سکتے تھے۔ خاموش رہے۔ سونیا کے بعد دیگرے اُن کی پٹائی کرنے لگی۔ مرجانہ ریوالور ہاتھ میں پکڑے جیپ کار میں بیٹھ گئی تھی۔ پھر اُس نے کہا: "سونیا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے ہی دو چار ہاتھ دکھانے پڑیں گے پھر سوچتی ہوں کہ یہ بولنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ایسا کرتے ہیں کہ میں ایک کو گولی مارتی ہوں۔ ایک مرے گا تو دوسرا اپنی زندگی کی بھیک مانگنے کے لیے گڑگڑائے گا۔ اتنا ہی کافی ہوگا۔"

سونیا نے کہا: "تم اپنے والے کو گولی مار سکتی ہو۔ میرا والا زرا پیارا ہے۔ میں اُس سے تھوڑی دیر محبت کروں گی۔"

دوسرے ہی لمحے مرجانہ نے ٹھائیں سے گولی چلا دی۔ ہتھکڑی پہنانے والا چیخ مار کر فرش پر گر پڑا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے اپنی ٹانگ کو پکڑ کر کراہنے لگا۔ اُس کی ران سے خون بہہ بہہ کر اُس کی پتلون کو بھگو رہا تھا۔ سونیا نے اپنے والے سے کہا: "اس سے پہلے کہ تمھاری پتلون بھی خراب ہو جائے، چلو بولنا شروع کر دو۔"

سونیا کی بات سن کر مرجانہ نے اپنے ریوالور کا رُخ اُس کی طرف کر دیا۔ وہ ایک دم سے گڑگڑاتے ہوئے کہنے لگا۔ "نہیں، نہیں، پلیز مجھے گولی نہ مارنا میں اپنا نام بتاتا ہوں۔ میرا نام جوڈی فرینک ہے، یہ میرا ساتھی اینل ہے۔"

سونیا نے پوچھا: "یہاں تمھارے اور کتنے آدمی ہیں؟"

"ابھی تو ہم دو ہیں، کل ہماری ڈیوٹی بدل جائے گی ہماری جگہ دو آئیں گے۔ ہم یہاں سے ہیڈ کوارٹر چلے جائیں گے۔"

"تمھارا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟"

"یہاں سے ستر میل دُور ایک شہر عدلیس ابابا میں ہے۔"

سونیا بڑبڑائی: "عدلیس ابابا۔ یہ تو ایتھوپیا میں ہے۔"

جوڈی فرینک نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ سونیا نے کہا: "سُن لیا تم نے فرہاد۔ ہم ایتھوپیا میں پہنچ گئے ہیں اور عدلیس ابابا یہاں سے ستر میل دُور ہے۔"

میں نے کہا: "اِن سے پوچھو یہ دو آدمی اس چھوٹی سی بستی میں کیا کرتے ہیں؟"

سونیا نے یہی سوال جوڈی فرینک سے کیا۔ اُس نے جواب دیا: "ہم یہاں ایک ہفتے کی ڈیوٹی پر رہتے ہیں ایک ہفتے بعد ڈیوٹی بدل جاتی ہے۔ اس چھوٹی سی بستی کا نام موٹانگا ہے یہ پہلی بستی ہے جو کہ جنگل سے نکلنے کے بعد ملتی ہے۔ ہم اسی لیے ڈیوٹی پر تھے کہ جنگل سے تم دونوں یا فرہاد صاحب اِدھر سے آئیں گے تو ہم آپ لوگوں کو حراست میں لیں گے اور اپنے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دیں گے کہ ہم نے تم لوگوں کو پا لیا ہے۔"

سونیا نے پوچھا: "کیا ہمارے یہاں تک پہنچنے کی اطلاع ہیڈ کوارٹر تک پہنچ چکی ہے؟"

وہ گڑبڑا کر بولا: "نہیں یہ بات نہیں ہے۔ ابھی تو ہم اطلاع دینے جا رہے تھے۔ سوچا کہ پہلے تم دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔"

ایسا سنتے ہی میں نے اُس کے دماغ کو ایک زور سے جھٹکا پہنچایا۔ وہ تلملا کر چیختے ہوئے فرش پر بیٹھ گیا۔ میں نے سونیا سے کہا: "یہ جھوٹ بول رہا ہے۔"

سونیا نے مسکراتے ہوئے اُس سے کہا: "دیکھ لیا جھوٹ بولنے کا نتیجہ۔ ہم سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم نے ہیڈ کوارٹر تک ہماری آمد کی اطلاع پہنچا دی ہے؟"

وہ مجبور ہو کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا: "ہاں ہم نے اطلاع پہنچا دی ہے۔ وہاں سے دس بارہ آدمی تم دونوں کو حراست میں لینے آ رہے ہیں۔"

میں نے کہا: "سونیا، تم سوچو کہ اِن لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کر سکتی ہو اور آنے والے مسلح دشمنوں کے خلاف کیسے محاذ بنا سکتی ہو۔ میں ابھی ماسٹر جارج ماتھیو کو تمھارے موجودہ حالات بتا کر آتا ہوں۔ وہ بھی عدلیس ابابا سے اپنے آدمیوں کو تمھاری مدد کے لیے بھیجے گا۔"

یہ کہہ کر میں اس سے رخصت ہو گیا اور ماسٹر جارج ماتھیو کے پاس پہنچا۔ اُس نے کہا: "فرمائیے جناب میں تو سارے انتظامات مکمل کر چکا ہوں۔ محترمہ سائرہ بانو کا میک اپ کیا جا رہا ہے۔ انھیں باقاعدہ ٹریننگ دی جا رہی ہے کہ وہ دورانِ سفر کس طرح خود کو مس ڈارلنگ افروزہ ثابت کرتی رہیں گی۔"

میں نے کہا: "یہ سب ٹھیک ہے۔ اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سونیا اور مرجانہ ایتھوپیا تک پہنچ گئی ہیں اس وقت وہ ایک چھوٹی سی بستی موٹانگا میں .... موٹانگا سے ستر میل کے فاصلے پر عدلیس ابابا ہے۔ اس شہر سے مسلح دشمن سونیا اور

مرجانہ کو قیدی بنانے آ رہے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ اُن کی حفاظت کے لیے آپ کیا کر سکتے ہیں؟"

"جناب! مجھے پندرہ منٹ کا وقت دیجیے۔ میں ابھی آپ کو جواب دوں گا۔"

میں واپس سونیا اور مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ سونیا کے حکم سے جوڈی فرینک اپنے ساتھی ایزل کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ اُسے حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنا خون آلود لباس اُتار کر دوسرا لباس پہن لے۔ جو مسلح دشمن آنے والے ہیں اُن کا استقبال وہی لوگ کریں گے اور ابھی دوسرے کمرے میں جا کر ٹرانسمیٹر کے ذریعے اطلاع دیں گے ـــ کہ سونیا اور مرجانہ کو حراست میں لے لیا گیا ہے وہ پوری طرح قیدی بنی ہوئی ہیں اُن کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

میں نے پندرہ منٹ کے بعد ماسٹر جارج ماتھیو کے پاس جا کر معلومات حاصل کیں۔ معلوم ہوا کہ ایتھوپیا پیرس سے بہت دُور ہے اور ان دونوں ملکوں کے ماسٹروں میں براہِ راست رابطہ نہیں ہے۔ اِس لیے اُس نے ہیڈ کوارٹر میں اس بات کی اطلاع دی تھی اور ہیڈ کوارٹر سے سپر ماسٹر کے حکم کے مطابق ایتھوپیا کے ماسٹر سے رابطہ قائم ہوا تھا۔ اُسے حکم دیا گیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ مسلح افراد مونٹا نگا کی بستی کی طرف فوراً روانہ کیے جائیں اور سونیا اور مرجانہ کو بحفاظت عدیس ابابا تک پہنچایا جائے۔ ماسٹر جارج ماتھیو نے یہ تمام باتیں مجھے بتانے کے بعد پوچھا "جناب اور کوئی حکم ہے؟"

میں نے کہا "ہاں عدیس ابابا کے ماسٹر سے کہا جائے کہ مرجانہ کو وہاں سے جلد از جلد پاکستان روانہ کرنے کی کوشش کریں وہاں سے جو بھی پہلی فلائٹ مل سکتی ہے اُس کے لیے سیٹ ریزرو کرائی جائے۔ سائرہ بانو کی طرح مرجانہ کو بھی فرضی پاسپورٹ کے ذریعے بھیجا جا سکتا ہے۔"

ماسٹر نے کہا "اچھی بات ہے میں ابھی یہ بات عدیس ابابا کے ماسٹر تک پہنچاتا ہوں اور کوئی حکم؟"

"میری بلی جس کا نام سامی ہے وہ ماسٹر موس بڑوئی کے پاس امانت کے طور پر تھی اب وہ وہاں تنہا ہو گی۔ اُسے سائرہ بانو کے حوالے کر دیں اور اُن سے کہیں کہ وہ اس بلی کو اپنے ساتھ پاکستان لے جائیں۔ میں پاکستان پہنچ کر اپنی امانت واپس لے لوں گا۔"

میری خیال خوانی کا سلسلہ اچانک ہی ٹوٹ گیا کیونکہ رسونتی چلتے چلتے گر پڑی تھی۔ ایک جھٹکے کے باعث مجھے بھی اُس کی طرف جھکنا پڑا۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ بولی "بات کیا ہو گی۔ تم کو تو میری تکلیف کا ذرا بھی احساس نہیں ہے۔ میں چل رہی ہوں۔ تم سوچتے جا رہے ہو۔ آخر ایک حد ہوتی ہے۔"

"ہاں چلنے کی ایک حد ہوتی ہے لیکن دشمن پیچھے سے آ جائیں اور ہمیں دوڑانا شروع کر دیں تو ہمیں مجبوراً یہاں سے اُٹھ کر دوڑنا پڑے گا۔ تم تو چلنے پر بھی اعتراض کر رہی ہو۔"

"جب دوڑنے کا موقع آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ کچھ تو سوچو فرہاد پچھلی رات سے ہم ذرا بھی نہیں سوئے ہیں۔ رات بھر جاگتے رہے پھر دن بھر چلتے رہے، ایسے تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ چلتے چلتے مر جاؤں گی۔"

میں نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا "میں تمہاری تکلیفوں کا احساس کر کے یہاں قیام کر سکتا ہوں لیکن تم سوچو کہ دشمن ہمارے قریب پہنچ جائیں گے۔"

"دیکھو فرہاد ہم جب سے اس جنگل میں لا کر قید کیے گئے ہیں یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ ہم بچھڑتے ہیں تو ایک دوسرے کو پا نہیں سکتے۔ اس جنگل کے راستے پہچانے نہیں جاتے، سُنا ہے کہ یہاں کے گھوڑوں کو سدھایا گیا ہے۔ وہ گھوڑے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے ہیں اِس طرح جو لوگ ہمارا تعاقب کریں گے وہ کس طرح یہ معلوم کریں گے کہ ہم جنگل کے کس حصے سے گزر رہے ہیں، میں یقین سے کہتی ہوں کہ وہ ہمیں تلاش کرتے رہیں گے اور بھٹکتے رہیں گے جس طرح ہم بھٹک رہے ہیں۔ دوسری بات یہ کیسٹ ریکارڈر کے مطابق وہ لوگ شام کو آنے والے ہیں جب وہ شام کو آئیں گے تو ہم ایک نیند پوری کر کے بیدار ہو جائیں گے پھر تازہ دم ہو کر یہاں سے چلنا شروع کریں گے رات کو بھی ہم کافی دیر تک چلتے رہیں گے۔ جب تک کوئی خطرہ نہ ہو یا پناہ لینے کی کوئی اچھی جگہ نہ ملے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تھکنے کا نام نہیں لوں گی۔"

میں نے اُسے ہمدردی سے دیکھا۔ واقعی جتنی مسافت وہ طے کر چکی تھی۔ وہ اُس کی ہمت سے بہت زیادہ تھی۔ بے چاری پچھلی رات سے جاگ رہی تھی۔ آرام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب دوپہر بھی گزرتی جا رہی تھی۔ ہم نے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ ایسی حالت میں اُس کا تھکنا اور نڈھال ہونا لازمی بات تھی۔

میں نے کہا "اچھی بات ہے۔ تھوڑی دور اور چلو جہاں

کوئی مناسب جگہ نظر آئے گی۔ وہاں ہم ٹھہریں گے پھر کھائیں گے پئیں گے۔ پھر تھوڑی دیر کے لیے اپنی نیند پوری کر کے آگے بڑھیں گے۔"

وہ خوش ہو کر اُٹھ گئی۔ میں نے اُس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے سونیا اور مرجانہ کو دیکھا۔ مرجانہ ہاتھ میں ریوالور لیے جوڈی فرینک اور ایزل کو اپنی نگرانی میں رکھے ہوئے تھی وہ تینوں ایک کمرے میں تھے۔ سونیا جھونپڑی کے باہر جا کر ایک جگہ تھوڑا سا گڑھا کھودتے ہوئے وہاں پر بارودی سرنگ بچھا رہی تھی۔ میں نے اُس کی سوچ کے ذریعے اُس کے منصوبے کو پڑھا۔ پھر مطمئن ہو کر وہاں سے واپس آ گیا۔ دماغی طور پر جنگل میں داخل ہوتے ہی مجھے پانی بہنے کا شور سنائی دیا۔ میں اور رسونتی رُک گئے۔ پھر کان لگا کر سننے لگے۔ میں نے کہا "یہ تو ایسا شور ہے جیسے پانی بہت بلندی سے گر رہا ہو ـــ یقیناً کہیں قریب ہی آبشار ہے۔ ہمیں وہیں چل کر آرام کرنا چاہیے۔"

رسونتی بھی پانی کے خیال سے تازہ دم ہو گئی تھی۔ وہ تیزی سے میرے ساتھ آواز کی سمت چلنے لگی۔ ہم آگے بڑھنے لگے۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے، ویسے ویسے پانی گرنے کی آواز بڑھتی گئی۔ ہر لمحہ یہ خیال آتا تھا کہ بس ہم ابھی آبشار کے سامنے پہنچنے ہی والے ہیں لیکن ایک ایک لمحہ گزرتے گزرتے آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ پھر رسونتی نے تھک کر پوچھا "یہ آبشار کتنی دُور ہے، آواز تو اچھی خاصی سنائی دے رہی ہے لیکن پانی نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"ذرا اور ہمت سے کام لو، اب ہم پہنچنے ہی والے ہیں۔"

میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے کھینچنے لگا۔ کوئی دس پندرہ منٹ تک اور چلتے رہنے کے بعد اچانک وہ پہاڑ سامنے آ گیا جو ہمیں دور سے نظر آ رہا تھا۔ پہاڑ کے درمیانی حصے سے پانی بڑی تیزی سے بہتا ہوا آ رہا تھا اور جھرنے کی صورت میں تقریباً دو سو فٹ کی پستی میں گر رہا تھا۔ نیچے ایک پُرشور اور پُرزور دریا بہتا ہوا ایک سمت جا رہا تھا۔ ہم دوڑتے ہوئے دریا کے کنارے آ گئے۔ جھرنے سے گرنے والے پانی کی بوچھار دُور تک آ رہی تھی۔ پانی کی پھوار سے ہمارے چہرے اور جسم بھیگنے لگے۔ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ہم بڑی دیر تک وہاں کھڑے رہے۔ رسونتی نے کہا "یہاں کتنی ٹھنڈک ہے بڑے مزے کی نیند آئے گی۔"

میں نے کہا "ہاں جب ہم سو کر اُٹھیں گے تو سر سے پاؤں تک پھوار سے بھیگے ہوئے ہوں گے۔"

میں اُسے کھینچتے ہوئے دُور لے جانے لگا۔ وہ بولی۔ "تم مجھے کسی نہ کسی بہانے چلاتے ہی رہو گے۔"

"جب آرام کرنا اور سونا ہی ٹھہرا تو کیوں نہ کوئی محفوظ جگہ تلاش کی جائے۔ یہ کوئی انسانی آبادی تو نہیں ہے کہ ہم آرام سے کہیں بھی فٹ پاتھ سمجھ کر بستر بچھا لیں ـــ تو سوائے گشتی پولیس کے ہمیں کوئی اٹھانے نہ آئے۔"

میں اُسے باتوں میں لگا کر کافی دُور لے آیا۔ وہاں پانی کی پھوار نہیں پہنچ رہی تھی۔ سر سبز و شاداب گھاس ڈھلان کی صورت میں دور دریا کے کنارے تک چلی گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مخملی بستر بچھا ہوا ہے۔

وہ تھک کر بیٹھتے ہوئے بولی "اب تو میں ایک قدم بھی نہیں چلوں گی۔ یہ بہت اچھی جگہ ہے۔"

"ہاں بہت اچھی جگہ ہے لیکن ذرا دیر اور کھڑی رہو تاکہ میں یہ سامان اپنے اوپر سے اُتار سکوں اور کچھ حفاظتی اقدامات کر سکوں۔"

"اور کیا حفاظتی اقدامات کرو گے۔ ریوالور نکال کر اپنے پاس رکھ لو۔ چاقو بھی تمہارے دوسرے ہاتھ میں رہے گا پھر اگر کوئی جانور آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

"جانور بھی آ سکتے ہیں۔ انسان بھی آ سکتے ہیں اور زہریلے کیڑے مکوڑے بھی ہمیں چاٹنے کے لیے زمین سے اُبھر سکتے ہیں۔"

وہ سہم کر بولی "کیا یہاں زہریلے کیڑے مکوڑے بھی ہوں گے؟"

"بے شک ہوں گے لیکن اُن کو روکنے کے لیے میرے پاس دوا ہے۔ میری پشت پر جو بیگ بندھا ہوا ہے اُسے کھول کر اُس میں سے ایک بڑی سی بوتل نکالو۔ اُس میں سفید رنگ کا سفوف ہو گا۔"

اُس نے میری پشت کی طرف آ کر بیگ کو کھولنے کے بعد اُس میں سے سفید سفوف کی بوتل نکالی۔ میں نے اُسے ایک طرف سے تھوڑا تھوڑا چھڑکنا شروع کیا۔ پھر ایک دائرے کی صورت میں دُور تک چھڑکتا گیا۔ اُس کے بعد میں نے بوتل کو بند کرتے ہوئے کہا "اب ہم اس دائرے کے اندر سوئیں گے۔ اس بات کی پوری ضمانت ہے کہ کوئی زہریلا کیڑا مکوڑا یا سانپ اِس دائرے کے اندر داخل نہیں ہو گا۔ ہاں انسان اور درندوں کی بات میں نہیں کر سکتا۔"

میں نے اپنے اوپر سے تمام سامان اُتار کر اس دائرے کے اندر رکھ دیا۔ اپنی پشت سے بیگ کو بھی کھول لیا پھر اس کے بعد آرام سے بیٹھ گیا۔ وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ

گئی۔ میں نے کہا: "چلو اب لیٹ جاؤ۔"
وہ جھجکتے ہوئے بولی: "اور تم؟"
"کیا میں انسان نہیں ہوں۔ میں آرام سے لیٹ کر ہاتھ پاؤں پھیلا کر اپنی تھکن دُور نہیں کر سکتا؟"
وہ جھجکتے ہوئے گھاس پر لیٹ گئی۔ میں بھی آرام سے لیٹ گیا۔ وہ میری طرف کروٹ بدل کر لیٹی ہوئی تھی میں چاروں شانے چت تھا۔ اُس نے ذرا شرماتے ہوئے کہا: "دیکھو فرہاد، میری ایک بات مان لو۔ تم اُدھر منہ کر کے سو جاؤ۔"
"میں تمھاری ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔ اُدھر منہ کروں گا تو میرے منہ کے ساتھ میرا ہاتھ بھی اُدھر جائے گا۔ پھر اس ہتھکڑی کے ساتھ تمھارا ہاتھ میرے اوپر آ جائے گا۔ یوں لگے گا جیسے تم مجھ پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے لپٹ کر سو رہی ہو۔ کیا تمھیں اس طرح سونا منظور ہے؟"
وہ چپ ہو گئی۔ سر جھکائے سوچتی رہی۔ میں نے کہا۔ "رسونتی! ہم ایسے ہمسفر ہیں کہ ایک دوسرے سے خفا ہو کر دُور نہیں بھاگ سکتے۔ حالات نے ہمارے ہاتھوں کو ایک ہتھکڑی میں باندھ دیا۔ چپ چاپ سو جاؤ۔ ہم نہیں بہکیں گے۔ دن بھر کے تھکے ہوئے ہیں اور رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں۔ دیکھو میں سو رہا ہوں۔"
یہ کہہ کر میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں لیکن دماغی طور پر بیدار رہا۔ میرے اور رسونتی کے درمیان ہمارا ایک ایک ہاتھ تھا اور وہ ہاتھ ہتھکڑی میں اس طرح بندھے ہوئے تھے کہ جب ہم ہاتھ کو نیچے رکھتے تھے تو وہ ہاتھ انگریزی حرف وی کی شکل میں ہوتے تھے اور اگر ہم لیٹنے کے وقت اپنے ہاتھوں کو اُوپر کی طرف رکھتے تو وہ وی اُلٹا ہو جاتا۔ بہرحال اِس وقت ہمارے ہاتھ وی کی شکل میں تھے وہ بار بار میرے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جو اُس کے ہاتھ سے لگا ہوا تھا۔
میں نے اُس کے دماغ میں پہنچ کر اُس کے ذہن کو تھپکنا شروع کیا۔ سمجھانا شروع کیا: "مجھے چپ چاپ سو جانا چاہیے کچھ نہیں ہو گا۔ میں تو خواہ مخواہ شرما رہی ہوں اور فرہاد سے گھبرا رہی ہوں۔ اب تو تقدیر نے ہمیں ایک ساتھ باندھ دیا ہے۔ جو ہونا ہو گا وہ ہو گا۔ میں کچھ نہیں کر سکوں گی۔ لہٰذا فکر کرنے سے کیا فائدہ؟ اس وقت ذرا آرام کا موقع ملا ہے تو سو جانا چاہیے۔"
میں اسی طرح اُس کے دماغ میں یہ باتیں پہنچاتے ہوئے اُس کے ذہن کو تھپک تھپک کر سُلانے لگا۔ ذرا سی دیر میں وہ سو گئی۔ میں کروٹ بدل کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ تھکا تھکا سا خوابیدہ حسن اور زیادہ دل کش ہو گیا تھا۔ نظریں اُس کے چہرے پر سے ہٹنا نہیں چاہتی تھیں۔ میرے دل نے کہا: "فرہاد، اس سے اچھا موقع تو تمھیں کبھی نہیں ملے گا۔ تم کئی سال سے اس پھول نما پتھر کی دیوار سے سر ٹکراتے آ رہے ہو لیکن تمھیں کبھی جی بھر کر اُس کا ہاتھ پکڑنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ اب یہ بے بس ہے۔ تمھارے قریب ہے، تنہا ہے، جنگل ہے، ویرانی ہے، سناٹا ہے، کوئی تمھیں دیکھنے والا نہیں ہے۔ کیا خیال ہے؟"
میں نے مسکراتے ہوئے جواباً سوچا: "اس وقت یہ میری پناہ میں ہے۔ میں اس کا محافظ ہوں۔ یہ اعتماد کر کے سوئی ہے اور میں اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔"
یہ سوچتے ہوئے میں پھر چاروں شانے چت ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی سونیا اور مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دونوں دشمنوں کے خلاف محاذ بنا چکی تھیں۔ سونیا نے جھونپڑی سے تقریباً کوئی چھ سات گز آگے تک بارودی سرنگ بچھا دی تھی۔ اُن پر مٹی ڈال کر انھیں برابر کر دیا تھا۔ پھر اُن سے منسلک کیا ہوا تار دوسری طرف جھونپڑی کے اندر لے آئی تھی، جیپ کے پیچھے اس بلوٹنگ ہینڈل کو رکھ دیا تھا جسے دباتے ہی ایک زبردست دھماکے سے وہ تمام بم پھٹنے تھے اور اُن کی زد میں آنے والے اپنی جان بچا کر بھاگ نہ سکتے۔
جب میں اُن کے پاس پہنچا تو ڈیڑھ گھنٹے گزر چکے تھے۔ عدیس ابابا سے آنے والے ستر میل کا فاصلہ تیز رفتار گاڑی کے ذریعے طے کر چکے تھے اور اب اس بستی میں پہنچنے ہی والے تھے۔ سونیا نے مجھے بتایا: "اس بلوٹنگ ہینڈل کے پاس مرجانہ موجود رہے گی اور میں اوپر چھت پر اسٹین گن لیے رہوں گی۔ میرے پاس کچھ دستی بم بھی موجود ہیں۔ تم ہم دونوں کے دماغ میں باری باری آتے جاتے رہو گے یا جوڈی فرینک کو اپنے قابو میں رکھو گے۔ جوڈی فرینک آنے والوں کا استقبال کرنے کے لیے جھونپڑی سے باہر جائے گا۔ اس کے ساتھی ایزل کو ہم نے باندھ کر ایک کمرے میں ڈال دیا ہے۔ ٹرانسمیٹر کو خراب کر دیا ہے۔ یہ تمھارے لیے آپریشن تھری فیز ہے وہ اس طرح کہ ایک طرف میں ہوں۔ میری باتیں بھی تم سنتے رہو گے۔ دوسری طرف مرجانہ کا خیال رکھو گے کہ بالکل صحیح وقت پر اس کے ہاتھ سے اس بلوٹنگ ہینڈل کو دبا دیا جائے۔ تیسرا وہ جوڈی فرینک ہے جس کے دماغ میں تم قابض رہو گے۔ جیسے ہی وہ امدادی

ٹیم یہاں پہنچے گی تم جوڈی فرینک کے دماغ میں بیٹھ کر اُن کا استقبال کرنے کے لیے جاؤ گے اور انھیں اپنے ساتھ لے کر جھونپڑی کی طرف آؤ گے۔ جب جھونپڑی سے دس گز کے فاصلے پر رہ جاؤ تو وہاں کسی وجہ سے رُک جانا کیونکہ وہیں سارے بم بچھے ہوئے ہیں۔ وہاں رُکتے ہی تم مرجانہ کے دماغ پر قابض ہو کر اس بلوٹنگ ہینڈل کو دبا دینا۔ پھر جو ہو گا اُس کے بعد میں نمٹ لوں گی۔ وہ دیکھو جوڈی فرینک نے آنکھوں سے دُوربین لگائی ہے۔ ذرا معلوم کرو کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے؟"
میں دوسرے ہی لمحے جوڈی فرینک کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ دوربین کے ذریعے اپنے ساتھیوں کو ایک گاڑی میں آتے ہوئے دیکھ رہا تھا یعنی امدادی ٹیم پہنچ گئی تھی۔ میں نے واپس آکر سونیا کو بتایا۔ سونیا نے کہا: "اب تم جوڈی فرینک کے دماغ میں بیٹھ کر جھونپڑی سے دس قدم آگے بڑھو۔ میں تمھیں بتاؤں گی کہ وہ بم کہاں بچھے ہوئے ہیں۔"
میں نے ایسا ہی کیا اس کے ذریعے دس قدم تک چلتا ہوا ایک جگہ رُک گیا۔ پھر میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر سونیا سے پوچھا: "کیا اسی جگہ ہے؟"
سونیا نے کہا: "ہاں، بالکل وہی جگہ ہے۔ بس یاد رکھو اور جوڈی فرینک کے پاس موجود رہو۔"
میں پھر جوڈی فرینک کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پریشانی سے سوچ رہا تھا کہ ابھی جھونپڑی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ وہاں سے اتنی دور کیسے چلا آیا، میں نے اُسے سمجھنے کا موقع نہیں دیا۔ اُس کے دماغ پر قابض ہو کر آگے بڑھ گیا۔ اب وہ امدادی ٹیم والی گاڑی قریب پہنچ رہی تھی۔ وہ لوگ جوڈی فرینک کے پاس آکر رُک گئے۔ گاڑی سے دس مسلح جوان اُتر کر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔ اگلی سیٹ سے دو آدمی اتر کر آئے۔ انھوں نے پوچھا: "وہ دو عورتیں کہاں ہیں؟"
میں نے جوڈی فرینک کی زبان سے کہا: "وہ اندر بندھی ہوئی ہیں۔ ایزل ریوالور لیے اُن کے سر پر کھڑا ہوا ہے۔"
آنے والے ایک شخص نے کہا: "ہم نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن رابطہ قائم نہیں ہوا؟"
میں نے جواب دیا: "سونیا بہت تیز طرار ہے ہتھکڑی کے باوجود اُس نے ایک بڑا سا پتھر اُٹھا کر ٹرانسمیٹر پر دے مارا تھا جس کی وجہ سے وہ خراب ہو گیا ہے۔ چلو اندر چلیں۔ ہم انھیں تمھارے حوالے کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔"
یہ کہہ کر میں پلٹ گیا اور جھونپڑی کی طرف چلنے لگا۔ وہ لوگ میرے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ میں نے اپنی رفتار سست کی۔ اُن کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور باتیں کرنے لگا۔ باتیں کرتے کرتے ٹھیک اُسی جگہ آکر میں رُک گیا۔ پھر میں نے کچھ سوچنے کے انداز میں کہا: "ایک منٹ، مجھے کچھ یاد آ رہا ہے۔"
وہ لوگ میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ میں فوراً ہی جوڈی فرینک کے دماغ کو چھوڑ کر مرجانہ کے دماغ پر قابض ہوا۔ اِسی لمحے مرجانہ کے ہاتھوں نے بلوٹنگ ہینڈل کو دبا دیا۔
ایک ایسا زوردار دھماکا ہوا جیسے قیامت آ گئی ہو۔ اس بستی کی عورتیں اور بچے چیختے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ میں سونیا کے دماغ میں پہنچا تو وہ اسٹین گن کے برسٹ مار رہی تھی۔ جو لوگ بم کی زد میں آنے سے بچ گئے تھے اور اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے کہیں محاذ بنا کر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ سونیا ان پر فائرنگ کر رہی تھی۔ ایک شخص وہاں سے بھاگتا ہوا اس گاڑی کی طرف جا رہا تھا جس میں بیٹھ کر وہ لوگ آئے تھے۔ سارے کے سارے اس بم کی زد میں آ گئے تھے یا پھر سونیا کی فائرنگ نے انھیں ختم کر دیا تھا۔ صرف وہی ایک شخص گاڑی کی طرف بھاگے جا رہا تھا۔ سونیا نے اسٹین گن چھت پر رکھ کر دستی بم کو منہ سے لگایا۔ دانتوں سے اُس کی پن کو کھینچا۔ پھر پوری قوت سے اُسے گاڑی کی طرف پھینک دیا۔ وہ شخص گاڑی کے اندر بیٹھ کر اسٹیرنگ سنبھال چکا تھا۔ اُسی وقت وہ دستی بم اتفاق سے سامنے والی سیٹ پر جا کر گرا۔ پہلے تو شاید وہ نہ سمجھ سکا ہو کہ اُس کے پاس کیا آیا ہے لیکن جب اُس نے دیکھا اور سمجھا تو فوراً ہی دروازہ کھول کر باہر چھلانگنے لگا۔ اس سے پہلے ہی وہ بم پھٹ پڑا دوسری بار ایک زوردار دھماکا ہوا۔ گاڑی سے دھواں اُٹھا۔ پھر آگ لگ گئی۔ شعلے بھڑکنے لگے۔ چاروں طرف چیخ و پکار گونج رہی تھی۔ بستی کے لوگ بھاگتے ہوئے دُور جا کر کھڑے ہو گئے تھے اور وحشت زدہ ہو کر وہاں سے آگ اور خون کی ہولی دیکھ رہے تھے۔ ایک طرف آنے والی گاڑی شعلوں میں لپٹی ہوئی تھی۔ دوسری طرف کتنی ہی لاشیں جھونپڑی کے سامنے پڑی ہوئی تھیں اور لاشوں کا ڈھیر لگانے والی سونیا اسٹین گن ہاتھ میں اُٹھائے چھت پر یوں ٹانگیں پھیلائے یوں کھڑی تھی جیسے کہہ رہی ہو کوئی اور ہو تو سامنے آ جائے۔
میں نے مرجانہ کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ جھونپڑی کے

اندر کبھی ادھر اور کبھی ادھر جا کر باہر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ اتنی چیخ و پکار کیسی ہے اور کتنے لوگ مر چکے ہیں اور کتنے دشمن ابھی باقی ہیں۔ میں نے کہا "مرجانہ! سارے دشمنوں کا صفایا ہو گیا ہے۔ تم باہر نکل سکتی ہو۔"

وہ جھونپڑی کا دروازہ کھول کر دوڑتی ہوئی باہر آئی۔ پھر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم اوپر ابھی تک کیا کر رہی ہو۔ آ جاؤ۔"

اس کے ایسا کہتے ہی سونیا نے چھت پر سے چھلانگ لگائی اور اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ مرجانہ نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر غصے سے پوچھا "ان تمام لوگوں کو تم نے مارا ہے؟"

سونیا نے مسکرا کر پوچھا "تم غصے سے کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"وہ سالے تمہارے سامنے مارے گئے۔ میں کیا منہ دیکھتی رہوں ایک تو میرے لیے چھوڑا ہوتا۔"

سونیا ہنستے ہوئے بولی "میں نے نہیں تم نے مارے ہیں۔ تم نے اس بلوٹنگ ہینڈل کو دبایا تھا۔ اس کی وجہ سے یہ سالے سالے اس دھماکے میں اڑ گئے۔"

"ہاں مجھے یاد آیا۔ میں نے جب بلوٹنگ ہینڈل کو دبایا تب مجھے پتہ چلا کہ میں نے کیا کیا۔ یقیناً فرہاد نے ایسا کیا ہو گا۔"

سونیا نے مسکرا کر کہا "ہاں تم نے اور فرہاد نے مشترکہ طور پر اپنے آدمیوں کو اس بلوٹنگ ہینڈل کے ذریعے مارا ہے۔ یہ کارنامہ تو تم دونوں نے انجام دیا ہے۔"

مرجانہ نے کہا "مجھے نادان بچی سمجھ کر بہلانے والی باتیں نہ کرو۔ ساری پلاننگ تمہاری تھی۔ تم ہی نے یہ سارے بم زمین میں بچھائے۔ اوپر سے مٹی برابر کی۔ اس کے تار لا کر وہاں بلوٹنگ ہینڈل سے جوڑا۔ سارا کام کرنے کے بعد فرہاد کو بتایا کہ آگے کیا کرنا چاہیے اور اس نے اس پر عمل کیا۔ اب بتاؤ کہ تعریف کس کی ہونی چاہیے۔"

سونیا مسکرانے لگی۔ مرجانہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا "تعریفوں کی مستحق صرف تم ہو۔ جانتی ہو جب میں پہلی بار پاکستان میں فرہاد سے متاثر ہو رہی تھی تو میں سوچتی تھی، فرہاد کتنا باصلاحیت کتنا مستقل مزاج اور ناقابل شکست انسان ہے۔ یہی میرا دوست بن سکتا ہے اور میں نے اس سے دوستی کر لی۔ زندگی میں پہلی بار اس سے بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے بعد مجھے کوئی متاثر نہیں کرے گا لیکن تمہارے کارنامے آنکھوں کے سامنے آتے ہیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ فرہاد تمہارے سامنے کچھ نہیں ہے۔"

"ارے یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ اگر فرہاد سن رہا ہو گا تو ابھی تمہارے دماغ کو جھٹکے پہنچانا شروع کر دے گا۔"

وہ سر ہلا کر بولی "اوہ! فرہاد کو آتا کیا ہے۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے دماغی جھٹکے پہنچاتا ہے۔ دماغی قلا بازیاں کھاتا ہے اور دشمن کو ادھر سے ادھر پٹخ دیتا ہے لیکن تم ٹیلی پیتھی کے بغیر کیسے کیسے کارنامے انجام دیتی ہو، میں تو دیکھ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہوں۔ میرے اندر جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ میں بھی سونیا بن جاؤں۔"

سونیا نے ہنستے ہوئے پوچھا "سن رہے ہو فرہاد؟"

میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر کہا "سن رہا ہوں اور مرجانہ تم بھی سن لو۔ چونکہ تمہارے نزدیک ٹیلی پیتھی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے اب میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمہاری امی سے رابطہ قائم نہیں کروں گا اور نہ ہی انہیں پیرس سے نکلنے میں مدد دوں گا۔ تم اور سونیا اب پیرس پہنچ کر امی جی کی حفاظت کر لو گی۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

میری بات سنتے ہی مرجانہ اچھل پڑی۔ پھر بولی "ارے یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ ٹیلی پیتھی کی تو بڑی اہمیت ہے۔ میں تو سونیا کے بعد تمہاری تعریفیں کرنے والی تھی۔"

میں نے کہا "بس خبردار جھوٹی تعریف نہ کرنا۔ میں محض مذاق کر رہا تھا۔ بھلا تمہاری امی کو میں چھوڑ سکتا ہوں؟ وہ میری بھی تو امی ہیں نا، چلو خوش ہو جاؤ اور سونیا سے کہو کہ وقت ضائع نہ کرے۔ جھونپڑی کے اندر جیپ کھڑی ہوئی ہے اس میں بیٹھ کر فوراً وہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ جس شخص کو تم نے ٹانگ پر گولی مار کر زخمی کیا تھا اسے ہلاک نہ کرنا۔ اپنی جیپ میں بٹھا لینا۔ اس کے ذریعے عدیس ابابا تک پہنچ سکو گی۔ اگر وہ غلط گائیڈ کرے گا تو میں اسے دماغی جھٹکے پہنچاؤں گا۔ چلو فوراً وہاں سے روانہ ہونے کی کوشش کرو۔"

میں ان کے پاس سے واپس آ گیا۔ جنگل میں چاروں طرف سناٹا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر اپنے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ دور دور تک جنگل کی ہریالی تھی۔ گھنے درخت نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف آبشار کا منظر تھا۔ بہت بلندی سے پانی گر رہا تھا۔ اس کا شور کچھ ایسا تھا کہ کانوں کو برا نہیں لگ رہا تھا بلکہ تھکے ہوئے ذہن کو تھپک رہا تھا۔ میں نے سوچا، تھوڑی دیر مجھے بھی سوجانا چاہیے۔ اگرچہ جنگل میں

پہنچ کر ایسا لگتا تھا جیسے چاروں طرف جنگل میں دشمن چھپے ہوئے ہوں یا کسی دوسری طرح کی مصیبت ہمارے انتظار میں ہو کہ آنکھ لگے اور جھپٹ پڑے۔

لیکن نیند بھی پوری کرنی تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت تین بجنے والے تھے۔ میں نے سوچا۔ اگر پانچ بجے تک دو گھنٹے کی نیند پوری کر لوں تو میں بھی تازہ دم ہو جاؤں گا۔ پھر ہم رات کو ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھتے رہیں گے۔ یہ سوچ کر میں نے پھر ایک بار اپنے چاروں طرف دیکھا۔ جنگل میں یقیناً خطرات چھپے ہوئے تھے۔ کسی وقت بھی ظاہر ہو سکتے تھے لیکن کیا کیا جائے، آرام بھی ضروری تھا۔ میں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ پھر لیٹ گیا۔ لیٹ کر میں نے اپنا اور سونیا کا ہاتھ آہستگی سے اٹھا کر اوپر کی طرف کر لیا۔ ہم دونوں کا ہاتھ سر کے اوپر سبز گھاس پر پڑا رہا۔ پھر میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ دو گھنٹے تک سوتا رہوں۔ اگر دور سے بھی کوئی آہٹ سنائی دے یا کوئی جانور گزرے یا کوئی غیر معمولی بات ہو تو میری آنکھ کھل جائے ورنہ میں ٹھیک پانچ بجے خود بیدار ہو جاؤں گا۔

اپنے دماغ کو یہ ہدایت دینے کے بعد میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سو گیا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک میں گہری نیند سوتا رہا۔ مجھے اور آدھا گھنٹہ سونا چاہیے تھا۔ اس سے پہلے میری آنکھ نہ کھلتی لیکن ایک غیر معمولی بات ہو گئی۔ وہ یہ کہ سونی نیند کی حالت میں کروٹ بدلتی ہوئی میرے قریب آ گئی تھی۔ میں اس کی طرف منہ کیے لیٹا ہوا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے بالکل قریب ہو گئے۔ جب اس کا بدن مجھ سے لگا تو میری آنکھ کھل گئی۔

میں چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گیا۔ بڑی سلگتی ہوئی قربت تھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے مجھے جگانے کے لیے انگاروں میں پھینک دیا گیا۔ میں جاگ گیا تھا لیکن وہ سو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اسے بیدار کیا جائے۔ ایسا کرنے کے لیے میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ خود کو سوتا ہوا ظاہر کیا اور اس کے دماغ میں پہنچ کر اسے بیدار کر دیا۔

جیسے ہی اس کی آنکھ کھلی، وہ خود کو میرے قریب دیکھ کر ایک دم سے سناٹے میں آ گئی۔ پھر جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ حیرانی سے کبھی خود کو اور کبھی مجھے دیکھنے لگی اور یہ سوچنے لگی "یہ کیا ہو گیا فرہاد میرے قریب کیسے آ گیا تھا؟ شاید اس نے نیند میں شرارت کی ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "نہیں، پہلے مجھے حقیقت کو سمجھنا چاہیے۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ فرہاد میرے پاس آیا یا میں فرہاد کے پاس آ گئی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہی تو ہے، فرہاد تو جہاں لیٹا ہوا تھا وہیں پر ہے لیکن میں جہاں تھی، وہاں نہیں ہوں۔ خود ہی نیند میں سرکتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔ یہ میری ہی غلطی ہے۔"

تب وہ مجھے پیار سے دیکھنے لگی۔ اس کا دل کھنچا جا رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی "میں کب تک ضبط کروں۔ کب تک دور رہوں۔ میں جتنا اس سے دور رہنا چاہتی ہوں تقدیر اتنا ہی مجھے اس کے قریب لے آتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے بھگوان نے مجھے اسی کے لیے پیدا کیا ہے اور میرا دل یہی کہتا ہے کہ مروں گی تو اسی کے قدموں میں۔ نہیں تو ساری زندگی دور رہنے اور قریب آنے کی کشمکش میں مبتلا رہوں گی؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "آخر اس کشمکش سے کیا فائدہ۔ کسی فیصلہ کن نتیجے پر مجھے پہنچنا چاہیے۔ آج اس بات کا فیصلہ کر لینا چاہیے کہ یا میں ہمیشہ فرہاد کے سامنے رہوں گی یا پھر ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی سے اتنی دور چلی جاؤں گی کہ کبھی یہ خیال خوانی کے ذریعے بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

وہ سوچتی جا رہی تھی اور مجھے دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کا دل کہتا تھا کہ وہ مجھ سے دور نہیں جا سکے گی اور حالات بھی یہی کہہ رہے تھے کہ نہ ہتھکڑی کھلے گی نہ دوری ہو گی۔ یہ قربت پتہ نہیں کب تک قائم رہے۔ یہ ہتھکڑی جب تک نہیں کھلے گی۔ اس وقت تک وہ آزمائشوں سے گزرتی رہے گی اور اپنے محبوب کے اتنے قریب رہ کر اپنے آپ کو...

وہ سوچنے کے دوران آہستہ آہستہ میرے سر کے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ "میں اپنی ضد نہیں منوا سکوں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ اگر یہ میرا ہے، مجھ سے شادی ہو تو صرف میرا ہی رہے۔ کسی دوسری طرف رخ نہ کرے لیکن یہ میری خاطر سر جانی کو نہیں چھوڑے گا اور میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔ کیا مجھے اس کے سامنے جھکنا پڑے گا؟"

وہ آہستہ آہستہ جھکتی ہوئی میرے سینے کی طرف آئی اور اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔ تب اچانک ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں نے اسے تھوڑی دیر تک رونے دیا پھر یک بیک آنکھیں کھول کر حیرانی سے پوچھا "ارے کیا ہو گیا۔ سونی، کیا

بات ہے ؟"

میری آواز سنتے ہی وہ ایک جھٹکے سے میرے سینے سے الگ ہوگئی پھر بیٹھتے ہوئے اپنی ساری کے آنچل سے آنکھیں پونچھنے لگی۔ میں نے اُٹھتے ہوئے پوچھا "تم کیوں رو رہی ہو ؟"

وہ منہ پھیر کر بولی "کچھ نہیں"

"مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ، چھپاؤ گی تو میں تمہارے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرلوں گا۔ بہتر ہے کہ ہم اپنی زبان سے گفتگو کریں"

وہ چپ رہی سر جھکائے بیٹھی رہی۔ میں نے اس کے ہتھکڑی والے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا۔ "میں اچھی طرح جانتا ہوں تم میرے بازوؤں میں مرجانے کے لیے تیار ہو لیکن ظاہری شرم و حیا تمہیں روکتی ہے پھر تمہاری یہ ضد کہ میں صرف تم سے شادی کروں۔ تمہارا ہوکر رہوں میرے لیے ناممکن ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ سونیا میری کیسی ساتھی ہے۔ اگر میں اُس سے بے وفائی کروں گا تو زندگی کے کسی موڑ پر تم سے بھی بے وفائی کرسکتا ہوں۔ میری مجبوریوں کو سمجھو۔ میں نہ تو سونیا کو چھوڑ سکتا ہوں نہ تم کو"

وہ سر جھکائے ہوئے بولی "میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی"

"بہتر ہے کہ اسی موضوع پر باتیں کرو۔ ابھی تم میرے سینے پر سر رکھ کر رو رہی تھیں کیونکہ تم میرے سینے پر سر رکھ کر رو بھی سکتی ہو اور خوشیاں بھی حاصل کرسکتی ہو۔ بس تمہارے فیصلے کی دیر ہے"

اُس کی لانبی اور گھنی پلکیں آہستہ آہستہ اُٹھنے لگیں۔ اس نے اپنی غزالی آنکھوں سے مجھے دیکھا کتنی گہرائی تھی اُس کی آنکھوں میں بڑی بڑی سیاہ آنکھیں میری آنکھوں کے راستے دل میں اُتر رہی تھیں۔ پھر اُس نے آگے کی طرف جھک کر اپنے سر کو میرے سینے پر رکھ دیا۔ دوسری بار پھر اسی طرح رونے لگی۔ میں نے پوچھا "بھئی آخر کیا ہوا۔ کچھ بولو تو سہی ؟"

وہ روتے ہوئے بولنے لگی "میں اس طرح نہیں رہ سکتی۔ مجھ سے شادی کرلو۔ ابھی شادی کرو"

"تم کیا کہہ رہی ہو۔ اس جنگل میں ہماری شادی کیسے ہوسکتی ہے ؟"

"کیوں نہیں ہوسکتی۔ کیا جنگل میں ہمارا خدا نہیں رہتا ؟ کیا وہ ہماری اچھائیوں اور برائیوں کو نہیں دیکھ رہا ہے ؟ تم مجھے بیوی کی حیثیت سے اور میں تمہیں شوہر کی حیثیت سے قبول کرتی ہوں۔ ہم ساری زندگی کے لیے اس رشتے کو نبھانے کا وعدہ کریں گے اگر ہم میں سے کسی نے بددیانتی اور بے ایمانی کی دھوکا دیا بے وفائی کی تو خدا اُسے سمجھے گا"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہم خدا کو حاضر و ناظر جان کر ازدواجی رشتے میں منسلک ہوسکتے ہیں اور آئندہ اُسے دیانت داری سے نباہ سکتے ہیں لیکن پہلے اُس کے لیے تمہارا مسلمان ہونا ضروری ہے"

"میں تیار ہوں"

"تو میں کلمہ پڑھتا ہوں۔ تم دوہراؤ"

اُس نے مجھ سے الگ ہوکر اپنی ساری کو درست کیا۔ اُس کے آنچل کو اپنے سر پر رکھا پھر اُسے گھونگھٹ بنالیا۔ میں اُس کے شانہ بشانہ پلتھی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی جنگل بھی خاموش تھا۔ ہر طرف سکون تھا کہیں کہیں چڑیوں کے چہچہانے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ پھر سامنے بہتا ہوا دریا گنگناتا جارہا تھا۔ میں نے کلمہ پڑھا اس نے دوہرایا۔ پھر میں نے کہا "اے خدا تو گواہ رہ کہ یہ اپنی مرضی سے مسلمان ہورہی ہے"۔ تب مجھے رسونتی کی سنجیدہ اور گمبھیر آواز سنائی دی "اے بھگوان! انسان مذہب کے لیے جیتا ہے مذہب کے لیے مرتا ہے مگر دل ایک ایسی جگہ ہے جہاں کوئی مذہب باقی نہیں رہتا۔ دل میں صرف پیار کی پوجا ہوتی ہے اور ہم نے سُنا ہے کہ تو پیار میں ہی چھپا رہتا ہے"

اتنا کہہ کر وہ ذرا چپ ہوئی۔ میں نے کہا "اے خدا! انسان کا دل بھی ایک کعبہ ہے۔ اسی کعبے میں تو رہتا ہے، یہی کعبہ پیار سے دھڑکتا ہے تجھ سے خوف کھاتا ہے۔ تیری عبادت کرتا ہے اور تیرے ہی نام پر اپنی محبوب ہستی کو اپنالیا ہے۔ اے خدا، میں تیرے ہی نام پر آج رسونتی کو اپنا رہا ہوں کیونکہ یہاں کوئی نہیں جو گواہ بن سکے اور اگر ہم کچھ دیر اور اس طرح رہے تو گناہ کے آلودہ راستے پر جاسکتے ہیں"

ہمارے سامنے وہ صاف و شفاف گنگناتا ہوا دریا ایسا لگ رہا تھا جیسے ہمارے ساتھ ساتھ وہ بھی کچھ بولتا جارہا ہو اور خوشی میں بہتا جارہا ہو۔ رسونتی نے کہا "اے بھگوان! ہم سُنتے ہیں کہ زندگی ایک بار ملتی ہے۔ عورت کہتی ہے کہ آبرو ایک بار ملتی ہے۔ جب آبرو جاتی ہے تو پھر چلی جاتی ہے اس لیے عورت یہ چاہتی ہے کہ آبرو جس کے ہاتھ میں جائے وہ مرد ہمیشہ اس کی آبرو بن کر رہے۔ اے بھگوان! دنیا جہان کے لوگوں کی عقل سے کھیلنے والے فرہاد کو عقل دے کہ وہ عورت کی اہمیت کو سمجھے اور بے حیائی کی دنیا سے نکل کر دیکھے کہ عورت

حیا کیا ہوتی ہے۔ وہ سوائے اپنے مرد کے کسی کو اپنا منہ بھی نہیں دکھانا چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ فرہاد ہمیشہ میرا رہے صرف میرا۔ کیا میری یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہوگی ؟"

میں نے کہا "اے خدا، ہم اپنے مذہب اپنے ماحول سے جو کچھ سیکھتے ہیں اُس پر عمل کرتے ہیں اور ہم اپنے طور پر مجبور ہوتے ہیں ہمارے یہاں اس بات کی گنجائش ہے کہ اگر ایک مرد دو عورتوں سے انصاف کرسکتا ہے اُن کے ساتھ برابر کا سلوک کرسکتا ہے کسی کی محبت میں کمی نہیں کرتا اور دونوں کو ہمیشہ عزت دے سکتا ہے تو وہ دو عورتوں کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہے۔ شرط یہی ہے کہ حیا اور عزت برقرار رہے۔ میں رسونتی کی حیا، اس کی آبرو اور اُس کے تحفظ کا یقین دلاتے ہوئے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی اُس کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ حالات نے اگر دور کیا تو پھر قریب آنے کی کوشش کروں گا۔ بہرحال میں رسونتی میری شریک حیات اور میری عزت بنی رہے گی"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "آہ! میں اپنے دل سے مجبور ہوکر اپنے شوہر کی یہ ضد یا یہ اصول برداشت کرلوں گی کہ وہ بے شک بھی کسی کو اپنے قریب سمجھے یا اپنے قریب لائے لیکن میں ازدواجی رشتے کی ابتدا کرنے سے پہلے اپنے شوہر سے ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں اور وہ یہ کہ میرا شوہر سال کے پہلے مہینے میں اور سال کے آخری مہینے میں صرف میرے ساتھ زندگی گزارے۔ میرا ایک گھر ہو میرے بچے ہوں میرا شوہر ہو سال بھر کے اس دو مہینے میں کوئی عورت میرے شوہر کے قریب نہ آئے صرف میں اپنے شوہر کی ملکیت بنی رہوں اور میرا شوہر میری ملکیت بنا رہے بس میں یہی وعدہ چاہتی ہوں"

وہ بڑی عجیب شرط منوا رہی تھی کہ دسمبر اور جنوری کا مہینہ میں صرف اُس کے ساتھ گزاروں اور ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا نہ ہو۔ بس ہمارا گھر ہو اور ہم ہوں یعنی دو مہینے مسلسل مجھے ہر سال گھریلو زندگی گزارنی ہوگی۔ پھر دس مہینے کے لیے میں آزاد ہوجایا کروں گا۔ میں نے سوچا چلو یہ بھی ٹھیک ہی ہے۔ دو ماہ کی گھریلو زندگی گزارنے کی پریکٹس رہے گی۔ باقی دس ماہ تک آزادی رہے گی۔ میں نے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں۔ سال کے دو مہینے دسمبر اور جنوری صرف رسونتی کے لیے مخصوص رہیں گے میرے اور رسونتی کے علاوہ کوئی تیسری ہستی ہماری دو ماہ کی زندگی میں نہیں آئے گی اور ہم باقاعدہ ایک گھریلو زندگی گزاریں گے"

میری باتیں سن کر رسونتی نے بیٹھتے ہوئے دریا کی طرف دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ اُس کے ہاتھ کے ساتھ میرا ہاتھ بھی اُٹھا۔ میں نے اُس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ سنسکرت میں کچھ دعائیں پڑھ رہی تھی۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔ اُس کے بعد اُس کی دعا ختم ہوئی تو وہ میری طرف ذرا سا گھوم گئی۔ اُس نے میرے قدموں کے پاس ہاتھ لے جاکر وہاں کی گھاس کو تھوڑا سا اکھاڑ دیا۔ پھر میرے قدموں کے پاس جو مٹی تھی اُسے اُٹھا کر سیندور کی طرح اپنی مانگ میں رکھ لیا۔

میں نے اُسے بڑے پیار سے دیکھا۔ پھر اُس کے گھونگھٹ کو اُٹھا کر اُس کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگایا۔ اُس کے چہرے کو تھامتے ہوئے کہا "رسونتی تمہارے دھرم کے مطابق اب تم ایک سہاگن ہو۔ تمہاری مانگ میں سُرخ سیندور کی لکیر ہونی چاہیے۔ میں تمہیں سیندور لگاؤں گا"

یہ کہہ کر میں نے اپنی کمر سے چاقو نکالا۔ اُسے کھول کر میں نے اپنے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کو ذرا سا کاٹ لیا۔ انگوٹھا چاقو کی دھار پر پڑتے ہی سُرخ خون اُبلنے لگا۔ میں نے اس انگوٹھے کو رسونتی کی مانگ میں رکھا اور پھر دور تک سُرخ لہو کی لکیر کھینچتا چلا گیا۔

رسونتی نے میرے لہو کی لکیر کو اپنے دل تک محسوس کیا۔ خوشی سے کھل گئی۔ جنگل اور ہرا ہوگیا۔ پرندے چہچہانے لگے۔ اِدھر سے اُدھر یوں اُڑنے لگے جیسے خوشی سے رقص کررہے ہوں۔ سامنے بہتا ہوا دریا کچھ اور سُروں میں گنگنانے لگا۔ ایک گلہری مستی میں آکر ایک درخت پر چڑھ رہی تھی۔ دوسری طرف ایک گرگٹ رنگ بدل رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ اس دُنیا میں کتنے رنگ ہوتے ہیں اور وقت اور ماحول کے مطابق جانور ہوں یا انسان کتنے رنگ بدلتے رہتے ہیں میرے اور رسونتی کے بھی رنگ اور مزاج بدلتے جا رہے تھے۔

اے جنگل تجھ میں منگل ہوا، مبارک ہو۔

اے مصیبتو، آفتو، دور ہٹ جاؤ۔ تم تو آتی ہی رہتی ہو۔ آج میری زندگی میں پہلی بار دُلھن آئی ہے۔ مجھے اُسے جی بھر کر دیکھ لینے دو۔ جب میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھوں گا تو تم میرے راستے میں آنا۔ میں تم سب کو اپنی دلھن کی خاطر کاٹتا چلا جاؤں گا۔

اے دشمنو تمہارا شکریہ کہ تم نے نفرت کی ہتھکڑی پہنا کر ہمیں محبت کی ہتھکڑی میں پرو دیا۔ نفرت کی ہتھکڑی کسی وقت بھی کٹ جائے گی لیکن محبت کی ہتھکڑی زندگی

کی آخری سانس تک نہیں کھلے گی۔

ہم اس دائرے کے اندر رہے جس کے باہر زہریلے کیڑے مکوڑے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اور اس سفید سفوف کے باعث اندر نہیں آسکتے تھے۔ اندر ہم دونوں محفوظ تھے اور محبت بھری زندگی کا ایک ایک لمحہ گزار رہے تھے۔

پھر بہت سارا وقت گزر گیا۔ سورج مغرب کی طرف ڈوبنے لگا۔ شام کے سائے پھیلنے لگے۔ گھنے درخت اپنی کالی پرچھائیوں سے جنگل کو ڈھانپنے لگے۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا "چلو، بہت دیر ہو چکی ہے۔ ہمیں پھر سے سفر شروع کرنا ہے۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی لیکن شرم سے نظریں جھکائے رہی۔ وہ میری طرف دیکھنے سے کترا رہی تھی۔ میں اٹھ کر کھڑا ہوا تو وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ دریا کی طرف اشارہ کر کے منہ پھیر کر بولی "ہم ادھر جائیں گے۔"

میں نے کہا "آؤ، چلو۔"

میں اس کے ساتھ اس دائرے میں سے نکل کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ اس نے سر جھکا کر کہا۔ "پہلے جوتے اتار دو۔"

میں نے پوچھا "کیوں؟"

"ہم پانی میں جائیں گے۔"

"پانی میں کیوں جائیں گے۔ ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے کہ ڈوب مرنے کی ضرورت ہو۔"

"تم بہت بولتے ہو۔ میں جو کہہ رہی ہوں، وہی کرو۔ جلدی سے جوتے اتار دو۔"

میں نے ایک پتھر پر بیٹھ کر دونوں جوتے اتار دیے۔ اس کے بعد وہ بولی "اب اپنی جیب سے رومال نکال کر اپنی آنکھوں پر باندھ لو۔"

"بھئی، آخر کیوں؟"

وہ بولی "اتنا نہیں سمجھتے۔ میں غسل کروں گی۔"

میں نے کہا "اب اندھیرا ہو رہا ہے۔ ٹھنڈک بڑھ رہی ہے۔ اس وقت غسل کرنا کیا ضروری ہے۔ کل جب دھوپ نکلے گی تو غسل کر لینا۔"

"میں تمھاری طرح گندی نہیں ہوں۔ چلو جلدی سے آنکھوں پر رومال باندھ لو۔"

میں نے جیب سے رومال نکال کر آنکھوں پر باندھ لیا۔ پھر وہ بولی "میں پانی میں جا رہی ہوں۔ تمھیں میری قسم ہے میری طرف نہ دیکھنا اور نہ ہی رومال کھولنا۔ اگر دیکھو گے تو میں مر جاؤں گی۔"

ہم تھوڑی دیر بعد پانی میں اتر گئے۔ رسونتی بالکل خاموش تھی۔ اس کا سارا دھیان میری طرف تھا کہ کہیں میں دیکھ نہ لوں۔ میں نے اس خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سونیا اور مرجانہ کی خبر لی۔ بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ دونوں شہر مدلیس آ گئی تھیں۔ انھیں سپر ماسٹر کی طرف سے بھیجی ہوئی وہ ٹیم لے آئی تھی جو ان کی امداد کے لیے مونا نگا کی بستی کی طرف جا رہی تھی۔ اس ٹیم نے انھیں شہر میں لا کر پناہ دی تھی۔ میری اور سونیا کی فرمائش کے مطابق اب مرجانہ کو پاکستان بھیجنے کے انتظامات کیے جا رہے تھے۔ جب میں نے سونیا کو مخاطب کیا تو وہ غصے سے بولی "اتنی دیر تک کہاں تھے۔ میں کئی بار تمھیں پکار چکی ہوں۔"

"بھئی غصہ کیوں ہوتی ہو۔ کیا میں کسی شہر میں ہوں کہ رنگ رلیاں مناتا پھر رہا ہوں۔ یہاں مصیبتوں میں گرفتار ہوں۔ ایک مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں۔ میں ابھی تمھیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آؤں گا تو تمھیں تفصیل سے یہاں کے حالات بتاؤں گا۔ اس وقت بے انتہا تاریکی ہے اور ہر طرف جنگلی جانوروں کا خطرہ ہے۔ دشمن بھی کہیں سے آسکتے ہیں۔ اس لیے مجھے اجازت دو۔ میں صرف تمھاری خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

ان سے رخصت ہو کر میں نے سائرہ بانو کی خبر لی۔ پتہ چلا کہ ان کی روانگی کے لیے ابھی دو گھنٹے کا وقت باقی ہے۔ میں وہاں سے بھی مطمئن ہو کر واپس آ گیا۔ اتنی دیر میں رسونتی غسل کر چکی تھی۔ اس نے ہتھکڑی والے ہاتھ کو ذرا سا جھٹکا دے کر کہا "باہر چلو مگر تمھیں قسم ہے۔ آنکھیں بند رکھنا۔"

میں آنکھ بند کیے اس کے ساتھ باہر آیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم کپڑے پہن چکے تھے۔ بھوک بڑے زور کی لگ رہی تھی۔ ہم نے کچھ نکالا۔ تھوڑا سا کھایا۔ دریا کا پانی پیا۔ بہت ہی ٹھنڈا میٹھا پانی تھا۔ ہم نے دونوں بوتلوں سے پانی پھینک کر اس تازہ پانی کو بوتلوں میں بھر لیا۔ جب ہم وہاں سے سامان اٹھا کر روانہ ہوئے تو اس وقت میری گھڑی میں سات بج رہے تھے اور جنگل میں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ چاند آدھی رات کے بعد نکلنے والا تھا۔ میرے ہاتھ میں ٹارچ تھی اور میں اس کی روشنی میں رسونتی کو ساتھ لیے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

ہم دریا کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ خیال تھا کہ ایسے گھنے جنگلوں میں اکثر دریا کے کنارے انسانی آبادی ہوا کرتی ہے۔ شاید اسی طرح ہم کنارے کنارے انسانی آبادی میں پہنچ جائیں۔

رسونتی کی چال بدل گئی تھی۔ کبھی ڈگمگاتی تھی۔ کبھی میرا سہارا لے کر آگے بڑھتی تھی۔ نشے میں چور تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ خمار آلود تھی۔ جس کا سپنا دیکھتی آئی تھی۔ آج پی لینے کے بعد مدہوش ہو رہی تھی۔

وہ چلتے چلتے جب ڈگمگاتے ہوئے میرا سہارا لینا چاہتی تو میں رک جاتا تھا۔ تھوڑی دیر تک اسے جی بھر کر سہارا دیتا تھا۔ اس کے بعد ہم آگے بڑھ جاتے تھے۔ اس کا انداز مجھے بڑا پیارا لگ رہا تھا۔ وہ قدم قدم پر میری تمنا کر رہی تھی۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ یہ سفر ختم ہو جائے، فوراً ہی منزل آ جائے اور ہم اسی طرح گھاس کے مخملی بستر پہ آرام سے لیٹ جائیں اور وہ میرے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لے اور ساری دنیا کو بھول کر میری ذات میں گم ہو جائے۔

ٹارچ کی روشنی دور دور تک پہنچ رہی تھی۔ ہمارے سامنے کبھی گھنی جھاڑیاں آ جاتی تھیں اور کبھی درخت آ جاتے تھے کبھی کوئی چھوٹا سا تالاب بھی راستہ میں آ جاتا تھا یا دلدل بھی دکھائی دیتی تھی۔ ٹارچ کی روشنی میں ہم ان چیزوں سے کتراتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ رسونتی نے کہا "ہم اتنی اندھیری رات میں زیادہ دیر نہیں چل سکیں گے۔ کہیں اگر پناہ ملنے کی جگہ مل جائے تو کتنا اچھا ہوتا۔ رات آرام سے گزار کر صبح پھر چلنا شروع کر دیتے۔"

میں نے کہا "مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ دوپہر سے اب تک ہم نے کسی جنگلی جانور کو نہیں دیکھا۔ کوئی ایسا درندہ جانور بھی ہمارے سامنے سے نہیں گزرا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جنگل کا یہ علاقہ جانوروں سے بالکل خالی ہے۔"

رسونتی نے کہا "میں نے سنا ہے کہ بھیانک جنگلوں میں اگر کوئی بلا ہوتی ہے تو اس بلا کے خوف سے جانور وہ علاقہ چھوڑ دیتے ہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ یہاں کوئی آسیب یا بلا ہو اور ہم اسی کی گرفت میں چلے جا رہے ہوں؟"

"تم کہانیوں والی باتیں کر رہی ہو اور ہم کہانیوں کے کردار نہیں ہیں۔ سچ مچ ایک بھیانک جنگل سے گزر رہے ہیں اور جنگلوں میں سانپ، بچھو، زہریلے کیڑے مکوڑے، خونخوار درندے اور ریچھ بھالو ہوتے ہیں۔ بلائیں نہیں ہوتیں اور اگر کوئی جادوگر یا چڑیل ہو اور اس علاقے میں بلا بن کر رہتی ہو تو پھر دیکھیں گے کہ وہ بلا کیسی ہوتی ہے۔"

میں ایسا سوچتا ہوا جا ہی رہا تھا کہ اچانک میری ٹارچ کی روشنی ایک انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے پر پڑی۔ میں نے فوراً ہی ٹارچ کی روشنی کو وہاں سے ہٹا دیا۔ تاکہ رسونتی دیکھنے نہ پائے۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بڑا بھیانک تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہمارے ہی انتظار میں بتیسی نکالے کھڑا ہوا ہو۔ میں آگے بڑھتے ہوئے اس ڈھانچے سے کتراتے ہوئے دوسری طرف چلا جاتا تو ادھر بھی ذرا دور ایک ڈھانچہ نظر آیا۔ وہ درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے جنگل میں چلتے چلتے تھک گیا ہو اور آرام سے ٹیک لگائے سستا رہا ہو۔

میں نے پھر ٹارچ بجھا دی، رسونتی نے پوچھا "کیا ہوا اندھیرا کیوں کر دیا؟"

میں نے سمجھایا "ہمارے پاس ایک ہی ٹارچ ہے اگر ہم اسے مسلسل روشن رکھیں گے تو اس کے سیل ختم ہو جائیں گے۔ پھر ہم اندھیرے میں بھٹکتے رہیں گے۔"

"تو کیا اب اندھیرے میں بھٹکنے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں میرے پاس آئی لینس ہیں۔ میں انھیں اپنی آنکھوں پر چڑھا لیتا ہوں، مجھے اندھیرے میں دور دور تک نظر آئے گا۔"

"اور مجھے؟"

"تمھیں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم ایک تو میرے ساتھ ہتھکڑی میں بندھی ہوئی ہو دوسرے یہ کہ میں تمھارا محافظ ہوں۔ کسی غلط جگہ نہیں لے جاؤں گا۔ تم میرے سہارے اندھیرے میں چلتی رہو گی اور میں راستہ دیکھتا رہوں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے ٹارچ کو اپنی کمر سے لٹکا لیا۔ پھر اپنی چور پاکٹ سے وہ آئی لینس نکال کر آنکھوں پر چڑھا لیے۔ اب مجھے دور تک سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ رسونتی اندھی بنی ہوئی تھی اور میں یہی چاہتا تھا کہ وہ کچھ نہ دیکھنے پائے۔

لیکن اب میں بہت کچھ دیکھ رہا تھا۔ ذرا آگے میں نے دیکھا دو چار پرندوں کے ڈھانچے ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے غور کرنے پر پتہ چلا کہ وہ یا تو عقاب یا باز جیسے پرندے ہیں گے یا مردار کھانے والے گدھ کے ڈھانچے ہیں۔ میں نے رسونتی کو اپنے ایک بازو میں سمیٹ لیا تھا اور اسے ساتھ لے کر سنبھل سنبھل کر چلتا ہوا ان ڈھانچوں سے کتراتا ہوا گزر رہا تھا۔

رسونتی نے پوچھا "تم نے اپنی چال سست کیوں کر دی ہے، اتنا سنبھل کر کیوں چل رہے ہو۔۔؟"

میں نے کہا "ادھر خاردار جھاڑیاں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تمھارا لباس ان جھاڑیوں سے الجھ جائے یا کانٹے چبھ جائیں تم اطمینان سے میرے ساتھ چلتی رہو۔"

میں آگے بڑھتے ہوئے دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ کیا یہاں سے واپس چلا جاؤں؟ یہ کیسے ڈھانچے ہیں جو ادھر

اُدھر پڑے ہوئے ہیں یہ کون لوگ تھے۔ کیا ان لوگوں نے گِدھوں کو شکار کیا تھا یا گِدھوں نے اُن کی بوٹیاں نوچ لی تھیں۔ کچھ ایسا ہوا تھا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

میں نے چلتے چلتے دور دور تک نظریں دوڑائیں تو ایک اونچے ٹیلے پر مجھے جھونپڑی نظر آئی، میں اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ میں نے رسونتی سے کہا "یہاں سے آدھے فرلانگ کے فاصلے پر ایک جھونپڑی نظر آ رہی ہے۔"

"سچ ؟" وہ خوش ہو گئی۔

"ہاں لیکن وہ ویران لگتی ہے۔ وہاں اندھیرا ہے شاید وہاں کوئی رہتا نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ جھونپڑی کے دروازے اور کھڑکیاں بند ہوں۔ اندر دیا روشن ہو جس کی روشنی باہر نہیں آ رہی ہو، ہمیں وہاں چل کر دروازے پر دستک دینا چاہیے۔"

میں نے اُسے آگے بڑھاتے ہوئے کہا "اچھی بات ہے چلو۔" ہم آگے بڑھے۔ چند قدم کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں ذرا ٹھٹک گیا۔ رسونتی نے پوچھا "کیا بات ہے ؟"

میں نے کہا "یہاں آگے دلدل ہے۔ اس طرف سے چلو۔"

میں وہاں سے کترا گیا۔ کیونکہ وہاں بھی ایک انسانی ڈھانچہ پڑا ہوا تھا جس طرف کترا کر میں گیا، وہاں بھی ایک انسانی ڈھانچہ نظر آیا، ڈھانچے کے ساتھ اسٹین گن اور کارتوس وغیرہ پڑے ہوئے تھے، کچھ سامان بھی تھا۔

میں نے دور تک نظریں دوڑائیں۔ وہاں ایک نہیں کئی اسٹین گنیں پڑی ہوئی تھیں۔ ڈھیر سارے کارتوس بھی تھے اور ڈھیر ساری انسانی لاشیں دور تک اِدھر اُدھر پڑی ہوئی تھیں لیکن اب وہ لاشیں نہیں تھیں صرف ہڈیوں کے ڈھانچے تھے۔

رسونتی نے پوچھا "رُک کیوں گئے ؟"

"میں ذرا سوچ سمجھ کر اس جھونپڑی کی طرف جانا چاہتا ہوں۔"

"میں بہت دیر سے محسوس کر رہی ہوں کہ تم سنبھل سنبھل کر چل رہے ہو اور رُک جاتے ہو ضرور کوئی بات ہے۔ تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اطمینان رکھو میں تمہاری حفاظت کے لیے ہی سب کچھ کر رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم تو ہو کہ کیا کر رہے ہو۔ یہاں ہمارے آس پاس کیا ہے، میں تو بالکل اندھی بنی ہوئی ہوں۔ دیکھو تمہیں میری قسم ہے۔ مجھ سے کچھ نہ چھپانا۔ بتاؤ کہ تم اتنے محتاط کیوں ہو گئے ہو؟"

"تم نے اپنی قسم دی ہے تو میں مجبور ہوں، میں اس لیے نہیں بتانا چاہتا تھا کہ تم ڈر جاؤ گی۔"

"کیا یہاں ڈرنے کی کوئی بات ہے ؟"

ایسا کہتے وقت وہ مجھ سے چپک گئی تھی۔

"میرے لیے نہیں تمہارے لیے ڈرنے کی بات ہے کیونکہ تم بڑی ڈرپوک ہو۔"

"کچھ بھی ہو مجھے بتاؤ۔ میں نہیں سنوں گی تو مجھے چین بھی نہیں ملے گا۔"

"تو پھر سنو۔ یہاں آس پاس دور دور تک انسانوں کے اور گِدھوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے ہیں۔"

یہ سنتے ہی وہ ایک دم سے لپٹ گئی۔ بولی "کیا تم سچ کہہ رہے ہو یا مجھے ڈرا رہے ہو نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا اس ویران جنگل میں انسانی لاشیں کہاں سے آئیں گی ؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یہاں جن کے ڈھانچے پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کی اسٹین گنیں اور دوسرے سامان وغیرہ بھی اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں۔ ذرا ٹھہرو۔ میں اسٹین گن اٹھا کر چیک کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کارآمد ہو سکتی ہیں یا نہیں ؟"

وہ مجھ سے اور زیادہ لپٹ کر بولی "نہیں میں تمہیں اُن ڈھانچوں کے قریب نہیں جانے دوں گی۔ اگر کوئی تم سے لپٹ گیا تو ؟"

"پاگل ہوئی ہو یہ بے جان ہیں یہ کیسے لپٹ جائیں گے؟"

"جو بھوت ہوتے ہیں وہ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں زندہ انسانوں سے لپٹ جاتے ہیں ان کا خون چوس لیتے ہیں۔ اُنھیں کھا جاتے ہیں۔"

"خدا کے لیے رسونتی ذرا ہمت سے کام لو۔ اسی لیے میں تمہیں کچھ نہیں بتا رہا تھا۔ کہو تو میں تمہاری خواہش کے مطابق روشنی کر دوں، ٹارچ نکالوں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں، نہیں، میں کچھ نہیں دیکھنا چاہتی۔ میں اندھی بنی رہوں۔ یہی اچھا ہے۔"

میں اُسے ساتھ لے کر ایک ڈھانچے کے قریب گیا وہاں میں نے جھک کر اسٹین گن اٹھائی۔ اس نے پوچھا "کیا کر رہے ہو ؟"

میں نے اسٹین گن کو چیک کرتے ہوئے کہا "یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ ہمارے کام آئے گی یا نہیں۔ اب پرواہ مت کرو ہم نہتے نہیں ہیں۔ دشمنوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

یہ کہہ کر میں کارتوس کا ایک پورا بیلٹ اُٹھا کر اس اسٹین گن میں سیٹ کرنے لگا۔ رسونتی نے پوچھا "یہاں بہت سارے انسانی ڈھانچے ہیں۔ کیا اُن لوگوں نے اسٹین گنوں سے اپنے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کیا ہوگا۔ ضرور کیا ہوگا لیکن یہ زندہ نہیں رہے اور ہم تو بالکل اکیلے ہیں بلکہ میں تو اسٹین گن پکڑنا بھی نہیں جانتی۔ تم اکیلے دشمنوں سے کب تک مقابلہ کرتے رہو گے ؟"

میں نے اسٹین گن اُس کے ہاتھوں میں پکڑاتے ہوئے کہا "اسے اپنے پاس رکھو۔ یہ فائرنگ کے لیے بالکل تیار ہے میں دوسری اسٹین گن اپنے لیے تیار کر رہا ہوں، جب میری اسٹین گن خالی ہو جائے گی تو میں تم سے یہ لے لوں گا تاکہ مسلسل فائرنگ کی جا سکے۔"

یہ کہہ کر میں اُس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے دوسری اسٹین گن کے قریب پہنچا۔ اسی وقت دُور کہیں سے پھڑ پھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ ایسا لگا تھا جیسے کوئی بڑا سا پرندہ اپنے پَر پھڑ پھڑا کر خاموش ہو گیا ہو۔ میں نے آواز کی سمت کا تعین کیا۔ پھر اُدھر سر گھما کر دیکھا۔ ایک درخت کی شاخ پر بہت سے گِدھ بیٹھے ہوئے تھے۔

رسونتی نے پوچھا "یہ کیسی آواز تھی ؟"

"ایک پرندہ درخت کی شاخ پر بیٹھا ہے۔ اُس نے اپنے پر پھڑ پھڑائے تھے۔"

"اور کوئی بات تو نہیں ہے۔"

"تم تو خواہ مخواہ سہمی جا رہی ہو۔ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے ایک اسٹین گن اُٹھائی۔ اُسے چیک کیا۔ پھر کارتوس کا لمبا سا بیلٹ اُٹھا کر اس اسٹین گن میں بھی سیٹ کر دیا۔ اب ہمارے پاس دو اسٹین گن بالکل تیار تھیں اور ہم کسی بھی انجانے دشمن کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ ہم آگے بڑھتے ہوئے ذرا جھونپڑی کے قریب پہنچے۔ پھر میں نے بلند آواز سے پوچھا "یہاں کوئی ہے۔ اگر کوئی ہے تو باہر آ جائے۔ ہم بھٹکے ہوئے مسافر ہیں، پناہ لینے آئے ہیں۔"

اس جنگل میں میری آواز دُور تک گونجتی ہوئی گئی پھر سناٹا چھا گیا۔ جھونپڑی کی طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ رسونتی نے میرا ہاتھ تھام کر کہا "ایک بات بتاؤ فرہاد۔ اس وقت جب تم نے وہ ٹارچ بجھا کر اپنی آنکھوں پر آئی لینس چڑھایا تھا۔ کیا اسی وقت سے تم نے انسانی ڈھانچے دیکھے تھے ؟"

"ہاں میں نے اسی وقت سے دیکھے تھے تمہیں اس لیے نہیں بتایا تھا کہ تم ڈر جاؤ گی۔"

وہ جھنجلا کر بولی "یہ کیا حماقت ہے۔ جب تم نے ڈھانچے دیکھ ہی لیے تھے تو واپس کیوں نہیں پلٹ گئے۔ ہم کسی دوسری طرف چلے جاتے۔"

"کیا ہم اسی راستے پر واپس جاتے۔ جہاں سے بھاگتے ہوئے آئے ہیں وہاں دشمنوں سے ہمارا سامنا ہو جاتا۔"

"بلا سے سامنا ہو جاتا۔ وہ زندہ دشمن ہوتے۔ اُن سے تم نمٹ لیتے۔ تم زندہ انسانوں سے مقابلہ کرنا جانتے ہو لیکن یہاں مُردوں سے کیسے مقابلہ کیا جا سکے گا۔ دیکھتے نہیں۔ یہاں موت کا سناٹا ہے۔ کوئی جواب نہیں ملتا لیکن موت یہاں بہر حال موجود ہے اور ہمارے آس پاس گونجتی ہی ہوئی ہے۔"

ایسا کہتے وقت وہ مارے خوف کے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ میں نے کہا "کیا تمہارے ڈرنے اور کانپنے سے موت نہیں آئے گی۔ دیکھو رسونتی جس چیز سے ہمیں نجات نہیں مل سکتی اُس سے ڈرنے سے کیا فائدہ۔ ہمیں ہمت سے کام لیتے ہوئے موت کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ ایسے ہی ہم زندہ رہنے کی توقع کر سکتے ہیں۔ ورنہ ڈرتے ڈرتے تو ہم موت سے پہلے ہی مر جائیں گے۔"

اُسے سمجھانے کے بعد میں نے پھر جھونپڑی کی طرف سر اُٹھا کر دوبارہ آواز دی "یہاں کوئی ہے، ہے کوئی ہے ؟"

میں یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔ رسونتی نے کہا "یہاں جواب نہیں ملے گا معلوم ہوتا ہے جو لوگ بھی تھے وہ سارے کے سارے مارے گئے ہیں۔ یہ جھونپڑی بالکل ویران ہے یا پھر اس تاریک جھونپڑی میں کوئی بلا رہتی ہے۔ ایسی بلا جس نے اُن سارے انسانوں کو کھا لیا ہے۔"

"تم تو بالکل بچوں جیسی باتیں کرتی ہو۔ یہاں کوئی بلا نہیں ہے۔ ہاں کوئی مصیبت ضرور ہے اور مصیبتیں تو انسان کی زندگی میں آتی ہی رہتی ہیں۔"

یہ کہہ کر میں رسونتی کو لیے ہوئے ذرا اور آگے بڑھا۔ وہ جھجکتے ہوئے بولی "جھونپڑی کی طرف نہ جاؤ۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

میں چند قدم چلنے کے بعد رُک گیا۔ پھر اسٹین گن کو سنبھالتے ہوئے للکارنے کے انداز میں بولا "اب میں آخری بار آواز دے رہا ہوں۔ اگر کوئی جھونپڑی میں ہے تو باہر چلا آئے۔ ورنہ میں فائرنگ شروع کر دوں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے تھوڑی دیر جواب کا انتظار کیا۔ پھر اسٹین گن کو سنبھالتے ہوئے بائیں سے دائیں ایک برسٹ مارتا چلا گیا۔ تڑ تڑا تڑ۔ تڑ تڑا تڑ کی آواز جنگل کے سناٹے میں گونجی۔ پھر اُس کے ساتھ ہی ایسا لگا جیسے قیامت آ گئی

ہو۔ ایک ساتھ کتنے ہی پرندے چاروں طرف سے پھڑ پھڑائے۔ گدھوں کے عجیب بھیانک انداز میں چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔ رسونتی چیخ مار کر مجھ سے لپٹ گئی۔

میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا۔ دوڑتا ہوا جھونپڑی کی طرف جانے لگا۔ اب اندھیرے میں وہ بہت سلیٹی پَر پھڑ پھڑاتے ہوئے ہمارے قریب آ رہے تھے۔ میں اُسے لیتا ہوا جھونپڑی کے برآمدے میں پہنچ گیا۔ اسی وقت ایک پرندہ ہم سے ٹکراتا ہوا گزرا۔ پھر دوسرا پرندہ ٹکرایا۔ میں نے پھر اسٹین گن کا ایک برسٹ مارا تو پروں کی پھڑپھڑاہٹ ذرا دور ہو گئی۔ میں نے جھونپڑی کے دروازے کو ایک زور کی لات ماری۔ وہ پہلے ہی کھلا ہوا تھا۔ ایک جھٹکے سے کھلتا چلا گیا۔ میں رسونتی کو کھینچتے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ وہ جھونپڑی پناہ گاہ تھی؟ یا اس جھونپڑی سے انسانی ڈھانچوں کا قبرستان شروع ہوتا تھا۔

رسونتی نے کہا "کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہمارے ایشیائی گدھوں کی طرح افریقہ میں پائے جانے والے گدھ بھی بزدل ہوں اور صرف مُردار ہی کھاتے ہوں۔ اس علاقے میں رہنے والے گدھ زندہ انسانوں اور جانوروں پر بھی حملے کرتے ہوں گے۔"

میں نے چونک کر کہا "ہاں یاد آیا۔ ہمیں دوپہر سے اب تک کوئی جانور راستے میں نظر نہیں آیا تھا۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہاں سے گزرنے والے جانوروں پر یہ سینکڑوں گدھ حملہ آور ہوتے ہیں۔ ان کی بوٹی بوٹی کر دیتے ہیں اور انہیں اپنی خوراک بنا لیتے ہیں۔ اسی لیے ادھر سے کوئی جانور نہیں گزرتا ہے۔"

رسونتی نے روتی سی صورت بنا کر کہا "یہاں سے جنگل کے خونخوار درندے تک نہیں گزرتے۔ یہاں اسٹین گن جیسے ہتھیار لے کر آنے والے بھی ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جاتے ہیں اور تم مجھے ایسی جگہ لے کر آ گئے۔ کیا ہم یہاں سے زندہ واپس جا سکیں گے۔ مجھے یہاں لانے کی ضرورت کیا تھی؟"

"ابھی تو ہماری شادی ہوئی ہے۔ یہ ابتدا ہے۔ رفتہ رفتہ تمہیں مصیبتوں پر رونے کے بجائے ہنسنا آ جائے گا۔"

"ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے؟"

"جب صبح ہو گی تو دیکھا جائے گا۔ تم جنگل میں تمنا کر رہی تھیں کہ کہیں کوئی پناہ لینے کی جگہ مل جائے۔ تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے۔ ہمیں پناہ لینے کی جگہ مل گئی۔ رات بھر اس حد تک اطمینان ہے کہ یہ خونخوار گدھ دروازے اور دیواریں توڑ کر اندر نہیں آ سکیں گے۔ ہم محفوظ رہیں گے۔ اس کے بعد کیا ہو گا دیکھا جائے گا۔ ابھی تو دماغ کو پُرسکون رکھو۔"

"مجھے ٹارچ دو، میں کمرے میں دیکھوں گی کہ یہاں کیا ہے۔"

"ابھی ٹارچ کی روشنی نہ کرو۔ ہو سکتا ہے روشنی دیکھ کر وہ گدھ پھر اس طرف آ جائیں۔ تھوڑی دیر بعد ہم کمرے میں روشنی کریں گے۔ مجھے ذرا سوچنے دو کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جب ہم جھونپڑی کے باہر تھے اور ادھر چلے آ رہے تھے اس وقت گدھ بالکل خاموش تھے۔ یوں لگتا ہے جیسے درختوں کی شاخوں پر بیٹھے اونگھ رہے ہوں گے۔ انہوں نے ہمارے قدموں کی آہٹ نہیں سنی ہو گی یا ہماری باتوں کی آواز بھی ان تک نہیں پہنچی تھی۔ جب میں نے للکارنا شروع کیا تب ہی ایک ساتھ پھڑ پھڑانے کی آواز آئی اس کے بعد جب میں نے فائرنگ کی تو اس کے شور سے تمام کے تمام گدھ یا تو سوتے میں جاگ گئے یا مشتعل ہو کر ہم پر حملہ کرنے لگے۔"

رسونتی نے پوچھا "اب یہ ساری باتیں کرنے سے کیا کوئی فائدہ پہنچے گا؟"

"ہاں، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ گدھ شاید یہیں رہتے ہیں یعنی صبح ہو گی تو یہ ہمیں جھونپڑی کے چاروں طرف درختوں پر بیٹھے ہوئے نظر آئیں گے۔ ہمارے انتظار میں رہیں گے کہ ہم باہر نکلیں اور یہ ہمیں اپنی خوراک بنائیں۔ اگر یہ کہیں دوسرے علاقے سے آتے ہوں گے تو صبح ہمارے لیے یہاں کا راستہ صاف ہو گا۔"

"بھگوان کرے یہ دوسرے علاقے سے آتے ہوں۔ صبح راستہ صاف ہو گیا تو ہم یہاں سے بھاگ جائیں گے۔"

میں خاموشی سے کمرے میں ہر طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ ایک طرف ایک صندوق رکھا ہوا تھا جس میں سے ہیرے، جواہرات اُگلے پڑ رہے تھے۔ دوسری طرف دو سوٹ کیس رکھے ہوئے تھے۔ کمرے کی پچھلی کھڑکی کے قریب ایک بہت موٹا لوہے کا ستون کمرے کے فرش پر گڑا ہوا تھا۔ اس ستون سے ایک رسّہ بندھا ہوا تھا جو پچھلی کھڑکی سے گزرتا ہوا باہر کہیں چلا گیا تھا۔

"تم اندھیرے میں نہ جانے کیا کیا دیکھ رہے ہو۔ میں اندھی بنی کھڑی ہوئی ہوں۔ کیا یہاں بھی کوئی ایسی بات ہے کہ تم مجھ سے چھپانا چاہتے ہو اور سمجھتے ہو کہ میں دیکھوں گی تو ڈر جاؤں گی؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لو، میں ٹارچ روشن کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے اسٹین گن کو ایک طرف دیوار سے ٹکا کر رکھ دیا۔ پھر اپنی کمر سے ٹارچ نکال کر اسے روشن کیا۔ کمرہ روشنی میں نہا گیا۔ ادھر روشنی ہوئی۔ اُدھر باہر پرندوں کے پھڑ پھڑانے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے فوراً ہی ٹارچ بجھا دی۔ باہر خاموشی چھا گئی۔ روشنی کے باعث گدھوں کی فوج میں جو بے چینی پیدا ہوئی تھی، وہ اندھیرا ہوتے ہی ختم ہو گئی تھی۔

رسونتی نے پریشان ہو کر کہا "بڑی مصیبت ہے۔ ہم یہاں روشنی نہیں کر سکتے۔ اگر کریں گے تو یہ خونخوار پرندے ہم پر حملہ کرنے آ جائیں گے۔"

"ہاں ایسا لگ رہا ہے جیسے ایک بہت بڑی فوج چاروں طرف سے محاصرہ کیے ہوئے ہے اور ہم اس جھونپڑی میں قید ہو گئے ہیں۔ نہ باہر نکل سکتے ہیں نہ اندر زیادہ دنوں تک رہ سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ باہر جو ہڈیوں کے ڈھانچے نظر آتے ہیں، وہ لوگ بھی اسی طرح یہاں آ کر قید ہو گئے ہوں گے۔ پھر بھوک پیاس سے تنگ آ کر انہوں نے باہر نکل کر ان گدھوں سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی ہو گی۔ انہوں نے اپنی اسٹین گن اور کارتوس ان پر آزمائے ہوں گے۔ یقیناً بہت سے گدھ مارے گئے ہیں لیکن ان کی تعداد کچھ اتنی زیادہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسٹین گن والوں پر غالب آ گئے اور انہیں نوچ کھسوٹ کر، کھا پی کر ختم کر دیا۔"

کمرے کی تاریکی میں رسونتی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "ابھی روشنی میں، میں نے ادھر پچھلی کھڑکی کے پاس ایک کھمبے کو زمین میں گڑے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے ساتھ رسّی بندھی ہوئی ہے۔ وہ رسّی کھڑکی کے باہر گئی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے، کیا ادھر سے باہر جانے کا راستہ ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ جو لوگ اس جھونپڑی میں آ کر قید ہو گئے تھے انہوں نے کھڑکی کے راستے سے بھی باہر جانے کی کوشش کی ہو گی۔ پتہ نہیں، وہ لوگ کامیاب ہو سکے یا نہیں۔ یہاں رہ کر ہمیں معلوم کرنا ہو گا۔ ابھی تو ہم آتے ہیں دیکھتے ہیں۔ یہ خزانہ جو کونے میں رکھا ہوا ہے یہ بہت سی داستانیں سنا رہا ہے ایسا لگتا ہے کہ لوگ اس خزانے کے لیے یہاں آتے رہے ہیں، اور گدھوں کا شکار ہوتے رہے ہیں۔"

رسونتی نے پوچھا "ہم یہاں کب تک کھڑے رہیں گے؟"

میں نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا "میں یہاں اندھیرے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ ہمارے سر کے اوپر چھت کے نیچے ایک مچان بنی ہوئی ہے۔ ہم اس مچان کی صفائی کر کے وہاں آرام سے رات گزار سکتے ہیں لیکن پہلے ہم یہیں رہ کر معلومات حاصل کریں گے۔ جن لوگوں نے اپنا سامان یہاں چھوڑا ہے، وہ اپنے پیچھے یقیناً کچھ معلومات چھوڑ کر گئے ہوں گے۔ آؤ ذرا ان کے سامان کی تلاشی لی جائے۔"

ہم دونوں اُدھر گئے جہاں دو سوٹ کیس اور سفری بیگ وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ ایک بیگ کو ٹٹولنے پر بہت ساری موم بتیاں نکلیں۔ اس میں ماچس کے بنڈل بھی تھے۔ میں نے کہا "ان موم بتیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جھونپڑی میں قید ہونے والے رات کو موم بتی کی روشنی کرتے تھے۔ اتنی روشنی میں گدھ اس طرف نہیں آتے ہوں گے یا موم بتی کی دھیمی روشنی جھونپڑی کے باہر نہیں جاتی ہو گی۔"

پھر میں نے ایک موم بتی روشن کر دی۔ کمرے میں جو ایک موٹا سا آہنی ستون گڑا ہوا تھا۔ اس پر میں نے موم بتی کو رکھ دیا۔ اب کمرہ روشن ہو گیا تھا لیکن باہر سے پروں کے پھڑ پھڑانے کی آوازیں سنائی نہیں دی تھیں۔

اس روشنی میں، میں نے بیگ کو دوبارہ کھولا۔ رسونتی نے کہا "میرا خیال ہے پہلے تم مچان کے اوپر دیکھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ وہاں ہمارے لیے کوئی مصیبت چھپی ہوئی ہو۔"

رسونتی کی بات دل کو لگی۔ میں نے موم بتی کو اٹھایا پھر اس صندوق کو بند کر کے آگے کی طرف کھینچا اور اس پر چڑھ کر دیکھا۔ مچان بالکل صاف ستھرا تھا۔ وہاں ایک نہایت آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا ایک ایسا بستر جس میں ہوا بھرنے سے وہ ملائم گدا بن جاتا تھا اور ہوا نکال دینے کے بعد محض ربڑ کا خول رہ جاتا تھا پھر اسے آسانی سے لپیٹ کر بیگ میں رکھا جا سکتا تھا۔ رسونتی بھی میرے ساتھ صندوق پر کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی اس نے کہا "یہ مچان تو بالکل ٹھیک ہے۔ یہاں مجھے ڈر نہیں لگے گا۔"

میں نے اسے صندوق سے اتارتے ہوئے کہا "آؤ، پہلے ہم اس سامان کی تلاشی لیں، اس کے بعد آرام کریں گے۔" میں نے موم بتی رسونتی کو دی اور خود سامان کی تلاشی لینے لگا۔ پہلے ایک بیگ کو کھول کر دیکھا۔ اس میں نیل پالش، لپ اسٹک اور عورتوں کے میک اپ کا بہت سا سامان رکھا ہوا تھا۔ یقیناً وہ کسی عورت کا بیگ تھا۔ میں نے اسے ایک طرف رکھ دیا۔ دوسرے بیگ کو کھول کر دیکھا۔ اس میں لوہے کے بہت سے اوزار تھے مثلاً چھینی، ہتھوڑی، پیچ کش اور آری ایسے ہی دوسرے اوزار اس بیگ میں بھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف فرش پر پڑے ہوئے کدال اور بیلچے وغیرہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ جو لوگ یہاں آتے تھے وہ کسی خزانے کی تلاش میں نکلے تھے اسی لیے ایسا سامان ساتھ لے کر آتے تھے۔

اس بیگ میں چھوٹی بڑی ہر سائز کی آریاں تھیں۔ میں نے انہیں نکالتے ہوئے خوش ہو کر کہا "رسونتی! ہم ان آریوں کے ذریعے اپنی اس ہتھکڑی کو کاٹ سکتے ہیں۔ پہلے باقی سامان کی تلاشی لے لیں پھر یہ کام کریں گے۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے دوسرے بیگ کو کھول کر دیکھا۔ اس میں طبی امداد کا مکمل سامان تھا۔ بہت ساری دوائیں اور مرہم پٹی کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد میں نے

سوٹ کیسوں کی طرف توجہ دی۔ اوپر جو سوٹ کیس رکھا ہوا تھا اسے کھولنے سے پتہ چلا کہ وہ کسی عورت کا ہے۔ اس میں زنانہ کپڑے اور بہت سا دوسرا سامان رکھا ہوا تھا۔ میں نے کہا۔

"اگر تم لباس بدلنا چاہو تو یہ اسکرٹ بلاؤز موجود ہیں۔"

"میں ساڑی کے سوا کچھ نہیں پہنتی۔"

"ایسا نہ کہو، حالات بدلتے رہتے ہیں۔ تمہیں ہر قسم کا لباس پہننے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ تم ان میں سے کوئی ایک لباس پہنو گی۔ یہ میرا حکم ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی "تمہارا حکم سر آنکھوں پر۔ میں تو تمہاری داسی ہوں۔"

میں نے وہ سوٹ کیس اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اس کے نیچے والے سوٹ کیس کو کھول کر دیکھا۔ اس میں مردانہ کپڑے رکھے ہوتے تھے۔ اوپر دو ڈائریاں تھیں اور کچھ پرانے کاغذات تھے۔ ان کاغذات پر اجنبی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا

میں نے دونوں ڈائریوں کو کھول کر دیکھا۔ ان میں انگریزی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں انہیں اٹھاتے ہوئے بولا۔ "ذرا ادھر آؤ فرش پر بیٹھ کر ہم اسے پڑھتے ہیں۔ تم موم بتی کی روشنی دکھاتی رہو۔"

"مجھے سانپوں اور بچھوؤں سے ڈر لگتا ہے۔ میں فرش پر نہیں بیٹھوں گی۔ چلو اس صندوق پر بیٹھ جاتے ہیں۔"

ہم صندوق پر بیٹھ گئے ــــ میں نے کہا "ان ڈائریوں کو پڑھنے میں نہ جانے کتنا وقت لگے گا۔ بہتر ہے کہ پہلے میں سونیا، مرجانہ اور سائرہ بانو کی خیریت معلوم کر لوں۔ اس کے بعد میں اسے شروع کروں گا۔"

یہ کہہ کر میں پہلے سائرہ بانو کے پاس پہنچا۔ اس وقت تک وہ طیارے میں سوار ہو چکی تھیں۔ کوئی خطرہ نہیں تھا، اور ان کا سفر بڑی سلامتی سے شروع ہونے والا تھا۔ میں نے انہیں مخاطب کیا اور ان کے سفر کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ پھر ان سے رخصت ہو کر سونیا اور مرجانہ کے پاس پہنچا وہ ایک بہت بڑے ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھیں اور بخیریت تھیں۔ مرجانہ نے بتایا کہ وہ کل شام ایک فلائیٹ کے ذریعے یہاں سے روانہ ہو جائے گی اور دوسری صبح پاکستان پہنچ جائے گی۔

سونیا نے کہا "مرجانہ کو رخصت کرنے کے بعد میں یہاں سے ایک ٹیم اپنے ساتھ لے کر تمہیں جنگل میں تلاش کروں گی۔"

میں نے کہا "خواہ مخواہ میری تلاش میں بھٹکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ جنگل بھول بھلیاں ہے۔ بہتر ہے کہ تم مدیرا بابا میں ہی ٹھہرو۔ میں رسونتی کو لے کر کسی نہ کسی طرح تمہارے پاس پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ جب تک میں تمہیں مشورہ نہ دوں، اس وقت تک تم اس شہر کو نہ چھوڑنا اور نہ ہی جنگل کی طرف آنا۔"

ان لوگوں سے باتیں کرنے اور مشورے دینے کے بعد میں دماغی طور پر رسونتی کے پاس حاضر ہو گیا۔ ہم دونوں اس صندوق پر بیٹھے ہوتے تھے۔ میں نے مسکرا کر رسونتی کو دیکھا۔ پھر ایک ڈائری کھولی۔ اس ڈائری کے پہلے صفحے پر پروفیسر برنارڈ رسل کا نام لکھا ہوا تھا۔ آگے پڑھنے سے پتہ چلا کہ وہ لندن کے محکمہ آثار قدیمہ کا ایک پروفیسر تھا۔ دوسرے صفحے پر لکھا ہوا تھا، چار جون انیس سو انہتر کو سنٹرل افریقہ کے ایک آثار قدیمہ سے بیش بہا خزانہ خفیہ طور سے لندن منتقل کیا جا رہا تھا۔ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کیلئے ہیلی کاپٹر کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ ایک نیگرو تھا۔ اس کا نام وکی مین تھا۔ اس کے علاوہ چار مسلح گارڈز تھے جن میں دو نیگرو تھے اور دو انگریز تھے ــــ ان پانچوں کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے وہ خزانہ وہاں سے لے کر لندن پہنچنا تھا لیکن پتہ چلا کہ ہیلی کاپٹر بیچ ہی میں کہیں غائب ہو گیا ہے۔ اس کا سراغ لگایا گیا۔ آخر وہ ہیلی کاپٹر ایک ویران علاقے میں مل گیا۔ وہ بالکل خالی تھا۔ نہ اس میں خزانہ تھا نہ مسلح گارڈز تھے اور نہ ہی ہیلی کاپٹر کا پائلٹ تھا۔

ہم نے اس ڈکیتی کو بالکل راز میں رکھا۔ ہمارے کچھ جاسوس چپ چاپ اس بات کا سراغ لگانے لگے کہ وہ خزانہ لے جانے والے کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ چھ ماہ تک کچھ پتہ نہ چلا کہ انہیں زمین نگل گئی یا آسمان اڑا کر لے گیا۔ چھ ماہ کے بعد اڑتی اڑتی سی خبر ملی کہ گھنے جنگل میں ایک آبشار ہے، وہاں سے بہنے والے دریا کے ساتھ ساتھ ایک ایسی جگہ ہے جہاں اونچی سی پہاڑی پر ایک جھونپڑی ہے اس کے آس پاس اور بھی کئی جھونپڑیاں تھیں لیکن وہ سب گر چکی ہیں۔ صرف ایک سلامت ہے۔ اس جھونپڑی کے متعلق عجیب عجیب باتیں مشہور تھیں کہ وہاں تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ہزاروں گدھ اس جھونپڑی کے آس پاس اپنا ٹھکانہ بنائے رہتے ہیں اور وہ ہر وقت منڈلاتے رہتے ہیں، وہ ایسے گدھ ہیں جو زندہ انسانوں اور جانوروں کو نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ کہا جاتا تھا کہ ایک شخص وہاں سے کسی طرح بچ کر آ گیا تھا اس کے بیان کے مطابق اس جھونپڑی کے اندر ایسے ہیرے جواہرات ہیں کہ انہیں دیکھنے سے آنکھیں ان پر نہیں ٹھہرتیں۔ وہ بیش بہا

خزانہ ہے لیکن اسے کوئی وہاں سے نکال کر نہیں لا سکتا۔

ان افواہوں نے ہمیں سوچنے پر مجبور کیا کہ یہ وہی خزانہ ہو سکتا ہے جو راستے ہی میں غائب ہو گیا تھا۔ ہم نے ایک جاسوس کے ساتھ چند مہم جو نوجوانوں کی ٹیم وہاں روانہ کی تاکہ وہ حقیقت معلوم کر کے ہمیں بتائیں کہ کس طرح اس جھونپڑی تک پہنچا جا سکتا ہے۔

ایک جاسوس کی رہنمائی میں اس ٹیم کے افراد ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر اس جھونپڑی کی طرف گئے۔ وہاں گھنٹوں پرواز کے بعد واپس آ کر رپورٹ دی کہ ان لوگوں نے زندگی میں پہلی بار اتنے سارے گدھ ایک جگہ دیکھے ہیں۔ وہ کم از کم ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہاں گدھوں کی فوج بیٹھی ہو۔ جب ہیلی کاپٹر نیچی پرواز کرنے لگا تو سارے کے سارے گدھ چیختے ہوئے پر پھڑپھڑاتے ہوئے پرواز کرنے لگے تھے۔ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کو مجبوراً اونچی پرواز کرنی پڑی کیونکہ کوئی گدھ اگر ہیلی کاپٹر کے پنکھے سے ٹکرا جاتا تو ہیلی کاپٹر کو حادثہ پیش آ سکتا تھا ہیلی کاپٹر کی نیچی پرواز خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں ہیلی کاپٹر کے ذریعے ہم اس جھونپڑی تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ پائلٹ کا بیان تھا کہ ہمیں اس جھونپڑی سے تقریباً ایک یا دو میل دور اتارا جا سکتا ہے۔ ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوتے رسیوں کی مدد سے ضروری سامان کو جھونپڑی کے سامنے پہنچایا جا سکتا ہے لیکن کسی انسان کو رسیوں یا سیڑھی کے ذریعے ہیلی کاپٹر سے اتارا جائے تو گدھ اسے نوچ کر کھا جائیں گے۔

اس رپورٹ کی دوسری اہم بات یہ تھی کہ جھونپڑی کے تین طرف دور دور تک گدھ ہی گدھ نظر آتے تھے۔ چوتھی طرف یعنی جھونپڑی کے پچھلے حصے میں ایک بھی گدھ نظر نہیں آیا۔ پیچھے ایک چٹان ہے اور چٹان کے بعد نیچے بہت گہری کھائی ہے اندازاً وہ پانچ سو فٹ گہری ہوگی۔ اس طرف گدھ نہیں جاتے تھے، لیکن ہیلی کاپٹر کی آواز پر ادھر پہنچ سکتے تھے۔

میں اس ڈائری کو پڑھ کر رسونتی کو سنا رہا تھا۔ وہ بولی "یہ بڑی لمبی رپورٹ ہے۔ ہم یہ معلوم کر کے کیا کریں گے کہ یہ ڈائری لکھنے والا پروفیسر اپنی ٹیم کے ساتھ یہاں کیسے آیا۔ ہمیں تو صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ لوگ یہاں سے کیسے واپس گئے۔ تم دو چار صفحات چھوڑ کر پڑھو۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم کہہ رہی ہو کہ وہ لوگ یہاں سے کیسے گئے۔ ابھی گئے کہاں ہیں وہ تو جھونپڑی کے باہر آرام سے لیٹے ہوئے ہیں۔ کیا تم نے ان کے ڈھانچے نہیں دیکھے ہیں۔ میں اسی لیے تفصیل سے پڑھ رہا ہوں تاکہ یہاں سے نکلنے کا کوئی ایسا راستہ ملے جو انہیں نہ مل سکا یا وہ اس راستے کو اختیار نہ کر سکے۔"

میں نے رسونتی کو سمجھانے کے بعد دوبارہ اس ڈائری کو پڑھنا شروع کیا۔ پروفیسر برنارڈ رسل نے آگے لکھا تھا "میں نے اپنے محکمے کو یہ مشورہ دیا کہ پہلے چند زندہ گدھوں کو پکڑ کر یہاں لایا جائے تاکہ ہم ان کے عادات و اطوار کو سمجھ سکیں۔ ان کے کھانے پینے، سونے اور جاگنے کے اوقات کو یاد رکھ سکیں۔ اس کے مطابق کوئی طریقہ کار سوچ سکتے ہیں۔

میرے مشورے کے مطابق پھر ایک ٹیم بڑا سا جال لے کر ہیلی کاپٹر کے ذریعہ روانہ ہوئی۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر بہت نیچے پرواز کی ــــ جب وہ تمام گدھ بھڑک بھڑک کر چیختے ہوئے اڑنے اور ہیلی کاپٹر کی طرف آنے لگے تو وہ جال نیچے پھینکا گیا اور اس طرح اوپر آنے والے کتنے ہی گدھ اس جال میں آ کر پھنس گئے۔ پھر وہ جال ہیلی کاپٹر کے ساتھ بلند ہوتا چلا گیا۔ بہرحال سولہ گدھ ہمارے ہاتھ لگے جنہیں لا کر بہت بڑے پنجرے میں رکھا گیا۔ اس پنجرے کی اونچائی تقریباً پچیس فٹ تھی۔ لمبائی چوڑائی بھی بہت زیادہ تھی۔ یعنی گدھ بڑی آسانی سے اس کے اندر پرواز کر سکتے تھے۔ پنجرے میں ایک مصنوعی درخت بھی بنایا گیا تھا۔ ہم ان کی فطرت کے مطابق یہ اسٹڈی کرنا چاہتے تھے کہ وہ کب درخت کی شاخ پر بیٹھتے ہیں اور کب نیچے آتے ہیں۔

ہم نے پندرہ دنوں تک مسلسل دن رات انکی اسٹڈی کی۔ اس پنجرے کے چاروں طرف کیمرے نصب تھے۔ وہ کیمرے ان کے کلوز اپ سے لے کر لانگ شاٹ تک تمام متحرک تصویریں اتارتے تھے۔ اسکرین پر دیکھنے سے پتہ چلتا تھا کہ کب ان کی آنکھیں کھل رہی ہیں، کب بند ہو رہی ہیں کب وہ پر سمیٹتے ہیں پنجے سکیڑتے ہیں اور کب آرام سے بیٹھتے ہیں۔ کب بے چینی سے بیٹھے ہوتے کچھ آوازیں سنتے ہیں۔ غرض یہ کہ ان کیمروں کی آنکھوں سے ان کی ذرا ذرا سی حرکتوں کا پتہ چل جاتا تھا۔

جب ہم ان کے قریب سے گزرتے تھے تو وہ چونک جاتے تھے اور گزرنے والے کی طرف دیکھنے لگتے تھے۔ پر پھڑپھڑاتے تھے۔ ہماری طرف اڑ کر آتے تھے۔ پھر پنجرے کی جالی سے ٹکرا جاتے تھے۔ وہ پیٹ بھر کر کھانے کے بعد اڑ کر درخت کی شاخ پر بیٹھ جاتے اور وہاں بیٹھ کر اونگھنے لگتے تھے ایسے وقت ہم نے دبے پاؤں پنجرے کے قریب سے گزرتے ہوتے دیکھا۔ انہیں ہمارے قدموں کی آہٹ نہیں ملتی تھی۔ شاید

وہ کھانے کے نشے میں مست ہو جاتے تھے۔ وہ مستی میں اونگھتے رہتے تھے یا سوتے رہتے تھے لیکن ایسے ہی وقت جب ہم ان پنجروں کے قریب سے دوڑتے ہوئے گزرتے تھے وہ پیٹ بھرنے کے باوجود چیخنا چلانا شروع کر دیتے تھے۔ پھر دوڑنے والے کی طرف اڑتے ہوئے آتے تھے۔

اس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ شکم سیر ہونے کے بعد وہ گدھ درختوں کی شاخوں پر جھونپڑی کی چھت پر یا اونچے ٹیلوں پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور مستی میں اونگھتے یا سوتے رہتے ہیں انہیں آس پاس کا ہوش نہیں رہتا۔ ان کے قریب سے اگر دبے پاؤں گزرتے ہوئے جھونپڑی تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تو کامیابی ہو سکتی ہے۔ بس اتنا خیال رکھنا ہوگا کہ کوئی آہٹ نہ ہونے پائے تاکہ وہ اپنی نیند سے نہ چونکیں۔

ہم نے مزید پانچ دنوں تک ان گدھوں کی حرکات و سکنات کی اسٹڈی کی۔ اچھی طرح معلومات حاصل کرنے کے بعد محکمۂ آثارِ قدیمہ کے ایک آفیسر نے کہا: "ان گدھوں کو زہریلا گوشت کھلا کر دیکھا جائے۔" سڑے گلے گوشت میں زہر پیدا ہو جاتا ہے اور گدھ ایسے گوشت کو بہ آسانی ہضم کر لیتے ہیں۔ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا لہٰذا دیکھنا یہ تھا کہ وہ زہر کی کتنی مقدار سے مر سکتے ہیں۔

پھر گوشت کے ٹکڑوں کو مختلف قسم کے زہر میں ڈبو کر اس پنجرے میں پھینکا گیا۔ وہ گدھ گوشت کو دیکھتے ہی اڑتے ہوئے قریب آئے لیکن گوشت کو منہ لگانے سے پہلے رُک گئے یوں انتظار کرنے لگے جیسے زہر کو سمجھ رہے ہوں۔ پھر وہ پیچھے ہٹ گئے۔ کچھ گدھ اڑتے ہوئے درخت کی شاخ پر چلے گئے ہم صبح سے شام تک انتظار کرتے رہے لیکن وہ ان ٹکڑوں سے دور رہے۔ پھر ہم نے شام کے وقت ان گوشت کے ٹکڑوں کو پنجرے سے باہر کھینچ لیا۔ دوسرے گوشت کے ٹکڑے معمولی سے زہر میں بھگو کر پنجرے میں پھینکے گئے۔ اس بار انہوں نے گوشت کو منہ لگایا۔ اسے کھاتے چلے گئے۔ کھانے کے بعد ہم بہت دیر تک انہیں دیکھتے رہے۔ خیال تھا کہ وہ آہستہ آہستہ مر جائیں گے لیکن وہ اونگھنے لگے تھے۔ وہ درخت کے نیچے جہاں انہوں نے گوشت کھایا تھا، وہیں بیٹھے رہ گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے آہستہ آہستہ ان کی جان نکل رہی ہو لیکن چھ گھنٹے کے بعد ان میں زندگی پیدا ہوئی۔ وہ ادھر ادھر پھدک پھدک کر چلنے لگے تھے۔ اڑنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اپنے بھاری جسم اور بھاری پروں کی وجہ سے اڑ نہیں سکتے تھے۔ ان کے اندر زہر نے کمزوری پیدا کر دی تھی۔ دوسری صبح ہم نے دیکھا وہ کمزوری بھی دور ہو گئی تھی اور وہ گدھ شاخ پر بیٹھے ہوئے تھے۔

اس طرح ایک نئی بات معلوم ہوئی کہ نیم زہریلے گوشت کے ذریعے ان گدھوں کو تقریباً چھ گھنٹے کے لیے مفلوج کیا جا سکتا تھا۔ وہ اس قابل نہ رہتے کہ اپنے قریب سے گزرنے والوں پر حملہ کر سکیں۔ میں نے ان معلومات کی روشنی میں اس جھونپڑی تک پہنچنے کے لیے ایک ٹیم بنائی، جس میں میرے علاوہ چھ افراد تھے۔ ان میں ایک عورت ایڈونا بھی تھی جو ہیرے جواہرات کو پرکھنے کے سلسلے میں بڑی بڑی سندیں حاصل کر چکی تھی۔ اسے جھونپڑی میں لے جانا ضروری تھا۔ وہ وہیں فیصلہ کر سکتی تھی کہ ہیرے جواہرات کتنے پرانے ہیں اور کس زمانے سے تعلق رکھتے ہیں بہرحال ہمیں اس عورت کو اپنی ٹیم میں رکھنا پڑا۔

اب طریقۂ کار یہ تھا کہ پہلے ایک ہیلی کاپٹر ہمارا ضروری سامان لے کر وہاں جاتا۔ اس ضروری سامان میں دو بڑے صندوق تھے۔ ہم ان صندوقوں میں ہیرے جواہرات بھر کر لانا چاہتے تھے لیکن لانے کا طریقہ یہ نہ ہوتا کہ ہم ان صندوقوں کو جھونپڑی سے باہر نکال کر گدھوں کے درمیان سے گزار کر لاتے۔ اس میں ہمارے لیے خطرہ تھا۔ ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ دونوں صندوقوں میں مال بھرنے میں کتنا وقت لگے گا اور وہاں کون سی ناگہانی دشواری پیش آئے گی۔ یہ بھی خیال تھا کہ اس وقت تک گدھ زہریلے گوشت کے اثرات سے نکل چکے ہوں گے۔ وہ ہماری واپسی کے وقت ہم پر حملہ بھی کر سکتے تھے لہٰذا ہمیں صندوقوں کو بحفاظت وہاں سے نکال لانے کے لیے دوسرا راستہ بھی سوچنا تھا۔

اور وہ راستہ جھونپڑی کا پچھلا حصّہ تھا جہاں سے کھڑکی کے راستے ہم صندوقوں کو رسّے میں باندھ کر پانچ سو فٹ گہری کھائی میں اتار سکتے تھے۔ بعد میں ہیلی کاپٹر کے ذریعے اس کھائی کی تہہ میں پہنچ کر ان صندوقوں کو حاصل کیا جا سکتا تھا اور یہی طریقہ زیادہ محفوظ اور مناسب تھا۔

ایک بہت بڑی دشواری یہ تھی کہ بار بار ہیلی کاپٹر اس علاقے میں پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ پچھلے دو مہینوں میں ہمارا ہیلی کاپٹر دو بار اس جنگل میں غیر قانونی پرواز کر چکا تھا۔ غیر قانونی اس لیے کہ ہم نے اس خزانے کو تمام حکومتوں سے چھپا کر رکھا تھا۔ ایک حکومت سے ہمارے تعلقات تھے۔ ہم نے اس حکومت کو بھی یہ جھانسہ دیا تھا کہ ہم آثارِ قدیمہ کے سلسلے میں کچھ ضروری معلومات کے لیے اس جنگل میں پرواز کرنا چاہتے ہیں۔ اگر معلومات حاصل ہوں گی تو اس حکومت کو بھی اس سے باخبر رکھا جائے گا۔ وہاں ہمیں اپنے سفارت خانے سے بڑی مدد ملتی تھی لیکن سفارت خانے والے کہتے تھے کہ پرواز کم سے کم ہو اور مختصر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں کی حکومت بھڑک جائے

اور یہاں سے پرواز کی ممانعت کر دے۔ اس لیے ہم بہت محتاط تھے اور کم سے کم پروازوں کے ذریعے اپنا کام نکالنا چاہتے تھے اس کے باوجود ہم نے حساب لگایا، ہمارے ہیلی کاپٹر کو کم از کم چار بار وہاں تک آنا جانا تھا۔"

میں نے ڈائری کو یہاں تک پڑھا تھا کہ رسونتی نے اپنا ہاتھ اس پر رکھ کر مجھے آگے پڑھنے سے روک دیا۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ بولی "یہ داستان طویل ہے۔ کافی وقت لگے گا۔ کیوں نہ ہم ایک وقت میں دو کام کریں؟"

میں نے خوش ہو کر پوچھا "کیا محبت بھی کریں؟"

"جی نہیں، میں ڈائری پڑھ کر سناتی ہوں۔ تم سنتے جاؤ، اور سننے کے دوران اس ہتھکڑی کو آہستہ آہستہ آری سے کاٹتے جاؤ۔ اُدھر داستان ختم ہوگی ادھر ہماری ہتھکڑی کھل چکی ہوگی۔"

"واقعی تم نے بڑے کام کی بات کی ہے۔ ہمیں ایک وقت میں دو کام کرنا چاہیے۔ آزادی بھی حاصل ہوگی اور معلومات بھی۔"

یہ کہہ کر ہم دونوں وہاں سے اٹھے۔ اس بیگ کو کھولا، جس میں مختلف اوزار تھے۔ میں نے دو تین قسم کی آریاں منتخب کیں۔ پھر ہم واپس آ کر صندوق پر بیٹھ گئے۔ وہ ڈائری ایک ہاتھ میں لے کر موم بتی کی روشنی میں پڑھنے لگی۔ میں نے آہستہ آہستہ ہتھکڑی کو آری سے کاٹنا شروع کیا۔ رسونتی کو پہلے مریم نے انگریزی لکھنا، پڑھنا اور بولنا سکھایا تھا۔ برما میں قیام کے دوران اسے پڑھنے لکھنے کا کافی موقع ملا تھا۔ پھر ممی نے اسے اس زبان میں پختہ کر دیا تھا۔ اس وقت وہ بڑی روانی سے ڈائری پڑھتی جا رہی تھی۔

پروفیسر برنارڈ رسل نے آگے چل کر لکھا تھا: "دو ہیلی کاپٹر اس کے قریب آئے۔ ہم جس ہیلی کاپٹر میں سوار تھے وہ وہاں رُک گیا۔ دوسرا ہیلی کاپٹر پرواز کرتا ہوا جھونپڑی کی طرف گیا اور زہریلے گوشت کو پھینکنے لگا۔ ٹرانسمیٹر کے ذریعے ان سے ہمارا رابطہ قائم تھا اور ہمیں وہاں کے متعلق معلومات حاصل ہو رہی تھیں کہ کس طرح گدھ ہیلی کاپٹر کے نیچے آنے سے بھڑک کر پرواز کرتے ہیں اور پھر زمین پر پڑے ہوئے گوشت کو دیکھ کر اس پر جھپٹنے لگتے ہیں۔ وہ ہیلی کاپٹر تھوڑی دیر تک وہاں چکر لگاتا رہا۔ ہمیں اطلاع ملتی رہی کہ گدھ شکم سیر ہو چکے ہیں۔ اب ان میں وہ جوش و خروش نظر نہیں آ رہا ہے۔ درخت کی شاخیں زیادہ تر ویران ہیں اور وہ سب زمین پر بیٹھے اونگھ رہے ہیں۔

ہیلی کاپٹر سے گوشت پھینکنے والوں نے یہ دانشمندی کی تھی کہ جھونپڑی تک جانے اور آنے کا جو راستہ تھا وہاں گوشت نہیں پھینکا تھا۔ وہاں سے ذرا فاصلے پر ادھر اُدھر گوشت کے ٹکڑے پھینکتے رہے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ جو گدھ زمین پر بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے وہ جھونپڑی کے راستے سے کچھ فاصلے پر تھے۔ یعنی ہم ان کے درمیان سے گزر سکتے تھے۔ ہم نے وقت دیکھا۔ انہیں گوشت کھاتے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ گزر چکا تھا اور ہمیں ڈیڑھ میل کا راستہ طے کرنے میں کم از کم ایک گھنٹہ لگ سکتا تھا۔ اگرچہ بیشتر سامان ہیلی کاپٹر کے ذریعے جھونپڑی کے سامنے پہنچا دیا گیا تھا، اس کے باوجود کہ ہمارے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں، گردن سے گیس ماسک لٹک رہے تھے۔ اور ہماری پشت پر گیس سلنڈر بندھے ہوئے تھے۔ ہم نے سوچا تھا کہ دبے قدموں ان گدھوں کے درمیان سے گزر جائیں گے اگر کوئی خطرہ ہوا اور انہوں نے حملہ کیا تو ہم گیس ماسک پہن کر زہریلی گیس فضا میں چھوڑ دیں گے اور اس کے ساتھ ہی فائرنگ بھی کریں گے۔ اس طرح ہم بہ آسانی جھونپڑی کے اندر پہنچ جائیں گے۔

ہم دریا کے کنارے کنارے چلتے اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے ٹھیک ہمارے سامنے تقریباً چار سو گز کے فاصلے پر وہ جھونپڑی اونچی پہاڑی پر نظر آ رہی تھی لیکن اس کے آس پاس ہم نے اتنے سارے گدھ دیکھے کہ ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ زندگی میں ہم نے کبھی گدھوں کو اتنی تعداد میں ایک جگہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ سارے کے سارے زمین پر تھے۔ کچھ اونگھتے ہوئے سے لگ رہے تھے اور کچھ زمین پر گرے ہوئے تھے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ بالکل بے حس و حرکت ہیں۔ کمزور ہو گئے ہیں اور ان میں اٹھنے کی سکت نہیں ہے۔

میں نے گیس ماسک اپنے منہ پر چڑھا لیا۔ میرے ساتھیوں نے بھی میری تقلید کی۔ پھر میں آگے بڑھا میرے پیچھے ایڈونا تھی۔ اس کے پیچھے والٹر پھر ڈکی اس کے بعد رونالڈ اور اس کے پیچھے موزیک اور موزیک کے بعد واسیتو تھا۔ ٹیم کے سب افراد میری رہنمائی میں ایک دوسرے کے پیچھے قطار بنا کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ہم دبے قدموں سے چپ چاپ کوئی آہٹ پیدا کیے بغیر چل رہے تھے۔ ہماری کوشش تھی کہ ہمارے قدموں تلے درخت کے سوکھے ہوئے پتے بھی نہ آئیں۔ اس لیے ہماری نظریں زیادہ تر اپنے قدموں کی طرف ہوتی تھیں اور ہم کن انکھیوں سے ان گدھوں کو بھی دیکھتے جاتے تھے۔

ہم نے سانس روک کر دو سو گز کا فاصلہ طے کر لیا۔ اب صرف دو سو گز کا فاصلہ اور رہ گیا تھا۔ اسی وقت ایک

طرف سے کسی گدھ کی آواز آئی "کوں اوں اوں"۔

یہ آواز اگرچہ دھیمی تھی لیکن ہمیں ایسا لگا جیسے ہمارے چاروں طرف موت چیخنے لگی ہو۔ ہم سب سہم کر کھڑے ہو گئے۔ ہمارا ایک ہاتھ گیس سلنڈر کے پائپ کی طرف گیا۔ دوسرے ہاتھ سے ہم نے اسٹین گن کو سنبھال لیا تھا اور ہم کھڑے اس انتظار میں تھے کہ گدھوں کی طرف سے کوئی پیش قدمی ہو تو ہم جواباً کارروائی کریں۔ اس گدھ کی آواز مُردہ تھی۔ مگر بھیانک بھی تھی جیسے وہ پوچھ رہا ہو "کہاں مرنے چلے آئے ہو؟"

ہمارے چاروں طرف مکمل سکوت رہا۔ صرف ایک دھمکی تھی جو کسی گدھ نے دی تھی۔ میں نے خاموشی سے ہاتھ اٹھا کر آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ہم آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے جھونپڑی کے قریب پہنچ ہی گئے۔ وہاں بہت سا سامان اور دو صندوق رکھے ہوتے تھے۔ رسّوں کے بہت بڑے بڑے بنڈل تھے۔ ہم نے آہستگی سے جھونپڑی کا دروازہ کھولا۔ سب سے پہلے ایڈونا اندر گئی۔ دو آدمی اسٹین گن تانے گدھوں کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ ہم سب وہ سامان جھونپڑی کے اندر آہستہ آہستہ پہنچانے لگے۔ اس وقت بھی ہم نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ سامان لے جانے میں ذرا سی بھی آواز پیدا نہ ہو۔ بہرحال ہم جھونپڑی میں تمام سامان کے ساتھ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر ہم نے اس کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ دونوں صندوقوں پر کھڑے ہو کر مچان پر دیکھا۔ یہاں سے وہاں تک ہیرے جواہرات بکھرے پڑے تھے۔ ہم حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس بیش بہا خزانے کو تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے۔ ایڈونا اچھل کر مچان پر پہنچ گئی اور وہاں کی ایک ایک چیز اٹھا کر اس کا بغور معائنہ کرنے لگی۔ میں نے کہا "جب تک ایڈونا انہیں پرکھتی ہے اس وقت تک ہم دوسرا کام کر لیں۔ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ کھڑکی کے راستے کس طرح صندوق کو کھائی میں پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ یہاں کھڑکی کے پاس گہرا گڑھا کھود کر آہنی ستون گاڑ دیا جائے تاکہ مضبوطی سے رسّے کو اس ستون کے ساتھ باندھ کر بھاری سے بھاری سامان دوسری طرف کھائی میں پہنچایا جا سکے"۔

جس ہیلی کاپٹر میں ہم آتے تھے، وہ آبشار کے پاس ابھی موجود تھا اور ہماری خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہم جھونپڑی میں سلامتی سے پہنچ گئے ہیں یا نہیں؟ اور اگر پہنچ گئے ہیں تو اندازاً کتنی دیر بعد واپس آ سکتے ہیں۔ وہاں کے حالات کیا ہیں؟

میں نے ہیلی کاپٹر کے پائلٹ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے اپنی اسٹین گن کو ایک طرف رکھ کر ٹرانسمٹر کو سنبھالا۔ اسی وقت مجھے ایڈونا کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "نہیں پروفیسر! ٹرانسمٹر کو یہاں صندوق کے اوپر رکھ دو۔ تم کسی سے رابطہ قائم نہیں کرو گے"۔

میں نے سر اٹھا کر مچان کی طرف دیکھا۔ ایڈونا مچان کے کنارے اوندھی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا اور ریوالور کا رُخ میری طرف تھا۔ میں نے حیرانی سے پوچھا "یہ کیا حماقت ہے؟"

وہ بولی "حماقت نہیں، دانشمندی ہے۔ اب اس جھونپڑی سے باہر کی دنیا میں یہ خبر پہنچنا چاہیے کہ یہاں ہم سب کے سب مارے گئے ہیں۔ ہم میں سے کوئی نہ زندہ بچا ہے نہ کسی کے واپس آنے کی توقع کی جا سکتی ہے"۔

میں نے حیرانی سے پوچھا "میں تمہاری بات اب تک نہیں سمجھ سکا۔ تم ایسا کیوں کرنا چاہتی ہو؟"

کمرے کے ایک گوشے میں کھڑے ہوتے والٹر نے ایڈونا کی حمایت میں اسٹین گن کو سنبھال لیا۔ ایڈونا مچان سے کود کر صندوق پر آ گئی۔ پھر وہاں کھڑی ہو کر بولی "میں نے اس خفیہ خزانے کو ایک نظر میں پرکھ لیا ہے۔ یہ اتنی دولت ہے کہ اس کے ذریعے ہم کسی دور افتادہ اور چھوٹے سے ملک کو خرید سکتے ہیں۔ وہاں یہ مال پہنچا کر ہم اور ہماری آئندہ نسلیں عیش کر سکتی ہیں۔ ہمیں محکمہ آثارِ قدیمہ سے کیا ملتا ہے، کچھ نہیں"۔

میں نے غصے سے پوچھا "کیا تم اور والٹر یہ ہتھیار دکھا کر مجھے اپنے ملک اور اپنے محکمے سے غداری کرنے پر مجبور کر سکتے ہو؟"

ایک طرف سے واسیتو نے کہا "میں بھی ایڈونا اور والٹر کے ساتھ ہوں پروفیسر! جو کچھ ایڈونا کہہ رہی ہے اس پر غور کرو۔ تم اپنے ملک اور اپنے محکمے سے وفاداری کی بات کرتے ہو اور اپنے فرض کو اہم سمجھتے ہوتے یہ کارنامہ انجام دینے کے بعد تمہیں کچھ سند اور کچھ تمغے مل جائیں گے۔ اس لیے کہ تم بوڑھے ہو چکے ہو۔ تمہیں اپنی باقی ماندہ بوڑھی زندگی گزارنے کے لیے دولت کی نہیں صرف شہرت، عزت اور چند تمغوں کی ضرورت ہے"۔

والٹر نے کہا "واسیتو بالکل درست کہہ رہا ہے۔ تمہاری زندگی کے صرف چند سال، چند مہینے، چند دن یا چند گھنٹے رہ گئے ہیں اور ہماری زندگی ابھی بہت لمبی ہے۔ ہمیں اپنے لیے اپنی اولاد کے لیے بہت کچھ کرنا ہے۔ ہم اسی طرح کر سکتے ہیں کہ آج کے اس موقع کو ضائع نہ کریں۔ اپنی فرض شناسی کو بالائے طاق رکھ دیں۔ اور اس دولت سے وہ فائدہ اٹھائیں جس کے متعلق آپ اس بڑھاپے میں سوچ بھی نہیں سکتے"۔

والٹر اور واسیتو کی اسٹین گنیں میرے باقی ساتھیوں کی طرف تھیں۔ واسیتو نے کہا "دوستو! ہم تم پر فائرنگ نہیں کرنا چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم سہولت سے ہماری بات پر غور کرو اور سوچو کہ پروفیسر کی فرض شناسی ہمیں فائدہ پہنچا سکتی ہے یا ایڈونا کی دانشمندی؟"

ڈکی نے کہا "میں ایڈونا کی حمایت کرتا ہوں۔ ہمارے پاس دولت ہو گی تو ہم پروفیسر سے زیادہ عزت اور شہرت حاصل کر سکتے ہیں"۔

اس کی حمایت حاصل ہوتے ہی میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ تنہا رہ گیا۔ ادھر ان کا پلّہ بھاری ہو گیا تھا۔ وہ چار تھے۔ اسی وقت واسیتو اور والٹر نے اچانک ہی اسٹین گن کے پچھلے حصے سے میرے دونوں ساتھیوں کے سروں پر ضرب لگائی۔ رونالڈ اور موزیک اس حملے کے لیے تیار نہیں تھے۔ مار کھاتے ہی چکرا کر اوندھے منہ فرش پر گر پڑے۔ میں حیرانی اور پریشانی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جو ٹیم میں نے بنائی ہے اس میں ایسے غدار نکلیں گے۔ واسیتو نے اسٹین گن والٹر کو دے کر ایک رسّی نکالی پھر میرے دونوں ہاتھ پشت کی طرف باندھ دیے۔ ٹرانسمٹر کو مجھ سے لے کر ایک کونے میں ڈال دیا گیا۔ رونالڈ اور موزیک کے ہوش میں آنے سے پہلے ہی ان کے ہاتھ پاؤں بھی باندھ دیے گئے۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد والٹر اور واسیتو اسٹین گن اٹھا کر دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولے "ایڈونا تم ان کا خیال رکھو، ہم باہر ذرا سا ہنگامہ برپا کر کے ابھی آتے ہیں"۔

یہ کہتے ہی انہوں نے دروازہ کھولا اور جھونپڑی کے برآمدے میں پہنچ کر اسٹین گن سے بے تحاشہ فائرنگ شروع کر دی۔ میں ان کے پاگل پن پر حیران تھا۔ اچانک ہی مُردہ نظر آنے والے گدھوں کے درمیان زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ انہوں نے ذرا سے پر پھڑپھڑائے۔ کہیں سے چیخنے چلانے کی آوازیں آئیں۔ لیکن ابھی زہر کا اثر باقی تھا اس لیے ان میں اڑنے کی سکت نہیں تھی۔ ادھر برآمدے میں کھڑے ہوتے والٹر اور واسیتو نے پھر ایک بار اسٹین گن کا برسٹ مارا۔ تڑتڑاہٹ کی آواز جنگل کے سناٹے میں دور تک گونجتی چلی گئی ہو گی۔ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے پائلٹ نے وہ آواز سنی ہو یا نہ سنی ہو لیکن کہیں سے آنے والے گدھوں نے سن لی جو زہریلے گوشت سے محروم رہے تھے۔ وہ پتہ نہیں کہاں سے منڈلاتے ہوتے آ گئے تھے کہ پھر ایک بار گدھوں کی فوج کا جیسے حملہ ہوا۔ وہ چیختے چلاتے پَروں کو پھڑپھڑاتے جھونپڑی کی طرف آ رہے تھے۔ والٹر اور واسیتو پلٹ کر بھاگتے ہوئے اندر آئے اور دروازے کو بند کر دیا لیکن اب باہر جیسے طوفان آ گیا تھا۔ گدھ آ رہے تھے اور جھونپڑی کے دروازے اور دیواروں سے ٹکرا رہے تھے۔

اسی وقت والٹر نے دوڑتے ہوئے کونے میں جا کر اس ٹرانسمٹر کو اٹھا لیا۔ پھر اسے آن کرتے ہوئے پائلٹ سے رابطہ قائم کیا۔ کہنے لگا "گدھوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ بڑا ہی سخت حملہ ہے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ جن گدھوں کو زہریلا گوشت کھلایا گیا ہے ان کے علاوہ اور بھی گدھ ہیں جو کہیں سے آ سکتے ہیں۔ بہرحال پروفیسر برنارڈ رسل مارے گئے ہیں اور ہم اپنی زندگی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں"۔

یہ سنتے ہی میں نے چیخ کر اس کی مخالفت میں بولنا چاہا تاکہ میری آواز اُدھر پائلٹ تک پہنچ جائے لیکن منہ کھولتے ہی واسیتو نے اپنی اسٹین گن کی نال میرے منہ میں گھسا دی۔ میں کچھ نہ بول سکا۔ حیرانی سے آنکھیں پھاڑے ان کی بدمعاشیاں دیکھتا رہ گیا۔

اب ان کی چالیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔ والٹر نے ٹرانسمٹر کو آن رکھا تھا۔ جو گدھ دروازے اور دیواروں سے ٹکرا رہے تھے اور شور مچا رہے تھے ان کی آوازیں ٹرانسمٹر کے ذریعے پائلٹ تک پہنچ رہی تھیں۔ پھر یہ کہ والٹر کبھی کبھی کھڑکی کے باہر فائرنگ کرتا تھا تاکہ پائلٹ کی سمجھ میں آئے کہ وہ اپنی زندگی کے لیے لڑ رہے ہیں۔ آخر میں والٹر نے ٹرانسمٹر کو زمین پر رکھ کر اس پر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں ٹرانسمٹر بالکل ہی تباہ ہو گیا۔ اب اس کے ذریعے رابطہ قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

باہر گدھوں کا شور جاری تھا۔ وہ کبھی کبھی جھونپڑی کی دیوار سے آ کر ٹکرا جاتے تھے۔ کچھ دیر بعد ہم نے دور کہیں ہیلی کاپٹر کے پرواز کرنے کی آواز سنی۔ اس آواز کو سنتے ہی والٹر نے کہا "ہم جس ہیلی کاپٹر میں آتے تھے اس کا پائلٹ بلندی سے دیکھنا چاہتا ہے کہ ہمارا کیا حشر ہوا ہے؟ یہاں جھونپڑی کے آس پاس اتنے گدھوں کو پرواز کرنا چاہیے کہ اوپر سے کچھ نظر نہ آئے۔ اس کا ایک طریقہ یہی ہے کہ پھر سے ان گدھوں کو بھڑکایا جائے"۔

یہ کہتے ہی وہ اسٹین گن لے کر کھڑکی کے پاس گیا اور اس کے باہر اسٹین گن کو نکال کر فائرنگ شروع کر دی۔ اس فائرنگ کی آواز کے ساتھ پھر گدھ بھڑک گئے۔ ایسا قیامت کا شور بلند ہوا کہ کان کے پردے پھٹنے لگے۔ باہر سینکڑوں بلکہ ہزاروں گدھ اس طرح اڑ رہے ہوں گے کہ جھونپڑی کے آس پاس کی فضا میں بادل کی طرح چھا گئے ہوں گے۔ اوپر سے پرواز کرنے والے کو کچھ نظر نہیں آ رہا ہو گا۔ ہم نے ہیلی کاپٹر کی آواز قریب ہی سنی۔ پھر وہ آواز دور ہو گئی۔ والٹر اور واسیتو نے مجھے ایک طرف دھکیلتے ہوتے ایک کونے میں کھڑا کر

دیا اور کہا" کھڑکی کے پاس کوئی نہ جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہیلی کاپٹر سے پرواز کرنے والا کسی طرح کھڑکی پر کسی بھی آدمی کی جھلک دیکھ لے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو کر ابھی یہاں کوئی زندہ بچا ہے۔ ہم سب ان لوگوں کے لیے مر چکے ہیں۔"

بیس منٹ کے بعد ہیلی کاپٹر واپس چلا گیا کیونکہ اب اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ پینتالیس منٹ کے بعد باہر گدھوں کا شور بھی رفتہ رفتہ کم ہو گیا۔ پھر بالکل ہی ختم ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ گدھ بالکل پُر سکون ہو گئے ہوں۔ والٹر نے کہا" ایڈونا! سارا کام ہماری پلاننگ کے مطابق ہو رہا ہے۔ اب گڑھا کھود کر اس ستون کو یہاں گاڑنا ہو گا۔ اس کے بعد ہی ہم مال کو پچھلے راستے سے کھائی میں پہنچا سکتے ہیں۔"

یہ کہہ کر والٹر نے واسیتو کو اپنی اسٹین گن دی اور ڈ کی کے ساتھ مل کر وہاں کھڑکی کے پاس والی جگہ کو کھودنے لگا۔ ایڈونا ایک صندوق کا ڈھکن کھول کر دوسرے صندوق کے ذریعے مچان پر پہنچ گئی۔ پھر وہاں سے ہیرے جواہرات اور قیمتی موتی سمیٹ کر کھلے ہوئے صندوق کے اندر گرانے لگی۔ جب وہ صندوق بھر گیا تو وہ نیچے آ گئی۔ ایک صندوق پر کھڑے ہو کر اس نے بھرے ہوئے صندوق کو بند کیا پھر اس پر کھڑے ہو کر خالی صندوق کھول دیا۔ اس کے بعد وہ پھر مچان پر گئی اور تمام خزانے کو دوسرے صندوق کے اندر منتقل کرنے لگی۔

ایک گھنٹے کے اندر ایک طرف دونوں صندوق بھر گئے۔ دوسری طرف اس موٹے سے آہنی ستون کو مضبوطی سے گاڑ دیا گیا۔ کھڑکی کی چوکھٹ پر لکڑی کی مضبوط جالی تھی۔ اس کے علاوہ کھڑکی کے دو طرفہ پٹ بنے ہوئے تھے۔ انہیں مضبوطی سے بند کیا جا سکتا تھا۔ والٹر اور واسیتو اس کھڑکی کی جالی کو چاروں طرف سے دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔ " ایڈونا! ہم اس جالی کو اس کی جگہ سے اکھاڑ رہے ہیں۔ یہ کھڑکی کے پٹ اپنی جگہ موجود رہیں گے۔ جالی کو اکھاڑنا اس لیے ضروری ہے کہ اسی راستے سے صندوقوں کو گزار کر باہر پہنچایا جائے گا۔"

ایڈونا نے پوچھا" کیا صندوقوں کو ابھی اس کھائی میں پہنچایا جائے گا؟"

والٹر نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا" نہیں، ادھر کھڑکی کے باہر ایک خاصا بڑا سا پتھر پڑا ہوا ہے۔ ہم اس پتھر کو رسی کے ایک سرے سے باندھ کر اس کھائی کی طرف لڑھکا دیں گے۔ پھر یہاں سے رسے کو ڈھیل دیتے جائیں گے اور دیکھتے جائیں گے کہ پتھر کتنی دور نیچے جا کر رکتا ہے۔ جہاں پر رک جائے گا وہاں تک ہمیں رسے کی لمبائی کا اندازہ ہو جائے گا۔ پھر اس اندازے کے مطابق ہم اس رسے کے آخری سرے کو اس ستون سے باندھ دیں گے۔"

وہ لوگ جو کہہ رہے تھے اس پر عمل بھی کرتے جا رہے تھے۔ میں دیکھ رہا تھا لیکن کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ انہوں نے پہلے کھڑکی کی چوکھٹ کو کھول دیا۔ اس وقت واسیتو اسٹین گن لیے کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوا تھا تاکہ کوئی گدھ ادھر آئے تو فائرنگ کے ذریعے اسے بھگا دیا جائے۔ ویسے وہ بڑی آہستگی سے کام کر رہے تھے۔ کسی گدھ کی توجہ ادھر نہیں ہو سکی تھی۔ انہوں نے خاموشی سے اپنا کام کرنے کے بعد چوکھٹ کو الگ کر دیا۔ پھر آہستگی سے والٹر کھڑکی کے باہر گیا۔ وہاں رسے کے ایک سرے کو اس پتھر سے مضبوطی کے ساتھ باندھنے لگا۔ وہ بار بار ادھر ادھر دیکھتا بھی جا رہا تھا اور مطمئن ہو رہا تھا کہ گدھ اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔

پتھر بھاری تھا لیکن والٹر نے تنہا اسے کھائی کی طرف لڑھکا دیا۔ پھر فوراً ہی کھڑکی کے اندر آ گیا۔ پتھر کے لڑھکنے کی آواز تھوڑی دور سنائی دی۔ رسے کو وہ لوگ ڈھیل دیتے گئے۔ ہم ہیلی کاپٹر میں چکر لگانے کے دوران یہ دیکھ چکے تھے کہ جھونپڑی کے پیچھے جو چٹان ہے اس کے بعد نیچے کھائی کی پستی تک ایک دم سیدھی، عمودی چٹانیں چلی گئی تھیں۔ اس پتھر کو لڑھکنے سے کوئی چٹان روک نہیں سکتی تھی، اس لیے وہ آسانی سے نیچے جاتا رہا۔ رسہ کھڑکی کے راستے گزرتا رہا۔ آخر رسے کا بنڈل ختم ہو گیا۔ دوسرا بنڈل اٹھایا گیا اور اس کے سرے کو ختم ہونے والے رسے کے آخری سرے سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ پھر وہ لوگ رسے کو ڈھیل دینے لگے۔ اس طرح رسے کے آٹھ بنڈلوں کو ایک دوسرے سے منسلک کرتے ہوئے اس کھڑکی کے راستے گزار اگیا۔ آٹھویں بنڈل پر پتہ چلا کہ وہ پتھر کھائی کے نیچے والی سطح پر جا کر رک گیا ہے کیونکہ رسی ڈھیلی جا رہی تھی۔ تب ان لوگوں نے رسے کے اس طرف والے سرے کو اس آہنی ستون سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا پھر اس رسے کو واپس اوپر کی طرف کھینچنے لگے۔ جب وہ پتھر اوپر کھڑکی کی طرف آیا تو اسی وقت چار پانچ گدھ اڑتے ہوئے کھڑکی کے قریب سے گزرے۔ ڈ کی نے فوراً ہی کھڑکی کے دونوں پٹ بند کر دیے۔ ہمارے اندیشے کے مطابق گدھوں کا شور پھر ایک بار بلند ہونے والا تھا اور وہ جھونپڑی کی پچھلی دیوار سے آ کر ٹکرانے والے تھے۔ ہم انتظار کرتے رہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ بڑی دیر تک سناٹا رہا۔

دن کی روشنی ڈوب رہی تھی اور شام کے سائے پھیلتے رات کی سیاہی میں تبدیل ہو رہے تھے۔ ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ آدھی رات کے بعد جب بالکل سناٹا چھا جائے گا سارے گدھ سو رہے ہوں گے۔ اس وقت ان صندوقوں کو نیچے پہنچایا جائے گا۔ اب اطمینان تھا اس لیے وہ لوگ اس سامان کی تلاشی لینے لگے جو پہلے سے جھونپڑی میں موجود تھا۔

اس وقت تک موزیک اور رونالڈ ہوش میں آ چکے تھے اور فرش پر پڑے ہوئے بے بسی سے وہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے میرے ہاتھ کھول دیے۔ پھر واسیتو نے کچھ کاغذات میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا" پروفیسر! یہ کچھ اجنبی زبان میں لکھے ہوئے ہیں۔ آپ تو زبانوں کے ماہر ہیں۔ ذرا دیکھیں ان پر کیا لکھا ہوا ہے؟"

میں نے ان کاغذات کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ اس ایمان پائلٹ کی تحریر تھی جس نے خزانے کو لندن پہنچانے سے پہلے اس جھونپڑی میں پہنچا دیا تھا اور ہمارے لیے مصیبتیں پیدا کر دی تھیں۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ اپنے دو ساتھیوں کی مدد سے اس خزانے کو اٹھا کر جب ایک جھونپڑی کے قریب پہنچا تو اس وقت رات ہو چکی تھی۔ چاروں طرف اندھیرا تھا مگر وہ جھونپڑی ستاروں کی روشنی میں نظر آ رہی تھی۔ ان لوگوں نے یہ سوچا تھا کہ یہاں جو کوئی بھی ہو گا اسے ختم کر دیا جائے گا۔ پھر اس جھونپڑی کے فرش کو کھود کر خزانے کو دفن کر کے اوپر سے فرش کو ہموار کر دیا جائے گا۔

جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس خزانے کے بوجھ کو لے کر جھونپڑی کی طرف بڑھنے لگا تو اس کے بوجھ کی وجہ سے ان کی رفتار سست تھی۔ قدم بہت آہستہ آہستہ زمین پر پڑ رہے تھے۔ یہ بات ان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی کہ آس پاس تاریکی میں اونگھنے والے گدھوں کو ان کے آنے کا علم نہ ہو سکا اور وہ بخیریت جھونپڑی کے اندر خزانے کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔"

رسونتی یہاں تک پڑھنے کے بعد رک گئی۔ پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی" ہم بھی اسی طرح اس جھونپڑی میں آئے تھے۔ ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ اندھیرے میں اتنے سارے گدھ درختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب تم نے فائرنگ کی تو سارے پرندے بھڑک کر ہم پر حملہ کرنے آ رہے تھے۔ خزانہ لوٹ کر لانے والا پائلٹ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسی طرح یہاں پھنس گیا ہو گا۔"

میں نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا" ایسا ہی ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ گدھ اونگھنے کے دوران آنے والوں کو جھونپڑی میں داخل ہونے کی اجازت دے دیتے ہیں لیکن واپس جانے کی مہلت نہیں دیتے اور یہ ہمیں بھی واپس جانے کا موقع نہیں دیں گے۔"

رسونتی نے ہتھکڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" تم اتنی آہستگی سے کاٹ رہے ہو۔ اب تک یہ ہتھکڑی نہیں کٹی۔"

" میں بہت سنبھل سنبھل کر آری چلا رہا ہوں۔ اگر ذرا بھی میرا ہاتھ بہکے گا تو تمہاری کلائی لہو لہان ہو جائے گی۔"

ہتھکڑی تقریباً کٹ چکی تھی۔ میری بات ختم ہوتے ہی وہ حصہ بالکل کٹ گیا جس میں رسونتی کی کلائی قید تھی۔ آزادی ملتے ہی اس نے ڈائری کو ایک طرف اوندھا رکھ دیا اپنی کلائی کو سہلاتے ہوئے خوش ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا" اوہ کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ کتنا سکون مل رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں جنم جنم سے اس ہتھکڑی میں قید تھی اور مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ کبھی کھلے گی لیکن تم نے اسے کاٹ کر رکھ دیا۔ میں تمہارا شکریہ ادا کروں؟"

" میں بتاتا ہوں کہ شکریہ کیسے ادا کیا جاتا ہے۔"

ہم مگن تھے کہ اچانک ہی کہیں دور سے ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ ہم دونوں نے کان لگا کر سنا۔ پھر صندوق پر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور چھت کی طرف دیکھنے لگے۔ ہیلی کاپٹر کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ پھر بڑی دیر تک ہیلی کاپٹر اس جھونپڑی کے چاروں طرف چکر لگاتا رہا۔ ہیلی کاپٹر کی سرچ لائٹ جھونپڑی کی طرف پڑتی تھی جس سے گدھوں میں بے چینی پیدا ہو جاتی تھی۔ وہ پر پھڑپھڑاتے تھے۔ کوئی چلاتا تھا، کوئی ادھر سے ادھر اڑ جاتا تھا۔

رسونتی نے کہا" معلوم ہوتا ہے، یہ ہیلی کاپٹر اس کی مدد کے لیے آیا ہے جس کی ہم ڈائری پڑھ رہے ہیں۔"

" یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پروفیسر برنارڈ رسل کو اپنی ٹیم کے ساتھ یہاں آتے ہوئے تقریباً تین چار ماہ گزر چکے ہیں۔ اتنے عرصہ کے بعد اب کون امداد کے لیے آئے گا۔ جو ٹیم یہاں آئی تھی اس کے پاس راشن زیادہ نہیں تھا۔ وہ ایک ماہ سے زیادہ یہاں پناہ لے کر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ محکمہ آثار قدیمہ والے اس خزانے سے اور خزانہ تلاش کرنے والی ٹیم سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اب وہ ادھر نہیں آئیں گے۔"

" پھر یہ ہیلی کاپٹر کس کا ہے۔ کون لوگ اس جھونپڑی کے چاروں طرف چکر لگا رہے ہیں؟"

" یہ ہمارے دشمن ہیں۔ کل رات جنہوں نے ہمیں ستون سے باندھ رکھا تھا۔ اب وہی ہماری تلاش کے لیے نکلے

ہیں۔ سرچ لائٹ کے ذریعے دیکھ رہے ہیں کہ ہم نے رات کو یہاں پناہ لی ہے یا اب تک ہمارا سفر جاری ہے؟"

ایک بار سرچ لائٹ کی روشنی کھڑکی کے راستے جھونپڑی کے اندر آئی۔ پھر وہاں سے گزر گئی۔ کھڑکی پر وہی لکڑی کی جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ رسونتی نے دوڑ کر اس کے دونوں پٹ بند کر دیے۔ پہلے تو میں نے اس بات پر دھیان نہیں دیا۔ دوسری بار جب سرچ لائٹ کھڑکی کے قریب سے گزری تو روشنی اندر نہیں آئی۔ میں نے ایک دم سے چونک کر کہا۔ "یہ تم نے کیا کیا؟ تمہیں کھڑکی کے پٹ کو بند نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیوں؟ روشنی اندر آ رہی ہے۔ کیا وہ لوگ ہمیں دیکھ نہیں سکیں گے؟"

"اتنی رات کو وہ دوربین سے بھی دیکھتے رہیں تو اندر انہیں کوئی نظر نہیں آئے گا کیونکہ ہم کھڑکی سے بہت دور یہاں صندوق پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن اب انہیں یقین ہو گیا ہوگا کہ ہم اس جھونپڑی میں موجود ہیں۔"

"انہیں کیسے یقین ہوگا؟"

"اس طرح کہ پہلی بار جب سرچ لائٹ کی روشنی یہاں سے گزری تو کھڑکی کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ دوسری بار جب وہی روشنی گزری تو دونوں پٹ بند تھے۔ کیا وہ یہ خیال قائم نہیں کریں گے کہ کھڑکی کے پٹ کو بند کرنے والے اس جھونپڑی میں موجود ہیں اور وہ بند کرنے والے ہم ہی ہو سکتے ہیں۔"

ہم ایک دوسرے کے قریب تھے لیکن باتیں کرنے کے لیے ہمیں چیخ چیخ کر بولنا پڑ رہا تھا۔ باہر گدھوں نے اتنا شور مچانا شروع کر دیا تھا کہ ہمیں اپنی آواز اچھی طرح سنائی نہیں دیتی تھی۔ گدھ اپنی عادت کے مطابق جھونپڑی کی دیواروں سے آ کر ٹکراتے تھے۔ کبھی چھت پر بیٹھتے تھے اور پھر وہاں سے اڑ جاتے تھے۔ ایک عجیب بھیانک سا شور برپا تھا۔ رسونتی مجھ سے باتیں کر کے اپنے آپ کو بہلا رہی تھی لیکن اس کے چہرے سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ گھبرائی ہوئی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لوگ ہیلی کاپٹر کو کہیں قریب ہی اتارنے کے متعلق سوچ رہے ہوں کیونکہ ان کی پرواز بڑی لمبی تھی۔ وہ بار بار جھونپڑی کے اطراف دور تک چکر لگا رہے تھے۔ آخر کار ہیلی کاپٹر کی آواز دور ہونے لگی۔ ہم کان لگا کر سن رہے تھے۔ کچھ دیر بعد آواز ایک دم ہی ختم ہو گئی۔ اس کے تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد گدھ بھی آہستہ آہستہ خاموش اور پرسکون ہونے لگے۔ ہمارے اطراف وہی رات کا سکوت اور جنگل کا سناٹا چھا گیا۔

رسونتی بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ اس نے میرے قریب آ کر صندوق پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہم یہاں سے کبھی نہیں نکل سکیں گے۔ یہ ڈائری بتا رہی ہے کہ یہاں آنے والوں کا کیا حشر ہوا۔ ہم اتنے سارے خونخوار گدھوں کو مار کر یا انہیں کس طرح دھوکا دے کر یہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔"

میں نے اسے تسلی دی۔ "تم تو خواہ مخواہ گھبرا رہی ہو۔ ذرا اس ڈائری کو پڑھو۔ دیکھو تو سہی کہ جو لوگ اس کھڑکی کے راستے صندوق کو کھائی میں پہنچا رہے تھے وہ اسی راستے سے باہر جانے میں کامیاب ہو سکے تھے یا نہیں؟ اس ڈائری سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہوگا۔ تم اسے پڑھو۔ تمہیں حوصلہ ملے گا۔"

میرے سمجھانے اور تسلیاں دینے پر وہ ڈائری کھول کر پڑھنے لگی۔ میں آری سنبھال کر اپنی کلائی کی ہتھکڑی کو کاٹتے ہوئے سننے لگا۔ اس خزانے کے چوروں نے اجنبی زبان میں جو لکھا تھا، اسے پروفیسر برنارڈ رسل پڑھ رہا تھا۔ لکھا تھا کہ ان کے لیے باہر نکلنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ ان کے پاس اسٹین گنیں بھی نہیں تھیں صرف ریوالور تھے اور چاقو ان کے ایک ساتھی کے پاس تھا۔ ان کے پاس زیادہ خوراک بھی نہیں تھی۔ وہ فقط تین چار دن قیام کر کے وہاں سے نکلنے کی کسی تدبیر پر عمل کر سکتے تھے مگر کوئی تدبیر کوئی راہ فرار نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو دن وہاں بھوکے پیاسے رہ کر تیسرے دن وہ باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ جھونپڑی کے اندر بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے بہتر تھا کہ گدھوں کا مقابلہ کرتے ہوئے وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی جاتی۔ یہی سوچ کر انہوں نے اپنے ریوالور سنبھالے۔ چاقو لیا۔ وہاں جھونپڑی کے اندر ایک ڈنڈا پڑا ہوا تھا، اسے بھی انہوں نے اٹھا لیا۔ پھر یہ کاغذات اپنے سامان کے ساتھ چھوڑ کر جھونپڑی سے نکل گئے۔ ان کے آخری الفاظ یہ تھے "ہم اپنی زندگی کے لیے لڑنے جا رہے ہیں۔ اگر زندہ رہے تو واپس آ کر اس خزانے کو ضرور حاصل کر لیں گے۔"

اس کے بعد تحریر ختم ہو گئی تھی۔ ڈائری میں برنارڈ رسل کی تحریر جاری تھی۔ برنارڈ رسل نے آگے چل کر لکھا تھا "میں نے وہ تمام کاغذات سمیٹ کر واسیتو کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ دیکھو واسیتو، والٹر اور ایڈونا! اس تحریر سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اگر ہم ساتھ نہ رہے اور یہاں سے الگ الگ نکلنے کی کوشش کی تو ہم فرداً فرداً ان گدھوں کا شکار ہوتے جائیں گے۔"

والٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جو لوگ اس جھونپڑی میں آ کر موت کے منہ میں جا چکے ہیں، وہ مجبور تھے۔ ان کے پاس فرار کا راستہ نہیں تھا۔ اس کھڑکی سے گزر کر جانے کے لیے ان کے پاس اتنے لمبے رستے اور یہ سارے انتظامات نہیں تھے۔ تم دیکھو گے کہ ہم کس طرح یہاں سے خزانہ لے کر جائیں گے۔"

ایڈونا اٹھلاتے ہوئے والٹر کے پاس گئی۔ پھر اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "جانی! اپنی کامیابی کی خوشی میں بھوک اڑ گئی ہے پھر بھی ہمیں تھوڑا بہت کھا لینا چاہیے اس کے بعد ہمیں صبح تک کھانے کی فرصت نہیں ملے گی نیچے کھائی میں پہنچنے کے بعد اس خزانے کو لے جانے کا مسئلہ بھی تو ہمارے سامنے ہوگا۔"

وہ لوگ سامان سے شراب کی بوتلیں نکال کر پینے لگے تھوڑی سی ہمیں بھی پلائی۔ کھانے کے وقت انہوں نے ہمیں رسیوں سے آزاد کر دیا تھا لیکن بعد میں ہمیں پھر باندھ دیا گیا۔ رات پینے پلانے میں وقت گزار رہے تھے۔ ایڈونا والٹر کے ساتھ بہت بے تکلف ہو رہی تھی بلکہ بے شرمی کا مظاہرہ کر رہی تھی اور میں نفرت سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

جھونپڑی کے باہر گہرا سناٹا تھا۔ وہ سارے گدھ شکم سیر ہو چکے تھے۔ کچھ زہریلے گوشت کا بھی ان پر اثر تھا شاید اسی لیے وہ پھر اونگھ رہے ہوں گے۔ باہر کی خاموشی بڑی پراسرار تھی۔ آدھی رات سے پہلے ہی والٹر، ایڈونا اور واسیتو اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

ان لوگوں نے کھانے کے دوران یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ سب سے پہلے ایڈونا رسے کے ذریعے کھائی میں پہنچے گی۔ اس کے بعد صندوق کو باندھ کر نیچے پہنچایا جائے گا۔ پھر والٹر اور واسیتو باری باری جائیں گے۔

لہٰذا ایڈونا جانے کی تیاری کرنے لگی۔ اس نے اپنی کمر سے کارتوس کی پیٹی باندھی۔ ہولسٹر میں ریوالور رکھا۔ ایک طرف چاقو لٹکا لیا۔ اسی کمر بند میں ٹارچ لائٹ بھی پھنسا لی۔ والٹر نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ "ایڈونا! تمہیں قربانی کی بکری بنا کر سب سے پہلے بھیجا جا رہا ہے۔ جہاں تم پہنچنے والی ہو وہ جگہ کیسی ہوگی کیا تم نے سوچا ہے؟"

ایڈونا نے ناگواری سے کہا۔ "میں بزدل نہیں ہوں۔ میں دولت حاصل کرنے کے لیے اور اپنے مستقبل کو شاندار بنانے کے لیے خطرات مول لے سکتی ہوں۔ پھر یہ کہ والٹر میرا دوست ہے۔ میرے لیے جان کی بازی لگا سکتا ہے۔ مجھے جہنم میں نہیں جھونک سکتا۔"

یہ کہہ کر وہ کھڑکی کے پاس گئی۔ اس کی جالیاں ہٹا دی گئی تھیں۔ واسیتو اسٹین گن لیے کھڑکی کے باہر نکل کر کھڑا ہو گیا تاکہ گدھ آئیں تو وہ ایڈونا کی حفاظت کر سکے۔ ایڈونا نے اپنی کمر سے ایسا بیلٹ باندھا جیسا کوہ پیما باندھا کرتے ہیں جس میں ایک ہک لگا ہوتا ہے۔ اس ہک کو رسے سے منسلک کر دیا گیا تھا۔ اس بیلٹ سے چھوٹی سی کدال بھی لٹکی ہوئی تھی۔ آخر میں اس نے والٹر سے اسٹین گن لی۔ اسے شانے سے لٹکایا پھر وہ دونوں بڑے ہی رومانٹک انداز میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

اس نے رسہ پکڑا اور چٹان کے آخری سرے پر جا کر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔ اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے رسے کو تھام کر پیچھے کی طرف کود گئی۔ والٹر اور واسیتو مطمئن ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ اسی وقت کہیں سے پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز آئی۔ وہ جلدی سے جھونپڑی کے اندر آ گئے اور اسٹین گن سنبھال کر باہر کا جائزہ لینے لگے لیکن اس پھڑپھڑاہٹ کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔

بیس منٹ کے بعد والٹر اور واسیتو نے رسے کو کھینچ کر دیکھا تو وہ ڈھیلا نہیں تھا۔ اس سے پتہ چل گیا کہ ایڈونا ابھی تک رسے کے سہارے نیچے جا رہی ہے۔ تیس منٹ کے بعد انہوں نے پھر اسے کھینچا۔ رسہ ہلکا سا لگا۔ کھینچنے پر اوپر کھنچتا چلا آیا۔ حتیٰ کہ اس کا آخری سرا بھی ان کے ہاتھ میں آ گیا۔

دوسری بار واسیتو اور ڈکی نے صندوق کو رسے سے باندھ کر چٹان کے نیچے پھسلا دیا۔ صندوق نیچے جانے لگا۔ والٹر اسٹین گن لیے کھڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں رسے کو آہستہ آہستہ نیچے کی طرف ڈھیل دیتے ہوئے کھڑکی کے پاس آ گئے۔ رسہ اب خود بخود —— نیچے کی طرف سرک رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ صندوق بغیر کسی رکاوٹ کے نیچے چلا جا رہا تھا۔

میں رونالڈ اور موزیک رسیوں سے بندھے ہوئے کمرے کے اندر تھے مگر کھڑکی کے باہر ہونے والے تماشے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑی آسانی کے ساتھ خزانے کو لے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوتے نظر آ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ صندوق شاید نیچے پہنچ گیا تھا۔ انہوں نے رسے کو اپنی طرف کھینچا تو وہ اوپر آنے لگا یعنی وہ رسہ ہلکا ہو گیا تھا۔ ایڈونا نے کھائی میں صندوق کو رسیوں سے آزاد کر دیا تھا جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ ایڈونا اور وہ صندوق بخیریت نیچے پہنچ گئے ہیں، تب والٹر وہاں سے رخصت ہوا۔ وہ بھی ایڈونا کے

اندازمیں تمام سازوسامان سے لیس ہوکر چٹان کے دوسری طرف غائب ہوگیا تھا۔ اب واستیو اور ڈکی اس کے نیچے پہنچنے کے بعد دوسرے صندوق کو بھی وہاں سے منتقل کرنے کے منتظر تھے۔ اس کے بعد وہ دونوں ہمیں جھونپڑی میں بندھا ہوا چھوڑ کر باری باری وہاں سے رخصت ہوجاتے۔

آدھے گھنٹے کے بعد واستیو اور ڈکی نے رسے کو اپنی طرف کھینچا تو وہ ان کی طرف نہیں آیا۔ ذرا سختی تھی۔ وہ ڈھیلا نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ والٹر ابھی تک رسے سے لٹک رہا تھا۔ نیچے نہیں پہنچا تھا۔ بینتالیس منٹ کے بعد انہوں نے پھر رسے کو کھینچا۔ وہ اسی طرح سخت محسوس ہوا۔ وہ ڈھیلا نہیں تھا۔ انہوں نے پھر انتظار کیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اس کے بعد بھی رسے کو کھینچنے پر وہی نتیجہ نکلا۔ وہ دونوں حیران اور پریشان ہوکر ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "بے وقوفو! والٹر اور ایڈونا تم دونوں کو بیوقوف بنا گئے ہیں۔ والٹر نے نیچے جاکر ایک بڑا سا پتھر رسے کے ساتھ باندھ دیا ہے تاکہ تم رسے کو اوپر نہ کھینچ سکو۔ اگر کھینچ بھی لیا تو تمہیں ایک پتھر کے سوا کچھ نہ ملے گا۔"

میری بات پر وہ دونوں جوش میں آگئے۔ رسے کو جلدی جلدی اپنی طرف کھینچنے لگے۔ انہیں خاصی طاقت صرف کرنی پڑ رہی تھی۔ مگر وہ رسے کو کھینچتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ رسہ اوپر آیا تو ہم سب ہی کھڑکی کے باہر چاند کی روشنی میں وہ منظر دیکھ کر چونک گئے۔

واستیو اور ڈکی کھڑکی کے باہر پہنچ گئے تھے۔ رسے کے آخری سرے پر والٹر بندھا ہوا تھا۔ وہ چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا اس کے سینے میں ایک خنجر پیوست تھا۔ وہ مر چکا تھا اور اس کے کپڑے خون آلود ہو رہے تھے۔

میں ایک پاگل کی طرح بے اختیار قہقہے لگانے لگا۔ رونالڈ اور موزیک بھی قہقہے لگانے میں میرا ساتھ دے رہے تھے۔ پھر وہ دونوں غصے سے پلٹ کر ہماری طرف آئے۔ واستیو نے ڈانٹ کر کہا۔ "خاموش ہوجاؤ۔ کیوں ہنس رہے ہو؟"

میں نے پوچھا۔ "کیا اب بھی یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی کہ تمہاری حماقت پر ساری دنیا کو ہنسنا چاہیے۔ میں نے پہلے ہی تمہیں سمجھا دیا تھا۔"

واستیو نے پوچھا۔ "تم کیا سمجھتے ہو کہ والٹر کو کس نے قتل کیا ہے؟"

میں نے کہا۔ "بے وقوف! اس کھائی کی پستی میں صرف دو انسان تھے ایک ایڈونا اور دوسرا والٹر۔ ان دونوں میں سے اگر ایک مقتول ہے تو دوسرا یقیناً قاتل ہوگا۔ کیا اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ دولت کا لالچ محبت کے رشتوں کو بھی کاٹ کر پھینک دیتا ہے اور ایڈونا نے رسہ کاٹ کر تمہارے حوالے کر دیا ہے۔ تم میں سے اب کوئی نیچے جائے گا تو اس کے نیچے پہنچنے سے پہلے ہی ایڈونا اسے بھی ختم کر دے گی۔ یقین نہیں ہے تو کوئی اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دیکھ لے۔"

واستیو نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "میں نیچے جانے کے لیے تیار ہوں لیکن اس سے پہلے اس صندوق کو نیچے پہنچاؤں گا۔ یہ خزانہ کسی کے لیے نہیں چھوڑوں گا۔ ڈکی! میرا ساتھ دو۔ ہم اسے رسے سے باندھیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے والٹر کی لاش کو رسے سے آزاد کیا۔ پھر اس رسے کے آخری سرے کو صندوق سے باندھنے کے لیے اندر آیا۔ اس نے اور ڈکی نے اپنی اسٹین گنیں ایک طرف رکھ دیں۔ پھر اس رسے سے صندوق کو باندھنے کے لیے آگے بڑھے۔ اچانک ہی ڈکی نے بازی پلٹ دی۔ اس نے ایک الٹا ہاتھ واستیو کے منہ پر رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا تو اس نے اسٹین گن اٹھا کر کہا۔ "بس اب اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔"

واستیو نے دور پڑی ہوئی اسٹین گن کو دیکھا۔ وہ وہاں تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔ اس نے غصے سے پوچھا۔ "ڈکی! یہ کیا حرکت ہے۔ کیا تم ہمارا ساتھ چھوڑ رہے ہو؟"

ڈکی نے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ ہی کب تھا؟ میں تو اس انتظار میں تھا کہ تم تینوں میں سے کوئی ایک یہاں اکیلا رہ جائے، پھر میں اس سے نمٹ لوں گا۔ یہ تمہاری بدنصیبی ہے کہ والٹر اور ایڈونا نکل گئے اور تم اکیلے رہ گئے۔"

واستیو نے کہا۔ "میں سمجھ گیا۔ شاید تم پہلے یہاں سے جانا چاہتے ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو میں رک جاتا ہوں۔ تم نیچے چلے جاؤ۔ میں بعد میں یہ صندوق لے کر آجاؤں گا۔"

ڈکی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں نے اپنے پروفیسر کی جان بچانے کے لیے یہ چال چلی اور تم لوگوں کا ساتھی بن گیا۔ میں جانتا تھا کہ موقع آئے گا تو میں پروفیسر کو ان رسیوں سے آزاد کر دوں گا۔ کیا میں پروفیسر کا احترام کرتا آیا ہوں جس نے میری زندگی بنائی۔ کیا اسے موت کے منہ میں چھوڑ کر چلا جاتا۔ نہیں، کبھی نہیں۔ تم اس کھڑکی سے باہر چلے جاؤ۔"

ڈکی یہ کہتا ہوا میرے پاس پہنچا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے ایک چاقو کو کھولا پھر میری رسی کاٹ دی۔ میں نے اس سے وہ چاقو لے کر موزیک اور رونالڈ کو رسیوں سے آزاد کیا۔ اس وقت واستیو کھڑکی کے پاس پہنچ گیا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "ڈکی! مجھ سے دشمنی مہنگی پڑے گی۔ اب بھی دوست بن جاؤ۔ فائدے میں رہوگے، یہ ساری دولت ہماری ہوگی۔ تم حماقت نہ کرو۔"

اس نے ڈانٹ کر کہا۔ "میں کہتا ہوں کھڑکی سے باہر چلے جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

وہ کھڑکی سے باہر چلا گیا۔ جب وہ ذرا دور ہوا تو ڈکی بھی کھڑکی سے باہر نکل گیا۔ پھر اسٹین گن اس کی طرف تان کر بولا۔ "اس رسے کو پکڑ کر نیچے ہی اس کھائی میں پہنچ جاؤ یا پھر یہیں مرنے کی فرمائش کرو تو ابھی اسٹین گن چلا دوں۔"

اس نے رسے کو تھام کر کہا۔ "دیکھو ڈکی! میں اس رسے کے ذریعے نیچے چلا جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں ایڈونا میرے ساتھ والٹر جیسی حرکت نہیں کرے گی۔ پھر بھی میں تمہیں دوست بننے کی دعوت دیتا ہوں۔"

ڈکی نے سختی سے کہا۔ "وقت برباد نہ کرو، یہاں سے چلے جاؤ۔"

اسی وقت واستیو نے ایک دم سے چونک کر کہا۔ "ارے نہیں نہیں ڈکی پر حملہ نہ کرنا۔"

ڈکی نے بوکھلا کر ذرا پیچھے کی طرف دیکھا۔ اتنی سی دیر میں واستیو نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ ڈکی کے ہاتھ سے اسٹین گن نکل گئی تھی۔ دونوں گتھم گتھا ہوگئے تھے۔ ادھر موزیک نے وہ کردہ اسٹین گن اٹھائی جو کمرے کے اندر پڑی ہوئی تھی۔ ادھر کھڑکی کے باہر اتفاق سے واستیو کے ہاتھ اسٹین گن آگئی تھی۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر تڑتڑ کی آواز کے ساتھ ڈکی پر فائرنگ کر رہا تھا۔ بے چارہ مجھ پر قربان ہوگیا۔ میں نے اسے زمین پر گر کر تڑپتے دیکھا۔ اچانک رونالڈ نے مجھے ایک زور کی لات ماری۔ میں پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا دور جاکر صندوق کے پاس گر پڑا۔ مجھے بڑا غصہ آیا پھر دوسرے ہی لمحہ غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ رونالڈ نے بھی میری خاطر جان دے دی۔ واستیو اب ہماری طرف فائرنگ کر رہا تھا۔ اسی وقت موزیک نے اسے گولی مار دی۔ آہنی آواز کافی دور تک باہر اچانک گدھوں کا شور شروع ہوگیا تھا۔ پھڑپھڑا رہے تھے۔ ان کے چیخنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ جھونپڑی کے چاروں طرف اڑتے ہوئے پیچھے کی طرف آرہے تھے۔ ہم نے فوراً ہی کھڑکی کے دونوں پٹوں کو بند کر دیا۔

اُف، کیا قیامت کا شور تھا۔ جھونپڑی کے در و دیوار لرز رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو اور چھت گرنے ہی والی ہو۔ گدھوں کو تین تازہ تازہ لاشیں مل گئی تھیں۔ اب وہ ان لاشوں پر جھپٹ رہے تھے اور اپنا اپنا حصہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ لڑ رہے تھے، چیخ رہے تھے۔

بند کھڑکی کے باہر جو کچھ ہو رہا تھا اسے ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن دماغ کی اسکرین پر صاف نظر آرہا تھا کہ ہمارے تین ساتھیوں کا کتنا عبرت ناک انجام ہو رہا ہے۔ یہ انجام ہمیں سمجھا رہا تھا کہ ہمارا آخری وقت بھی کچھ اچھا نہیں ہوگا۔ اگر ہم نے فوراً ہی یہاں سے نکل بھاگنے کی کوئی تدبیر نہ کی تو ہم ان گدھوں کی خوراک بن جائیں گے۔

بند کمرے کے اندر ہم پتھر کے بت کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ ہمیں اپنے وجود کا احساس نہیں تھا۔ یہ بھی یاد نہیں تھا کہ ہم سانس لے رہے ہیں یا نہیں۔ موت کی دہشت ایسی طاری تھی کہ اس وقت ہم موت سے پہلے ہی مر رہے تھے۔

وہ رات کیسے گزر گئی۔ ہم نہیں جانتے۔ سونا تو دور کی بات تھی ہم پلک جھپکنا بھی بھول گئے تھے۔ صبح ہونے کے بعد بھی نیند ہماری آنکھوں تک نہیں آئی۔ ہم جاگتے رہے جیسے بیداری کا مرض لاحق ہوگیا ہو۔ اب ہم شاید کبھی نہیں سو سکیں گے ایک ہی بار موت آکر ہمیں سلائے گی۔

ہمیں ہیلی کاپٹر کا بے چینی سے انتظار تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ ہمارے محکمے والے ہماری زندگی کا یقین کرنے یا ہماری موت کی تصدیق کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو ضرور بھیجیں گے۔ وہ یہاں آکر ضرور ہماری مدد کریں گے۔

وہ دن گزر گیا مگر کوئی نہ آیا۔ دوسرے دن بھی ہیلی کاپٹر کا انتظار کرتے کرتے ہم تھک گئے۔ رات آگئی — اس جھونپڑی میں وہ ہماری تیسری رات تھی۔ نیند ہماری آنکھوں سے اڑ گئی تھی۔ بھوک مر گئی تھی۔ ہم فطرت سے مجبور ہوکر اونگھتے تھے۔ بیٹھے ہی بیٹھے ذرا آنکھ لگ جاتی تھی۔ پھر ہڑبڑا کر اٹھ جاتے تھے جیسے کوئی گدھ ہم پر جھپٹنے آرہا ہو۔ ہم کھاتے تھے لیکن وہ کھانا یوں لگتا تھا جیسے حلق میں اٹک کر رہ گیا ہو۔ ہم اس قید خانے میں موت سے بدتر زندگی گزار رہے تھے۔

تیسری رات گزارنے کے بعد صبح ہم نے پچھلی کھڑکی کو

کھول کر دیکھا تو ایک جھرجھری سی بدن میں پیدا ہوئی اور آنکھیں آپ ہی آپ بھیگ گئیں۔ ہمارے سامنے چٹان پر تین انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ ہم جانتے تھے کہ یہ تینوں ہمارے ساتھی رہے تھے۔ والٹر، داستیو اور میرا وفادار شاگرد ڈکی۔ لیکن اب انہیں کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔ آہ، موت کیا ہوتی ہے۔ انسان سے اس کی شناخت بھی چھین لیتی ہے۔

میں نے موزیک سے کہا۔ "ہم کب تک یہاں ایسی زندگی گزاریں گے۔ راشن صرف ایک ہفتے کا ہے۔ ابھی دو چار دنوں تک تو کھانے پینے کی فکر نہیں ہے لیکن اس کے بعد کیا ہوگا۔ ہمیں اب یہاں سے نکلنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔"

موزیک نے کہا۔ "سر! ہم کیا کر سکتے ہیں، بس ایک ہی راستہ نظر آرہا ہے۔ یہ رسہ اس ستون سے بندھا ہوا ہے اور دوسرا حصہ باہر پڑا ہوا ہے۔ ہم اسے کھائی کی طرف پھینک کر اسی رستے کے ذریعے نیچے اتر سکتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ بس یہی ایک راستہ ہے۔ آج رات ہم پچھلی کھڑکی سے باہر نکلیں گے اور اس رستے کے ذریعے کھائی میں پہنچ جائیں گے۔ وہ کھائی خواہ موت کی ہو یا نئی زندگی کی۔ ہمیں اپنی تقدیر کو آزمانا ہی ہوگا۔"

میں برنارڈ رسل اب اس ڈائری کا اختتامی پیراگراف لکھ رہا ہوں۔ یہ اختتامی پیراگراف ہے لیکن میری ڈائری کا آخری پیراگراف نہیں ہے۔ اگر میں زندہ رہ گیا اور یہاں دوسرے صندوق کو حاصل کرنے کے لیے دوبارہ آیا تو اپنی ڈائری کو آگے بڑھاؤں گا اور اگر موت کے منہ میں چلا گیا تو یہ ڈائری یہاں رہے گی۔ کوئی بھی آنے والا میری اس ڈائری کو پڑھ کر میرے محکمے تک یہ اطلاع پہنچا دے گا کہ ہم نے آخری سانس تک کس طرح زندہ رہنے کی جدوجہد کی تھی اور محکمے کی امانت محکمے تک پہنچانے کی سر توڑ کوشش کرتے رہے تھے لیکن ناکام رہے تھے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ہم ناکام نہ رہیں۔ ہم نے رونالڈ کو اسی جھونپڑی کے فرش میں دفن کر دیا ہے۔"

رسونتی نے ڈائری کو بند کر دیا۔ اب اس میں پڑھنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ میں نے اپنی بائیں کلائی اٹھا کر اسے دکھائی جو ہتھکڑی سے آزاد ہو چکی تھی۔ اس نے میرے ہاتھ کو تھام کر کلائی کو سہلاتے ہوئے بڑی محبت سے کہا۔ "آزادی مبارک ہو۔"

میں نے کہا۔ "اللہ نے چاہا تو ہم اس جھونپڑی سے بھی آزادی حاصل کر لیں گے۔ اپنے لیے بھی فرار کا راستہ نکال لیں گے۔"

وہ بولی۔ "ہمیں بھی یہی ایک راستہ نظر آتا ہے کہ کھڑکی کے راستے ہم کھائی میں اتر جائیں لیکن میں تو رسے کے ذریعے اتر ہی نہیں سکتی۔ زیادہ بلندی سے پستی کی طرف دیکھتی ہوں تو سر چکرانے لگتا ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ دوں گا۔ تب تمہیں نہ بلندی نظر آئے گی نہ پستی۔ پھر میں تمہیں نہایت آسانی سے نیچے اتار کر لے جاؤں گا۔"

"ہمیں جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"جلد بازی ہمارے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوگی۔ ہم ابھی رات کو آئے ہیں اور اسی وقت یہاں سے نکل کر نہیں جا سکتے۔ ہمیں آس پاس کے ماحول کو دن کے اجالے میں دیکھ کر سمجھنا ہوگا۔ میں کھڑکی کے پیچھے دیکھوں گا کہ چٹان کیسی ہے اور میں اس چٹان کے ذریعے اس صندوق کو نیچے کھائی میں اتار سکتا ہوں یا نہیں۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "کیا تم اپنے ساتھ یہ خزانہ لے کر جانا چاہتے ہو؟"

"ہاں محض اس لیے کہ اس خزانے کی موجودگی کتنی ہی اموات کا سبب بن چکی ہے۔ یہ یہاں رہے گا تو کتنے ہی دیوانے اس کی تلاش میں آئیں گے اور اپنی جانیں گنوائیں گے۔"

"دوسروں کو کیسے پتہ چلے گا کہ ہمارے بعد اس جھونپڑی میں خزانہ نہیں رہا؟"

میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "ہمارے بعد یہ جھونپڑی نہیں رہے گی۔ میں اسے جلا کر خاک کر دوں گا تاکہ کوئی ادھر کا رخ ہی نہ کرے۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہاں سے رخصت ہوتے وقت جھونپڑی کو آگ لگاؤ گے تو کیا گدھ ہمارے پیچھے نہیں پڑ جائیں گے؟ ہم جب تک اس چٹان سے نیچے اترتے رہیں گے اس وقت تک وہ ہمیں نوچ کر کھا جائیں گے۔"

"تم پروا نہ کرو۔ میں اس انداز میں آگ لگاؤں گا کہ پہلے ہم نیچے پہنچیں گے، اس کے بعد اس جھونپڑی میں آگ بھڑکے گی۔"

موم بتی بجھنے والی تھی۔ رسونتی نے دوسری موم بتی کر جلاتے ہوئے کہا۔ "میں یہ رات کیسے گزاروں گی؟ مجھے تو بڑی وحشت ہو رہی ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں مجبور ہوں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو

تمہارے لیے آج کہیں شیش محل کا انتظام کرتا۔ تمہیں سرخ ... میں پیسٹ کر اپنی دلہن بنا کر اس شیش محل میں لے ... آج ہماری سہاگ رات ہے۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "... سہاگ رات ہے۔ چاروں طرف گدھ موت کا سایہ ... بیٹھے ہوتے ہیں، اندر عجیب سی بو ہے۔ جھونپڑی کے ... طرف انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے ہیں اور ہم یہاں ... رات گزارنے آئے ہیں۔ کیسی مضحکہ خیز بات ہے۔"

"برے سے برے حالات سے بھی سمجھوتہ کرنے کی ... کیا کرو۔ انسان وہی ہے جو جہنم کو بھی جنت بنا دے۔ ... آدم اور بی بی حوا جب اس زمین پر پھینکے گئے تھے تو ... جہنم سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ انہوں نے رفتہ رفتہ اسے ... بنا دیا۔"

میں نے صندوق پر چڑھ کر اسے اپنی طرف بلایا۔ وہ میرے ہاتھ کو تھام کر صندوق پر چڑھ گئی۔ میں نے ... دونوں بازوؤں میں اٹھا کر مچان پر پہنچا دیا تاکہ وہ وہاں ... تنہائی کر سکے۔ پھر میں نیچے اتر آیا۔

میں نے اس صندوق کو ذرا سر کا کر دیکھا۔ وہ بہت ہی ... تھا۔ میرے اندازے کے مطابق خالی صندوق کا وزن ... بیس پچیس سیر ہوگا کیونکہ وہ خاص طور پر اسی مقصد ... بنایا گیا تھا کہ جب بیلی کاپٹر سے نیچے اتارا جائے ... جھونپڑی کے پچھلے حصے سے کھائی میں پہنچایا جائے تو وہ ... مضبوط ہو کہ ٹوٹنے نہ پائے۔

میں نے رسونتی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اس ... اور ہیرے جواہرات کا مشترکہ وزن تقریباً ڈیڑھ ... ہوگا۔ اگر صندوق کو الگ کر دیا جائے اور صرف ہیرے ... کو گٹھری میں باندھ کر لے جایا جائے تو آدھا من ... جائے گا۔"

رسونتی نے اوپر سے پوچھا۔ "ہم اتنے ہیرے جواہرات ... لے جائیں گے اور کیوں لے جائیں گے؟ ہمیں تو ... کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔"

"تعجب ہے۔ عورت تو سونے کے زیورات کے لیے ... اور تم ہیرے جواہرات کو چھوڑ کر جانا چاہتی ہو؟"

"... سارے جواہرات چھوڑنا نہیں چاہتی۔ میرا دل ... مچل رہا ہے۔ کیوں نہ ایسا کریں کہ ہم دن کی روشنی ... اچھے اچھے ہیرے اور جواہرات چھانٹ کر ان کی ایک گٹھری ہی بنا لیں۔ باقی کو یہیں چھوڑ دیں۔"

"ٹھیک ہے، تم جتنا چاہو نکال لو۔ جو باقی رہ جائے گا اسے ہم گڑھا کھود کر یہیں دفن کر دیں گے۔ پھر جھونپڑی کو آگ لگا دی جائے گی۔ کبھی ادھر سے گزرنا ہوا تو یہ مال بھی شاید ہمیں مل جائے۔"

"فرہاد! پہلے تو تم مال و دولت کے متعلق اتنا نہیں سوچتے تھے۔ اب کیوں سوچ رہے ہو؟"

"تمہارے لیے۔ جب میں نے تمہیں اپنا لیا ہے تو ایک گھر بھی ہونا چاہیے۔ اور وہ گھر ہمارے تمہارے شایانِ شان ہوگا۔ اس کے لیے ہمیں دولت کی ضرورت ہوگی۔ دراصل میں اسی لیے گھر بسانے سے کتراتا رہا۔ شادی کرو تو گھر بنانا پڑتا ہے۔ گھر بناؤ تو اسے اچھی طرح آباد رکھنے کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اولاد ہوتی ہے تو ضروریات بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ دولت کا لالچ بھی ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے اور پھر دولت کمانے کا لالچ انسان کو پتہ نہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔"

رسونتی نے اوپر مچان سے جھانکتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "یہ بات مجھے بڑی اچھی لگی کہ تم میرے لیے مال و دولت سمیٹنے کی فکر کرنے لگے ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ انسان دولت کے لالچ میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے لیکن میرے لیے یہ فخر کی بات ہوگی کہ تم میری خاطر دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جنت سے جہنم تک اور جہنم سے پھر جنت تک پہنچتے رہو گے۔ عورت اپنے شوہر سے یہی چاہتی ہے۔"

میں نے مسکرا کر دیکھا پھر صندوق پر چڑھ گیا۔ وہاں سے میں نے اچھل کر اپنے آپ کو مچان کی جنت میں پہنچا دیا۔ ایک تو میرا وزن تھا، دوسرے اچھلنے کے باعث مچان پر ذرا بوجھ پڑا تھا۔ جھونپڑی کی چھت ذرا لرز گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوپر بیٹھے ہوئے گدھ اپنے پر پھڑپھڑانے لگے۔ ایک آدھ نے اپنی بے سری آواز میں ہمیں وارننگ بھی دی اور رسونتی خوفزدہ ہو کر میرے بازوؤں میں چھپ گئی تھی۔

وہ میری دلہن تھی۔ میں نے کہا۔ "آج کی رات دولہا اپنی دلہن کو کوئی اچھا سا تحفہ دیتا ہے۔ میں تمہیں کیا دوں؟"

وہ شرمانے لگی۔ میرے سینے میں اپنا منہ چھپانے لگی۔ میں نے کہا۔ "یہ ہیرے جواہرات ہیں جن سے صندوق بھرا ہوا ہے کیا یہ تحفہ تمہیں قبول ہے؟"

وہ ہولے سے بولی۔ "اونہہ، یہ تو مفت کا مال ہے۔ اپنی کوئی چیز تحفے میں دو۔"

"میں سر سے پاؤں تک تمہارا ہوں میرے پاس اپنی کوئی چیز نہیں ہے۔ ہاں گر قبول افتد زہے عزّ و شرف یعنی تم قبول کرنا چاہو تو میں گدھوں کا ایک جوڑا تحفے میں دے سکتا ہوں۔"

اس نے پھر منہ پھیر لیا۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بولنا چاہتی تھی۔ میں اس کے دماغ میں جھانک کر اس کی سوچ پڑھنے لگا۔ جلد ہی مجھے تھکن کا احساس ہونے لگا اور میں نے اپنے آپ سے کہا "بس اب سو جانا چاہیے۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے ٹیلی پیتھی کی لوری کے ذریعے پہلے رسونتی کو سلایا۔ پھر خود حسب معمول اپنے دماغ کو ہدایت دے کر سو گیا۔ میں نے دماغ کو ہدایت دی تھی کہ جھونپڑی کے اندر کوئی داخل ہو تو میری آنکھ کھل جائے۔ جھونپڑی کے اندر کسی کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں صبح جب میری آنکھ کھلی تو رسونتی حرکت کر رہی تھی۔ وہ مچان سے اتر کر صندوق تک پہنچ گئی تھی اور اب اس جھونپڑی کے اس حصے میں جا رہی تھی جدھر ایک چھوٹا سا ٹوائلٹ بنا ہوا تھا۔ میں نے اپنے دماغ کو پھر ہدایت کی کہ تقریباً پون گھنٹے تک سوتا رہوں۔ پھر میری آنکھ کھل جائے یا رسونتی کے اٹھانے سے جاگ جاؤں۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے کروٹ لے کر مچان کے نیچے جھانک کر دیکھا۔ رسونتی نے ایڈونا کا اسکرٹ اور بلاؤز نکال کر پہن لیا تھا۔ اس کے اوپر ایک چھوٹی سی کوٹی تھی۔ لباس کا رنگ اتنا خوبصورت تھا اور لباس اس کے جسم پر ایسا دیدہ زیب لگ رہا تھا کہ نگاہ وہیں جم کر رہ گئی تھی۔

میں چپ چاپ اسے جی بھر کر دیکھتا رہا۔ اسے مخاطب کرنے سے وہ شرما لجا کر سمٹ جاتی۔ اس نے اپنے بدن کی رنگت کے مطابق ایسے موزے پہن لیے تھے جو گھٹنوں کے اوپر تک پاؤں کی عریانی کو چھپا لیتے تھے۔ پاؤں میں کینوس کے جوتے پہن کر وہ بڑی ہی خوبصورت اور اسمارٹ لگ رہی تھی۔ میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ ایک دم سے شرما گئی۔ دوڑتی ہوئی آ کر صندوق پر بیٹھ گئی۔ پھر اپنے دونوں پاؤں سکیڑ کے اور گھٹنوں میں منہ چھپا لیا۔

میں نے مچان سے اتر کر کہا "اگر تم دو چوٹیاں اور گوندھ لو تو بالکل اسکول کی طالبہ لگو گی۔ بہت ہی اچھی لگ رہی ہو۔ اب میں تمہیں ہمیشہ ایسے ہی کپڑے پہنایا کروں گا۔"

"واہ، یہ تو میں نے مجبور ہو کر پہنے ہیں۔ میرے پاس کوئی اور لباس نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اس جنگل میں تم کیسے ساڑی سنبھالتی پھرو گی۔ یہ لباس مختصر بھی ہے اور مکمل بھی ہے۔ اس کے عریانیت بھی محسوس نہیں ہو گی۔ یہ چلنے پھرنے اور دوڑنے کے سلسلے میں نہایت ہی معقول لباس ہے۔"

پھر میں نے لباس تبدیل کیا۔ اس دوران تھوڑی خیال خوانی کی پھر کھڑکی کو کھول کر دیکھا۔ باہر دن کا اجالا چاندنی کی طرح چمک رہا تھا۔ میرے پیچھے رسونتی بھی آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے چٹانوں پر تین انسانی ڈھانچوں کو دیکھتے ہی چیخ ماری اور مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے فوراً ہی کھڑکی کو بند کرتے ہوئے پوچھا "کیا گدھوں کو بلانا چاہتی ہو؟"

وہ کھڑکی کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولی "وہ تینوں ہڈیوں کے ڈھانچے۔۔۔"

میں نے کہا "ہاں ان میں سے ایک والٹر ہے، دوسرا واسیتو اور تیسرا بے چارہ ڈکی ہے۔ انسان بھی کیا چیز ہے ساری زندگی دولت حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بولتا ہے۔ ایک دوسرے کو فریب دیتا ہے۔ آج ان ہڈیوں کے ڈھانچوں کے قریب ہی صندوق بھرا خزانہ پڑا ہوا ہے لیکن یہ اسے حاصل نہیں کر سکتے۔"

وہ بیزاری سے بولی "میں یہ خزانہ اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گی۔ یہ موت کا خزانہ ہے۔"

"پاگل نہ بنو۔ ہم نے خزانے کا لالچ نہیں کیا ہے۔ ہم کسی لالچ سے نہیں لے جا رہے ہیں۔ چونکہ یہ ہمیں مل رہا ہے اس لیے چھوڑنا نہیں چاہتے۔"

وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ رک گئی۔ پھر ایک آواز سننے لگی۔ میرے بھی کان ادھر لگ گئے۔ ہیلی کاپٹر کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ میں نے بند کھڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا "اس کھڑکی کو اب نہ کھولنا۔ جب ہیلی کاپٹر چلا جائے گا تب دیکھا جائے گا۔"

"کیا یہ کل رات والا ہیلی کاپٹر ہو سکتا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ دشمن ہمیں یہاں ڈھونڈ نکالنے کے لیے پہنچ گئے ہیں۔ دیکھتے ہیں یہ کیا کریں گے۔ ہمیں کچھ کھا پی لینا چاہیے۔ پچھلی رات سے ہم نے کچھ نہیں کھایا ہے۔"

رسونتی میرے پاس سے ہٹ کر ہمارے سامان سے کھانے کی کچھ چیزیں نکال کر لے آئی۔ ہم صندوق پر بیٹھ کر کھانے لگے۔ ہیلی کاپٹر اب بالکل قریب آ گیا تھا اور جھونپڑی کے

اوپر بہت بلندی پر پرواز کر رہا تھا جس کے باعث گدھ مشتعل ہو گئے تھے۔ وہ ادھر ادھر پرواز کرنے لگے تھے۔ چاروں طرف بڑا ہی کریہہ اور دہشت ناک قسم کا شور بلند ہو رہا تھا۔ رسونتی کو اگرچہ بھوک لگی تھی مگر ان حالات میں کچھ کھایا نہیں جا رہا تھا۔ میں اسے سمجھا بجھا کر زبردستی کھلا رہا تھا۔

اسی وقت کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ بہت دور کوئی بول رہا تھا۔ ہم نے اپنے کان کھڑے کیے۔ آواز پر دھیان دینے لگے۔ ہیلی کاپٹر سے اسپیکر کے ذریعے ہم سے کچھ کہا جا رہا تھا لیکن شور کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ شاید ہماری موجودگی کا یقین کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے ہمیں دروازے سے باہر جانا چاہیے تھا یا کھڑکی کے راستے جھنڈی کو لہرانا تھا، اور ہم ایسی حماقت نہیں کر سکتے تھے۔ شاید وہ ہمیں دھمکیاں دے رہے ہوں گے۔ ایک تو ہیلی کاپٹر کے پنکھے کا شور تھا۔ دوسرے بے شمار گدھ ادھر سے ادھر چیختے ہوئے اور پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے یوں اڑ رہے تھے کہ وہ آواز ہمارے کانوں تک واضح طور پر نہیں پہنچ رہی تھی۔ پھر بھی میں توجہ دیتا رہا۔ بار بار آواز کو سنتا رہا۔ ہیلی کاپٹر جھونپڑی کے چاروں طرف شاید سیکڑوں فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ نیچے اترنے پر اس بات کا خطرہ تھا کہ کوئی گدھ پنکھے سے ٹکرائے گا تو ہیلی کاپٹر وہیں زمیں بوس ہو جائے گا۔

بڑی توجہ دینے اور کوششیں کرتے رہنے کے باوجود بولنے والے کا لب و لہجہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ بہرحال کافی دیر پرواز کرنے کے بعد ہیلی کاپٹر وہاں سے چلا گیا۔ رسونتی نے اطمینان کی سانس لی۔ تھوڑی دیر بعد وہ تمام گدھ بھی پُرسکون ہونے لگے۔ وہ اپنی اپنی جگہ جا کر خاموشی سے بیٹھ گئے تھے۔ ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی تھی۔

رسونتی نے کہا "اگر ہم کل رات یہاں سے نکل جاتے تو بہتر ہوتا۔"

"ہم کیسے نکل جاتے؟ ہم نے اپنے آس پاس کے ماحول کو دیکھا نہیں تھا۔ اب دن کے اجالے میں بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ کھڑکی کے پیچھے والی چٹان کو ہم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ رسّے کو بھی دیکھا ہے کہ وہ اس ستون سے بندھا ہوا اور چٹان کے نیچے نہیں گرا ہوا ہے۔ ہم کسی وقت بھی موقع پا کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ اس سے پہلے تم صندوق کھول کر اپنے لیے ہیرے جواہرات کی گٹھری باندھ لو۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان حالات میں لوگ دولت کو کیسے نہیں چھوڑتے۔ میری تو عجیب حالت ہے میں صرف اپنی جان بچا کر یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں۔ سلامتی سے کہیں جا کر اچھی ازدواجی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ یہ دولت کیا چیز ہے؟ اس صندوق کے اندر جتنے قیمتی پتھر ہیرے اور موتی رکھے ہوتے ہیں۔ یہ سب مجھے سانپ اور بچھو نظر آ رہے ہیں میں انہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔ ہم یہاں سے نکلنے کے لیے کسی مناسب موقع کا انتظار کریں گے۔"

"ہو سکتا ہے وہ مناسب موقع آنے تک ہیلی کاپٹر والے دشمن ہم تک پہنچ جائیں۔"

"وہ یہاں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ تم نے وہ ڈائری پڑھی ہے، یہاں کے حالات دیکھ رہی ہو۔ کوئی سپرمین بھی ان گدھوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے یہاں نہیں پہنچ سکتا۔ تم اطمینان رکھو۔"

اطمینان نہیں تھا پھر بھی ہم صندوق پر بیٹھے رہے۔ وہ کبھی کبھی اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیتی تھی۔ اس وقت نہ محبت کے جذبات تھے نہ خوشی کے۔ وہ اندر ہی اندر سے بے چین سی تھی۔ اس چار دیواری سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ یہ سچ ہے محبت کے لیے اور خوشی کے لیے ایک اچھا ماحول ہوتا ہے۔ آس پاس پھول نہ کھلتے ہوں، خوشبو نہ ہو، خوشی نہ ہو تو من کے آنگن میں بھی پھول نہیں کھلتے۔ یہی حال ہمارا تھا۔

میں نے اس سے کہا "اب تم مجھے مخاطب نہ کرنا۔ میں سونیا، مرجانہ اور سائرہ بانو کی خبر لینے جا رہا ہوں۔"

اس نے کہا "بے شک تمہیں ان کی خبر لینی چاہیے لیکن تم بہت ہی بے مروّت ہو۔ جب تمہیں بہت زیادہ خوشیاں ملتی ہیں، کوئی نئی لڑکی ملتی ہے اور اس کے ساتھ جب تم وقت گزارتے ہو تو دوسروں کو بھول جاتے ہو۔ تمہاری زندگی میں کتنے ہی ایسے موقعے آتے۔ جب کسی نئی لڑکی سے دوستی ہوئی تو تم نے مجھے صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کے لیے بھلا دیا۔ پھر مجھ سے رابطہ قائم کیا تو اپنی مصروفیات کا بہانہ کرتے رہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا "تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔"

"میں اور سونیا تمہیں غلط سمجھ ہی نہیں سکتیں۔ ہم نے تمہارا ہر رنگ ہر روپ دیکھا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ تم میرے بنے ہو اور مجھ سے تمہیں نئی خوشیاں مل رہی ہیں تو کل رات سے لے کر اب تک تم نے سونیا، مرجانہ اور اس کی امی کا خیال تک نہیں کیا اور نہ ہی ان کی خیریت معلوم کی۔"

"تم کیا جانو کہ میں نے ان کی خیریت معلوم کی تھی یا نہیں؟ وہ تینوں بخیریت تھیں اور ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ ان کے لیے مجھے پریشان ہونا پڑتا۔"

یہ کہہ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سمجھ گئی کہ خیال خوانی شروع کر رہا ہوں۔ میں اس کے پاس بیٹھے بیٹھے سب سے پہلے سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا اور ان کے متعلق معلومات حاصل کرنے لگا۔ میری داستان میں سائرہ بانو کا کردار ایسا ہی تھا، جیسا کہ ممی کا کردار رہا تھا۔ دراصل بوڑھی یا بزرگ خواتین کا کردار صرف ممتا بھرا ہوتا ہے۔ وہ صرف ماں کا رول ادا کرتی ہیں اس سے زیادہ کوئی دلچسپی پیدا نہیں کرتیں لیکن سائرہ بانو کے کردار میں اچانک ہی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔

ہوا یوں کہ انہیں پیرس سے پاکستان جانے کے لیے اپنا روپ بدلنا پڑا تھا اور چہرہ بھی ایک جوان لڑکی کا تھا جو پریس رپورٹر اور فوٹو گرافر تھی۔ اس کا نام یوں تو افروزہ تھا لیکن وہ مس ڈارلنگ کے نام سے مشہور تھی۔ یہ تفصیل میں پہلے بتا چکا ہوں۔ مختصر یہ کہ سائرہ بانو کو مس ڈارلنگ بننا پڑ گیا تھا جب وہ پیرس کے ایئر پورٹ سے طیارے میں سوار ہوئیں تو انہیں دیکھ کر مرجانہ بھی نہیں پہچان سکتی تھی۔ وہ بلاؤز اور اسکرٹ پہنے ہوئے تھیں۔ گلے میں اسکارف تھا۔ پاؤں میں گھٹنوں سے اوپر تک جلد کی رنگت کے مطابق موزے چڑھے ہوئے تھے۔ اونچی ایڑی کے سینڈل تھے۔ ایک شانے سے کیمرہ لٹک رہا تھا۔ دوسرے شانے پر سفری بیگ تھا۔ میں اُن کے آس پاس کے لوگوں کے تاثرات سے معلوم کر سکتا تھا کہ وہ کیسی حسین اور اسمارٹ لگ رہی ہیں۔

دراصل ہمارے مشرقی ممالک میں عورت ایک یا دو بچے کی ماں بن جاتی ہے تو اسے بوڑھی یا بزرگ کہا جانے لگتا ہے اس کی عمر کے مطابق یہ نہیں سوچا جاتا کہ اس کے اپنے جذبے اور اپنی خواہشیں ہوتی ہیں جو مردوں کی طرح ایک بڑی عمر تک قائم رہتی ہیں۔ سائرہ بانو نے سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر میں مرجانہ کو جنم دیا تھا۔ مرجانہ ان دنوں بیس برس کی تھی۔ اس حساب سے سائرہ بانو سینتیس یا اڑتیس برس کی تھیں اور یہ عمر اتنی زیادہ نہیں ہوتی کہ عورت بوڑھی ہو جائے۔ وہ مرجانہ کے رشتے سے یقیناً بزرگ تھیں لیکن دنیا والوں کی نظروں سے دیکھا جاتا تو وہ ایک بھرپور جوان عورت تھیں اور مس ڈارلنگ کے روپ میں تو حسین دوشیزہ بن گئی تھیں وہ پچیس برس کی ایسی حسینہ نظر آتی تھیں جس نے ابھی شادی نہیں کی تھی۔

وہ ہنستے اور مسکراتے رہنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مس ڈارلنگ کے مطابق انہیں ہر ایک سے فری ہو کر باتیں کرنا تھا۔ موجودہ میک اپ میں مشرقی شرم و حیا کا گزر نہیں ہو سکتا تھا۔ جب وہ طیارے میں آ کر بیٹھیں تو ان کے پاس ایک دوسرا مسافر آیا جس کی سیٹ ان کے بازو میں تھی۔ اس نے سائرہ بانو کو دیکھتے ہی حیرانی سے کہا "ہیلو مس ڈارلنگ! آپ نے مجھے پہچانا؟"

سائرہ بانو نے پہلے تو پریشان ہو کر اس اجنبی کو دیکھا پھر اچانک خیال آیا کہ وہ ایک زندہ دل دوشیزہ کے روپ میں ہیں۔ انہوں نے فوراً ہی مسکرا کر کہا "سوری، مجھے یاد نہیں آ رہا ہے۔ آپ مجھے بتائیں کہ آپ کون ہیں؟"

وہ ان کے پاس والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا "کمال ہے۔ ہمارا تمہارا نام تو بالکل ملتا جلتا ہے۔ یعنی تم ڈارلنگ ہو میں ڈیئر ہوں۔ میرا نام ڈیئر جمال ہے۔ ہم پچھلے سال روم کے کھنڈرات میں ملے تھے۔ تم وہاں تصویریں اتار رہی تھیں۔ میری بھی ایک تصویر تمہارے ذخیرے میں ہوگی۔ اب ذخیرہ تو تم ساتھ لے کر گھومتی نہیں ہو۔ اپنی یادوں کے ذخیرے میں ٹٹول کر ڈھونڈ کر دیکھو، شاید میری یاد تمہارے دماغ میں تازہ ہو جائے۔"

سائرہ بانو نے کچھ یوں ظاہر کیا جیسے وہ دماغ پر زور دے کر سوچ رہی ہوں۔ پھر انہوں نے کہا "سوری مسٹر! مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا ہے۔"

"مجھے مسٹر نہ کہو۔ یاد نہیں آتا تو کوئی بات نہیں مگر ڈیئر کے ساتھ مسٹر اچھا نہیں لگتا۔ مجھے ڈیئر کہہ سکتی ہو اور پہلے بھی تم نے ڈیئر ہی کہا ہے۔"

سائرہ بانو الجھن میں پڑ گئیں۔ ان دونوں کا نام ہی ایسا تھا۔ سائرہ بانو مس ڈارلنگ یعنی پیاری تھی اور اس کے ہمسفر کا نام ڈیئر تھا یعنی پیارا۔ اور وہ ایک اجنبی کو پیارا نہیں کہہ سکتی تھیں۔ انہوں نے کہا "میں ڈیئر کیوں کہوں؟ میں تمہارا وہ نام لے سکتی ہوں جو تم نے ابھی بتایا تھا۔ بھلا کیا نام بتایا تھا؟"

ڈیئر جمال نے شرارت سے کہا "مجھے تو یاد نہیں رہا۔ بھلا سا نام تھا۔ اب اتنا ہی یاد ہے کہ دنیا مجھے ڈیئر کہتی ہے اور تم بھی مجھے یہی کہہ چکی ہو۔"

"دیکھو مسٹر! میں دوسروں سے یقیناً بے تکلف ہو جایا کرتی ہوں۔ میرا کام فوٹو گرافی ہے۔ لوگوں کے طرح طرح کے فوٹو تیار کر کے انہیں خوش رکھنا پڑتا ہے لیکن خوش رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بالکل ہی بے شرم بن جاؤں۔ میں

نہیں کسی رشتے سے ڈیئر نہیں کہہ سکتی۔ اپنا نام بتاؤ ورنہ خاموش رہو۔"

وہ مسکرا کر بولا "تمہاری یہی ادائیں مجھے پچھلے سال سے مارتی آ رہی ہیں۔ تم ساری دنیا سے بے تکلف ہوتی ہو۔ جب میری باری آتی ہے تو اپنے آپ کو ریزرو کر لیتی ہو۔"

"مجھے تو یاد بھی نہیں ہے کہ میں کبھی تم سے ملی تھی۔"

"واہ خوب تجاہل عارفانہ ہے۔ خواب میں آنے والیاں تو بالکل ہی یہ کہہ کر مکر جاتی ہیں کہ وہ کبھی نہیں آئی تھیں لیکن تم تو حقیقتاً مل چکی ہو اور میرے منہ پر ہی انکار کر رہی ہو۔"

وہ نظریں پھیر کر خاموش ہو گئیں۔ اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ گہری سنجیدگی سے بولا "دیکھو ڈارلنگ! میں اپنے دل کا حال شاید اچھی طرح بیان نہ کر سکوں۔ اپنا دل چیر کر نہ دکھا سکوں لیکن خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ پچھلے ایک برس سے میں تمہارے لیے بہت بے قرار رہا۔ کوئی دن، کوئی رات، کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا جب میں تنہا رہا ہوں اور تمہاری یاد نہ آئی ہو۔ میں چاہتا تھا کہ کسی طرح پیرس پہنچ کر تمہیں تلاش کروں لیکن میرے حالات نے مجھے اجازت نہیں دی۔"

یہ کہہ کر وہ سائرہ بانو کو جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ پھر بھی کچھ نہ بولیں تو اس نے پوچھا "کیا تم ازراہِ انسانیت یا مروت اتنا بھی نہیں پوچھو گی کہ میرے حالات کیا تھے؟"

سائرہ بانو نے دل میں سوچا کہ وہ تلخ مزاجی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ اگر زندہ دلی یا کسی قدر بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کریں گی تو ان کے روپ بدلنے کا بھید کھل سکتا ہے۔ کسی کو شبہ ہو سکتا ہے لہٰذا وہ کچھ سوچ کر بولیں "اچھا بتاؤ، کیا حالات تھے؟"

وہ خوش ہو کر بولا "شکریہ! میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں امریکہ میں تھا۔ وہاں سے میں روم آیا تھا جب تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ جب میں واپس گیا تو وہاں جبری بھرتی ہو رہی تھی۔ ہم لوگوں کو ویت نام بھیجا جا رہا تھا۔ میں فوج میں بھرتی نہیں ہونا چاہتا تھا لہٰذا مجھے وہاں سے فرار ہونا پڑا۔ میں غیر قانونی طور پر امریکہ سے نکل کر انگلینڈ گیا۔ وہاں بہت عرصے تک چھپا رہا۔ اس دوران میں نے انگلینڈ کی شہریت اختیار کر لی۔ اب میں پچھلے دو ہفتے سے تمہیں پیرس میں تلاش کر رہا تھا۔ تلاش کے دوران مجھے مایوس بھی ہونا پڑا۔ آخر میں نے سوچا کہ یہاں سے سنگاپور اور بنکاک چلا جاؤں اور کچھ دولت کما کر پھر واپس آؤں تاکہ تمہیں دوبارہ تلاش کر سکوں۔ لیکن جذبۂ عشق سلامت ہو اور سچائی ہو تو تلاش کرنے سے محبوب ضرور ملتا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم مجھے مل رہی ہو۔"

"تم تو زبردستی گلے پڑ رہے ہو۔"

"دیکھو، تم اس قدر حسین اور پرکشش ہو کہ کوئی نہ کوئی کبھی نہ کبھی ضرور گلے پڑے گا۔ اب میں پڑ رہا ہوں تو تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے بلکہ سنجیدگی سے میرے متعلق کچھ فیصلہ کرو۔ میں بدصورت نہیں ہوں۔ خوبرو ہوں۔ اسمارٹ ہوں، اچھا صحت مند ہوں۔ لڑنے مرنے کا وقت آئے تو دو چار دشمنوں پر اکیلا بھاری پڑ سکتا ہوں۔ کبھی آزما لینا۔"

سائرہ بانو نے کہا "اگر تم بیر ونڈ گارڈ ہو اور اچھے فائٹر بھی ہو تو میں باڈی گارڈ کی حیثیت سے تمہیں ملازم رکھ سکتی ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولا "چلو ملازم ہی سہی۔ میرے ایک دوست نے کہا تھا کسی عورت کے ملازم بن جاؤ مگر شوہر نہ بنو۔ آدمی شوہر بن کر کسی کام کا نہیں رہتا۔ مجھے تمہاری پیشکش منظور ہے۔"

سائرہ بانو نے اسے گھور کر کہا "تم عجیب آدمی ہو۔ تمہیں ایک عورت کی ملازمت قبول کرتے شرم نہیں آتی؟"

"شرم کیسی؟ ملازمت واقعی عورتوں کی نہیں کرنا چاہیے لیکن ملازمت کا حسن بھی تو دیکھا جاتا ہے۔"

سائرہ بانو نے حیرانی سے پوچھا "یہ ملازمت کا حسن کیا ہوتا ہے؟"

"یہی جیسی کہ تم نے ملازمت دی ہے یعنی میں تمہارا باڈی گارڈ ہوں۔"

وہ ایک دم سے جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگیں۔ باڈی گارڈ کی تشریح پر انہیں اچانک ہی نواب سلامت علی مرحوم یاد آ گئے تھے اور وہ تصور میں انہیں دیکھ رہی تھیں۔ لمبا قد، بھاری بھرکم جسم اور خوبرو چہرہ۔ مسکراہٹ ایسی کہ سیدھی دل میں اترتی تھی۔ وہ اجنبی بھی ویسے ہی مسکراتے ہوئے کچھ ایسی باتیں کرتا تھا اس کی باتیں بھی سیدھی دل میں اترتی تھیں۔ سائرہ بانو کو اس کی باتوں کا برا ماننا چاہیے تھا لیکن پتہ نہیں کیوں انہیں بہت زیادہ برا نہیں لگا۔ ہاں وہ یہ چاہتی تھیں کہ وہ ایسی باتیں نہ کرے۔

رات زیادہ ہو گئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر بعد ایک شال میں منہ چھپا کر سو گئیں۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو دن نکل چکا تھا۔ ان کا ہمسفر ڈیئر جمال ان کے بازو کو تھام کر ہولے سے جھنجھوڑتے ہوئے انہیں بیدار کر رہا تھا۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا "ہمارے سفر کی نئی صبح مبارک ہو۔"

وہ ناگواری سے بولیں "یہ کیا حرکت ہے۔ مجھے کیوں اٹھا رہے ہو؟"

"اس لیے کہ اب یہ جہاز قاہرہ کے ہوائی اڈے پر اترنے والا ہے۔ کیوں نہ ہم سیفٹی بیلٹ باندھ لیں۔ ابھی ابھی یہی اناؤنسمنٹ ہوا ہے۔ جہاز اترنے ہی والا ہے۔"

اس کی باتیں سن کر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ اور پھر سیفٹی بیلٹ باندھنے لگیں۔ جہاز کی پرواز نیچی ہوتی جا رہی تھی۔ دن کے اجالے میں قاہرہ کا شہر دور تک پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جہاز ایئرپورٹ کے رن وے پر آہستگی سے اتر گیا۔ پھر دور تک دوڑتا ہوا ایک جگہ رک گیا۔

جہاز کے اسپیکر سے آوازیں آنے لگیں "معزز مسافرو! سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنا مختصر سا سفری سامان لے کر جہاز سے اتر جائیں اور ایئرپورٹ کے ٹرانزٹ لاؤنج میں کچھ وقت گزاریں۔ ہم نے آپ کو پہلے اطلاع نہیں دی تھی۔ جہاز میں کچھ تکنیکی خرابی پیدا ہو گئی ہے اسے درست کیے بغیر سفر جاری نہیں رکھا جا سکے گا۔ اگر زیادہ دیر ہوئی تو آپ کے لیے دوسرے طیارے کا انتظام کیا جائے گا۔ فی الحال آپ لوگ ہماری درخواست کے مطابق جہاز سے اتر جائیں اور ایئرپورٹ کے ٹرانزٹ لاؤنج میں اگلی اناؤنسمنٹ کا انتظار کریں۔ ہم اس تکلیف دہی پر آپ سے معذرت خواہ ہیں۔"

ڈیئر جمال نے ایک گہری سانس لے کر کہا "چلو چھٹی ہوئی۔ ہمیں کچھ وقت قاہرہ میں گزارنا ہو گا۔ جب جہاز میں تکنیکی خرابی ہوئی ہے تو یہ دو چار گھنٹے سے پہلے تو درست ہونے سے رہا۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ لوگ دو گھنٹے کے اندر کسی دوسرے طیارے کا انتظام کر دیں۔ بہرحال کیا ارادہ ہے؟ کیوں نہ ہم قاہرہ کی سیر کر لیں؟"

اس وقت تک سائرہ بانو سیفٹی بیلٹ کھول چکی تھیں اور اپنے سامان کو سفری بیگ میں رکھتے ہوئے اٹھ رہی تھیں۔ ڈیئر جمال نے کہا "بہت بہت شکریہ، مجھے خوشی ہے کہ میرے کہتے ہی تم تیار ہو گئیں۔ چلو۔"

وہ چڑ کر بولیں "تمہیں خوش فہمی ہے۔ میں تو اناؤنسمنٹ کے مطابق یہاں سے نکل رہی ہوں۔"

وہ دونوں دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز سے اتر کر ٹرانزٹ لاؤنج میں پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد سائرہ بانو باتھ روم میں چلی گئیں، وہاں سے منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہو کر باہر آئیں تو ڈیئر جمال نے کہا "سبحان اللہ! کیسی صورت نکھر آئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ بس دیکھتے ہی رہو۔"

"کیا تم چھیڑ چھاڑ سے باز نہیں آؤ گے؟"

"اگر صرف چھیڑنا ہی ہوتا تو میں بہت پہلے ہی خاموش ہو جاتا۔ یہ چھیڑ نہیں ہے۔ دل کی آواز ہے۔ اب میں سنگاپور اور بنکاک نہیں جاؤں گا۔ ساری عمر باڈی گارڈ بن کر رہوں گا۔"

وہ ریستوران کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "وہ میں نے مذاق کیا تھا۔ میں اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہوں۔"

"میں تو سنجیدہ ہوں۔ میں باڈی گارڈ کے فرائض انجام دیتا رہوں گا۔ ایسے کام کے لیے تنخواہ ضروری نہیں ہے۔"

"میں تمہیں آخری بار سمجھائے دیتی ہوں کہ میرے پیچھے نہ آؤ۔ جب تک جہاز درست نہیں ہوتا اور ہمارا سفر شروع نہیں ہو جاتا اس وقت تک میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

ڈیئر جمال نے دونوں شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ جب میں تمہیں اتنا ہی برا لگتا ہوں تو تم سے دور رہوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ ایک طرف چلا گیا۔ سائرہ بانو ریستوران میں آ کر ایک میز کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں پھر اپنے لیے ناشتے کا آرڈر دیا۔ جب ناشتہ آیا تو نہ جانے کیسے ڈیئر جمال کا خیال آ گیا، "پتہ نہیں اس نے ناشتہ کیا ہے یا نہیں؟"

اپنی اس سوچ پر سائرہ بانو کو بڑی حیرانی ہوئی، "ہائے میں نے ڈیئر جمال کے متعلق کیوں سوچا؟ وہ ناشتہ کرے یا نہ کرے میری بلا سے۔"

وہ اپنا دھیان بٹانے کے لیے اپنی بیٹی مرجانہ کے متعلق سوچنے لگیں لیکن زیادہ دیر تک نہ سوچ سکیں۔ اچانک ہی دو اجنبی ان کے آس پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں مقامی تھے۔ ان میں سے ایک نے بتیسی نکال کر اپنے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا "سوری میڈم! ہمیں بیٹھنے سے پہلے آپ سے اجازت لینی چاہیے تھی۔ بہرحال ہم تو بیٹھ ہی گئے۔ آپ مہربانی کر کے ذرا جلد از جلد اپنے ناشتے کا بل ادا کر دیں، ہم آپ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔"

سائرہ بانو نے انہیں گھور کر دیکھا۔ دوسرے شخص نے کہا "ہمیں گھور کر نہ دیکھو، میز کے نیچے دیکھو۔"

سائرہ بانو نے میز کے نیچے دیکھا تو ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں چاقو۔ چاقو والے نے کہا "یہاں سے کتنے ہی مسافر کسٹم چیکنگ سے گزر کر باہر تفریح کے لیے جا رہے ہیں۔ اگر آپ پچاس ڈالر کسٹم آفیسر کو رشوت کے طور پر دیں گی تو آپ کو دو گھنٹے کا عارضی ویزا مل جائے گا۔ اس ویزے کے ذریعے آپ قاہرہ شہر کی سیر کر سکتی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ یہاں سے نکل کر ہمارے ساتھ اس شہر کی سیر کرنے کے لیے چلیں۔"

"یہ کیا زبردستی ہے۔ تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم ہمیں پسند آ گئی ہو۔ ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ انکار کرو گی یا اپنی طرف سے کوئی چالاکی دکھاؤ گی تو ہم بے دریغ فائر کر دیں گے۔"

سائرہ بانو نے ویٹر کو بلا کر بل ادا کیا۔ جب ویٹر چلا گیا تو ایک شخص نے کہا "دیکھو جب تم کسٹم کے وارڈ سے گزرو گی تو کسٹم آفیسر کے پیچھے ہی ذرا فاصلے پر ایک شخص پتلون اور سفید بنیان پہنے ہوتے ہو گا۔ دوسرا شخص دوسری طرف نیلی جرسی میں نظر آئے گا۔ ایک شخص گولف کیپ پہنے ہوئے ہو گا۔ اس کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ ہو گا۔ یہ تین آدمی تمہارے تین طرف ذرا فاصلے پر رہیں گے۔ ان تینوں کے پاس ریوالور ہیں۔ تم وہاں کسٹم آفیسر سے مدد مانگنا چاہو گی یا چیخنا چلانا چاہو گی تو تمہیں اسی وقت گولی مار دی جائے گی۔ لہٰذا یہ نہ سمجھنا کہ تم قانون کی پناہ میں پہنچ کر محفوظ رہو گی۔"

سائرہ بانو نے اپنے سفری بیگ میں سے پاسپورٹ اور ویزا کے کاغذات نکالے۔ اپنے پرس سے پچاس ڈالر کا ایک نوٹ نکال کر رکھا پھر پرس اور سفری بیگ اٹھا کر آگے جانے لگیں۔ ایک شخص ان کے آگے تھا دوسرا ان کے پیچھے۔ وہ دونوں کے درمیان چلتی ہوئی کسٹم کے وارڈ تک پہنچیں۔ ریوالور والے نے کہا "ہم تمہیں چھوڑ رہے ہیں آگے بڑھتی جاؤ۔ ہاں یہ یاد رکھنا کہ تم ہمارے نشانے پر ہو گی۔ جب تم کسٹم آفیسر کے پاس پہنچ جاؤ گی تو وہاں وہ تین آدمی تمہیں اپنے نشانے پر رکھیں گے۔ پھر ہم باہر تم سے ملاقات کریں گے۔ جاؤ اور اپنی زندگی کی سلامتی کے لیے ہمارے احکامات کی تعمیل کرتی رہو۔"

سائرہ بانو آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کسٹم آفیسر کی طرف جانے لگیں۔ جب وہاں پہنچیں تو پلٹ کر دیکھا۔ اب وہ لوگ نہیں تھے مگر وہ تین شخص نظر آ رہے تھے جن میں سے ایک گولف کیپ پہنے ہوئے تھا اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا۔ دوسرا شخص پتلون اور سفید بنیان میں تھا۔ تیسرے شخص کے جسم پر نیلی جرسی تھی۔ وہ تینوں ذرا دور فاصلے پر نظر آ رہے تھے۔ اور وہ تینوں ہی اسے دیکھ رہے تھے۔

وہاں سائرہ بانو کو دو گھنٹے کا عارضی ویزا حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ پچاس ڈالر کے ایک نوٹ نے بڑا کام دکھایا تھا۔ وہ وہاں سے نکل کر باہر پارکنگ ایریا کی طرف جانے لگیں۔ تب ہی وہ دونوں قریب آ کر ان کے دائیں بائیں چلنے لگے۔ اس دوران سائرہ بانو نے محسوس کیا کہ وہ بے اختیار ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے ڈیئر جمال کو تلاش کر رہی ہیں۔ وہی ایک ایسا شخص تھا جو انہیں اپنا مددگار نظر آ رہا تھا، لیکن وہ کہیں نظر نہ آ رہا تھا۔

وہ اپنے آپ کو کوسنے لگیں۔ کیوں خواہ مخواہ اس ہمسفر کو دھتکار دیا؟ اگر وہ ساتھ رہتا تو ان بدمعاشوں کی اتنی ہمت نہیں ہوتی۔ وہ ریوالور دکھا کر اور دھمکیاں دے کر یہاں تک نہ لے آتے۔ وہ ان کے درمیان چلتی ہوئی پارکنگ ایریا میں پہنچیں۔

اب وہ لوگ انہیں ایک ویگن کار میں بٹھانا چاہتے تھے تب ہی ایک طرف سے ڈیئر جمال کی آواز آئی "ہیلو مس ڈارلنگ! یہ تم کہاں جا رہی ہو؟"

سائرہ بانو کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ یوں لگا جیسے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ڈیئر جمال کو ان کی مدد کے لیے بھیجا ہو۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ چاقو والے نے ڈپٹ کر کہا۔ "خبردار کوئی آواز نہ نکالنا۔ یہ تمہارا کون ہے؟"

وہ کچھ کہتے ہوئے ہچکچائیں۔ آخر کیا رشتہ بتایا جا سکتا تھا۔ اتنے میں ڈیئر جمال خود ہی قریب پہنچ کر بولا "ڈارلنگ! تم ان لوگوں کے ساتھ کہاں جا رہی ہو۔ کیا میں اتنا برا ہوں کہ میرے ساتھ تفریح نہیں کر سکتیں۔ چلو آؤ میرے ساتھ۔"

یہ کہہ کر اس نے سائرہ بانو کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ایک ریوالور والے نے فوراً ہی اپنی جیب سے ریوالور نکال کر ڈیئر جمال کو دکھاتے ہوئے کہا "ادھر دیکھو ہمارے پاس کیا ہے۔ اگر تم نے کوئی حرکت کی تو تمہیں شوٹ کر دیا جائے گا۔ اب پتہ چلا کہ یہ محترمہ اکیلی نہیں ہیں۔ تم بھی اس کے ساتھی ہو۔ لہٰذا چپ چاپ اس ویگن کار میں بیٹھ جاؤ۔ اگر کوئی حرکت ہو گی یا ذرا سی بھی آواز نکالی جائے گی تو تم دونوں ہمیں ختم کر دیے جاؤ گے۔"

ڈیئر جمال نے بے بسی سے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا "عورتوں کی بے جا ضد کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ میں نے جب تفریح کا کہا تھا تو تم نے انکار کر دیا تھا۔ میرے ساتھ ریستوران میں بھی بیٹھنا گوارا نہ تھا۔ اب ان کے کہنے پر تمہیں جبراً آنا پڑا۔ اب یہ جبراً ہمیں بھی تفریح کرائیں گے۔"

ایک نے سخت لہجے میں کہا "یہاں باتیں نہ بناؤ، فوراً اندر بیٹھ جاؤ۔"

وہ دونوں اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ویگن میں ایک سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اس کی پچھلی سیٹ پر پہلے ہی دو بدمعاش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چاقو تھے۔ اگلی سیٹ پر ایک ڈرائیور بیٹھا ہوا تھا۔ پھر وہ دونوں بھی اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئے۔ جب وہ ویگن آگے چل پڑی تو سائرہ بانو نے اردو زبان میں کہا: "تم تو کہتے تھے کہ دو چار پر اکیلے بھاری پڑتے ہو۔ اب بھیگی بلی بنے ان کے حکم کی تعمیل کر رہے ہو؟"

"اس وقت مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ بدمعاش ایسے ہوتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے۔ میں نے ڈینگیں ماری تھیں۔ بہر حال میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

وہ چلا کر بولیں "تمہارے الفاظ واپس لینے سے کیا میں اس مصیبت سے نکل جاؤں گی؟"

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میری آزمائش کے لیے اس مصیبت میں پڑی ہو؟"

دشمنوں میں سے ایک نے پوچھا "اے، یہ تمہاری کون لگتی ہے؟"

اس سے پہلے کہ سائرہ بانو کچھ کہتیں، ڈیئر جمال نے کہا۔ "یہ میری بیوی ہے۔"

سائرہ بانو نے غصے سے گھور کر دیکھا۔

ایک شخص نے کہا "تم جھوٹ بولتے ہو۔ اس عورت کے رویے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تمہاری کوئی نہیں ہے۔"

ڈیئر جمال نے کہا "میں سچ کہتا ہوں۔ یہ میری بیوی ہے لیکن بدمزاج ہے مجھے بڑی مشکل سے منہ لگاتی ہے۔"

ڈیئر جمال نے سائرہ بانو کی طرف جھکتے ہوئے کہا "دیکھو مجبوری ہے اگر ہم نے میاں بیوی کا انداز اختیار نہیں کیا تو یہ ہمیں مار ڈالیں گے۔"

سائرہ بانو نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "خبردار میرے قریب نہ آنا۔"

یہ کہہ کر وہ ذرا پیچھے ہٹ گئیں لیکن ان کے آس پاس دو کھلے ہوئے چاقو آہستہ آہستہ لہرانے لگے۔ ایک طرف ایک ریوالور والے نے دھمکی دی "اگر یہ تمہارا شوہر نہیں ہوگا تو ہم ابھی اسے مار کر یہاں پھینک دیں گے۔"

وہ گھبرا کر پریشان ہو کر کبھی ڈیئر جمال کو اور کبھی دشمنوں کو دیکھنے لگیں۔ پھر کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو انہوں نے ڈیئر جمال کو التجا آمیز نظروں سے دیکھا۔ وہ آہستگی سے بولا۔ "دیکھو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ تمہاری عزت میری عزت ہے اور ہمیں جان بچانے کے لیے اگر ایک دوسرے کے قریب ہونا پڑتا ہے تو اس میں نقصان ہی کیا ہے؟"

یہ بات اس نے اردو زبان میں سمجھائی تھی، وہ لوگ بولنے لگے "اے تم لوگ اپنی زبان میں باتیں نہ کرو۔ ہم انگریزی بولتے ہیں۔ انگریزی سمجھتے ہیں یا پھر اپنی مقامی زبان میں باتیں کرتے ہیں۔"

ایک نے کہا "بھئی اس آدمی کو مار کر پھینکنے سے کیا فائدہ ہے۔ ان کے پاس جتنی دولت ہے اسے اپنے قبضے میں کرو اور اس عورت کو مار کر پھینک دو۔"

سب نے اس بات کی تائید کی۔ پھر ایک چاقو اس کے قریب آنے لگا۔ سائرہ بانو نے چیخ ماری۔ اسی وقت ڈیئر جمال سائرہ بانو پر چھا گیا۔ وہ لوگ آگے پیچھے چار تھے اور ڈیئر جمال کو اس کی جگہ سے ہٹا کر حملہ کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ وہاں سے نہیں ہٹ رہا تھا۔

سائرہ بانو کی عجیب حالت تھی۔ ایک تو خوف اور دہشت طاری تھی۔ دشمن خواہ مخواہ ان پر حملہ کر رہے تھے۔ دوسرے ڈیئر جمال ان کی حفاظت کے لیے چھایا ہوا تھا۔ صحیح معنوں میں باڈی گارڈ بنا ہوا تھا اور یہ باڈی گارڈ بننا بھی ان کے لیے مہنگا پڑ رہا تھا۔ آج تک بیس برس کے عرصے میں کوئی بھی مرد ان کے قریب تو کیا سائے کو بھی نہیں چھو سکا تھا۔

ایک دشمن نے کہا "ارے چھوڑو انہیں۔ ہم خواہ مخواہ جدوجہد کر رہے ہیں۔ دیکھتے نہیں، یہ تو میاں بیوی ہیں۔ الگ ہٹ جاؤ۔"

وہ سب الگ ہو کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ سائرہ بانو ابھی تک ڈیئر جمال کی پناہ میں تھیں۔ سردی میں بھیگی ہوئی چڑیا کی طرح ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔ بیس برس کے بعد حالات انہیں بھگو رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی محبت میں اپنے جذبوں کو یکسر بھلا دیا تھا۔ صرف اپنی ممتا کو زندہ رکھا تھا۔ اب اچانک ہی ممتا کے پیچھے سے وہ جذبے ابھر آتے تھے جو تنہائی میں نواب سلامت علی مرحوم کو پکارتے تھے۔ اس وقت وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھیں۔ اور انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نواب صاحب واپس آگئے ہوں اور اپنی پوری محبت اور توجہ اور ہمدردی اور حفاظتی جذبوں کے ساتھ ان پر چھا گئے ہوں۔

انہوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا اسے ایک خواب سے زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہتی تھیں

آنکھ کھولنے پر جو خواب تھا وہ حقیقت بن کر سامنے آجاتا۔ اسی لیے وہ حقیقت سے انکار کرتے ہوئے آنکھیں بند کیے ہوئے تھیں۔

ڈیئر جمال نے تھوڑی دیر بعد چونک کر پوچھا "یہ تم لوگ ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟"

ایک شخص نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "اب تمہیں ہوش آیا ہے۔ بس چپ چاپ بیٹھو۔ ہماری منزل قریب ہی ہے۔"

سائرہ بانو نے ان لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنیں پھر بھی آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ اب تک نواب صاحب کے تصور سے بہلتی جا رہی تھیں۔ ڈیئر جمال نے جب ان لوگوں کو مخاطب کیا تو اس تصور میں رخنے پڑ گئے۔ وہاں سے نواب صاحب کی تصویر مٹ گئی اور ڈیئر جمال کا چہرہ ابھر گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ جو محبت، توجہ، ہمدردی اور حفاظتی اعتماد حاصل ہو رہا ہے وہ ڈیئر جمال سے حاصل ہو رہا ہے۔

تصور کا رومانی مزاج بدلا تو انہوں نے مجبوراً آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ڈیئر جمال دشمنوں سے سخت لہجے میں باتیں کر رہا تھا اور اس کی آواز سائرہ بانو کی دھڑکنوں میں گڈمڈ ہوتی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ویگن ایک ویران سے علاقے میں رک گئی۔

جو شخص ہاتھ میں ریوالور لیے سامنے والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا وہ اگلا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ پھر ریوالور کی نال سے ڈیئر جمال اور سائرہ بانو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "تم دونوں اپنا سامان گاڑی میں چھوڑ کر باہر نکل آؤ۔ کوئی چالاکی نہ کرنا ورنہ میں گولی مار دوں گا۔ پھر تم لوگوں کی زندگی کا حساب کرنے والا یہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

ایک دوسرا چاقو والا بھی اس ریوالور والے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ یعنی اب صرف دو آدمی ویگن کی پچھلی سیٹ پر چاقو لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی تعداد ڈرائیور کو ملا کر پانچ تھی جن میں سے صرف ایک کے پاس ریوالور تھا باقی تین کے پاس چاقو تھے۔ ڈرائیور شاید نہتا تھا۔ ڈیئر جمال یہ حساب پہلے ہی کر چکا تھا۔ وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے بولا "ہم تمہارے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں لیکن اس میں ہمارے پاسپورٹ وغیرہ رکھے ہوئے ہیں اور یہ ہمارے لیے بے حد ضروری ہیں۔"

ریوالور والے نے کہا "فکر نہ کرو میرے دو ساتھی جو گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ تمہارے سامان کی تلاشی لیں گے۔ نقد رقم کے علاوہ کوئی اور کام کی چیز ملے گی تو وہ اپنے پاس رکھ لیں گے۔ باقی تمہارا سامان تمہیں لوٹا دیں گے، اور گاڑی لے کر چلے جائیں گے۔ تم دونوں اطمینان سے پیدل چلتے ہوئے مین روڈ پر پہنچ جاؤ گے۔ کوئی نہ کوئی گاڑی والا تم دونوں کو ایئر پورٹ تک لفٹ دے دیگا۔"

سائرہ بانو بھی باہر آگئیں۔ پیچھے بیٹھے ہوئے دو شخص سامنے آئے اور ان کے سامان کی تلاشی لینے لگے۔ ڈیئر جمال نے ایک گہری سانس لے کر کہا "مس ڈارلنگ! میں نے تمہارے ساتھ فراڈ کیا تھا اس کا نتیجہ مجھے مل رہا ہے۔"

سائرہ بانو نے چونک کر پوچھا "کیسا فراڈ؟"

"میں نے تمہیں تفریح کے لیے کہا تو تم نے انکار کر دیا تھا۔ میرے ساتھ ریستوران میں بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں تب میں نے سوچا کہ تمہیں جبراً ایئر پورٹ کی عمارت سے باہر نکال کر تفریح کرائی جائے۔ اس کے لیے میں نے ان دو آدمیوں کو کرائے پر حاصل کیا انہیں سمجھایا کہ یہ بدمعاش بن کر اغوا کرنے والا ڈرامہ پلے کریں۔ تمہیں جھوٹ موٹ دھمکیاں دے کر ایئر پورٹ کی عمارت سے باہر لے آئیں اور اس ویگن میں بٹھا دیں۔ اس موقع پر میں بھی پہنچ جاؤں گا اور پھر میں بھی تمہارے ساتھ اس گاڑی میں بیٹھ کر تفریح کے لیے نکل جاؤں گا۔ وہ کسی علاقے میں لے جا کر یہ لوگ ہمارا پیچھا چھوڑ دیں گے۔ میں انہیں ان کا معاوضہ پہلے ہی ادا کر چکا تھا۔"

سائرہ بانو نے غصے سے پوچھا "اگر یہ تمہارے کرائے کے آدمی تھے تو انہیں معاوضہ لے کر چلے جانا چاہیے تھا۔ یہ ہماری آخری پونجی تک کیوں لوٹ لینا چاہتے ہیں؟"

"یہی تو میں کہنے جا رہا ہوں۔ میں خود دھوکا کھا گیا میں سمجھا تھا کہ یہ بہروپیے ہیں۔ بدمعاش نہیں ہیں لیکن یہ تو زبردست قسم کے بدمعاش نکلے۔"

سائرہ بانو جھنجلا کر آگے بڑھیں اور اپنے نازک ہاتھوں سے ڈیئر جمال کو گھونسے مارنے شروع کر دیے۔ وہ اپنے بچاؤ کے لیے پیچھے ہٹتے ہوئے بولا "ارے ارے کیا کرتی ہو پہلے میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس میں میرا بالکل قصور نہیں ہے۔ میں نے تو انہیں شریف آدمی سمجھ کر یہ ناٹک کھیلنے کے لیے..."

اس نے اپنی بات پوری نہیں کی۔ اچانک ہی پلٹ کر ریوالور والے کے ہاتھ پر ایک زور کی لات ماری۔ وہ اس بات کے لیے تیار نہیں تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا

اس نے سائرہ بانو کے ساتھ اتنا اچھا ناٹک کھیلا تھا کہ وہ لوگ اس دلچسپ تماشے کو دیکھنے میں ذرا دیر کے لیے غافل ہو گئے تھے۔ یہی غفلت انہیں مہنگی پڑی تھی۔

بہرحال ریوالور دور جا کر زمین پر گرا تھا۔ وہ ریوالور والا ادھر دوڑا ہی تھا کہ ڈیئر جمال نے اسے راستے میں ہی آڑے ہاتھوں لے لیا۔ اسے پکڑ کر اس طرح دبوچا کہ وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ دوسری طرف چاقو والا تیزی سے بڑھتا ہوا سائرہ بانو کی طرف لپک رہا تھا تاکہ انہیں قبضہ میں رکھ کر ڈیئر جمال کو مجبور کر دے لیکن اس سے پہلے ہی ڈیئر جمال نے ریوالور والے کو ایک طرف زور سے دھکیل دیا۔ دوسرے ہی لمحہ اس کی دلدوز چیخ سنائی دی۔ وہ ریوالور والا لڑکھڑاتے ہوئے چاقو والے سے اس طرح ٹکرایا تھا کہ چاقو اس کے سینے میں پیوست ہو گیا تھا۔

گاڑی کا ڈرائیور اور تلاشی لینے والے دونوں آدمی اس وقت سامان سے نکلے ہوئے ڈالرز کو گننے میں مصروف تھے، اپنے ایک ساتھی کی چیخ سن کر ادھر دیکھنے لگے۔ پھر بڑی تیزی سے گاڑی سے نکلنا چاہتے تھے۔ اتنی دیر میں وہ ریوالور ڈیئر جمال کے ہاتھ میں آ گیا۔ ریوالور دیکھتے ہی وہ لوگ گاڑی کے اندر ہی رہ گئے البتہ ڈرائیور نے بڑی حاضر دماغی کا ثبوت دیا۔ گاڑی تو اسٹارٹ ہی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے گیئر بدلتے ہوئے گاڑی کو آگے بڑھایا۔ پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے دور ہوتا چلا گیا۔

ڈیئر جمال ریوالور سے ادھر فائر کرنا چاہتا تھا تاکہ ڈرائیور گھبرا کر گاڑی کو روک دے لیکن اسے اس کی مہلت نہ ملی کیونکہ ادھر چاقو والے نے اپنے ساتھی کے جسم سے چاقو نکال لیا تھا اور اب ڈیئر جمال کے ریوالور سے خود کو بچانے کے لیے سائرہ بانو کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی ڈیئر جمال نے سائرہ بانو کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ پھر اسے للکارتے ہوئے کہا۔ "اپنا چاقو زمین پر پھینک دو، نہیں تو گولی مار دوں گا۔"

ٹھیک اسی وقت میں خیال خوانی کے ذریعے ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ میں نے سائرہ بانو کے دماغ میں بیٹھ کر وہ تماشہ دیکھا تھا لیکن مداخلت نہیں کی کیونکہ ڈیئر جمال کا پلہ بھاری تھا اور مجھے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس چاقو والے نے اپنا چاقو دور زمین پر پھینک دیا تھا اور اب عاجزی سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے معاف کر دو۔ میں تم لوگوں کا دشمن نہیں ہوں۔"

"اچھا تو چاقو لے کر ہم سے دوستی کرنے آئے تھے؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ میں یقیناً اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر تمہیں لوٹنا چاہتا تھا لیکن یقین کرو تمہاری طرح میں بھی دھوکا کھا گیا ہوں۔ تم ان لوگوں کو کرائے کا آدمی سمجھ کر اس عورت کو پھانسنے کی خاطر یہاں تک لے آئے تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ سچ مچ پھانسنا چاہتے ہیں اور تم لوگوں کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح میں یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ ایسے موقع پر مجھے تمہارے رحم و کرم پر تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔"

"تمہارے ساتھی ہمارا جو کچھ بھی لے گئے ہیں میں اسے سود کے ساتھ وصول کرنا چاہتا ہوں اور تم مجھے ابھی اپنے آدمیوں تک پہنچاؤ گے۔"

"مجھے منظور ہے۔ انہوں نے مجھے دھوکا دیا ہے میں تمہیں وہاں تک ضرور پہنچاؤں گا بلکہ ان سے انتقام بھی لوں گا۔"

"دیکھو تم کہاں تک سچ بول رہے ہو اور اپنے ساتھیوں سے انتقام لینا چاہتے ہو یا نہیں، یہ میں نہیں جانتا۔ میں صرف اس حد تک تم پر بھروسہ کروں گا جس حد تک ریوالور کی دھونس تم پر رہے گی۔ جہاں تم نے کوئی مکاری کی وہیں تمہاری جان گئی۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھ لینا۔"

سائرہ بانو نے کہا۔ "یہ کیا کر رہے ہو۔ سیدھی سی بات ہے۔ میرے پاس کیمرہ ہے۔ اس کو کہو کہ یہ دوبارہ چاقو پکڑ کر کھڑا ہو جائے۔ میں لاش کے ساتھ اس کی تصویر اتار لیتی ہوں پھر ہم اسے قانون کے حوالے کر دیں گے اور قانون کے ذریعے ان بدمعاشوں تک پہنچ کر ان سے اپنی چیزیں واپس لے لیں گے۔"

"مس ڈارلنگ، ہمارے پاس دو گھنٹے کا ویزا ہے۔ ہم کچھ رشوت دے کر زیادہ سے زیادہ اور دو گھنٹے کا اجازت نامہ حاصل کر سکتے ہیں لیکن یہاں قتل کی واردات ہوئی ہے اور یہ کیس ایسا ہے کہ دو چار گھنٹے میں قانون کے محافظ ہمیں نہیں چھوڑیں گے لہٰذا ان الجھنوں میں گرفتار ہونے سے بہتر یہی ہے کہ میں اپنے زور بازو سے اپنی گئی ہوئی چیزیں واپس لوں اور ان سے کچھ اور بھی وصول کروں۔ یہ میرا طریقہ ہے کہ جو مجھ سے ایک لیتا ہے میں اس سے دس لیتا ہوں یوں بھی تمہارے سامنے یہ ثابت کرنا ہی ہے کہ میں دو چار پر تنہا بھاری رہتا ہوں۔"

چاقو والے نے کہا۔ "ہاں یہی بہتر ہے کہ ہم لوگ اپنے طور پر ان سے انتقام لیں۔ مسٹر فطری بات ہے کہ آپ مجھ سے ہوشیار رہیں گے لیکن میں بھی یقین دلاتا ہوں کہ کوئی دھوکا نہیں کروں گا۔ آپ کا ساتھ دوں گا اور میری کوشش ہو گی کہ ہم دو گھنٹے کے اندر ہی چھینا ہوا سامان بقول آپ کے سود کے ساتھ وصول کر لیں۔ اس کے بعد میں آپ لوگوں کو ائیرپورٹ پہنچا دوں گا۔"

میں اس کے دماغ میں جھانک کر اسے اچھی طرح ٹٹولنے لگا۔ پتہ چلا کہ اسے سچ مچ اپنے ساتھیوں پر غصہ آ رہا تھا اور وہ واقعی ڈیئر جمال اور سائرہ بانو کا ساتھ دینا چاہتا تھا۔ میں نے ڈیئر جمال اور سائرہ بانو کے دماغ میں باری باری پہنچ کر ان کی اپنی سوچ کے ذریعے انہیں سمجھایا کہ وہ اس پر بھروسہ کر کے آگے بڑھ جائیں اور وقت ضائع نہ کریں۔

وہ دونوں اس چاقو والے کے ساتھ جانے لگے۔ میں نے براہ راست سائرہ بانو کو مخاطب نہیں کیا کیونکہ اب ان کی زندگی میں ایک بہت اہم تبدیلی آ رہی تھی۔ تقریباً بیس برس کے بعد ان کی خزاں رسیدہ زندگی میں بہار کا جھونکا آیا تھا۔ دل میں میٹھی میٹھی سی کسک پیدا ہوئی تھی۔ ان کا مزاج اس حد تک بدل گیا تھا کہ وہ شعوری طور پر خود اپنی تبدیلی کو بھی نہیں سمجھ رہی تھیں لیکن میں ان کے دماغ کی گہرائیوں میں جھانک کر یہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ ڈیئر جمال سے غیر شعوری طور پر بہت زیادہ متاثر ہو گئی تھیں۔ ایسی حالت میں اگر میں انہیں مخاطب کرتا تو وہ ایک دم سے محتاط ہو جاتیں۔ ڈیئر جمال کے قریب رہنے کے بجائے کترانے لگتیں تاکہ میں سوچ کے ذریعے ان کے دل کا راز نہ پڑھ لوں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان لوہے سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ بیس برس کے عرصے میں لوہے پر زنگ لگ جاتا ہے لیکن انسان کے جذبوں پر کبھی زنگ نہیں لگتا۔ وہ جذبے اندر سے ہمیشہ تر و تازہ رہتے ہیں۔ شرم و حیا کے تحت انسان اپنے اوپر کوئی خول چڑھا لے یا خود کو کسی غلاف میں چھپا لے تو وقتی طور پر وہ چھپ جاتا ہے مگر اندر کے جذبے کبھی نہیں چھپتے۔ یہی حال سائرہ بانو کا تھا۔ انہوں نے بیس برس تک اپنے اوپر ممتا کا خول چڑھائے رکھا۔ ایک ماں بن کر انہوں نے اپنے جوان جذبوں کو تھپک تھپک کر سلا دیا تھا۔ اب ان کی عمر کیا تھی۔ زیادہ سے زیادہ اڑتیس برس کی ہو گی اور اڑتیس برس میں عورت بالکل بوڑھی نہیں ہو جاتی۔ بلکہ جو عورت بیوگی کی زندگی گزارتی ہے وہ نوجوان عورتوں کی طرح اس عمر میں بھی تر و تازہ رہتی ہے اور سائرہ بانو ایسی ہی تھیں۔ ان کے دل و دماغ میں کوئی غلاظت نہیں تھی۔ ان کے اندر کوئی چھچھورا پن نہیں تھا اور وہ سستے جذبات رکھنے والی خاتون نہیں تھیں۔ ہمارے لیے قابل احترام تھیں لیکن عورت جب زندگی کے ایسے مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے جہاں ممتا بھی ہو، بزرگی بھی ہو اور جوانوں جیسے جذبات بھی ہوں تو ایسی عورت کو یقیناً اس بات کی آزادی ملنی چاہیے کہ وہ اپنے جذبوں کے مطابق پھر کوئی نیا اور اہم فیصلہ کرے، اور میں اسی اہم فیصلے کی خاطر ان سے رابطہ نہیں قائم کر رہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد وہ مین روڈ پر پہنچ گئے۔ وہاں سے گاڑیاں گزر رہی تھیں اور وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر لفٹ مانگ رہے تھے۔ کئی گاڑیاں ان کے قریب سے گزر گئیں۔ گزرنے والوں نے انہیں نظر انداز کر دیا تھا۔ پھر ایک سیاہ رنگ اور نئے ماڈل کی ویگن ان کے سامنے آ کر رک گئی۔ اندر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک ڈرائیونگ سیٹ پر تھا اور دوسرا سب سے پچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے لباس اور انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی محکمے کا آفیسر ہے۔ اس نے اپنا سر کھڑکی سے باہر نکال کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

اس نے مقامی زبان میں سوال کیا تھا جو سائرہ بانو اور ڈیئر جمال کے پلے نہیں پڑی۔ جو چاقو والا تھا اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جناب یہ لوگ پیرس سے آئے ہیں اور یہاں کی بولی نہیں سمجھتے ہیں۔ انہیں ائیرپورٹ پہنچنا ہے۔ کیا ہمیں لفٹ مل سکتی ہے؟"

اس شخص نے سر ہلا کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اندر بیٹھ جاؤ۔"

وہ لوگ اندر بیٹھ گئے۔ میں اس چاقو والے کے دماغ میں بیٹھ کر سمجھ سکتا تھا کہ وہ مقامی زبان میں کیا گفتگو کر رہے ہیں۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد آفیسر نے فرانسیسی زبان میں پوچھا۔ "کیا تم لوگوں میں سے کوئی فرانسیسی زبان جانتا ہے؟"

سائرہ بانو نے اسی زبان میں جواب دیا۔ "ہاں، میں اٹھارہ برس سے پیرس میں رہتی ہوں۔ میں فرانسیسی زبان اچھی طرح لکھتی، پڑھتی اور بولتی ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ اس زبان میں آپ سے گفتگو کر رہی ہوں۔"

آفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی خوشی ہے کہ تم یہ زبان سمجھ رہی ہو۔ اب اپنے ساتھی کو بڑی آسانی سے انگریزی زبان میں سمجھا سکتی ہو کہ یہ اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہ کرے۔ اس کی گردن پر میرے ریوالور کی نال لگی ہوئی ہے۔"

ایسا کہتے ہی اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور ریوالور کی نال ڈیئر جمال کی گردن سے جا لگی

تھی۔ اسی وقت سائرہ بانو نے ڈیئر جمال کو سمجھایا کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ ایک دم سے سکتے میں آ گیا۔ اس کا دماغ تیزی سے سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اُدھر آفیسر فرانسیسی زبان میں سائرہ بانو سے کہہ رہا تھا "اپنے ساتھی سے کہو وہ ریوالور کو اگلی سیٹ کی طرف پھینک دے۔ میں زیادہ دیر انتظار نہیں کروں گا۔ اگر اس نے حکم کی تعمیل نہیں کی تو اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ جائیں گے۔"

سائرہ بانو نے ڈیئر جمال کو سمجھایا کہ اسے فوراً ہی ریوالور کو اگلی سیٹ پر پھینک دینا چاہیے ورنہ ان کے حق میں بہت بڑا ہوگا۔ اس وقت وہ مجبور تھا۔ اس نے فوراً ہی حکم کی تعمیل کی اور ریوالور کو اگلی سیٹ کی طرف اچھال دیا۔ اس کے بعد پچھلی سیٹ سے آفیسر نے مقامی زبان میں کچھ کہا تو ڈرائیور نے گاڑی کو ایک کچے راستے پر موڑ دیا۔ اب وہ گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی اس راستے پر سے گزرتی جا رہی تھی اسی وقت مجھے رسونتی کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہی تھی "بہت دیر ہو گئی۔ تم خیال خوانی کر رہے تھے یا سو رہے ہو؟"

میں نے آنکھیں کھول کر کہا "میں خیال خوانی میں مصروف ہوں۔"

"لیکن اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے۔ کیا ان کی خیریت جلد ہی معلوم کر کے واپس نہیں آ سکتے؟"

"ابھی تو میں سونیا اور مرجانہ کے پاس پہنچا بھی نہیں ہوں۔ صرف مرجانہ کی امی کے معاملات میں الجھا ہوا ہوں۔ وہ بے چاری اس وقت ایک مصیبت میں پھنسی ہوئی ہیں۔"

رسونتی نے اپنے سر پہ ہاتھ مار کر کہا "ہماری بھی کیا تقدیر ہے۔ ہمارے جن ساتھیوں کو دیکھو وہ کسی نہ کسی مصیبت میں پھنستے جا رہے ہیں۔ آخر ان مصیبتوں کا سلسلہ کہاں جا کر ختم ہوگا؟"

"جدوجہد کرتے رہنے کا نام زندگی ہے۔ جو لوگ دریا کی طرح لہر لہر لمحہ لمحہ آگے بڑھتے رہتے ہیں اور اپنی زندگی کے لیے تگ و دو میں مصروف رہتے ہیں، وہ ایک دن سمندر سے جا ملتے ہیں اور خود ایک وسیع و عریض اور نہایت عظیم سمندر بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی جدوجہد کرنے والے اور نہ تھکنے والے کے متعلق کہا گیا ہے ؂

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا۔
میں تو دریا ہوں، سمندر میں اتر جاؤں گا!"

رسونتی نے کہا "ابھی تو سائرہ بانو کو پار لگانا ہے۔ کیا تمہاری خیال خوانی کام نہیں آ رہی ہے؟"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں، وہی مجبوری ہے جو اکثر دشمن میرے سامنے پیش کرتے ہیں، یعنی انگریزی زبان یا ایسی کسی زبان میں گفتگو نہیں کرتے جسے میں جانتا ہوں۔ وہ شخص جو سائرہ بانو اور ان کے ساتھی کو ٹریپ کر رہا ہے وہ فرانسیسی میں گفتگو کر رہا ہے۔ بہر حال میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا۔ گاڑی ابھی تک اس کچے راستے پر تھی۔ سائرہ بانو خاموش اور بہت پریشان بیٹھی تھیں۔ کبھی وہ اپنے اور ڈیئر جمال کے متعلق سوچتی تھیں اور کبھی اپنی بیٹی کے متعلق سوچنے لگتی تھیں کہ کہیں مرجانہ بھی ایسی مصیبتوں میں گرفتار نہ ہو رہی ہو۔ پھر وہ سوچتی تھیں، فرہاد یقیناً مرجانہ کا خیال رکھتا ہوگا۔ اسی وقت ان کے دماغ میں یہ بات آئی۔ "لیکن کیسے خیال رکھے گا۔ کل رات کو فرہاد نے ایک بار مجھ سے پیرس میں رابطہ قائم کیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک میری خبر نہیں لی۔ کہیں وہ خود مصیبت میں گرفتار نہ ہو۔ خدا کرے کہ اس کی ساری مصیبتیں ہم پر آ ئیں اور وہ محفوظ رہے۔ اس کی سلامتی ہی ہم سب کی سلامتی ہے۔"

ایسا سوچنے کے دوران انہوں نے سر گھما کر پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آفیسر کو دیکھنا چاہا۔ آفیسر نے فرانسیسی زبان میں ڈانٹ کر کہا "سر گھمانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ تم تینوں چپ چاپ بیٹھے رہو۔ اگر ذرا بھی حرکت ہوئی تو سمجھ لو کہ کیا ہو سکتا ہے؟"

سائرہ بانو نے سیدھے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے سوچا "کمبخت ریوالور ہاتھ میں لیے ہمیں کمزور بنا رہا ہے۔ اگر اس وقت فرہاد ہوتا تو اس کے دماغ میں پہنچ کر ریوالور... ہمارے حوالے کر دیتا۔"

ایسا سوچنے کے دوران اچانک ان کے دماغ نے کہا "لیکن فرہاد یہاں موجود ہوتا تو اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ اس وقت میں ڈیئر جمال سے چپ چاپ متاثر ہوتی جا رہی ہوں۔"

یہ سوچتے ہی وہ کچھ پریشان ہو گئیں اور دعائیں مانگنے لگیں کہ فرہاد مرجانہ کی طرف ہی متوجہ رہے۔ اسی کی حفاظت کرتا رہے۔ یہاں تو وہ کسی طرح دشمنوں کے درمیان پھنسنے کے باوجود ڈیئر جمال کی مدد سے نکل جائیں گی۔ اب انہیں ڈیئر جمال پر بڑا اعتماد ہونے لگا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ ویگن ایک ایسی جگہ

پہنچی۔ جہاں بھیڑیں چر رہی تھیں اور نوجوان چرواہے ہاتھوں میں لاٹھیاں لیے ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ بھیڑیں یقیناً سیکڑوں کی تعداد میں تھیں اور وہیں پر ایک بڑا سا کاٹیج بنا ہوا تھا۔ دور تک اس کی احاطہ بندی کی گئی تھی۔ اس احاطے کے اندر شاید شام کے وقت بھیڑوں کو لا کر بند کیا جاتا تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ ویگن رک گئی۔ گاڑی رکنے سے پہلے بہت سے مسلح جوان ہاتھوں میں رائفل اور ریوالور لیے گاڑی کے آس پاس آ گئے تھے۔

سائرہ بانو نے پریشان ہو کر پوچھا "یہ کیا حرکت ہے۔ ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟"

اس نے فرانسیسی زبان میں کہا "ہمیں اس عورت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے جو اس وقت ہمارے سامنے اس روپ میں موجود ہے لیکن اس روپ کے پیچھے جو سائرہ بانو ہے ہمیں اس کی ذات سے دلچسپی ہے۔ میرا خیال ہے تم سمجھ گئی ہو گی۔ زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

آنے والوں میں سے ایک مسلح جوان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور — مقامی زبان میں کچھ کہنے لگا۔ فرانسیسی زبان جاننے والے نے کہا "یہ کہہ رہا ہے کہ چپ چاپ نیچے اتر آؤ۔ یہاں جتنے بھی لوگ ہیں، یہ صرف مقامی زبان بولتے ہیں۔ دنیا کی کوئی دوسری زبان نہ بولتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔ یہ احتیاط اس لیے برتی گئی ہے کہ مسٹر فرہاد تمہارے پاس آ کر تمہاری مدد کرنا چاہیں تو صرف تمہارے دماغ تک محدود رہیں۔ ہمارے آدمیوں کے دماغوں تک نہ پہنچ سکیں۔"

وہ دونوں ویگن سے باہر آ گئے۔ جو چاقو والا مقامی باشندہ ان کے ساتھ تھا اسے وہیں گاڑی میں بیٹھے رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ فرانسیسی بولنے والا باس اپنی رہنمائی میں سائرہ بانو اور ڈیئر جمال کو کاٹیج کی طرف لے جانے لگا۔ سائرہ بانو نے کہا "دیکھیے مسٹر، ہم پیرس سے آتے ہیں اور ایسٹ کی طرف جا رہے ہیں۔ اگر تم نے یہاں روکا تو ہمارے لیے بڑی پریشانی ہو جائے گی۔ ہمارے پاسپورٹ وغیرہ بھی چھین لیے گئے ہیں۔ ہمارا کچھ خیال کرو۔ ہمیں دو گھنٹے کے اندر ایئرپورٹ پہنچنا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "تم کس پاسپورٹ کی بات کر رہی ہو۔ اس کی جس میں تمہارا نقلی روپ ہے۔ جب تم اصلی روپ میں آؤ گی تو وہ پاسپورٹ بالکل بے کار ہو جائے گا۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ جو تمہارا ساتھی ہے یہ بھی میک اپ میں ہے۔ اس کا یہ اصلی چہرہ نہیں ہے۔ ابھی اس بات کی تصدیق ہو جائے گی۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے ایک کمرے میں پہنچے۔ آس پاس مسلح جوان موجود تھے تاکہ ڈیئر جمال اپنی مستعدی نہ دکھا سکے۔ اس کمرے میں پہنچ کر باس نے اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ تھوڑی دیر بعد کچھ سامان اس کمرے میں آیا۔ اس نے فرانسیسی زبان میں کہا "سائرہ بانو! یہ سامان میک اپ صاف کرنے کے لیے ہے۔ چلو اپنے اصلی روپ میں آ جاؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے دوسرے آدمیوں سے مقامی زبان میں کچھ کہا۔ دو ہٹے کٹے نوجوانوں نے ڈیئر جمال کو دونوں طرف سے پکڑ کر ایک کرسی پر زبردستی بٹھا دیا۔ پھر ایک شخص اس کے سامنے آیا۔ وہ ذرا عمر رسیدہ تھا۔ اس نے آنکھوں پہ عینک لگائی اور ڈیئر جمال کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر اسے انگلیوں سے ٹٹولتے ہوئے کچھ کہنے لگا۔ اس کے بعد سائرہ بانو سے کچھ کہا گیا۔ تب سائرہ بانو نے کہا "مسٹر جمال! یہ لوگ سمجھ گئے ہیں کہ تم بھی اپنے اصلی روپ میں نہیں ہو۔ تمہیں بھی اپنا میک اپ اتارنا ہوگا لہٰذا ان کے حکم کی تعمیل کرو۔"

ڈیئر جمال نے کہا "ان سے کہو کہ ہمیں دو گھنٹے تک اسی طرح خاموش بیٹھے رہنے کی اجازت دیں۔ دو گھنٹے کے بعد ہم اپنا میک اپ اتار دیں گے۔ ہم اس عرصے میں یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔ ان سے تھوڑی سی مہلت چاہیے۔"

سائرہ بانو نے اس آدمی سے کہا کہ انہیں کم از کم دو گھنٹے تک آرام کرنے دیا جائے۔ اس کے بعد وہ اپنا میک اپ اتار دیں گے۔ اس آدمی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں تم دونوں کو اصلی روپ میں لانے کے بعد یہاں سے ابھی چلا جاؤں گا۔ فوراً میرے حکم کی تعمیل کرو۔"

بہر حال انہوں نے مجبور ہو کر اپنے سامنے رکھے ہوئے سامان کو استعمال کرنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ اپنے چہرے سے اس روپ کو مٹانے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کے اصلی چہرے سامنے آ گئے وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ڈیئر جمال کو بے چینی تھی کہ مس ٹارلنگ کا اصلی چہرہ دیکھے اور سائرہ بانو کو بھی یہی تجسس تھا کہ ڈیئر جمال حقیقتاً کیا ہوگا؟

آخر وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے آئینے کی طرح صاف اور واضح ہو گئے۔ ایک دوسرے کو یوں تکنے

لگے جیسے اب ایک دوسرے پر سے نظریں نہیں ہٹا سکیں گے۔ سائرہ بانو کی حالت عجیب تھی۔ ان کے سامنے ایک اتنا خوبرو نوجوان بیٹھا ہوا تھا جس کی تعریف کے لیے ان کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ اس کے چہرے پر مردانگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دل بے اختیار ادھر کھنچا جاتا تھا انہوں نے اپنے دل کو سنبھالا کیونکہ سامنے جو بیٹھا ہوا تھا اب وہ کم عمر جوان معلوم ہوتا تھا اور وہ کسی کم عمر نوجوان کے متعلق کچھ زیادہ سوچنے کا حق نہیں رکھتی تھیں۔

دوسری طرف میں نے ڈیئر جمال کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ سائرہ بانو کو ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا سائرہ بانو وہ حسین عورت تھیں کہ پورے دہلی میں ان کے حسن کا چرچا رہا تھا۔ بڑے بڑے سرمایہ دار، نواب راجے، مہاراجے ان کے حسن کی بھیک مانگتے تھے۔ ایسی عورت جس نے بیس برس تک بیوگی کی زندگی گزاری ہو۔ اپنے آپ کو سنبھال کر رکھا ہو۔ اپنی صحت کا خیال رکھا ہو تو اس کا حسن اس وقت بھی کیا ہوگا۔ یہ تو ڈیئر جمال ہی دیکھ کر سمجھ رہا تھا۔

باس کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ پوچھ رہا تھا۔ "بیگم سائرہ بانو! یہ جوان کون ہے اور تمہارے ساتھ کیسے ہے؟"

وہ بولیں "یہ میرا باڈی گارڈ ہے۔ میں نے اسے معقول تنخواہ کے عوض اپنے ساتھ رکھا ہے۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا "بالکل نہیں۔ چونکہ یہ تمہارا باڈی گارڈ ہے اس لیے میں اسے تمہارے ساتھ چھوڑ دوں گا۔ یہ بھی تمہارے ساتھ یہاں قید رہے گا ورنہ ہم اسے گولی مار کر قصہ تمام کر دیتے۔ دیکھو ہم فرہاد کے راستے میں رکاوٹیں بن رہے ہیں۔ تم ماں بیٹی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن اس طرح کہ فرہاد کو کوئی بہت بڑی شکایت نہ ہو کبھی ہمارا سامنا ہو تو وہ یہ نہ کہے کہ ہم نے اس کے کسی خاص آدمی کو جانی نقصان پہنچایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمہارے اس باڈی گارڈ کو زندہ چھوڑ رہے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔ دوسرے مقامی جوان بھی اس کمرے سے باہر آ گئے۔ پھر اس کے دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ سائرہ بانو ڈیئر جمال کے ساتھ اس کمرے میں تنہا رہ گئیں۔ انہوں نے پوچھا "اب بتاؤ تمہاری اصلیت کیا ہے؟"

"اصلیت وہی ہے۔ میں امریکہ میں تھا۔ وہاں فوج کی جبری بھرتی ہو رہی تھی اور میں ویت نامی عوام کے خلاف لڑنا نہیں چاہتا تھا اس لیے وہاں سے فرار ہو گیا میرے نام وارنٹ جاری ہو گیا تھا۔ میں لندن آ کر روپوش ہو گیا۔ ویسے میرا اصل نام جمال الدین چنگیزی ہے۔ یقیناً یہ نام سن کر نازک عورتیں ڈر جاتی ہوں گی۔ چنگیز خان کا نام ہی کچھ ایسا ہے میں کیا کروں شجرے کے مطابق میرا نسبی سلسلہ چنگیز خان سے جا ملتا ہے اور یہ چنگیز خانی خون ایسا ہے کہ اتنی صدیاں گزر جانے کے باوجود میرے جسم تک پہنچ کر بھی پانی نہیں ہوا۔ مجھے بھی اپنے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جائے تو بہت غصہ آتا ہے اور میں دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ اگر ابھی تم میرے ساتھ نہ ہوتیں تو میں اپنی جان پر کھیل کر ان سے مقابلہ کرنا شروع کر دیتا۔"

"جمال الدین تمہاری عمر کیا ہے؟"

وہ ناگواری سے انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا "اوہ! مجھے جمال الدین نہ کہو۔ تمہارے منہ سے ذرا سا بھی رومانس ظاہر نہیں ہوتا۔ ڈیئر جمال بڑا ہی خوبصورت نام ہے اور تم اسی نام سے مجھے پکارو۔"

"دیکھو، بکواس نہ کرو۔ پہلے مجھے تمہاری عمر کا اندازہ نہیں تھا لیکن اب یقین سے کہتی ہوں کہ تم مجھ سے کئی برس چھوٹے ہو۔ لہٰذا چھوٹے بنے رہو اور میری عزت کرو۔ غلط انداز میں مجھ سے گفتگو نہ کرو۔"

"تمہارا اندازہ بالکل ہی غلط ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ تم مجھ سے تقریباً پانچ چھ برس چھوٹی ہو۔"

"اچھا بتاؤ، تمہاری عمر کیا ہے؟"

"میری عمر اس وقت بتیس برس ہے۔"

سائرہ بانو نے اپنے ایک ایک الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا "اور میں تم سے چھ برس بڑی ہوں کیونکہ میری عمر اڑتیس برس یعنی دو کم چالیس برس ہے۔"

"تم چھ برس بڑی ہو مگر اس انداز میں کہہ رہی ہو، جیسے ساٹھ برس کی بوڑھی ہو۔ چھ برس کے فرق سے کیا ہوتا ہے۔ محبت بڑائی اور چھوٹے پن کو نہیں دیکھتی جس پر دل آ جاتا ہے اسی کی ہو کر رہ جاتی ہے۔ کیا تم حقیقت سے انکار کرو گی؟"

"ہاں انکار کروں گی۔ میرے ساتھ محبت کی باتیں نہ کرو ورنہ میں طمانچہ مار دوں گی۔"

"یہ ہاتھ تو پھولوں سے زیادہ نازک ہیں۔ یوں کہو کہ پھول مار دوں گی۔"

اس کے بعد میں ان دونوں کی نوک جھونک نہیں دیکھ سکا۔ رسونتی نے اچانک ہی میرا ہاتھ تھام کر کہا "اپنی خیال خوانی سے واپس آ جاؤ، باہر کسی کی آواز سنائی دے رہی ہے۔"

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کان لگا کر سنا پھر صندوق سے اٹھ کر اس دیوار کی طرف آیا جہاں دروازہ تھا۔ اس دیوار میں جگہ جگہ سوراخ تھے۔ وہاں میں نے آنکھ لگا کر باہر کی طرف دیکھا۔ وہاں بہت دور تقریباً ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر دن کی روشنی میں ندی کا کنارا نظر آ رہا تھا اس کنارے پر کچھ مسلح لوگ کھڑے ہوئے تھے اور اسپیکر کے ذریعے بول رہے تھے "اگر فرہاد علی تیمور اس جھونپڑی میں موجود ہے تو وہ چپ چاپ اپنی ساتھی کے ساتھ باہر آ جائے ورنہ ہم خود گدھوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے جھونپڑی میں پہنچ جائیں گے۔"

اس کی آواز پر گدھوں کے درمیان ذرا بے نام سی بے چینی پھیل گئی تھی۔ دو چار گدھ اپنے پر پھڑپھڑا رہے تھے اور دو چار فضا میں اڑتے ہوئے ادھر سے ادھر جا رہے تھے۔ یہ خطرے کی گھنٹی تھی اور ان آنے والوں کی سمجھ میں ابھی یہ بات نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سوچا۔ اگر میں خاموش رہوں گا تو یہ ضرور ادھر آئیں گے اور موت کے منہ میں چلے جائیں گے۔ اگرچہ وہ میرے دشمن تھے لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کا گوشت گدھوں کے کام آتے اور وہ حرام موت مر جائیں۔ میں انہیں واپس بھیج دینا چاہتا تھا۔ میں ایک بات مانتا ہوں کہ انہوں نے رسونتی کے ساتھ مجھے ہتھکڑی پہنا کر ستون کے ساتھ باندھا تھا تو اس وقت وہ مجھے جان سے بھی مار سکتے تھے لیکن انہوں نے مجھے اپنے آپ کو اور رسونتی کو بچانے کا موقع دیا تھا۔ انہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ میں بھی انہیں ان کی جان بچانے کا موقع دینا چاہتا تھا۔

یہ سوچ کر میں نے جھونپڑی کے اندر سے آواز دی۔ "اے لوگو! بے وقوف نہ بنو۔ ہزاروں کی تعداد میں یہاں گدھ موجود ہیں۔ تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ یہاں جو لوگ بھی آئے وہ زندہ واپس نہیں گئے۔ ہم بھی سوچ رہے ہیں کہ یہاں سے کیسے نکل کر جا سکتے ہیں۔ یقین کرو کہ یہاں آنے والا صرف اپنی موت کو گلے لگانے آتا ہے۔"

دوسری طرف سے جواب میں کہا گیا "ہمیں بچہ سمجھ کر ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔ اگر جھونپڑی تک پہنچنے سے جان جاتی ہے تو ہم جان پر کھیل کر بھی وہاں تک پہنچیں گے۔ اگر نہ پہنچ سکے اور گدھوں کا لقمہ بن گئے تو ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے باقی لوگ شام تک ہمارا انتظار کریں گے اور وہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں پرواز کریں گے اور گدھوں کو مارنے کے لیے زہریلی گیس چھوڑتے ہوئے گزرتے رہیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گدھوں کے ساتھ تم بھی زہریلی گیس کا شکار ہو جاؤ گے۔"

میں نے ناگواری سے کہا "اگر تم لوگ جان پر کھیلنا ہی چاہتے ہو تو پھر آؤ۔ یہ سیکڑوں ہزاروں گدھ تم لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

میری بات ختم ہوتے ہی وہ لوگ دریا کا کنارا چھوڑ کر جھونپڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ جھونپڑی کافی اونچائی پر تھی۔ ہم صاف طور سے انہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ لوگ سرٹیفیکیٹ پہنے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں اور کمر سے تلواریں لٹک رہی تھیں۔ اس کے سوا اور کوئی چیز ان کے پاس حفاظت کے لیے نہیں تھی اور وہ لوگ بڑی حماقت کر رہے تھے۔

گدھ درختوں پر تھے۔ چٹانوں اور اونچے اونچے پتھروں پر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ دور تک زمین پر بھی گدھوں کا میلہ سا لگا ہوا تھا۔ مگر ایک بات تھی کہ جھونپڑی تک آنے کا جو راستہ تھا وہ خالی تھا یعنی آنے والے گدھوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے آ رہے تھے۔ انہوں نے تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ میں نے سوچا اگر وہ بخیریت جھونپڑی تک پہنچ گئے تو پھر ہماری خیریت نہیں رہے گی۔

میں نے ان کی جان بچانے کے لیے انہیں وارننگ دے دی تھی، انہیں سمجھا دیا تھا مگر وہ واپس نہیں گئے اور دشمن بن کر میری ہی طرف آنے لگے۔ تب عقل سمجھانے لگی کہ انہیں یہاں تک نہیں آنا چاہیے۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ اب دشمنی کا فرض ادا کرنا چاہیے۔ یہ سوچتے ہی میں نے اس آدمی کے دماغ میں جھانکنا شروع کیا جو اسپیکر کے ذریعے مجھ سے باتیں کر چکا تھا۔

میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر کہا "ہمیں واپس جانا چاہیے۔ یہ گدھ اتنی خاموشی سے بیٹھے ہوئے ہیں جیسے طوفان آنے سے پہلے سمندر کی سطح خاموش اور پرسکون ہوتی ہے۔ ہمیں اس خطرے کو سمجھنا چاہیے اور فوراً واپس ہو جانا چاہیے۔"

لیکن وہ واپس نہیں گیا۔ اس کی اپنی سوچ نے کہا "میں واپس نہیں جاؤں گا، خواہ جان چلی جائے۔"

جب اس نے ایسا سوچا تب میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اسٹین گن کو چلا دیا۔ تڑ تڑ اتڑ کی آواز کے ساتھ گولیاں ادھر ادھر منتشر ہوئیں، پھر جیسے طوفان آ گیا۔ ایک ساتھ سینکڑوں ہزاروں گدھوں کے پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز کیسی دہشت ناک ہو گی، یہ میں اور رسونتی سمجھ رہے تھے یا پھر وہ لوگ جانتے تھے جو موت سے کھیلنے آئے تھے۔

ایک شخص کی چیخیں سنائی دیں۔ وہ گدھوں کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کا انجام دیکھ کر تمام لوگوں نے اسٹین گنوں سے فائرنگ شروع کر دی۔ میں رسونتی کو پکڑ کر فوراً ہی زمین پر لیٹ گیا کیونکہ جھونپڑی کی دیواریں بانس کی کھپچیوں سے بنی ہوئی تھیں۔ گولیاں دیوار کے آر پار آ کر ہمیں نقصان پہنچا سکتی تھیں۔ اس لیے اب ہم وہاں کا تماشہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ میں صرف اس آدمی کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا، جس نے اسپیکر سے باتیں کی تھیں۔ اس کے ذریعے میں ان پر آئی ہوئی مصیبتوں کو سمجھ رہا تھا اور اپنی زندگی کے لیے انہیں لڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فائرنگ کی آواز بالکل بند ہو گئی۔ میں نے ذرا دیر انتظار کیا۔ پھر اٹھ کر سوراخ سے آنکھ لگا کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ اب ان میں سے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ اتنے سارے گدھ ان پر پل پڑے تھے کہ انہیں دیکھنے کے لیے کہیں سے بھی کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ میں نے رسونتی سے کہا "اب اٹھ جاؤ۔ جو ہمیں گرفتار کرنے آ رہے تھے انہیں موت نے گرفتار کر لیا ہے۔"

وہ زمین پر سے اٹھ گئی۔ اس میں اتنا حوصلہ نہ ہوا کہ وہ دیوار کے سوراخ سے جھانک کر مرنے والوں کا تماشہ دیکھتی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صندوق پر جا کر بیٹھ گئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ میں اس کی سوچ کو پڑھ رہا تھا۔ وہ بہت ہی اداس اور دل برداشتہ تھی۔ انسانی زندگی کے متعلق سوچ رہی تھی۔ یہ زندگی بھی کیا ہے اور یہ انسان بھی عجیب ہے۔ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اور یہ اسے سنبھال کر رکھنا نہیں جانتا۔ خواہ مخواہ احمقوں کی طرح خطرات میں کود جاتا ہے۔ ہم بھی اسی طرح خطرے میں تھے اور اپنی زندگی کے متعلق یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ انجام کیا ہونے والا ہے؟

میں نے پوچھا "کیا سوچ رہی ہو؟"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا، پھر کہا "جان بوجھ کر پوچھتے ہو۔ کیا تمہیں سوچ پڑھنا نہیں آتا ہے؟"

میں اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے اپنے قریب کرتے ہوئے بولا "تم مایوس ہو گئی ہو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور ہم یقیناً یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"لیکن کب نکلیں گے؟"

"بس یہ ہنگامہ سرد ہونے دو۔ دیکھتی ہو گدھ کتنا شور مچاتے ہیں۔ انہیں کھانے کے لیے اچھی خاصی خوراک مل گئی ہے۔ اس کے بعد یہ اونگھنے لگیں گے۔ ہم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کھڑکی کے راستے نکل جائیں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

وہ مطمئن ہو کر مسکرائی۔ پھر اس نے اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا۔ میں نے اسے تھپکتے ہوئے کہا "بس مجھے تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہنے دو۔ میں سونیا اور مرجانہ کی خبر لینا چاہتا ہوں۔"

میں نے اس وقت سائرہ بانو کو نظر انداز کر دیا تھا، کیونکہ ان کی حفاظت کے لیے ڈیئر جمال موجود تھا۔ مجھے اس کی صلاحیتوں پر بھروسہ ہو چلا تھا۔ یوں بھی سائرہ بانو کی جان کو اس وقت کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں ان کی طرف سے مطمئن ہو کر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ مرجانہ کا میک اپ کرنے میں مصروف تھی اور اسے عورت سے مرد بنا رہی تھی۔

میں نے پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ چونک کر بولی "اچھا تم ہو۔ کیا کسی مصیبت میں پھنس گئے تھے جو اتنی دیر بعد خبر لی ہے؟"

"ہاں پھنس گیا نہیں تھا بلکہ اب تک مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں وہ ساری داستان سنانے لگا کہ کس طرح میں اور رسونتی یہاں گدھوں کے درمیان پھنس گئے ہیں اور ایک جھونپڑی میں ہم نے پناہ لی ہوئی ہے۔ میں سونیا کے دماغ میں بیٹھ کر یہ ساری باتیں سونیا کی زبان سے ہی سنا رہا تھا تاکہ مرجانہ بھی سنتی رہے۔

جب میری داستان ختم ہو گئی تو وہ دونوں تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔ مرجانہ نے پوچھا "تم ان گدھوں کے درمیان سے کیسے نکلو گے؟"

"میں ایک گھنٹے کے بعد رسونتی کو لے کر یہاں سے

نکل جاؤں گا۔ گدھوں کی عادت ہے کہ وہ شکم سیر ہونے کے بعد اونگھنے لگتے ہیں۔ بالکل سست اور کاہل ہو جاتے ہیں۔ جب تک انہیں پوری طرح چھیڑا نہ جائے وہ جوش میں یا جنون میں نہیں آتے۔ اس وقت انہیں کھانے کے لیے کافی لاشیں مل گئی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہماری طرف سے بالکل غافل ہو جائیں گے۔"

"کیا تم ان گدھوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے جاؤ گے؟"

"نہیں، میں جھونپڑی کے پچھلے راستے سے کھڑکی کے باہر جاؤں گا اور وہاں سے چٹان پر پہنچ کر پانچ سو فٹ گہری کھائی میں رسونتی کے ساتھ چھلانگ لگا دوں گا۔"

سونیا نے چیخ کر پوچھا "کیا کہا۔ تم رسونتی کو لے کر پانچ سو فٹ گہری کھائی میں چھلانگ لگاؤ گے؟ کیا تم ہوش میں ہو؟"

"ہاں، تم یہ بھول گئیں کہ جب میں پیرس سے روانہ ہو رہا تھا تو بے چارے موس ٹروئی نے مجھے بہت سی کارآمد چیزیں دی تھیں۔ ایک بیگ دیا تھا۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ جب اسے الٹ دیا جائے تو وہ پیراشوٹ کی طرح ایک چھتری بن جاتا ہے جسے تھام کر بلندی سے بخیریت زمین تک پہنچا جا سکتا ہے۔"

سونیا نے کہا "ہاں مجھے یاد آیا۔ موس ٹروئی نے تمہیں وہ بیگ دیا تھا۔ آج وہ اس دنیا میں نہیں ہے لیکن اس کی دی ہوئی چیزوں سے تم اپنی جان بچا سکتے ہو۔ میری دعا ہے کہ خدا اس بے چارے کے تمام گناہوں کو معاف کر دے۔"

"تم یہ بتاؤ کہ یہ کیا کر رہی ہو۔ مرجانہ کو عورت سے مرد کیوں بنا رہی ہو؟"

"احتیاطاً ایسا کر رہی ہوں۔ میں نے اور مرجانہ نے محسوس کیا ہے کہ ہم اس ہوٹل کے کمرے میں محفوظ نہیں ہیں۔ ہماری برابر نگرانی ہو رہی ہے۔ ہم نے دو نگرانی کرنے والوں کو تاڑ لیا ہے۔ ایک تو اسی ہوٹل میں ہے اور دوسرا ہوٹل کے باہر موجود رہتا ہے۔ ہم نے کھڑکی سے جھانک کر ہوٹل کے پچھلے حصے کی طرف دیکھا ہے۔ وہاں سڑک کے کنارے درخت کے سائے میں ایک شخص ہمارے ہی کمرے کی کھڑکی کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔"

میں نے کہا "نگرانی تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ دشمن پیچھے لگے رہتے ہیں۔ کیا تم کوئی خطرہ محسوس کر رہی ہو؟"

"کوئی خاص خطرہ تو نہیں ہے لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ ہمارے آس پاس کوئی دوست نہیں ہے۔ سپر ماسٹر کی تنظیم کے جو افراد یہاں ہماری مدد کر رہے ہیں، وہ دکھاوے کی مدد ہے۔ جیسے ایک طرف سے وہ ہمارے کام آ رہے ہوں اور دوسری طرف سے ہمیں دشمنوں کے ذریعے کمزور بنانے کے لیے ڈھیل دے رہے ہوں۔"

میں نے پوچھا "یہ بات تمہارے دماغ میں کیسے آئی؟"

اس نے جواب دیا "یاد کرو جب تمہیں اور رسونتی کو ایک ہتھکڑی میں منسلک کر کے اس آہنی ستون سے باندھ دیا گیا تھا اور ایک ٹیپ ریکارڈر تمہارے پاس چھوڑ دیا گیا تھا، جس کے ذریعے یہ کہا گیا تھا کہ تمہاری نادانستگی میں تم سے ہی کام نکالا جا رہا ہے۔ یہ بات اتنی اہم ہے کہ ابھی تک میرے دماغ میں چبھ رہی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ یہ بات میرے دماغ میں بھی چبھ رہی ہے لیکن میں ایسی مصیبتوں میں گھرا ہوا ہوں کہ اس بات کے مختلف پہلوؤں پر غور نہیں کر سکتا۔ تم نے جو کچھ بھی غور کیا ہے مجھے بتاؤ؟"

"کیا بتاؤں، میری تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جلال بیگ اسرائیلی ذرائع استعمال کر کے ہمارے راستے میں رکاوٹیں تو پیدا کر سکتا ہے لیکن ہمیں اس قدر مجبور نہیں کر سکتا کہ ہماری نادانستگی میں ہم سے ہی کوئی کام نکالے۔ وہ اتنا ذہین نہیں ہو گا۔ ہو گا بھی تو اس ذہانت کے لیے ذرائع بہت ضروری ہیں۔ اس طرح غور کرتے وقت میرا دماغ سپر ماسٹر کی طرف جاتا ہے۔ میں اور تم اس کی مکاریوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ ہماری بھرپور مدد کر رہا ہو، تمہارا دوست بن کر رہنے کے لیے وہ اپنے قیمتی آدمیوں کی جانیں بھی ضائع کر رہا ہو۔ اس نے ماسٹر موس ٹروئی اور روم کے ماسٹر کو بھی اس لیے ختم کر دیا ہو گا کہ تمہارے پاس ان کے ذریعے جلال بیگ کی تصویر پہنچنے والی تھی۔ سپر ماسٹر یہ نہیں چاہتا کہ تم جلال بیگ کے دماغ تک پہنچو اور یہ بھی نہیں چاہتا ہے کہ ہم تم کسی انسانی آبادی میں رہیں۔ اسی لیے تمہیں جنگلوں اور ویرانوں میں بھٹکایا جا رہا ہے۔"

میں نے کہا "لیکن اس وقت تم اور مرجانہ تو ایک شہر میں ہو۔"

"ہاں ہیں تو سہی لیکن نہ ہونے کے برابر۔ یہاں کے ماسٹر نے ہم سے کہا ہے کہ ہم کسی سے ملاقات نہ کریں۔ وہ یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ ہمارا سب سے دور رہنا ہمارے لیے فائدہ مند ثابت

ہوگا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ دل بہلانے کے لیے ہمارے پاس ایک ریڈیو بھیج دے اور اخبارات بھی فراہم کردے لیکن کل سے اب تک نہ تو ہمیں کوئی اخبار ملا ہے اور نہ ہی ریڈیو ہم تک پہنچایا گیا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہمیں تمام دنیا سے دور الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بلکہ اسے کوشش نہیں، سازش کہنا چاہیے۔"

"تم درست کہتی ہو۔ میں ان گدھوں سے نجات پانے کے بعد کہیں ایسی جگہ پہنچوں گا جہاں تھوڑی دیر آرام کرنے کا موقع مل سکے۔ تو میں وہاں اس مسئلے پر غور کروں گا۔ تم اب کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"میں ابھی مرجانہ کو پوری طرح ایک مرد کے روپ میں لاکر اسے ہوٹل سے باہر بھیج دوں گی۔ اس کے بعد خود اپنے چہرے میں تبدیلی پیدا کرکے یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گی۔ مرجانہ پہلے ہی کہیں رہائش کا انتظام کرچکی ہوگی لہٰذا میں اس کے پاس پہنچ جاؤں گی۔ اس طرح جب ہم دوستوں سے اور دشمنوں سے بالکل نجات پائیں گے اور کوئی بھی ہمیں پہچان نہیں سکے گا اس کے بعد ہم اطمینان سے بہت سی باتوں پر غور کرسکیں گے۔"

"تم وہاں کے ماسٹر سے پھر ایک بار ریڈیو اور اخبارات کا مطالبہ کرو۔ دیکھو وہ کیا جواب دیتا ہے؟"

"میں کل سے اب تک تین بار مطالبہ کرچکی ہوں۔ وہ کسی نہ کسی بہانے سے ٹال دیتا ہے۔ تم کہتے ہو تو میں پھر اسے کہوں گی کہ میں دنیا کے موجودہ حالات سے باخبر رہنا چاہتی ہوں لہٰذا ریڈیو اور اخبارات میرے لیے ضروری ہیں۔"

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں جھونپڑی کے چاروں طرف اب بالکل خاموشی ہے۔ معلوم ہوتا ہے گدھ شکم سیر ہوکر اب اونگھنے لگے ہیں۔ بہرحال میں دیکھتا ہوں اور اس کے بعد یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ کسی جگہ خیریت سے پہنچنے کے بعد تم سے رابطہ قائم کروں گا۔ اس وقت تک کے لیے رخصت ہوتا ہوں۔"

یہی بات میں نے مرجانہ کے دماغ میں بھی پہنچ کر کہہ دی۔ اس سے ذرا لگاوٹ کی باتیں کرنے کے بعد واپس دماغی طور پر رسونتی کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے پوچھا "خیریت ہے؟"

"ہاں، سونیا اور مرجانہ ابھی بخیریت ہیں میں ان کے بارے میں بتاؤں گا ذرا باہر کا منظر دیکھ لوں۔"

میں صندوق پر سے اٹھ کر سامنے والی دیوار کی طرف گیا۔ پھر سوراخ سے جھانک کر دیکھنے لگا۔ اب وہاں ہڈیوں کے ڈھانچوں میں اضافہ ہوگیا تھا اور بہت سے گدھ ابھی تک ان ڈھانچوں پر بیٹھے ہوئے تھے حالانکہ اب وہاں گوشت برائے نام رہ گیا تھا۔ دوسرے تمام گدھ دور بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے۔ دو چار ایسے تھے جو پروں کو پھڑپھڑا رہے تھے اور ادھر سے ادھر جا رہے تھے۔ شاید لیٹنے بیٹھنے کی کوئی اچھی سی جگہ تلاش کر رہے ہوں۔

رسونتی نے کہا۔ "فرہاد! ہمیں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے باہر مکمل خاموشی ہے۔ آؤ یہاں سے نکل چلیں۔ یہ اچھا موقع ہے۔ ورنہ وہ زہریلی گیس چھوڑنے آجائیں گے۔"

"وہ شام سے پہلے نہیں آئیں گے۔ ابھی وہ اپنے ساتھیوں کی واپسی کا انتظار کریں گے۔ میں نے باہر جھانک کر دیکھا ہے ابھی تمام گدھ پرسکون نہیں ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو ادھر سے اُدھر پرواز کر رہے ہیں اور اپنے لیے جگہ بنا رہے ہیں تاکہ وہ آرام سے کہیں بیٹھ کر اونگھ سکیں۔ اس وقت تک ہم یہاں سے روانہ ہونے کی تیاری کریں گے۔"

یہ کہہ کر میں نے اس بیگ کو اٹھایا جسے میں نے موس ٹرودی سے حاصل کیا تھا۔ اس بیگ میں بہت سا ضروری سامان رکھا ہوا تھا۔ میں نے وہ سب نکال کر صندوق پر رکھ دیا۔ پھر اس بیگ کو الٹنا شروع کیا۔ رسونتی خاموشی سے میری حرکتوں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کی آنکھیں حیرانی سے پھیلنے لگیں کیونکہ اب تک جو بیگ نظر آرہا تھا وہ الٹنے کے بعد رفتہ رفتہ ایک بڑی سی چھتری بنتا جا رہا تھا۔

"یہ مجھے موس ٹرودی نے دیا تھا۔ یہ ایک مکمل پیراشوٹ ہے۔ ہم اس کے ذریعہ بلندی سے چھلانگ لگاکر بخیریت نیچے کی طرف پہنچ سکتے ہیں۔" میں نے رسونتی کو بتایا۔

وہ گھبراکر تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ "کیا ہم اسکے ذریعے نیچے جائیں گے؟"

"ہاں مجبوری ہے کیونکہ تم رستے کے ذریعے اتنی پستی تک اترنا نہیں جانتی ہو۔ ہاتھ پھسلے گا یا ذرا بھی قدم ڈگمگائے گے تو تم چٹانوں پر سے لڑھکتی ہوئی پانچ سو فٹ کی گہرائی میں جاگروگی۔ وہاں تمہاری ہڈی پسلیاں تو نظر آئیں گی مگر رسونتی نظر نہیں آئے گی۔ اسی لیے میں یہ چھتری استعمال کر رہا ہوں۔"

"کیا ہم اس چھتری کو پکڑ کر لٹکتے رہیں گے؟"

"ہاں میں اس کے ہینڈل کو پکڑ کر لٹکتا رہوں گا اور تم مجھے پکڑ کر لٹکتی رہوگی۔ میں رسی کا ایک سرا تمہاری کمر سے باندھ دیتا ہوں۔ دوسرا سرا میری کمر سے بندھا رہے

گا۔ یہ احتیاطی تدبیر اس لیے ہے کہ تم مجھ سے چھوٹ جاؤ یا گرنے لگو تو رسی کے ذریعے مجھ سے بندھی رہو۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈرنے کے باوجود ایسا تو کرنا ہی ہوگا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہم یہاں سے کم سے کم سامان لے جائیں گے کھانے پینے کا سامان نہایت ضروری ہے۔ اس لیے کچھ سامان تم اپنی کمر کے ساتھ باندھ لینا۔ کچھ میں باندھ لوں گا۔ ایک ریوالور اور ایک چاقو بھی ساتھ رکھ لیں گے، اس سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ یہ چھتری زیادہ وزن برداشت نہیں کرسکے گی۔"

میں نے چھتری کو کھول کر اس کے چھوٹے چھوٹے نٹ بولٹ جگہ جگہ اچھی طرح کس دیے۔ پھر اس کی مضبوطی کے متعلق پوری طرح اطمینان کیا۔ اس کے بعد میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو اندازہ ہوا کہ چھتری بہت بڑی ہے۔ یہ کھڑکی سے نہیں گزر سکے گی۔ لہٰذا میں نے چھتری کو بند کرکے ایک دیوار سے ٹکا دیا۔ میں نے آخر میں پروفیسر برنارڈ رسل کی ڈائری اٹھائی۔ قلم لیا اور لکھنے بیٹھ گیا۔ رسونتی نے پوچھا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟"

میں نے کہا۔ "چونکہ ہم یہاں آگئے ہیں اور یہاں سے رخصت ہونے والے ہیں اس لیے اپنی طرف سے بھی کچھ لکھ دینا چاہیے۔ رسونتی! یہ دنیا ایک عبرت حاصل کرنے کی جگہ ہے۔ ہم یہاں آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ جاتے وقت بہت سا سبق، بہت سی معلومات چھوڑ جاتے ہیں تاکہ ہمارے بعد آنے والے اس سے عبرت حاصل کریں۔ کچھ سبق سیکھیں لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ سکھانے کے باوجود ہمارے بعد آنے والے یقیناً ٹھوکر کھاتے ہیں اور موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں خطرات سے آگاہ کریں۔ اس لیے میں لکھ رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے ڈائری کا وہ ورق کھولا جہاں برنارڈ رسل نے اپنی داستان ختم کی تھی۔ اس کے بعد میں نے دوسرے صفحے پر لکھنا شروع کیا۔

"اے لوگو! میں فرہاد علی تیمور تم سے مخاطب ہوں۔ شاید تم مجھے جانتے ہوگے۔ ایک دنیا مجھے جانتی ہے۔ اگر تم نہیں جانتے تو اب جاننے کا موقع نہیں رہا کیونکہ تم اپنی مہذب دنیا سے کٹ گئے ہو جہاں زندگی گزاری جاتی ہے اور اس دنیا میں آگئے ہو جس کے دوسرے سرے پر صرف موت ہے۔ یہاں سے نہ زندہ جاسکو گے نہ کسی فرہاد علی تیمور کے متعلق معلومات حاصل کرسکو گے۔

جب سے انسان پیدا ہوا ہے — تب سے تمام آسمانی کتابوں نے اور ہزاروں پیغمبروں نے سمجھایا کہ لالچ بری بلا ہے۔ جب تم پیدا ہوئے تو تمہارے ماں باپ نے، پھر تمہارے استادوں نے اور پھر تمہارے علمائے دین نے اور تمہارے پنڈتوں نے تمہیں بچے کہہ کے بتلائے، مثالیں دیں کہ لالچ کتنی بڑی بلا ہے۔ مگر ازل سے اب تک یہ بات انسان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ نہیں آئی اس لیے بلا کو گلے لگانے تم بھی یہاں آگئے ہو۔

میں یہاں اپنی شریک حیات رسونتی کے ساتھ آیا ہوں لیکن اس دعوے کے ساتھ کہ میں پہلا آدمی ہوں جس نے کوئی لالچ نہیں کیا۔ ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہاں بیش بہا خزانہ موجود ہوگا اور جب ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو میری شریک حیات نے عورتوں کی فطرت اور مزاج کے خلاف اس خزانے کو ٹھوکر ماردی ہے۔ ہم ایک تنکا بھی یہاں سے نہیں لے جائیں گے۔ جیسے خالی ہاتھ آتے ہیں ویسے ہی خالی ہاتھ جائیں گے۔ ہمارے پاس ایک پیراشوٹ ہے۔ ہم کھڑکی کے راستے چٹان کے آخری سرے پر پہنچیں گے اور پیراشوٹ کا سہارا لے کر اس پانچ سو فٹ گہری کھائی میں چھلانگ لگادیں گے۔

چھلانگ لگانے سے پہلے میں یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی کھڑکی کے راستے سے پہلے ایڈونا گئی۔ اس کی واپسی نہیں ہوئی۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا حشر کیا ہوا؟ وہ زندہ ہے یا مردہ۔ اس کے بعد والٹر گیا اور مردہ حالت میں اوپر آیا۔ والٹر کے بعد پروفیسر برنارڈ رسل اور موزیک رستے کے ذریعے نیچے گئے۔ ان کی بھی کوئی خبر نہیں ہے۔ ایک اندازہ ہے کہ وہ مرچکے ہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو پروفیسر برنارڈ رسل اس خزانے کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ تین ماہ کے دوران وہ پھر ایک بار پوری طرح ہتھیاروں سے لیس ہوکر اور حفاظتی اقدامات کے ذریعے اس دوسرے صندوق کو حاصل کرنے ضرور آتا۔

وہ نہیں آیا۔ کوئی بھی واپس نہیں آیا۔ جو یہاں آنے کے بعد گیا ہے تو ہمیشہ کے لیے گیا اور آج ہم جا رہے ہیں۔ شاید ہم بھی واپس نہ آئیں۔ ہم یہاں آنے کی خواہش بھی نہیں رکھتے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ ہم نے کوئی لالچ نہیں کیا ہے اس لیے خدا ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین!

میں جا رہا ہوں اور یہ توقع کرتا ہوں کہ یہ خزانہ اب کی بار کوئی آنے والا حاصل کرے گا۔ اگر حاصل نہ کرسکا تو اسے

برباد کردے گا یا اسے یہاں دفن کر دے گا۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں رہا ہے۔ اس وقت تمام گدھ شکم سیر ہونے کے بعد اونگھ رہے ہیں۔ ان میں اتنی سکت نہیں رہی ہے کہ یہ نئی خوراک پر حملہ کر سکیں۔ ہم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جا رہے ہیں۔ خدا حافظ۔ فقط فرہاد علی تیمور۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس ڈائری کو اس کی جگہ رکھ دیا۔ کتنے ہی عجائب گھروں میں اور بڑی بڑی لائبریریوں میں ایسے بڑے بڑے رجسٹر رکھے جاتے ہیں جن میں آنے جانے والوں کے تاثرات ایک ایک دو دو سطروں میں لکھے جاتے ہیں تاکہ سند رہے کہ انھوں نے عجائب گھر میں کیا دیکھا یا لائبریری میں پہنچ کر کتنی کار آمد کتابیں پڑھیں یا اگر کسی بات کی کمی رہ گئی ہو تو اس کمی کی طرف نشاندہی کی جاتی۔ وہ برنارڈ رسل کی ڈائری بھی ایسا ہی ایک رجسٹر تھی جس میں آنے جانے والے اپنے تاثرات لکھنے لگے تھے اور آئندہ بھی میرے بعد آنے والے اس ڈائری میں لکھتے رہیں گے۔

میں نے رسی کو اٹھا کر پہلے اس کے ایک سرے کو رسونتی کی کمر سے مضبوطی کے ساتھ باندھا پھر دوسرے سرے کو اپنی کمر کے ساتھ باندھ دیا۔ ہم نے کچھ کھانے پینے کی چیزیں اپنی کمر سے اور گردن سے لٹکائیں۔ کارتوس کی پیٹی اور ریوالور کو شانے سے لٹکا لیا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک کھلا ہوا لمبا سا چاقو رکھا۔ اس خیال سے کہ ایک آدھ گدھ ہماری طرف آجائے تو چاقو کام آسکے۔ ریوالور سے فائرنگ کرنے پر دوسرے گدھوں میں اشتعال پیدا ہو سکتا تھا اس لیے میں نے چاقو اپنے ہاتھ میں رکھ لیا تھا۔

پوری طرح تیار ہونے کے بعد میں رسونتی کو لیے ہوئے کھڑکی کے پاس آیا۔ وہاں لکڑی کی جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے جالی کے اندر اپنا ہاتھ ڈال کر اسے کھڑکی سے باہر نکالا۔ نیچے ایک پتھر رکھا ہوا تھا۔ اسے اٹھا لیا پھر ذرا دور اسے پھینک دیا۔ پتھر لڑھکتا ہوا کچھ دور تک گیا پھر رک گیا۔ اس کے لڑھکنے کی آواز پیدا ہوئی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اتنی آواز گدھوں کے اشتعال کا باعث بن سکتی ہے یا نہیں؟ لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی چاروں طرف سناٹا رہا۔ گدھ بالکل خاموش رہے۔

میں نے مطمئن ہو کر کھڑکی کی جالی کو اس کی چوکھٹ سے نکال کر الگ کر دیا۔ پھر چھتری کو اٹھایا۔ اسے لیکر میں اور رسونتی کھڑکی کو پار کرتے ہوئے جھونپڑی کے باہر آ گئے۔ باہر آ کر ہم نے تھوڑی دیر تک گم صم کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ ہمیں ایک آدھ جگہ کچھ گدھ نظر آئے باقی سب کے سب جھونپڑی کے سامنے یا دائیں بائیں طرف تھے۔ ادھر کا راستہ بالکل صاف تھا۔ میں نے احتیاطاً کھڑکی کے دونوں پٹ بند کر دیے تاکہ ہمارے بعد کوئی آئے تو کھڑکی کے راستے گدھ انہیں پریشان نہ کریں۔ آئندہ آنے والوں کی خاطر میں نے رسے کو بھی اسی طرح ستون سے بندھے رہنے دیا۔

ہر طرف سے اطمینان ہونے کے بعد میں نے چھتری کو پوری طرح کھول دیا۔ اس کے ہینڈل کو ایک ہاتھ سے مضبوطی کے ساتھ تھام لیا۔ دوسرے ہاتھ میں چاقو تھا۔ اسی ہاتھ کو میں نے رسونتی کی کمر کے گرد رکھا۔ رسونتی کا ہاتھ بھی میری کمر پر تھا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ جیسے ہی چٹان سے ہم چھلانگ لگائیں گے۔ وہ دونوں ہاتھ میری کمر کے گرد مضبوطی سے باندھ لے گی اور مجھ سے لپٹی رہے گی۔ یہ سب کچھ سمجھانے کے بعد ہم دونوں ایک ایک قدم آہستگی سے آگے بڑھنے لگے۔ ہم رسے سے بندھے ہوئے تھے اس لیے ایک ساتھ چل رہے تھے۔ والٹر، ڈکی اور داستیو کے ڈھانچوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہم چٹان کے آخری سرے پر پہنچ گئے۔ وہاں سے دیکھا تو نیچے بہت گہری کھائی تھی۔ رسونتی نے دہشت سے آنکھیں بند کر لیں "ہائے رام میں مر جاؤں گی۔"

"ہائے اللہ تم نہیں مرو گی"۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "اگر ڈر لگ رہا ہے تو تم بدستور آنکھیں بند کیے رہو۔ صرف میری گنتی سنتی رہو۔ جیسے ہی میں تین کہوں میرے ساتھ چھلانگ لگا دینا۔ اس کے بعد میں تمہیں سنبھال لوں گا۔"

یہ کہتے ہی میں نے گننا شروع کیا "ایک، دو..."

دو کہتے ہی اس نے مجھے زور سے گرفت میں لے کر انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"کیا پاگل ہو گئی ہو۔ یہ غنیمت جانو کہ ابھی تک کوئی گدھ ادھر نہیں آیا ہے۔ تم ایسی ہی حرکتیں کرتی رہو گی تو ہم کھائی میں نہیں پہنچیں گے، گدھوں کی خوراک بن جائیں گے۔ آگے کھائی ہے اور پیچھے موت۔ دانشمندی یہی ہے کہ موت سے پیچھا چھڑانے کے لیے کھائی میں چھلانگ لگا دیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری زندگی باقی ہو۔"

یہ کہتے ہی میں نے پھر سے گننا شروع کیا "ایک، دو... تین"۔ پھر تین کہتے ہی میں نے اسے سختی سے پکڑ کر

گھسیٹتے ہوئے اچانک ہی چٹان کے کنارے سے چھلانگ لگا دی۔ چھلانگ لگاتے ہی رسونتی کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ وہ میری کمر سے اتنی زور سے لپٹ گئی جیسے اپنی آخری طاقت بھی صرف کر رہی ہو۔ میں نے اسے چھوڑ دیا اور چھتری کو مضبوطی سے تھامے رہا۔ ایک ہاتھ میں چاقو بھی تھا۔ اس بات کا ڈر تھا کہ اس کی چیخ سن کر گدھ نہ آ جائیں لیکن خیریت ہوئی۔ چیخ زیادہ دور تک نہیں گئی تھی۔ ویسے ہم بتدریج نیچے چلے جا رہے تھے۔ پہلے چھلانگ لگاتے ہی ہمیں زبردست جھٹکا لگا تھا۔ پھر چھتری نے ہمیں سنبھال لیا تھا۔

رسونتی کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ وہ خوف سے بری طرح تھرتھرا رہی تھی۔ خوفزدہ ہونے سے ہمیشہ کام بگڑ جاتا ہے۔ ایسے وقت حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس میں نہیں تھا۔ اچانک ہی اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑے اور وہ میری کمر کی طرف سے پھسل کر نیچے گئی۔ مجھے ایک جھٹکا لگا میرے ساتھ چھتری کو بھی جھٹکا سا لگا۔ کہیں سے کٹ کی آواز آئی۔ ایسا لگا جیسے چھتری کا کوئی تار ٹوٹ گیا ہو۔ یہ خطرے کی گھنٹی تھی۔ میں نے غصے سے سر جھکا کر دیکھا وہ میری کمر سے بندھی ہوئی رسی کے ذریعے لٹک رہی تھی۔ مجبوراً میں نے چاقو کو اپنی کمر سے لٹکایا، پھر اس ہاتھ سے پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے ڈانٹ کر کہا "یہ کیا حماقت ہے۔ میں تمہیں نیچے پھینک دوں گا۔ تب تم سچ مچ مر جاؤ گی۔ خواہ مخواہ ڈر کر موت سے پہلے مر رہی ہو۔ چپ چاپ میرے ساتھ لپٹی رہو۔ اگر آئندہ ایسی حرکت کی تو میں چاقو سے اس رسی کو کاٹ دوں گا، اور تمہیں اپنے سے الگ کر دوں گا۔ پھر جانتی ہو کس طرح تم سوکھے پتے کی طرح اڑتی ہوئی زمین پر گرو گی؟"

میں نے کسی طرح اسے اپنے جوتوں پر اس طرح کھڑا کیا کہ وہ اپنے دونوں پاؤں میرے پاؤں کے اوپر رکھ کر میرے بالکل سامنے کھڑی رہے۔ میں نے اسے بری طرح ڈانٹ دیا تھا اس لیے وہ رو رہی تھی۔ میں نے کہا "یہ بچوں کی طرح کیا رو رہی ہو۔ مجھ سے فوراً لپٹ جاؤ ورنہ پھر گر پڑو گی۔"

اب رسونتی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اس لیے وہ میری گردن میں باہیں ڈال کر لپٹ گئی۔ پھر روٹھے ہوئے انداز میں بولی "میں تم سے بات نہیں کروں گی۔ نیچے اترنے کے بعد تمہارا میرا راستہ الگ ہو گا۔ آج تک مجھ سے کسی نے اتنے سخت لہجے میں بات نہیں کی۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔ میں تم سے الگ ہو جاؤں گی۔"

میں نے ڈانٹ کر کہا "ٹھیک ہے الگ ہو جانا۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ بولو تو میں رسی کاٹ کر تمہیں الگ کر دوں؟"

اگر ہم چٹان کی بلندی سے رسے کے ذریعے سیدھے نیچے اترتے جیسے ایڈونا اور پروفیسر وغیرہ اتر گئے تھے، تو ہمیں نیچے پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا لیکن ہم پیراشوٹ کے ذریعے اتر رہے تھے اس لیے وہ چھتری ہوا کی زد پر ادھر سے ادھر ڈولتی ہوئی ہمیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہی تھی۔ نیچے کی طرف بہت ہی سست رفتاری سے جاتی تھی۔ ہوا کے دباؤ کی وجہ سے نیچے پہنچنے میں دیر ہو رہی تھی۔

دوپہر کا وقت تھا۔ سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ دھوپ اتنی تیز تھی کہ اس کی روشنی میں آنکھیں نہیں ٹھہرتی تھیں لیکن گرمی نہیں تھی۔ چھتری کے سائے میں ٹھنڈی ہوا لگ رہی تھی۔ ہم چھتری سے جھولتے تقریباً درمیان میں پہنچ گئے تھے۔ آدھا فاصلہ طے کر لیا ہو گا، تب ہمارے کانوں میں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ میں نے کان لگا کر سنا تو بڑے بڑے ڈھول بجنے کی آوازیں تھیں "ڈھم ڈھما ڈھم، ڈھما ڈھم ڈھم ڈھم..."

یہ ایسی آوازیں تھیں جیسے افریقہ کے وحشی قبیلے کے لوگ جشن کے موقع پر رقص کرتے ہوئے ڈھول بجاتے ہیں وہ شاید خوشیاں منا رہے تھے۔ ہاں خوشیاں ہی منا رہے تھے کیونکہ جب میں نے نیچے سر جھکا کر دیکھا تو دور بستی میں حبشیوں کا ایک میلہ سا لگا ہوا نظر آیا۔ ننگ دھڑنگ مرد عورتیں اور بچے تھے۔ کتنے ہی حبشی ہاتھوں میں نیزے لیے رقص کر رہے تھے اور کبھی کبھی اوپر کی جانب ہمیں یوں دیکھ رہے تھے جیسے ہم آسمان سے ان کے لیے تازہ خوراک کی طرح ٹپک رہے ہوں۔

یا خدایا۔ ہم کس خطرناک کھائی میں گرنے والے ہیں۔ یہ کون سی نئی مصیبت ہم پر ٹوٹنے والی ہے۔ چھتری ایک سمت سے دوسری سمت اڑتی جا رہی تھی۔ ان حبشیوں کا میلہ ہم سے تقریباً آدھ میل کے فاصلے پر لگا ہوا تھا۔ ابھی ہم ان سے دور تھے لیکن چھتری کا رخ بتا رہا تھا کہ ہم ادھر ہی جا رہے ہیں۔

میں بے چینی سے کبھی نیچے اور کبھی اوپر چھتری کو دیکھنے لگا۔ وہ ہیلی کاپٹر نہیں تھا۔ ہوائی جہاز نہیں تھا کہ اسٹیرنگ گھما کر راستہ بدل دیا جاتا۔ ہم کسی سڑک پر نہیں دوڑ رہے تھے کہ دوڑتے دوڑتے اپنی جان بچانے کے لیے دوسرا راستہ اختیار

کر لیتے۔ ہم تو ہوا کے رحم و کرم پر تھے اور چھتری بھی اسی ہوا کے زور پر ہمیں ادھر لیے جا رہی تھی۔

اب نیچے کا منظر اور بھی صاف طور سے نظر آ رہا تھا۔ وہ حبشیوں کی بہت بڑی بستی تھی۔ بستی کے عین درمیان ایک بڑا سا ڈھول رکھا ہوا تھا۔ ڈھول نہیں اسے تاشہ کہنا چاہیے۔ اس تاشے کا قطر تقریباً بارہ فٹ اور اونچائی چھ فٹ ہو گی۔ اس ڈھول کے چاروں طرف حبشی بڑے بڑے چوبے لیکر اس کو پوری قوت سے بجا رہے تھے۔ رسونتی نے دہشت کے مارے پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے، ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"جہاں تقدیر لے جا رہی ہے۔"

"میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ فرہاد کسی اور جگہ چلو۔"

"کیا پاگل ہوئی ہو۔ جانا آنا ہمارے بس میں تو نہیں ہے، ہم تو فضا میں معلق ہیں۔ نہ زمین پر ہیں نہ آسمان میں۔ ہمارے بس میں کچھ نہیں ہے۔ یہ چھتری یہ ہوا ہمیں جدھر لے جائے گی ہم ادھر ہی جائیں گے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی چھتری ہمیں اسی تاشے کے اوپر لے گئی اور ٹھیک تاشے کے بیچ میں لے جا کر ہمیں اتار دیا۔ وہ حبشی مرد اور عورتیں سب مل کر چیخ رہے تھے۔ خوشی سے شور مچا رہے تھے۔ چاروں طرف رقص کر رہے تھے اور تاشہ بجانے والے اپنے لمبے چوبوں سے زوردار ضربیں لگا رہے تھے۔ جب اس تاشے کی سطح پر ضربیں پڑتی تھیں تو وہ اتنی زور سے جھنجھناتا تھا کہ ہم اچھل پڑتے تھے۔ ہمارا سارا جسم جھنجھنانے لگتا تھا۔ رسونتی اور زیادہ چیخنے لگی۔ اس کے چیخنے پر چاروں طرف سے قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ میں نے فوراً ہی چاقو سے رسی کو کاٹا پھر رسونتی کو دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا تاکہ وہ تاشے سے اٹھنے والی جھنجھناہٹ سے محفوظ رہے۔

لیکن میں محفوظ نہیں تھا۔ جب بھی تاشے پر ضربیں پڑتی تھیں میں اچھل پڑتا تھا۔ اچھلنے کے دوران مجھے اپنا توازن برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ رسونتی کو بھی سنبھالنا پڑتا تھا۔ گویا کہ میں ان حبشیوں کے لیے رقص کا سماں پیش کر رہا تھا جس پر وہ قہقہے لگا رہے تھے۔ میں نے دوڑتے ہوئے تاشے کے کنارے پر پہنچ کر نیچے چھلانگ لگانے کی کوشش کی تو کتنے ہی نیزوں کی انیاں میری طرف بڑھیں۔ وہ لوگ کبھی نیزہ تانتے تھے اور کبھی آگے بڑھاتے تھے۔ گویا وہ مجھے تاشے سے کود کر نیچے آنے سے روک رہے تھے۔

مجھے مجبوراً تاشے کے درمیانی حصے پر واپس جانا پڑا۔ وہاں میں ادھر سے ادھر اچھلنے لگا۔ ایک بار جی میں آیا کہ ریوالور نکال کر فائرنگ شروع کر دوں لیکن میرے پاس صرف ایک ریوالور تھا اور ایک کارتوس کی پیٹی تھی۔ میں اس سے پوری بستی والوں کو ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کر دوں۔ جہاں تک اچھلنے کا تعلق تھا تو میں قوت ارادی سے کام لے کر بڑی دیر تک ایسا کر سکتا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ایسا کب تک کر سکتا تھا۔ اچانک ہی میری نظر اپنے پیروں پر گئی تو مجھے اپنے جوتے کی نوک سے وہی دو چھوٹے چھوٹے چاقو نکلے ہوتے نظر آئے۔ یہ جو میں مسلسل اچھل رہا تھا تو اچھلنے کے باعث جوتے کے اندر چھپے ہوئے چاقو نکل آئے تھے۔ میں نے سوچا کہ ان چاقوؤں کے ذریعے اس تاشے میں سوراخ کر دوں تاکہ وہ اسے مزید نہ بجا سکیں۔

پھر خیال آیا کہ پتہ نہیں تاشے میں سوراخ کرنے کے بعد ہم اندر گر گئے تو اس تاشے کی گہرائی میں کیا ہو گا۔ یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہیے۔ تب مجھے رشوت دینے کا خیال آیا۔ میں نے رسونتی سے کہا "فوراً اپنی کمر سے بندھے ہوئے کھانے کے ڈبوں کو ان کی طرف پھینکو۔"

یہ کہہ کر میں نے اسے نیچے اتار دیا۔ اس نے اپنی کمر سے بندھے ہوئے کھانے کے ڈبوں کو کھولنا شروع کیا۔ میں نے بھی یہی کیا۔ ہم دونوں نے ڈبے ان کی طرف پھینکنا شروع کر دیے۔ کھانا تھوڑا تھا۔ ان کے درمیان لوٹ مار شروع ہو گئی۔ جو دور کھڑے ہوئے رقص کر رہے تھے وہ مرد اور عورتیں بھی دوڑے چلے آئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔

میں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ہی تاشے کی بلندی سے نیچے چھلانگ لگائی۔ اپنے دونوں ہاتھ رسونتی کی طرف بڑھا دیے۔ رسونتی میرے ہاتھوں کا سہارا لے کر نیچے اتر گئی۔ وہاں سے ہم ذرا دور رہنا چاہتے تھے کہ دوسرے حبشی مردوں اور عورتوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عورتیں رسونتی کے جسم کو ٹٹولنے لگیں، مرد مجھے ٹٹول رہے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ہمارے پاس سے ان کے مطلب کی کوئی چیز برآمد ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تھوڑی دیر بعد انھیں کھانے پینے کی تو کوئی چیز نہ ملی لیکن وہ میرا چاقو اور ریوالور لے گئے اور ہمیں نہتا چھوڑ دیا۔

میں نے رسونتی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور دور دور تک نظریں دوڑانے لگا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں کیا کرنا چاہیے کہاں سے فرار کا راستہ نکالنا چاہیے، جہاں تک ہماری نظریں جاتی تھیں۔ وہاں تک سیاہ فام حبشی نظر آ رہے تھے۔ ان کی شکلیں بڑی ڈراؤنی تھیں۔ موٹے موٹے ہونٹ، عجیب سے بھتنے جیسے چہرے، چہرے

پر ابھری ہوئی ہڈیاں، پھر سیاہ چہرے کے پس منظر میں سفید سفید چمکتے ہوئے دانت بڑے ہی بھیانک لگتے تھے۔ رسونتی انھیں دیکھ کر خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

میں اسے ایک جھونپڑی کے برآمدے میں لے آیا تاکہ وہ دوسروں سے ذرا الگ رہے۔ اسی وقت نیزہ بردار حبشیوں نے آ کر ہمیں گھیر لیا۔ پھر نیزے کی انی سے اشارہ کرتے ہوئے ہمیں ایک طرف چلنے کے لیے کہا گیا۔ ہم ان کے اشارے کے مطابق آگے بڑھ گئے۔ رسونتی مجھ سے لپٹی ہوئی تھی اور میں اسے ایک بازو کا سہارا دیے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک اونچے ٹیلے پر پہنچ کر ہمیں رکنے کے لیے کہا گیا۔ وہاں لکڑی کا ایک موٹا سا ستون تھا۔ وہ لوگ رسی سے ہمیں اس ستون کے ساتھ باندھنے لگے، اس طرح کہ میری اور رسونتی کی پیٹھ ایک دوسرے سے لگی ہوئی تھی۔ ہمارے درمیان وہ ستون تھا۔ ہم ایک دوسرے کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ صرف ایک دوسرے کی آوازیں سن سکتے تھے اور باتیں کر سکتے تھے۔ وہ رونے کے انداز میں بولی "فرہاد! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہمیں کس گناہ کی سزا مل رہی ہے؟ ہم کب تک ایسی مصیبتیں اٹھاتے رہیں گے؟"

میں نے اسے تسلیاں دیتے ہوئے کہا "رسونتی ذرا حوصلے سے کام لو۔ چونکہ تمھاری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں چھن گئی ہیں اس لیے تم ہمت ہار رہی ہو۔ ایک طرح سے میرے پاس بھی جیسے ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں نہیں ہیں، اگر ہیں بھی تو بالکل بے کار ہیں۔ یہاں انھیں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ میں بھی ہر طرح سے نہتا ہوں۔ میں مصیبتوں کے وقت یہ نہیں سوچتا کہ یہ میرے گناہ کی سزا ہے۔ اس لیے میں حوصلے سے کام لیتا ہوں۔ میری جان جو مصیبتیں ہم انسانوں پر آتی ہیں یہ ہماری آزمائش کے لیے ہوتی ہیں، ہمارا حوصلہ بڑھانے کے لیے ہوتی ہیں۔ ہمیں زندگی کے تجربات سکھانے کے لیے ہوتی ہیں۔ تم صبر سے کام لو اگر ہمیں مرنا ہو گا تو ہم کہیں بھی مر جائیں گے اور ہمارے مقدر میں زندگی ہو گی تو یقین کرو سوائے خدا کے کوئی ہمیں نہیں مار سکے گا۔"

جہاں ہمیں باندھا گیا تھا اس کے ایک طرف چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں۔ بائیں طرف جب میں سر گھما کر دیکھتا تو اس اونچے ٹیلے سے پوری بستی نظر آتی تھی۔ ہمارے قریب ہی بائیں طرف وہی بڑا گول تاشہ تھا جس پر ہم آسمان سے اترے تھے۔ تاشے کے دوسری طرف ایک بہت بڑا بت بنا ہوا تھا۔ وہ بت آدھا انسان تھا اور آدھا حیوان۔ وہ اس بت کی پوجا کرتے تھے اور اس کے سامنے رقص کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کرتے تھے۔

ان رقص کرنے والوں میں ایک نہایت ہی بدصورت حبشی اپنے دونوں ہاتھوں میں ایک بڑے سے زہریلے سانپ کو اٹھائے ہوئے تھا اور اسے اٹھا کر ادھر ادھر رقص کر رہا تھا۔ وہ سانپ اس کے ہاتھوں میں بل کھا رہا تھا۔ پھر اس نے سانپ کو اپنی گردن پر رکھ لیا۔ ہم دہشت زدہ ہو کر دیکھ رہے تھے، وہ سانپ اس کے جسم کے اطراف لپٹ رہا تھا اور وہ مستی میں آ کر رقص کرتا ہوا ہماری طرف چلا آ رہا تھا۔ رسونتی نے خوفزدہ ہو کر کہا "فرہاد! یہ تو ہماری طرف آ رہا ہے۔"

وہ لوگ ایک مخصوص تال پر ڈھول اور تاشے بجا رہے تھے اور وہ سانپ والا اسی تال پر رقص کرتا ہوا ہمارے قریب آ گیا تھا۔ اب وہ سانپ کے منہ کو اپنے ایک ہاتھ کی گرفت میں لے کر کبھی اس سانپ کو میری طرف لاتا تھا اور کبھی رسونتی کی طرف لے جاتا تھا۔ تب رسونتی ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگتی تھی۔ میں چیخ چیخ کر کہتا تھا "یہ کیا ظلم ہے؟ یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ آخر ہم سے کیا چاہتے ہو؟ کوئی تم لوگوں میں ایسا ہے جو ہماری بات سمجھتا ہو تو ہم سے آ کر بات کرے۔ ہم بے قصور ہیں۔ ہم نے تم لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑا ہے۔"

میں رسونتی کی حفاظت کے لیے بس اسی طرح چیخ سکتا تھا، لیکن ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔ ہم دونوں ہی ستون سے اتنی مضبوطی کے ساتھ باندھے گئے تھے کہ ہلنے کی گنجائش نہیں تھی۔ کوئی ہماری آواز نہیں سن رہا تھا۔ نہ ہی رسونتی کی چیخ پکار کا کوئی اثر ہو رہا تھا۔ اگر وہ ہماری آواز سنتے بھی تو ہماری زبان نہیں سمجھ سکتے تھے اور ہمیں ان کی حرکتیں سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں کہ آخر وہ ہم سے چاہتے کیا ہیں۔

میرا غصہ اور جنون انتہا کو پہنچ رہا تھا۔ میں رسیاں توڑنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ رسونتی کی ہسٹریائی چیخیں میری برداشت سے باہر تھیں۔ میں جانتا تھا کہ وہ سانپ والا تھوڑی دیر اور رسونتی کو دہشت زدہ کرے گا تو وہ بے ہوش ہو جائے گی یا دہشت سے مر جائے گی اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

رسیاں توڑنے کے جنون میں مجھے اس بات کا ہوش نہیں رہا تھا کہ وہ مضبوط اور ناقابل شکست رسیاں میرے بدن کے گوشت میں گڑ رہی ہیں۔ میرے دونوں پاؤں اتنی مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے کہ میں انھیں حرکت دے کر اپنے جوتے کی نوک سے خفیہ چاقو کو نہیں نکال سکتا تھا اور نہ ہی ان سے رسیاں کاٹ سکتا تھا۔ میں بہت ہی بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

پھر اچانک ہی ایک سرے سے دوسرے سرے تک خاموشی چھا گئی۔ ایسا لگا کہ جیسے وہ سب چابی سے چلنے والے کھلونے تھے۔ ایک ساتھ چلائے گئے تھے اور ایک ساتھ روک دیے گئے تھے۔ سب پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر رہا تھا۔ پھر کسی کی آواز ابھری، کوئی کچھ کہہ رہا تھا۔

میں نے دائیں طرف سر گھما کر دیکھا تو اس بت کے سامنے ایک لمبا تڑنگا، کالا کلوٹا حبشی کھڑا ہوا تھا۔ اس کے سر پر ایک ہانڈی اوندھی رکھی ہوئی تھی۔ اس ہانڈی پر رنگ برنگے پھول بنے ہوتے تھے۔ گویا کہ وہ ہانڈی اس کے سر کا تاج تھی اور وہ وہاں کا

سردار یا بادشاہ تھا۔ وہ اپنی زبان میں کچھ بول رہا تھا۔ وہ زبان بھی ایسی ہی تھی جیسے ایک ہانڈی میں چھوٹے چھوٹے پتھر رکھ کر ہلاتے جا رہے ہوں اور اس میں سے گڑبڑ گڑبڑ کی آوازیں آرہی ہوں۔ بس ایسی ہی بولی وہ بول رہا تھا۔

اس نے کچھ دیر بکواس کرنے کے بعد دور ایک جھونپڑی کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔ میں نے اس جھونپڑی کی طرف دیکھا تو اس کا دروازہ کھل گیا تھا۔ پھر وہاں سے ایک انگریز باہر نکلا وہ سیاہ لباس میں تھا۔ گلے میں پڑی ہوئی ننھی سی زنجیر کے ساتھ ایک صلیب لٹک رہی تھی۔ اس کے حلیے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کوئی عیسائی راہب ہے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے ہماری طرف آرہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے دو حبشی نیزہ اٹھائے چل رہے تھے۔

وہ حبشی جو سانپ اٹھائے ہمارے پاس کھڑا تھا پیچھے چلا گیا۔ راہب ہمارے نزدیک چلا آیا۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "کیا تم اوپر اس چٹان سے آتے ہو جہاں ایک جھونپڑی میں خزانہ رکھا ہوا ہے؟"

میں نے جواب دیا "ہاں ہم وہیں سے آتے ہیں۔"

"کیا تم وہاں سے اپنے ساتھ خزانہ نہیں لائے ہو؟"

"نہیں۔ ہم لالچی نہیں ہیں۔ ہمیں صرف اپنی زندگی سے پیار ہے۔ خزانے سے نہیں۔"

وہ بولا "جب تم اس عورت کے ساتھ چھتری کے ذریعے یہاں اترے تھے، اسی وقت یہاں سے کچھ لوگ اس چٹان کی طرف گئے تھے جہاں یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ تم نے بھی خزانے سے بھرا ہوا صندوق اتارا ہوگا لیکن وہاں انھیں اس خزانے کا ایک قیمتی پتھر بھی نہیں ملا۔ اگر مل جاتا تو تمھیں اور تمھاری عورت کو اس سانپ سے ڈسوا دیا جاتا۔ پھر تم ایک طویل بے ہوشی میں مبتلا ہو جاتے۔ تم سے پہلے آنے والوں کے ساتھ یہی ہوا، جو خزانے کے ساتھ آتے وہ سانپ کے زہر سے نہ بچ سکے حالانکہ وہ زندہ ہیں لیکن زندگی ان پر عذاب ہے۔"

میں نے پوچھا "کیا ایڈونا اور پروفیسر برنارڈ رسل زندہ ہیں؟ کیا وہ یہاں موجود ہیں؟"

راہب نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا میری طرف سے پلٹ کر بہت دور کھڑے ہوتے سردار کے روبرو ہو گیا پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے ان کی زبان میں زور زور سے کچھ کہنے لگا۔ جواب میں سردار نے بھی کچھ کہا۔ وہ راہب پھر ہماری طرف پلٹ کر اس کی ترجمانی کرنے لگا "سردار پوچھتا ہے کہ اس عورت سے تمھارا کیا رشتہ ہے؟"

میں نے جواب دیا "یہ میری شریکِ حیات ہے۔"

"تمھاری شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟"

"ہماری شادی کو پورے چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔"

راہب نے میرے قریب آکر رازدارانہ انداز میں کہا "صرف چوبیس گھنٹے گزرے ہیں کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا۔ سردار کو یقین دلا دو کہ تمھارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر جانتے ہو کیا ہوگا؟"

میں نے پوچھا "کیا ہوگا؟"

"تمھاری جان بچ جائے گی تمھیں فوراً ہی آزاد کر کے یہاں سے جانے کا حکم دے دیا جائے گا۔ صرف اس عورت کو روک لیا جائے گا۔"

میں نے غصے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا "میں اپنی عورت کو کسی حال میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ یہ میری شریکِ حیات ہے۔ تم فضول باتیں نہ کرو۔"

"جو تمھارے لیے فضول باتیں ہیں وہ ان جنگلی درندوں کے لیے اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر ایسی کوئی حسین لڑکی انھیں بالکل کنواری مل جائے تو یہ اپنے دیوتا کے سامنے اس کی قربانی دیتے ہیں تاکہ دیوتا ان سے خوش رہے، اگر وہ کنواری نہ ہو تو اس حسین عورت کو سردار کی داشتہ بنا دیا جاتا ہے اور اس کے مرد کو ایسی جگہ قید کر دیا جاتا ہے جہاں سے وہ کبھی رہائی حاصل نہیں کر سکتا، وہ وہیں مر جاتا ہے۔ میں تمھیں نیک مشورہ دیتا ہوں۔ تمھاری نجات اسی میں ہے اپنی جان بچا کر یہاں سے نکل جاؤ۔"

"میں جواب دے چکا ہوں۔ میں اپنی عورت کے ساتھ جان دے سکتا ہوں لیکن اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

راہب پلٹ کر جنگلیوں کی زبان میں اس سردار سے میرے اور رسونتی کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ رسونتی نے مجھے مخاطب کیا "فرہاد! میں ایک معمولی عورت رہ گئی ہوں۔ میرے پاس کوئی صلاحیت نہیں ہے، میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ، میرے نصیب میں جو ہوگا وہ میں بھگت لوں گی۔"

"ابھی تم سانپ کو دیکھ کر ڈر رہی تھیں۔ موت کو قریب دیکھ کر چیخیں مار رہی تھیں اور اب خود کو موت کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہو۔"

"ہاں۔ اس جنگلی سردار کی داشتہ بن کر زندہ رہنا بھی تو موت سے کم نہیں ہوگا۔ میری موت سے اگر تمھیں آزادی مل سکتی ہے تو میں موت کو گلے لگانے کے لیے تیار ہوں۔ بہت سے لوگوں کو بھی تمھاری ضرورت ہے۔ میری موت کے بعد تم بہ آسانی یہاں سے جا سکتے ہو۔ سونیا، مرجانہ اس کی امی اور نہ جانے کتنے لوگوں کے کام آسکتے ہو۔ میری خاطر خود کو خطرات میں نہ ڈالو یہ لوگ کوئی رعایت نہ کریں گے، اگر مارنا ہوگا تو ایک جھٹکے میں زندگی چھین لیں گے۔ فرہاد میں تم سے التجا کرتی ہوں چلے جاؤ میری

خاطر چلے جاؤ۔ دنیا والوں کے کام آنے کی خاطر چلے جاؤ۔ مگر چلے جاؤ۔"

میں جواب میں کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ وہ راہب ہماری طرف پلٹ گیا تھا۔ اور جنگلیوں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد ہی دو آدمی ہماری طرف بڑھے پھر ہماری رسیاں کھولنے لگے۔ میں نے اطمینان کی سانس لی۔ ہم دونوں کو رسیوں سے آزاد کر دیا گیا۔ راہب نے حکم دیا "میرے پیچھے آؤ۔"

میں نے رسونتی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ راہب آگے رہ گیا تھا۔ ہم اس کے پیچھے چلنے لگے۔ ہمارے آس پاس چند حبشی تھے جو نیزے اور تلوار نما چھرے اٹھائے ہوئے تھے۔ ہم ایک جھونپڑی کی طرف جا رہے تھے۔

اس جھونپڑی کے سامنے پہنچ کر راہب رک گیا۔ ہم بھی رک گئے۔ پھر اس نے کہا "تم اپنی عورت کو چھوڑ کر دس قدم دور چلے جاؤ۔"

یہ سنتے ہی رسونتی مجھ سے لپٹ گئی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی "نہیں فرہاد! مجھے نہ چھوڑنا نہیں تو میں مر جاؤں گی۔"

میں نے راہب سے کہا "آپ کو یسوع مسیح کا واسطہ میری عورت کو مجھ سے جدا نہ کریں، یہ بہت ڈرپوک اور کمزور ہے میرے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

اس نے کہا "مجھے قسم نہ دو۔ میں مجبور ہوں۔ اگر ان کے حکم پر عمل نہیں کروں گا تو تمھارے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔ ہماری بھلائی کا یہی ہے کہ یہ جیسا کہتے ہیں ہم ویسا ہی کریں۔"

یہ کہہ کر اس نے جنگلیوں کی زبان میں کچھ کہا جسے سنتے ہی چند حبشیوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ کر زبردستی رسونتی سے الگ کیا اور دور لے جا کر کھڑا کر دیا۔ وہ رونے اور چیخنے لگی۔ میرے کبھی پڑھنے والے جانتے ہیں کہ میں مصیبتوں سے کبھی نہیں گھبراتا لیکن رسونتی نے مجھے گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اسے کیسے تسلیاں دوں۔ ویسے جتنا میں اس کی خاطر سے پریشان ہو رہا تھا، اس سے اتنی ہی محبت بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک احساس تھا کہ اتنی بڑی دنیا میں ایک ایسی عورت ہے جو صرف میرے سہارے زندہ ہے اور صرف میرے ہی سہارے رہنا چاہتی ہے۔ میرے بغیر اس مصیبت سے نجات حاصل نہیں کر سکتی۔ سونیا اور مرجانہ ہوتیں تو میرا سہارا کم ہوتا ان کو اپنے آپ پر اعتماد زیادہ ہوتا۔ رسونتی کا تمام اعتماد صرف مجھ پر تھا۔

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "رسونتی! خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ تم ہمت ہارتی رہو گی تو میری پریشانیاں بڑھتی رہیں گی۔ اتنا تو تمھیں سوچنا چاہیے کہ دنیا والے جسمانی طور پر ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر سکتے ہیں لیکن ہمارے دل ایک ہیں اور دماغ بھی ایک ہے۔ میں جب چاہوں گا تمھارے دماغ میں پہنچ کر تمھارے قریب آجاؤں گا۔ اس وقت بھی میں تمھارے پاس ہوں۔ خاموش ہو جاؤ۔"

یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اب وہ اپنے آپ میں نہیں تھی، میں اس میں تھا۔ اس لیے وہ خاموش رہی جب وہ حبشی مجھے گھسیٹ کر ایک طرف لے جانے لگے تو مجھے مجبوراً اپنے پیروں پر چلنے کے لیے اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہونا پڑا۔ میں نے رسونتی سے کہا "دیکھو ابھی میں تمھارے دماغ میں تھا تو تم پرسکون تھیں۔ بس اسی طرح خاموش اور سکون سے رہو۔ میں تمھارے دماغ میں ہر لمحہ جھانکتا رہوں گا۔ ذرا یہ تو دیکھ لوں کہ یہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔ میں ابھی تمھارے پاس واپس آتا ہوں۔"

میں اسے بہت ساری تسلیاں دیتا رہا اور ان حبشیوں کے درمیان قیدی بن کر چلتا رہا۔ دور ایک جھونپڑے کے پاس لے جا کر انھوں نے اس کا دروازہ کھولا پھر مجھے اندر دھکیل دیا۔ اس جھونپڑے کے اندر کچھ لوگ نظر آئے۔ میں نے ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ سوچا کہ جب ان کی طرف سے کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوگا یا نقصان پہنچ رہا ہوگا تب توجہ دوں گا۔ لہٰذا جھونپڑی کے اندر فرش پر گرتے ہی میں رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔

ٹھیک اسی وقت اسے بھی کسی دوسری جھونپڑی میں پہنچا دیا گیا تھا۔ میں نے کہا "گھبراؤ نہیں۔ میں تمھارے پاس ہوں۔ حوصلہ رکھو۔"

وہ جھونپڑی کے اندر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ وہاں پانچ عورتیں تھیں۔ جن میں سے ایک عورت ایشیائی معلوم ہوتی تھی۔ دوسری نیگرو تھی۔ یعنی ہم جن حبشیوں کے درمیان آپھنسے تھے وہ انھی کی قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ پتہ نہیں اسے کیوں قید کیا گیا تھا۔ باقی تین عورتیں انگریز تھیں اور وہ تینوں ان دو عورتوں سے الگ اپنی ایک ٹولی بنا کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب رسونتی وہاں داخل ہوئی تو پہلے وہ تین عورتیں خوش ہوئیں کیونکہ رسونتی اسکرٹ اور بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت بھی اتنی اجلی اور گلابی گلابی تھی کہ انگریز لگتی تھی لیکن جب اس کے سر کے بالوں پر نظر پڑی اور گھنے بالوں کی چوٹی دکھائی دی تو انھوں نے حقارت سے منہ بنایا۔ ایک عورت نے کہا "آگئی قربانی کی بکری۔"

دوسری نے کہا "ہاں، کنواری معلوم ہوتی ہے۔ ضرور دیوتا کے سامنے اس کی گردن کاٹی جائے گی۔"

"اس نے دو چوٹیاں گوندھ رکھی ہیں۔ یہ ریڈ انڈین ہوگی یا میکسیکن۔"

پھر پہلی نے کہا "اونہہ۔ اسپین کی لڑکیاں بھی ایسی ہی دو چوٹیاں بناتی ہیں اور ایشیا میں تو ایسا ہوتا ہی ہے۔ مگر اس کی چمڑی ہماری جیسی ہے۔ یہ ایشیائی نہیں معلوم ہوتی۔"

ایک اور نے کہا "ہم آپس میں خواہ مخواہ بحث کر رہی ہیں۔ اس سے پوچھ لیتے ہیں۔ اے! کیا تم انگریزی جانتی ہو؟ کہاں سے آرہی ہو؟"

رسونتی نے پوچھا "تم ملک، قوم اور زبان کے متعلق کیوں پوچھ رہی ہو؟ کیا تم لوگوں کے نزدیک انسان ہونا کافی نہیں ہے؟ یہاں ہم پر کیسی مصیبتیں آئی ہوئی ہیں۔ نہ تو کوئی ہماری زبان سمجھتا ہے اور نہ ہی کوئی ہماری قومیت کی پروا کرنے والا ہے۔ آثار بتا رہے ہیں کہ یہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ان حالات میں بھی تم سب ایک دوسرے سے دُور بیٹھی ہوئی ہو۔ اگر میں کہہ دوں کہ میں انگریز نہیں ہوں تو شاید تم لوگ مجھے بھی دھتکار کر ان دو عورتوں کے پاس بھیج دو گی۔"

وہ تینوں ہنسنے لگیں۔ پھر ایک نے کہا "مصیبت تم پر آئی ہوئی ہے، ہمارے لیے کوئی مصیبت نہیں ہے۔ اتنا ہم جانتی ہیں کہ یہ ہمیں جان سے نہیں ماریں گے کیونکہ انھیں خوبصورت عورتیں نہیں ملتی ہیں اور ہم اتنی خوبصورت ہیں کہ ان حبشیوں کے تمام ہتھیار کند ہو جائیں گے۔"

رسونتی نے ناگواری سے انھیں دیکھتے ہوئے پوچھا "تم میں سے ایڈونا کون ہے؟"

ایک نے پوچھا "یہ ایڈونا کیا بلا ہوتی ہے؟ اگر کسی کا نام ہے تو کیا وہ تمھاری ماں ہے؟"

رسونتی بھڑک گئی۔ وہ غصے میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ میں نے اسے روک دیا "نہیں رسونتی! نہیں، یہ ایسی عورتیں نہیں ہیں کہ ان کے منہ لگا جائے۔ میں ابھی انھیں سزا دے سکتا ہوں۔ مگر کیا فائدہ؟ ابھی ہمیں اپنے مسائل پر غور کرنا ہے اور سہولت سے یہ سوچنا ہے ہم یہاں سے کیسے نکل سکتے ہیں۔ اس لیے دماغ کو زیادہ سے زیادہ پر سکون رکھنے کی کوشش کرو۔ جاؤ ان دو عورتوں کی طرف چلی جاؤ۔"

وہ ان عورتوں کی طرف گئی۔ ایک عورت فرش پر لیٹی ہوئی تھی، دوسری نیگرو عورت اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ جب رسونتی ان کے قریب جا کر دو زانو ہوگئی تو نیگرو عورت نے اشارے سے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس عورت کی طرف اشارہ کیا جو لیٹی ہوئی تھی۔ رسونتی نے اپنا ہاتھ اس لیٹی ہوئی عورت کے ماتھے پر رکھا تو پتہ چلا کہ اسے کافی تیز بخار ہے۔ میں نے کہا "تم اس بیمار عورت کو تسلیاں دو، میں ذرا اپنے ماحول کو سمجھ کر پھر تمھارے پاس آؤں گا۔"

یہ کہہ کر میں دماغی طور پر اپنی جھونپڑی میں حاضر ہوگیا۔ سب مجھے خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ میں چند منٹ تک ان کے سامنے سر جھکائے کھڑا رہا تھا کیونکہ رسونتی سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھا۔ اس دوران کسی نے شاید مجھے مخاطب بھی کیا تھا لیکن میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ گم صُم ایک پتھر کے مجسمے کی طرح تھا۔ وہ تعجب سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

جب میں دماغی طور پر حاضر ہوا تو مجھے وہاں تین آدمی نظر آئے۔ ایک تقریباً پچاس برس کا بوڑھا ہوگا باقی دو جوان تھے۔ ان میں سے ایک نیگرو تھا۔ بوڑھے نے پوچھا "کیا آپ اتنی دیر سے ساکت کھڑے ہوئے کوئی منتر پڑھ رہے تھے۔ میں نے آپ کو مخاطب کیا تھا۔ کیا اب بھی آپ منہ سے نہیں بولیں گے؟"

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا، پھر پوچھا "کیا آپ پروفیسر برنارڈ رسل ہیں؟"

وہ حیرانی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا پھر بولا "کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ ہمیں کیسے پہچانتے ہیں؟"

"میں اسی جگہ سے آرہا ہوں جہاں سے آپ آئے ہیں۔ میں نے آپ کی وہ ڈائری پڑھی ہے۔"

وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ جو نوجوان تھا وہ موزیک تھا۔ موزیک اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔ میں نے کہا "میں جانتا ہوں تمھارا نام موزیک ہے۔ تم نے پروفیسر کے ساتھ آخر وقت تک وفاداری کی ہے۔"

موزیک نے کہا "ہم لوگ یہاں اس کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔ تم ایک عورت کے ساتھ چھتری کے ذریعے نیچے اترے ہو۔ ہم حیران تھے کہ آخر آسمان کے کس حصے سے آرہے ہو۔ ویسے اگر اس جھونپڑی سے آتے تو تمھارے ساتھ تھوڑا بہت خزانہ ضرور ہوتا۔"

میں نے جواب دیا "میری بیوی ایسے خزانے کو ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہتی تھی جس کے لیے لوگ خواہ مخواہ اپنی قیمتی جانیں ضائع کر رہے تھے۔"

پروفیسر نے حیرانی سے کہا "تعجب ہے کہ آپ کی بیوی نے ایسا سوچ لیا۔ ورنہ دنیا جہان کی عورتیں تو سونا چاندی، ہیرے موتی کے لیے جان دیتی ہیں۔ اب اس ایڈونا ہی کو لے لو۔۔۔۔"

وہ اپنی بات مکمل نہ کرسکا۔ اسی وقت باہر سے ایک عورت کے زوردار قہقہے لگانے کی آواز سنائی دی۔ پروفیسر نے کہا "ذرا اس کھڑکی کے پاس جا کر دیکھو تمھیں ایڈونا نظر آئے گی۔"

میں فوراً ہی کھڑکی کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں سے باہر کا وہی کھلا میدان نظر آرہا تھا۔ جہاں ان کے دیوتا کا بڑا مجسمہ رکھا ہوا تھا اور میدان کے وسط میں وہی بڑا سا تاشہ تھا جس پر ہم فضا میں اڑتے ہوئے آگرا تے رہے تھے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا ایڈونا نظر نہیں آرہی تھی لیکن اس کے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ تمام حبشی ہاتھوں میں نیزے لیے ہوئے چپ چاپ کھڑے ہوئے تھے۔ اب کوئی تاشے کو بھی نہیں بجا رہا تھا۔ پھر میری نظریں دیوتا کے کھلے ہوئے منہ کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں مجھے ایڈونا نظر آئی۔ وہ اس مجسمے کے منہ کے اندر تھی۔ اِدھر سے اُدھر لہراتے ہوئے ڈگمگاتے ہوئے قہقہے لگا رہی تھی۔ دیوتا کی لانبی سی زبان منہ سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ وہ اس زبان پر بیٹھ کر پھسلتی ہوئی اس مجسمے کی گود میں آکر گر پڑی، پھر وہاں سے اٹھ کر ہنسنے لگی، اپنے کپڑے نوچنے لگی۔ اب وہ کہہ رہی تھی "میں اپنے بدن کے کپڑے بھی تم لوگوں کو دے دوں گی مگر مجھے میرا خزانہ واپس کر دو، میری بوٹی بوٹی کاٹ لو۔ میں اپنے جسم کا ایک ایک حصہ تمھارے حوالے کر دوں گی مگر مجھے وہ خزانہ اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اپنی جان دے کر بھی اسے حاصل کروں گی۔ جب میں مرنے لگوں تو آخری دم اس خزانے کو میری آنکھوں کے سامنے رکھنا۔ نہیں تو میرا دم نہیں نکلے گا۔ میرا خزانہ۔۔۔ میرا خزانہ۔۔۔ ہاہا۔۔۔ ہاہا۔۔۔"

اب اس کے قہقہے کے ساتھ تاشے اور ڈھول بجنے لگے۔ ڈم۔۔۔ ڈم، ہاہا۔۔۔ ہاہا۔۔۔ ایک بار اس کے قہقہے گونجتے تھے دوسری بار ڈم ڈم کی آواز آتی تھی۔ اسی ترتیب سے کبھی قہقہے اور کبھی ڈھول اور تاشے کی آواز گونجنے لگی۔ پھر وہ دیوتا کی گود سے اتر کر رقص کرتی ہوئی ڈھول بجانے والوں کے پاس آئی اور بڑی تیزی سے تھرکتے ہوئے رقص کا مظاہرہ کرنے لگی۔ ان کے درمیان اپنے خزانے کا مطالبہ کرنے لگی۔ وہ لوگ جوش میں آکر زور زور سے ڈھول بجا رہے تھے۔ وہ اتنی ہی تیزی سے رقص کرتی جا رہی تھی، آخر وہ بے دم ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اس کے گرتے ہی کتنے ہی حبشی اس پر پل پڑے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے گُڑ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر کتنے ہی چیونٹے آکر گر پڑے ہوں۔ اب وہ گڑ کا ٹکڑا نظر نہیں آرہا تھا۔ چیونٹے ہی چیونٹے نظر آرہے تھے۔

میں نے کھڑکی کی طرف سے پلٹ کر پوچھا "کیا آپ لوگوں نے یہ تماشہ نہیں دیکھا ہے؟"

پروفیسر نے کہا "ہم اکثر یہ تماشہ دیکھتے ہیں۔ جس دن ایڈونا چپ چاپ رہتی ہے، اپنے خزانے کا مطالبہ نہیں کرتی، اس دن کوئی اسے نہیں چھیڑتا۔ جب مطالبہ کرتی ہے اور اس طرح پاگل پن کا مظاہرہ کرتی ہے تو سب لوگ چیونٹے کی طرح اسے نوچ کھسوٹ کر رکھ دیتے ہیں۔"

میں نے پوچھا "ان لوگوں نے ایڈونا کو آزاد کیوں چھوڑ رکھا ہے؟"

"اس لیے کہ وہ اکیلی اس بستی سے فرار نہیں ہو سکے گی۔ ان جنگلیوں نے اس کے مزاج کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ وہ اٹھتے بیٹھتے صبح و شام خزانے کا مطالبہ کرتی رہتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ عورت اپنی جان دے دے گی لیکن خزانے کو چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ اسی لیے وہ لوگ اس کے پاگل پن سے محظوظ ہوتے ہیں اور اسے وقتاً فوقتاً نوچتے کھسوٹتے رہتے ہیں۔"

نیگرو نوجوان نے میرے قریب آکر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "میرا نام جمبورا ہے۔ آپ نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا۔"

میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "صرف نام بتا دینے سے تو تعارف نہیں ہوتا۔ کچھ آگے بھی بتاؤ۔ تم یہاں پر کس لیے قید کیے گئے ہو؟ یہ تمام نیگرو تو تمھارے ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں؟"

وہ بولا "ہاں۔ قبیلہ الگ الگ ہوتا ہے مگر قوم ایک ہی ہے۔ ہم سب نیگرو ہیں لیکن میں دوسرے قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں۔ یہاں کی ایک حسین لڑکی گودی میری محبوبہ ہے۔ ہم دونوں یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس قبیلے کے سردار نے اپنی بیٹی کو تعلیم چھڑا کر یہاں بلا لیا۔ میں اس کے عشق میں دیوانہ ہوں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ میں نے آکر اس کا مطالبہ کیا تو یہ بات سردار کو بُری لگی۔ اس لیے کہ وہ اس کی شادی یہاں کے سردار سے کرنا چاہتا ہے۔"

میں نے پوچھا "جب وہ یہاں کا سردار ہے تو پھر دوسرا سردار کیا معنی؟"

اس نے جواب دیا "یہاں تمام قبیلوں کا ایک سب سے بڑا سردار ہوتا ہے۔ وہ سردار ایسا ہے کہ ہمارے قبیلے والے بھی اس کے آگے جھکتے ہیں۔ پہلے اس کی مرضی دیکھی جاتی ہے کہ وہ کس لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ گودی اتنی حسین ہے کہ وہ سردار اسے اپنے لیے منتخب کرے گا اور جب وہ اسے اپنے لیے پسند کرے گا تو مجھے اس سردار سے مقابلہ کرنا ہوگا، میں جیت گیا تو گودی مجھے مل جائے گی، ہار گیا تو اس کے ہاتھوں مارا جاؤں گا۔ جب تک یہ مقابلہ نہیں ہوگا اس وقت تک مجھے یہاں قیدی بنا کر رکھا گیا ہے۔"

میں نے پوچھا "تمھاری گودی کہاں ہے؟"

وہ بولا "اسے دوسری عورتوں کے ساتھ الگ جھونپڑی

میں قید کیا گیا ہے۔"

میں سمجھ گیا کہ وہ وہی نیگرو عورت ہے جسے ابھی رسونتی نے دیکھا ہے۔ میں نے پوچھا "کیا تمھاری گودی نے یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی ہے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

میں نے کہا "تو پھر وہ میری بیوی سے انگریزی میں باتیں کیوں نہیں کرتی۔ اشارے میں کیوں بول رہی تھی؟"

"میری گودی عجیب ہے۔ جب تک کوئی اجنبی مرد یا عورت اسے پیار سے مخاطب نہ کرے، اس سے محبت سے باتیں نہ کرے اس وقت تک وہ کسی سے نہیں بولتی۔ تمھاری بیوی سے اسے پیار ملے گا تو وہ اس کے قدموں کی دھول بن جائے گی۔ اس کے دل میں اتنی محبت بھری ہے کہ سمندر میں بھی اتنا پانی نہیں ہوگا۔ میری گودی دنیا سے نرالی ہے۔"

وہ بولتے بولتے چونک گیا۔ پھر اس نے پوچھا "مسٹر! تم سب مجھے یہاں لا کر قید کیے گئے ہو اور یوں بھی ہم مردوں کو اپنی عورتوں کے پاس دوسری جھونپڑی میں جانے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ تمھیں کیسے معلوم ہو گیا کہ میری گودی نے تمھاری بیوی سے اشاروں میں بات کی تھی؟"

میں نے مسکرا کر کہا "میرے پاس کچھ ایسا علم ہے کہ مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔"

اس نے کہا "آپ اپنا تعارف نہیں کرائیں گے؟"

"میرا نام فرہاد علی تیمور ہے۔ وہ جو میری بیوی ہے اس کا نام رسونتی ہے۔"

یہ سنتے ہی وہ تینوں کے تینوں ایک دم سے چونک کر مجھے تکنے لگے، ایک قدم پیچھے ہٹ کر میرے سراپا کا جائزہ لینے لگے۔ پروفیسر نے انکار میں سر ہلا کر کہا "ہمیں یقین نہیں آرہا ہے کہ ہم اپنے سامنے فرہاد علی تیمور کو دیکھ رہے ہیں۔"

جمبو نے فوراً ہی ایک قدم آگے بڑھ کر میرے آگے گھٹنے ٹیک دیے۔ وہ میرا ہاتھ تھام کر بولا "میں یقین کرتا ہوں۔ ابھی آپ نے میری گودی کے متعلق معلوم کیا تھا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ آپ فرہاد صاحب ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اب مجھے یقین ہے کہ میں اس ظالم سردار سے مقابلہ کر سکوں گا۔ آپ ضرور میری مدد کریں گے۔"

"تمھارا بدن فولادی ہے۔ تم جوان مرد ہو۔ کس قسم کی مدد چاہتے ہو؟"

وہ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوتے بولا "میں اس سردار سے جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہوں بشرطیکہ ایمانداری سے مقابلہ ہو۔ میں اسے شکست دے دوں گا۔ اسے قتل کر دوں گا۔ اپنی گودی کی خاطر اس قبیلے کے ایک ایک فرد کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا لیکن کوئی بے ایمانی ہوتی تو آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے پہلے سے خبردار کر دیں تاکہ میں دھوکا نہ کھا سکوں۔"

"میرے بھائی یہاں یہ اجنبی زبان بولتے ہیں۔ اگر یہ میری زبان یا انگریزی زبان بولتے تو میں ضرور ان کے دماغوں تک پہنچ کر تمھیں پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کر سکتا تھا۔ اس وقت تو میں خود مجبور ہوں۔ یہ بتاؤ کہ وہ سردار جو گودی کا مطالبہ کرنے کے لیے آرہا ہے۔ وہ انگریزی جانتا ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا "میری معلومات کے مطابق وہ پچاس برس کا بوڑھا ہے اور اسے تعلیم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ وہ صرف اپنی مقامی زبان بولتا ہے۔"

میں نے مجبوری ظاہر کی "پھر تو میں تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا لیکن ہاں تمھارے ہارنے اور تمھارے قتل ہونے کا تماشا بھی نہیں دیکھ سکوں گا۔ میں محبت کرنے والوں کی قدر کرتا ہوں، میری آخری کوشش یہی ہوگی کہ گودی تمھاری رہے اور اس کے لیے میں تمھارے شانہ بشانہ لڑنے کو بھی تیار ہوں۔"

"میں جانتا ہوں فرہاد صاحب! آپ ایسے ہی آدمی ہیں، دوسروں کے لیے جان لڑا دیتے ہیں۔"

پروفیسر برنارڈ رسل نے بزرگانہ انداز میں کہا "بے شک میں نے بھی پڑھا ہے اور سنا ہے کہ تم دوسروں کے معاملات میں ٹانگیں اڑاتے ہو لیکن وہ اور مواقع ہوتے تھے۔ اب تک تمھارے پاس کوئی نہ کوئی ہتھیار ہوتا تھا اور کوئی ہتھیار نہ ہو تو ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کرتے تھے۔ یہاں تو تم بالکل نہتے ہو، ٹیلی پیتھی بھی تمھارے کام نہیں آئے گی۔ اگر ایسے میں تم ایک نیگرو کے لیے اپنی جان کی بازی لگاؤ گے تو اس سے بڑی حماقت اور کوئی نہ ہوگی۔"

"میں جب کسی کے کام آتا ہوں تو یہ نہیں سوچتا کہ میں حماقت کر رہا ہوں۔ اس طرح کام آتے ہوئے میں مر جاؤں تو انسانیت کا حق ادا ہو جائے گا۔"

"کیا تم نے یہ نہیں سوچا کہ تمھارے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔ ایسی عورت جو اپنی ٹیلی پیتھی استعمال نہیں کر سکتی۔ اور وہ جسمانی اعتبار سے بہت کمزور بھی ہے، حسین بھی ہے اور یہ لوگ اسے گِدھوں کی طرح نوچ کر کھا جائیں گے۔"

"پروفیسر! تم مجھے اپنی جان بچانے کی دانشمندی سکھا رہے ہو۔ یہ تو سوچو کہ تم خود خزانے کے لیے کس طرح جان کی بازی لگا کر یہاں تک آئے ہو۔ کوئی خزانے کے لیے جان دیتا ہے اور کوئی کسی کی عزت بچانے کے لیے جان پر کھیل جاتا ہے۔ جیسے میری

رسونتی کی عزت ہے ویسے ہی گودی کی عزت ہے۔ اس کے لیے میں ہر حال میں جمبو کا ساتھ دوں گا۔"

پروفیسر نے ایک گہری سانس لے کر کہا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ بہت بڑی حماقت ہوئی کہ خزانے کے لیے یہاں تک چلا آیا۔ اپنے کسی ماتحت کو بھیج دیتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔"

میں نے کہا "پھر بھی خزانے کا لالچ باقی رہتا۔ تم آتے یا تمھارا ماتحت آتا۔ بات ایک ہی ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس جھونپڑی سے والٹر رسی کے ذریعے نیچے گیا تھا۔ اوپر واپس آیا تو اس کے سینے میں خنجر پیوست تھا۔ اسے کس نے ہلاک کیا تھا؟ کیا ایڈونا نے؟"

پروفیسر برنارڈ رسل نے کہا "یہاں جو عیسائی راہب ہے اس نے ہمیں بتایا ہے جس خزانے کے لیے ہم اتنے عرصے پریشان رہے وہ یہاں کی حبشی قوم کا تاریخی خزانہ ہے۔ صدیوں پہلے ان کے کسی بہت بڑے قبیلے کے ایک وِچ ڈاکٹر نے اس خزانے کو ایک معبد میں چھپا کر رکھا تھا۔ اس کی پیشین گوئی تھی کہ اس خزانے کو جو ہاتھ لگائے گا اس پر آفتیں نازل ہوں گی، جو اسے حاصل کرنا چاہے گا وہ بے موت مارا جائے گا۔ یہ خزانہ ایک مقدس امانت ہے اور یہ اسی کے پاس پہنچے گا جس کے لیے رکھا گیا ہے۔"

اس سے پوچھا گیا "یہ خزانہ کس کی امانت ہے؟"

اس نے جواب دیا "اس عورت کی امانت ہے جو بچپن سے جوانی تک کسی معبد کی دیوداسی رہی ہو۔ جس نے اپنی سانسیں روک روک کر اپنے خالق اور مالک کی یادوں کو دل میں جگہ دی ہو۔ جو ہمیشہ روحانی عمل میں مصروف رہی ہو، جس نے کبھی دولت کا لالچ نہ کیا ہو۔ جب وہ شادی کرے گی اور اپنے شوہر کے پہلے بچے کی ماں بننے والی ہوگی تو یہ خزانہ اسے آپ ہی آپ مل جائے گا۔"

اس کی باتیں سننے کے دوران میری نگاہوں کے سامنے رسونتی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ کیونکہ وہی ایک ایسی تھی جس نے بچپن سے جوانی تک دیوداسی کی حیثیت سے مندر میں اپنی عمر گزاری تھی۔ یوگا کی مشقوں کے دوران اپنے بھگوان کے گیان دھیان میں کھوئی رہتی تھی، اس نے کبھی دولت کا لالچ نہیں کیا تھا۔ ہماری شادی کو تیس گھنٹے گزر چکے تھے اور اتنی باتوں میں صرف ایک ہی بات کی کمی رہ گئی تھی اور وہ یہ کہ ابھی وہ میرے بچے کی ماں نہیں بن رہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس وِچ ڈاکٹر کی یہ پیشین گوئی بھی درست ہو جائے۔

پروفیسر برنارڈ رسل کہہ رہا تھا "راہب نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ پیشین گوئی صرف ایک وِچ ڈاکٹر کی ہی نہیں ہے۔ ان حبشی قبائل کی تاریخ صدیوں سے کتنے ہی نشیب و فراز سے گزرتی رہی اور کتنی ہی بار اس خزانے کو چرانے کی کوشش کی گئی اور چرانے والے بے موت مرتے رہے یا کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے رہے۔ کبھی لاعلاج بیماریوں کا شکار ہوتے۔ کبھی کسی آندھی میں گم ہو گئے، کبھی کسی سیلاب کی نظر ہو گئے لیکن خزانہ جوں کا توں موجود رہا اور یہ خزانہ اب بھی اسی معبد میں پہنچ جائے گا۔ جب تک اس کی حقدار نہیں آئے گی اس وقت تک کوئی اس خزانے کا ایک تنکا بھی اپنے ساتھ نہیں لے جا سکے گا۔"

میں نے پروفیسر سے کہا "میں نے آپ سے والٹر کے قتل کے متعلق پوچھا ہے۔"

وہ بولا "میں یہی بتانے جا رہا ہوں۔ کیونکہ یہ لوگ اس خزانے کو کسی کی امانت سمجھتے ہیں اس لیے یہ برداشت نہیں کرتے کہ کوئی بھی اس کو ہاتھ لگائے، جو بھی اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ پہلی بار جب ایڈونا خزانے کو لے کر اس چٹان سے نیچے اتر کر اس میدان تک پہنچی تو ان لوگوں نے ایڈونا کو گرفتار کر لیا۔ وہ حسین عورت ہے اس لیے قتل نہیں کیا۔ دوسری بار جب والٹر نیچے آیا تو اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا گیا اور اسے رسی سے باندھ کر چھوڑ دیا گیا۔ تاکہ وہ اوپر جائے اور وہاں جو لوگ موجود ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ ادھر کا رخ نہ کریں، لیکن لالچ بری بلا ہے۔"

اس جھونپڑی کے فرش پر سوکھی گھاس بچھی ہوئی تھی۔ میں ایک طرف دیوار کے پاس پالتھی مار کر بیٹھ گیا پھر میں نے جمبو سے کہا: "میں اس وقت اپنی بیوی کے پاس سوچ کے ذریعے جا رہا ہوں تمھاری گودی کی بھی خبر لوں گا۔ تم میں سے کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔"

یہ سن کر وہ خوش ہو گیا۔ میرے سامنے دوزانو بیٹھتے ہوئے بولا "اطمینان رکھیں آپ کو کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ میں آپ کا پہرے دار بن کر رہوں گا۔"

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دوسرے ہی لمحے میں رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی "پیا اتنی دیر سے کہاں چلے گئے ہیں۔ ایک دو سیکنڈ کے لیے تو دماغ میں جھانک کر میری خیریت معلوم کر سکتے ہیں، پھر چلے جایا کریں۔ میں انھیں کب روکتی ہوں۔"

میں نے کہا "میں آگیا ہوں۔ پریشان کیوں ہوتی ہو۔ بولو کیا کہنا چاہتی ہو؟ اس دوشیزہ کا کیا حال ہے؟ کیا بخار بہت تیز ہے؟"

"ہاں، بہت ہی تیز بخار ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ دہشت سے بیمار پڑ گئی ہے۔"

میں نے پوچھا "کیسی دہشت ہے؟"

وہ بولی "ہم عورتوں کے درمیان یہاں دو کنواری لڑکیاں ہیں۔ ایک تو یہ نیگرو لڑکی دوسری یہ بیمار دوشیزہ۔ ان دونوں کو دیوتا کے سامنے بھینٹ چڑھا دیا جائے گا۔ اسی دہشت سے یہ بے چاری بیمار پڑ گئی۔ دوسری نیگرو لڑکی بڑی باہمت ہے۔"

میں نے کہا "اس نیگرو لڑکی کا نام گودی ہے۔ تم اس سے باتیں کرو۔ محبت سے پیش آؤ تو وہ تم سے انگریزی میں باتیں کرے گی۔ اس کے محبوب کا نام جمبورا ہے اور یہ جھونپڑی میں میرے پاس موجود ہے۔ اس نے اپنی محبت کی مختصر سی داستان سنائی ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ گودی یہاں کے سردار کی بیٹی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے دیوتا کی بھینٹ نہیں چڑھایا جائے گا۔ ایک تو اس لیے کہ جب بھینٹ چڑھانے کے لیے گوری چمڑی مل جاتی ہے تو پھر کالی چمڑی کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ پھر یہ یہاں کے سردار کی بیٹی ہے اور سردار اپنے سے بڑے سردار سے اس کا بیاہ کرنا چاہتا ہے اور وہ سردار یہاں کسی بھی دن پہنچنے ہی والا ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے گودی اور جمبورا کے عشق کی مختصر سی داستان سنائی اور بتایا کہ جمبورا کو کس لیے قید کیا گیا ہے۔ رسونتی نے یہ سب کچھ سننے کے بعد پریشان ہو کر پوچھا "کیا بے چارہ جمبورا مارا جائے گا؟"

"ہماری کوشش یہ ہوگی کہ یہاں سے صرف ہم دونوں ہی نہیں بلکہ انھیں بھی زندہ سلامت نکال کر لے جائیں۔ لیکن یہ کیسے ہوگا اس کے لیے کوئی تدبیر سوچنا چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ تم مجھے بار بار مخاطب نہ کرو اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے پریشان ہونا چھوڑ دو۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب تمھیں پریشان نہیں کروں گی اور حوصلے سے کام لوں گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی جھونپڑی کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔ وہاں راہب تین حبشی عورتوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے رسونتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اپنی جگہ سے اٹھو اور ہمارے پاس آؤ۔ یہاں ایک لیڈی وچ ڈاکٹر تمھارا معائنہ کرے گی۔"

رسونتی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی "میں کسی معائنے کے لیے نہیں جاؤں گی۔"

راہب نے نرمی سے سمجھایا "دیکھو ضد نہ کرو۔ یہ لوگ جیسا کہتے ہیں اس پر عمل کرو۔ ان کی یہی شرافت کیا کم ہے کہ تمھیں لینے کے لیے مرد نہیں آئے تین عورتیں آئی ہیں اور ایک عورت ہی تمھارا معائنہ کرے گی۔ تمھیں شرمانے یا اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری بات مان لو۔"

میں نے رسونتی سے کہا "راہب ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تم ان کے ساتھ چلی جاؤ، ابھی بات نہ بڑھاؤ ورنہ بات بگڑ جائے گی۔"

"فرہاد! تم میرے ساتھ رہوگے نا؟"

"ہاں۔ میں تمھارے ساتھ رہوں گا۔ بس یقین کر لو کہ میں تمھارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

رسونتی ان عورتوں کے ساتھ جھونپڑی سے باہر آگئی۔ راہب ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ اسی وقت ایک ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ میں نے خیال خوانی کا سلسلہ ختم کر کے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ پروفیسر برنارڈ رسل اور موزبک دوڑتے ہوئے کھڑکی کے پاس جا کر باہر دیکھ رہے تھے۔ میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں پہنچ گیا اور ان کے درمیان کھڑا ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ ایک ہیلی کاپٹر اس جگہ پرواز کر رہا تھا۔ پروفیسر نے کہا "تین دن پہلے میں یہ تیسری بار آیا ہے۔ ہم کیا کریں، ہیلی کاپٹر والے کو کس طرح بتائیں کہ ہمیں یہاں قید کر کے رکھا گیا ہے۔"

میں نے پروفیسر سے پوچھا "کیا یہ تمھارے محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے یا حکومت کی طرف سے آیا ہے؟"

پروفیسر نے کہا "ہاں، اس ہیلی کاپٹر سے جو کچھ اسپیکر کے ذریعے اعلان کیا جاتا ہے، اس سے ہم نے یہی اندازہ لگایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم انھیں کوئی اشارہ دیں، اپنی موجودگی ظاہر کریں۔ پھر وہ ہمیں یہاں سے لے جانے کی کوئی تدبیر کریں گے لیکن ہم مجبور ہیں، اس جھونپڑی سے باہر نہیں نکل سکتے۔ یہاں اتنی سختی ہے کہ نکلنے کی کوشش بھی کریں تو یہ ہمیں جان سے مار ڈالیں گے۔"

میں نے رسونتی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ ہیلی کاپٹر کی آواز سنتے ہی وہ تینوں عورتیں رسونتی کو پکڑ کر دوسری جھونپڑی کے اندر لے گئی تھیں۔ راہب کو بھی پکڑ لیا گیا تھا۔ اسے بھی ایک جھونپڑی میں بند کر دیا گیا تھا۔ اب وہاں گوری چمڑی والا کوئی نہیں تھا جسے ہیلی کاپٹر والے دیکھ کر شبہے میں مبتلا ہوتے۔

مجھے رسونتی کے دماغ سے فوراً ہی واپس آنا پڑا کیونکہ ہماری جھونپڑی کا دروازہ کھل گیا تھا اور کتنے ہی حبشی نیزے اور ننگی تلواریں لیے ہوئے اندر آگئے تھے۔ انھوں نے ہم سب کو گھیرے میں لے لیا تھا تاکہ ہم چیخ پکار کے ذریعے ہیلی کاپٹر والوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکیں۔ ہر طرف سے پہرہ سخت کر دیا گیا۔ بہت سخت نگرانی ہو رہی تھی کوئی اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

موزبک نے کہا "اس طرح تو ہم کبھی آزاد نہیں ہو سکیں گے۔ ہمیں تلاش کرنے والے ایک دن ہم سے مایوس ہو کر ادھر کا رخ

نہیں کریں گے۔ رہی سہی امید بھی ختم ہو جائے گی۔ پروفیسر! مجھے اجازت دیں۔ میں اتنی پابندیوں کے باوجود چیخنا چلانا شروع کرتا ہوں تاکہ کچھ تو آواز ہیلی کاپٹر والوں کے پاس پہنچے۔"

پروفیسر نے سختی سے منع کیا "ہرگز نہیں۔ تم ذرا سی بھی آواز نہیں نکالو گے۔ ذرا عقل سے کام لو۔ ہیلی کاپٹر کے پنکھے کا شور اتنا ہوتا ہے اور وہ اتنی بلندی پر ہے کہ تمھاری آواز کبھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ ایسی کوشش سے کیا فائدہ جو کارگر نہ ہو سکے۔"

میں نے ایڈونا کی چیخ پکار سنی تھی اور اس کا پاگل پن دیکھا تھا۔ اسی وقت میں نے اس کے لب و لہجے کو ذہن نشین کر لیا تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک جھونپڑی میں سوکھی گھاس پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بدن پر لباس نہیں تھا۔ لباس کے چیتھڑے اس کے قریب ہی پڑے ہوئے تھے۔ جھونپڑی کا دروازہ باہر سے بند تھا اور اس پر نیم بے ہوشی طاری تھی۔ وہ ہیلی کاپٹر کی آواز سن رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کا دماغ کہہ رہا تھا کہ اسے اٹھنا چاہیے اور شور مچا کر اس ہیلی کاپٹر والوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیے لیکن وہ اٹھنے کی ہمت نہیں پا رہی تھی۔ حبشیوں نے اسے بالکل کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا۔

اسی وقت ہیلی کاپٹر کے اسپیکر سے آوازیں آنے لگیں۔ کوئی کہہ رہا تھا "ہم پروفیسر برنارڈ رسل اور اس کی ٹیم کو تلاش کر رہے ہیں۔ ہمیں تم لوگوں سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ ہم تمھارے قبیلے والوں سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تمھارے درمیان کوئی انگریزی سمجھنے والا ہو تو وہ سفید جھنڈی لہرا کر صلح کا اشارہ کرے۔ ہم ہیلی کاپٹر یہاں اتار دیں گے اور دوستی کا ہاتھ بڑھانے آئیں گے۔"

میں ایڈونا کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ آنکھیں کھول کر اپنے آس پاس جھونپڑی کو دیکھنے لگی۔ دوسرے لفظوں میں، میں اس جھونپڑی کا جائزہ لینے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھنے لگی۔ اس میں سکت نہیں تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے تاہم میرا دماغ تندرست اور توانا تھا۔ میں اپنے دماغ کی قوت سے اسے اٹھا سکتا تھا اور وہ اٹھ رہی تھی۔ فرش پر گھسٹتی ہوئی ایک دیوار کے پاس پہنچ رہی تھی۔ اس نے دیوار کا سہارا لے کر اٹھتے ہوئے کھڑکی کے پار دیکھا۔

باہر ہیلی کاپٹر چکر لگا رہا تھا۔ اسپیکر سے آواز آ رہی تھی "ہمیں پروفیسر کی زندگی کا یقین ہے، کیونکہ جس جھونپڑی میں وہ خزانے کی تلاش کرنے گئے ہوئے تھے، اس کی پچھلی کھڑکی سے ہم نے ایک رسے کو نیچے کھائی کی طرف لٹکتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ اس رسے کے ذریعے کھائی میں اتر کر چلے آئے ہیں۔ چونکہ اس کھائی کے وسیع میدان میں یہ نیگرو آبادی ہے اسی لیے ہم یہاں بار بار چکر لگا رہے ہیں۔ پروفیسر! ہمیں آپ لوگوں کی زندگی کا، آپ لوگوں کی موجودگی کا کچھ تو ثبوت ملنا چاہیے۔"

میں ہیلی کاپٹر سے بولنے والے کے لب و لہجے کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا لیکن ابھی میں اسے چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر میں ان لوگوں سے یہ کہتا کہ میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں اور یہاں پروفیسر وغیرہ موجود ہیں۔ تو شاید وہ میری خیال خوانی کو تسلیم نہ کرتے۔ جو سوچ ان کے دماغ میں پیدا ہوتی وہ اسے اپنی ہی سوچ سمجھتے۔ چاہے اس سوچ کا لہجہ کتنا ہی بدلا ہوا کیوں نہ ہوتا۔

پہلے میں نے ایڈونا ہی سے کام لینا مناسب سمجھا پھر دماغ میں یہ بات آئی کہ ایک بار ہیلی کاپٹر والے کے دماغ میں پہنچ کر اپنا تعارف پیش کر دیا جائے۔ اگر وہ تسلیم کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ ثبوت کے طور پر ایڈونا کو پیش کیا جائے۔ یہ سوچ کر میں ہیلی کاپٹر سے بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ میں نے اس سے کہا "ہیلو۔ میں تمھارے دماغ میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ کیا تم نے فرہاد کا نام سنا ہے؟"

وہ اسپیکر کے ذریعے بولتے بولتے رک گیا اور سوچنے لگا کہ یہ اس کے دماغ میں کیسی باتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ میں نے کہا "یہ باتیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہو رہی ہیں۔ تم اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرو اور ہاں یا ناں میں جواب دو کہ تم فرہاد کو جانتے ہو یا نہیں ہے؟"

اس کی سوچ نے کہا "ہاں۔ میں فرہاد کے متعلق بہت کچھ پڑھ چکا ہوں اور سن چکا ہوں لیکن یہ کیسے یقین کیا جائے کہ ٹیلی پیتھی میرے دماغ پر بھی اثر کر رہی ہے؟"

"میں تمھیں اس بات کا ثبوت دوں گا۔ پرواز کے دوران تم اس وسیع میدان کی طرف دیکھتے رہو جہاں بے شمار حبشی نظر آرہے ہیں۔ ایک گوری چمڑی والی عورت ابھی جھونپڑی سے باہر نکلے گی۔ وہ تمھاری طرف اشارہ کرنے کی کوشش کرے گی، بشرطیکہ اسے اس کا موقع ملا۔ کیونکہ وہاں سخت پہرہ ہے۔ پروفیسر وغیرہ کو جھونپڑی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ بہرحال تھوڑی دیر بعد یہ تماشہ دیکھو۔"

یہ کہہ کر میں پھر ایڈونا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ نڈھال ہو کر فرش پر بیٹھ گئی تھی۔ میں نے اسے کھڑا کیا۔ وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ ایک حبشی کھڑکی سے لگا کھڑا تھا۔ ایڈونا نے اسے مخاطب کیا "سنو! میرے پاس آؤ۔"

آواز سن کر حبشی اس کی طرف پلٹ گیا۔ وہ اس کی بولی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ایڈونا نے اشارے سے اسے اندر بلایا پھر اسے مسکراتے ہوئے آنکھ مار دی۔ حبشی اس کی طرف سے منہ پھیر کے کھڑا ہو گیا۔ ایسے وقت جبکہ سخت نگرانی کے احکامات تھے وہ ایڈونا جیسی عورت کے اشاروں پر پھسل نہیں سکتا تھا۔ اپنے سردار کی نافرمانی نہیں کر سکتا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ ایڈونا کا وار خالی جا رہا ہے تو میں نے اس کے ہاتھ کے ذریعے حبشی

دیر بعد اُس نے باہر آ کر راہب سے کچھ کہا۔ میں نے راہب کے دماغ میں پہنچ کر اُس کا ترجمہ سنا۔ وہ کہہ رہی تھی "یہ عورت کنواری نہیں ہے بیاہتا ہے۔ یہ بچے کی ماں بننے والی ہے۔"

یہ سنتے ہی میں چونک گیا۔ میں باپ بننے والا تھا۔ وہ ڈیچ ڈاکٹر راہب سے کہہ رہی تھی "ابھی میں سردار سے جا کر کہوں گی کہ یہ عورت چھتری کے ذریعے آسمان سے اُتری ہے۔ وہ ماں بننے والی ہے اُسے کوئی ہاتھ نہ لگائے ورنہ دیوتا کا عذاب ہم پر نازل ہوگا۔"

میں پھر رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ اُس وقت ایک عورت ایک پیالے میں کوئی مشروب رسونتی کی طرف بڑھا رہی تھی اور وہ پینے سے انکار کر رہی تھی۔ میں نے اُس سے کہا "یہ جو پینے کے لیے دے رہی ہیں اسے پی جاؤ۔ یہ عورتیں تمھاری حمایت میں ہیں۔ تمھارے لیے یہ خوشخبری ہے کہ تم ماں بننے والی ہو۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں کسی بچے کا باپ بنوں گا۔ میں تو شوہر بننا بھی نہیں چاہتا تھا۔ تم نے مجھے سب کچھ بنا کر رکھ دیا۔"

وہ خوشی سے کھل گئی تھی مسکرا رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "اب کیا مسکرا رہی ہو چلو اس پیالے میں جو کچھ بھی ہے اسے پی جاؤ۔"

وہ بولی "تم نے مجھے اتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے اب زہر پینے کے لیے بھی کہو گے تو میں پی لوں گی۔"

یہ کہہ کر اُس نے پیالے کو لیا اور اسے پینے لگی۔ کوئی کسیلا مشروب تھا جسے پینے کے بعد اُس نے منہ بنایا۔ اُسے ابکائی سی آئی پھر متلی ہونے لگی۔ جب وہ قے کرنے کے انداز میں منہ سے آوازیں نکالنے لگی تو دروازے میں کھڑی ہوئی ڈیچ ڈاکٹر نے اُسے پلٹ کر دیکھا اور مسکراتے ہوئے راہب سے بولی۔ "دیکھو میں نہ کہتی تھی کہ ماں بننے والی ہے۔ یہ مشروب پلاتے ہی اس بات کی تصدیق ہوگئی۔ اسے متلی ہو رہی ہے اور ابکائی آ رہی ہے۔ اب میں پیشین گوئی کرتی ہوں کہ یہ ایک بیٹے کو جنم دے گی۔"

میں راہب کے دماغ سے اُس کی باتوں کا ترجمہ سن رہا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر سوچا رسونتی نے مجھے دیکھتے ہی دیکھتے باپ بنا ڈالا ہے اور میں جو دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھاگتا پھرتا ہوں تو کیا اب یہ بچہ میرے پاؤں کی زنجیر بن جائے گا؟ مجھے میری ذمہ داریوں کا احساس دلائے گا کہ میں اس بچے کی پرورش کے لیے اُس کے اچھے مستقبل کے لیے اُس کے ساتھ ساتھ رہوں اور ایک باپ کی شفقت، محبت اور پوری توجہ دے کر اُس کے مستقبل کو شاندار بناؤں اگر ایسا نہیں کروں گا تو بچہ بڑا ہو کر میرا محاسبہ کرے گا۔

میں سوچ رہا تھا اور پریشان ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ جو دیتا ہے اُس پر انسان کو صبر و شکر کے ساتھ خوش ہونا چاہیے۔ ابھی تو رسونتی خوش ہو رہی تھی اور میں پریشان ہو رہا تھا کیونکہ میں کبھی ایسی زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کرتا تھا۔

میں دماغ کے اندر چھپی ہوئی باتوں کو سمجھ لیتا ہوں لیکن دماغ کے اندر بھی جو ایک بات چھپی ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ میں کس طرح رسی تڑا کر بھاگ سکتا ہوں۔ کس طرح باپ بننے سے گریز کر سکتا ہوں۔ اب تو یہ ہو رہا تھا اور جو ہو رہا تھا اُس سے میں کیسے انکار کر سکتا تھا۔ میرا اور رسونتی کا رشتہ بہت مضبوط تھا کہ اب اس مضبوطی میں ایک بچہ بھی شامل ہو گیا تو نہ تو میں انکار کر سکتا تھا۔ نہ میں اس رشتے کو توڑ سکتا تھا اور نہ میں کترا کر کہیں نکل سکتا تھا۔

بہرحال وہ آدمی ہیلی کوپٹر کے پاس سے چلتا ہوا بستی میں پہنچ گیا تھا۔ چند حبشیوں نے اُسے گرفتار کر لیا تھا اور راہب کے سامنے لے آئے تھے۔ راہب نے پوچھا "تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟"

اُس نے جواب دیا "میں فرہاد علی تیمور کو اس قید سے نجات دلانے کے لیے آیا ہوں۔ اُسے رہا کرنے کے سلسلے میں تمھارے سردار کا جو بھی مطالبہ ہوگا ہم اُسے پورا کریں گے۔"

راہب نے جواب دیا "یہاں تمام قبیلوں کا ایک بڑا سردار ہے جو کسی وقت بھی یہاں پہنچنے والا ہے۔ وہی فیصلہ کرے گا کہ کسے رہا کرنا ہے اور کسے قید میں رکھنا ہے اور کسے مار ڈالنا ہے۔"

اُس نے کہا "تو پھر تمھارے سردار کے آنے تک مجھے واپس جانے کی اجازت دی جائے میرے مسلح ساتھی بستی سے باہر میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا تو وہ اس بستی پر حملہ کر دیں گے۔"

راہب نے یہ بات سردار کو بتائی۔ سردار کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اُس نے کہا "اس شخص کو جانے دیا جائے۔ جب بڑا سردار آ جائے گا اور ان سے کوئی گفتگو کرنا چاہے گا تو اسے دوبارہ بستی میں بلا لیا جائے گا۔"

اُس نے مجھ سے ملنے کی فرمائش کی لیکن راہب نے ملنے کی اجازت نہیں دی۔ میں نے اُس سے سوچ کے ذریعے کہا "تم یہاں سے جاؤ۔ جب سردار آئے گا تو بات چیت ہو جائے گی اور جب تک سردار نہیں آئے گا اُس وقت تک تم ...

... ساتھ ایسی جگہ قیام کرو گے۔"

میں ہیلی کوپٹر والوں کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی ایک کے دماغ سے میں نے فائرنگ کی آوازیں سنیں میں نے اُن سے پوچھا کیا بات ہے؟ انھوں نے جواب دیا "ان قبیلوں کا سردار ادھر سے گزرنے والا تھا۔ ہم نے اس کا راستہ روکا۔ ہم صلح کی بات چیت کے ذریعے آپ لوگوں کو رہا کرانا چاہتے تھے۔ اس پر بات بڑھ گئی اور دونوں طرف سے فائرنگ ہونے لگی۔"

میں نے پوچھا "اُس سردار سے باتیں کیسے ہوئیں کیا انگریزی جانتا ہے؟"

"جی ہاں۔ وہ اگرچہ حبشی ہے اور افریقہ کے اس حصے کے بے شمار قبائل کا سب سے بڑا سردار ہے تاہم وہ ماڈرن قسم کا لباس پہنے ہوئے تھا اور بہترین انگریزی بول لیتا تھا۔"

میں نے کہا "اُسے مخاطب کرو تاکہ میں اُس کے دماغ میں پہنچ جاؤں۔"

وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا "جناب وہ تو قبیلا وہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے پتہ بھی نہیں چل رہا ہے کہ اس جنگل میں کہاں ہے۔ کہیں نہ کہیں سے گولی چلاتا ہے اور ہمارے ایک آدمی کو چاٹ جاتا ہے۔ اب تک ہمارے تین آدمی مر چکے ہیں اور ہم تین بچے ہیں۔"

"اگر وہ سردار تعلیم یافتہ ہے تو اُسے صلح صفائی کی باتیں کرنی چاہیے تھیں آخر وہ تم لوگوں کی کس بات پر مشتعل ہوگیا تھا؟"

"ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ایسی کیا بات ہوگئی ہاں اُس نے یہ پوچھا تھا کہ بستی میں جو قیدی ہیں اُن میں صرف مرد ہیں یا عورتیں بھی ہیں۔ ہم نے بتایا تھا کہ عورتیں بھی ہیں۔ بس یہ سنتے ہی اُس نے مخالفانہ کارروائی شروع کر دی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"اسے کسی طرح مخاطب کرو۔ میں اس کے دماغ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

اس نے میرے مشورے پر عمل کیا پھر منہ اٹھا کر آوازیں دینے لگا "میں عظیم سردار سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے دو چار باتیں کر کے میرا اسے اپنے ..."

اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ فضا میں سے گولی چلی اور وہ بولنے والا ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ میں نے دوسرے مسلح جوان کے دماغ میں پہنچ کر بتایا کہ ابھی اس کا ساتھی سردار کو مخاطب کر رہا تھا لیکن اسے گولی مار دی گئی۔ تم اپنے آپ کو کہیں چھپا کر سردار کو مخاطب کرو۔ اس طرح وہ تمھیں اپنا نشانہ نہ بنا سکے اور تمھاری بات کا جواب دے سکے۔ میں کسی نہ کسی طرح اس کے دماغ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔

اس نے میرے مشورے پر عمل کیا اور دوڑتا ہوا ایک بڑے سے درخت کے پیچھے گیا۔ درخت کے آس پاس گھنی جھاڑیاں تھیں وہ وہاں بآسانی چھپ سکتا تھا۔ کوئی اس کا نشانہ نہیں لے سکتا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ حبشیوں کے سردار کو مخاطب کرتا اچانک ہی ایک تیر کہیں سے سنسناتا ہوا آیا اور اس کے سینے میں پیوست ہوگیا۔

وہ تڑپ تڑپ کر دم توڑنے لگا۔ میں نے اس کے ڈوبتے ہوئے ذہن سے کئی بار فائرنگ کی آوازیں سنیں۔ جنگل کے سناٹے میں اِدھر سے اُدھر وہ آوازیں گونج رہی تھیں۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر وہاں جو آخری مسلح نوجوان رہ گیا تھا۔ اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ شاید وہ بھی مارا گیا تھا۔ ہیلی کوپٹر کے سارے سوار ایک ایک کر کے ختم ہو گئے تھے۔ پائلٹ کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا۔ میں نے اس شخص کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی جو ابھی بستی میں آ کر صلح صفائی کی بات کرنا چاہتا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر دکھ پہنچا کہ اب وہ بھی اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ وہ اندھا دھند فائرنگ کی زد میں آگیا ہوگا۔ میں چپ چاپ دماغی طور پر اس جھونپڑی میں حاضر ہوگیا جو ہمارا قید خانہ بنی ہوئی تھی۔

اس وقت بستی میں ہر طرف مشعلیں روشن ہو گئی تھیں جہاں ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تھا مشعلوں کی روشنیاں دور دور تک اجالا کر رہی تھیں۔ ڈھول تاشے اب زور زور سے بجنے لگے تھے۔ اعلان ہو رہا تھا کہ تمام قبائل کا سب سے بڑا سردار آ پہنچا ہے اور وہ کسی وقت بھی دیوتا کے سامنے آ کر حاضری دے گا۔ پھر قیدیوں کو دیکھے گا اور وہاں جو عورتیں قیدی کی گئی ہیں انھیں اپنے لیے پسند کرے گا یا پھر انھیں دیوتا کی بھینٹ چڑھانے کی اجازت دے گا۔

میں راہب کے دماغ سے یہ ساری معلومات حاصل کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ شور بڑھتا جا رہا تھا، عورتیں اور مرد جھوم جھوم کر ناچ رہے تھے، ڈھول تاشے اور زور زور سے پُرجوش انداز میں بجنے لگے تھے۔ تمام قیدی عورتوں کو گھیر کر دیوتا کے سامنے لے جایا جا رہا تھا۔ ان میں رسونتی بھی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا گھبراؤ مت میں تمھارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ ان حبشیوں کا سردار انگریزی بہت اچھی طرح جانتا ہے اور تعلیم یافتہ بھی ہے لہٰذا اس سے سامنا کرتے ہی تم اس سے باتیں کرنے کی کوشش کرنا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں گا۔

اس بیمار دوشیزہ کا بخار کم ہو گیا تھا اور وہ اس قابل ہوگئی تھی کہ ان قیدی عورتوں کے ساتھ چل کر دیوتا کے سامنے کھڑی رہ سکے

ان میں وہ بیمار لڑکی گودی بھی تھی۔ سردار اس کے پاس آکر اسے اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اور جواب میں گودی اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ شاید سردار اپنی بیٹی کو سمجھا رہا ہوگا کہ وہ جمبورا کے عشق سے باز آجائے اور جو سب سے بڑا سردار آ رہا ہے اس کی شریک حیات بننے کے لیے راضی ہو جائے۔ اس طرح وہ تمام قبائل کے سردار کی ملکہ بن جائے گی۔ وہ اس کی بھلائی چاہتا تھا لیکن عشق بری بلا ہے۔ وہ تخت و تاج کو نہیں دیکھتا شان و شوکت کو نہیں پوچھتا۔ محبت کی اپنی ایک شان و شوکت ہوتی ہے۔ گودی ضدی لڑکی تھی اور وہ جمبورا کے سوا کسی دوسرے شخص کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ راہب وہاں کھڑا ہوا تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ کر گودی اور اس کے سردار باپ کی گفتگو کا مطلب سمجھتا جا رہا تھا۔

ہم کھڑکی سے باہر وہ منظر دیکھ رہے تھے مشعلوں کا دھواں آسمان کی طرف اٹھ رہا تھا۔ اور ان کی روشنی چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ اس روشنی میں حبشی مرد اور عورتیں جھوم جھوم کر رقص کر رہے تھے۔ اور اپنے آنے والے سردار کا استقبال کر رہے تھے۔ میرے پیچھے کھڑے ہوئے جمبورا نے دانت پیسنے کے بعد کہا: "میں اس سردار کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اگر اس نے میری گودی سے بدتمیزی کی یا اسے ہاتھ لگایا تو میں اس جھونپڑی کی دیوار توڑ کر نکل جاؤں گا۔"

میں نے پلٹ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں اپنے دیوتا کے بعد مجھ پر بھروسہ ہے تو کبھی جوش سے کام نہ لینا۔ ہمیشہ ہوش میں رہنا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری گودی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہاں گودی سے چھیڑ چھاڑ بھی ہوئی تو تھوڑا بہت برداشت کرنا پڑے گا۔ برداشت کرنے ہی سے کوئی نہ کوئی بچاؤ کا راستہ نکلے گا۔"

"وہ خبیث سردار میری گودی سے باتیں کرے میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"یہی تو تم نوجوانوں کی نادانی ہے۔ جوش میں اور محبت میں اندھے ہو جاتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ جذبات میں کوئی قدم اٹھایا تو اتنے لوگوں کے سامنے تمہاری ایک نہ چلے گی۔ تم گودی کے ساتھ بے موت مارے جاؤ گے۔ ایسی موت کا کیا فائدہ جو محبت کو زندگی نہ دے سکے۔"

باہر شور بڑھ گیا تھا۔ اتنا شور کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ مرد عورتیں سبھی اپنے سب سے بڑے سردار کا استقبال کرنے کے لیے دیوانے ہو رہے تھے۔ اور دیوانگی میں پاگلوں کی طرح رقص کر رہے تھے۔ ڈھول تاشے بجا رہے تھے اور پتہ نہیں اپنی بولی میں کیسے کیسے نعرے لگا رہے تھے۔ ہم نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو تین جیپ گاڑیاں نظر آئیں۔ ایک جیپ سے سردار اتر رہا تھا۔ وہ پتلون اور جرسی پہنے ہوئے تھا۔ اس کے شانے سے اسٹین گن لٹک رہی تھی۔ کمر میں کارتوس کی پیٹی اور ہولسٹر میں ریوالور تھا۔ دوسری طرف ایک بڑا سا چاقو لٹک رہا تھا۔ دور ہی سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ دیو اور ہاتھی جیسا ڈیل ڈول رکھنے والا ہے۔ وہ اتنا مضبوط ہے کہ اپنی دونوں بغلوں میں دو آدمیوں کو داب کر چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جتنے بھی حبشی تھے وہ سب اسٹین گن اور رائفلیں لیے ہوئے تھے۔ اس نے سبھی کو جدید اسلحہ سے آراستہ کر رکھا تھا۔ اس کے ساتھ نیزے اور تلوار بردار سپاہی نہیں تھے۔ وہ مجھ سے اتنی دور تھا کہ میں اس کا چہرہ آسانی سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر یہ کہ زیادہ تر اس کی پشت میری طرف رہی۔ وہ بڑے ہی شاہانہ انداز میں چلتا ہوا پتھر کے زینے پر چڑھتا ہوا دیوتا کے سامنے پہنچا۔ جھک کر تعظیم کی پھر ان عورتوں کو دیکھنے لگا۔

رسونتی کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ وحشیانہ انداز میں دانت نکالے ان گوری چمڑی والی عورتوں کو دیکھ رہا تھا — جیسے کچا چبا جائے گا۔ پھر اس نے اس بیمار دوشیزہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا پھر اس پر جھکنا چاہتا تھا کہ وہ لڑکی پیچھے ہٹ گئی۔ رسونتی نے سامنے آکر اس دوشیزہ کے لیے ڈھال بنتے ہوئے کہا "میں اپنا تعارف کرانا چاہتی ہوں۔ میرا نام رسونتی ہے کیا میں تمہارا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

سردار نے بتیسی نکال کر اپنے دانتوں کی نمائش کی جیسے رسونتی کی بات پر ہنس رہا ہو۔ وہ بے آواز ہنسی تھی۔ پھر وہ رسونتی کو کوئی جواب دیے بغیر وہاں سے پلٹ کر اپنے قبیلے کے لوگوں کی طرف مڑا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں اپنی زبان میں مخاطب کرتے ہوئے کچھ کہنے لگا۔ اس نے رسونتی کی بات کا جواب نہ دے کر اپنی آواز اور لب و لہجہ مجھ تک نہیں پہنچایا تھا۔ اب وہ مقامی زبان میں اپنے لوگوں سے کچھ بول رہا تھا۔ میرے سامنے اجنبی زبان میں کچھ کہا جائے تو میں اس لب و لہجہ کے ذریعے کسی کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا۔

لیکن کبھی کبھی آواز شناخت کا باعث بن جاتی ہے۔ جب وہ بولنے لگا تو اس کی آواز سنتے ہی میرا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ میں اس آواز کو ہزاروں اور لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔ وہ آواز میرے ساتھ تقریباً ڈیڑھ سال تک دن رات رہی تھی — وہ آواز بنکاک سے لے کر کراچی تک میرے ساتھ سفر کرتی رہی تھی — میں نے اس کے دماغ میں پہنچتے ہی کہا: "ابے او گدھے کے بچے تمہارا باپ یہاں قید ہے۔ اپنی تقریر بند کرو۔"

اس کے دماغ میں یہ بات پہنچتے ہی وہ ایک دم سے ٹھٹھک گیا۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر حیرانی سے بولا "آقا! یہ تو میرے آقا کی آواز ہے۔ آقا تم نے اپنے اس غلام کو کیسے یاد کیا؟ تم کہاں ہو؟"

میں نے کہا: "تم اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ تمام مرد قیدیوں کو باہر نکال کر تمہارے سامنے حاضر کریں۔ تم مجھے دیکھ لو گے۔"

اس نے فوراً ہی حکم دیا۔ ہماری جھونپڑی کا دروازہ کھل گیا۔ اس بار کوئی حبشی نیزہ تان کر ہمارے سامنے نہیں آیا۔ میں سب سے پہلے جھونپڑی سے نکلا۔ میرے پیچھے دوسرے آنے لگے۔ جیسے ہی میں جھونپڑی سے باہر آکر کھلے میدان میں پہنچا تو حبشی مردوں اور عورتوں کی بھیڑ ایک طرف چھٹنے لگی۔ بیچ میں راستہ بنتا چلا گیا۔ تب غلام نے مجھے دیکھا۔ پھر وہیں سے دونوں ہاتھ اٹھا کر چیختے ہوئے اور دوڑتے ہوئے آنے لگا: "میرے آقا میں نے پہچان لیا ہے۔ یہ تو آپ کا اصلی چہرہ ہے۔"

غلام نے بنکاک میں میرا اصلی چہرہ دیکھا تھا۔ سرجری کے دوران وہ میرے ساتھ رہا تھا۔ میں طارق محمود کے روپ میں اس کے ساتھ رہا تھا اور اب وہ مجھے پھر میرے اصلی چہرے کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ میرے سامنے آتے ہی اس نے گھٹنے ٹیک دیے۔ میرے آگے سر جھکا کر اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے سینے پر باندھ لیا۔ اس کے ایسا کرتے ہی اس کی پوری قوم گھٹنے ٹیک کر، سر جھکا کر، دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر میرے سامنے تعظیم کے لیے جھک گئی۔ میں نے پوچھا "یہ تم ان حبشیوں کے سردار کیسے بن گئے؟"

وہ بدستور سر جھکائے ہوئے بولا "میں تمہارا غلام ہوں۔ ویسے پورے افریقہ کا بادشاہ بن کر دکھا سکتا ہوں۔ رہ گئی یہ بات کہ میں تمام قبیلوں کا سردار کیسے بن گیا تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ جہاں غنڈہ گردی اور سیاست ساتھ ساتھ چلتی ہو۔ وہاں آدمی کو سردار اور بادشاہ بنتے دیر نہیں لگتی۔"

"بہرحال تم جیسے بھی اس مقام تک پہنچ گئے ہو ہماری رہائی کا ذریعہ بن گئے ہو اور ایک بات سن لو کہ میں نے شادی کر لی ہے۔"

"شادی!" اس نے چونک کر سر اٹھایا: "آپ نے کی ہے؟"

"ہاں میں نے کی ہے۔"

"کسی عورت سے؟"

"ابے گدھے اور کس سے کروں گا!"

"نہیں آقا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ اتنی بڑی غلطی کریں گے۔ پلیز ایسا مذاق نہ کریں۔"

"یہ مذاق نہیں ہے۔ ابھی جس نے اپنا نام رسونتی بتایا تھا وہ میری شریک حیات ہے جاؤ اور اسے عزت و احترام سے میرے پاس لے آؤ۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے پلٹ کر دور دیوتا کے مجسمے کی طرف دیکھا جہاں رسونتی دوسری عورتوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے کہا "اور سنو وہاں تمہاری نیگرو قوم کی ایک لڑکی ہے، جس کا نام گودی ہے اور جو یہاں کے سردار کی بیٹی ہے تم اسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔ اس کی شادی میرے اس دوست جمبورا سے ہوگی۔"

میں نے جمبورا کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کہا: "آقا کا حکم سر آنکھوں پر۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا پھر اس نے جمبورا سے مصافحہ کیا۔ جمبورا بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ دوسری طرف گودی بھی دوڑتی ہوئی ہماری طرف آ رہی تھی۔ میں نے کہا: "اور ایک بات سنو وہاں ایک بیمار لڑکی ہے۔ اسے دیوتا کی بھینٹ چڑھائے جانے کی بات ہو رہی ہے یہ ظلم کبھی نہ کرنا اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہارے ساتھ بری طرح پیش آؤں گا۔"

"نہیں آقا۔ آپ کی موجودگی میں ایسی باتیں نہیں ہوں گی۔ وہ لڑکی بھینٹ نہیں چڑھائی جائے گی اور اگر آپ اعتراض کریں گے تو میں اسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"

میں نے کہا: "ہاں یہی مناسب ہے۔ وہاں صرف تین انگریز عورتیں ہیں۔ تمہیں گوری چمڑی پسند ہے۔ ان عورتوں کو بھی اپنے حسن و شباب پر بڑا ناز ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اپنے ان ہتھیاروں سے وہ پوری دنیا کو ختم کر لیں گی۔"

اس وقت تک گودی دوڑتے ہوئے آکر جمبورا کے گلے کا ہار بن گئی تھی۔ غلام نے کہا: "میں ابھی جا کر اپنی مالکہ کو عزت و احترام سے لے کر آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ رسونتی کی طرف جانے لگا۔ میں نے رسونتی کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "دیکھو یہ شخص جو تمام قبیلوں کا سردار ہے یہ میرا ماتحت رہ چکا ہے اور میرا فرمانبردار ہے۔ یہ تمہیں لینے آ رہا ہے۔ تم اس سے ذرا بھی خوف زدہ نہ ہونا۔ یہ تمہارے لیے جان بھی دے سکتا ہے لیکن تم پر کسی طرح کی آنچ نہیں آنے دے گا۔ اس بیمار لڑکی کو بھی سمجھا دو کہ یہ اسے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور نہ ہی وہ دیوتا کی بھینٹ چڑھائی جائے گی۔"

غلام دیوتا کے مجسمے کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے رسونتی کے سامنے جھک کر اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر اس ہاتھ کو چوم کر آنکھوں سے لگا کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اپنی قوم کی طرف رخ کر کے ان سے بولنے لگا۔ وہ ان کی زبان میں بول رہا تھا لیکن میں اس کے دماغ سے اس کا ترجمہ سن رہا تھا۔ وہ اپنے لوگوں کو بتا رہا تھا: "لوگو! میں تمہارا سردار ہوں لیکن وہ شخص جس کے آگے ابھی میں جھکا ہوا تھا وہ میرا آقا ہے۔ تم سب پہلے اس کے سامنے جھکو گے پھر میرے سامنے۔ پہلے

اس کا حکم مانو گے پھر میرا حکم پوچھو گے اور جو عورت یہاں کھڑی ہوئی ہے جس کے ہاتھ کو میں نے چوما ہے اور آنکھوں سے لگایا ہے یہ میری مالکہ ہے۔ تم لوگوں کی بھی مالکہ ہوئی۔ اس کا بھی احترام کرو۔"

اس کے کہنے کے مطابق پہلے تمام قبیلے والوں نے میرے سامنے سر جھکایا پھر وہاں سے گھوم کر رسونتی کی طرف رخ کرتے ہوتے اس کے سامنے سر جھکایا۔ اسی وقت غلام رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے رسونتی کی کمر کو تھام لیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکتی، اچانک ہی فضا میں بلند ہوئی۔ غلام نے اسے دونوں ہاتھوں سے اونچا اٹھا لیا تھا۔ سارے حبشی نعرے لگا رہے تھے۔ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر غلام نے رسونتی کو اپنے کاندھے پر بٹھا لیا۔ ڈھول تاشے بجنے لگے اور وہ ڈھول کی تال پر رقص کرتا ہوا رسونتی کو کاندھے پر بٹھا کر میرے پاس لے آیا۔

○

وہ رات ہمارے آرام اور آسائش کی رات تھی۔ غلام نے ہمارے لیے بہترین کھانوں کا اور اس جنگل کے مطابق بہترین رہائش کا انتظام کیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے پوچھا "آقا! مجھے بتائیں کہ آپ یہاں کیسے پہنچے ہیں، کن مصیبتوں سے گزر رہے ہیں؟"

میں نے پوچھا "پہلے تم یہ بتاؤ کہ ہم افریقہ کے کس حصے میں ہیں؟"

"ہم اس وقت نائیجیریا کے ایک ویران جنگلی علاقے میں ہیں۔ یہاں سے کانو نامی شہر ستر میل کے فاصلے پر ہے۔"

میں نے پوچھا "کیا یہاں سے ایتھوپیا جانے کا انتظام ہو سکتا ہے؟"

"آقا! میں آپ کے لیے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کا انتظام کر سکتا ہوں۔ آپ جیسا حکم دیں گے ویسا ہی ہوگا۔ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں، اچھی طرح آرام کر لیں۔"

میں نے کہا "میری دوسری ساتھی عورتیں مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ وہ ادھر ادھر بھٹک رہی ہیں۔ مجھے کل صبح ہی یہاں سے روانہ ہونا پڑے گا۔ میں ایک جگہ ٹھہر نہیں سکتا۔ اور وہ سب میرے ساتھ ہوتیں تو میں یہاں بہت عرصے تک قیام کر سکتا تھا۔"

"آپ مجھے ان لوگوں کا پتہ بتائیں کہ کہاں ہیں۔ میں سب کو یہاں لے آؤں گا۔"

میں نے انکار میں سر ہلایا "تم جانتے ہو کہ ہمارے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سازشیں چل رہی ہیں۔ ہمیں چاروں طرف سے گھیرا جا رہا ہے۔ ہمارے راستے مسدود کیے جا رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ جو بھی رہے گا اس کا بھی ناطقہ بند کیا جائے گا۔ تم صرف ہماری رہنمائی کرو، میں خود وہاں تک جاؤں گا۔"

"آقا! مالکہ کا پاؤں بھاری ہے۔ ایسی صورت میں ان کا طویل سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔ ان کی صحت بھی ٹھیک نہیں ہے اگر آپ مجھے اور میری قوم کو خدمت کرنے کا موقع دیں تو ہم اپنی مالکہ کو تندرست و توانا بنا دیں گے اور بچہ بھی صحت مند پیدا ہوگا۔ آپ کہتے ہیں کہ ان کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں گم ہو چکی ہیں۔ دماغ کمزور ہو چکا ہے۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ہم اتنی جلدی ان کو صحت یاب کریں گے کہ ان کی صلاحیتیں بھی واپس آ جائیں گی۔"

رسونتی ایک آرام دہ بستر پر نیم دراز تھی۔ اس کے سرھانے دو خادمائیں کھڑی ہوئی پنکھا جھل رہی تھیں۔ حبشی عورتیں ہولے ہولے اس کے پاؤں کو داب رہی تھیں۔ اسی طرح دوسرے نیگرو غلام میری بھی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔ رسونتی نے کہا "فرہاد! جب سے مجھے یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ میں ماں بننے والی ہوں تو میرے سوچنے کا انداز بدل گیا ہے۔ جو کچھ بھی میرے دماغ میں ہے وہ میں تمہارے سامنے پیش کر رہی ہوں۔ تم اس پر سنجیدگی سے غور کرو۔ بات یہ ہے کہ جب سے تم نے زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھا ہے اس وقت سے لے کر آج تک کہیں ایک جگہ ٹھہر نہیں سکے۔ تمہیں کبھی سکون نہیں ملا۔ دشمن ہمیشہ تمہارے پیچھے لگے رہے۔ اگر دشمنوں نے تمہاری طرف رخ نہیں کیا تو تم خود پرائی آگ میں کود پڑے۔ تمہارے ساتھ کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ ہنگامہ آرائی تمہارا مشغلہ بن گیا ہے۔ لیکن میں سوچتی ہوں اگر تمہارے یہ طور طریقے جاری رہے تو میرے بچے کی زندگی بھی خطرات میں گھری رہے گی۔ اور میں اپنے بچے کو خطرات سے دور رکھنا چاہتی ہوں۔ اس کی اچھی طرح تعلیم و تربیت کا خیال رکھتے ہوئے اس کی اچھی طرح پرورش کرنا چاہتی ہوں۔ یہ ایک ماں کا فرض ہے اور ایک ماں کا سب سے پہلا فرض یہ بھی ہے کہ بچے کو مصیبتوں سے دور رکھے۔"

میں نے مسکرا کر کہا "مصیبتوں سے دور رکھنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم میرے بچے کو مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہو۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی "ہاں بچے کو بھی اور خود

کو بھی۔ جیسا کہ اس وچ ڈاکٹر نے پیشن گوئی کی ہے کہ میں ایک بچے کو جنم دوں گی تو میں اور میرا بیٹا تم سے دور رہیں گے۔"

"دنیا کا وہ کون سا ایسا علاقہ ہے جہاں تم رہو گی، اور وہاں میں پہنچ نہیں سکوں گا؟"

"تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے میرے پاس اور بچے کے پاس پہنچنا چاہو گے تو میں تمہیں خوش آمدید کہوں گی۔ بہ نفس نفیس آنا چاہو گے تو اعتراض کروں گی۔ مجھے اپنے بچے کی سلامتی عزیز ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ میں بچے کی خوشخبری سن کر اپنے اندر کیسا انقلاب محسوس کر رہی ہوں۔ میرے دل میں اس وقت صرف اپنے بچے کی چاہت ہے۔ اب میرے سامنے کوئی محبت کوئی رشتہ نہیں۔ اس بچے کے ناتے سے صرف تمہارے ساتھ رشتہ ہے۔ میں تمہاری عزت کرتی ہوں۔ تمہاری محبت کی قسمیں کھاتی ہوں اور تمہاری محبت کے لیے ساری عمر اس بچے کی حفاظت میں گزار دوں گی، لیکن تمہیں بھی اپنی محبت اور اپنے بچے کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ میرے اور اپنے جذبات کے متعلق نہ سوچو، بچے کے متعلق سوچو۔ دشمنوں کو اس کا علم ہوگا تو وہ کسی نہ کسی طرح اس بچے کو اغوا کر کے تمہیں بلیک میل کرتے رہیں گے۔"

غلام نے کہا "مالکہ ٹھیک کہتی ہیں۔ سب سے پہلے بچے کی حفاظت کے متعلق سوچنا اور فیصلہ کرنا چاہیے۔"

میں نے رسونتی کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "ہم اتنی جلد جدا ہو جائیں گے۔ یہ کیسی زندگی ہے۔ یہ کیسی محبت ہے۔ ہم اس محبت کو اپنے سینے میں کیسے دفن کر کے رکھ سکیں گے۔"

"اگر اپنے بچے کی بھلائی مقصود ہے تو ہم اپنے سینے پر پہاڑ بھی رکھ لیں گے۔ محبت کو دفن کر کے رکھنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں عورت ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا مرد میرے سوا کسی اور کا نہ ہو اور ہمیشہ میری نظروں کے سامنے رہے لیکن میں بھی اپنے سینے پر پتھر رکھ کر یہ فیصلہ کر رہی ہوں کہ بچے کی خاطر تم سے دور رہوں گی۔ میں اس فیصلے پر عمل کروں گی۔ تمہیں خدا کا واسطہ میرے ہی مشورے کے مطابق فیصلہ سناؤ۔"

"لیکن تم تنہا کہاں رہو گی؟ دشمن تمہیں صورت شکل سے پہچانتے ہیں۔ تم جس ملک میں جاؤ گی، جس شہر میں بھی رہو گی، وہاں لوگ تمہیں پہچان لیں گے اور ہمیشہ تمہاری تاک میں رہیں گے۔"

غلام نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا "آقا! یہ بات مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ میں ان جنگلوں کا بادشاہ ہوں۔ اگر میری مالکہ بچے کی خاطر آپ سے دور رہنا چاہتی ہیں تو یہ مہذب دنیا سے دور رہ کر ہمارے ساتھ زندگی گزار سکتی ہیں۔ بچہ انہی جنگلوں میں جنم لے گا اور یہیں پرورش پائے گا۔ ہم اسے مضبوط ترین انسان بنائیں گے۔ یہ تھوڑا بڑا ہوگا تو شہر کے اسکول میں جائے گا۔ وہاں میں اور میرے آدمی اس بچے کی قدم قدم پر حفاظت کریں گے۔ مالکہ بچے سے شہر میں نہیں ملیں گی۔ چھٹیوں میں بچہ اپنی ماں کے پاس آیا کرے گا۔ اسی طرح وہ کالج اور یونیورسٹی وغیرہ میں تعلیم حاصل کرے گا۔ ہم اسے دنیا کے بہترین علوم و فنون میں ماہر بنانے کی کوشش کریں گے۔"

رسونتی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا "اور میں اسے ٹیلی پیتھی اور یوگا کا بادشاہ بناؤں گی۔ میں اسے ایک ناقابل شکست انسان بناؤں گی۔ کسی انسان کی مجال نہ ہوگی کہ اس کے سامنے آنکھ اٹھا کر گزر سکے۔"

"آقا! آپ کا بیٹا اس غلام کے سر کا تاج ہوگا۔ ہم اسے کیا بنائیں گے، یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ ابھی تو آپ اپنا فیصلہ سنائیں۔"

رسونتی نے کہا "میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ میں غلام کے ساتھ جنگلوں اور ویرانوں میں زندگی گزار دوں گی۔"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں رسونتی! یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ہمیشہ کے لیے دور ہو جاؤں۔ ہاں کچھ عرصے کی بات ہو تو میں ماننے کے لیے تیار ہوں۔"

"کچھ عرصے بعد تم مجھ سے ملنے آؤ گے تو دشمن بھی تمہارے پیچھے آئیں گے۔"

"میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ میں خوب سوچ سمجھ کر میک اپ کے ذریعے اپنا چہرہ چھپا کر اپنی شخصیت کو تبدیل کر کے تمہارے پاس چوری چھپے آؤں گا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔"

رسونتی نے دل میں اتر جانے والی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر جذباتی انداز میں بولی "تم میری زندگی ہو، میری جان ہو۔ تمہیں پا کر میں ممتا کی خوشیاں پا رہی ہوں۔ میں تم سے کس دل سے دور رہوں گی۔ یہ میں ہی جانتی ہوں۔ اگر تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے تو نہ سہی۔ ویسے بھی یہ بات احمقانہ ہے۔ دل کے اور خون کے رشتے ہمیشہ کے لیے جدا نہیں ہوتے۔ جدا ہونے کے بعد ایسی تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ پھر ملنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں۔ چلو تم یہ وعدہ کرو کہ جب تک میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس نہیں آئیں گی اس وقت تک تم مجھ سے ملاقات کرنے نہیں آؤ گے کیونکہ میں اپنی صلاحیتیں واپس

حاصل کرنے کے بعد اپنے طور پر بھی خیال خوانی کے ذریعے مطمئن ہو جاؤں گی کہ کوئی تمہارا پیچھا نہیں کر رہا ہے۔ تب میں تمہیں اپنے پاس آنے کی اور بچے سے ملنے کی اجازت دے دوں گی۔ اس سے پہلے تم ہمارے پاس نہیں آؤ گے۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "اس بات کو میں مان سکتا ہوں۔ تمہاری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس آنے تک میں تم سے دور رہوں گا اور میں جانتا ہوں کہ بہت جلد یہ صلاحیتیں تمہیں واپس مل جائیں گی کیونکہ غلام جس طرح تمہاری تیمارداری کرے گا، جیسی یہاں کی جڑی بوٹیوں والی دوائیں استعمال کرائے گا، ان سے تم تندرست بھی ہو جاؤ گی اور اپنی صلاحیتیں بھی حاصل کر لو گی۔"

وہ بولی۔ "تو پھر یہ فیصلہ پکا ہے۔ تم اپنی زبان سے نہیں پھرو گے۔"

" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم تو اپنے بچے کی خاطر میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ بھئی میں اور بھی سوچتا رہوں گا۔ اگر بچے کی بھلائی کے لیے فیصلے میں کچھ تبدیلی کرنی پڑی تو ہم مل جل کر کریں گے۔ فی الحال تو میں خیال خوانی کے ذریعے سونیا، مرجانہ اور سائرہ بانو کی خبر لینا چاہتا ہوں جب تک تم غلام کو اپنی داستان

سناؤ کہ ہم کن کن مصیبتوں سے گزرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں میں ابھی واپس آ جاؤں گا۔"

میں نے سب سے پہلے سائرہ بانو کا حال معلوم کیا۔ وہ ڈیڑ جمال کے ساتھ اسی فارم میں قید تھیں جہاں میں خیال خوانی کے بعد انہیں چھوڑ کر آیا تھا۔ وہاں ابھی کوئی خاص بات نہیں تھی۔ انہیں کسی طرف سے خطرہ نہیں تھا۔ اس لیے میں انہیں چھوڑ کر سونیا اور مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔

جب میں نے پچھلی بار سونیا اور مرجانہ کو دیکھا تھا تو وہ ہوٹل کے ایک کمرے میں تھیں۔ سونیا، مرجانہ کا میک اپ کر رہی تھی اور اسے عورت سے مرد بنا رہی تھی تاکہ وہ مرد کے روپ میں ہوٹل سے باہر جائے اور باہر جو لوگ نگرانی کر رہے ہیں وہ ان کی نگرانی کرتی رہے۔ ہو سکے تو ان لوگوں کو نگرانی کی جگہ سے ہٹا دے تاکہ سونیا بھی دوسرے روپ میں ہوٹل سے باہر نکل سکے۔ اب وہ نہ تو سپر ماسٹر کی تنظیم سے کوئی مدد لینا چاہتی تھی اور نہ ہی اپنے اصل روپ میں رہنا چاہتی تھی اس لیے دونوں نے اپنا روپ بدل لیا تھا اور اب ہوٹل سے باہر نکل کر یہ معلوم کرنا چاہتی تھیں کہ آخر ان لوگوں کو ریڈیو اور اخبارات سے دور کیوں رکھا جا رہا ہے۔ یہ اس وقت کی بات

ہے۔ جب میں بھی اس سازش سے بے خبر تھا جو میرے ملک کے خلاف کی گئی تھی۔

سونیا کو پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا کہ کوئی بہت بڑی سازش ہو رہی ہے۔ ایسی سازش کہ سپر ماسٹر کی تنظیم کے افراد بھی سونیا تک ریڈیو اور اخبارات پہنچانے میں ناکام ہو رہے ہیں یا پھر وہ جان بوجھ کر خود ڈھیل دے رہے ہیں۔ اس تنظیم میں مادام سونیا کی اتنی زیادہ اہمیت تھی کہ سپر ماسٹر کے بعد اسی کا حکم مانا جاتا تھا، لیکن اس وقت جو ڈھیل دی جا رہی تھی تو لامحالہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ اس تنظیم کے لوگ بھی اس معاملے میں غفلت برت رہے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو بھی جنگل کے باہر کی دنیا کی کوئی خبر نہ ملے۔

مرجانہ کا میک اپ مکمل ہو جانے کے بعد اس نے آئینے میں دیکھا تو سر سے پاؤں تک وہ ایک قد آور مرد نظر آ رہی تھی۔ اس کی ہلکی ہلکی مونچھیں بنائی گئی تھیں جیسے کوئی نوخیز جوان ہو، جس کی داڑھی نہ اگی ہو۔ مونچھیں ہلکی ہلکی نکل آئی ہوں۔ وہ بہت ہی خوبرو نوجوان مرد نظر آ رہی تھی۔ سونیا نے اسے دیکھ کر اس کی گردن میں باہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "دیکھو میں تمہیں ایک بات سمجھا رہی ہوں۔ باہر جا کر سچ مچ مرد نہ بن جانا اور کوئی بدمعاشی نہ کرنا اگر میں نے کسی عورت کو تمہارے قریب دیکھا تو بہت بری طرح پیش آؤں گی۔" مرجانہ ہنسنے لگی۔

تھوڑی دیر تک اس نے سونیا سے چھیڑ چھاڑ کی پھر اس سے الگ ہو کر دروازے کی طرف گئی۔ وہ پتلون اور بنیان پہنے ہوئے تھی اور بنیان کے اوپر ایک جیکٹ پہن رکھا تھا۔ وہ اس قدر اسمارٹ نظر آ رہی تھی کہ کوئی اسے دیکھ کر عورت کہہ ہی نہیں سکتا تھا۔ ایک تو اس کا ڈیل ڈول اور قد مردوں جیسا تھا سونیا نے اسے میک اپ کے ذریعے مرد بنا کر رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ اس نے دروازے سے پلٹ کر دیکھا تو سونیا نے کہا۔ "تم تو یہاں غضب ڈھا رہی ہو، پتہ نہیں باہر جا کر کیا گل کھلاؤ گی"

"اطمینان رکھو تم میری امانت ہو اور میں تمہاری امانت ہم اب باہر ملیں گے، او کے۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازے کو کھولا اور باہر آ گئی۔ باہر اوپری برآمدے میں دو چار ویٹر ادھر اُدھر دوسرے کمروں میں آتے جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے ایک نظر مرجانہ پر ڈالی۔ اسے کوئی اجنبی مرد سمجھا اور اپنے کام میں لگے رہے۔ وہ اطمینان سے چلتی ہوئی زینے کے پاس آئی پھر زینے سے اترتے ہوئے بڑے سے ہال میں پہنچی جہاں لوگ اس وقت دوپہر کا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ کاؤنٹر کلرک نے اس پر ایک

ڈالی لیکن وہ بھی شبہ نہ کر سکا کہ دو عورتیں جو کمرہ نمبر ۹ میں گئی تھیں ان میں سے کوئی مرد بن کر واپس جا رہی ہے۔

وہ ہوٹل سے باہر آ گئی۔ وہاں تھوڑی دیر کھڑے ہو کر ادھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے جیسے باہر کے ماحول سے لطف اندوز ہونے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔ اس دوران اس نے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے اسی شخص کو دیکھ لیا۔ ہوٹل کے کمرے سے اس نے اور سونیا نے کھڑکی کے پار دیکھا تھا۔ وہ شخص وہیں درخت کے پاس کھڑا ہوا اسی کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا جو کہ کمرہ نمبر ۹ کی کھڑکی تھی اور جہاں اب سونیا میک اپ میں مصروف تھی۔

مرجانہ ٹہلتے ہوئے اسی درخت کے سائے میں پہنچ گئی۔ وہاں جو نگرانی کرنے والا کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سر سے پاؤں تک مرجانہ کو دیکھا پھر معانقہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "ہیلو! آپ مادام سونیا ہیں یا مس مرجانہ؟"

مرجانہ پہلے تو چونکی پھر سنبھل کر بولی۔ "تم عورتوں کے نام مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ کیا میں تمہیں مرد نظر نہیں آ رہا ہوں؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "دیکھیے آپ کمرہ نمبر ۹ سے نکل کر آئی ہیں۔ اس کی اطلاع ابھی مجھے مل چکی ہے۔"

مرجانہ نے پوچھا۔ "تم تو یہاں اکیلے کھڑے ہوئے ہو۔ کوئی تمہارے پاس آیا نہیں ہے کس نے اطلاع دی؟"

اس نے جواب دیا۔ "کمرہ نمبر ۹ کے پاس والا کمرہ نمبر دس بھی ہمارے قبضے میں ہے۔ ہمارا ایک آدمی وہاں ڈیوٹی پر ہے آپ لوگوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ جب آپ کمرے سے نکلیں تو اس نے کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر مجھے سگنل دیا اور اس سگنل سے یہ بتا دیا کہ دو میں سے ایک باہر نکل چکی ہے۔"

"تم لوگ ہماری نگرانی کیوں کر رہے ہو؟"

"آپ لوگوں کی بھلائی کے لیے۔ سپر ماسٹر نے حکم دیا ہے کہ ہم کسی بھی اجنبی شخص کو آپ لوگوں کے قریب نہ جانے دیں۔ پتہ نہیں وہ کیسا دشمن ہو گا اور کس طرح آپ لوگوں کو نقصان پہنچائے گا۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہوٹل کے کمرے میں واپس چلی جائیں۔"

"اور اگر میں نہ جاؤں تو؟"

"دیکھیے آپ بات کو بگاڑنے کی کوشش نہ کریں۔ میں یہاں کے ماسٹر سے اجازت طلب کروں گا۔ آپ لوگ ہوٹل سے باہر جانا چاہتی ہیں تو آپ کے لیے ایسے انتظامات کیے جائیں گے کہ کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور آپ حفاظت سے باہر نکل سکیں۔"

مرجانہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "یہ انتظامات دشمنوں سے ہمیں محفوظ رکھنے کے لیے نہیں۔ اس لیے ہیں کہ ہم ریڈیو نہ سن سکیں اور اخبارات نہ پڑھ سکیں۔ کیوں یہی بات ہے نا؟"

اس نگرانی کرنے والے نے ذرا سختی سے مرجانہ کو دیکھا پھر کہا۔ "میں آپ سے آخری بار کہہ رہا ہوں کہ ہوٹل کے کمرے میں چلی جائیں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "ایسے نہیں تم مجھے خود اس ہوٹل کے کمرے تک پہنچا کر آؤ تو میں جاؤں گی۔ اکیلے تو کبھی نہیں جا سکتی کیونکہ میرا سونیا سے جھگڑا ہو گیا ہے۔"

"میں ضرور آپ کو ہوٹل کے کمرے تک پہنچا کر آؤں گا اگر مادام سونیا سے جھگڑا ہو گیا ہے تو صلح بھی کرانے کی کوشش کروں گا۔ چلیے۔"

مرجانہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے پھر ہوٹل میں داخل ہوئی۔ زینہ چڑھتے ہوئے اوپری منزل میں آئی۔ پھر کمرہ نمبر ۹ کے دروازے پر دستک دی۔ سونیا کھڑکی سے مرجانہ کو اس کے ساتھ آتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ اس نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔ مرجانہ اندر داخل ہوتے ہوتے بولی۔ "سونیا میں آنا نہیں چاہتی تھی لیکن یہ صاحب فرما رہے ہیں کہ سپر ماسٹر کے حکم سے ہمیں ہوٹل کے اس کمرے میں محدود رہنے کے لیے کہا گیا ہے۔"

اسی وقت وہ شخص بھی کمرے میں داخل ہوا پھر دوسرے ہی لمحے مرجانہ کا ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر ایسا پڑا کہ وہ چکرا کر بیٹھنے لگا۔ مرجانہ نے فوراً ہی دروازے کو بند کیا۔ پھر اس پر تابڑ توڑ دو چار ہاتھ جمائے۔ وہ فرش پر لمبا لیٹ گیا۔ سونیا چپ چاپ تماشا دیکھ رہی تھی۔ مرجانہ نے اس شخص کی گردن پر اپنا ایک پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔

"بولو، ابھی گلا دبا دوں یا زندہ رہنا چاہتے ہو؟"

وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔ "مجھے چھوڑ دو مجھے نہ مارو۔"

"ہمیں یہ بتاؤ کہ ریڈیو اور اخبارات ہمارے پاس کیوں نہیں پہنچائے جا رہے ہیں؟"

اس کا گلا دب رہا تھا وہ دبی ہوئی آواز میں بولا۔ "آپ لوگوں تک سب کچھ پہنچ جائے گا۔ اس لیے کہ اب تک جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔"

اس نے وہی بات بتائی جو اب مجھے معلوم ہو چکی تھی یہ سنتے ہی سونیا اور مرجانہ ایک دم سناٹے میں آ گئی تھیں۔ مرجانہ غصے سے مٹھیاں بھینچے کچھ سوچ رہی تھی۔ وہ اس قدر جوش اور جذبے میں تھی کہ اسے یہ احساس بھی نہ ہو کہ اس کے قدموں

کے نیچے کوئی تڑپ رہا ہے۔ پہلے ہی ایسے زبردست ہاتھ اس پر پڑے تھے۔ ناک اور منہ سے خون بہنے لگا تھا۔ وہ بڑی طرح زخمی ہو کر فرش پر گرا تھا اور اب اس کے گلے پر مرجانہ کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ وہ جیسے بہت دور پہنچ گئی تھی، اور ان لوگوں کا خون بہتے دیکھ رہی تھی جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے زمانے سے پاکستان کی خاطر اپنا سب کچھ گنوا دیا تھا۔ اپنا وطن چھوڑ دیا تھا اور پاکستان کو اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے پاکستان کے اس حصے کو بھی ان سے چھین لیا تاریخ میں اتنا بڑا ظلم کبھی نہیں ہوا کہ ایک اسلامی مملکت قائم کرنے والوں کو دو بار ہجرت کرنی پڑی ہو اور ہر بار ہجرت کرنے کے لیے اپنے پیاروں کی لاشوں پر سے گزرنا پڑا ہو۔

مرجانہ اس وقت چونکی جب سونیا نے اسے جھنجھوڑ کر کہا: "اب اسے چھوڑ بھی دو۔ اس میں جان نہیں رہی۔"

وہ مٹھیاں بھینچ کر، دانت پیس کر بولی: "میں ایک ایک کا خون پی جاؤں گی۔ میں دشمنوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف جانے لگی۔ سونیا نے راستہ روکا تو اس نے سونیا کو ایک ہاتھ رسید کیا۔ سونیا لڑکھڑا کر دیوار سے جا لگی۔ وہ سونیا کی پروا کیے بغیر پھر دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ سونیا نے آگے بڑھ کر ایک لات اس کے پیٹ پر ماری۔ مرجانہ تکلیف کی شدت سے جھکی تو سونیا کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ پلٹ کر دوسری طرف گئی اور فرش پر گر پڑی دوسرے ہی لمحے کئی قلابازیاں کھا کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے سونیا پر حملہ کیا مگر سونیا پہلے سے تیار تھی۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر خود کو بچاتے ہوئے اسے ایک ہاتھ جما دیا پھر بولی۔

"دیکھو مرجانہ! میں جانتی ہوں کہ تم بہت اچھی فائٹر ہو لیکن اچھے سے اچھا فائٹر بھی غصے کی حالت میں مار کھاتا ہے لڑ نہیں سکتا۔ اس وقت تم مجھ سے مار کھاتی رہو گی۔ مجھ پر کبھی کامیابی سے حملہ نہیں کر سکو گی۔ میں اب بھی تمہیں سمجھاتی ہوں۔ پہلے ہوش میں آؤ۔"

وہ غصے سے بولی: "سونیا! میں تمہیں آخری بار سمجھاتی ہوں۔ میرے راستے سے ہٹ جاؤ نہیں تو تمہاری ہڈی پسلی توڑ کر رکھ دوں گی۔"

"ضرور توڑ دینا، مگر یہ تو بتاؤ کہ کہاں جانا چاہتی ہو؟"

"دس نمبر کے کمرے میں۔ ابھی وہ ایک دشمن اور موجود ہیں۔ میں انہیں بھی ختم کر دوں گی۔"

سونیا نے پوچھا: "ان معمولی مہروں کو مارنے کے بعد کیا انتقام پورا ہو جائے گا۔ کیا تمہارے ملک کے خلاف سازش کرنے والوں کو موت آ جائے گی؟ اور تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا؟"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ اس وقت تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

سونیا دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر بولی: "میں یہاں کھڑی ہوئی ہوں اور اب میں تمہیں روکوں گی نہیں اور نہ ہی تم پر ہاتھ اٹھاؤں گی لیکن تم میرا گلا گھونٹ کر یہاں سے جانا یا پھر میرے مشورے پر عمل کرنے کے لیے ٹھہر جانا۔"

یہ کہہ کر سونیا دروازے کے پاس سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ مرجانہ تیزی سے آگے بڑھی لیکن پھر سونیا کے سامنے پہنچ کر ٹھٹک گئی۔ اس کے چہرے کو دیکھا۔ کچھ سوچا پھر اس کے دونوں شانے تھام کر اپنی طرف کھینچ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ اور بڑے کرب سے بولی: "سونیا میں کیا کروں۔ قدرت نے مجھ پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ اس نے مجھے عورت بنایا نہ مرد، اگر مکمل عورت بنایا ہوتا تو میں اپنے ملک کے لیے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتی۔ دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جاتا لیکن میں مجبور ہوں۔ میں آنسو بہانا نہیں جانتی۔ بس دشمنوں سے انتقام لینا جانتی ہوں۔"

"انتقام لینے کے لیے، دشمنوں سے پنجہ آزمائی کرنے کے لیے جوش میں نہیں ہوش میں رہنا پڑتا ہے۔ میرا مشورہ مانو تو اس وقت ٹھنڈے رہنے کی کوشش کرو۔ تم اس بات کا یقین کرو اگر فرہاد کو اس بات کا علم ہو جائے تو وہ صرف چند لمحہ کے لیے جوش میں آئے گا۔ اسے بھی غصہ آئے گا۔ لیکن پھر وہ اس غصے کو ذہن سے جھٹک دے گا۔ اپنے غصے کو وہ مرے معاملات میں الجھ کر بھولنے کی کوشش کرے گا۔ وہ ایسی ہی فطرت کا آدمی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جوش میں آ کر وہ کبھی اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لے سکے گا۔ کیونکہ دشمن بہت گہرے ہیں اور بڑے عجیب و غریب ذرائع کے مالک ہیں۔ ان لوگوں سے ہم کئی برس سے لڑتے چلے آ رہے ہیں اور ہماری لڑائی ختم نہیں ہوئی ہے اب پاکستان کے خلاف جو سازش کی گئی ہے اس کے بعد تو شاید لڑائی کبھی ختم نہیں ہو گی۔ فرہاد ہنسے گا مسکرائے گا مگر انتقام کے جوش میں اندھا نہیں ہو گا۔ اس کے اندر انتقام کی آگ سلگتی رہے گی۔ اور وہ ان دشمنوں سے نپٹتا رہے گا بس ہمیں اور تمہیں بھی اس کی پیروی کرنا چاہیے۔ اسی کی طرح ہنستے مسکراتے دشمنوں کا سامنا کرنا چاہیے۔"

مرجانہ نے ذرا نرم پڑتے ہوئے کہا: "فرہاد کو اس سانحہ کا علم ہونا چاہیے کاش کہ وہ ابھی ہم سے رابطہ قائم کرتا!"

"وہ یقیناً ہم سے رابطہ قائم کرے گا۔ ابھی وہ کسی معاملے میں الجھا ہوا ہو گا۔ جیسے ہی اپنے معاملات سے نجات پائے گا ہم سے ضرور رابطہ

کرے گا۔ ہم اسے بتائیں گے لیکن ابھی ہمیں کیا کرنا ہے یہ سنو۔ دیکھو جو ابھی تمہارے ہاتھوں مارا گیا ہے اس نے تمہیں ایک مرد کے روپ میں دیکھا ہے۔ دس نمبر کے کمرے میں جو دشمن ہیں ان لوگوں نے تمہیں زنانے روپ میں نہیں دیکھا ہے۔ کیوں نہ ہم یہاں سے چپ چاپ چلیں۔"

مرجانہ نے پوچھا: "تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ ہم ان دشمنوں کو یوں ہی چھوڑ دیں جو دس نمبر کمرے میں موجود ہیں؟"

سونیا نے کہا: "ہاں، میں یہی چاہتی ہوں، یہ سب معمولی لوگ ہیں انہیں ہاتھ لگانا ہماری توہین ہے۔ ان کو ہم یونہی بے وقوف بنا کر چھوڑ دیں گے یہ ہماری نگرانی کرنے کی خوش فہمی میں مبتلا رہیں گے اور ہم ان سے بہت دور نکل جائیں گے۔"

"لیکن سونیا جسے میں نے ہلاک کیا ہے اسے دس نمبر کی کھڑکی سے سگنل مل چکا تھا کہ میں ہوٹل سے باہر جا رہی ہوں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جو لوگ دس نمبر میں ہیں انھوں نے مجھے اس مردانہ روپ میں دیکھا ہے۔"

سونیا چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بولی: "اگر دیکھ بھی لیا ہے تو کوئی بات نہیں۔ ہوٹل والوں نے بھی تمہیں جاتے اور آتے دیکھا ہو گا اور تم نے جسے قتل کیا ہے اسے بھی تمہارے ساتھ دیکھا ہو گا۔ اب میں میک اپ کا سامان اپنے ساتھ لے جاؤں گی اور کسی دوسری جگہ پہنچ کر تمہارا دوسرا میک اپ کر دوں گی۔ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم ابھی ان لوگوں کو بالکل نہ چھیڑیں۔ تم میری بات مان لو اور یہاں سے چپ چاپ نکل چلو۔"

سونیا جواب کا انتظار کیے بغیر میک اپ کا تمام سامان ایک بیگ میں ڈالنے لگی پھر اس نے نوٹوں کی گڈیاں رکھتے ہوئے کہا: "میں یہ بیگ لے کر یہاں سے نکل رہی ہوں۔ پہلے میں جاؤں گی اس کے پندرہ منٹ کے بعد تم اس کمرے سے نکل کر ہوٹل کے باہر آنا اس وقت تک میں ایک ٹیکسی کو انگیج کر کے رکھوں گی۔ تاکہ تمہارے یہاں سے نکلنے کے بعد ہمیں فرار ہونے میں دیر نہ لگے۔ جب تک تم یہاں رہو گی اس وقت تک دس نمبر کے کمرے والے یہی سمجھتے رہیں گے کہ ان کا شکار موجود ہے۔ جب تم بھی نکل جاؤ گی تو وہ تمہارا تعاقب کریں گے ایسی صورت میں فرار ہونے کے لیے ایک ٹیکسی ضروری ہے اور اس کا انتظام میں کر کے رکھوں گی۔ اچھا میں جا رہی ہوں۔"

وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ باہر نکلتے ہی اس کی توجہ دس نمبر کے دروازے پر گئی۔ بظاہر وہ اُدھر نہیں دیکھ رہی تھی لیکن اس نے کن انکھیوں سے اُدھر دیکھا تھا۔ وہ دس نمبر کا دروازہ ذرا سا یوں کھلا ہوا تھا جیسے اندر سے کوئی جھانک کر دیکھ رہا ہو۔ سونیا انجان بن کر زینے سے اترتے ہوئے ہوٹل کے باہر نکلی۔ اس کا رُخ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف تھا اس وقت صرف ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچی وہ ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ قریب پہنچنے پر پتا چلا کہ وہاں پچھلی سیٹ پر پہلے ہی کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بے چینی سے دوسری ٹیکسی کا انتظار کرنے لگی۔

ہوٹل کے سامنے والی کشادہ سڑک پر کتنی ہی گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ کئی ٹیکسیاں بھی اس کے سامنے سے گزریں۔ لیکن وہ خالی نہیں تھیں۔ وہ کلائی میں گھڑی نہیں باندھتی تھی۔ لیکن اس وقت اسے گھڑی کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس وقت معلوم ہونا چاہیے تھا کہ کتنا وقت گزرتا جا رہا ہے۔ پندرہ منٹ کے بعد مرجانہ آ جائے گی تو اس کے لیے فوراً ہی ٹیکسی کی ضرورت ہو گی اور اگر وہ دونوں وہاں ٹھہری رہ گئیں تو تعاقب کرنے والے پھر ان کے پیچھے پڑ جائیں گے۔

کافی دیر تک بے چین رہنے کے بعد اس نے اندازہ کیا کہ پندرہ منٹ گزر چکے ہیں۔ مرجانہ ابھی تک ہوٹل سے باہر نہیں آئی تھی۔ سونیا سوچ رہی تھی۔ اچھا ہے۔ مرجانہ ابھی نہ آئے۔ پہلے ٹیکسی مل جائے۔ چونکہ مرجانہ نہیں آ رہی تھی اس لیے سونیا خود کو تسلیاں دے رہی تھی کہ ابھی پندرہ منٹ نہیں گزرے ہیں۔

وقت کا اندازہ غلط لگایا جا سکتا ہے۔ سونیا نے سوچا۔ اگرچہ میں نے غلط اندازہ لگایا ہے پھر بھی آدھا گھنٹہ گزر چکا ہے۔ مرجانہ اب تک کیا کر رہی ہے آئی کیوں نہیں؟"

وہ بے چینی سے کبھی ہوٹل کی طرف اور کبھی سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سڑک کی طرف سے اُمید تھی کہ کوئی ٹیکسی مل ہی جائے گی اور ہوٹل کی طرف مرجانہ کے نظر آنے کی توقع تھی۔ پھر خیال آیا کیا وہ کسی مصیبت میں پھنس گئی ہے؟

اس خیال نے اسے پریشان کر دیا۔ اور خود ہی ہوٹل کی طرف تیزی سے چلنے لگی۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ مرجانہ اپنے شانے سے بیگ لٹکائے ہوٹل سے باہر نکل رہی تھی۔ وہ قریب پہنچتے ہوئے بولی: "سوری، مجھے ذرا دیر ہو گئی۔"

سونیا نے کہا: "اچھا یہ ذرا دیر ہوئی ہے؟ میرے اندازے کے مطابق آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا ہے۔ تم اب تک کیا کر رہی تھیں؟"

"میں کیا بتاؤں اپنے کمرے سے نکل رہی تھی تو میں نے دس نمبر کے دروازے کو ذرا سا کھلا ہوا پایا۔ بس مجھے غصہ آ گیا کہ کمبخت چھپ کر نگرانی کر رہا ہے۔ میں نے فوراً ہی پلٹ کر دروازے پر زور دار لات ماری اس کے پیچھے کھڑا ہوا آدمی لڑکھڑاتا ہوا دور فرش پر جا گرا۔ میں کمرے کے اندر گھس گئی اور دروازے کو بند کر کے اس کی بھی ایسی تیسی کر دی۔

سونیا نے گھور کر پوچھا "کیا تم نے اسے ختم کر دیا ؟"

"اور نہیں تو کیا زندہ چھوڑ دیتی ؟"

"میں نے تمھیں منع کیا تھا کیا یہی تم میرا مشورہ مانتی ہو یہی تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ اب میں تم سے بات نہیں کروں گی۔ جاؤ تمھارا میرا راستہ الگ ہے ؟"

یہ کہہ کر سونیا غصے سے پلٹ کر سڑک کی طرف جانے لگی۔ مرجانہ اس کے پیچھے [illegible] کرتی ہوئی آنے لگی "سنو سونیا، میں تو تمھارے لیے جان دینے کو تیار ہوں مگر اس دشمن کو دیکھ کر غصہ آ گیا تھا میں تھوڑی دیر کے لیے تمھاری باتوں کو بھول گئی تھی۔ بس آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گی میں وعدہ کرتی ہوں۔ اپنی قسم کھاتی ہوں تمھاری قسم کھاتی ہوں۔ مان جاؤ نہیں تو میں سب کے سامنے تمھیں اٹھا کر بھاگنا شروع کر دوں گی ۔"

وہ دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئی فٹ پاتھ پر آ کر کھڑی ہو گئیں اسی وقت ایک ٹیکسی نظر آئی۔ سونیا نے ہاتھ دکھا کر اسے روکا۔ پھر پچھلی سیٹ پر بیٹھنے لگی۔ مرجانہ بھی اس کے پیچھے ہی پچھلی سیٹ پر پہنچ گئی۔ سونیا نے ڈرائیور سے کہا "آگے بڑھاؤ۔ ہم تمھیں بتائیں گے کہ کہاں جانا ہے ۔"

ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ سونیا نے اس سے پوچھا "تم نے ہوٹل میں جو کچھ بھی کیا وہ تمھارے لیے دس پندرہ منٹ کا کام تھا پھر اتنی دیر کیوں لگا دی۔ کیا مقابلہ سخت تھا ؟"

مرجانہ نے ڈرائیور کی طرف دیکھا پھر جاپانی زبان میں بولی "یہ ڈرائیور ہو سکتا ہے کہ انگریزی زبان سمجھتا ہو۔ میں نے سنا ہے کہ تم جاپانی زبان سمجھ لیتی ہو اور بول لیتی ہو۔"

سونیا نے جاپانی زبان میں پوچھا "تم نے یہ زبان کہاں سے سیکھی ہے ؟"

وہ بولی "کیا تمھیں پتہ نہیں کہ میرا استاد ایک جاپانی تھا۔ داسٹور دکی نے مجھے یہ زبان سکھائی ہے۔ بہر حال تم نے یہ ٹھیک سمجھا ہے کہ میرے لیے اس کو ٹھکانے لگانا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ مشکل سے دس منٹ لگے ہوں گے لیکن میں دوسری مشکل میں پڑ گئی تھی۔"

"کیسی مشکل ؟"

مرجانہ چند لمحوں تک ہچکچاتی رہی پھر بولی "مجھے اپنا میڈیکل چیک اپ کرانا ہو گا۔ میں ایک جسمانی تکلیف میں اکثر مبتلا ہو جاتی ہوں۔"

سونیا نے پوچھا "آخر وہ تکلیف کیسی ہے۔ مجھے بھی تو بتاؤ۔"

مرجانہ نے پھر ڈرائیور کی طرف دیکھا۔ حالانکہ وہ جاپانی زبان نہیں جانتا ہوگا۔ پھر بھی مرجانہ سونیا کے قریب جھک کر اس کے کان میں کچھ کہنے لگی۔ سونیا حیرانی سے آنکھیں پھاڑے ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ اس نے مرجانہ کو دیکھ کر کہا "تعجب ہے پھر تو ضرور میڈیکل چیک اپ ہونا چاہیے ہم کہیں سکون پاتے ہی اور اپنا حلیہ بدلتے ہی کسی بہت بڑی لیڈی ڈاکٹر سے رابطہ قائم کریں گے۔ دیکھتے ہیں وہ کیا کہتی ہیں۔"

وہ دونوں تھوڑی دیر تک چپ چاپ بیٹھی رہیں۔ ڈرائیور نے انگریزی میں پوچھا کدھر جانا ہے ؟"

سونیا نے کہا "کسی ایسی سپر مارکیٹ میں لے چلو جہاں ضرورت کی ہر چیز ملتی ہو۔"

ڈرائیور نے گاڑی کو ایک دوسرے راستے پر موڑ دیا۔ وہ دونوں پھر چپ بیٹھی رہیں۔ وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچ رہی تھیں پھر اچانک ہی سونیا نے مرجانہ کو دیکھتے ہوئے کہا "تم نے مجھے یہ بات بتائی ہے تو میں اب ایک خاص بات نوٹ کر رہی ہوں۔ جب تمھارے سر پر ضرب لگائی گئی تھی اور تم بری طرح زخمی ہو گئی تھیں۔ اس کے بعد تم تھیں اس کیمپ میں آ کر ملی تھی۔ تبھی میں نے محسوس کیا تھا کہ تمھاری آواز میں ہلکی سی تبدیلی آ گئی ہے۔ ذرا سا بھاری پن پیدا ہو گیا ہے جیسے کوئی لڑکا بول رہا ہو۔ اس وقت میں نے اس تبدیلی پر زیادہ غور نہیں کیا۔ شاید اس لیے کہ میں تم سے متاثر ہوں۔ تمھاری ہر بات اچھی لگتی ہے۔ اس لیے یہ تبدیلی بھی اچھی لگی تھی اور میں نے اسے غیر شعوری طور پر قبول کر لیا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک سپر مارکیٹ میں پہنچ گئے۔ وہاں سونیا نے اپنے لیے مردانہ لباس خریدا اور مرجانہ کیلئے زنانہ لباس۔ مرجانہ نے پوچھا "یہ الٹی بات کیوں ؟ میں قد میں تم سے اونچی ہوں اور جسامت میں بھاری ہوں۔ مجھے مرد کے روپ میں ہونا چاہیے ۔"

"میں جانتی ہوں۔ اسی لیے پہلے میں نے تمھیں مرد بنایا تھا لیکن اب میں چاہتی ہوں کہ جلد سے جلد کوئی لیڈی ڈاکٹر تمھارا معائنہ کرے اور لیڈی ڈاکٹر اس وقت تمھیں ہاتھ بھی نہیں لگائے گی جب تم مرد کے روپ میں ہو گی۔"

یہ کہہ کر سونیا نے میک اپ کے لیے دو چار ضروری چیزیں خریدیں پھر وہ لوگ ایک بڑے سے ہوٹل میں پہنچے۔ وہاں انھیں ایک کمرہ کرایے پر مل گیا۔

انھیں بھوک لگی تھی لیکن وہ جلد سے جلد اپنا حلیہ بدلنا چاہتی تھیں۔ اس لیے کھانے کے معاملے کو ٹال دیا اور دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔

تقریباً تین گھنٹے کے بعد جب دروازہ کھلا تو اندر سے سونیا مرد کے روپ میں باہر نکلی۔ اس کے پیچھے مرجانہ۔ وہ عورت ہی کے روپ میں تھی۔ لیکن چہرہ بدلا ہوا تھا۔ دونوں کو دیکھ کر کوئی بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔ وہ اطمینان سے باتیں کرتی ہوئی ہوٹل سے نکلیں ہوٹل والے بھی انھیں نہ پہچان سکے۔ باہر آ کر انھوں نے ایک اخبار

فروش سے اخبار خریدا پھر ایک ریسٹورنٹ میں پہنچ کر کھانے کا آرڈر دیا اور مطالعہ کرنے لگیں۔

"اخبار پڑھنے کے بعد اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ ہمارے خلاف کتنی بڑی سازش کی گئی تھی اور ہمیں کس مقصد کے لیے جنگلوں میں محصور کیا گیا تھا۔ مرجانہ نے پھر غصے سے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ میں ابھی سپر ماسٹر کی بوٹیاں نوچ لوں ۔"

سونیا نے کہا "غصہ تھوک دو۔ سپر ماسٹر کو ہم کئی برسوں کے بعد بھی تلاش نہ کر سکے۔ ہاں ایک سپر ماسٹر کو شکست کھا کر اپنا عہدہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس دوسرے سپر ماسٹر کو بھی ہم کچھ نہ کچھ سبق ضرور سکھائیں گے۔ ابھی تم غصہ دکھاؤ گی تو اس کا نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلے گا۔"

ان کے آرڈر کے مطابق کھانا آ گیا۔ مرجانہ غصے میں تھی کھانے کو ہاتھ نہیں لگا رہی تھی۔ سونیا نے پچکار کر کہا "کھانا کھا لو۔ نہیں کھاؤ گی تو میں بھی بھوکی رہوں گی۔ اگر تم میرے مشورے کے مطابق عمل نہیں کرو گی اور اپنے طور پر کوئی قدم اٹھا کر دشمنوں سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دو گی تو بات بگڑ جائے گی۔ میں ناراض ہو کر ہمیشہ کے لیے تم سے دور چلی جاؤں گی۔ مجھے تلاش کرتی رہو گی۔ میں تمھیں نہیں ملوں گی ۔"

سونیا نے اسے سمجھا، منا کر کھلانا شروع کیا۔ خود بھی کھایا پھر کھانے کے بعد چائے پینے کے دوران سونیا نے کہا "میں نے اس اخبار کے ذریعے ایک بہت بڑی تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر کا پتہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ اس کا فون نمبر بھی ہے۔ لیکن میں فون پر رابطہ قائم کر کے ملاقات کا وقت مقرر نہیں کروں گی۔ ابھی یہاں سے اٹھ کر سیدھے اس کے پاس چلیں گے۔ کیا خیال ہے ؟"

وہ کھانے کے بعد وہاں سے اٹھ گئیں۔ پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر اس پتے کے مطابق لیڈی ڈاکٹر کے بنگلے پر پہنچ گئیں۔ وہ لیڈی ڈاکٹر بیگم عورت تھی، مگر بہت ہی مشہور اور تجربہ کار تھی۔ اس وقت وہ اپنے کلینک جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس نے پہلے تو ان سے ملنے سے انکار کیا پھر سونیا کے اصرار پر اس نے صرف پانچ منٹ کا وقت دیا۔ اس پانچ منٹ میں سونیا نے اس ڈاکٹر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ کلینک پر جانے سے پہلے ہی مرجانہ کا معائنہ کرے۔ وہ منہ مانگی فیس ادا کرے گی۔

لیڈی ڈاکٹر سونیا کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر مرجانہ کو معائنے کے کمرے میں لے گئی۔ سونیا وہاں تنہا بیٹھ کر ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ وہ میرے متعلق بھی سوچ رہی تھی کہ آخر میں نے اتنی دیر سے رابطہ کیوں نہیں قائم کیا ہے ۔ کہیں پھر سے کسی مصیبت میں گرفتار تو نہیں ہو گیا۔ اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ نہ تو میں رابطہ قائم کر رہا تھا اور نہ ہی اب اس کا کوئی دوست رہ گیا تھا۔ سپر ماسٹر سے جو دوستی تھی وہ اب ختم ہو چکی تھی۔ دوسری طرف مرجانہ الجھن کا باعث بن رہی تھی۔

وہ الجھن کیسی تھی۔ اس کا جواب تھوڑی دیر بعد ملنے والا تھا اور تھوڑی دیر بعد جب لیڈی ڈاکٹر مرجانہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئی تو اس سے طرح طرح کے سوالات کر رہی تھی مرجانہ نے کہا "میں نے آپ کو مختصراً اپنے بچپن سے لے کر اب تک کی باتیں بتائی ہیں میں شروع ہی سے لڑکوں جیسی زندگی گزارتی آئی ہوں۔ اور جوانی تک میں نے بڑی محنت و مشقت کی زندگی گزاری ہے۔ مردوں میں رہی ہوں اور مردوں کا مزاج رکھتی ہوں۔ مجھے عورتوں کے لباس بھی پسند نہیں ہیں چونکہ مشرقی ملک سے تعلق رکھتی ہوں۔ اس لیے اپنے ماحول کے مطابق زنانہ لباس پہن لیتی ہوں ۔"

لیڈی ڈاکٹر توجہ سے اس کی باتیں سنتی رہی پھر اس نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے بڑے ادب سے کہا "سر میرے پاس ایک کمپلیکیٹڈ کیس آیا ہے۔ میں آپ کو رپورٹ سنا رہی ہوں۔ آپ ذرا توجہ سے سنیں اور مشورہ دیں ۔"

یہ کہہ کر وہ معائنے کی رپورٹ اپنے سینئر ڈاکٹر کو سنانے لگی۔ پھر اس نے بتایا کہ مرجانہ بچپن سے مردانہ مزاج رکھتی ہے اور اس مزاج کو اپنی حرکتوں سے بھی ظاہر کرتی رہی ہے۔ بچپن سے یہ ایک نفسیاتی کیس رہا ہے اور اب عملی طور پر اس کا اظہار ہو رہا ہے ۔"

یہ کہنے کے بعد وہ دوسری طرف سے کچھ سننے لگی۔ تھوڑی دیر تک سنتے رہنے کے بعد اس نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا اور پھر ریسیور رکھتے ہوئے بولی "پتہ نہیں جو کچھ میں کہنے جا رہی ہوں یہ تم لوگوں کے لیے اچھی خبر ہو گی یا بری ؟" اس نے مرجانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس عورت کی جنس تبدیل ہو رہی ہے۔ اسے کسی ماہر ڈاکٹر کے زیر علاج رہنا ہو گا۔ کچھ عرصے تک مخصوص ٹریٹمنٹ کے بعد ایک مرحلہ ایسا آئے گا جب اس کا آپریشن کیا جائے گا۔ اگر آپریشن کامیاب رہا تو یہ ایک مکمل مرد بن جائے گی ۔"

سونیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مرجانہ کو دیکھنے لگی۔ مرجانہ خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے ذرا قریب کھسک کر سونیا کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی مرد اس کا ہاتھ تھام رہا ہے۔ سونیا ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر اٹھ کھڑی ہو گئی۔ وہ سہیلی بن کر مرجانہ کے گلے لگ سکتی تھی۔ اگر وہ مرد کے روپ میں آ جائے تو اسے ہاتھ پکڑنے کی بھی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔

دوسری طرف مرجانہ خوش ہو کر ڈاکٹر سے کہہ رہی تھی "ڈاکٹر آپ

نے مجھے بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے۔ میں بچپن سے یہی خواب دیکھتی آرہی ہوں کہ میں عورت نہیں مرد ہوں اور جب سے مجھے ایک دلنواز دوست ملی ہے اس وقت سے تو میں یہی دعا مانگتی تھی کہ مرد بن جاؤں۔ اب میں مرد بننے والی ہوں اور جس دن ایسا ہو جائے گا اس دن میں ساری دنیا سے مخالفتیں مول لے کر اپنی محبوبہ کو حاصل کرلوں گی۔"

ایسا کہتے ہوئے مرجانہ نے بڑے پیار سے اور بڑے عزم سے سونیا کی طرف دیکھا۔ جیسے چیلنج کر رہی ہو کہ وہ سونیا کو حاصل کرنے کے لیے ہر مخالفت سے، ہر دیوار سے ٹکرا جائے گی۔ چاہے وہ فرہاد کی ٹیلی پیتھی کی دیوار کیوں نہ ہو۔

سونیا اور مرجانہ کے درمیان چند لمحوں کی خاموشی چھائی رہی۔ چند لمحوں کی خاموشی میں پچھلے چند دنوں کا حساب تھا۔ ان چند دنوں میں دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آگئی تھیں۔ انھوں نے بڑی بڑی مصیبتوں میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا اور دشمنوں کو منہ توڑ جواب دیتے ہوئے وہ یہاں تک پہنچی تھیں۔ دونوں میں اتنا گہرا دلی لگاؤ پیدا ہوگیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو اپنی زندگی سمجھنے لگی تھیں جو مرد اور عورت کے درمیان ہوتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی پیاری پیاری سہیلیاں تھیں لیکن اب سونیا بے چاری بن رہی تھی اور مرجانہ بے چارا بننے جا رہا تھا۔ بیگم لیڈی ڈاکٹر نے ایک کاغذ پر کچھ لکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم دونوں میں کیا رشتہ ہے؟"

مرجانہ نے کہا: "ہم آپس میں دوست ہیں۔"

لیڈی ڈاکٹر نے کہا: "مرد اور عورت کی دوستی کے پیچھے ہوس ہوتی ہے لیکن اب تم دونوں کی دوستی کے درمیان ہوس نہیں ہوگی۔ کچھ عرصے بعد دونوں ہی مرد ہوگے اور مردوں کی طرح مردانہ وار دوستی نبھاؤ گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

یہ کہہ کر لیڈی ڈاکٹر کاغذ کا وہ پرزہ سونیا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی: "یہ ڈاکٹر ڈیسوزا کا پتہ ہے۔ یہ لندن میں رہتے ہیں اور بہت ہی ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر ہیں۔ تمھاری یہ ساتھی عورت ان کے زیر علاج رہ کر آپریشن کے مرحلے سے گزر کر ایک دن تمھارے جیسی مکمل مرد بن جائے گی۔"

چونکہ سونیا مرد کے روپ میں تھی اس لیے لیڈی ڈاکٹر سونیا کو دیکھتے ہوئے اس کے جیسے مرد کی مثال دے رہی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر کی فیس پہلے ہی ادا کی جا چکی تھی۔ وہ دونوں اس سے رخصت ہو کر اس بنگلے سے باہر آئیں اور ایک گلی سے گزرتے ہوئے مین روڈ کی طرف جانے لگیں ۔۔۔ ان کے درمیان تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر مرجانہ نے پوچھا: "سونیا کیا بات ہے۔ تم بہت دیر سے چپ چپ ہو۔ کیا میری اس تبدیلی پر تمھیں خوشی نہیں ہوگی؟"

وہ جبراً مسکراتے ہوئے بولی: "ہاں۔ ضرور ہوگی لیکن اچھا ہوتا کہ تم عورت ہی رہتیں۔ ہم آپس میں کتنی اچھی سہیلیاں تھیں۔ ایک دوسرے پر جان نچھاور کرتی تھیں۔"

"ہم اب بھی ایک دوسرے کے لیے جان پہ کھیل جائیں گے۔ ہماری محبت کم نہیں ہوگی۔ بلکہ پہلے سے بڑھ جائے گی۔"

یہ کہتے ہوئے مرجانہ نے سونیا کا ہاتھ تھام لیا۔ سونیا کے جی میں آیا کہ اپنا ہاتھ چھڑا لے لیکن پھر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اس کے دماغ میں یہ بات آئی اگر وہ مرجانہ سے کھنچی کھنچی رہے گی تو مرجانہ اسے نفرت سمجھے گی اور اس کے دلی جذبوں کو نہیں سمجھ سکے گی کہ سونیا اب بھی اس کو دل و جان سے چاہتی ہے لیکن اس چاہت میں اب شرم اور حیا حائل رہے گی اور وہ دو کناروں کی طرح رہیں گی جن کے درمیان محبت کا دریا بہتا رہے گا۔ لیکن ایک کنارا دوسرے کنارے کو چھو نہیں سکے گا۔

مرجانہ ایسا نہیں سوچ رہی تھی۔ وہ صرف اپنے جذبوں میں چھلکتے ہوئے کہہ رہی تھی: "اب جب بھی میں تم سے بولوں گا تو مردوں کی طرح بولوں گا کیوں ٹھیک ہے نا؟"

سونیا خوب سمجھ رہی تھی۔۔۔ اگر وہ اندر زبان کی ادائیگی میں مرد کی حیثیت سے نہ بولتی تب بھی اس کی آواز میں کسی قدر مردانہ پن آگیا تھا۔ اس کی آواز ذرا سی بھاری بھر کم ہوگئی تھی اور جب وہ بولتی تھی تو سونیا کا دل ایک نامعلوم خوف سے دھڑکنے لگتا تھا۔ وہ کبھی بزدل نہیں تھی۔ اس کے اندر جو خوف تھا وہ اپنی پیاری مرجانہ کو چھوڑ جانے کا خوف تھا اور یہ خوف اس لیے بھی تھا کہ آج جو اتنی گہری محبت ہے کل وہ شدید نفرت میں نہ بدل جائے اور یہ نفرت دشمنی کا سبب بن جائے۔

وہ دونوں چلتے چلتے ایک کیمسٹ کی دکان کے سامنے رک گئیں۔ بیگم لیڈی ڈاکٹر نے جو کاغذ دیا تھا اس میں کچھ دوائیں بھی لکھی ہوئی تھیں۔ سونیا نے مرجانہ کے لیے وہ دوائیں خریدیں تاکہ ان کا استعمال آج ہی شروع ہو جائے۔ پھر اس کیمسٹ سے دریافت کیا کہ قریب میں پے اِنگ گیسٹ کے لیے کوئی جگہ ہے۔ کیمسٹ نے انھیں ایک پتہ بتایا۔ وہ اس پتے کو نوٹ کرکے دکان سے باہر آئیں۔ سونیا کا دماغ تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اگر وہ پے اِنگ گیسٹ کی حیثیت سے مرجانہ کے ساتھ رہے گی تو ایک ہی کمرے میں رات گزارنی ہوگی اور اب وہ ایک کمرے میں اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: "مرجانہ میں تمھیں اس پے اِنگ گیسٹ والے بنگلے میں چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لیے ایک کام سے جاؤں گی۔ جلد ہی واپس آجاؤں گی۔"

مرجانہ نے پوچھا: "ایسا کیا کام ہے کہ مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو؟"

باڑ گی ۔۔۔"

وہ بولی: "میں یہاں کے ماسٹر سے ملاقات کروں گی اور ان کا محاسبہ کروں گی۔ یہ پوچھوں گی کہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف سازش کیوں کی۔ اگر میں تمھیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی تو تم جوش میں آکر اسے مارنے کے لیے تیار ہو جاؤ گی۔ میں یہ نہیں چاہتی۔ یوں بھی ڈاکٹر نے تمھیں آرام کرنے کے لیے اور دوائیں پابندی سے استعمال کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس لیے تم آرام کرنا۔ میں جلد ہی تمھارے پاس آجاؤں گی۔"

مرجانہ نے ساتھ چلنے کی ضد کی لیکن سونیا نے اس پتے پر پہنچ کر مرجانہ کو سمجھا بجھا کر اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ انتظار کرے گی اور اسے تنہا جانے دے گی۔ جس پتے پر وہ پہنچیں اس بنگلے میں پے اِنگ گیسٹ کی حیثیت سے رہنے کی گنجائش تھی۔ ایک کمرہ مل گیا۔ انھوں نے اس کا ایڈوانس کرایہ ادا کیا۔ کمرے میں پہنچنے کے بعد سونیا نے مرجانہ کو اپنے سامنے دوائیں کھلائیں۔ تھوڑی دیر اس سے باتیں کیں پھر اس سے رخصت ہونے لگی۔ مرجانہ نے کہا: "تم تنہا جا رہی ہو۔ اور دشمنوں سے ملنے جا رہی ہو اگر تمھیں کچھ ہوگیا تو مجھے کیسے پتہ چلے گا۔ تم یہ کیسی ضد کر رہی ہو کہ میں یہاں آرام کروں اور تم دشمنوں میں جاؤ۔"

"مرجانہ یہی تو تم نہیں سمجھ رہی ہو میں دشمنوں کو دشمن سمجھ کر نہیں جا رہی ہوں۔ ان سے لڑنے نہیں جا رہی ہوں۔ میں سہولت سے باتیں کروں گی اور سہولت سے واپس آؤں گی۔ میں نادان نہیں ہوں۔"

"اور میں بزدل نہیں ہوں کہ تمھیں تنہا جانے دوں۔"

سونیا نے غصہ دکھاتے ہوئے کہا: "ابھی تو تم راضی ہوگئی تھیں۔"

وہ بولی: "وہ مرجانہ جو عورت ہے راضی ہوگئی تھی اور وہ مرجانہ جو عورت نہیں ہے وہ راضی نہیں ہو سکتا۔ میں اس شرط پر تمھیں جانے دوں گا کہ فرہاد مجھ سے رابطہ قائم کرے۔ اس طرح فرہاد کے ذریعے مجھے تمھاری خیریت کا پتہ چلتا رہے گا۔ میں اطمینان سے یہاں تمھاری واپسی کا انتظار کرتا رہوں گا۔"

سونیا سوچ میں پڑ گئی۔ وہاں کے ماسٹر کے پاس جانا اس کے لیے کوئی اہم نہیں تھا۔ سو وہ کچھ وقت مرجانہ سے دور رہ کر گزارنا چاہتی تھی۔ تنہائی میں ذرا سکون سے سوچنا چاہتی تھی کہ مرجانہ کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کیا جائے۔ ایسا کہ وہ یہ محسوس نہ کرے کہ سونیا اس سے کھنچی کھنچی رہنے لگی ہے۔ وہ سچ مچ اس سے کھنچی رہنا چاہتی تھی لیکن مرجانہ کو اس کا احساس بھی نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ اب اس سلسلے میں میرا انتظار تھا کہ میں رابطہ قائم کروں گا تو مجھ سے مشورہ کرے گی۔

میں غلام اور رسوتی کے ساتھ ایک جھونپڑی میں آرام کر رہا تھا اور ایک آرام دہ بستر پر لیٹا ہوا تھا اس وقت رات کے دس بجے تھے۔ رسوتی غلام کو اپنی داستان سنا رہی تھی کہ ہم کتنی مصیبتوں سے گزرتے ہوئے اس جنگل میں دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے اور خونخوار آدم خور گدھوں سے بچتے بچاتے ہوئے وہاں پہنچے ہیں۔ رسوتی کی داستان جاری تھی غلام سن رہا تھا۔ میں کچھ دیر ان کے ساتھ رہ کر واپس سونیا کے پاس پہنچا۔ اس وقت رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔

وہ دونوں جاگ رہی تھیں۔ سونے کا ارادہ نہیں تھا۔ ارادہ ہوتا تب بھی ابھی نیند نہیں آتی۔ مرجانہ کی زندگی میں اتنا بڑا انقلاب آ رہا تھا اور اس انقلاب کی وجہ سے سونیا الجھن میں گرفتار ہوگئی تھی۔ میں نے چپکے سے سونیا کے دماغ میں جھانک کر کہا: "ہیلو سونیا تم بہت پریشان ہو۔ میں نے تھوڑی دیر تمھارے دماغ میں رہ کر بہت ساری باتیں معلوم کر لی ہیں۔ مرجانہ کا پرابلم بھی معلوم ہوگیا ہے۔"

سونیا نے کہا: "فرہاد تم تو جانتے ہو کہ آج تک میں نے کسی کو بھی لفٹ نہیں دی مرد کی بات تو دوسری ہے کسی عورت کو بھی میں نے اپنی سہیلی نہیں بنایا۔ دوستی نہیں کی کسی کو اپنے اتنے قریب آنے کی اجازت نہیں دی جتنا کہ مرجانہ آچکی ہے۔ واقعی اس کی شخصیت اتنی اچھی، اتنی پیاری اور اتنی پرکشش ہے کہ میں اس سے بہت زیادہ متاثر ہوں لیکن متاثر ہونا اور بات ہے۔ اب مرجانہ مجھ سے محبت کی طالب ہوگی اور یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ یہاں میرے اور اس کے درمیان اختلافات پیدا ہوں گے اور یہ اختلافات بہت دور تک بڑھ سکتے ہیں اور بہت پریشانیاں اور الجھنیں پیدا کر سکتے ہیں۔"

"سونیا ہم نے آج تک اتنی پریشانیاں اٹھائی ہیں جن کا کوئی حساب نہیں ہے اور ہمیں بارہا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان رکاوٹوں سے گزرنا پڑا ہے ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہم نے زندگی کی جدوجہد کے دوران یہ سیکھا ہے کہ کوئی بھی مسئلہ سامنے آئے تو اس کو بہت زیادہ اہمیت نہ دی جائے۔ بلکہ پہلے اپنے دماغ کو پُرسکون رکھا جائے۔ اس مسئلے کو ٹالا جائے اور آہستہ آہستہ اس کے متعلق سوچا جائے۔ ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد اس کا کوئی حل تلاش کیا جائے۔ ہم ایسا کریں گے ۔۔۔ تم اطمینان رکھو۔ ابھی مرجانہ مرد نہیں بن رہی ہے۔ اسے مکمل مرد بننے کے لیے کتنے ہی مرحلوں سے گزرنا ہوگا ۔۔۔ اس وقت تک تمھیں مطمئن رہنا چاہیے۔ جیسی تم دونوں کے درمیان دوستی ہے ویسی ہی دوستی نباہتی رہو۔ اس سے دور مت بھاگو۔ اسے ابھی سے یہ احساس نہ دلاؤ کہ تم دور ہو رہی ہو۔ اس سے بھرپور اپنائیت کا اظہار کرو اور اسے ساتھ ساتھ یہ احساس دلاتی جاؤ کہ تم صرف میری امانت ہو۔ یقیناً اسے رفتہ رفتہ سمجھایا جائے گا تو وہ سمجھ لے گی۔ نادان نہیں ہے۔ اس کے اندر جو انقلاب آرہا ہے تم اس سے پریشان ہوگئی ہو۔ پریشان ہونا چھوڑ دو۔"

"فرہاد تمھاری یہ بات درست ہے کہ مرجانہ ابھی مرد نہیں بن رہی ہے اور اس کے لیے ذرا وقت لگے اس وقت تک مجھے اس سے

نہیں کترانا چاہیے لیکن میں کیا کروں کہ ڈاکٹری رپورٹ سننے کے بعد اب وہ مجھے مرد ہی لگتی ہے۔ تم نے اس کی آواز نہیں سنی ہے۔ اس کی آواز میں بھی مردانہ پن آگیا ہے اور اب تو وہ یہ کہتی ہے کہ وہ "شی" نہیں ہے "ہی" ہے۔ پوری طرح یہ یقین دلا رہی ہے کہ وہ مرد بن چکی ہے اور میرے اندر بھی یہ بات سما گئی ہے کہ اب جو ساتھی ہے وہ عورت کم اور مرد زیادہ ہے اور مجھے اس سے کتراتے رہنا چاہیے۔ دوست بن کر رہنا چاہیے مگر ہمارے درمیان شرم و حیا کی ایک دیوار قائم رہنا چاہیے۔"

"یہ باتیں میں مرجانہ کو سمجھا دوں گا۔ تم اطمینان سے چلتے رہو۔ میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر اسے مخاطب کیا۔ "ہیلو مرجانہ! کیا حال ہیں؟"

وہ خوش ہو کر بولی: "ہیلو فرہاد، لیکن میں تم سے مادری زبان میں بات کروں گا۔"

میں نے ہنستے ہوئے پوچھا: "یہ کروں گا کا کیا مطلب ہوا؟"

"کیوں؟ کیا تم نہیں جانتے؟ مجھے یقین ہے کہ میرے پاس آنے سے پہلے سونیا سے باتیں کر چکے ہو اور ہمارے دماغوں میں جھانک چکے ہو۔"

"میں ساری معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ ڈاکٹری رپورٹ سن چکا ہوں۔ مبارک ہو، تمہیں تمہاری دیرینہ آرزو پوری ہونے اور مرد بننے پر مبارک باد دیتا ہوں لیکن ابھی تمہیں بہت سے مراحل سے گزرنا ہوگا۔ جب تک تم مکمل طور سے مرد نہیں بن جاؤ گے۔ اس وقت تک مردوں کے انداز میں بولنا اچھا نہیں لگتا۔"

وہ بولی: "میں جب سے پیدا ہوئی تب سے اپنے اندر ایک مرد ہوں۔ قدرت نے مجھ سے ایک بہت بڑا مذاق کیا ہے۔ جو اب تک میری مردانگی کو میرے اندر چھپا رکھا ہے۔ نہ دنیا والوں پر ظاہر کیا اور نہ ہی مجھے اس کا موقع ملا کہ میں خود ظاہر کرتی کیونکہ مجھے عورتوں کا جسم ملا تھا۔ اب یہ جسمانی تبدیلی بھی ہوگی۔ میرا مزاج پہلے سے بدلا ہوا تھا اب جسم بھی بدلے گا، جذبے بھی بدلیں گے۔ جب یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو میں ابھی سے مردانہ انداز میں کیوں نہ بولوں۔ کیا تمہیں میرا اس طرح بولنا برا لگتا ہے۔ کیا تم اپنے دل میں کوئی خلش رکھتے ہو کہ میں مرد کیوں بن رہا ہوں؟"

"نہیں مرجانہ، یہ بات نہیں ہے۔ میں تمہیں صرف اس لیے سمجھا رہا ہوں کہ سونیا تمہیں اب تک ایک سہیلی کی حیثیت سے قبول کر رہی ہے۔ تم جب تک عورت کے روپ میں ہو اس وقت تک تم سہیلی بنی رہو اور سہیلی کے انداز میں، عورتوں کے انداز میں گفتگو کرو۔ سونیا کو یہ احساس مت دلاؤ کہ تم مرد ہو اگر تم مرد کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہنا چاہو گی تو وہ تم سے کترائے گی۔ وہ سوائے فرہاد کے اور کسی کو اپنے قریب برداشت نہیں کر سکتی۔"

"فرہاد تم جانتے ہو کہ سونیا میرے اتنے قریب آچکی ہے، جتنے قریب کبھی تمہارے ساتھ تھی۔"

میں نے کہا: "وہ اور بات تھی اس وقت تک تم دونوں سہیلیاں تھیں۔ اب تم یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تم سہیلی نہیں مرد دوست ہو۔ سونیا ایسی عورت ہے کہ کسی مرد دوست کو برداشت نہیں کرے گی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی: "کچھ عرصہ پہلے تک میں مرد اور عورت کی محبت کو حماقت سمجھتا تھا۔ میں خود نہ کسی مرد سے دوستی کرنا چاہتا تھا نہ کسی عورت سے۔ تم خود جانتے ہو کہ میں نے بڑی مشکل سے تمہیں بھی اپنا دوست بنایا تھا۔ میں صرف اپنی ممی سے محبت کرتا تھا اور آج بھی کرتا ہوں لیکن جب سے میں نے سونیا کو دیکھا ہے جب سے میں اس کے قریب رہنے لگا ہوں۔ جب سے اس کی ایک ایک ادا میرے دل میں اترنے لگی ہے۔ جب سے سونیا کی ایک ایک صلاحیت نے مجھے متاثر کیا ہے میں اس کا دیوانہ بن گیا ہوں۔ یقین کرو کہ میں تمہیں اپنے مرحوم والد کی تمام دولت اور جائیداد دے کر اور زندگی بھر تمہارا غلام بن کر سونیا کو اس کے بدلے تم سے مانگ لوں گا۔ اور تم سے کہوں گا کہ سنجیدگی سے غور کرو۔ میری محبت کو سمجھو، میرے جذبے کو سمجھو، میری دیوانگی کو سمجھو اور سونیا کو میرے حوالے کر دو۔ ابھی بہت وقت ہے۔ جب تک میں آپریشن کے مرحلے سے گزرتا رہوں اس وقت تک تمہیں میرے حق میں فیصلہ کرنا ہوگا۔"

مرجانہ یہ سب کچھ دل کی گہرائیوں سے کہہ رہی تھی۔ میں اس کے جذبوں کو سمجھ رہا تھا اس کی دیوانگی کو سمجھ رہا تھا چونکہ اس کے دماغ کے اندر تھا اس لیے اس کے دماغ کی گہرائیوں تک پہنچ رہا تھا۔ میں ان گہرائیوں میں صرف سونیا ہی سونیا کو دیکھ سکتا تھا۔ لیکن، میرے اور سونیا کے لیے وہ ایک بہت ہی الجھا ہوا مسئلہ بن گئی تھی۔ جہاں تک سونیا کو چھوڑنے کا تعلق ہے تو میں اسے اپنی مرضی سے کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ میری روح، میری زندگی تھی۔ ایک بار جب وہ میری "ڈمی" بالو نکسین سے دلچسپی لینے لگی تھی تو میں نے سوچا تھا شاید وہ مجھ سے پیچھا چھڑا کر اس کی بن جانا چاہتی ہے لیکن حقیقتاً کچھ اور تھی ۔۔۔ وہ بالو نکسین کو میری ڈمی سمجھ کر قبول کر رہی تھی۔ اسے ایک کھلونا سمجھ کر کھیل رہی تھی لیکن اس کھیل کے دوران اس نے کبھی ایسا موقع نہیں آنے دیا جب بالو نکسین اس کے ساتھ تنہائی میں وقت گزار سکتا۔ سونیا نے اپنی ذات کو صرف میرے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اس بات کو میں نے برسوں کے تجربات سے سمجھا تھا۔ اس پر مجھے پورا یقین تھا سونیا کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ بالو نکسین کو مزدور چاہتی تھی۔ بس ایسے ہی چاہتی تھی۔ جیسے آج کل مرجانہ اس سے محبت کر رہی تھی۔ مرجانہ کے لیے بھی اس کے دل میں بڑی وسعت تھی لیکن جو مسئلہ مرجانہ پیش کر رہی تھی وہ میرے اور سونیا کے لیے قابلِ قبول نہ تھا۔

مرجانہ نے آواز دی: "فرہاد کیا تم میرے دماغ سے جا چکے ہو؟"

میں نے کہا: "نہیں، میں موجود ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ تم ہمارے لیے ایک بہت ہی الجھا ہوا مسئلہ بن گئی ہو، بہرحال ابھی اس مسئلے پر غور کرنے، بحث کرنے اور کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے کافی وقت ہے لیکن کیا تمہارے اندر جو انقلاب آرہا ہے تم اس میں اتنی مگن ہو کہ اپنی امی کی خیریت پوچھنا بھی بھول گئیں۔"

"نہیں فرہاد، مجھے امی ہمیشہ یاد آتی ہیں لیکن میں نے اس لیے نہیں پوچھا کہ تم خود بتاؤ گے اور اس لیے میں فکر مند نہیں ہوں کہ جب تمہارے جیسا دوست اور محافظ موجود ہے تو میری امی پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔"

"ہاں، ان پر ابھی کوئی آنچ تو نہیں آئی ہے، لیکن وہ مصیبت میں گرفتار ہیں اور ایک جگہ قید ہیں۔"

وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی: "میری امی کہاں قید ہیں؟ کس نے قید کیا ہے؟"

میں نے کہا: "آرام سے بیٹھ جاؤ۔ تمہاری امی یقیناً مصیبت میں ہیں لیکن انھیں ابھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس لیے میں مطمئن ہو کر تم لوگوں کے پاس آیا ہوں۔"

سونیا نے پوچھا: "کیا بات ہے مرجانہ؟ تم اچانک اٹھ کر کیوں کھڑی ہو گئیں؟"

مرجانہ نے بیٹھتے ہوئے کہا: "فرہاد نے بتایا ہے کہ میری امی مصیبت میں گرفتار ہیں اور کہیں قید کر دی گئی ہیں۔"

میں نے سونیا سے کہا: "سونیا میں تمہاری زبان سے مرجانہ کی امی کی داستان سنا رہا ہوں۔ تمہارا ذہن بھی اسے سنتا رہے گا اور تمہاری زبان یہ داستان مرجانہ کو سناتی رہے گی۔ تو سنو۔"

سونیا بولنے لگی: "مرجانہ میں فرہاد بول رہا ہوں۔ جیسا کہ میں نے بتایا تھا کہ تمہاری امی پاکستان جانے کے لیے ایک دوسرا روپ اختیار کر رہی ہیں۔ میک اپ کے ذریعے ان کے چہرے اور ان کی شخصیت کو بدلا جا رہا ہے۔ پیرس میں ایک خاتون ہے جس کا نام ڈارلنگ افروزہ ہے وہ تقریباً بتیس تینتیس برس کی ایک تنہا عورت ہے اس نے آج تک شادی نہیں کی۔ اس کا مشغلہ فوٹو گرافی ہے۔ وہ بڑے اہم واقعات کی تصویریں اتار کر ہزاروں ڈالر کماتی ہے۔ تمہاری امی اسی ڈارلنگ افروزہ کے روپ میں ہیں۔"

"تمہاری امی میری بھی امی ہیں میں کوئی غلط توہین آمیز بات ان کے متعلق نہیں کہہ سکتا۔ لیکن یہ تو تم جانتی ہو کہ تمہاری امی ابھی چالیس برس کی بھی نہیں ہوئی ہیں۔ عورتیں چالیس برس میں بوڑھی نہیں ہوتیں، ادھیڑ عمر کہلاتی ہیں۔ تمہاری امی تمہاری خاطر بیس برس تک جوانی کی آگ میں جلتی سلگتی رہیں۔ اپنے جذبوں کو کچلتی رہیں۔ صرف ممتا کے جذبے کو انھوں نے بیدار رکھا اور یہ سب کچھ تمہارے لیے کیا۔"

"ہاں فرہاد، میں مانتی ہوں۔ انھوں نے میرے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے۔ وہ چاہتیں تو دوسری شادی کر سکتی تھیں۔"

میں نے کہا: "اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے اگر تم جوان ہو گئی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہاری امی بوڑھی ہو گئی ہیں۔ وہ بھی جوان ہیں۔ ان کے دل میں بھی ارمان ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم انہیں صرف ماں کے خانے میں بٹھا کر دیکھتے ہیں۔ بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری امی کو کسی شخص سے دلچسپی نہیں لے رہی تھیں ۔۔۔ لیکن تقدیر یوں ہے کہ جس شخص کا میں ذکر کر رہا ہوں اس کا نام ڈیئر جمال ہے اور تمہاری امی کا نام ڈارلنگ افروزہ ہے۔ یہ ڈیئر اور ڈارلنگ کا جوڑ خوب مل گیا ہوا یوں کہ ڈیئر جمال ایک برس پہلے ڈارلنگ افروزہ پر مر مٹا تھا اب تک اس کے عشق میں مبتلا رہا تھا۔ ڈارلنگ افروزہ کو تلاش کرنے کے لیے وہ پیرس آیا لیکن وہ نہیں مل سکی۔ اب وہ بنکاک کی طرف جا رہا تھا کہ ہوائی جہاز میں تمہاری امی سے سامنا ہو گیا۔ چونکہ تمہاری امی ڈارلنگ افروزہ کے روپ میں تھیں۔ اسی لیے وہ ان میں دلچسپی لینے لگا۔ اس کی یہ دلچسپی بہت پہلے سے تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جو کچھ ہے ڈارلنگ افروزہ ہے میری امی کی شخصیت کچھ نہیں ہے۔"

"ایسی بات نہ کہو اگر ڈارلنگ افروزہ کا میک اپ اتار دیا جائے تو تمہاری امی کی جو شخصیت نکلے گی اس کے سامنے ڈارلنگ افروزہ کچھ بھی نہیں ہوگی۔ ڈیئر جمال انھیں دیکھ کر مبہوت رہ جائے گا اور اس کی دیوانگی پہلے سے زیادہ بڑھ جائے گی۔ وہ تمہاری امی کی شخصیت سے اور ان کے حسن و جمال سے بہت زیادہ متاثر ہوگا۔ یہ میں یقین سے کہتا ہوں۔"

"اچھا تو میری امی کو اس شخص سے دلچسپی نہیں ہے؟"

"ہاں پہلے نہیں تھی۔ لیکن بوند بوند پانی ٹپکایا جائے تو پتھر میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے۔ تمہاری امی کے سوتے ہوتے سینے بھر انگڑائی لینے لگے ہیں۔ وہ اندر ہی اندر بہت پریشان ہیں کہ کیا کریں جوان بیٹی اور ہم سب کے خیال سے کہ ان کا مذاق اڑایا جائے گا۔ وہ اپنی محبت کو ظاہر نہیں کرنا چاہتیں۔ ڈیئر جمال سے جو ایک لگاؤ پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ اس لگاؤ کو بھی انہوں نے دل کے تہہ خانوں میں چھپا

کر رکھ لیا ہے۔"

"میری امی کو اب اندر ہی اندر نہیں سلگنا چاہیے۔ وہ بھی عورت ہیں۔ ان کے سینے میں بھی دل ہے۔ انہیں ضرور دوسری شادی کرنی چاہیے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"نیک خیال ہے۔ انہیں ضرور اپنا ایک گھر پھر سے بسانا چاہیے۔ جب وہ تمہاری طرح جوان تھیں تو کتنی ہی بار اپنا گھر بسانے کے متعلق سوچا لیکن دشمنوں نے انہیں ایسا کرنے نہیں دیا۔ پھر تقدیر ایک بار مہربان ہوئی تو نواب سلامت علی نے انہیں اپنی عزت اپنی شریکِ حیات بنا لیا لیکن یہ ازدواجی مسرتیں صرف دو سال تک رہیں۔ اس کے بعد نواب صاحب اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس وقت سے اب تک دیکھا جائے تو تمہاری امی بے گھر رہی ہیں۔ ان کا اپنا گھر نہیں ہے۔ کیونکہ گھر صرف چار دیواری کو نہیں کہتے شوہر کے سائے کو بھی کہتے ہیں۔"

سونیا اتنی دیر سے ہماری گفتگو کا ذریعہ بنی ہوئی تھی اور ہماری باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا "اب آگے بھی تو بولو کیا ہوا۔ جہاں تک امی کا تعلق ہے تو انہیں جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے دیکھیں کہ ان دونوں کے رومانس کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ ہم بزرگوں کا فرض ہے کہ امی کی شادی کرائیں اور اگر ڈیئر جمال اچھا لڑکا ہے تو اسے گھیر کر رکھیں کہیں بھاگنے نہ دیں۔ اب امی بچاری ہے اتنی بزرگ نہیں ہیں جتنے کہ ہم امی کے لیے بزرگ بن گئے ہیں۔ ان کی تمام ذمہ داری ہم پر ہے۔ ہم اپنی ذمہ داریاں نبھاہیں گے اور بڑی محبت سے ان کی شادی کریں گے۔ چلو اب آگے بیان کرو۔"

میں نے پھر سونیا کی زبان سے بیان کرنا شروع کیا۔ "وہ جہاز جس پر دونوں سفر کر رہے تھے کسی ٹیکنیکل خرابی کے باعث قاہرہ کے ایئرپورٹ پر اتار لیا گیا۔ وہاں انہیں دوبارہ سفر کرنے کے لیے کئی گھنٹے تک انتظار کرنا تھا۔ وہ ایئرپورٹ سے باہر کچھ دیر کے لیے نکلے تو چند بدمعاشوں نے ان کے پاسپورٹ اور نقدی چھین لی اور انہیں ایک ویرانے میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ وہ اس ویرانے میں بہت دیر تک ایک سڑک کے کنارے چلتے رہے پھر ایک ویگن میں انہیں لفٹ ملی۔ وہ دشمنوں کی گاڑی تھی۔ جنہوں نے انہیں ایک مویشیوں کے فارم میں لے جا کر قید کر دیا۔ اس وقت سے اب تک وہ وہیں قید ہیں۔ میں امی کے دماغ میں جھانک کر دیکھ چکا ہوں وہ بخیریت ہیں۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا ہے۔ اس لیے میں مطمئن ہو کر تم لوگوں کے پاس آیا ہوں۔"

مرجانہ نے کہا "ہو سکتا ہے کہ اتنی دیر میں کوئی نہیں نقصان پہنچا دے تم بڑی دیر سے ہمارے پاس ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ ان کے ساتھ ڈیئر جمال ہے۔ میں نے تمہیں تفصیل سے نہیں بتایا ہے کہ بہت اچھا فائٹر ہے۔ چالاک اور پھرتیلا بھی ہے جن لوگوں نے انہیں گھیرا تھا ان میں سے ایک کے پاس ریوالور اور دوسرے کے پاس چاقو تھا۔ دوسرے لوگ نہتے تھے۔ اس کے باوجود اس نے ان سب کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ وہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکا ہے۔ تمہاری امی کو نقصان نہیں پہنچنے دے گا۔"

"پھر بھی بہت دیر ہو چکی ہے۔ تم امی کی خیریت معلوم کر کے آؤ۔"

"اچھی بات ہے میں جا رہا ہوں مگر اب تم دونوں کو قاہرہ جانا چاہیے۔ جہاں تم امی اور ڈیئر جمال کی مدد کر سکو گی۔"

سونیا نے کہا "اچھی بات ہے ہم سوچ کر فیصلہ کریں گے کہ یہاں سے قاہرہ کتنی جلدی پہنچا جا سکتا ہے۔"

میں ان لوگوں سے رخصت ہو کر سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا وہ دونوں ابھی تک فارم کے ایک کمرے میں قید تھے۔ دشمنوں نے ان کے چہرے سے میک اپ اتار دیا تھا۔ میک اپ اتارنے کے بعد سائرہ بانو نے ڈیئر جمال سے کہا تھا "اب مجھے دیکھو یہ میرا اصلی روپ ہے۔ میں کتنی عمر والی ہوں۔"

ڈیئر جمال نے ہنستے ہوئے جواب دیا "میں کیا دیکھوں شاید تم نے ایک عرصے سے آئینہ نہیں دیکھا ہے اگر دیکھ لیا ہوتا تو کبھی خود کو عمر والی نہ کہتیں۔ میں تو تمہیں دیکھ کر حیران ہوں۔ میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کہ دل کیسے دھڑک رہا ہے تم تو ڈارلنگ افروزہ سے بھی زیادہ حسین اور پرکشش ہو۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے عشق کی پٹڑی بدل دوں۔ جس ڈارلنگ افروزہ کے چہرے سے محبت تھی اس کا چہرہ بدل دینے سے محبت تو نہیں بدل جاتی۔ محبت چہرے کے پیچھے ہوتی ہے اور اس سفر کے دوران میں نے تمہیں قریب سے دیکھا ہے۔ تمہاری شرافت کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد میں اس قدر تمہاری شخصیت سے متاثر ہوا ہوں کہ اب اس شخصیت پر چہرے کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ یہ چہرہ خواہ سائرہ بانو کا ہو یا ڈارلنگ افروزہ کا۔ میں صرف تمہاری شخصیت سے محبت کروں گا۔"

اس کی محبت بھری باتیں سن کر سائرہ بانو اندر سے تڑپ جاتی تھی۔ ایک مدت تک اپنے جذبوں پر ضبط اور ممتا کا پہرہ بٹھائے رکھنے کے باوجود اب دل نہیں مان رہا تھا اسی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولی "جمال تم کیوں نہیں سمجھتے کہ ہمارے مشرق میں شادی کرنے اور گھر بسانے کی ایک عمر ہوتی ہے۔ جب وہ عمر گزر جاتی ہے تو ہم سب اپنے بچوں کے لیے زندہ رہتے ہیں۔ میری ایک جوان بیٹی ہے۔ کل کلاں کو اس کی شادی ہو گی۔ میرا کوئی داماد آئے

گا تو وہ میری بڑھاپے والی شادی پر ہنسیں گے۔"

وہ بولا "یہی تو مشکل ہے کہ تم خود کو بوڑھا سمجھتی ہو۔ اگر تمہاری بیٹی جوان ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جوان بیٹی کے ہونے سے مائیں بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ ایسی ہزاروں لاکھوں مثالیں ہیں کہ جوان بیٹی کی مائیں بھی شادی کرتی ہیں۔ اور اس لیے کرتی ہیں کہ وہ نہ تو مزاج کے اعتبار سے اور نہ جسمانی اعتبار سے بوڑھی ہوتی ہیں۔ ان کے سینے میں دل ہوتا ہے۔ ان کے اپنے جذبے ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی ضرورتیں ہوتی ہیں۔ تمہاری بھی ضرورت ہے اور تمہاری ضرورت میں ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے ڈیئر جمال نے ان کا ہاتھ تھام لیا "میں نے اس ہاتھ کو پکڑا ہے تو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ چاہے قیامت ہی کیوں نہ آ جائے۔ تم میرے سچے جذبے کو آزما لینا۔"

"جمال تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا فیصلہ کروں۔ پہلے میں اپنی بیٹی سے اور فرہاد سے ملوں گی۔ ان کے سامنے کسی طرح تمہارا ذکر ہونا چاہیے۔ تم بھی ساتھ رہو گے تو شاید وہ لوگ خود ہی سمجھ لیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔"

ایسا کہتے کہتے وہ ایک دم سے چونک گئی۔ ڈیئر جمال نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ بولی "میں حیران ہوں کہ فرہاد نے کل رات سے اب تک میری خبر کیوں نہیں لی۔ وہ کبھی مجھ سے بے خبر نہیں رہتا۔ میں سوچ رہی ہوں کہ یا تو وہ کسی بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہے اور اسے دماغی رابطہ قائم کرنے کا موقع نہیں مل رہا ہے یا پھر وہ جان بوجھ کر ہم سے انجان بن رہا ہے اور ہمیں ڈھیل دے رہا ہے۔"

ڈیئر جمال نے کہا "فرہاد؟ دماغی رابطہ؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ کیا فرہاد علی تیمور سے تمہارا کوئی تعلق ہے؟"

"ہاں، میں نے تمہیں ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ کون کون لوگ میرے دوست عزیز ہیں۔ ایک میری بیٹی مرجانہ ہے۔ دوسرا میرا منہ بولا بیٹا فرہاد علی تیمور ہے جسے دنیا کے بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو نہ جانتے ہوں گے۔"

ڈیئر جمال نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "ہاں، میں جانتا ہوں۔ میں نے بہت کچھ پڑھا ہے اور اس کے متعلق سنا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ تمہارا منہ بولا بیٹا ہے۔"

وہ بولیں "تم اسی سے اندازہ لگاؤ کہ جب اتنے بڑے بڑے بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو میری عمر کیا ہو گی۔ کیوں خواہ مخواہ میری ذات سے دلچسپی لیتے ہو۔"

وہ بولا "تم چاہو تو ایک ہاتھی کو بھی بیٹا بنا سکتی ہو اور اگر ایسا کرو گی تو تمہاری عمر زیادہ نہیں ہو جائے گی۔"

وہ ناراض ہو کر بولیں "کیا تم میرے بیٹے کو ہاتھی کہہ رہے ہو؟"

"نہیں بابا، میں مثال دے رہا ہوں۔ تمہارا بیٹا ہاتھی کی طرح بھاری بھرکم، شیر کی طرح مضبوط اور نڈر اور انسان کی طرح پُرعزم ہے۔ تمہارے بیٹے کے لیے جتنی مثالیں فراہم کی جائیں اتنی کم ہیں۔ خوش ہو جاؤ، غصہ تھوک دو۔"

وہ مسکرانے لگیں "میں تمہیں اپنے بیٹے سے ملاؤں گی۔ دیکھنا کہ وہ کتنا خوبرو ہے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ وہ بس میری بیٹی کا ہو کر رہ جائے۔ میری بڑی تمنا ہے کہ اسے داماد بناؤں۔"

میں ان کی خواہش پر مسکرایا۔ بیچاری اپنی بیٹی کو ابھی تک چھٹی سمجھ کر مجھے داماد بنانے کے خواب دیکھ رہی تھیں اور ان کی بیٹی کچھ عرصے بعد پتہ نہیں کس کی داماد بننے والی تھی۔

ڈیئر جمال نے کہا "میں تمہیں ایک نیک مشورہ دیتا ہوں اور وہ یہ کہ فرہاد سے ساری عمر دوستی رکھنا۔ اسے اپنا بیٹا بھی بنا لینا اس پر اپنی ممتا بھی نچھاور کرنا لیکن اپنی بیٹی کو اس کے حوالے نہ کرنا۔ اس کا ٹاٹپ یہ نہیں ہے کہ شادی کرے گھر بسائے اور بچے پیدا کرتا رہے وہ سیلانی آدمی ہے اور دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک بہتا چلا جاتا ہے۔ تمہاری بیٹی اور تم بعد میں پریشان ہو جاؤ گی۔"

وہ بولیں "ہم رشتوں کی باتیں اتنے اطمینان سے کر رہے ہیں جیسے اپنے گھر میں بیٹھے ہوں۔ کیا اسی قید خانے میں زندگی گزارنی ہے؟"

"نہیں، میں سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں۔ دیکھو ان لوگوں نے جب ہمارے پاس کھانا پہنچایا تو دو آدمی آئے تھے اور دونوں کے پاس ریوالور تھے۔ میں ایک پر حملہ کرتا تو دوسرا مجھے ہلاک کر دیتا یا زخمی کر دیتا۔ اگر کوئی ایک آدمی کھانا لے کر آئے اور میں اسے کسی طرح اپنی گرفت میں لے لوں تو میرے قبضے میں ایک ریوالور آ جائے گا۔ اس کے بعد میں ان لوگوں سے نمٹ لوں گا لیکن ابھی تک کوئی ایسا موقع نہیں مل رہا ہے۔"

بات ختم ہوتے ہی قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کوئی ان کے کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ بلکہ ایک نہیں کئی قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ لوگ مسلح تھے۔ سامنے جو آدمی تھا اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے آتے ہی مسکرا کر کہا "سائرہ بانو، آپ کے لیے خوش خبری ہے اور وہ یہ کہ آپ کی بیٹی اس وقت سونیا کے ساتھ ایتھوپیا کے شہر عدیس ابابا میں ہے۔ ہم آپ کو بھی وہاں پہنچانے کا انتظام کر چکے ہیں۔"

ڈیئر جمال نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا "تم لوگ ایک عورت کو اس کی بیٹی کے پاس پہنچاؤ گے یا ہمارے لیے کسی دوسرے قید خانے کا انتظام کیا ہے۔"

آنے والے نے کہا۔ "ہم پر شبہ نہ کرو۔ شبہ کروگے بھی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ سیدھی طرح نہیں جاؤ گے تو جبراً لے جایا جائے گا۔ مگر لے جانے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ تم لوگ اپنا پیٹ بھر لو۔"

یہ کہہ کر وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے دو آدمیوں نے کھانے کی ٹرے اور پانی کا جگ وغیرہ لا کر ان کے سامنے رکھا پھر آنے والے نے کہا۔ "تھوڑی ہی دیر میں ایک ہیلی کاپٹر یہاں پہنچنے والا ہے تم دونوں کھا پی کر تیار رہو۔ اس ہیلی کاپٹر میں تم لوگوں کا سفر شروع ہوگا اور اگر تم نہیں جانا چاہو تو ہم اس شخص سے تمہارا پیچھا چھڑا سکتے ہیں۔"

سائرہ بانو نے جلدی سے کہا۔ "نہیں، میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔ یہ ڈیئر جمال بھی میرے ساتھ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ عدیس ابابا پہنچ کر تمہیں کسی ہوٹل میں قیام کرنا ہوگا اور اپنی بیٹی کو تلاش کرنا ہوگا۔"

وہ چلا گیا۔ سائرہ بانو اور ڈیئر جمال کھانے میں مصروف ہو گئے، میں ان کے پاس سے واپس آ کر دماغی طور پر اس جھونپڑی میں حاضر ہو گیا جہاں رسونتی غلام کو ہماری داستان سنا رہی تھی۔ وہ داستان ختم ہو گئی تھی اور اب وہ مستقبل کے متعلق باتیں کر رہے تھے کہ وہ کس طرح ہونے والے بچے کی پرورش کرے گی اور کس طرح غلام رسونتی کی حفاظت کرے گا اور اسے کسی قسم کی کمی کا احساس نہیں ہونے دے گا اور بچے کی پرورش اس انداز میں کی جائے گی کہ وہ جوان ہو کر اپنی ماں اور اپنے باپ سے زیادہ حیرت انگیز ہوگا۔

میں نے تھوڑی دیر تک ان کی گفتگو سنی پھر میں مرجانہ اور اس کی امی وغیرہ کے متعلق سوچنے لگا۔ سب سے پہلے سوچنے کی بات یہ تھی کہ دشمن سائرہ بانو کو کیوں مرجانہ کے پاس پہنچانا چاہتے ہیں۔ کیوں اتنے مہربان ہو گئے ہیں۔ یہ سوچتے ہی میں فوراً اس آدمی کے دماغ میں پہنچا جو سائرہ بانو اور ڈیئر جمال کے لیے کھانا لے کر آیا تھا اور انہیں یہ خوش خبری سنائی تھی کہ ماں بیٹی کو ملایا جا رہا ہے۔

اس آدمی کے دماغ میں پہنچ کر میں نے اس کی سوچ کو کریدنا شروع کیا تو کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی بس اتنا ہی پتہ چلا کہ اس کے بڑوں نے اسے حکم دیا ہے کہ سائرہ بانو کو عدیس ابابا پہنچا دیا جائے اور وہ حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔

میں اپنے طور پر سوچنے لگا ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا یہ آخری جملہ مجھے کھٹک رہا تھا کہ سائرہ بانو کو عدیس ابابا پہنچا کر کسی ہوٹل میں چھوڑ دیا جائے گا تاکہ وہ اپنی بیٹی کو تلاش کر سکیں۔ تلاش کرنے کی بات ایسی تھی کہ اس نے مجھے دوسرے پہلو سے سوچنے پر مجبور کیا۔ وہاں عدیس ابابا میں جو ماسٹر تھا وہ یقیناً سونیا اور مرجانہ کو تلاش کر رہا ہوگا۔ ان دونوں نے وہاں اس کے آدمیوں کو نقصان پہنچایا تھا بلکہ مار ڈالا تھا اور میک اپ کے ذریعے اپنا روپ بدل کر ان کی نظروں سے گم ہو گئی تھیں وہ انہیں تلاش کرنے میں ناکام ہو رہے تھے۔ کامیابی اسی صورت میں ہوتی کہ سائرہ بانو کو عدیس ابابا پہنچا دیا جاتا۔ جہاں مرجانہ انہیں دیکھ کر ان سے ملنے پر مجبور ہو جاتی اور جب ماں بیٹی ملتیں تو انہیں مرجانہ کا سراغ مل جاتا اور مرجانہ کے ذریعے وہ سونیا تک بھی پہنچ جاتے۔

میں سونیا اور مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دونوں یہ فیصلہ کر رہی تھیں کہ سائرہ بانو کو دشمنوں کی قید سے رہائی دلانے کے لیے قاہرہ جائیں گی۔ میں نے سونیا کی زبان سے کہا۔ "تم لوگوں کو اب قاہرہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دشمنوں نے سائرہ بانو کو رہائی دے دی ہے۔ اب وہ لوگ سائرہ بانو اور ڈیئر جمال کو یہاں عدیس ابابا پہنچا رہے ہیں۔ مرجانہ صبح ہونے سے پہلے ہی اپنی امی سے مل سکے گی۔"

مرجانہ خوش ہو گئی۔ سونیا نے حیرانی سے پوچھا۔ "فرہاد! یہ دشمن اچانک اتنے مہربان کیوں ہو گئے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "تم سوچو اور بتاؤ کہ وہ یہ مہربانی کیوں کر رہے ہیں؟"

مرجانہ نے کہا۔ "ہاں، یہ سوچنے کی بات ہے۔ ٹھیک ہے میں سمجھ گئی۔ دشمن اپنی سازش میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ ہمیں جتنے عرصے تک جنگلوں اور ویرانوں میں بھٹکانا تھا۔ بھٹکا چکے ہیں۔ ان کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ اس لیے اب میری امی کو یا ہم میں سے کسی کو قید میں رکھنا، پریشان کرنا یا ادھر سے ادھر بھٹکانا غیر ضروری ہے۔ اسی لیے وہ امی کو یہاں پہنچا رہے ہیں تاکہ ہم لوگ آپس میں مل جائیں۔"

سونیا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "واہ، مرجانہ بڑی اچھی بات سوچی۔ بھلا دشمن یہ چاہیں کہ ہم آپس میں ملیں اور اچھی طرح زندگی گزارنے لگیں۔ یہ بات نہیں ہے۔"

مرجانہ نے پوچھا۔ "اور کیا بات ہو سکتی ہے؟"

"مرجانہ! ہم نے نگرانی کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے دوسرے ہوٹل میں پہنچ کر اپنا حلیہ بدل لیا اور اب ہمیں دشمن پہچاننے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ ہمیں تلاش کر رہے ہوں گے۔ چند گھنٹوں سے ہم ان کی نظروں میں نہیں آئے ہیں چنانچہ اب ان کے سامنے یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ تمہاری امی کو اس شہر میں پہنچایا جائے تاکہ تم انہیں دیکھ کر بے اختیار ملنے پر مجبور ہو جاؤ۔ اس طرح وہ ہم سب کو ڈھونڈ نکالیں گے۔"

وہ بولی۔ "یہ تو یقینی بات ہے، میں اپنی امی سے ضرور ملوں گی۔ دشمنوں نے انہیں بتایا ہوگا کہ میں تمہارے ساتھ یہاں اس شہر میں موجود ہوں۔ وہ یہاں آئیں گی اور مجھے نہیں دیکھیں گی تو بہت زیادہ پریشان ہوں اور رونے لگیں گی۔ میں بھی پریشان ہو جاؤں گی۔ ان سے ملے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔"

سونیا نے کہا۔ "دشمن یہی چاہتے ہیں۔"

مرجانہ نے کہا۔ "سونیا، فرہاد! تم دونوں کوئی ایسی تدبیر سوچو کہ میں اپنی امی سے مل بھی لوں اور دشمن ہمیں دیکھنے بھی نہ پائیں۔"

میں نے جواب دیا۔ "ایسا تو ہو نہیں سکتا۔ دشمن نادان نہیں ہیں۔ انہوں نے بہت گہری چال چلی ہے۔ سائرہ بانو اور ڈیئر جمال کو یہاں لا کر چھوڑ رہے ہیں۔ پہلے تو وہ یہ دیکھیں گے کہ تم مجبور ہو کر اپنی امی سے ملتی ہو یا نہیں۔ اگر تم نے صبر سے کام لیا اور ان سے دور رہیں تو پھر وہ دوسری چالیں چلیں گے۔ مثلاً یہ کہ تمہاری امی کو کسی مصیبت میں گرفتار کرا دیں گے اور دور سے تماشا دیکھیں گے کہ تم سونیا کی مدد سے اپنی امی کو اس مصیبت سے نجات دلانے آتی ہو یا نہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ تم انہیں کسی مصیبت میں دیکھ کر برداشت نہیں کر سکو گی۔ ان سے دور نہیں رہ سکو گی۔"

مرجانہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "پھر کیا کیا جائے؟ امی سے تو مجھے ضرور ملنا ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "فرہاد! میں ایک مشورہ دیتی ہوں۔ ہم کیوں نہ ایسا کریں کہ سپر ماسٹر سے دوستی کر لیں۔ میں یہاں کے ماسٹر سے ابھی رابطہ قائم کروں اور باتیں بنا کر تعلقات بحال کر لوں۔"

مرجانہ نے کہا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ایسے دشمنوں سے دوستی نہیں کر سکتی جنہوں نے میرے ملک کے خلاف سازش کی ہے۔"

میں نے سونیا کی زبان سے کہا۔ "مرجانہ ہوش میں رہ کر کوئی بات کرو۔ جوش میں آنے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ ہمارے مسائل اور الجھتے جائیں گے۔ سونیا ٹھیک کہہ رہی ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "فرہاد! جب سے اس نیگرو لیڈی ڈاکٹر نے یہ مشورہ دیا ہے کہ مرجانہ کو لندن کے کسی ڈاکٹر ڈی سوزا کے زیر علاج رہنا چاہیے اور آپریشن کے مرحلے سے گزرنا چاہیے۔ تبھی سے میرے ذہن میں یہ بات آ رہی ہے کہ اگر ہم نے مرجانہ کو لندن میں علاج کے لیے چھوڑ دیا تو یہ دشمنوں کی نظروں سے چھپی نہیں رہ سکے گی۔ ہمیشہ میک اپ میں بھی نہیں رہ سکے گی۔ لہٰذا ہمیں سپر ماسٹر سے دوستی کرنی ہوگی اس سے دوست بن کر ہمیں مرجانہ کے علاج میں سہولتیں حاصل ہوں گی مگر یہ کہ سپر ماسٹر دوہری چالیں چلتا ہے۔ ایک طرف ہمیں دوست بنائے رکھنا چاہتا ہے تو دوسری طرف اپنے بین الاقوامی مفادات کے تحت تھوڑا بہت ہمیں نقصان بھی پہنچاتا رہتا ہے۔ بے شک اس بار جو نقصان پہنچا ہے وہ تمہارے اور تمہارے ملک کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے لیکن کیا کیا جائے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب ہم دوست بن کر ہی اس کا گلا کاٹ سکتے ہیں۔ میرے مشورے پر غور کرو اور سوچو کہ یہ کہاں تک مناسب ہے؟"

میں نے خوش ہو کر کہا۔ "سونیا! تم بہت ہی مصلحت اندیش ہو۔ ایسے ایسے نازک مرحلوں میں تم نے کئی بار ایسی ایسی تدبیریں سوچی ہیں جو بہت کم لوگ سوچ سکتے ہیں۔ آدمی ہر پہلو سے سوچتا ہے لیکن اس پہلو سے غور نہیں کرتا کہ دشمن سے دوستی کر لی جائے تو کیسا رہے گا۔ تم نے بہت اچھی تدبیر بتائی ہے۔ یقیناً ہم دوست بن کر بھی مناسب موقع پر انتقام لے سکتے ہیں اور اس طرح ان کے بڑے بڑے منصوبوں کو ناکام بنا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کا اعتماد بحال ہو جائے۔ میں تمہاری اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔ تم پہلی فرصت میں یہاں کے ماسٹر سے رابطہ قائم کرو۔"

سونیا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے یہاں کوئی پبلک ٹیلی فون ہوگا۔ میں پہلے فون کے ذریعے اس سے رابطہ قائم کرتی ہوں۔"

مرجانہ نے کہا۔ "ہاں چلو ابھی یہاں کی منتظم سے پوچھیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ ٹیلی فون کہاں ہے۔"

سونیا نے ذرا پریشان ہو کر مرجانہ کو دیکھا پھر کہا۔ "تم میرے ساتھ کہاں جاؤ گی۔ تم یہیں بیٹھو میں ابھی فون کر کے آتی ہوں۔"

مرجانہ مسکرا کر بولی۔ "جب ہم خطرناک جنگلوں میں ساتھ رہے تو یہاں ہمارا ساتھ کیسے چھوٹ سکتا ہے۔ چاہے وہ تھوڑی دیر کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ نہیں میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

سونیا نے کہا۔ "کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہیں چھوڑ کر کہیں بھاگ رہی ہوں۔"

"میری جان جس طرح تم مجھ سے رہ رہ کر گھبرانے لگتی ہو۔ مجھ سے کترانے لگتی ہو تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر نہ چلی جاؤ۔ میں سچ کہتا ہوں۔ اپنی امی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے مجھے چھوڑ دیا تو میں بے موت مر جاؤں گا۔ تمہارے بغیر یہ ساری دنیا مجھے ویران لگے گی۔"

سونیا نے کہا۔ "اوہو! تم ہر وقت اپنی محبت کا راگ نہ الاپا کرو۔ یہ موقع نہیں ہے ابھی ہمیں ماسٹر سے رابطہ قائم کرنا ہے۔" "اور یہ بات میں اس سے اکیلے ہی کر سکتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم اکیلی فون پر گفتگو کرنا میں تو صرف تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

میں نے سونیا کے دماغ میں کہا۔ "سونیا خواہ مخواہ اس سے بحث میں وقت ضائع نہ کرو۔ وہ ساتھ چل رہی ہے تو چلنے دو۔ تم اس طرح نہ کترایا کرو۔ تمہاری ذہانت کو کیا ہو گیا ہے۔ تم نے مرجانہ کو اتنا بڑا پرابلم کیوں بنا لیا ہے؟"

وہ کمرے سے نکلتے ہوئے سوچ کے ذریعے بولی۔ "کیا کروں فرہاد یہ میری دشمن تو نہیں ہے۔ میری اچھی سہیلی ہے۔ مجھے اس سے محبت ہے میں اس سے دشمنی نہیں کر سکتی لیکن اس کی حرکتیں مجھے دشمنی پر مجبور کر رہی ہیں۔ تم سوچو اگر کبھی وہ وقت آیا کہ ہم ایک دوسرے کی دشمن بن گئیں تو کیا ہوگا۔"

"وہ بہت بُرا وقت ہوگا۔ میں کوشش کروں گا کہ مرجانہ کے سر سے تمہارے عشق کا بھوت اتر جائے۔"

سونیا نے کہا۔"فرہاد! میں ابھی ماسٹر سے رابطہ قائم کروں گی۔ وہ مجھ سے گفتگو کرے گا تو تم اس کے دماغ میں پہنچ جانا۔ آج میں مرجانہ کو گہری نیند سلانا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیوں؟"

"دیکھو جب سے مرجانہ کو ڈاکٹر کی یہ رپورٹ ملی ہے کہ اس کے اندر ایک انقلاب پیدا ہونے والا ہے تب سے وہ کچھ زیادہ ہی مردِ بن رہی ہے۔ آج وہ ضرور مجھے پریشان کرے گی۔ میری بات نہیں مانے گی لہٰذا سیدھا سادا سا طریقہ یہ ہے کہ اسے نیند کی دوا کھلا کر سلا دیا جائے۔"

اس نے گیسٹ ہاؤس کی منتظمہ سے ٹیلی فون کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ پڑوس میں ٹیلی فون ہے وہ ساتھ چلے گی تو اسے فون کرنے کی اجازت مل جائے گی۔

وہ دونوں برابر والے مکان میں گئیں پھر وہاں سونیا نے ریسیور اٹھا کر ماسٹر کے نمبر ڈائل کیے وہ اپنے بنگلے میں موجود تھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتے ہی رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے سونیا نے کی آواز سنی تو کہا۔ "مادام ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے آپ کو کھو دیا ہے۔ آپ کہاں ہیں؟"

سونیا نے کہا۔"میں کیا بتاؤں۔ تمہارے آدمی صحیح طرح سے نگرانی کرنا نہیں جانتے ہیں۔ وہاں دشمن کے دو آدمی ہماری نگرانی کر رہے تھے۔ اس لیے ہم نے انہیں ٹھکانے لگا دیا اور بھیس بدل کر چھپے ہوئے ہیں۔"

ماسٹر نے کہا۔"مادام آپ سے غلطی ہوئی ہے۔ وہ دشمن کے آدمی نہیں تھے۔ وہ ہمارے ہی آدمی تھے اور آپ لوگوں کی حفاظت کے لیے آپ لوگوں کی نگرانی کر رہے تھے۔"

"تو پھر تم نے غلط آدمیوں کو ہماری نگرانی پر مامور کیا تھا کیونکہ ان کی حرکتیں ایسی مشکوک تھیں کہ میں انہیں معاف نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کے آدمیوں کو ضائع کر دیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں مادام آپ کے لیے تو ہماری تنظیم کے ہزاروں افراد کی جانیں حاضر ہیں۔ فرمایئے آپ کہاں ہیں؟ میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں ایک گیسٹ ہاؤس میں ہوں۔ آپ اس کا پتہ نوٹ کریں اور میرے لیے گاڑی بھیج دیں میں وہیں آکر بات کروں گی۔"

"شکریہ مادام! یہ میری عزت افزائی ہے کہ آپ میرے پاس آکر میری الجھنیں دور کریں گی۔"

سونیا نے گیسٹ ہاؤس کا پتہ بتا کر ریسیور رکھ دیا۔ میں اس ماسٹر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ ماسٹر کا نام کروٹا مانگا تھا۔ نام سے ظاہر ہے کہ وہ حبشی تھا۔ بہت ہی ذہین، تعلیم یافتہ اور باصلاحیت تھا لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ بہت ہی حاضر دماغ تھا۔ سونیا نے گفتگو ختم کی تو دوسری طرف اس نے بھی ریسیور رکھ کر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے آدمیوں کو دیکھا پھر ریوالونگ چیئر پر ایک طرف سے دوسری طرف گھومتے ہوئے بولا۔" مادام سونیا سے رابطہ قائم ہو گیا ہے۔ ہمارے دو آدمی ان کے کمرے میں اور ہوٹل کے باہر ان کی نگرانی کر رہے تھے ان سے کچھ غلطیاں سرزد ہو گئی تھیں۔ وہ مادام کی نظروں میں مشکوک ہو گئے تھے لہٰذا مادام نے انہیں ختم کر دیا ہے۔ تم لوگوں کو بھی یہ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ مادام کتنی خطرناک ہے۔ ہر ماسٹر نے اپنے تمام ماسٹروں کے پاس فرہاد علی تیمور کے علاوہ مادام سونیا کا بھی ریکارڈ بھیجا ہوا ہے۔ ان کی فلمیں موجود ہیں۔ اگر اب بھی تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تو وہاں پروجیکشن ہال میں جا کر اس کی فلمیں چلا کر دیکھ سکتے ہو اور اس کے فائل کا مطالعہ کر سکتے ہو۔ بہرحال میرا اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ مادام کے دل میں اپنے خلاف کبھی شبہہ پیدا نہ کرو۔ کبھی مادام کو یہ سوچنے پر مجبور نہ کرو کہ تم ان کے خلاف ہو۔ ان کے مزاج کے خلاف کوئی حرکت کر رہے ہو اگر ایسا ہوا تو تم لوگوں کی زندگی کی ضمانت میں نہیں دے سکتا۔"

اس نے ایک نیگرو کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔"تم ایک ڈرائیور لے کر کاسے کرامانیہ اسٹریٹ جاؤ۔ وہاں ایک گیسٹ ہاؤس میں مادام سونیا اور مرجانہ موجود ہیں۔ انہیں عزت و احترام سے یہاں لے آؤ۔" پھر اس نے تین ماتحتوں سے کہا۔"تم تینوں سی سائڈ پیلس میں جاؤ اور وہاں مادام کی رہائش کا انتظام کرو۔ مادام اب وہاں قیام کریں گی۔ یاد رکھو، انہیں وہاں کسی قسم کی کمی کا احساس نہ ہو۔"

اس نے دو آدمیوں کو مخاطب کیا۔"تم دونوں مادام کے آنے تک یہاں رہو گے۔ مادام نے ضروری سمجھا تو ان کے باڈی گارڈ کے فرائض انجام دو گے۔"

اس نے اپنے ساتویں اور آخری آدمی سے کہا۔"تم ابھی جا کر جلال بیگ سے رابطہ قائم کرو اور ان سے معلوم کرو کہ لیڈی سائرہ بانو اپنے ساتھی کے ساتھ یہاں کب تک پہنچنے والی ہیں۔ مجھے یہ اطلاع مادام سونیا کے آنے سے پہلے ملنی چاہیے۔ اب تم سب جاؤ۔"

سب چلے گئے۔ جب وہ اپنے کمرے میں تنہا رہ گیا تو میں نے اسے مخاطب کیا۔"ہیلو ماسٹر کروٹا مانگا، میں تمہارے دماغ میں بول رہا ہوں اور دماغ میں کون بول سکتا ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو؟"

وہ ایک دم سے چونک کر اپنے سر کو تھام کر بیٹھ گیا پھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے والی دیوار کو تکنے لگا۔ اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ دماغ میں بولنے والا تو فرہاد علی تیمور ہی ہو سکتا ہے۔

"تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔ میں وہی ہوں۔ کہو میں اپنی موجودگی کا ثبوت دوں؟"

وہ عاجزی سے بولا۔"فرہاد صاحب! میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔ بہت کچھ پڑھ چکا ہوں۔ آپ کا پورا ریکارڈ ہم لوگوں کو زبانی یاد رہتا ہے۔ پھر بھی پہلی بار آپ میرے دماغ میں آئے ہیں اس لیے مجھے ذرا سا شبہ ہے کہ یہ کہیں میری اپنی ہی سوچ نہ ہو۔ آپ ایسا ثبوت پیش کریں جس سے میری ذات کو نقصان نہ پہنچے۔"

میں نے کہا۔"اچھی بات ہے۔ اپنی کلائی کی گھڑی کو دیکھو اس وقت بارہ بج کر پندرہ منٹ اور پندرہ سیکنڈ ہوتے ہیں۔ ٹھیک بیس سیکنڈ کے بعد تم بیس سیکنڈ تک بالکل ساکت ایک پتھر کی مورت کی طرح اپنی جگہ بیٹھے رہو گے۔ ہلنا چاہو گے ہل نہیں سکو گے۔ بولنا چاہو گے بول نہیں سکو گے۔ میں تمہاری زندگی سے بیس سیکنڈ چرا لینے کے بعد تمہارے دماغ کو آزاد چھوڑ دوں گا۔ گھڑی دیکھتے رہو۔ اتنا ہی کہتے کہتے بارہ بج کر پندرہ منٹ اور بیس سیکنڈ ہو گئے تھے۔ میں فوراً ہی اس کے دماغ پر قابض ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے گھڑی کو دیکھنے لگا۔ اب وہ ہل نہیں سکتا تھا، بول نہیں سکتا تھا۔ بس کھلی آنکھوں سے اپنی کلائی کی گھڑی کو دیکھ رہا تھا لیکن میں اس کے دماغ میں اس بات کو سمجھ رہا تھا کہ کتنے سیکنڈ گزر رہے ہیں۔ ٹھیک بیس سیکنڈ گزرنے کے بعد میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑتے ہوئے کہا۔"اب گھڑی دیکھو، میں ٹھیک بیس سیکنڈ کے بعد تمہیں آزاد کر رہا ہوں۔"

اس نے گھڑی دیکھی پھر حیرانی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اٹینشن ہو کر بولا۔"فرہاد صاحب! میں مان گیا۔ آپ دنیا کے سب سے حیرت انگیز انسان ہیں۔ میں آپ کو سلام کرتا ہوں۔ میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

میں نے پوچھا۔"خوش آمدید کہہ رہے ہو یا خوشامد کر رہے ہو؟"

"نہیں مسٹر فرہاد! میں چاپلوسی نہیں کرتا۔ میں آپ سے بے حد متاثر ہوں۔ آپ کی عزت کرتا ہوں اور آپ کے لیے جان دینے کو بھی تیار رہوں۔"

"جھوٹ نہ بولو۔ پہلے تم سپر ماسٹر کے لیے جان دو گے پھر سپر ماسٹر کا حکم ہو گا تو مجھ پر جان دو گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔"آپ تو دماغ کے اندر چھپی ہوئی باتوں کو بھی سمجھ لیتے ہیں۔ جی ہاں، یہ درست ہے۔ میں سپر ماسٹر کا نمک خوار ہوں اگر میں اس سے وفاداری نہیں کروں گا اور آپ کے گن گاؤں گا تو یہ غداری ہو گی اور مجھ جیسا غدار پھر آپ کا بھی وفادار نہیں رہ سکے گا۔ کیا آپ میری وفاداری کی قدر نہیں کریں گے؟"

"بیٹھ جاؤ اور اپنے سپر ماسٹر کی طرف سے اس سوال کا جواب دو کہ میرے ملک کے خلاف سازش کیوں کی گئی اور ہم لوگوں کو جنگلوں میں کیوں بھٹکایا گیا؟"

وہ ریوالونگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔"فرہاد صاحب! یہ ایک لمبی اور بہت الجھی ہوئی داستان ہے۔ مختصراً میں اتنا بتا دوں کہ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی جان بچانے کے لیے سپر ماسٹر کو آپ کے دشمنوں سے یہ سودا کرنا پڑا۔"

میں نے کہا۔"ہماری جانیں ہمارے ملک سے زیادہ قیمتی نہیں ہیں۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔"جی ہاں سپر ماسٹر کا بھی یہی خیال تھا۔ ہم بھی جانتے تھے کہ جب آپ کے سامنے دشمنوں کی یہ شرط رکھی جائے گی تو آپ اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن سپر ماسٹر نے ہوش و حواس میں رہ کر یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو زندہ رہنا چاہیے۔ اگر آپ لوگ زندہ رہیں گے اور سپر ماسٹر سے دوستی قائم رہے گی تو رفتہ رفتہ آپ اپنے دشمنوں تک پہنچ کر ان سے انتقام لے سکیں گے۔ یہ دانشمندی کا راستہ تھا جو سپر ماسٹر نے اختیار کیا۔"

میں نے پوچھا۔"یہ شرط کس نے لگائی تھی؟"

"آپ بین الاقوامی سیاست سے بڑی حد تک باخبر ہیں۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ دشمن کون ہیں۔ جلال بیگ ان کا ایک کارندہ ہے اس نے یہ شرط لگائی تھی۔ آپ یقین کریں جس وقت آپ کو مادام رسونتی کے ساتھ ایک ستون سے باندھ دیا گیا تھا اسی وقت یہ شرط پیش کی گئی تھی۔ وہ آپ لوگوں کو باندھنے کے بجائے اسی وقت شوٹ کر دینا چاہتے تھے دوسری طرف مادام سونیا اور مرجانہ، ان کی والدہ سائرہ بانو بھی جلال بیگ کے آدمیوں کی نظروں میں تھے۔ وہ ان سب کو ختم کر دینا چاہتا تھا لیکن سپر ماسٹر نے اس سے سودے بازی کی۔ آپ لوگوں کی جانیں بچا کر اس نے وعدہ کیا کہ جب تک جلال بیگ کے آدمی آپ کو جنگلوں میں بھٹکاتے رہیں گے۔ اس وقت تک سپر ماسٹر اور اس کے آدمی آپ کی ظاہری طور پر مدد تو کرتے رہیں گے لیکن آپ لوگوں کو جنگلوں سے نکال کر کسی آبادی تک نہیں پہنچائیں گے اور نہ ہی آپ لوگوں تک ریڈیو اور اخبارات کو پہنچنے دیا جائے گا۔ یوں دیکھا جائے تو ایک طرح سے ہم نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے لیکن یقین جانیے کہ آپ کی زندگی ہمیں عزیز ہے اور اسی طرح آپ کے ساتھیوں کو بھی ہم زندہ سلامت دیکھنا چاہتے ہیں۔ یقین نہ ہو تو کسی اور طرح سے میری بات کی تصدیق کر لیں۔"

میں تصدیق کروں گا۔ ویسے تم جلال بیگ کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

اس نے جواب دیا: "میں نے ادھر چند دنوں میں اس کا نام سنا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ بہت پُراسرار ہے۔ کسی کی نظروں میں نہیں آیا۔ شاید اس لیے کہ وہ آپ سے چھپنا چاہتا ہے۔"

"ہاں یہی بات ہے۔ میں نے بہت کوششیں کی ہیں کہ کسی طرح اس کی آواز سُن لوں لیکن وہ بہت محتاط ہے۔ اس کے جتنے آدمی میری نظروں میں آتے اور میرے ساتھیوں سے ٹکراتے وہ یا تو گونگے بہرے بنے رہتے تھے یا بولتے رہے تو اس طرح کہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر آتے تھے لیکن جلال بیگ کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔"

ماسٹر کروشا مانگا نے کہا: "لیڈی سائرہ بانو کو آج صبح سے جلال بیگ کے آدمیوں نے قاہرہ کے ایک مضافاتی علاقے میں قید کر کے رکھا تھا۔ لیکن آپ کے دشمن ملک سے سپر ماسٹر کا جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رو سے اسے مجبور ہو کر سائرہ بانو کو رہا کرنا پڑا۔ وہ آج رات دو یا تین بجے تک ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں پہنچ جائیں گی۔ آپ کے دشمن ملک اور سپر ماسٹر کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے وہ آج رات کے بعد ختم ہو جائے گا۔ کل سے پھر محاذ آرائی شروع ہو گی۔ آپ کے لیے آپ کے دشمن ملک کی طرف سے اور جلال بیگ کی طرف سے خطرہ منڈلاتا رہے گا۔ لیکن آپ فکر نہ کریں۔ آپ کروشا مانگا کے علاقے میں ہیں یہاں میں آپ پر یا آپ کے ساتھیوں پر آنچ بھی نہیں آنے دوں گا۔"

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ رسونتی مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی: "فرہاد! اگر تمہیں خیال خوانی سے روکا نہ جائے تو تم شام سے صبح اور صبح سے شام کرتے رہو گے۔ اب بس بھی کرو۔ رات آرام کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ صبح پھر ان لوگوں سے بات کر لینا۔ کیا وہ لوگ کسی مصیبت میں گرفتار ہیں؟"

میں نے کہا: "نہیں فی الحال تو سب خیریت سے ہیں۔ ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں۔ میں ابھی ان سے رخصت ہو کر آتا ہوں۔ تم تھوڑی دیر اور صبر کرو۔"

یہ کہہ کر میں پھر کروشا مانگا کے پاس پہنچا۔ وہ چپ چاپ بیٹھا ہوا سامنے دیوار کو گھورتا ہوا اس انتظار میں تھا کہ میں اسے مخاطب کروں گا۔ میں نے کہا: "ماسٹر کروشا مانگا! میں جس جگہ ہوں وہاں کافی رات ہو چکی ہے۔ اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ صبح تم سے ملاقات کروں گا لیکن رخصت ہونے سے پہلے یہ بتا دوں کہ مادام سونیا کو ایک ایسی دوا کی ضرورت ہے جس کے ذریعے وہ کسی کو بھی رات بھر گہری نیند سلا سکے اور اس دوا سے سونے والے کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ کیا آپ ایسی دوا مادام کے لیے مہیا کر سکتے ہیں؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا: "فرہاد صاحب آپ نے کتنی معمولی سی بات کہی ہے۔ میں تو مادام کی خاطر کسی کو رات بھر سلا بھی سکتا ہوں اور سونے والے کے سرہانے کھڑا بھی رہ سکتا ہوں۔ مجھ سے جو خدمت لی جائے میں تیار ہوں۔ مادام کو دوا مل جائے گی۔"

"لیکن یہ دوا اس انداز میں دینا کہ مادام سونیا کی ساتھی مرجانہ کو اس کا علم نہ ہو۔"

اس نے وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ میں اس کے پاس سے رخصت ہو کر سونیا کے پاس آیا۔ اتنی دیر میں وہ ایئر کنڈیشنڈ کار گیسٹ ہاؤس کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ سونیا اور مرجانہ اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھیں اور کار وہاں سے روانہ ہو رہی تھی۔ میں نے سونیا سے کہا: "ماسٹر کروشا مانگا سے میری ملاقات ہو چکی ہے۔ کافی باتیں بھی ہوئی ہیں۔ باقی باتیں تم کر لینا۔ ویسے میں نے ماسٹر سے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہیں کوئی ایسی دوا دے جس کے ذریعے تم مرجانہ کو رات بھر گہری نیند سلا سکو۔ لیکن یاد رکھو جب بہت مجبوری ہو تبھی ایسا کرنا۔ ورنہ اگر مرجانہ کو زبان سے سمجھایا جا سکے تو اسے سمجھاتی رہنا۔ میں اب رخصت ہو رہا ہوں۔ صبح ملاقات کروں گا۔ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ سائرہ بانو اس وقت وہاں پہنچ رہی ہیں۔ یہ ابھی تھوڑی دیر بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ اگر اور کوئی بات ہو تو بتاؤ؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس سونے سے پہلے ایک بار میرے دماغ میں جھانک کر دیکھ لینا۔ اگر ہم بخیریت ہوں گے تو آرام سے سو جانا۔ پھر صبح ملاقات ہو گی۔ اچھا گڈ نائٹ۔"

خیال خوانی کا رابطہ ختم ہو گیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ وہی جھونپڑی تھی جہاں میں اور رسونتی رات بسر کرنے والے تھے۔ غلام وہاں سے جا چکا تھا۔ رسونتی دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بہت بڑا صدمہ اس کے دل پر گزر رہا ہو۔ میں نے پوچھا: "کیا بات ہے تم نے سر کو اس طرح کیوں تھام رکھا ہے؟"

وہ بولی: "اور کیا کروں؟ جو تمہارے ساتھ تو کوئی بھی عورت زندگی نہیں گزار سکتی۔ رہو گے اپنی عورت کے پاس اور خیال خوانی کے ذریعے ساری دنیا کی سیر کرتے رہو گے۔ خدا بھی اس بات کا خیال نہیں رہے گا کہ کوئی تمہارا منتظر ہے۔"

میں بستر پر رینگتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس کے

کر محبت سے تھام کر بولا: "چلو خیال خوانی کی چھٹی ہو گئی ہے ہر طرف سے اطمینان ہے۔ یہ رات صرف ہم دونوں کے لیے ہے۔ کوئی تیسرا ہمارے درمیان نہیں آئے گا۔"

"اور کوئی آ گیا تو میں اس کا یا تمہارا کیا بگاڑ لوں گی۔ میرے تو نصیب ہی ایسے ہیں۔ میں اپنے گھر والے سے بھی جی بھر کر باتیں نہیں کر سکتی۔"

میں اس کی باتوں پر ہنسنے لگا۔ میں نے پوچھا: "کیا اب بھی تم اس فیصلے پر قائم ہو کہ مجھ سے دور رہ کر بچے کی پرورش کرو گی؟"

اس نے ایک سرد آہ بھری۔ "فرہاد! تم سے دور رہنے کے خیال سے جان جاتی ہے۔ میں کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ جب تک تمہاری نہیں ہوئی تھی اس وقت تک یہ سوچتی تھی کہ تم میرے بن جاؤ گے، میں تمہیں جیت لوں گی تو پھر میں کسی دوسرے کے پاس جانے نہیں دوں گی۔ میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھوں گی، اور تمہارے سائے میں ساری عمر گزاروں گی۔ کیا معلوم تھا کہ ماں بننے کی گھڑی آئے گی تو میرا مزاج بدل جائے گا۔ میرے ارادے بدل جائیں گے۔ میرے جذبے بدل جائیں گے۔ اب میں صرف ماں بن کر سوچ رہی ہوں۔"

وہ میری طرف منہ کر کے بولی: "وہ میرا اور تمہارا ہے ابھی ہم نے اسے نہیں دیکھا ہے لیکن اس کی آواز میرے کانوں میں آتی ہے۔ وہ رہ رہ کر کہتا ہے ماں میری حفاظت اور سلامتی کا انتظام ابھی سے کرو، نہیں تو میرے لیے ساری زندگی روتی رہو گی۔ ہمارے چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہیں۔ ہماری ننھی سی جان کو کہاں چھپاؤں گی؟ بس ایک ہی راستہ ہے کہ تم دور رہو گے تو دشمن بھی ہمارے بچے سے دور رہیں گے۔ میں کس دل سے تمہاری جدائی برداشت کروں گی یہ میں ہی جانتی ہوں۔ میرا بھگوان جانتا ہے اور تم میری محبت سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ میں اپنے آپ کو مار کر صرف اپنے بیٹے کے لیے زندہ رہوں گی۔"

اس کے بولنے کے دوران میں نے چند لمحوں کے لیے ... کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اس کی خیریت معلوم کی پھر فوراً ہی دماغی طور پر رسونتی کے پاس حاضر ہو گیا۔ رسونتی ... کہا تھا کہ اب ہم دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہ تھے۔ میں ... نے خبر بھی نہ ہونے دی اور دور تک سفر کر کے واپس ... آیا۔

اس نے پوچھا: "فرہاد! ابھی تو تم دو چار روز میرے ساتھ رہو گے؟"

میں نے کہا: "بہت مشکل ہے۔ تم جانتی ہو کہ ہمارے ساتھ کتنی بھیانک سازشیں کی گئی ہیں۔ مجھے یہاں سے جانا ہو گا۔ میں ایک بار پھر سپر ماسٹر سے دوستی کر رہا ہوں۔ اسے اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا ہے کہ میں اپنے ملک کے المیے کے سلسلے میں اس سے ناراض ہوں۔ میں اب دوست بن کر اس سے دشمنی کروں گا۔ اگرچہ وہ اپنی صفائی میں بڑے دلائل پیش کر رہا ہے۔ اس نے یہ سب کچھ میری اور تم لوگوں کی جان بچانے کی خاطر کیا ہے یا نہیں؟ میں اس بات کی بھی تصدیق کروں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کل ہی مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟"

"میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا۔ تم خود مجھے چھوڑنا چاہتی ہو۔"

"کیا میں نے ہمارے بچے کے سلسلے میں غلط فیصلہ کیا ہے؟"

"فیصلہ درست ہے۔ ہم دونوں کو اپنے اپنے دل پر جبر کرنا ہو گا۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہارے بغیر رہ سکوں۔ نہ رہ سکا تو تمہارے پاس آ جاؤں گا۔"

"نہیں فرہاد! مستقل مزاجی سے فیصلہ کرو کہ ایک طویل

عرصے تک نہیں آ ؤ گے۔ بچے کو جنم لینے دو، بچے کو ذرا بڑا ہو لینے دو۔ دشمنوں کو اپنے پیچھے پیچھے لے کر یہاں مت آجانا۔ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔ تمہارے لیے خطرات کوئی وقعت نہیں رکھتے، لیکن میرے بچے پر تو قیامت گزر جائے گی اگر اس ننھے کو ذرا سا بھی نقصان پہنچا۔"

"میں تمہاری محبت اور مامتا کو سمجھتا ہوں۔ ٹھیک ہے، میں نہیں آؤں گا۔ میں کل چلا جاؤں گا۔"

یہ سنتے ہی وہ مجھ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی مگر اپنی مرضی سے چھوڑ رہی تھی اور اپنی مرضی سے تڑپ رہی تھی۔ ہم بہت رات تک جاگتے رہے، باتیں کرتے رہے۔ پھر میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے رسونتی کے دماغ کو تھپک تھپک کر سلا دیا۔ اس کے بعد مجھے سو جانا چاہیے تھا مگر مجھے ہمیشہ ہر سونے سے پہلے کچھ اور فرائض انجام دینے ہوتے ہیں۔ اپنوں کی خیریت معلوم کیے بغیر سونا مناسب نہیں ہوتا۔ اگر کبھی ایسا ہوا کہ میں نے کسی کی خبر نہیں لی تو بعد میں بہت بڑی الجھنوں سے گزرنا پڑا۔ لہٰذا میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

جس وقت میں سونیا سے رخصت ہوا تھا اس وقت وہ مرجانہ کے ساتھ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر ماسٹر کرو ٹا مانگا سے ملاقات کرنے جا رہی تھی۔ اس کے بعد ان کے حالات یوں ہیں کہ جب وہ کرو ٹا مانگا کی بڑی سی کوٹھی میں پہنچیں تو ان کا شایانِ شان استقبال کیا گیا۔ کرو ٹا مانگا نے خود کوٹھی سے باہر آ کر سونیا کے لیے کار کا دروازہ کھولا تھا اور بڑی گرمجوشی سے استقبال کرتے ہوئے اپنے ساتھ اپنے شاندار کمرے میں لے گیا تھا جسے وہ دفتر کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ مرجانہ بھی ساتھ ہی تھی۔ اس کی بھی اتنی ہی عزت کی جا رہی تھی لیکن جو سونیا کا رعب و دبدبہ دشمنوں اور دوستوں پر تھا وہ بات، وہ مقام پیدا کرنے کے لیے مرجانہ کو ابھی برسوں کے تجربات کی ضرورت تھی۔

ایک بہت ہی خوبصورت سجے سجائے کمرے میں پہنچ کر وہ لوگ آرام دہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ سونیا اور مرجانہ کے سامنے مشروبات پیش کیے گئے پھر کرو ٹا مانگا نے سب سے پہلے وہی بات چھیڑی جو مجھ سے ہو چکی تھی یعنی ہمارے ملک کے ساتھ جو المیہ ہوا تھا اور ہمیں جنگلوں میں بھٹکانے کی جو سازشیں کی گئی تھیں۔ وہ سب کچھ کیوں ہوا، کیسے ہوا اور سپر ماسٹر نے ہماری جانیں بچانے کے لیے جلال بیگ سے کیسے معاہدہ کیا۔ وہ اس کی تفصیلات بتانے لگا تھا۔

کرو ٹا مانگا نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا: "مادام میں سپر ماسٹر کی طرف سے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس نے یا ہم میں سے کسی نے آپ لوگوں سے دشمنی نہیں کی ہے۔ آپ یقین کریں کہ سپر ماسٹر، مسٹر فرہاد کی اور آپ کی خدمت کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے اور آپ لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے بڑے سے بڑے جاں نثار ماتحت کی قربانی دینے کے لیے بھی آمادہ رہتا ہے۔ اس کی مثالیں پہلے بھی کئی بار پیش کی جا چکی ہیں۔ شہر روم کا ماسٹر اور پیرس کے ماسٹر موشرونی کی جانیں آپ ہی لوگوں کی خاطر گئی ہیں۔ ہم آئندہ بھی ایسی ہی قربانیاں پیش کرتے رہیں گے۔"

سونیا نے کہا: "ٹھیک ہے۔ جو کچھ بھی کہنا سننا ہوگا، اس کے لیے فرہاد موجود ہے۔ وہ تمہاری باتوں کی تصدیق کرے گا۔ ایک نہ ایک دن سچائی سامنے آ جائے گی۔"

مرجانہ نے کہا: "ماسٹر! یہ باتیں تو ابھی ہوتی ہی رہیں گی، پہلے یہ بتائیے کہ میری امی کب یہاں پہنچ رہی ہیں؟"

ماسٹر نے مسکرا کر کہا: "آپ کے لیے یہ خوشخبری ہے کہ وہ آج رات کو ڈھائی یا تین بجے تک یہاں پہنچ جائیں گی۔ ہم ان کو لینے جائیں گے۔"

سونیا نے پوچھا: "سائرہ بانو کو کیا جلال بیگ کے آدمیوں نے گرفتار کیا تھا؟"

"جی ہاں، جیسا کہ میں نے بتایا ہے سپر ماسٹر نے جلال بیگ سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ آپ لوگوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا اور نہ ہی وہ یا اس کے آدمی آپ لوگوں کو گرفتار کریں گے۔ سائرہ بانو کو جو رہائی مل رہی ہے وہ اسی معاہدے کا نتیجہ ہے۔ جب وہ ہمارے پاس پہنچ جائیں گی تو آج رات کے بعد جلال بیگ سے کیا ہوا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ ہم پھر نئے سرے سے محاذ آرائی کریں گے۔ جلال بیگ معاہدے کی رو سے آزاد ہو جائے گا۔ پھر وہ ہمارے اور آپ کے خلاف کوئی بھی سازش کرنے اور سائرہ بانو اور مس مرجانہ کو اپنے قبضے میں رکھنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ آج رات کے بعد ہم اس کی طرف سے محتاط رہیں گے۔"

سونیا نے کہا: "میں تمہاری دوستی اور جذبے کی قدر کرتی ہوں۔ کیا جلال بیگ سے کیے ہوئے معاہدہ کی آخری شرط یہی ہے کہ لیڈی سائرہ بانو کو رہا کر دیا جائے؟"

"جی ہاں آخری شرط یہی ہے۔ ان کے رہا ہوتے ہی معاہدہ ختم ہو جائے گا۔"

سونیا نے کہا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ہی سائرہ بانو ہمیں ملیں گی ان کی طرف سے کوئی مخالفانہ کارروائی ہو سکتی ہے۔"

کرو ٹا مانگا نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "جی ہاں مادام ایسا ہو سکتا ہے۔ میں نے سب کچھ سوچ رکھا ہے۔ بڑے زبردست حفاظتی اقدامات کیے گئے ہیں۔ ہیلی کاپٹر سے لیڈی سائرہ بانو اور ان کے ساتھی کو اتارنے کے بعد ہم پوری حفاظت سے ان کو کسی سائیڈ پیلس میں پہنچا دیں گے۔"

مرجانہ نے کہا: "میں اپنی امی کو لینے کے لیے ہیلی کاپٹر تک جاؤں گی۔"

ماسٹر کرو ٹا مانگا نے کہا: "اگر آپ اصرار کریں گی تو ہم آپ کو وہاں تک لے چلیں گے، لیکن میرا مشورہ ہے کہ آپ اور مادام پیلس میں آرام کریں۔ ہم آپ کی امی کو وہاں تک بحفاظت پہنچا دیں گے۔ آپ لوگوں کے جانے میں خطرہ ہے۔"

سونیا نے کہا: "ماسٹر خطرہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں پریشانیوں میں مبتلا کریں گے یا کوئی نئی مصیبت کھڑی کر دیں گے لیکن ہمیں جان سے نہیں ماریں گے، خصوصاً لیڈی سائرہ بانو اور مرجانہ کو تو وہ ہلاک کر ہی نہیں سکتے۔ انہیں سائرہ بانو کی دولت کی ضرورت ہے۔ بہرحال میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ہمارے وہاں جانے سے آپ لوگوں کو پریشانی نہیں ہوگی۔ ہم خود بھی اپنی حفاظت کرنا جانتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے مادام آپ کا ساتھ ہمارے لیے باعثِ فخر ہوگا۔ ایک الجھن مجھے پریشان کر رہی ہے کہ آپ دن کے وقت ہوٹل سے نکلنے کے بعد چھ گھنٹے تک کہیں گم رہیں آپ نے اس دوران مجھ سے رابطہ کیوں نہیں قائم کیا؟"

سونیا نے جواب دیا: "ایک تو اس لیے کہ ہمیں کہیں چھپ کر بھیس بدلنا تھا۔ ہم تمہارے آدمیوں کو جلال بیگ کے آدمی سمجھ کر ہلاک کر چکے تھے اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ ان کے دوسرے ساتھی ہمارا تعاقب کر رہے ہوں گے۔ لہٰذا ہمیں اپنا دوسرا روپ بدلنے میں کافی وقت لگ گیا۔ پھر یہ کہ مرجانہ کچھ بیمار تھی۔"

یہ کہتے ہوئے سونیا نے مرجانہ کی طرف دیکھا۔ مرجانہ مسکرا رہی تھی۔ کرو ٹا مانگا نے کہا: "اگر ان کی بیماری پریشان کن ہے تو مجھے بتائیں۔ میں بڑے سے بڑے ڈاکٹر کا انتظام کر سکتا ہوں اس وقت یہاں کسی بھی ماہر کو بلا سکتا ہوں۔"

سونیا نے کہا: "نہیں ماسٹر! ہم یہاں کی ایک مشہور لیڈی ڈاکٹر سے مل چکے ہیں۔ اس نے مشورہ دیا ہے کہ مرجانہ کو لندن کی ڈاکٹر ڈیسوزا کے زیرِ علاج رہنا چاہیے۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اسے آپریشن کے مرحلے سے گزرنا ہوگا۔"

کرو ٹا مانگا نے حیرانی سے پوچھا: "ایسی کیا بیماری ہے؟"

سونیا نے جھینپ کر پہلے تو مرجانہ کی طرف دیکھا پھر ماسٹر سے بولی: "آپ کو بتانا ضروری ہے۔ چھپانے سے کام نہیں چلے گا کیونکہ آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ اور مرجانہ کو لندن بھیج سکتے ہیں۔ وہاں بھی دوسرے ماسٹر کے ذریعے اس کے لیے حفاظتی اقدامات کر سکتے ہیں۔"

ماسٹر نے سر جھکا کر کہا: "جی ہاں مادام! آپ حکم دیجیے ہم سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آخر مس مرجانہ کو تکلیف کیا ہے؟"

سونیا نے جھجکتے ہوئے کہا: "آپ مرجانہ کو آج مس کہہ رہے ہیں۔ کچھ عرصے بعد مسٹر کہیں گے۔ یہ مس کے بجائے مسٹر بننے والی ہیں۔"

ماسٹر کرو ٹا مانگا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کبھی سونیا کو اور کبھی مرجانہ کو دیکھا۔ سونیا نے اسے یقین دلایا کہ یہ درست ہے۔ لیڈی ڈاکٹر کی رپورٹ ہے اور اس نے مشورہ دیا ہے کہ مرجانہ کو ڈاکٹر ڈیسوزا کے زیرِ علاج رہنا چاہیے۔"

ماسٹر نے مرجانہ کو دیکھتے ہوئے کہا: "جیسی ان کی جسامت اور قد ہے اس کی مناسبت سے انہیں مرد ہی ہونا چاہیے۔ ان

کی والدہ کو آنے دیجیے۔ ان سے بات کریں گے۔ پھر وہ اجازت دیں گی تو ہم کل ہی ماں بیٹی کو لندن بھیج دیں گے۔"

مرجانہ نے کہا۔ "میں سونیا کے بغیر لندن نہیں جاؤں گی۔ کیوں سونیا تم میرے ساتھ چلو گی نا؟"

سونیا نے جواب دیا۔ "اس کے لیے مجھے فرہاد کی اجازت درکار ہو گی۔"

"میں فرہاد سے اجازت حاصل کروں گا۔" مرجانہ نے اردو میں جواب دیا۔

سونیا نے ماسٹر کی طرف دیکھا، ماسٹر نے پوچھا۔ "مس مرجانہ ابھی کچھ اپنی اجنبی زبان میں کہہ رہی تھیں۔ اگر آپ لوگ پرائیویٹ گفتگو کرنا چاہتی ہیں تو آپ کے لیے دوسرے کمرے کا انتظام کیا جائے یا ہم یہاں سے اٹھ کر چلے جائیں؟"

مرجانہ نے جلدی سے جاپانی زبان میں سونیا سے کہا۔ "ہاں سونیا! ہمیں الگ کمرے میں جانا چاہیے۔ کل شاید میں تم سے دور ہو جاؤں۔ اس لیے کیوں نہ ہم تھوڑا سا وقت تنہائی میں گزار لیں۔"

سونیا نے کہا۔ "تمہیں اس کے سوا کوئی اور بات نہیں سوجھتی؟ ہم کسی فلم کے رومانی ماحول میں نہیں ہیں۔ ہم جیتی جاگتی اور خطرات سے پُر زندگی گزار رہے ہیں۔ تمہیں ابھی اپنی امی کے متعلق سوچنا چاہیے کہ وہ یہاں آئیں گی تو دشمن کیسی چالیں چلیں گے۔"

پھر سونیا نے جلدی سے ماسٹر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ماسٹر آپ کچھ خیال نہ کریں، یہ مرجانہ بڑی بدمعاش ہے۔ مجھ سے جاپانی زبان میں عشقیہ گفتگو کر رہی تھی۔ یہ کہتی ہے کہ مرد بن جانے کے بعد مجھ سے شادی کرے گی۔ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

ماسٹر کروٹا مانگا نے ہنستے ہوئے مرجانہ کو دیکھا پھر کہا۔ "مس مرجانہ! ہماری دعا ہے کہ آپ جلد ہی مسٹر بن جائیں۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں۔ آپ دنیا کی ہر چیز حاصل کر سکتی ہیں لیکن مادام کو فرہاد صاحب سے نہیں چھین سکتیں۔"

مرجانہ نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ میرا نام مرجانہ ہے۔ بچپن سے آج تک جو خواہش کی ہے وہ پوری ہوتی ہے۔ سونیا میری زندگی ہے۔ اس کے لیے میں فرہاد سے بڑی سے بڑی سودے بازی کے لیے تیار ہوں۔ میں فرہاد کے لیے..."

سونیا نے اس کی بات کاٹ کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بس کرو۔ میں سن چکی ہوں کہ تم میری خاطر اپنے باپ کی تمام دولت فرہاد کو دے دو گی۔ فرہاد کی ساری زندگی غلامی کرو گی لیکن مجھے نہیں چھوڑو گی۔ ٹھیک ہے جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ مگر خدا کے لیے ابھی تو عشق سے باز آ جاؤ۔"

کروٹا مانگا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ادب سے کہا۔ "مادام اگر آپ اجازت دیں تو میں تھوڑی دیر کے لیے باہر جا کر دیکھوں کہ حفاظتی اقدامات کہاں تک مکمل ہیں اور میرے آدمی کتنے چاق و چوبند ہیں۔"

سونیا سے اجازت لے کر وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد تنہائی ملتے ہی مرجانہ کھسک کر سونیا کے پاس آ گئی۔ سونیا کھسک کر ذرا دور بیٹھ گئی اور بولی۔ "دیکھو شرارت نہ کرو۔ سیدھی طرح بیٹھ کر باتیں کرو۔ تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

مرجانہ نے کہا۔ "محبت سے زیادہ ضروری بات کوئی نہیں ہوتی۔"

سونیا نے کہا۔ "میں محبت کی ہی بات کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "سچ؟ چلو تو تم ہی پہلے شروع کرو۔"

سونیا نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اپنی محبت کی نہیں، میں تمہاری امی اور ڈیئر جمال کی محبت کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے ایک گہری سانس کھینچی پھر ایک ہائے کے ساتھ سانس چھوڑتے ہوئے بولی۔ "ہائے، میں تو بھول ہی گئی تھی کہ امی کے اندر بھی تبدیلی آ رہی ہے۔ ان کے دل کی دنیا بدل رہی ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "یہی تو میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں۔ کیا ہم تمہاری امی پر یہ ظاہر کر دیں کہ ہمیں ان کے دل کی بات معلوم ہو گئی ہے۔ ویسے وہ زبان سے کبھی اقرار نہیں کریں گی۔ شرمائیں گی۔ ہم سے چھپائیں گی۔"

مرجانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ابھی ہم امی سے کچھ نہ کہیں۔ چپ چاپ امی اور جمال صاحب کی محبت کا تماشہ دیکھتے رہیں۔ انجان بنتے رہیں۔"

مرجانہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر ہنسنے لگی۔ سونیا نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ بدستور ہنستے ہوئے بولی۔ "کیسی عجیب سی بات ہے کہ ہم بزرگ بن کر امی کی شادی کرائیں گے۔"

سونیا مسکرانے لگی۔ مرجانہ نے کہا۔ "بلکہ یوں ہو گا کہ ایک ہی دن امی کی شادی جمال صاحب سے ہو گی اور میری تم سے۔"

سونیا نے غصہ دکھاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اپنی بات نہیں بھولو گی؟"

"میری جان! میں اپنی بات کو کیا اپنے آپ کو بھی بھول سکتی ہوں۔ مگر تمہیں نہیں بھول سکتی۔"

"دیکھو مرجانہ! میں نے آج تک تمہیں سہیلی سمجھ کر قبول کیا۔ تمہارے بہت قریب آ گئی۔ تم سے بے تکلف ہو گئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ بے تکلفی مجھے مہنگی پڑے گی۔"

"ایسی باتیں کیوں کرتی ہو؟ کیا میں بُری ہوں؟ بدصورت ہوں؟ یا میرے اندر جو انقلاب پیدا ہو رہا ہے وہ تمہیں پسند نہیں ہے؟"

"نہ تم بُری ہو نہ بدصورت ہو۔ تمہارے اندر جو انقلاب آ رہا ہے وہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے۔ میں تمہیں مبارکباد دے چکی ہوں لیکن میں اس انقلاب کو اپنے لیے قبول نہیں کر سکتی۔ اتنی بڑی دنیا میں بس ایک ہی مرد ہے جو مجھے پسند ہے اور تم جانتی ہو کہ وہ کون ہے۔ اس کے بعد تمہیں میرے اور اس کے درمیان نہیں آنا چاہیے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "تم کس کی بات کر رہی ہو؟ اس کی جو رسونتی کے ساتھ عیش کر رہا ہے؟ تمہاری محبت کا مذاق اڑا رہا ہے۔ یہ صرف آج اور کل کی بات نہیں ہے۔ تم خود سوچو کہ اس نے تمہیں برسوں بہلائے رکھا۔ جب بھی اسے نئی نئی عیاشیاں سوجھتی ہیں، وہ تم سے پیچھا چھڑا کر کسی نہ کسی بہانے دور ہو جاتا ہے۔ تم ایسے مرد کی محبت کے گُن گا رہی ہو۔ مجھے آزما کر دیکھو کہ میں تمہاری خاطر ساری دنیا کو تمہارے قدموں میں لا کر ڈال دوں گا اور تمہارے سوا کسی دوسری عورت کا نام بھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔ محبت اس کو کہتے ہیں۔ جس کا دعویٰ میں کر رہی ہوں، نہیں کر رہا ہوں۔"

سونیا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو کہ وہ مجھ سے بھاگ کر کہاں جاتا ہے۔ دنیا گول ہے۔ جہاں بھی جاتا ہے، گھوم کر میرے ہی پاس واپس آتا ہے۔"

"سونیا! یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ تم اپنے دل میں جھانک کر دیکھو، کتنی بار تمہارا دل کڑھتا رہتا ہے۔ کتنی بار تم اس کے خلاف سوچتی ہو۔ کیا ایسے وقت جب تمہیں میری محبت کا مرہم اپنے زخموں کے لیے ملے گا تو اسے قبول نہیں کرو گی؟"

"میں تمہیں ایک بہت عزیز سہیلی کی حیثیت سے قبول کر سکتی ہوں۔ جب تمہارے اندر تبدیلی آئے گی۔ تم مرد بن جاؤ گی تو میں تمہیں ایک بہت اچھا دوست سمجھ کر قبول کروں گی۔ تمہارے ساتھ دوستی نبھاؤں گی۔ کبھی وقت پڑا تو جان بھی دے کر دکھاؤں گی۔ جب میں تم پر جان بھی دے سکتی ہوں، تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے؟ وہ محبت جو فرہاد کے لیے ہے اسے تم مانگ رہی ہو۔ یہ تمہاری زیادتی ہے۔"

مرجانہ اپنی ضد سے باز آنے والی نہیں تھی۔ اس نے کہا۔ "اچھا چلو ابھی میں تم سے ضد نہیں کروں گی، لیکن یہ وعدہ کرو، اگر فرہاد رسونتی کو اپنا لے یا اس سے شادی کر لے تب تو تم میری بن جاؤ گی نا؟"

سونیا نے سوچا کہ فرہاد کا مزاج ایسا نہیں ہے۔ وہ رسونتی سے یا کسی سے بھی شادی نہیں کرے گا۔ وہ محبت تو کر سکتا ہے دوستی نباہ سکتا ہے، ساری عمر ساتھ دے سکتا ہے لیکن شادی کے بندھن میں خود کو نہیں باندھ سکتا۔ کیا حرج ہے اگر مرجانہ سے وعدہ کر لیا جائے۔

یہ سوچ کر وہ بولی۔ "اچھی بات ہے میں وعدہ کرتی ہوں، اگر فرہاد رسونتی سے شادی کرے گا تو میں تمہاری بن جاؤں گی۔ بس اب اس موضوع پر گفتگو نہ کرو۔"

مرجانہ نے خوش ہو کر ایک دم سے لپٹتے ہوئے کہا۔ "تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ اب میری کوشش یہ ہو گی کہ فرہاد رسونتی سے شادی کر لے۔"

اسی وقت ماسٹر کروٹا مانگا نے واپس کمرے میں آ کر کہا۔ "مادام دو بج رہے ہیں۔ اگر آپ تیار ہوں تو ہم لیڈی سارہ بانو کو لینے کے لیے چلیں؟"

سونیا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں، ہم بالکل تیار ہیں، چلیے۔"

اس وقت رسونتی گہری نیند سو چکی تھی۔ میں سونیا کے پاس پہنچا تو وہ مرجانہ کے ساتھ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اگلی سیٹ پر ایک ڈرائیور تھا اور ڈرائیور کے برابر ماسٹر کروٹا مانگا بیٹھا ہوا تھا۔ آگے پیچھے دو جیپ گاڑیاں تھیں ان میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ مسلح بھی تھے اور بہترین فائٹر بھی تھے۔ ان کے علاوہ پرائیویٹ ائیر پورٹ سے کرسی سائیڈ پیلس تک کروٹا مانگا کے جانباز پھیلے ہوئے تھے۔ اور دشمنوں کی بُو سونگھتے پھر رہے تھے۔ میں نے یہ ساری معلومات کروٹا مانگا کے دماغ میں پہنچ کر حاصل کی تھیں۔ پھر میں چپ چاپ تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا اور معلوم کرتا رہا کہ مرجانہ سے اس کی کیا باتیں ہوئیں۔

جب مجھے سونیا کے وعدے کا علم ہوا تو میں نے سونیا کو مخاطب کیا۔ "ہیلو میں آ گیا ہوں۔"

وہ بولی "اچھے وقت پر آ گئے۔ ہم لوگ سائرہ بانو کے استقبال کے لیے جا رہے ہیں۔"

"ہاں! ابھی ان کے آنے میں ذرا دیر ہے لیکن تم نے مرجانہ سے میرے اور رسونتی کے رشتے کا حوالہ دیتے ہوئے وعدہ کیوں کیا؟"

سونیا نے کہا "تو کیا ہوا؟ کیا تم رسونتی سے شادی کرنے والے ہو؟ یہ تو تمہارے مزاج کے خلاف ہے۔"

میں ہچکچانے لگا۔ پھر یہ سوچ کر حوصلہ ہوا کہ رسونتی سے شادی کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ تو مجھ سے ایک طویل مدت کے لیے بچھڑنے والی ہے۔ مجھ سے دور رہ کر زندگی گزارے گی۔ جب ہم میاں بیوی کی حیثیت سے مستقل ازدواجی زندگی نہیں گزاریں گے تو پھر سونیا کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی ناراض ہونا چاہیے۔

سونیا نے پوچھا "فرہاد! یہ تم کہاں غائب ہو گئے ہو؟ کچھ سوچ رہے ہو یا جا چکے ہو؟"

میں نے کہا "میں تمہارے دماغ میں موجود ہوں اور ایک کش مکش میں مبتلا ہوں۔"

وہ بولی "کیسی کش مکش؟ مجھے بتاؤ، میں تمہاری الجھن دور کر دوں گی۔"

"ہاں سونیا! اب اسے میری غلطی سمجھو یا حالات کی مجبوری، میں نے رسونتی کو اپنا لیا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی "یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ تم ایک عرصے سے جال پھینک رہے تھے، آج کامیاب ہو گئے۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"سونیا! یہ بات نہیں ہے۔ ممی نے اپنی زندگی میں پیشگوئی کی تھی کہ میں ازدواجی زندگی گزار سکتا ہوں۔ وہ پیشگوئی کسی حد تک درست ہو گئی ہے۔"

وہ بولی "کیا مطلب؟ تم ازدواجی زندگی رسونتی کے ساتھ کیسے گزار رہے ہو؟"

"ایسے کہ جب ہم ایک ہتھکڑی میں بندھے ہوئے تھے اور اپنے جذبات سے دور نہیں بھاگ سکتے تھے تو ان حالات میں مجبور ہو کر ہم نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر ایک دوسرے کو اپنا لیا۔ اگر اس طرح دل کی گہرائیوں سے اور اپنے معبود کو سامنے محسوس کر کے کسی کو شریکِ حیات بنایا جا سکتا ہے تو میں نے رسونتی کو بنا لیا ہے۔"

وہ بولی "یوں تو شادی ہوئی بھی اور نہیں بھی۔ دراصل یہ اپنے دل کی بات ہے۔ کیا تم نے اسے دل کی گہرائیوں سے شریکِ حیات سمجھ لیا ہے؟"

"ہاں سونیا! میں خدا کو حاضر و ناظر جاننے کے بعد رسونتی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ میری شریکِ حیات بن گئی ہے، بلکہ اب وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے۔"

سونیا پر جیسے بجلی گر پڑی۔ وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی "فرہاد! اب چپ رہو۔ ہو سکے تو میرے دماغ سے چلے جاؤ۔ میں ابھی کچھ نہیں بولنا چاہتی۔ چپ چاپ رہ کر صرف سوچنا چاہتی ہوں۔ دیکھو! میری سوچ نہ پڑھو، چلے جاؤ۔"

"دیکھو سونیا! یہ بات ابھی مرجانہ کو مت بتانا۔"

"میں تمہارے حکم کی پابند نہیں ہوں۔"

"یہ حکم نہیں التجا ہے۔"

"مت التجا کرو۔ مت بے وقوف بناؤ۔ بہت ہو چکا فرہاد!"

"سونیا! تم نے آگے سنا ہی نہیں، پہلے پوری بات تو سن لو۔"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ تم میرے دماغ سے جاؤ گے یا نہیں؟ اگر نہیں جاؤ گے تو ابھی میں پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دوں گی۔"

میں نے کہا "غصہ تو تمہاری ناک پر رہتا ہے۔ اچھی بات ہے میں جا رہا ہوں۔ جب تمہارا دماغ ٹھنڈا ہو گا تو آ کر بات کروں گا۔"

یہ کہہ کر میں واپس آ گیا۔ میں نے سوچا مجھے سائرہ بانو کی بھی خبر لینا چاہیے کہ بخیریت سفر کر رہی ہیں یا نہیں۔ جب پچھلی بار میں ان کے حالات معلوم کر کے واپس ہوا تھا تو اس وقت وہ اور ڈیزی جمال فرش پر بیٹھ کر کھانے میں مصروف تھے۔ کھانا لانے والوں نے کہا تھا کہ ان دونوں کو ابھی عدیس ابابا پہنچا دیا جائے گا۔

ڈیزی جمال اس تاک میں تھا کہ کسی طرح جھپٹ کر ان دشمنوں میں سے کسی کا ہتھیار چھین لے اور ان پر غالب آ کر سائرہ بانو کو اس قید سے نکال کر لے جائے۔ وہ کھانے کے دوران بھی مختلف طریقوں سے سوچتا رہا اور منصوبے بناتا رہا۔ کھانے کے بعد انہیں ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے کھڑکی کے پاس آ کر دیکھا۔ وہ ہیلی کاپٹر مویشیوں کے فارم کے سامنے ہی ایک کھلے میدان میں اتر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ان کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ پانچ مسلح افراد داخل ہوئے۔ ایک نہتا تھا اس نے کھانے کے تمام برتن اٹھا لیے اور وہاں سے چلا گیا۔ پھر ایک شخص کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ڈیزی جمال کو دیکھتے ہوئے کہا "مسٹر سنا ہے تم بڑے جی دار ہو۔ اگر تم اس عورت کی خیریت چاہتے ہو تو چپ چاپ اپنے ہاتھ پاؤں بندھوا لو۔"

ڈیزی جمال اپنے ہاتھ پاؤں بندھوا کر بے دست و پا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ یہ بات سنتے ہی اس نے اچانک ایک اسٹین گن والے پر چھلانگ لگائی۔ اس سے لپٹ کر اسے لیے ہوئے فرش پر لڑھکتا ہوا دور جانے لگا لیکن اتنی سی دیر میں باقی مسلح لوگوں نے اس پر حملہ کر دیا تھا جیسے ہی جمال نے اپنے شکار کو اپنے نیچے دبوچا ویسے ہی پیچھے سے کسی نے اسٹین گن کے ہتھے سے ضرب لگائی۔ ڈیزی جمال کے حلق سے کراہ نکل گئی۔ دوسرا حملہ اس کے سر پر ہوا پھر اس کی کمر پر تابڑ توڑ کئی حملے ہوئے۔ منہ پر بھی ایسی ضربیں لگائی گئیں کہ چہرہ لہولہان ہو گیا۔

سائرہ بانو چیخ رہی تھیں، رو رہی تھیں، اس کے لیے رحم کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ لیکن ایک شخص نے ان کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا اور انہیں ڈیزی جمال کی طرف بڑھنے سے روک رہا تھا۔ اب ڈیزی جمال کا حلیہ بگڑ گیا تھا۔ چہرہ لہو میں ایسے بھیگ گیا تھا، زخم ایسے آئے تھے کہ وہ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ وہ واقعی جی دار تھا۔ فرش پر پڑا ہوا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا اور بڑی ہی نقاہت سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دو مسلح جوانوں نے اس کے سینے پر پاؤں رکھ کر اسے چاروں شانے چت لیٹے رہنے پر مجبور کر دیا۔

جب انہیں یقین ہو گیا کہ ڈیزی جمال اب حملہ کرنے کے قابل نہیں رہا ہے تو ان کے باس نے کسی کو حکم دیا "وہ ٹرے لے آؤ۔"

تھوڑی دیر بعد ایک شخص دونوں ہاں میں ایک بڑی سی ٹرے اٹھا کر لایا۔ اس ٹرے میں ایک زبردست قوت کا بم رکھا ہوا تھا۔ وہ بم لوہے کی ایک چوکور ڈبیہ میں تھا۔ اس ڈبیہ کا کور پلاسٹک کا بنا ہوا تھا اور وہ ڈبیہ ایک بیلٹ سے منسلک تھی۔

باس نے اس بم کو بڑی احتیاط سے اٹھاتے ہوئے کہا "سائرہ بانو! میں تمہیں اور تمہارے ساتھی کو یہ دکھانا چاہتا ہوں۔ اسے غور سے دیکھو۔ یہ ایک ایسا بم ہے جو تمہیں مار بھی سکتا ہے اور زندہ بھی رکھ سکتا ہے۔ اسے میں تمہارے سینے سے باندھ دوں گا اگر تم انکار کی صورت میں جدوجہد کرو گی تو بے موت ماری جاؤ گی۔ تمہارے ساتھ ہم بھی مر جائیں گے۔ یہ فرہاد علی تیمور جانتا ہے کہ ہم کس طرح اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اسے اپنی آوازیں سناتے ہیں اور اب کس طرح اپنے مالک کے حکم پر یہاں تمہارے ساتھ اس بم کے ذریعے تباہ ہونے آ گئے ہیں۔ یقین نہ ہو تو میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ تم جدوجہد کرو۔ ہم سب یہاں فنا ہو جائیں گے۔"

ڈیزی جمال نے چیخ کر کہا "نہیں، تم لوگ انسان ہو درندے نہ بنو۔ ایک کمزور عورت کی زندگی سے اس طرح نہ کھیلو۔"

ایسا کہتے ہوئے ڈیزی جمال فرش سے اٹھ کر بیٹھنے لگا۔ دونوں طرف سے دو مضبوط اور مسلح جوانوں نے اسے پکڑ رکھا تھا۔ یوں بھی وہ اس بری طرح مار کھا چکا تھا اور ایسا لہولہان ہو گیا تھا کہ اس میں لڑنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ پھر بھی وہ احتجاج کر رہا تھا۔ باس نے پلٹ کر اس سے کہا۔

"ہم سائرہ بانو کی زندگی سے نہیں کھیل رہے ہیں۔ یہ تو سائرہ بانو پر منحصر ہے کہ وہ اپنی زندگی سے کھیلتی ہیں یا موت سے۔ اگر موت سے کھیلنا چاہیں گی تو اس وقت اس بم کو اپنے سینے سے لگاتے وقت جدوجہد کریں گی اور اگر زندہ رہنا چاہیں گی تو اسے خاموشی سے اپنے سینے کے ساتھ بندھوا لیں گی۔ ہم تو انہیں زندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں ان کی بیٹی کے پاس پہنچانا چاہتے ہیں۔ بھلا ہم انہیں کیوں ماریں گے؟"

"جب تم لوگ سائرہ بانو کو زندہ رکھنا چاہتے ہو تو پھر ایسی حرکت کیوں کر رہے ہو؟ موت کو اس عورت کے گلے کیوں لگا رہے ہو؟"

باس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "تم ابھی نئے ہو۔ نہیں جانتے ہو کہ ہمارا ان سے کیا جھگڑا چل رہا ہے۔ جب وہ جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ ہمارے مالک کی شرطیں مان لی جائیں گی تو سائرہ بانو کو اس موت سے نجات مل جائے گی۔ بس اب خاموشی سے تماشہ دیکھو۔"

سائرہ بانو نے کہا "نہیں، میں اسے نہیں باندھنے دوں گی، میں مر جاؤں گی لیکن لمحہ لمحہ موت کا انتظار کرتے ہوئے زندہ نہیں رہوں گی۔"

باس نے مسکراتے ہوئے کہا "اچھی طرح سوچ لو سائرہ بانو! تمہاری زندگی صرف تمہاری زندگی نہیں ہے۔ یہ زندگی یہ جوانی جو تم نے بیس سال تک اپنی بیٹی کے لیے گزاری ہے۔ کیا اس بیٹی کے لیے زندہ نہیں رہو گی؟ کیا عدیس ابابا جا کر اپنی بیٹی سے نہیں ملو گی؟ نہیں نہیں، سائرہ بانو! تم ضرور اپنی

بیٹی سے ملو گی۔ اپنی بیٹی کے لیے زندہ رہو گی۔ لو میں اسے تمہارے قریب لا رہا ہوں۔ چلو ہم اور تم دونوں فنا ہو جائیں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ لرزتے ہوئے ہاتھوں سے بم کو اٹھائے ہوئے سائرہ بانو کے بالکل سامنے پہنچ گیا۔ اس کے دائیں بائیں دو مسلح جوان تھے۔ انہوں نے بڑی احتیاط سے بیلٹ کے دو سروں کو تھام لیا اور سائرہ بانو سے کہا کہ وہ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیں۔ سائرہ بانو چپ چاپ کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک شخص نے پیچھے سے آ کر ان کے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھا دیا۔ وہ بم کی چوکور آہنی ڈبیہ ان کے سینے پر رکھ دی گئی۔ بیلٹ کو ان کی دونوں بغل کے نیچے سے گزار دیا گیا۔ بیلٹ کے باقی دو حصے ان کے دو شانوں پر سے گزار کر ان سب کو پشت کی طرف لایا گیا پھر انہیں ایک بکل کے ذریعے باندھ دیا گیا۔

جب یہ کام ہو گیا تو باس پیچھے جا کر اس بکل سے کچھ تاروں کو آپس میں منسلک کرنے لگا۔ وہ بیلٹ جو بغل کے نیچے سے اور شانوں کے اوپر سے گزرتے تھے ان میں بھی تار لگے ہوئے تھے اور وہ تار پیچھے جا کر ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ باس نے ڈیئر جمال کو دیکھتے ہوئے چٹکی بجا کر اشارے سے اٹھنے کے لیے کہا پھر بولا۔ "ادھر آؤ اور دیکھو کہ موت سائرہ بانو کے سینے سے کس طرح لگی ہے۔ دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ٹک ٹک، دھک دھک، ٹک ٹک، دھک دھک۔ یہ احساس ہر لمحہ ہوتا رہے گا۔ ہر لمحہ ہر ٹک ٹک اور ہر دھک دھک کے ساتھ موت بولتی رہے گی کہ میں آ رہی ہوں۔ اگر تم میں ذرا بھی ہمت ہے تو یہاں آ کر سائرہ بانو کے سینے سے بندھے ہوئے اس بم کو یا بیلٹ کو ان تاروں کو چھیڑ کر دیکھو۔ ابھی دھماکے سے تم دونوں کے پرخچے اڑ جائیں گے۔"

دو مسلح جوانوں نے ڈیئر جمال کے دونوں بازوؤں کو دو طرف سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھایا اور اسے کھڑا کر دیا۔ ڈیئر جمال لڑکھڑاتے ہوئے سائرہ بانو کی طرف آنے لگا۔ جب وہ قریب پہنچ گیا تو باس نے کہا۔ "سائرہ بانو کے پیچھے آؤ، میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔"

ڈیئر جمال پیچھے آیا۔ پیچھے وہ بیلٹ جو بغل کے نیچے سے اور شانے کے اوپر سے آ رہے تھے وہ سب ایک جگہ ایک بکل سے منسلک ہو گئے تھے۔ ان میں تار ادھر سے ادھر گڈمڈ ہو کر بندھے ہوئے تھے۔ باس نے کہا۔ "اس بکل کو ہاتھ لگانا گویا کہ اس عورت کی موت کو بلانا ہے۔ یہاں جتنے بھی تار ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے نظر آ رہے ہیں ان کو کوئی انگلی بھی نہ لگائے۔ معمولی سا کپڑا بھی چھو کر نہ گزرے۔ چھونے سے ان کو کچھ نہیں ہو گا لیکن ایک بھی تار دوسرے سے الگ ہو گیا اور اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو سمجھو کہ موت کا زبردست دھماکہ ہو گا۔"

سائرہ بانو پتھر کے مجسمے کی طرح بالکل بے حس و حرکت کھڑی ہوئی تھیں اور بہت آہستہ آہستہ سانسیں لے رہی تھیں۔ یہی حال ڈیئر جمال کا تھا۔ حالانکہ موت اس کے گلے نہیں لگی تھی لیکن سائرہ بانو کی زندگی اور موت سے وہ وابستہ ہو چکا تھا۔ محبت، ہمدردی اور لگاوٹ ایسی تھی کہ ان کی موت کو اپنی موت سمجھ رہا تھا۔ رہ رہ کر اس کی بھی سانس جیسے رک رک جاتی تھی۔

باس نے کہا۔ "چونکہ اس بکل سے لگے ہوئے تاروں کو چھیڑنا، موت کو دعوت دینا ہے۔ لہٰذا سائرہ بانو بیٹھتے وقت کرسی یا کسی چیز سے بھی ٹیک نہیں لگائیں گی۔ اگر ٹیک لگائیں گی تو یہ تار دب جائیں گے۔ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے لہٰذا انہیں ہٹنا نہیں چاہیے نہ انہیں دبنا نہیں چاہیے۔ یہ آرام سے بستر پر لیٹ بھی نہیں سکیں گی۔ خصوصاً چار دن شانے چت لیٹ نہیں سکتیں۔ یہ بیٹھی رہ سکتی ہیں یا کھڑی رہ سکتی ہیں اور کھڑے یا بیٹھے بیٹھے اپنی نیند پوری کر سکتی ہیں اگر نیند کے وقت گریں گی تو ہمیشہ کے لیے گر جائیں گی پھر زندگی انہیں نہیں اٹھا سکے گی۔"

کیسا ظالمانہ طریقہ کار تھا۔ کاش میں اس وقت سائرہ بانو کے دماغ میں موجود ہوتا تو ان کے ذریعے اس باس کے دماغ میں بھی پہنچ جاتا۔ پھر اسے اتنا موقع نہیں دیتا کہ وہ اس بم کو سائرہ بانو کے قریب لائے۔ میں اس باس کو بم کے ساتھ باہر پہنچا کر تباہ کر دیتا لیکن افسوس اس وقت میں چھٹیوں کی بستی میں تھا اور رسونتی کے ساتھ وقت گزار رہا تھا۔ میرا قصور کیا تھا۔ میری اپنی مصروفیات بھی ہوتی ہیں۔ میرا اپنا سکھ آرام بھی ہوتا ہے۔ مجھے اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ چند گھنٹے اپنی ذات کے لیے وقف کروں اور اپنے ذہن کو تازہ دم رکھنے کی کوشش کروں۔ میں ایسا نہیں کروں گا تو خیال خوانی کرتے کرتے بہت جلد پاگل خانے پہنچ جاؤں گا۔ مصیبت تو یہ ہے کہ جب میں اپنی ذات کے لیے تھوڑا وقت صرف کرتا ہوں تو کسی نہ کسی نئی مصیبت میں، میں یا میرے ساتھی گرفتار ہو جاتے ہیں۔

بہر حال سائرہ بانو اس وقت ایسے دوراہے پر کھڑی ہوئی تھیں کہ ایک راہ زندگی کی طرف جاتی تھی اور دوسری

موت کی طرف لے جاتی تھی اور وہ کسی طرف نہیں جا سکتی تھی جہاں کھڑی تھیں وہیں کھڑی رہ گئی تھیں۔ ان کے پیچھے ڈیئر جمال مسلح افراد کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ باس نے انگلی اٹھا کر بیلٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اب دیکھو یہ دو بیلٹ اس عورت کی بغل کے نیچے سے گزرے ہیں اور یہ دو بیلٹ شانوں پر سے ہو کر سامنے اس بم کو منسلک کیے ہوئے ہیں۔ غور سے دیکھو ان تمام بیلٹ پر سے باریک تار گزارے گئے ہیں لہٰذا اگر کوئی یہ سوچے کہ بیلٹ کو کاٹ کر بم سائرہ بانو سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے تو یہ اس کی زبردست حماقت ہو گی۔ بیلٹ کاٹے جائیں گے تو ان کے ساتھ تار بھی کٹیں گے۔ تار کٹیں گے تو پھر وہی موت اور صرف موت۔"

باس نے سائرہ بانو کے سامنے پہنچ کر ڈیئر جمال سے کہا۔ "مسٹر! اب ادھر آ جاؤ۔"

ڈیئر جمال سائرہ بانو کی پشت کی طرف سے چلتا ہوا سامنے آیا۔ باس نے کہا۔ "اب اس آہنی ڈبیہ کے اندر دیکھو۔ اس ڈبیہ کا ڈھکنا ٹرانسپیرنٹ پلاسٹک کا ہے۔ اس کے اندر آر پار چیزیں دیکھی جا سکتی ہیں۔"

ڈیئر جمال ذرا جھک کر اس ڈبیہ کو دیکھنے لگا۔ اندر چھوٹے چھوٹے سیل کی طرح چار بم ایک دوسرے سے بندھے ہوئے نظر آئے۔ ان کے علاوہ کچھ ننھے ننھے آلات تھے۔ پلاسٹک کے ڈھکن کے سامنے ہی جو سب سے نمایاں چیزیں تھیں وہ چار عدد تار تھے ایک تار کا رنگ سفید، دوسرے کا سبز، تیسرے کا زرد اور چوتھے کا سرخ تھا۔ باس نے کہا۔ "ساری اہمیت ان چار تاروں کی ہے۔ ان میں سے تین تار موت کی طرف لے جاتے ہیں اور ایک تار زندگی کی طرف۔ اگر زندگی کے اس ایک تار کو اس بم سے الگ کر دیا جائے تو پھر دھماکہ نہیں ہو گا۔ سائرہ بانو زندہ رہیں گی۔ اگر ان تین تاروں میں سے کسی کو بھی چھیڑا گیا تو پھر ان کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کا وہ تار کون سا ہے۔ سفید رنگ کا ہے، سبز رنگ کا ہے، زرد رنگ کا ہے یا کہ سرخ رنگ کا ہے؟ وہ کون سا تار ہے جسے اس بم سے علیحدہ کر دیا جائے تو سائرہ بانو سلامت رہ جائیں گی؟"

ڈیئر جمال نے پوچھا۔ "وہ زندگی کا تار کون سا ہے؟ کس رنگ کا ہے؟ مجھے بتاؤ۔"

باس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کے لیے تیار ہوں کہ میں خود نہیں جانتا۔ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ وہ تار کون سا ہے۔ صرف وہ شخص جانتا ہے جس نے اسے تیار کیا ہے۔ وہی شخص اس تار کو اس بم سے الگ کر سکتا ہے۔ اس بم کے ماہر کا دعویٰ ہے کہ کوئی بھی بارود سے کھیلنے والا ماہر اس تار کو نہیں سمجھ سکے گا جو سائرہ بانو کو زندگی دے سکتا ہے۔"

ڈیئر جمال نے غصے اور جنون میں باس کا گلا دبوچتے ہوئے کہا۔ "تم جھوٹ بولتے ہو، تمہیں معلوم ہے۔ مجھے بتاؤ کہ زندگی کا وہ تار کون سا ہے۔ کس رنگ کا ہے ورنہ میں ابھی تمہیں گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔"

وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا اور دوسرے مسلح جوان اسے اپنی طرف کھینچ رہے تھے، اپنے باس سے الگ کر رہے تھے پھر ذرا سی دیر میں انہوں نے اپنے باس کو ڈیئر جمال کی گرفت سے چھڑا لیا۔ اسے دو چار گھونسے رسید کیے پھر باس نے کہا۔ "پاگل نہ بنو، اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو فرہاد علی تیمور سے کہو کہ میرے دماغ میں پہنچ کر سچ اور جھوٹ کو سمجھے۔ وہ اس بات کی تصدیق کرے گا کہ میں واقعی زندگی کے اس تار کو نہیں جانتا ہوں۔ دیکھو مسٹر! اگر تمہیں اس عورت سے ذرا بھی محبت ہے اور تم اس کی زندگی چاہتے ہو تو اب اس کے محافظ بن جاؤ۔ اس کا ایک بازو تھام لو اور اسے سنبھال کر یہاں سے ہیلی کاپٹر تک لے جاؤ۔"

ڈیئر جمال کے سامنے بس یہی ایک صورت رہ گئی تھی کہ وہ سائرہ بانو کو سنبھالے۔ ان کے زیادہ سے زیادہ قریب رہے۔ ان کو تسلیاں دیتا رہے اور ان کی حفاظت کرتا رہے۔

اسی خیال سے اس نے سائرہ بانو کو اپنی حفاظت میں لیا۔ پھر وہ مویشیوں کے باڑے کے پاس سے گزرتا ہوا ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچ گیا۔ باس اسے سمجھاتا جا رہا تھا۔ "دیکھو اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ عورت ہیلی کاپٹر کی پشت سے ٹیک نہ لگائے۔ یہ جہاں بھی بیٹھے بغیر کسی سہارے کے بیٹھے۔ بستر پر نہ لیٹے، کھڑی رہے یا بیٹھی رہے اور یہ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ ہمارے اس خط پر عمل نہیں کیا جائے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک لفافہ نکال کر ڈیئر جمال کو دیا۔ "اور یہ خط سپر ماسٹر کے لیے ہے۔ عدیس ابابا میں وہاں کا ماسٹر کرونا مانگا تم لوگوں کے استقبال کے لیے آئے گا۔ یہ خط اس کے حوالے کر دینا۔ وہ اپنے سپر ماسٹر تک اسے پہنچا دے گا۔"

سائرہ بانو کو بہت احتیاط سے ہیلی کاپٹر میں سوار کرایا گیا۔ اس کے بعد ڈیئر جمال ان کے پاس بیٹھ گیا اور ان کے بازو کو تھامے رہا۔ اب وہ بڑا محتاط تھا کہ سائرہ بانو کہیں سیٹ کی پشت سے نہ ٹک جائیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ

ہیلی کاپٹر کو جھٹکا پہنچتا تو وہ جھٹکے سے پیچھے گر پڑتیں۔ ڈیئر جمال کو اس بات کا خیال رکھنا تھا کہ ایسا نہ ہونے پائے۔ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ کاک پٹ میں پہنچنے کے بعد پلٹ کر ڈیئر جمال سے بولا: "مسٹر! میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس ہیلی کاپٹر کو لے جا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں اگر اس عورت سے ذرا سی بھی غلطی ہوئی یا تم نے غفلت کی تو ہم سب ہیلی کاپٹر کے ساتھ تباہ ہو جائیں گے۔ میں التجا کرتا ہوں کہ جب تک سفر جاری رہے اس وقت تک بہت محتاط رہو۔"

سفر شروع ہو گیا۔ ہیلی کاپٹر بڑی آہستگی سے پرواز کرنے کے لیے زمین پر سے بلند ہوا اور آہستہ آہستہ بلندی پر پہنچ کر آگے اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا۔ جب تین گھنٹے تک سفر جاری رہا اور پائلٹ کے اندازے کے مطابق آدھے گھنٹے کا سفر اور باقی رہ گیا تب ہی میں سائرہ بانو کے دماغ میں پہنچا تھا۔ دماغ کے اندر پہنچ کر میں نے ان کے اندرونی احساسات کو سمجھا تھا۔ وہ ایسی ہو گئی تھیں جیسے برائے نام زندہ ہوں۔ موت کا احساس پوری طرح ان کے دماغ پر غالب تھا۔ وہ صرف بیٹی کو دیکھنے کی آس میں زندہ تھیں ورنہ اس بم کے باندھنے کے بعد تو ان کا دم ہی نکل گیا ہوتا، لیکن ماں کی قوت تھی جو ابھی انھیں سانسیں لینے پر مجبور کر رہی تھی۔

ڈیئر جمال انھیں سنبھالے ہوئے تھا ورنہ ان کے ہاتھ پاؤں میں جان نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے سہارے بیٹھی بھی نہ رہ سکتیں۔ میں نے سوچا کہ انھیں پوری طرح محتاط رکھنے کے لیے اب مجھے ان کے دماغ پر قابض ہونا پڑے گا لیکن اس سے پہلے میں سونیا اور مرجانہ کو یہ بات بتانا چاہتا تھا کہ اس کی امی کتنے نازک اور کتنے بھیانک مرحلے سے گزر رہی ہیں۔

میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر کہا: "اگر تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہو تو ایک بڑی خبر سن لو۔"

وہ بدستور غصے میں بولی: "اس سے بڑی خبر اور کیا ہو گی جو تم مجھے سنا چکے ہو؟"

میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا: "میں سائرہ بانو کے متعلق بتانا چاہتا ہوں۔ اس وقت وہ زندگی اور موت کے درمیان معلق ہیں۔ ان کے سینے سے دشمنوں نے ایک ایسا بم باندھ رکھا ہے جو کسی بھی وقت ان کی ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے۔"

میری یہ بات سنتے ہی سونیا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے مرجانہ اور ماسٹر کروڈ ماما نگا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "فرہاد اس وقت ہمارے درمیان موجود ہے اور وہ میری زبان سے ایک بہت بڑی خبر سنا رہا ہے۔ آپ لوگ سنیں۔"

میں سونیا کی زبان سے وہ تمام باتیں مختصر طور پر انھیں بتلانے لگا جو مجھے معلوم ہوئی تھیں۔ مرجانہ سنتی جا رہی تھی، بے چینی سے پہلو بدلتی جا رہی تھی اور پریشان ہو کر کہہ رہی تھی: "یہ کیا ہو رہا ہے؟ فرہاد میری امی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ تم نے ان کی حفاظت کیوں نہیں کی؟"

میں نے کہا: "میں مجبور تھا۔ دیکھو مرجانہ میں چوبیس گھنٹے کسی ایک دماغ میں نہیں رہ سکتا۔ کبھی اس کے پاس کبھی اس کے پاس ہر ایک کی خیریت معلوم کرنے کے لیے بھٹکتا رہتا ہوں۔ پھر مجھے اپنے طور پر بھی جاگتے دماغ رہنا پڑتا ہے۔ میری اپنی مصروفیات بھی ہوتی ہیں۔ ایسے ہی وقت دشمنوں نے اپنی چال چلی اور تمہاری امی کو اس مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے لیکن فکر نہ کرو میں ابھی جا کر ان کے دماغ پر قابض ہو جاؤں گا اور انھیں اس بم کی ہلاکت کا زیادہ احساس نہیں ہونے دوں گا۔"

مرجانہ نے کہا: "تو پھر جلدی جاؤ۔ یہاں ہمارے پاس نہ رہو، اس وقت امی کو تمہاری ضرورت ہے۔"

"بے شک میری ضرورت ہے لیکن میں کروڈ ماما نگا سے کہوں گا کہ وہ سائرہ بانو کے لیے کسی ایسی گاڑی کا، ایسی سیٹ کا بندوبست کرے جس کی پشت نہ ہو اور اس میں ایسے آہنی راڈ اور شکنجے ہوں جو سائرہ بانو کو ہر طرف سے جکڑ کر رکھیں۔ انھیں نہ پیچھے کی طرف ڈھلکنے دیں نہ لیٹنے کا موقع دیں۔ وہ بیٹھی رہیں۔ نیند آئے گی تو وہ بیٹھے بیٹھے نیند پوری کریں گی اور نیند کے دوران بھی کسی طرف ڈھلکنے نہیں پائیں گی۔ کچھ ایسی ہی سیٹ کا انتظام فوری طور پر کرنا ہے۔"

ماسٹر کروڈ ماما نگا نے کہا: "آپ اطمینان رکھیں۔ میں ابھی اس کا انتظام کرتا ہوں۔"

میں نے کہا: "ماسٹر بارودی بموں کو ناکارہ بنانے والے جتنے ماہرین آپ کی نظر میں ہیں ان سب کو بلائیے اور ان سے کہیے کہ وہ آ کر سائرہ بانو کے سینے سے بندھے ہوئے بم کا دور سے مطالعہ کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ ان چاروں میں سے کون سا تار زندگی کا تار ہے۔ جسے الگ کرنے سے سائرہ بانو زندہ سلامت رہ سکتی ہیں۔ اب میں جا رہا ہوں۔ آپ میرے ان دو مشوروں پر عمل کیجیے۔"

میں نے سائرہ بانو کے دماغ میں پہنچ کر ان کو سنبھال لیا۔ دوسرے لمحے سائرہ بانو نے مسکرا کر ڈیئر جمال کو دیکھا۔ وہ ایک دم سے خوش ہو کر بولا: "تمہاری یہ مسکراہٹ میرے اندر نئی زندگی پیدا کر رہی ہے۔ سائرہ تم وعدہ کرو کہ اسی طرح مسکراتی رہو۔ ہم انشاء اللہ زندہ رہیں گے۔ سائرہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک یہ موت تمہارے جسم سے بندھی رہے گی، اس وقت تک میں بھی تمہارے ساتھ سائے کی طرح رہوں گا۔ جیوں گا تمہارے ساتھ مروں گا تمہارے ساتھ۔"

سائرہ بانو نے کہا: "اس وقت میں سائرہ بانو نہیں فرہاد علی تیمور ہوں۔"

"ایں؟" اس نے چونک کر سائرہ بانو کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ بے یقینی سے بولا: "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"کہہ رہی ہوں نہیں، کہہ رہا ہوں۔ اگر سائرہ بانو کی زبان سے سننا ہو تو بات یہ ہے کہ میرے بیٹے فرہاد نے میرے پورے جسم کو سنبھال رکھا ہے۔ تم میرا بازو چھوڑ دو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں اسی طرح حوصلے سے تم کو بیٹھی رہوں گی۔"

"کہاں ہے؟" اس نے حیرانی سے پوچھا: "یعنی اس وقت میرے اور آپ کے درمیان فرہاد صاحب موجود ہیں؟"

"ہاں، میں موجود ہوں۔ سائرہ بانو کے اندر رہ کر میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ یہ اندر سے بالکل ہی ڈوب رہی ہیں۔ بالکل کھوکھلی ہو گئی ہیں۔ صرف بیٹی سے ملنے کی آس میں اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ میں نے سوچا اگر میں نے ان کے جسم پر قابض ہو کر انھیں نہ سنبھالا تو ان پر بہت برا اثر پڑے گا۔ شاید یہ بے ہوش ہو جائیں، یا مر ہی جائیں۔ اس لیے میں اس وقت ان کے دماغ پر قابض رہوں۔"

ڈیئر جمال نے کہا: "فرہاد صاحب! آپ سے غائبانہ ملاقات کر کے بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ آپ نے ایسے وقت ملاقات کی جبکہ مجھے خدا کے بعد ایک بہت ہی مضبوط سہارے کی ضرورت تھی اور آپ وہ سہارا بن گئے ہیں۔"

ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کی آواز سنائی دی: "مسٹر! ہم عدیس ابابا پہنچ رہے ہیں۔ تقریباً دس منٹ کے بعد یہ ہیلی کاپٹر زمین پر اترے گا۔ میری پوری کوشش ہو گی کہ اترنے کے وقت اسے زوردار جھٹکا نہ لگے۔ آپ احتیاطاً سیفٹی بیلٹ باندھ لیں۔ اس عورت کو بیلٹ باندھا نہیں جا سکتا۔ سیٹ کی پشت سے لگایا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا آپ دونوں ہاتھوں سے اسے سنبھال کر رکھیے اور کوشش کریں کہ ہیلی کاپٹر کو جھٹکا پہنچے تو عورت کی پشت سیٹ سے نہ لگنے پائے۔"

میں نے ڈیئر جمال سے کہا کہ وہ سائرہ بانو کو چھوڑ کر بالکل بے فکر ہو کر اپنا سیفٹی بیلٹ باندھ لے۔ اس کے بعد سائرہ بانو کو دونوں ہاتھوں سے سنبھال لے۔ ایک طرف ڈیئر جمال سنبھالے گا اور دوسری طرف میں دماغی طور پر ان کے اندر سما کر انھیں ادھر ادھر ڈھلکنے سے بچائے رکھوں گا۔ ہم ہر طرح مستعد ہو گئے۔ دس منٹ گزر گئے۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ ہیلی کاپٹر نیچے آنے لگا۔ نیچے زمین سے سگنل دیے جا رہے تھے اور ان کے مطابق وہ ہیلی کاپٹر اتر رہا تھا۔ بہرحال پائلٹ نے بڑی مہارت سے ہیلی کاپٹر اتار لیا۔

میں سونیا اور مرجانہ وغیرہ کے دماغ میں پہنچ کر نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ ہیلی کاپٹر سے کتنی دور ہیں اور کیا کر رہی ہیں۔ میں سائرہ بانو کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہیلی کاپٹر سے اترنے کا وقت آیا تو میں سائرہ بانو کے جسم کو سنبھال کر اترنے لگا۔ ڈیئر جمال بھی کسی طرح انھیں سنبھال رہا تھا۔ نہایت احتیاط کے ساتھ ہم زمین پر پہنچ گئے۔

تھوڑے فاصلے پر سونیا، مرجانہ اور کروڈ ماما نگا وغیرہ کھڑے ہوئے تھے۔

سائرہ بانو کو دیکھتے ہی مرجانہ نے چیخ ماری "امی، میری امی"۔ وہ ذرا آگے بڑھنا چاہتی تھی لیکن سونیا نے اس کے بازو کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا: "دیکھو مرجانہ محبت کے جوش میں اپنی امی سے نہ لپٹ جانا۔ ان کی زندگی کا سوال ہے۔ ہوش میں رہو۔"

ڈیئر جمال، سائرہ بانو کو سنبھالے ہوئے آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ ان کا استقبال یوں ہوا کہ کوئی کسی سے مصافحہ نہیں کر سکا۔ کیسی مصیبت کی گھڑی تھی۔ کوئی سائرہ بانو کے قریب نہیں آ سکتا تھا۔ بس ابھی دور ہی سے ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔

میں نے قریب پہنچ کر سائرہ بانو کی زبان سے کہا: "مرجانہ! اس وقت تمہاری امی جسمانی طور پر تمہارے سامنے موجود ہیں لیکن دماغی طور سے حاضر نہیں ہیں۔ وہ تمہیں نہیں پہچان سکیں گی۔ میں فرہاد علی تیمور تم سے مخاطب ہوں۔ حوصلہ کرو اور انتظار کرو۔ دیکھو کہ ہم تمہاری امی کو بچانے کے لیے کیا کر سکتے ہیں، کتنی ذہانت سے کام لے سکتے ہیں۔"

میں نے کروڈ ماما نگا سے مخاطب ہو کر پوچھا: "تم نے لیڈی سائرہ بانو کو یہاں سے ہیلی تک پہنچانے کا کیا انتظام کیا ہے؟"

ماسٹر کروڈ ماما نگا نے کہا: "فرہاد صاحب! میں نے ایک شکنجے والی کرسی بنانے کا آرڈر دے دیا ہے جس میں لیڈی سائرہ بانو کو جکڑ کر حفاظت سے بٹھایا جا سکتا ہے۔ اس میں ایسے شکنجے ہوں جو انھیں چاروں طرف سے جکڑے رہیں گے۔ نہ پیچھے کی طرف ڈھلکنے دیں گے نہ لیٹنے دیں گے۔ جہاں نیند پوری کرنی ہو گی تو یہ بیٹھے بیٹھے ہی سو جائیں گی۔ مگر گرنے نہیں پائیں گی۔ اس میں ذرا وقت لگے گا۔ ہم ابھی ان کو ایک ویگن کے پچھلے حصے میں بڑے آرام سے بٹھا کر لے جائیں گے اور انھیں ادھر ادھر گرنے نہیں دیں گے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔"

میں نے کہا: "ماسٹر ان سے ملو۔ یہ ڈیئر جمال ہیں۔ بے چارے زخموں سے چور ہیں۔ ان کے چہرے کے زخم خشک ہو گئے ہیں۔ ان کی مرہم پٹی بھی فوراً ہونی چاہیے۔"

سائرہ بانو کو آہستہ آہستہ لے جا کر ایک ویگن کار کے پچھلے حصے میں سوار کرایا گیا۔ پچھلے حصے میں ایک آرام دہ کشن تھا جس پر انھیں بٹھا دیا گیا۔ ان کے پیچھے کی سیٹ پر ایک صحت مند اور مضبوط نوجوان بیٹھ گیا۔ اس نے پشت کی طرف سے سائرہ بانو کے دونوں بازوؤں کو تھام لیا تھا تاکہ وہ ادھر ادھر ڈھلکنے نہ پائیں۔ ان کے دائیں بائیں بھی دو نوجوان انھیں سنبھالنے کے لیے بیٹھ گئے تھے۔ مرجانہ، سونیا، کروڈ ماما نگا اور ڈیئر جمال بھی ویگن کے اسی پچھلے حصے میں تھے۔ ایک شخص فرسٹ ایڈ کا سامان نکالے ڈیئر جمال کی مرہم پٹی کرنے لگا تھا۔ گاڑی وہاں سے آہستگی سے روانہ ہوئی اور دھیمی رفتار میں سنبھل سنبھل کر فاصلہ طے کرنے لگی۔ ڈرائیور کو ہدایت دی گئی تھی کہ بہت ہوشیاری سے گاڑی چلائی جائے۔ کہیں کسی جگہ بھی گاڑی کو زور کا جھٹکا نہ لگنے پائے۔ کروڈ ماما نگا نے کہا: "لیڈی سائرہ بانو جن حالات سے

گزر رہی ہیں۔ اس کی چھوٹی سی ہسٹری سپر ماسٹر تک پہنچا دی گئی ہے۔ ہماری تنظیم میں مہلک بموں کے بہت سے ماہرین ہیں۔ وہ صبح ہونے تک یہاں پہنچ جائیں گے اور اس بم کی اسٹڈی کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم سائرہ بانو کو اس سے نجات دلا سکیں گے۔"

ڈیئر جمال نے اپنی جیب سے وہ لفافہ نکال کر کروٹا مانگا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "یہ دشمنوں کی طرف سے سپر ماسٹر کو دیا گیا ہے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ یہ خط میں آپ کے حوالے کروں۔"

کروٹا مانگا نے اس لفافے کو لے کر سائرہ بانو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "فرہاد صاحب کیا اس لفافے کو ابھی کھول کر پڑھا جائے؟"

میں نے سائرہ بانو کی زبان سے کہا: "ابھی پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں سے پیلس تک ہمیں سائرہ بانو کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دینا چاہیے۔ انھیں حفاظت سے پہنچانا چاہیے۔ وہاں پہنچ کر اطمینان سے اس خط کو پڑھا جائے گا۔"

مرجانہ نے کہا: "فرہاد میں اپنی امّی سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ امّی مجھے دیکھیں، مجھے پہچانیں اور مجھے بیٹی کہہ کر مخاطب کریں۔ ہو سکتا ہے کہ بیٹی کو دیکھ کر ممتا کو اور حوصلہ ملے اور وہ زندہ رہنے کی لگن اپنے اندر پیدا کریں۔"

"اچھی بات ہے۔ تم اپنی امّی کے پاس آ کر بیٹھ جاؤ۔ میں ان کے دماغ کو آہستہ آہستہ آزاد کروں گا۔ پھر یہ تمھیں پہچان لیں گی۔"

وہ سائرہ بانو کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ میں نے پہلے سائرہ بانو کی آنکھیں بند کیں پھر ان کے دماغ کو آہستہ آہستہ آزاد چھوڑتے ہوئے ان کی سوچ میں کہنے لگا: "میں اس وقت اپنی بیٹی کے سامنے ہوں۔ جب میں آنکھیں کھولوں گی تو مجھے میری بیٹی نظر آئے گی۔ مجھے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقت میرے سینے سے وہ خطرناک بم بندھا ہوا ہے۔ اس لیے مجھے ہر لمحہ محتاط رہنا ہے اگر میں ذرا بھی بے احتیاطی کروں گی یا اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کروں گی تو میرے ساتھ میری بچی بھی ختم ہو جائے گی۔ آہ! کیا واقعی میں اپنی بیٹی کے پاس پہنچ گئی ہوں؟ کیا وہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی ہے؟ ہاں میں آنکھیں کھول کر دیکھتی ہوں۔"

سوچتے سوچتے انھوں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر دیکھا سامنے مرجانہ نظر آئی۔ انھوں نے بے اختیار پکارا: "میری بچی میری بیٹی، مرجانہ!"

سائرہ بانو کو پیچھے سے اور دائیں بائیں سے تین نوجوانوں نے اچھی طرح مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ ورنہ سائرہ بانو ممتا کے جوش میں آگے بڑھ کر مرجانہ سے لپٹ جاتیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے اس بم کو بھول گئی تھیں۔ لیکن دوسرے ہی لمحے انھیں پھر یاد آ گیا اور وہ چپ چاپ، پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت بیٹھ گئیں۔ مرجانہ اپنی جگہ ساکت تھی۔ دونوں ماں بیٹی کے درمیان موت یوں حائل تھی کہ وہ ایک دوسرے کو حسرت سے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ گلے نہیں مل سکتی تھیں۔ مرجانہ نے ڈوبتے ہوئے دل سے پوچھا: "امّی آپ میرے لیے زندہ رہیں گی نا؟"

"ہاں بیٹی، میں تمھارے لیے زندہ رہوں گی۔"

مرجانہ نے دونوں مٹھیاں بھینچ لیں وہ اپنے اندر کے جوش انتقام کو کچل رہی تھی۔ پھر بھی لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "امّی آج میں آپ کے سامنے قسم کھاتی ہوں کہ جلال بیگ کو ایسی ہی موت ماروں گی، وہ لمحہ لمحہ مرتا رہے گا۔ لمحہ لمحہ زندہ رہے گا۔ ساری دنیا کے لوگ اسے زندہ رکھنے کے لیے طرح طرح کے جتن کریں گے لیکن اسے موت سے نہیں بچا سکیں گے۔ ہر آنے والی گھڑی اس کے لیے موت کا پیغام لے کر آئے گی۔"

ان کی آنکھیں ممتا سے بھیگ گئیں۔ وہ آنسوؤں کے درمیان مسکراتے ہوئے بولیں: "میں جانتی ہوں آج حشمت بیگ تم سے خوف زدہ رہے۔ وہ کوئی سے زندگی گزار نہیں سکتا۔ کل ایسا وقت بھی آئے گا جب جلال بیگ تمھارے خوف سے کھانا پینا بھول جائے گا۔ اس کی نیندیں بھی حرام ہو جائیں گی۔ تم میری بیٹی نہیں ہو، بیٹا ہو۔"

سونیا نے موضوع بدلنے کے لیے اور اس موت کے خوف کو ذہنی طور پر ختم کرنے کے لیے سائرہ بانو سے کہا: "آنٹی آپ کے لیے یہ خوشخبری ہوگی کہ جسے آپ بیٹی نہیں بیٹا سمجھ رہی ہیں۔ وہ سچ مچ بیٹا بننے والی ہے۔ اس کی ڈاکٹری رپورٹ بتا رہی ہے کہ اس کی جنس تبدیل ہو گی۔ یہ ایک ماہر ڈاکٹر کے زیرِ علاج رہے گی اور رفتہ رفتہ ایسے مرحلے پر پہنچے گی جہاں آپریشن ضروری ہوگا۔ اس کے بعد یہ سچ مچ آپ کا بیٹا بن جائے گی۔"

سائرہ بانو نے سونیا کی باتوں کو ذرا بے یقینی سے سنا پھر اپنی بیٹی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ مرجانہ نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "ہاں امّی، سونیا ٹھیک کہتی ہے۔ ڈاکٹری رپورٹ موجود ہے اور میں تبدیل ہونے والی ہوں۔"

سائرہ بانو نے کہا: "میں جو کچھ سن رہی ہوں یہ ناممکن تو نہیں ہے۔ دنیا میں ہوتا ہے لیکن مجھے عجیب سا لگ رہا ہے کیونکہ یہ میری اپنی بیٹی کا معاملہ ہے۔ میں نے کیسے کیسے خواب دیکھے تھے کہ میں اپنی بیٹی کو دلہن بناؤں گی اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ اسے کسی کے ساتھ رخصت کروں گی۔ اب یہ سوچ کر عجیب سا لگتا ہے کہ یہ خود کسی کا کبھی دولھا بنے گی۔"

ان کی بات پر سب لوگ ہنسنے لگے پھر اچانک ہی سب کی ہنسی رک گئی۔ سب ہی کو یاد آ گیا کہ موت ان کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے اور وہ بہ ہوش ہنسنے والی نہیں ہے۔ اگر سائرہ بانو کے سلسلے میں ذرا بھی بے احتیاطی ہوئی ذرا بھی گڑبڑ ہوئی تو وہ ویگن ایک دھماکے سے اڑ جائے گی اور اس کے اندر بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔

ڈیئر جمال کی مرہم پٹی ہو چکی تھی۔ وہ تولیے سے اپنے چہرے کو اچھی طرح صاف کرنے کے بعد وہاں سے اٹھ کر سائرہ بانو کے پاس آیا۔ ان کے دائیں طرف سے جو نوجوان انھیں تھامے ہوئے بیٹھا ہوا تھا اس نوجوان کو ڈیئر جمال نے ہٹا دیا اور اس کی جگہ بیٹھ کر بولا: "میں مرہم پٹی کے لیے تم سے ذرا دور ہو گیا تھا ورنہ میں اپنے وعدے اور اپنی قسم پر قائم ہوں۔ میں تمھارے ساتھ زندہ رہوں گا اور تمھارے ساتھ مروں گا۔ ویسے اتنے ذہین اور بہادر لوگوں کی موجودگی سے یقین ہو گیا کہ موت ہم سے دور چلی جائے گی۔"

سائرہ بانو نے شرماتے ہوئے، جھجکتے ہوئے اور ڈیئر جمال سے نظریں چراتے ہوئے سر جھکا کر کہا: "بیٹی یہ ڈیئر جمال ہیں۔ بہت اچھے آدمی ہیں، انھوں نے بدمعاشوں سے مجھے بچایا تھا۔ یہ میری خاطر زخموں سے چور ہو کر اس حال کو پہنچے ہیں۔"

مرجانہ نے مسکرا کر ڈیئر جمال کو دیکھا پھر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے بولی: "فرہاد نے ہمیں پہلے ہی آپ کے متعلق بہت کچھ بتلا دیا ہے۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے اور یہ میری دوست سونیا ہے۔ اگر میں امّی کے بعد کسی کو چاہتی ہوں تو وہ یہی ہے۔"

ڈیئر جمال نے ذرا آگے کی طرف جھکتے ہوئے سونیا سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ فرہاد صاحب کے ساتھ ساتھ آپ کا نام بھی سنا ہے بلکہ جو فرہاد صاحب کو جانتا ہے وہ آپ کو بھی جانتا ہے۔ آپ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم لگتے ہیں۔"

سونیا مسکرائی مگر اندر سے بجھ گئی۔ اس کے دل نے کہا: "میں اور فرہاد لازم و ملزوم ہوتے تو وہ رسونتی سے شادی نہ کرتا۔ میں نے بہت برداشت کیا جب تک وہ دوسری عورتوں کے پیچھے پھرتا رہا۔ میں نے اعتراض کیا مگر اس سے نفرت کبھی نہیں کی۔ کبھی اسے چھوڑنا نہ چاہا لیکن اب، اب تو اس نے شادی کر لی ہے۔ اب اس کی تو سب کچھ رسونتی ہے۔ آہ سب میرے حوالے سے فرہاد کو میرا سمجھتے ہیں۔ کاش کہ ایسا ہوتا۔"

میں نے کہا: "میری جان ایسا ہی ہے۔ تم اپنے فرہاد سے خواہ کتنی ہی ناراض ہو جاؤ لیکن میں تمھیں منا لوں گا۔ میں یہ ثابت کر دوں گا کہ میں سب سے پہلے اور سب سے آخر تمھارا ہی ہوں۔"

وہ غصے میں بولی: "چپ رہو بکواس مت کرو۔"

ڈیئر جمال نے بوکھلا کر کہا: "جی، مم۔۔۔ مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی ہو تو میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔"

سونیا نے جلدی سے سنبھل کر کہا: "اوہ سوری، مسٹر جمال میں تمھیں نہیں کہہ رہی تھی۔ وہ بات کچھ دوسری تھی۔"

مرجانہ نے اپنا سر ہلا کر کہا: "اوہ میں سمجھ گئی تم اس وقت فرہاد سے جھگڑا کر رہی تھیں۔ ایک تم ہی ہو کہ فرہاد کو اتنی سختی سے کوئی بات کہہ دیتی ہو اور وہ سن لیتا ہے۔ تم چیز ہی ایسی ہو۔"

سونیا چپ رہی میں نے چپکے سے پوچھا: "اب بتاؤ کیا یہ جھوٹ ہے ایک تم ہی تو ہو جس کی سخت باتیں میں خاموشی سے سن لیتا ہوں۔"

وہ سوچ کے ذریعے بولی: "بس ایسی ہی باتیں کر کے خوش کرنا چاہتے ہو۔ میں اب تمھارے فریب میں نہیں آؤں گی میں نے تمھیں منع کیا تھا کہ میرے دماغ میں مت آؤ۔ چلو یہاں سے جاؤ اور جا کر اپنے بچے کو گود میں کھلاؤ۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "بچہ تو بعد میں ہوگا۔ میں تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کل تک رسونتی سے بچھڑ جاؤں گا۔"

وہ غصے سے بولی: "تمھیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ تم یہ کہہ کر مجھے خوش کرنا چاہتے ہو کہ رسونتی کو چھوڑ دو گے اور پھر میرے پیچھے دوڑے آؤ گے۔ یہ بڑی بے غیرتی اور بے مروتی ہے کہ ایک عورت سے شادی کرو گے۔ اسے ماں بناؤ گے اور پھر اس سے منہ پھیر کر چلے آؤ گے۔ میں کہتی ہوں چلے جاؤ یہاں سے۔ میں تمھاری کوئی بات نہیں سننا چاہتی۔"

"سونیا تم بعد میں بھی غصہ دکھا سکتی ہو پہلے سہولت سے میری باتیں تو سن لو۔"

"میں نے تم سے کہہ دیا ہے چلے جاؤ۔ ورنہ میں پھر چیخنا شروع کر دوں گی۔ الٹی سیدھی باتیں کروں گی تو ہم دونوں کا جھگڑا ایک تماشہ بن جائے گا۔ اور اس میں ہم دونوں کی سُبکی ہے۔ اس لیے چپ چاپ میرے دماغ سے نکل جاؤ۔"

میں مزید اسے کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ گاڑی پیلس کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔ مجھے سائرہ بانو کے دماغ میں پہنچنا پڑا۔ میں نے ان کی زبان سے کہا: "مرجانہ میں فرہاد ہوں اس وقت میں نے تمھاری امّی کو پوری طرح سنبھال لیا ہے اطمینان رکھو۔ یہ بخیریت اس گاڑی سے اتر کر پیلس کے اندر پہنچ جائیں گی۔"

پیلس کے ایک بڑے خوبصورت دروازے کے سامنے وہ گاڑی اس طرح رک گئی کہ اس کا پچھلا حصہ دروازے کی طرف رکھا گیا۔ پھر پچھلے دروازے کو کھول دیا گیا۔ سائرہ بانو ان لوگوں کے درمیان اٹھ کر، ذرا جھک کر سنبھل سنبھل پاؤں رکھتے ہوئے گاڑی سے باہر اترنے لگیں۔ دوسرے لفظوں میں سنبھل سنبھل کر میں گاڑی سے باہر آیا۔ آگے پیچھے محافظوں کے درمیان سائرہ بانو کے جسم کو لیتا ہوا پیلس کے بڑے ہال میں پہنچا۔ وہاں پہنچ کر میں نے سائرہ بانو کی زبان سے کہا: "ماسٹر کروٹا مانگا بیڈی سائرہ بانو کے لیے اس پیلس کا کوئی دور افتادہ، آخری کمرہ مخصوص کیا جائے تاکہ زیادہ لوگ ادھر نہ جا سکیں۔ صرف خاص لوگوں کو خاص موقعے پر جانے کی اجازت دی جائے۔"

وہاں پہلے سے دو چار فوٹو گرافر پہنچے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ مقامی ماہرین تھے۔ جو مختلف قسم کے بموں کے متعلق اچھی خاصی معلومات رکھتے تھے ماسٹر کروٹا مانگا نے حکم دیا: "سائرہ بانو کی تصاویر ہر زاویے سے اتاری جائیں۔ اس بم کا بڑے سے بڑا کلوز اپ لیا جائے اور اس کے ساتھ منسلک سینے والے بیلٹ اور جہاں مختلف تاروں کو بکل کے پاس ملایا گیا ہے۔ وہاں کی بھی تصویریں بڑی واضح طور پر اتاری جائیں۔ جو بھی ماہرین آئیں پہلے انھیں تصویریں دکھائی جائیں۔ جب کوئی اس بات کا دعویٰ کرے کہ وہ سائرہ بانو کو اس بم سے نجات دلا سکتا ہے اور اس بم کو اور قریب سے دیکھنا چاہتا ہے۔ تب اسے سائرہ بانو کے پاس جانے کی اجازت دی جائے گی۔"

پندرہ منٹ میں فلش لائٹ کے ذریعے مختلف تصویریں اتاری گئیں۔ فوٹو گرافروں نے کہا کہ وہ مزید پندرہ منٹ میں تمام تصویریں پرنٹ کر کے ماہرین کے سامنے پیش کر دیں گے۔ لہٰذا ان لوگوں کو وہاں پیلس کے بڑے

ہال میں انتظار کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ سائرہ بانو کو اس پیلس کے ایک دوسرا کشادہ کمرے میں لاکر ایک آرام دہ کشن پر بٹھا دیا گیا۔ ان کے چاروں طرف محافظ بہت محتاط ہو کر کھڑے رہے۔ ماسٹر کروٹا مانگا کا حکم تھا کہ کوئی ذرا سی بھی غفلت نہ برتے۔ ڈیڑ جمال سائرہ بانو کے ساتھ ساتھ رہا اور اس کمرے میں آکر ان کے پاس ہی ان کے ایک بازو کو تھام کر بیٹھا رہا پھر میں نے سونیا سے کہا "اب کروٹا مانگا سے کہو کہ وہ لفافہ کھول کر اس میں لکھی ہوئی تحریر پڑھ کر سنائے۔"

وہ غصے سے بولی "تم لفٹ لینے کے لیے میرے ہی پاس کیوں چلے آتے ہو؟"

میں نے کہا "تم غصے میں رہتی ہو تو تمھیں چھیڑنے میں بڑا ہی مزہ آتا ہے۔ چلو کوئی بات نہیں۔ میں نے تمھیں محبت سے کہا ہے کہ کروٹا مانگا سے میری بات کہہ دی جائے۔"

"میں نہیں کہوں گی۔"

"وہ تو تمھیں کہنا ہی ہوگا۔ یہ دیکھو تم کہہ رہی ہو۔"

دوسرے ہی لمحے میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ پھر اس کی زبان نے کہا "ماسٹر کروٹا مانگا آپ وہ لفافہ کھول کر پڑھیں۔ فرہاد ہمارے درمیان موجود ہے وہ سنتا رہے گا۔"

میں نے سونیا کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر کہا "شاباش تم بہت اچھی ہو۔ میری بات مان لیا کرتی ہو۔"

وہ جل کر بولی "ٹریپ کرنے کے بعد اپنی بات منوانا کہاں کی دلیری ہے۔ میرا دل تو نہیں مانتا ہے نا۔"

"سونیا تمھارے دل کی بات مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ تمھارے دل کی گہرائیوں میں اور دماغ کی گہرائیوں میں صرف فرہاد ہے۔ چاہے تم کتنا ہی جھگڑا کر لو۔ اب خاموش رہو۔ وہ دیکھو اس نے لفافہ کھول لیا ہے اور اب پڑھنا شروع کر رہا ہے۔"

ماسٹر کروٹا مانگا نے پڑھنا شروع کیا۔ تحریر یوں تھی "ماسٹروں کے ماسٹر! [illegible] سپر ماسٹر آپ سے جلال بیگ مخاطب ہے۔ میں آپ سے کیے ہوئے معاہدے کے مطابق آخری شرط پوری کرتے ہوئے سائرہ بانو کو آپ کے ماسٹر کروٹا مانگا کے حوالے کر رہا ہوں۔ ہمارے درمیان یہ طے پایا تھا کہ آپ فرہاد اور اس کی ساتھی عورتوں کو انسانی آبادی سے دور رکھنے اور حالات حاضرہ سے بے خبر رکھنے میں ہماری مدد کریں گے اور اس کے عوض ہم فرہاد اور اس کی ساتھی عورتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ دیکھ لیجیے کہ جب ہمارے درمیان یہ معاہدہ طے پایا تھا تو اس وقت صرف سونیا اور مرجانہ ہماری مٹھی سے نکل گئی تھیں اور فرہاد اور رسونتی ہمارے نشانے پر تھے۔ ہم چیونٹی کی طرح ان دونوں کو مسل سکتے تھے۔ دوسری طرف سائرہ بانو کو بھی ہلاک کر دینا ہمارے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ لیکن ہم نے اپنے وعدے کے مطابق انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اس وقت بھی جب کہ سائرہ بانو آپ کے ماسٹر اور آپ کے ماتحتوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے تو اسے نہ تو کوئی جسمانی نقصان پہنچا ہے اور نہ ہی کوئی ذہنی اذیت دی گئی ہے ہاں صرف اتنا ہے کہ موت کو ان کے گلے لگا کر بھیج دیا گیا ہے۔

میں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی وضاحت کر رہا ہوں۔ دیکھیے ہم نے فرہاد اور رسونتی کو جنگل کے کاٹیج میں قید کیا تھا۔ ہمارے آدمی ان کی نگرانی اور حفاظت کر رہے تھے لیکن انھوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے اور وہاں سے فرار ہو گئے۔ (یہ سراسر جھوٹ تھا۔ جلال بیگ سپر ماسٹر کو غلط معلومات فراہم کر رہا تھا) اب فرہاد اور رسونتی لاپتہ ہیں۔ ہمارے آدمیوں نے پورا جنگل چھان مارا لیکن وہ کہیں نہیں ملے۔ ایک جگہ ان کے ملنے کے آثار تھے لیکن وہاں ہمارے جو لوگ ہیلی کاپٹر میں گئے تھے وہ سب کے سب غائب ہو گئے۔ فرہاد ایک بار پھر ہمارے لیے مصیبت بن گیا ہے۔ اب اگر میں سائرہ بانو کو سیدھی طرح آپ کے حوالے کر دیتا تو میرے ہاتھ سے سب کے سب نکل جاتے پھر میں کسی کو اپنی گرفت میں نہ لے سکتا۔ اپنے ہاتھ میں ایک ترپ کا پتہ رکھنا پڑتا ہے۔ ترپ کے استعمال کے بغیر بازی میں کامیابی نہیں ہوتی۔ لہٰذا میں نے وہ ترپ کا پتہ سائرہ بانو کے سینے سے باندھ دیا ہے۔ اس کو صرف میرا ایک آدمی کھول سکتا ہے۔ آپ لوگ کوشش کر کے دیکھ لیں۔ اگر آپ کا کوئی ماہر سائرہ بانو کو اس موت سے نجات دلا سکتا ہے۔ تو جیسے کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہے اور اگر موت سے نجات دلانے میں ذرا سی بھی بھول چوک ہوئی تو سائرہ بانو پھر اس دنیا میں نہیں رہیں گی۔ ان کے آس پاس رہنے والے بھی دھماکے سے اڑ جائیں گے

سپر ماسٹر میں جانتا ہوں کہ آپ بہت بڑی طاقت ہیں۔ آپ کی تنظیم کے منجھے ہوئے لوگ دنیا کے بے شمار ممالک میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں۔ میں آپ کے سامنے ایک بچہ ہوں میں آپ کو چیلنج نہیں کروں گا۔ لیکن یہ جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں یہ خاص طور پر فرہاد کے لیے ہے۔ فرہاد سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ سائرہ بانو اور مرجانہ کو میرے حوالے کر دے۔ ہمارا سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ میں آپ کے راستے میں کبھی نہیں آؤں گا۔ اور فرہاد صاحب سے بھی کبھی ٹکرانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ دیکھیے سپر ماسٹر آپ فرہاد کے لیے اپنے بڑے بڑے ماتحتوں اور ماسٹروں کو قربان کر دیتے ہیں۔ فرہاد آپ کے کہنے سے ان دو عورتوں کی قربانی نہیں دے سکتا۔ اگر نہیں دے سکتا تو وہ آپ کا دوست نہیں ہو سکتا۔

ویسے میں سمجھانے کا فرض ادا کر رہا ہوں ورنہ اس یقین سے سائرہ بانو کو آپ کی تحویل میں دے چکا ہوں کہ یہ عورت اپنی بیٹی کے ساتھ پھر میرے پاس واپس آئے گی میں سائرہ بانو کو موت سے اسی وقت نجات دوں گا جب یہ اپنی بیٹی کے ساتھ میرے پاس واپس آجائیں گی جو ہیلی کاپٹر انھیں لے کر آپ کے پاس پہنچ رہا ہے۔ وہ ہیلی کاپٹر وہاں آپ کے ماسٹر کی نگرانی میں رہے گا۔ اس کا پائلٹ بھی آپ کے ماسٹر کی حراست میں ہوگا۔ جب سائرہ بانو کی واپسی کا وقت آئے تو میرے پائلٹ کو رہا کر دیا جائے

وہی سائرہ بانو کو لے کر ہماری بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ جائے گا۔

اس خط کے ساتھ ایک علیحدہ کاغذ پر اس بم کے سسٹم کی ایک ڈرائنگ بھی بنا دی گئی ہے تاکہ آپ کے ماہرین اس کی اسٹڈی کر سکیں۔ اس بم کے متعلق پوری تفصیل بھی لکھی گئی ہے کہ کون سا تار کہاں سے نکلا ہے اور کس جگہ جا کر منسلک ہوا ہے بم اور اس کے ساتھ لگے ہوئے بیلٹ اور تمام بیلٹ کو ایک جگہ جوڑنے والا بکل اور اس بکل سے لپٹے ہوئے تار ان سب کی کیا اہمیت ہے۔ اور ان کے فنکشنز کیا ہیں؟ یہ سب کچھ اس ڈرائنگ سے معلوم ہو جائے گا۔ اس کے باوجود میں پھر کہتا ہوں کہ آپ کے ماہرین اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ جتنی جلدی ہو سکے اتنی جلدی سائرہ بانو اور مرجانہ کو میرے پاس نہ بھیج دیجیے۔ قصہ ختم ہو جائے گا۔ بس مجھے اور کچھ نہیں کہنا ہے۔

میں ہوں بلیک سنڈیکیٹ کا بگ باس، جلال بیگ۔"

وہ تحریر ختم ہو گئی۔ ماسٹر کروٹا مانگا نے دوسرے بڑے کاغذ کو جس پر اس دہشت ناک بم کا پورا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اپنے ایک ماتحت کو دے کر کہا "اس کی کئی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں بنا لو۔ جو ماہرین آئیں گے ان کے سامنے اس کی کاپیاں پیش کی جائیں گی۔"

جب وہ ماتحت چلا گیا تو سائرہ بانو نے پوچھا "فرہاد کیا تم یہاں موجود ہو؟"

میں نے سونیا کی زبان نے کہا "جی ہاں، میں یہاں موجود ہوں۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"بیٹے! میری بدنصیبی تم سب کو کھا جائے گی۔ مجھے دیکھو میں ایک عبرت ناک چیز ہوں۔ جب میں پندرہ برس کی تھی اس وقت سے بدنصیبی کا منہ دیکھتی آرہی ہوں۔ قدم قدم پر مجھے دھوکے دیے گئے۔ مجھے لوٹا گیا۔ برباد کیا گیا۔ میری شرافت سے کھیلا گیا۔ میری عزت کی دھجیاں اڑائی گئیں اور جب میں ایک بیٹی کی ماں بن گئی تب بھی میں سکون سے نہ رہ سکی۔ تقدیر اتنی ظالم ہے کہ اس نے میرے سر سے سہاگ کا آنچل کھینچ لیا۔ مجھے بیوہ بنا دیا۔ اب میری بیٹی جوان ہو کر مجھے ملی ہے تو میری تقدیر پھر مجھ سے بھیانک مذاق کرنے لگی ہے۔ میں جب تک تم لوگوں کے ساتھ رہوں گی اس وقت تک تم لوگوں کے لیے بھی نئی نئی مصیبتوں کا باعث بنتی رہوں گی۔ بیٹے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ وہ کمینہ میری واپسی چاہتا ہے۔ مجھے واپس بھیج دو۔ ہاں مگر میں تنہا جانا چاہتی ہوں۔ مرجانہ کو اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گی۔ اس کی حفاظت تم کرو گے بیٹے۔ میں اسے تمھارے حوالے کر کے جاؤں گی۔"

مرجانہ نے کہا "امی میں اس لیے پیدا نہیں ہوئی کہ ایسے کسی موقع پر آپ کو دشمنوں کے حوالے کر کے چپ چاپ تماشا دیکھوں۔ کیا آپ مجھے بزدل اور بے مروت سمجھتی ہیں۔ دیکھیے ابھی تو آپ کو اس مصیبت سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو نجات مل جائے۔ اگر ایسا نہ ہو سکا اور آپ کی واپسی ضروری ہو گئی۔ تو میں آپ کے ساتھ ضرور جاؤں گی۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ ہم ماں بیٹی کی واپسی دشمنوں کو بہت مہنگی پڑے گی۔"

سونیا نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا "مرجانہ ایسا نہیں ہوگا۔ تمھاری امی ضرور مصیبت سے نجات پالیں گی۔ ہم تمھیں دشمنوں کے حوالے نہیں کریں گے اور اگر ایسا ہوا بھی تو میں تمھیں تنہا ان کے درمیان نہیں جانے دوں گی میں بھی تمھارے ساتھ جاؤں گی۔"

میں نے ڈیڑ جمال کے دماغ پر قابض ہو کر اس کی زبان سے کہا "تم سب یہ کیوں سوچ رہی ہو کہ سائرہ بانو کو اس مصیبت سے نجات نہیں ملے گی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ انشاء اللہ سپر ماسٹر کی تنظیم میں جو ماہرین ہیں وہ اس بم کو سمجھ کر انھیں ضرور نجات دلا دیں گے۔"

کروٹا مانگا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "فرہاد صاحب آپ درست کہتے ہیں۔ میں اس خط کی تفصیل ابھی سپر ماسٹر تک پہنچاتا ہوں۔ صبح تک آپ دیکھیے گا ہمارا سپر ماسٹر لیڈی سائرہ بانو کی جان بچانے کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گا۔ اگر کچھ نہ ہوا تو جلال بیگ سے پھر کوئی سمجھوتا کرے گا انھیں اس بم سے نجات مل جائے گی۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے چلا گیا۔ سونیا نے ہنستے ہوئے کہا "ہمارے لیے قدم قدم پر اگر جان لینے والے ہیں تو جان دینے والے بھی ہیں۔ ماسٹر کروٹا مانگا بھی یہی دعویٰ کر رہا تھا کہ دشمن ہمیں نقصان پہنچانا چاہیں گے تو انھیں ماسٹر کروٹا مانگا کی لاش پر سے گزرنا ہوگا۔ لیکن بے چارے ماسٹر کی سمجھ میں اب آئے گا کہ کبھی کبھی ہم جانیں دے کر بھی اپنوں کی جان نہیں بچا سکتے۔"

میں نے کہا "سونیا ایسے موقع پر تمھیں ان کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے تاکہ وہ موجودہ مرحلے سے ہنستے بولتے اور بچاؤ کی تدبیریں کرتے ہوئے گزر جائیں، مگر تم اپنے مزاج کے خلاف باتیں کر رہی ہو۔"

وہ ناگواری سے بولی "تمھارے مشورے کا شکریہ۔ میں اپنے مزاج کو تم سے زیادہ سمجھتی ہوں۔ نہ تو آنٹی سائرہ بانو نادان ہیں اور نہ ہی مرجانہ بچی ہے کہ انھیں سمجھانے کی ضرورت پیش آئے گی۔ میں تو اس وقت کی بات کر رہی ہوں جب کوئی تدبیر کام نہیں آئے گی اور دشمن اپنی ضد پر اڑے رہیں گے۔ ایسے وقت مرجانہ کو لازمی طور پر اپنی امی کے ساتھ دشمنوں کے نرغے میں جانا ہوگا۔ پھر میں کس دل سے دونوں ماں بیٹی کو جانے دوں گی میں انھیں روک نہیں سکوں گی تو کم از کم ان کے پیچھے جا تو سکوں گی۔"

"اور اس طرح میں تمھارے پیچھے جاؤں گا پھر دشمنوں کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ جلال بیگ اچھی طرح سمجھ گیا ہے کہ میں جیتے جی مرجانہ اور اس کی والدہ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے صرف سائرہ بانو اور مرجانہ کا مطالبہ اسی لیے کیا ہے کہ ان کے پیچھے جا کر ہم بھی ان کے بچھائے ہوئے جال میں ضرور پھنسیں گے۔ تم جذباتی ہو کر کیوں ان کے پیچھے جانا چاہتی ہو۔"

سونیا نے پوچھا "تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا انھیں یونہی چلے جانے دو گے؟"

"سونیا! ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے۔ آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ وقت سے پہلے اس مسئلے پر بحث کرنا خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔"

اس وقت رات کی تاریکی چھٹ رہی تھی اور صبح کا اجالا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ تب وہ شکنجوں والی کرسی سائرہ بانو کے لیے آگئی۔ اس کرسی کی پشت نہیں تھی۔ یوں کہنا چاہیے کہ وہ ایک کشن تھا جس کے چاروں طرف لوہے کے راڈ لگے ہوئے تھے۔ ان تمام راڈز میں شکنجے تھے۔ سائرہ بانو کو آہستگی سے اٹھا کر اس کشن پر بٹھا دیا گیا۔ پھر ان کے دونوں بازوؤں کو دونوں طرف کے راڈ والے شکنجوں میں پھنسا دیا گیا۔ اب وہ آگے پیچھے گر نہیں سکتی تھیں اگر گرنا چاہتیں تو شکنجے انہیں روک لیتے۔ ان کے علاوہ ان کی گردن کی اونچائی تک ایک راڈ میں کشن لگایا گیا تھا جس پر وہ سر اور گردن کو ٹیک کر آرام سے بیٹھ سکتی تھیں بیٹھک کے نیچے کمر کی طرف بھی کشن بنے ہوئے تھے لیعنی پیچھے ٹیک لگانے کے لیے سب کچھ تھا۔ صرف بیٹھک کی جگہ خالی رکھی گئی تھی۔ تاکہ ان تاروں کو کوئی چیز چھو نہ سکے۔ اس کرسی کے اطراف دو بڑے بڑے پہیے لگے ہوئے تھے یعنی وہ پہیے دار کرسی بھی تھی۔ سائرہ بانو اس پر بیٹھے بیٹھے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ سکتی تھیں۔

میں نے ان سے پوچھا "امی کیا آپ اس کرسی پر آرام محسوس کر رہی ہیں؟"

"ہاں بیٹے، ہر طرف سے آرام ہے۔ دونوں بازو بندھے ہوئے ہیں اور پیچھے کی طرف بھی میں بہ آسانی ٹیک لگا سکتی ہوں اور بیٹھ کر پاؤں پھیلانے میں بھی آسانی ہے۔ کافی کشادہ کرسی بنائی گئی ہے۔"

"آپ تمام رات پریشان ہوتی اور جاگتی رہی ہیں، اب آپ کو سو جانا چاہیے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو بیٹے ایسی حالت میں بھلا نیند آ سکتی ہے کسی کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ سو جاؤ تو کیا وہ سو سکے گا؟"

"میں سمجھتا ہوں۔ ان حالات میں کسی کو نیند نہیں آتی۔ امی کو کانٹوں کا بستر کہتے ہیں لیکن میں آپ کو سلا سکتا ہوں۔ کیونکہ آپ کے لیے آرام کرنا ضروری ہے۔ اس لیے آپ آنکھیں بند کر لیں میں آپ کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے گہری نیند سلا دوں گا۔ آپ آرام سے سوتی رہیں گی اور آپ کی نگرانی بھی ہوتی رہے گی۔"

یہ کہنے کے بعد میں نے سونیا کی زبان سے کروٹا مانگا وغیرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اب سائرہ بانو کو ان کے کمرے میں تنہا چھوڑ دینا چاہیے۔ میں ان کو سلا رہا ہوں۔ پانچ گھنٹے کے بعد یہ بیدار ہو جائیں گی۔ اس وقت کوئی بھی ان کے کمرے میں آ سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کے پاس ایک کال بیل رکھ دی جائے۔ جب ان کی آنکھ کھلے گی۔ تو یہ کال بیل کے ذریعے آپ لوگوں کو اپنے پاس بلا لیں گی۔"

انھوں نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ وہ باہر جانے لگے۔ مرجانہ نے کہا "میں اپنی امی کے ساتھ کمرے میں رہوں گی۔"

میں نے کہا "مرجانہ۔ یہ آرام سے سوتی رہیں گی۔ کمرہ چاروں طرف سے بند رہے گا۔ کوئی اندر داخل نہیں ہو سکے گا۔ تم لوگوں کو نگرانی کرنا ہے۔ تو کمرے کے چاروں طرف رہ کر کرو۔ اندر مت جاؤ۔ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کے دماغ کو سلا دوں گا۔ کمرے میں کوئی داخل ہو گا تب ان کی آنکھ کھلے گی۔ اس لیے کمرے میں کسی کو داخل نہیں ہونا چاہیے۔ ان کی نیند خراب ہو گی۔ جاؤ باہر چلی جاؤ۔"

وہ اور ڈیڈ جمال بھی باہر آگئے۔ ڈیڈ جمال بھی سائرہ بانو کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا لیکن مجبوری تھی۔ سائرہ بانو کے پاس ایک کال بیل رکھ دی گئی۔ میں نے ان کے دماغ میں پہنچ کر آہستہ آہستہ خیال خوانی کے ذریعے انھیں تھپک تھپک کر سلا دیا۔ اس وقت تک مختلف طیاروں کے ذریعے مختلف ممالک سے کتنے ہی ماہرین آ چکے تھے۔ وہ سب پیلس کے بڑے سے ہال میں جمع تھے اور دھیرے دھیرے باتیں کر رہے تھے۔ اپنی اپنی رائے پیش کر رہے تھے اور اپنی اپنی معلومات اور صلاحیتوں کے مطابق اس ڈرائنگ کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

کتنے ہی ماہرین نے سائرہ بانو کے قریب جا کر اس بم کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ ماسٹر کروٹا مانگا نے کہا "اس بم کا مکمل ڈیزائن آپ لوگوں کے سامنے موجود ہے۔ اس کے فوٹو گراف بھی کتنے ہی زاویے سے لیے گئے ہیں۔ آپ لوگوں کی اسٹڈی کے لیے پورا مواد موجود ہے جب کوئی اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اس بم کو بحفاظت سائرہ بانو کے جسم سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے اور چاروں تار سمجھ میں آ رہے ہیں تو پھر میں ایسے ماہر کو سائرہ بانو کے پاس لے جاؤں گا اور وہ قریب سے اس بم کا معائنہ کر سکے گا۔ ابھی وہ پانچ گھنٹے کے لیے سلا دی گئی ہیں۔ دن کے گیارہ بجے ان کی آنکھ کھلے گی ہم ساڑھے گیارہ بجے تک کسی قابل شخص کو ان کے پاس لے جائیں گے۔"

سونیا اور مرجانہ اس ہال میں ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ جب تک کوئی امید افزا بات نہ ہوتی۔ جب تک کامیابی کا یقین نہ دلایا جاتا، انھیں بھی نیند نہیں آ سکتی تھی۔ یقیناً سائرہ بانو ان حالات میں تھیں کہ کوئی سو نہیں سکتا تھا۔ نیند بھی اڑ گئی تھی اور بھوک بھی مر گئی تھی۔ میں نے کہا "سونیا جاگتے رہنے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ رات بھر کی جاگی ہوئی ہو۔ تم دونوں کو اب سو جانا چاہیے۔"

وہ بولی "تم پھر میرے دماغ میں آ گئے۔ عجیب آدمی ہو۔ تمھیں سلانا ہے تو مرجانہ کے پاس جاؤ اور اسے سلا دو۔"

میں نے مرجانہ سے کہا "چلو کمرے میں جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں۔" مرجانہ نے کہا "میں ابھی نہیں سو سکتی۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ لوگ میری امی کے لیے کس قسم کی کوششیں کر رہے ہیں۔"

"جب سو کر اٹھو گی تو اس وقت نتیجہ سامنے آ جائے گا۔ فی الحال بیٹی چلو۔"

وہ انکار کرنے لگی۔ سیدھی طرح جا نہیں رہی تھی۔ اور اپنی مرضی سے سونا نہیں چاہتی تھی۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اسے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ وہاں ایک بیڈ پر میں نے اسے سلا دیا جو لوگ مضبوط قوت ارادی کے مالک ہوتے ہیں ان پر ہپناٹزم اور ٹیلی پیتھی کا اثر ذرا دیر سے ہوتا ہے مرجانہ فولادی ارادوں کی مالک تھی۔ اسے سلانے میں مجھے پندرہ منٹ لگ گئے اس کے پاس سے واپس آ کر میں نے سونیا سے کہا "تم بھی اپنی خواب گاہ میں چلو۔"

وہ بولی "تم عجیب آدمی ہو۔ ابھی میں نے تمھیں بھگایا پھر آ گئے۔"

"کیا کروں تم سر سے پاؤں تک شہد ہو۔ میں شہد کی مکھی کی طرح کشاں کشاں چلا آتا ہوں، اب نخرے نہ دکھاؤ۔ بہت دیر ہو چکی ہے تمھیں بھی سو جانا چاہیے تاکہ میں بھی آرام سے سو سکوں۔ گیارہ بجے سائرہ بانو بیدار ہوں گی۔ اس وقت تک ہم سب کو بیدار ہو جانا چاہیے۔"

"تمھاری بڑی مہربانی، مجھ سے ہمدردی نہ کرو۔ میرے جاگنے کا خیال نہ کرو۔ میں خود سو جاؤں گی۔"

میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ چپ چاپ چلتے ہوئے ایک خواب گاہ میں پہنچی اور دروازے کو اندر سے بند کر لیا پھر بستر کی طرف جانے لگی۔ اس وقت میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے چونک کر اپنے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے۔ تم نے مجھے یہاں پہنچا دیا ہے لیکن میں تمھارے کہنے پر عمل نہیں کروں گی میں ابھی اس خواب گاہ سے باہر جاؤں گی۔" یہ کہہ کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا پھر غصے سے بولی۔ "اچھا تو تم نے دروازے کو بھی بند کرا دیا ہے۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی دروازے کے پاس گئی۔ اس وقت تک میں پھر اس کے دماغ پر قابض ہو گیا اور اسے لا کر بستر پر گرا دیا۔ جب وہ بستر پر چاروں شانے چت ہو گئی تو میں نے اسے آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے پھر ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے کہا "فرہاد! میں تم سے کہتی ہوں مجھ سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔ چلے جاؤ ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔"

"میری جان کس سے بری طرح پیش آؤ گی۔ کون ہے تمھارے سامنے ذرا اٹھو گی تو میں تمھیں دوبارہ بستر پر پٹخ دوں گا۔"

وہ بستر سے اٹھی۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہوا۔ وہ ایک دم سے اچھل کر بستر پر یوں گری۔ جیسے میں نے اٹھا کر پٹخ دیا ہو۔ اسی وقت میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر کہا "دیکھو کیسے پٹخی گئی ہو۔"

وہ گھونسا تان کر بولی "ہمت ہے تو سامنے آؤ۔ میں تمھارا منہ توڑ کر رکھ دوں گی۔ بڑے ٹیلی پیتھی کا کمال دکھاتے ہو۔ اگر ایسے ہی سلا سکتے ہو تو ذرا اپنی محبت جتا کر سلانے کی کوشش کرو۔ تم سونیا کو پچھاڑ نہیں سکو گے۔ موم نہیں کر سکو گے۔"

میں نے کہا "ابھی بحث کرنے کا وقت نہیں ہے۔ میں محبت سے تمھیں پگھلا سکتا ہوں یا نہیں، یہ آنے والا وقت بتائے گا۔ بہرحال اب سو جاؤ۔ بکواس مت کرو۔"

یہ کہہ کر میں نے اسے بستر پر ایک بار پھر لٹا دیا۔ اس کی آنکھیں بند ہوئیں پھر میں نے اسے ٹیلی پیتھی کی میٹھی لوری سنائی۔ بڑے آرام سے بڑی محبت سے اسے سلا دیا۔ جب اس کے دماغ کو میں نے آزاد چھوڑا تو وہ اٹھنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ گہری نیند سو رہی تھی۔

جب وہ سو گئی تو مجھے اس پر زیادہ پیار آیا۔ میں چند لمحوں تک اسے تصور میں دیکھتے ہوئے مسکراتا رہا۔ پھر میں نے کروٹا مانگا کے پاس پہنچ کر کہا۔ "ماسٹر! سائرہ بانو کو دشمنوں نے جس حال میں پہنچایا ہے اس سے وہ مطمئن ہیں اور مزید کوئی نقصان پہنچانے والی بات ان کی طرف سے نہیں ہو گی۔ مجھے اطمینان ہے کہ وہاں دشمنوں کے آدمی نہیں ہوں گے۔ ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ اس لیے میں تھوڑی دیر کے لیے سونے جا رہا ہوں۔"

ماسٹر نے کہا "بے شک فرہاد صاحب آپ اطمینان سے جائیں میں یہاں جاگتا رہوں گا۔ بالکل چوکنا رہوں گا۔ آپ کے تمام لوگوں کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ یہ میرا فرض ہے اور آپ دیکھیں گے کہ اس فرض میں میری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہو گی۔"

میں نے ماسٹر کا شکریہ ادا کیا۔ پھر ڈیڈ جمال کے پاس پہنچ کر اسے بھی مشورہ دیا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے سو جائے۔ سونا ہم سب کے لیے بہتر ہے۔ تاکہ بیدار ہونے کے بعد تازہ دم ہو کر پھر موجودہ حالات کے متعلق غور کریں اور نئی تدبیریں سوچیں۔

میں اسے سمجھانے کے بعد دماغی طور سے جھونپڑی میں حاضر ہو گیا۔ رسونتی میرے بستر پر بے خبر سو رہی تھی میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا وہ اپنی آرزوؤں کے مطابق سپنا دیکھ رہی تھی۔ سپنے میں ایک نہایت ہی خوبصورت بچے کو گود میں کھلا رہی تھی۔ میں نے اس کے خواب کی اسکرین پر پہنچ کر اس کی گود سے اس بچے کو لے کر پیار کیا۔ اسے خوب چومتا رہا۔ رسونتی دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہی۔ ہم اس بچے کے ماں باپ تھے۔ میں نے بچے کو اس کی گود میں دیتے ہوئے کہا "دیکھو میں ڈیوٹی سے تھک ہار کر آ رہا ہوں اور اب سونے جا رہا ہوں۔ جب تمھاری آنکھ کھلے تو مجھے نیند سے نہ جگانا۔ میں خود ہی بیدار ہو جاؤں گا۔"

وہ بولی "اچھی بات ہے تم جا کر سو جاؤ میں تمھارے آرام کا خیال رکھوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ پھر بچے سے کھیلنے لگی۔ میں اس کے خواب کی دنیا سے اس کے دماغ سے باہر چلا آیا۔ پھر میں نے اس کے پاس ہی آرام سے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں اور اپنے دماغ کو ہدایات دیں کہ چار گھنٹے تک سوتے رہنے کے بعد بیدار ہو جاؤں۔ اگر کوئی غیر معمولی بات جھونپڑی کے اندر یا باہر ہو۔ اور اس کی آواز میرے کانوں تک آئے تو میری آنکھ کھل جائے تقریباً چوبیس گھنٹے کے بعد مجھے سونا نصیب ہو رہا تھا میں بے خبر ہو گیا۔

غلام ایک عرصے تک میرے ساتھ رہ کر میری عادات و اطوار

کو بہت اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ وہ میرے سونے اور جاگنے کے طریقے کو بھی خوب سمجھتا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ صبح کا گجر نہ بجایا جائے۔ ڈھول تاشے بجانے کی بھی ممانعت کر دی تھی۔ جب تک میں بیدار نہ ہوتا اس وقت تک میری جھونپڑی کے آس پاس کسی کو چلنے پھرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ تمام باتیں مجھے بیدار ہونے کے بعد معلوم ہوئیں۔

رسونتی بیدار ہونے کے بعد تھوڑی دیر تک اس نئے ماحول کو دیکھتی سمجھتی رہی۔ اسے اطمینان تھا کہ میں اس کے پاس ہی سو رہا تھا۔ اس نے کروٹ بدل کر بڑی محبت سے مجھے دیکھا۔ چند لمحوں تک دیکھتی رہی پھر وہ بہت آہستگی سے بستر سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جھونپڑی سے باہر چلی گئی۔

باہر ایک بڑے پتھر پر غلام شاہانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چاروں طرف فوجیوں کے انداز میں اس کے قبیلے کے لوگ نیزہ اٹھائے کھڑے ہوئے تھے۔ رسونتی کو دیکھتے ہی غلام ادب سے کھڑا ہو گیا۔ دوسرے لوگوں نے اپنے سر جھکا دیے۔ جب رسونتی قریب آئی تو غلام نے آہستگی سے پوچھا "کیا آقا بیدار ہو گئے ہیں؟"

وہ بولی "نہیں، انھوں نے اپنی بیداری کا کیا وقت مقرر کیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم۔"

وہ باتیں کرتی ہوئی غلام کی جھونپڑی میں گئی۔ وہ جھونپڑی بھی اندر سے بڑے ٹھاٹ باٹ کی تھی۔ آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا اور دوسرا بہت سا عیش و عشرت کا پُرتکلف سامان تھا۔ حسین خادمائیں بھی تھیں۔ وہ تینوں انگریز عورتیں بھی تھیں جنھیں اپنی گوری چمڑی پر بڑا ناز تھا۔ وہ تینوں غلام کی کنیزیں بنی ہوئی تھیں۔

رسونتی کو ایک اونچی مسند پر بٹھایا گیا۔ وہ تینوں انگریز عورتیں غلام کے حکم کے مطابق رسونتی کے قدموں کے پاس بیٹھ گئیں۔ ایک بیگرو عورت ایک بڑے سے پیالے میں کوئی مشروب لے کر رسونتی کے سامنے آئی پھر ادب سے جھک کر اسے پیش کیا۔ رسونتی نے غلام سے کہا "میں نے ابھی منہ نہیں دھویا ہے۔ پہلے میں غسل کروں گی۔ لباس تبدیل کروں گی۔ اس کے بعد ناشتہ کروں گی۔"

غلام نے کہا "یہ ناشتہ نہیں ہے۔ یہ ایسی دوا ہے جو نہار منہ پی جاتی ہے۔ یہ آپ کے لیے بہت مفید ہے۔ آپ کا جسم اور دماغ کمزور ہونے کی وجہ سے آپ کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں ختم ہوئی ہیں۔ اگر یہ دوا آپ مسلسل ایک ہفتے تک روز نہار منہ پئیں گی تو ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ صحت مند بھی ہو جائیں گی اور آپ کا دماغ بھی کمزور نہیں رہے گا۔ آپ کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں بھی خود بخود واپس آ جائیں گی۔ پھر یہ کہ یہ آپ کے ہونے والے بچے کے لیے بھی مفید ہے۔"

وہ کڑوا اور کسیلا مشروب تھا لیکن ایک صحت مند بچے کو جنم دینے کی خاطر رسونتی نے اسے کسی نہ کسی طرح حلق سے اتار لیا۔ وہ اپنے بدن کو ہاتھ لگانے کی اجازت کسی کو نہیں دیتی تھی عورتوں سے بھی کتراتی تھی لیکن غلام نے کہا کہ روزانہ صبح اس کے بدن کی مالش کی جائے گی۔ اس کے بعد اسے غسل کرایا جائے گا۔ اور یہ سب کچھ اس کی بھلائی کے لیے کیا جا رہا ہے۔ رسونتی اس کے لیے بھی راضی ہو گئی۔ خوشبو دار جڑی بوٹیوں کے ذریعے مالش کے لیے ایک تیل تیار کیا گیا تھا۔ بند کمرے میں اس تیل سے رسونتی کی مالش کی گئی۔ اسے غسل کرایا گیا۔ پہننے کے لیے ساڑھی نہیں تھی۔ اسکرٹ، بلاؤز، جینز، لہنگا، چولی اور میکسی وغیرہ جیسے لباس تھے۔ رسونتی نے میکسی پہن لی تاکہ گردن سے پاؤں تک بدن چھپا رہے۔ غلام نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ آپ کی پسند کا لباس یہاں نہیں ہے۔ جب میں اپنے آقا کو رخصت کرنے کے لیے شہر جاؤں گا تو آپ کی پسند کی چیزیں لے آؤں گا۔"

چار گھنٹے کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ گہری نیند سے بیدار ہونے کے بعد جب آنکھ کھلتی ہے تو اجنبی ماحول چند لمحوں تک سمجھ میں نہیں آتا۔ میں بھی آنکھیں کھول کر سوچتا رہا کہ میں کہاں ہوں۔ پھر یک لخت سب کچھ یاد آ گیا۔ میں نے اپنے برابر میں دیکھا تو بستر پر رسونتی نہیں تھی۔ سوچ کے ذریعے معلوم کیا تو وہ غلام کی جھونپڑی میں بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھی اور مستقبل میں اپنے بچے کے لیے پروگرام بنا رہی تھی۔ میں اس کے پاس سے واپس آ کر چپ چاپ لیٹا ہوا جھونپڑی کی چھت کو تکنے لگا۔ مجھے سائرہ بانو یاد آ رہی تھیں۔ اس وقت نیند پوری ہونے کے بعد دماغ بالکل تازہ تھا اور اس تازہ دماغ میں جو پہلی سوچ آئی وہ یہ تھی کہ سائرہ بانو کو ابھی اس بم سے نجات نہیں دلانا چاہیے۔ انھیں دشمنوں کے حوالے کر دینا چاہیے۔

میرے دماغ میں یہ دشمن سوچ پیدا ہوئی تھی۔ یہ سائرہ بانو اور مرجانہ سے دشمنی ہی ہوتی کہ ان دونوں ماں بیٹی کو جلال بیگ کے حوالے کر دیا جاتا لیکن آنکھ کھلتے ہی میرے دماغ میں یہ خیال کیوں آیا؟ اس لیے کہ غیر شعوری طور پر میں کل سے یہی سوچتا آ رہا تھا۔ ماں بیٹی جلال بیگ کے پاس جائیں گی تو شاید میں ان کے ذریعے اس دشمن تک پہنچ سکوں جس نے بہت عرصے سے ہم سب کو پریشان کر رکھا تھا۔ اس کی ایک تصویر ہاتھ آنے سے پہلے نکل گئی تھی۔ وہ کہاں رہتا ہے۔ اس کا اڈہ کہاں ہے اور وہ سائرہ بانو اور مرجانہ کو بلا کر کیا بہ نفسِ نفیس ان سے باتیں کرے گا۔ یا انھیں اپنے قریب رکھ کر بھی ان سے چھپا رہے گا؟

اگر وہ چھپا رہے تب بھی اپنے آدمیوں کو سائرہ بانو اور مرجانہ سے باتیں کرنے کی اجازت دے گا۔ کوئی نہ کوئی شخص اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنی آواز اور لب و لہجہ سائرہ بانو کے ذریعے مجھے سنائے گا تو ہو سکتا ہے کہ میں اس کے ذریعے کسی دوسرے کو پھر تیسرے کو پھر چوتھے کو ٹریپ کرتا ہوا جلال بیگ تک پہنچ جاؤں۔ اس لیے مجھے ایسی کوشش کرنے کے لیے دونوں ماں بیٹی کو جلال بیگ کے حوالے کر دینا چاہیے۔ یہ خیال کل سے میرے دماغ کے کسی گوشے میں پک رہا تھا۔ جو اب شعوری طور پر مجھے اس طرح کے اقدام کے لیے اکسا رہا تھا۔

اس وقت سائرہ بانو اسی شکنجے والی کرسی پر جا دن طرف سے جکڑی ہوئی گہری نیند سو رہی تھیں۔ سونیا اور مرجانہ کے لیے بھی میں نے پانچ گھنٹے بیداری کا وقت مقرر کیا تھا یعنی وہ تینوں مجھ سے ایک گھنٹے بعد بیدار ہونے والی تھیں۔ میں نے ماسٹر کنٹرول مانگا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اسے بتا دیا گیا تھا کہ سائرہ بانو گیارہ بجے بیدار ہوں گی۔ اسی مناسبت سے اس نے تمام ماہرین کے ساتھ ایک بجے ایک میٹنگ رکھی تھی۔ اس میں یہ فیصلہ ہونے والا تھا کہ کتنے ماہرین کو سائرہ بانو کے پاس جانے اور اس بم کا معائنہ کرنے کی اجازت دی جائے۔

میں نے رسونتی کے پاس پہنچ کر کہا "میری جان میں بیدار ہو چکا ہوں۔ آ جاؤ۔"

وہ خوش ہو کر غلام سے بولی "تمہارا آقا بیدار ہو چکا ہے۔ ان کے لیے غسل وغیرہ کا بندوبست کر دو۔"

غسل وغیرہ سے فارغ ہونے میں بیس منٹ لگے۔ اس کے بعد ہم سب دسترخوان کے اطراف بیٹھ گئے۔ غلام نے بڑے ہی پُرتکلف کھانے کا اہتمام کیا تھا۔ کھانے کے دوران میں نے ان لوگوں کو بتایا کہ سائرہ بانو اس وقت کن حالات سے گزر رہی ہیں۔ پوری روداد سننے کے بعد غلام نے تشویش کا اظہار کیا۔ رسونتی نے کہا "یہ تو بڑی عجیب سچویشن ہے کیا وہ ماہرین انھیں اس بم سے نجات دلا سکیں گے؟"

"میں ابھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اب تھوڑی دیر کے بعد میں خیال خوانی کے ذریعے وہاں پہنچوں گا اور سائرہ بانو کے ساتھ کافی وقت تک لگا رہوں گا جب تک کہ انھیں اس بم سے نجات نہیں مل جائے گی۔ میرا خیال ہے کافی وقت لگے گا۔ شاید شام ہو جائے۔ شاید رات بھی گزر جائے لیکن میں تم سے وقتاً فوقتاً دماغی طور پر حاضر ہو کر باتیں کر لیا کروں گا۔ تم کچھ خیال نہ کرنا۔ ہو سکے تو غلام کے ساتھ وقت گزارو۔ اس بستی کو دیکھو۔ یہاں کے لوگوں سے ملو۔ اور مستقبل کے متعلق بھرپور انداز میں پلاننگ کرو۔"

"فرہاد! اگر تم یہاں سے خیال خوانی کے ذریعے سائرہ بانو کے کام آتے رہو گے۔ تو یہ اچھا ہی ہے۔ یہیں رہ کر اپنے تمام ساتھیوں کی مدد کرتے رہو۔"

"میں کبھی ایک جگہ ٹھہر نہیں سکا۔ تم جانتی ہو کہ میرے پاؤں میں چکر ہے۔ خدانخواستہ کوئی ایسی بات ہو جائے گی کہ مجھے یہاں سے نکلنا پڑے گا۔ یہ ضرور ہے کہ آج نہیں جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کل بھی نہ جاؤں۔ جب تک ضرورت مجھے مجبور نہ کرے اس وقت تک میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ ہاں مجبوری ہو تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے۔ جانا تو ہوگا ہی۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "یہ کیسی مجبوریاں ہیں۔ تم نے اتنے سارے دشمن خواہ مخواہ پال رکھے ہیں۔ تم چاہو تو ان سب سے کترا کر بالکل گوشہ نشین ہو سکتے ہو۔ کسی ایسے علاقے میں چپ چاپ جا کر اپنا ایک گھر بنا سکتے ہو۔ جس کی کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔"

"تمہاری خواہش کے مطابق میں ایسا کر لوں گا، لیکن میرے دوسرے ساتھیوں کا کیا بنے گا۔ جب بھی ان پر کوئی مصیبت آیا کرے گی مجھے اپنی جگہ سے نکلنا ہی پڑے گا۔ ان کی مدد کے لیے پہنچنا ہی پڑے گا۔"

"دیکھو فرہاد! اگر جلال بیگ سے ہم نے انتقام لے لیا اور سائرہ بانو کا معاملہ نمٹ گیا تو پھر بہت سے مسائل ختم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ تم نے بتایا ہے۔ سائرہ بانو کسی شخص میں دلچسپی لے رہی ہیں۔ وہ اس سے شادی کر کے اپنا گھر بسائیں گی۔ اپنی بیٹی کی بھی شادی کر دیں گی۔"

"اسے بیٹی نہیں، بیٹا کہو۔ میں نے تمھیں بتایا ہے ناکہ وہ ڈاکٹروں کے زیرِ علاج رہ کر مرد بننے والی ہے۔"

رسونتی نے کہا "چلو بیٹا ہی سہی۔ شادی تو ہوگی اس کی بھی۔ رہ گئی سونیا تو میں اسے برداشت کروں گی۔ میں، تم اور سونیا بہت دور ان دشمنوں کی دنیا سے الگ اپنی ایک دنیا آباد کریں گے۔"

"ایسا ہو جائے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی رسونتی! ابھی جوانی کا زور ہے تو میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھاگا بھاگا پھرتا ہوں۔ جب بڑھاپا آئے گا مجھے ایک گھر کی ضرورت ہوگی وہ اتنا ہی پیارا گھر ہو کہ میرا بڑھاپا ہنستے بولتے گزر جائے گا۔ ٹھیک ہے کسی دور افتادہ علاقے میں غلام تمھیں ایسا گھر بنانے میں مدد دے گا۔ وہ ہماری ضرورت کا ہر سامان مہیا کرے گا۔ تم ایسے ایک گھر میں رہو میں جب بھی جلال بیگ کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ تو سونیا کو لے کر تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ یہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں بس دعا کرو کہ کوئی نیا مسئلہ پیدا نہ ہو۔ نئے دشمن راستے میں نہ آئیں اور ہم ایک پُرسکون زندگی کی ابتدا کریں۔"

کھانے کے بعد غلام نے کہا "آپ کی پسند کا سگریٹ یہاں مل نہیں سکتا۔ میں شہر سے کل منگوا دوں گا۔"

میں نے کہا "میں تمھیں یہ بتا دوں کہ میں نے سگریٹ پینا بالکل چھوڑ دیا ہے۔"

رسونتی نے کہا "سنا ہے سگریٹ کی لت پڑ جائے تو چھوٹتی نہیں ہے۔"

میں نے کہا "ایسا وہ لوگ کہتے ہیں جو مستقل مزاج نہیں ہوتے۔ انھیں اپنے ارادوں پر اختیار نہیں ہوتا۔ میں مستقل مزاج ہوں۔ اگر میں نے دوبارہ سگریٹ پی لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں دماغی طور پر کمزور ہوں۔ اور دماغ اسی وقت کمزور ہوگا جب مجھ سے میری خیال خوانی چھوٹ جائے گی۔"

ہم سب جھونپڑی سے باہر آ گئے۔ غلام نے پوچھا "آقا! پروفیسر برنارڈ رسل اور اس کے ساتھی کا کیا کیا جائے۔ ہم تو ایسے لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑتے ہیں جو ہمارے تاریخی خزانے کو چرا کر لے جائیں۔ وہ خزانہ ہماری ایک مقدس امانت ہے جو اب صرف مالکہ رسونتی کو ملے گا۔"

میں نے کہا "پروفیسر اس خزانے کو چرانے کی کافی سزا پا چکا۔ وہ ایک قابل آدمی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ایسا قابل آدمی مارا جائے ایسا کرو کہ اسے اور اس کے ساتھی کو کچھ زادِ راہ دے کر یہاں سے رخصت کر دو۔"

اس نے کہا "آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن ہمارے قبیلے والے ایسے شخص کو قید سے رہا نہیں کرتے جو اس خزانے کو ہاتھ لگاتا ہے اور اسے چرا کر لاتا ہے۔ وہ خزانہ ایڈونا اپنے ساتھ چرا کر لائی تھی۔ اس پر قبیلے والے ایڈونا کو رہا کرنے کے سلسلے میں بُرا منائیں گے۔"

میں نے کہا: "ایڈونا کو تو بالکل رہا نہیں کرنا چاہیے۔ وہ خزانے کے لیے پاگل ہے۔ یہاں سے جائے گی تو پھر اپنی ایک ٹیم بنا کر یہاں آئے گی اور خواہ مخواہ پریشانی کا باعث بنے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ باہر جا کر یہ بات عام کرے کہ فرہاد کی ساتھی روحیں ان حبشیوں کے درمیان رہ گئی ہے۔ یہ بات دشمنوں تک پہنچ جائے گی۔"

میں نے گھڑی دیکھی۔ وہ پانچواں گھنٹہ گزرنے والا تھا جو سائرہ بانو، سونیا اور مرجانہ کی بیداری کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ میں ان سے رخصت ہو کر اپنی جھونپڑی میں آگیا۔ روحی، غلام کے ساتھ اس بیمار لڑکی کی عیادت کرنے کو دی اور مجبوراً سے ملنے چلی گئی۔ غلام نے اپنی بساط کے مطابق ہمیں آرام پہنچانے کے لیے بہت کچھ کیا تھا۔ ان جنگلوں کے ماحول میں کرسیاں اور صوفے نہیں تھے جہاں میں آرام سے بیٹھ کر خیال خوانی کر سکتا۔ لہٰذا مجھے پھر بستر پر آ کر بیٹھنا پڑا۔ وہاں بیٹھتے ہی میں سائرہ بانو کے دماغ میں پہنچ گیا۔

ان کی نیند اب ختم ہونے والی تھی۔ میں نے آہستگی سے کہا: "میں بیدار ہو رہی ہوں۔ مجھے آنکھیں کھولنے اور حرکت کرنے سے پہلے سمجھ لینا چاہیے کہ میرے دونوں بازو شکنجوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور میں ایسی کرسی پر بیٹھی ہوئی ہوں۔ جہاں سے میں اپنی مرضی کے مطابق اٹھ نہیں سکتی۔ میرے سینے سے وہ جان لیوا بم ابھی تک بندھا ہوا ہے۔ اس لیے مجھے آنکھ کھولتے ہی بہت احتیاط سے چپ چاپ بیٹھا رہنا ہوگا۔"

ان کا سر جھکا ہوا تھا انھوں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتے ہوئے سب سے پہلے اپنے سینے پر بندھی ہوئی اس موت کو دیکھا میں نے ان کا دھیان بٹانے کے لیے کہا: "امی السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام بیٹے۔ تم نے مجھے خوب سلایا، میری تھکن دور ہو گئی ہے میں اب اپنی بیٹی سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے یہ بھی بتاؤ کہ اس بم کو میرے پاس سے ہٹانے کے سلسلے میں کیا کیا گیا ہے؟"

یہاں آنے والے ماہرین یقیناً اس بم کو سمجھ گئے ہوں گے ابھی ایک بجے ان سب کی میٹنگ ہے۔ تبھی پتہ چل جائے گا کہ آپ کو اس سے کب اور کیسے نجات مل سکتی ہے۔ فی الحال آپ ناشتہ کر لیں چائے پی لیں، پھر ہم سب اس میٹنگ میں شریک ہوں گے۔ میں مرجانہ کو بیدار کرتا ہوں۔ وہ آپ کے پاس آجائے گی۔"

میں مرجانہ کے پاس پہنچا تو اس کے بیدار ہونے کا وقت بھی ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ اور سونیا جاگ گئی تھیں۔ میں نے دونوں کو الگ الگ کمرے میں سلایا تھا۔ پہلے میں نے مرجانہ سے کہا کہ اس کی امی بیدار ہو گئی ہیں لہٰذا وہ ان کے لیے ناشتہ وغیرہ ساتھ لے کر جائے پھر میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر پوچھا۔ "کیا حال ہے، نیند پوری ہو گئی؟"

وہ ناراضگی سے بولی: "بہت کمال کر دیا جو مجھے زبردستی سلا دیا۔"

"جب سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلتا تو میں ایسے ہی کمالات دکھاتا ہوں۔"

"تم اپنی ٹیلی پیتھی سے مجھے سلا سکتے ہو، بیدار کر سکتے ہو، اٹھا سکتے ہو، بٹھا سکتے ہو۔ لیکن میرے دل میں اپنے لیے محبت نہیں پیدا کر سکتے۔"

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے میری جان۔ جب سے تم نے جوانی کی پہلی انگڑائی لی ہے۔ اسی وقت سے فرہاد تمہارے دل میں دھڑک رہا ہے۔"

"بکواس ختم ہو گئی ہو تو اب جاؤ۔"

"جا رہا ہوں۔ تم اٹھ کر تیار ہو جاؤ۔ ایک بجے ماہرین کی میٹنگ میں شریک ہونا ہے۔"

میں نے ماسٹر کروٹا مانگا کے پاس پہنچ کر کہا: "ہیلو ماسٹر میں فرہاد بول رہا ہوں۔ کتنے ماہرین آئے ہیں؟"

"ہمارے ملک کے چار ہیں اور بیرونی ممالک سے دس آئے ہیں۔ کل چودہ ماہرین ہیں۔"

"ان کی کیا رائے ہے؟"

"مختلف رائے رکھتے ہیں۔ چھ ماہرین تو کہتے ہیں کہ ان چار تاروں میں سے زندگی کا تار کون سا ہے، یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ چار ماہرین کہتے ہیں کہ سرخ تار کو الگ کر دیا جائے تو دھماکہ نہیں ہوگا۔ باقی تین ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ سفید تار کو الگ کرنا چاہیے۔ ان میں سے ایک ماہر نے ابھی تک اپنی کوئی رائے پیش نہیں کی ہے۔"

وہ ماہر شاید کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا۔ سائرہ بانو، سونیا اور مرجانہ وغیرہ نے ناشتہ کر لیا تو میں نے ماسٹر سے کہا کہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ میٹنگ ایک بجے ہی شروع کی جائے۔ آپ تمام لوگوں کو ہال میں جمع کر لیں اور کارروائی شروع کر دیں۔

پندرہ منٹ کے بعد ہی سب لوگ بڑے ہال میں جمع ہو گئے۔ سائرہ بانو بھی پہیے والی کرسی پر وہاں پہنچا دی گئیں۔ انھیں سب سے الگ تھلگ رکھا گیا۔ ان کے آس پاس صرف مرجانہ اور ڈیڑھ جمال کھڑے تھے۔ سونیا ماسٹر کروٹا مانگا کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھی رہی پھر ماسٹر نے کہا: "اب آپ لوگ باری باری اپنی رائے پیش کریں اور انھیں اس مصیبت سے نجات دلانے کی جلد از جلد کوئی خوش خبری سنائیں۔"

ایک شخص نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا: "یہ بم جوان خاتون کے ساتھ باندھا گیا ہے۔ اس میں چار عدد تار ایسے لگائے گئے ہیں کہ انھیں معمہ بنا دیا گیا ہے۔ ہمارے پاس اس بم کے فوٹو گراف ہیں اور اس کی ڈرائنگ بھی ہے ہم آسانی سے انھیں اس بم سے نجات دلا سکتے ہیں لیکن ان چار تاروں نے ہمیں الجھا دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سا تار کس جگہ اس بم سے جا کر منسلک ہوا ہے۔ اس لیے ہم اس سلسلے میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے۔"

وہ بیٹھ گیا اس کے بعد ایک اور شخص اٹھ کر بولا: "ہم چار ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ سرخ تار کو ہٹا دیا جائے تو دھماکہ نہیں ہوگا ہم نے بہت اچھی طرح اس ڈرائنگ کا مطالعہ کیا ہے۔ فوٹو گراف کو بھی اچھی طرح دیکھا ہے اور اگر وہ بم ٹھیک اس ڈرائنگ کے مطابق ہی بنایا گیا ہے تو پھر خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ سرخ تار کو ہٹا دینا چاہیے۔"

ایک اور شخص نے اٹھ کر کہا: "میں ان کی مخالفت کرتا ہوں۔ ڈرائنگ ہم نے بھی دیکھا ہے۔ فوٹو گراف ہم بھی سمجھتے ہیں لیکن ان کی اسٹڈی سے ہم متفق نہیں ہیں۔ سرخ تار نہیں بلکہ سفید کو ہٹانا چاہیے۔"

وہ دونوں آپس میں بحث کرنے لگے۔ اپنی اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لیے ٹیکنیکل قسم کی گفتگو کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص نے اٹھ کر کہا: "آپ سب لوگ خاموش ہو جائیں۔ ماسٹر کروٹا مانگا میں نے ابھی تک آپ لوگوں کے سامنے اپنی رائے پیش نہیں کی تھی۔ اب آپ لوگوں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔ سب سے پہلے تو میں آپ تمام لوگوں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا؟"

سب چپ چاپ رہ کر اس کا منہ تکنے لگے۔ ماسٹر نے پوچھا: "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ کس تار کو ہٹا دینے سے دھماکا نہیں ہوگا اور خاتون زندہ سلامت رہیں گی۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ ہم میں سے کون ماہر اس خاتون کے سامنے جا کر بیٹھے گا۔ اس نوبیک ڈبیا کے پلاسٹک والے ڈھکن کو کھولے گا اور اس زندگی کے تار کو اپنے ہاتھوں سے ہٹائے گا۔ کیا یہ ایک بہت بڑا رسک نہیں ہوگا کہ وہ تار اگر ہمارے اندازے، ہمارے گہرے مطالعے کے باوجود غلط ثابت ہوا تو اس دھماکے سے صرف یہ خاتون ہی موت کے منہ میں نہیں جائیں گی۔ بلکہ وہ ماہر جو سامنے موجود ہوگا اس کے بھی پرخچے اڑ جائیں گے۔ اسی لیے میں پوچھ رہا ہوں کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔ کون اپنی جان کو داؤ پر لگا کر وہاں اس تار کو ہٹانے جائے گا؟"

وہ سب چپ ہو گئے۔ اس ماہر نے ایسا سوال کیا تھا جس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ماسٹر نے کہا: "میں نے تو اس امید پر آپ لوگوں کو اتنی دور سے اور اتنے مختلف ممالک سے بلایا تھا تاکہ آپ صحیح طور سے اس بم کے میکنزم کو سمجھیں گے پھر پورے اعتماد سے اس تار کو موت کے منہ سے نکال کر لیڈی سائرہ بانو کو نئی زندگی دیں گے۔"

اس ماہر نے کہا: "یقیناً آپ نے جس اعتماد سے ہم کو بلایا ہے ہم اس اعتماد پر پورے اتر سکتے ہیں۔ ہم پورے یقین سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ کس تار کو ہٹانا چاہیے اور اس تار کے ہٹانے کے بعد یقیناً لیڈی سائرہ بانو کو زندگی ملے گی لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دشمن آخر دشمن ہے۔ اس نے جو ڈرائنگ پیش کی ہے ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر اس نے کوئی ذرا سی تبدیلی ایسی کر دی ہو جو اس سے مختلف ہو۔ ہمارے سمجھنے میں ہیر پھیر ہو جائے۔ تب کیا ہوگا؟"

ڈیڑھ جمال نے کہا: "یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ واقعی دشمن نے ایسی چال چلی ہو کہ سائرہ بانو اسے واپس نہ ملیں تو ہمارے پاس بھی زندہ نہ رہ سکیں۔ یہ سوچ کر انھوں نے کوئی ایسی تبدیلی کی ہو جو اس ڈرائنگ میں نہ ہو۔ اگر اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس بم اور ڈرائنگ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تو یہ رسک میں لوں گا۔ یہ خطرہ مول لے کر میں سائرہ بانو کے سامنے بیٹھوں گا اور اس تار کو ہٹاؤں گا جسے ہٹانے کے بعد انھیں زندگی مل سکتی ہے۔ بالفرض اگر موت ملے اور میرے چیتھڑے اڑ جائیں تو کوئی پروا نہیں۔ لیکن ہم سائرہ بانو کو زندہ سلامت رکھنا چاہتے ہیں۔"

ماسٹر کروٹا مانگا نے کہا: "یہ ایک خدشے والی بات پیدا ہو گئی ہے کہ دشمن نے کوئی ہیرا پھیری کی ہو گی اور یہ ایسی بات ہے کہ اسے دماغ تسلیم کر سکتا ہے۔ گویا ہم یہ رسک نہیں لے سکتے کہ اس بم کو ہاتھ لگایا جائے۔ اس کے اوپری ڈھکن کو کھول کر تاروں کو چھونے سے یا ذرا سا ہلانے سے خطرہ پیدا ہوگا۔ لہٰذا یہ دیکھا نہیں جا سکتا کہ دشمن نے اس بم کے اندر کیسی تبدیلی کی ہے۔"

میں نے ڈیڑھ جمال کی زبان سے کہا: "ماسٹر میں فرہاد بول رہا ہوں۔ اس آخری ماہر نے جو باتیں کی ہیں وہ دماغ کو لگتی ہیں لہٰذا اسے تسلیم کرنا پڑے گا اور ہم کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے۔ ہمیں اب اس پہلو پر نہیں سوچنا ہے کہ ہم سائرہ بانو کے جسم سے اس بم کو علیحدہ کریں گے۔ اب ہمیں اس پہلو پر بحث کرنی ہوگی کہ سائرہ بانو کو دشمنوں کے حوالے کر دیا جائے۔"

کروٹا مانگا نے حیرانی سے پوچھا: "فرہاد صاحب! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، کیا دشمنوں سے شکست تسلیم کر لی جائے؟ کیا سائرہ بانو کو خطرے میں جھونک دیا جائے؟"

مرجانہ نے کہا: "فرہاد کا مشورہ نہایت ہی مناسب ہے۔ اب جبکہ یہ خدشہ ظاہر ہو گیا ہے تو میں کسی بھی ماہر کو اس بم کے قریب جانے کی اجازت نہیں دوں گی۔ یہ بہت بڑا خطرہ ہوگا۔ میں اپنی امی کے ساتھ جلال بیگ کے پاس جاؤں گی۔ دیکھوں گی کہ وہ کیا کہتا ہے۔ میں اس کی ہر شرط مان کر اپنی امی کو اس موت سے نجات دلاؤں گی۔"

سائرہ بانو نے ممتا بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا: "بیٹی میں دشمنوں کے پاس ضرور واپس جاؤں گی۔ لیکن تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گی میں جانتی ہوں کہ وہ کتنے کمینے ہیں۔ وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے اور اگر کسی طرح، کسی وجہ سے زندہ رہنے بھی دیا گیا تو تم پر بڑے ظلم ڈھائیں گے۔ اور یہ میں برداشت نہیں کر سکوں گی۔ مر جاؤں گی۔"

ماسٹر نے کہا: "فرہاد صاحب ابھی لیڈی سائرہ بانو کی واپسی کے سلسلے میں نہ سوچا جائے۔ ہمیں سپر ماسٹر کی طرف سے کچھ پیغامات ملنے والے ہیں۔ ان کا انتظار کیا جائے۔ ہمارا خیال ہے کہ سپر ماسٹر اور جلال بیگ کے درمیان پھر کوئی سمجھوتا ہونے والا ہے۔ شاید لیڈی سائرہ بانو کو ہمیں اس بم سے نجات مل جائے اور جلال بیگ کا کوئی آدمی آ کر یہ کام کر دے۔ ہمیں انتظار کرنا چاہیے۔"

میں نے پوچھا: "کتنا انتظار کرنا چاہیے۔ ہمیں کب تک سپر ماسٹر کی طرف سے پیغامات موصول ہوں گے۔"

"شاید شام تک ہمیں کچھ نہ کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ شام تک انتظار کیا جا سکتا ہے لیکن آپ میری

طرف سے سپر ماسٹر کو یہ کہلا دیجیے کہ شام تک سائرہ بانو کے سلسلے میں کوئی آخری فیصلہ ہونا چاہیے۔ یہ جو موت ان کے ساتھ باندھ دی گئی ہے۔ یہ اتنا بڑا ظلم ہے کہ اسے سائرہ بانو سے زیادہ کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔ ان کے لیے ہر آنے والی گھڑی موت کی گھڑی ہے۔ آپ سپر ماسٹر سے جلد از جلد فیصلہ کرائیں۔"

ماسٹر نے کہا۔ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ شام تک کوئی فیصلہ ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے تمام ماہرین سے کہا کہ وہ لوگ اپنے اپنے ملک واپس جانے کی تیاریاں کریں، اب ان کا یہاں کوئی کام نہیں رہا ہے۔ اس نے تمام ماہرین کو وہاں سے رخصت کر دیا۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو ڈیڈ جمال سائرہ بانو کے ایک ہاتھ کو تھام کر کہنے لگا۔ "سائرہ! اب جبکہ زندگی اور موت کا کوئی فیصلہ نہیں ہو رہا ہے۔ تمھاری زندگی کا یقین نہیں ہے اور موت کسی وقت بھی تمھیں سمیٹ کر لے جا سکتی ہے تو میں اب بھی یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ تم اکیلی اس دنیا سے نہیں جاؤ گی۔ میں بھی تمھارے ساتھ جاؤں گا۔ دنیا سے بھی اور دشمنوں میں بھی، میں تمھارے ساتھ جاؤں گا۔ تمھاری واپسی یہاں سے ہوئی تو میں بھی تمھارے ساتھ رہوں گا۔ فرہاد صاحب کو سمجھاؤ ماسٹر کروٹا مانگا کو راضی کرو کسی طرح مجھے اپنے ساتھ لے چلو، مجھے اپنے پیچھے چھوڑ کر نہ جانا۔"

سائرہ بانو کا سر جھکا ہوا تھا۔ انھوں نے آہستگی سے کہا۔ "جمال، میرے سامنے سے اٹھ جاؤ۔ یہ تم کس انداز میں باتیں کر رہے ہو۔ مرجانہ اور سونیا کیا سوچیں گی؟"

مرجانہ جلدی سے آ کر ان کے سامنے دو زانو ہو گئی اور ان کا دوسرا ہاتھ تھام کر بولی۔ "امی! ہم سب جانتے ہیں کہ آپ ایک دوسرے کو چاہنے لگے ہیں۔ یہ کوئی بری بات نہیں ہے آپ کو اپنی زندگی کے بارے میں اپنی خوشیوں کے بارے میں، اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہیے ہم سب کو خوشی ہوگی اگر ہم آپ کو اور جمال صاحب کے ساتھ دیکھیں۔"

وہ جھینپ کر بولیں۔ "بیٹی یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کیا میری عمر ہے کہ اب میں ....."

مرجانہ نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا۔ "بس امی آگے نہ بولیں۔ آپ کی عمر زیادہ نہیں ہے۔ آپ بوڑھی نہیں ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ بیٹی جوان ہو تو ماں بوڑھی ہو جائے۔"

کروٹا مانگا نے قریب آ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیڈی سائرہ بانو! مجھے آپ کے ذاتی معاملات میں بولنا تو نہیں چاہیے لیکن ایک اچھی بات کہنے سے گریز بھی نہیں کرنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں محبت اتنی طاقت رکھتی ہے کہ موت کے ان لمحوں میں آپ کو ایک نئی زندگی کا احساس دلا رہی ہوگی۔ آپ کے دل میں مسٹر جمال کے لیے جو جذبہ ہے جو محبت ہے۔ وہ موت کے احساس کو کسی نہ کسی طرح تھوڑا بہت ضرور کم کر دیتا ہوگا کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

سونیا نے کہا۔ "مشرقی تہذیب یوں تو بہت اچھی ہے لیکن ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ عورتوں کو وقت سے پہلے بوڑھی بنا دیا جاتا ہے۔ ان پر ذمہ داریوں کا بوجھ اس طرح لاد دیا جاتا ہے اور انھیں اس طرح اپنے بچوں کے سلسلے میں احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے آگے خود کو بوڑھی سمجھتی رہتی ہیں اور ان کے شوہر بڑھاپے میں بھی جوان بنے پھرتے رہتے ہیں۔"

سائرہ بانو نے جھکی جھکی نظروں سے کہا۔ "میں ایک عذاب میں مبتلا ہوں، تم لوگ ایسی باتیں کر رہے ہو؟"

سونیا نے کہا۔ "امی! ہماری دعائیں ہیں اور کوششیں ہیں کہ آپ کو اس عذاب سے نجات مل جائے۔ فرض کیجیے کہ نجات نہیں ملتی اور موت اٹل ہے تو اس اٹل موت سے پہلے زندگی کے آخری لمحوں میں آپ کو ایک چاہنے والے کی بھرپور محبت ملنی چاہیے۔ اور جب آپ کو یہ محبت مل رہی ہے تو آپ اسے دل و جان سے قبول کریں۔"

میں نے ماسٹر سے کہا۔ "یہ لوگ اسی طرح بہلتے رہیں تو اچھا ہی ہے اور سائرہ بانو کو بھی شام تک بہلاتے رہیں۔ ماسٹر میں اب جا رہا ہوں۔ دو گھنٹے کے بعد پھر آپ کے پاس آؤں گا۔ اس وقت تک آپ کوشش کریں کہ سپر ماسٹر کا کوئی فیصلہ مجھ تک پہنچ جائے۔" میں اس سے رخصت ہو کر سونیا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سائرہ بانو کو اس بات پر آمادہ کر رہی تھی کہ وہ بلا جھجک اپنی محبت کا اظہار کریں، اس پر مرجانہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "فرہاد، تم کہاں ہو، چپ کیوں ہو، تم بھی تو امی سے کچھ کہو سنو۔"

میں خاموش رہا۔ جب میری طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو ماسٹر نے کہا۔ "فرہاد صاحب دو گھنٹے کے لیے چلے گئے ہیں۔"

مرجانہ نے کہا۔ "واہ، ہم سے کچھ کہا بھی نہیں اور چلے گئے۔"

سونیا کی سوچ نے کہا۔ "جائیں گے کیوں نہیں۔ نئی نویلی دلھن رسونتی کی طرف دل کھنچا جا رہا ہے۔ ابھی تو اسی کے ساتھ دن رات گزریں گے جب دل بھر جائے گا تو وہ ہرجائی اسے بھی چھوڑ کر پھر کسی نئی کی تلاش میں چل پڑے گا۔ میں خواہ مخواہ اس کی باتوں میں آ جاتی ہوں۔ اس کی محبت سے مجبور ہو جاتی ہوں اور ہزار جھگڑا کرنے کے باوجود پھر اس کی طرف جھک جاتی ہوں۔ اب میں کبھی بھی اس کی طرف مائل نہیں ہوں گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ وہ مجھے کتنا ہی بہلائے پھسلائے اب میں اس کی باتوں میں نہیں آؤں گی۔"

میں نے سوچ کے ذریعے اس کے دماغ میں ایک سرد آہ بھری۔ وہ ایک دم سے چونک گئی۔ پھر جلدی سے سنبھل بھی گئی۔ آس پاس کے لوگ اس کے چونکنے کے انداز کو نہ سمجھ سکے۔ پھر اس نے سوچ کے ذریعے غصے سے کہا۔ "اے! تم موجود ہو؟"

اس کے جواب میں خاموشی رہی۔ وہ وہاں سے بہانہ کر کے دوسرے کمرے میں آئی پھر غصے سے پاؤں پٹختی، مٹھیاں بھینچتی ہوئی بولی۔ "میں سچ کہتی ہوں اگر تم میرے سامنے آ گئے تو میں تمھارا بہت برا حشر کروں گی۔ بہت دلیری دکھاتے ہو۔ دماغ میں آ کر گھستے ہو، پریشان کرتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ موجود ہو؟"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ وہ میرے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "نہیں، وہ بھلا کیسے موجود ہو سکتا ہے۔ وہ تو نئی نویلی کے پاس ہوگا۔"

اس کی اپنی سوچ نے کہا۔ "رسونتی تو اس کے پاس موجود ہے۔ اسے اطمینان ہوگا وہ ابھی نہیں جائے گا۔ جب بستر بچھا ہو تو سونے والے کو اطمینان ہوتا ہے کہ کسی وقت بھی جا کر بیٹھے سمیٹے جا سکتے ہیں۔ میں اس کی فطرت کو خوب سمجھتی ہوں۔ ابھی وہ میرے پاس ہی چھپا ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی اور انتظار کرنے لگی کہ شاید اس کے اندر کوئی دوسری سوچ پیدا ہو یا میرا لب و لہجہ کسی طرح پہچان لے کچھ دیر تک انتظار کرنے کے باوجود میرا سراغ نہ ملا۔ اس کی اپنی سوچ نے کہا۔ "شاید وہ چلا ہی گیا ہے۔ اونہہ، بلا سے چلا گیا ہو یا موجود ہو۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں سوچوں گی۔ میرے پاس سوچنے سمجھنے کے لیے بہت کچھ ہے اور ابھی تو لیڈی سائرہ بانو کا اتنا بڑا اور اہم مسئلہ ہے کہ مجھے اسی کے متعلق سوچنا چاہیے۔" وہ سائرہ بانو کے متعلق سوچنے لگی۔ میں اس کے پاس سے رسونتی کے پاس چلا آیا۔

❁

ٹھیک دو گھنٹے کے بعد میں نے ماسٹر کروٹا مانگا کے دماغ پر دستک دی۔ "ہیلو ماسٹر، میں فرہاد بول رہا ہوں۔ کیا خبر ہے؟"

اس نے اٹینشن ہو کر کہا۔ "جناب، میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ سپر ماسٹر کی طرف سے جو ٹیلیکس آئے ہیں وہ میں آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی میز کے پاس والی ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گیا۔ میز پر ایک فائل رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ "مسٹر فرہاد، ہماری انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم ہر لمحہ آپ کے کام آئیں اور آپ کے بڑے سے بڑے مسئلے کو کسی نہ کسی طرح حل کر دیں۔ لیکن اس بار ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہم دشمن کی کوئی شرط ماننے کے سبب سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی شرط ہمارے سامنے رکھتا تو ہم آپ کی خاطر مان لیتے لیکن جلال بیگ بہت مغرور ہو گیا ہے ابھی اس نے کسی زبردست دشمن سے چوٹ نہیں کھائی ہے۔ ہم سب کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم کتنے ہی زبردست ہوں کبھی نہ کبھی شکست بھی کھانی پڑتی ہے اور شکست کھانے کے بعد سمجھوتے کی راہ تلاش کرنا پڑتی ہے۔ جلال بیگ نے ابھی ہمارے مقابلے میں سر اٹھایا ہے۔ جب وہ پے در پے نقصانات اٹھائے گا تب اس کی سمجھ میں آئے گا۔ بہر حال ہم اسے سمجھانے اور اسے اپنی طرف مائل کرنے کے سلسلے میں تھک گئے ہیں۔ ناکام ہو گئے ہیں۔ اس کی ایک ہی ضد ہے کہ سائرہ بانو اور مرجانہ کو اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ وہ سائرہ بانو کو اس موت سے نجات دلائے گا۔ میں آپ کے سامنے شرمندہ ہوں کہ لیڈی سائرہ بانو کے لیے کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ اب آپ اپنے طور پر فیصلہ کریں کہ کیا ہونا چاہیے۔

مسٹر فرہاد، ہمارے کچھ ایسے جاسوسی آلات ہیں جو یہ بتا دیتے ہیں کہ دشمن ٹرانسمیٹر کے ذریعے کتنی دور سے بات کر رہا ہے اور کس سمت سے بول رہا ہے۔ مس جلال بیگ سے میرے ایک ماسٹر نے سمجھوتے کی جو گفتگو کی تو ہمارے آلات یہ بتلاتے رہے کہ ٹرانسمیٹر پر وہ آدمی جو جلال بیگ کی طرف سے بول رہا ہے۔ وہ پیرس سے شمال مغرب کی طرف ہے۔ مغرب کی طرف ایک ذرا شمالی حصے میں انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ ہیں۔ ہمارا اندازہ ہے کہ جلال بیگ ان دنوں انگلینڈ یا اسکاٹ لینڈ میں ہے۔ اگرچہ ٹرانسمیٹر پر جلال بیگ کا کوئی آدمی بول رہا تھا لیکن وہ ہماری کسی بات کا جواب دینے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے رک جاتا تھا۔ جیسے جلال بیگ اسے تحریر کے ذریعے اس بات کا جواب دے رہا ہو اور پھر وہ ٹرانسمیٹر پر بولنے والا تحریر کو پڑھ کر اس کا جواب سنا رہا ہو۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جلال بیگ انگلینڈ یا اسکاٹ لینڈ کے کسی شہر میں موجود ہے۔

اب ہم نے جلال بیگ سے یہ کہا ہے کہ دو یا تین گھنٹے میں فرہاد سے گفتگو کرنے کے بعد اس سے یا اس کے آدمی سے پھر رابطہ قائم کیا جائے گا اور اسے بتایا جائے گا کہ سائرہ بانو کو واپس بھیجا جا رہا ہے یا نہیں۔

ہم نے پھر رابطہ قائم کرنے کے لیے ایک موقع حاصل کیا ہے۔ اس بار لندن کا ایک ماسٹر جلال بیگ کے آدمی سے رابطہ قائم کرے گا اور اس طرح معلوم کرے گا کہ اب جو ٹرانسمیٹر سے بات کی جا رہی ہے۔ تو بات کرنے والے لندن سے کتنی دور اور کس سمت میں ہیں۔ لہٰذا آپ جلد سے جلد اپنا فیصلہ سنا دیں کہ سائرہ بانو کو واپس بھیجا جا رہا ہے یا نہیں؟

اگر ... ذرا اسکا مکمل سراغ لگا لیا تو آپ کی خواہش پوری ہو جائے گی آپ

اس دشمن تک پہنچ سکیں گے۔ اس کے لئے آپ کا جو بھی طریقہ کار ہو، اگر آپ ہمیں بتانا مناسب سمجھیں تو ہمارے کسی بھی ماسٹر سے رابطہ قائم کرلیں۔ آپ جس ملک میں بھی ہوں وہاں کے ماسٹر کو صفر، صفر، ایک نمبر ڈائل کریں اس سے رابطہ قائم ہو جائے گا۔ پھر جلال بیگ جہاں بھی ہوگا اس علاقے تک آپ کے پہنچنے کے لئے تمام سہولتیں فراہم کردی جائیں گی۔ ہمیں اپنی خدمات کا موقع دیتے رہیں۔ فقط، آپ کا اپنا سپر ماسٹر۔"

میں نے اس خط کو سننے کے بعد کروڈا مانگا سے کہا۔ "ماسٹر! لیڈی سائرہ بانو کو واپس بھیجا جائے گا۔ ان کے ساتھ مرجانہ بھی جائے گی۔ آپ سپر ماسٹر تک یہ پیغام بھیج دیں کہ اب جلال بیگ سے رابطہ قائم کر کے اسے اس کی کامیابی کی خبر سنا دیں۔ میں ابھی سونیا اور مرجانہ وغیرہ کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ یقیناً وہیں سائرہ بانو کے پاس بیٹھی ہوں گی۔"

وہ سب وہیں تھیں۔ ڈیئر جمال بھی موجود تھا۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ ڈیئر جمال کے ذریعے ان لوگوں کو مخاطب کروں، لیکن میں سائرہ بانو کو امی کہتا تھا اور ڈیئر جمال کی زبان سے امی کا لفظ ادا کرنا مناسب نہیں تھا۔ اگرچہ میں ہی بولتا لیکن ڈیئر جمال کی زبان سے اچھا نہ لگتا کیونکہ اس کے اور سائرہ بانو کے درمیان کچھ اور ہی رشتہ ہونے والا تھا۔

میں نے سائرہ بانو کے ذہن میں پہنچ کر کہا۔ "ہیلو امی! میں آگیا ہوں اور یہ بڑی خبر سنانا چاہتا ہوں کہ آپ کو اور مرجانہ کو دشمنوں میں واپس جانا ہوگا۔"

وہ ایک دم سے مایوس ہو گئیں۔ ان کا دل ڈوبنے لگا۔ ان کے دماغ کی جو حالت تھی۔ وہ میں سمجھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "امی! مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ یہ سمجھیں کہ مرجانہ صرف آپ کے ساتھ نہیں ہوگی بلکہ مرجانہ کے دماغ میں میں موجود رہوں گا۔ اس طرح آپ کے ساتھ ایک بیٹی بھی ہوگی۔ اور ایک بیٹا بھی ہوگا۔ آپ کے دو بازو ہوں گے۔ آپ بالکل بے فکر رہیں اور میرے کہنے پر مرجانہ کو ساتھ لے چلیں۔"

وہ بڑی عاجزی سے بولیں "بیٹا! کوئی ایسی تدبیر نہیں ہوسکتی کہ مرجانہ نہ جائے، کوئی اور میرے ساتھ چلا جائے ڈیئر جمال کو میں ساتھ لے جاؤں گی مرجانہ کو میں ساتھ نہیں لیجانا چاہتی۔"

"میں آپ کے اندیشوں کو سمجھ رہا ہوں لیکن مجبوری ہے دشمن ماں، بیٹی کو چاہتا ہے۔"

انہوں نے کہا۔ "بیٹی! فرہاد میرے پاس موجود ہے اس کا فیصلہ ہے کہ ہم دونوں کو دشمنوں میں جانا ہے۔"

سب نے سائرہ بانو کو یوں دیکھا جیسے ان کی کھوپڑی کے اندر مجھے دیکھ رہے ہوں۔ پھر مرجانہ نے کہا۔ "ہم نے تو پہلے ہی پیشگوئی کردی تھی کہ ہم کو ہٹانے کا رسک کوئی نہیں لے گا۔ ٹھیک ہے امی! آپ کسی قسم کا خوف نہ کھائیں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ فرہاد بھی ساتھ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی تو دشمن ہمیں نہیں مار سکے گا، اور فرہاد اس بار جلال بیگ کو ضرور ٹھکانے لگا دیں گے۔"

سونیا خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ مرجانہ نے پوچھا۔ "تم کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ بولی۔ "میں ارادہ کر رہی ہوں۔ اگر تمہارے ساتھ نہ جا سکی تو تمہارے پیچھے ضرور جاؤں گی۔ دیکھوں گی کہ دشمن تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے؟ اور میں دشمن کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔"

ڈیئر جمال نے کہا۔ "اور میں تو یونہی رہ جاؤں گا۔ نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا۔"

سائرہ بانو نے مجھے مخاطب کیا۔ "فرہاد بیٹے! کیا ایسی صورت نہیں ہوسکتی کہ جمال صاحب بھی ہمارے ساتھ جا سکیں؟"

"نہیں امی۔ آپ صرف مرجانہ کو ساتھ لے کر جائیں..... جمال صاحب بخیریت رہیں گے۔ اگر کہیں ان کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہاں ان سے ضرور کام لیا جائے گا۔ میں آپ دونوں کو ایک دوسرے کی خیریت سے آگاہ کرتا رہوں گا۔"

ڈیئر جمال نے کہا۔ "فرہاد صاحب! اگر آپ میرے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو صرف اتنا کیجئے کہ یہاں سے جعلی پاسپورٹ کے ذریعے یا ماسٹروں کی تنظیم کے ذریعے مجھے پیرس بھیج دیں۔ میں وہاں رہوں گا اور مجھے یقین ہے کہ سائرہ کو دشمن وہیں لے جائیں گے۔ انہیں دولت کی ضرورت ہے اور ان کا خفیہ خزانہ وہیں پیرس میں موجود ہے۔ بس آپ میرا یہ کام کردیں۔ پلیز! ماسٹر کروڈا مانگا سے کہئے کہ وہ مجھے آج ہی یہاں سے پیرس روانہ کردیں۔"

میں نے سونیا کی زبان سے کہا۔ "بیشک خزانہ پیرس میں ہے؛ لیکن ہوسکتا ہے کہ دشمن آنٹی سائرہ کو کسی دوسری جگہ لے جائیں اور وہاں انہیں خزانے کا راز اگلنے پر مجبور کریں۔ آنٹی کو وہیں سے یہ بتانا ہوگا کہ وہ خزانہ کہاں ہے؟"

سائرہ بانو نے کہا۔ "ہاں۔ دشمن ایسا کرسکتے ہیں۔ بہت چالاک لوگ ہیں۔ لیکن انہیں اس بات پر مجبور ہو جانا پڑے گا کہ مجھے پیرس لے جائیں۔ کیونکہ خزانے تک پہنچنے کے لئے میری ذاتی رہنمائی بہت ضروری ہے۔ میں جانتی ہوں کہ کون سا راستہ کہاں سے گزرتا ہے اور جہاں جہاں لاک لگے ہوئے ہیں، وہ کن نمبروں سے کھلتے ہیں۔ ان کے نمبر صرف میرے دماغ میں ہیں۔"

سونیا کی زبان سے پھر میں نے کہا۔ "آنٹی! وہ آپ سے لاک نمبر اگلوا کر نوٹ کرلیں گے اور یہ بھی پوچھ لیں گے کہ کون سا لاک نمبر کس جگہ کا ہے؟ تب آپ کو پیرس لے جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرا ابھی یہی خیال ہے کہ دشمن آپ کو کسی ایسے مقام پر پہنچائیں گے جہاں ہم نہ پہنچ سکیں یا خیال خوانی کے ذریعے میں یہ نہ معلوم کرسکوں کہ آپ کس جگہ پہنچائی گئی ہیں۔"

سائرہ بانو نے مجھ سے کہا۔ "فرہاد! جب تمہیں ہمارا ٹھکانہ معلوم ہو جائے تو تم جمال صاحب کو وہاں کا پتہ بتا دینا۔ بلکہ وہاں تک پہنچا دینا۔ فی الحال تو انہیں پیرس پہنچا دو۔"

ڈیئر جمال نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ پیرس پہنچ کر میرا رابطہ ماسٹروں کی تنظیم سے نہ رہے۔ میں بالکل اجنبی بن رہا ہوں۔ میں خود دشمنوں تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ اگرچہ یہ بہت مشکل کام ہے لیکن میں اپنے طور پر کچھ کر گزرنا چاہتا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ ابھی آپ کے پیرس جانے کا انتظام ہو جائے گا۔ میں جا رہا ہوں۔ آپ ماں بیٹی روانگی کے سلسلے میں سوچ لیں اور کوئی ضروری بات ہو تو وہ بات ماسٹر کروڈا مانگا سے پوری کرائی جائے۔ میں پھر آؤں گا۔"

یہ کہہ کر میں ماسٹر کروڈا مانگا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سپر ماسٹر کے پاس اطلاع بھیج چکا تھا۔ میں نے ماسٹر سے کہا کہ وہ ڈیئر جمال کو آج ہی کسی طیارے سے پیرس پہنچا دے اور انہیں جس قدر رقم کی ضرورت ہو، وہ فراہم کردے تاکہ پیرس میں انہیں کسی کا محتاج بن کر نہ رہنا پڑے۔

اب میں سونیا سے تنہائی میں باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اس خیال سے میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں وہ اور مرجانہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بیٹھی ہوئی تھیں۔ جدائی کے تصور سے ان کے دل ڈوب رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے بچھڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ اگر ان کی جگہ دوسری عورتیں ہوتیں تو ایک دوسرے سے لپٹ کر رونا شروع کردیتیں لیکن وہ دونوں ہی فولاد کی بنی ہوئی تھیں۔ رونا نہیں جانتی تھیں۔ اس لئے بہت ہی اداس ہو کر ایک دوسرے کا کبھی منہ تک رہی تھیں، کبھی نظریں جھکا کر کچھ سوچ رہی تھیں۔

اسی وقت میں سونیا کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ سونیا نے ہاتھ چھڑا کر کہا۔ "میں ابھی اپنے کمرے سے آتی ہوں۔ مجھے باتھ روم میں جانا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے اُٹھ گئی، اور کمرے کی طرف جانے لگی۔ کمرے کے اندر پہنچ کر دروازے کو اندر سے بند کیا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے کے وسط میں آئی۔ تب میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔

وہ ایک دم سے چونک کر اپنے آس پاس کے ماحول کو دیکھنے لگی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ پھر وہ ایک دم سے جیسے پاگل ہو گئی۔ وہ جنون میں مبتلا ہو کر کمرے کی کرسی اٹھا کر پھینکنا چاہتی تھی۔ تمام کمرے کے سامان کو الٹ پلٹ کر دینا چاہتی تھی۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی اور اپنا غصہ دوسری چیزوں پر نکالنا چاہتی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کی طرف جا رہی تھی، تاکہ وہاں سے چیزوں کو اٹھا کر پھینکے۔ لیکن میں نے اسے روک دیا۔ آہستگی سے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ "سونیا! پاگل نہ بنو میں تمہیں بہت ضروری باتیں کرنے کے لئے یہاں لایا ہوں۔"

وہ غصے سے بولی۔ "یہ کونسا طریقہ ہے۔ تم مجھ سے کہہ سکتے تھے اس کمرے میں آنے کے لئے۔ میں خود چل کر آسکتی تھی تم میرے دماغ پر قابض ہونے والے کون ہوتے ہو؟"

"پہلے میں تمہارا سب کچھ تھا۔ اب پوچھتی ہو میں کون ہوتا ہوں۔ دراصل تم دماغی مریضہ ہو۔ تم خود نہیں سمجھتی ہو کہ تمہیں کب کسی سے محبت ہوتی ہے اور کب کسی سے نفرت ہو جاتی ہے؛ ابھی کل تک تم تصور میں مرجانہ کو مرد سمجھ کر اس سے دور بھاگ رہی تھیں۔ اب اس کی امی مصیبت میں گرفتار ہیں اور مرجانہ ان کی وجہ سے دشمنوں کے نرغے میں جا رہی ہے تو مرجانہ کی محبت جاگ اٹھی ہے۔ آخر تمہارے دماغ کی کوئی کل سیدھی بھی ہے کہ نہیں؟"

"میں سیدھی ہوں۔ تمہاری کھوپڑی الٹی ہے۔ آج میں تمہیں اپنا فیصلہ سنا دوں کہ میں مرجانہ سے شادی کروں گی۔"

"ایں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ "مرجانہ سے شادی کرو گی؟ کیا پھر کھوپڑی خراب ہو رہی ہے؟"

"کیا تم اسے مذاق سمجھ رہے ہو؟"

"اگر مذاق نہیں ہے تو بولو۔ کسی نکاح پڑھانے والے کو بلا دوں؟"

"ابھی نہیں۔ جب وہ بالکل تبدیل ہو جائے گی.... مرد بن جائے گی۔ تو میں اس کی پناہ میں چلی جاؤں گی۔ میں جانتی ہوں کہ وہ کتنی وفادار ہوگی؟ میرے سوا کسی کو نہیں چاہے گی کسی عورت کو لفٹ نہیں دے گی۔ صرف مجھ پر جان دے گی اور میرے ساتھ ساری زندگی گزار دے گی یا یوں کہو کہ وہ میرے ساتھ ساری عمر گزار دے گا۔"

"گویا آج سے میں مرجانہ کو اپنا ہونے والا رقیب سمجھ لوں؟"

"تم کچھ بھی سمجھتے رہو، میری بلا سے۔"

"یہ کہہ دینے سے بات ختم نہیں ہوگی۔ جب میں اُسے رقیب سمجھوں گا، تب میں اس کے اس طرح کام نہیں آؤں گا۔ جس طرح آنا چاہیے۔"

"تم مجھے دھمکی نہ دو۔ میں جانتی ہوں کہ تمہارا دل ایسا نہیں ہے۔ تم ان کے کام ضرور آؤ گے۔"

"ہاں۔ اس طرح ضرور کام آؤں گا۔ انہیں مصیبت سے نکالنے کی ضرور کوشش کروں گا لیکن تمہیں مرجانہ سے دُور رکھوں گا۔ اس کے قریب پہنچنے نہیں دوں گا۔"

وہ گھونسہ دکھا کر بولی "اے، بکواس مت کرو۔ اگر تم نے میرے دماغ میں پہنچ کر مجھے مرجانہ کے راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"میں تمہارے دماغ میں پہنچ کر تمہیں نہیں بھٹکاؤں گا۔ لیکن تمہیں اس سے دُور رکھنے کا ایک طریقہ میرے پاس ہے۔"

"وہ کیا طریقہ ہے؟"

"میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے یہ سمجھ گیا ہوں کہ جلال بیگ ان دنوں کس علاقے میں ہے اور مرجانہ وغیرہ کو کہاں پہنچایا جائے گا۔ میں اُنہی علاقے میں تمہیں پہنچا سکتا تھا۔ اسی لئے تمہیں یہاں تنہائی میں بلا کر لایا ہوں۔ ارادہ تھا کہ تمہیں اس جگہ کا نام بتاؤں لیکن اب تم نے میرے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجا دی ہے۔ مجھے میرے رقیب کا چہرہ دکھا دیا ہے۔ اسی لئے۔۔۔"

وہ میری سوچ کو کاٹتے ہوئے بولی "دیکھو فرہاد! تمہیں رسونتی کی قسم ہے۔ مجھے بتاؤ کہ مرجانہ اور آنٹی سائرہ کو کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ میں پہلے ہی وہاں پہنچنا چاہتی ہوں۔"

"سوری۔ میں نہیں بتا سکتا۔"

"تم مجھے کیوں پریشان کرتے رہتے ہو۔ اب تو رسونتی مل گئی ہے۔ اب تو میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم تو پیدا ہوتے ہی میرے نام لکھ دی گئی تھیں۔ موت تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ اگر ایک شرط میری مان لو، تو میں تمہیں اس علاقے تک پہنچا دوں۔"

وہ فوراً ہی تیار ہو گئی "ہاں! میں تمہاری ہر شرط ماننے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے بتاؤ، میں جلال بیگ کی بوٹی بوٹی کاٹ کر پھینک دوں گی۔"

"شرط یہ ہے کہ شادی میں نے رسونتی سے کی ہے لیکن ہنی مون تمہارے ساتھ منانا چاہتا ہوں اور وہ بھی لندن میں، بولو چلو گی؟"

وہ بھڑک کر بولی "بکواس مت کرو۔ کوئی دوسری شرط پیش کرو۔ میں تمہاری پرچھائیں کو بھی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ مرجانہ کے پیچھے جاؤ۔ وہ تو دشمنوں کے ساتھ چلی جائے گی۔ تم ادھر سے اُدھر بھٹکتی رہو گی۔ تمہارا سُپر ماسٹر اور اس کی تنظیم کے لوگ بھی تمہیں وہاں تک نہیں پہنچا سکیں گے۔ جہاں تک میری خیال خوانی پہنچا سکتی ہے۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ پھر مجبور ہو کر بولی "دیکھو مجھے پریشان نہ کرو۔ بس اتنا بتا دو کہ کس علاقے میں وہ کمینہ شیطان رہتا ہے؟"

"چلو، ایسا کرتے ہیں کہ جہاں وہ کمینہ شیطان ہوگا وہیں جا کر ہنی مون منائیں گے۔"

وہ دانت پیستے ہوئے بولی "فرہاد کے بچے! میں تمہیں کچا چبا جاؤں گی۔"

"میری جان! میرا گوشت بڑا سخت ہے۔ پیتا ڈالنے سے بھی نہیں گلے گا۔ غصے میں اپنا ہاضمہ خراب نہ کرو۔ کام کی بات کرو۔ بولو چل رہی ہو؟"

"ضرور تمہارے ساتھ چلوں گی اور دیکھوں گی کہ تم کس طرح ہنی مون مناتے ہو۔ میں تمہارا کباڑا کر کے رکھ دوں گی۔ ایسی بُری طرح پیش آؤں گی کہ میرے ساتھ کہیں آنا جانا بھول جاؤ گے۔ ٹھیک ہے، میں تیار ہوں۔ بولو، کہاں چلنا ہے؟"

"ہم شاید لندن جائیں گے۔"

وہ بولی "یہ شاید کا کیا مطلب ہوا؟"

"مطلب یہ کہ میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے جلال بیگ کے متعلق معلوم نہیں کیا ہے بلکہ سُپر ماسٹر نے معلوم کیا ہے کہ وہ آج کل انگلینڈ یا اسکاٹ لینڈ کے کسی حصے میں ہے۔ ابھی تھوڑی دیر بعد اس بات کی تصدیق ہو جائے گی کہ وہ کہاں ہے۔ پھر ہم وہیں جائیں گے۔"

وہ نفرت سے بولی "اونہہ! میں اور تمہارے ساتھ جاؤں! دھوکے باز، مکّار! ابھی تم مجھ سے کہہ رہے تھے کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے معلوم کیا ہے۔ سپر ماسٹر سے تو میں بھی معلوم کر سکتی تھی۔ تمہارا کون سا احسان ہوا کہ تم اپنی شرط منواؤ گے۔ جاؤ، بھاگ جاؤ یہاں سے۔ میں اکیلی انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کی طرف جاؤں گی۔"

"چلو اکیلی ہی جاؤ۔ مگر وہاں ہمارا سامنا ضرور ہوگا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم اپنے اصلی چہروں کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ کسی دوسرے روپ میں ملیں گے۔"

وہ میری باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ وہاں سے [illegible] ہوتے ماسٹر کرڈٹا مانگا کے کمرے میں پہنچا۔ وہ ٹیلی فون پر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ادب سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ٹیلی فون پر کسی سے کہا "آپ سے بعد میں باتیں ہوں گی۔ سوری میں ابھی مصروف ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر کہا "آئیے مادام تشریف لائیے۔ کوئی حکم ہو تو فرمایئے۔"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ سُپر ماسٹر کی طرف سے جلال بیگ کا کیا سراغ لگایا گیا ہے؟"

"کچھ دیر پہلے میں نے فرہاد صاحب کو بتایا تھا کہ اب جبکہ جلال بیگ کے آدمی سے دوسری بار رابطہ قائم کیا گیا اور انہیں بتایا گیا ہے کہ لیڈی سائرہ بانو اپنی بیٹی کے ساتھ واپس جانے والی ہیں۔ اس سے باتوں کے دوران ہمارے جاسوسی آلات نے سراغ لگایا ہے کہ جلال بیگ کا وہ آدمی انگلینڈ کے کسی حصے سے بول رہا ہے۔ اندازاً وہ لندن میں کہیں ہے۔"

سونیا نے کہا "میں آج ہی کسی فلائیٹ سے لندن جاؤں گی۔"

"سونیا! یہ بات کسی کو نہ بتائی جائے کہ تم لندن جاؤ گی اور جلال بیگ وہاں پایا جا سکتا ہے۔ یہ بات مرجانہ کو بھی نہیں معلوم ہونی چاہیے۔"

"تمہارے مشوروں کا شکریہ۔ اتنی عقل مجھ میں بھی ہے۔"

میں نے کرڈٹا مانگا سے پوچھا "کیا ڈیئر جمال کی روانگی کا انتظام ہو رہا ہے؟"

"جی ہاں۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ آج رات کی کسی فلائیٹ سے انہیں یہاں سے روانہ کر دیں۔ اگر کوئی مجبوری ہوئی تو صبح تک بھیج دیا جائے گا۔ لیکن اب تو مادام کے لئے سب سے پہلے کوشش کرنی ہے۔ اگر یہاں سے کوئی فلائیٹ نہ ملی تو ان کے لئے چارٹرڈ طیارہ یہاں سے بھیجا جائے گا۔ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ مادام اور ڈیئر جمال دونوں اس چارٹرڈ طیارے میں یہاں سے پیرس جائیں۔ وہاں یہ دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں۔ مادام ہماری تنظیم کی کسی پناہ گاہ میں چلی جائیں گی۔ پھر میک اپ کرنے کے بعد روپوش ہو جائیں گی اور وہاں سے لندن پہنچ جائیں گی۔"

"یہ اچھا آئیڈیا ہے۔ دشمن ہماری نگرانی کر رہے ہوں گے۔ سونیا اور ڈیئر جمال یہاں سے پیرس جائیں گے تو وہ ان کو اپنی نگاہوں میں رکھیں گے۔ ایسے وقت سونیا میک اپ کے ذریعے روپوش ہو کر لندن پہنچ سکتی ہے اور ان کی نگرانی سے محفوظ رہ سکتی ہے۔"

کرڈٹا مانگا نے پوچھا "فرہاد صاحب! کیا آپ بھی لندن جائیں گے۔ آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ آپ ان دونوں کہاں ہیں؟"

"میں بتا رہا ہوں۔ یہ اطلاع سُپر ماسٹر تک پہنچا دو تاکہ میرے لئے اس جگہ ہیلی کاپٹر کل صبح بھیجا جائے۔ آج رات میں اسی جگہ گزاروں گا جہاں میرا قیام ہے۔ سینٹرل افریقہ کے جنگلات میں ایک ایسا پہاڑی علاقہ ہے۔ جہاں سے جھرنا بہتا ہے۔ وہ آبشار بلندی سے گرتا ہوا ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا جب آگے بڑھتا ہے تو ایک یا دو میل کے فاصلے پر بہت سے گدھ نظر آتے ہیں۔ وہ سیکڑوں، ہزاروں کی تعداد میں دکھائی دیں گے وہیں ایک جھونپڑی ہے۔ جھونپڑی کے پیچھے ایک پانچ سو فٹ گہری کھائی ہے۔ اس کھائی کی پستی میں جو وسیع میدانی علاقہ ہے وہاں حبشیوں کی ایک بستی ہے۔ اس بستی میں، میں رہتا ہوں لیکن ہیلی کاپٹر اس بستی سے بہت دُور اترنا چاہیے۔ میں خود ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچوں گا۔ ہیلی کاپٹر سے کوئی بھی شخص اس بستی کے اندر داخل نہ ہو۔ میرا پیغام سپر ماسٹر تک پہنچا دیجیے۔"

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد سائرہ بانو کی روانگی شروع ہوئی انہیں شکنجوں والی کرسی سے آزاد کر دیا گیا۔ پھر انہیں سنبھال کر اٹھایا گیا اور ویگن کار کے پچھلے حصے میں لا کر حفاظت سے بٹھا دیا گیا۔ اسی حفاظت سے انہیں اس پرائیویٹ ہیلی پیڈ کی طرف لے جایا گیا۔ جہاں وہ ہیلی کاپٹر اب تک کھڑا ہوا تھا جس میں وہ ڈیئر جمال کے ساتھ بیٹھ کر دشمنوں کے پاس سے یہاں آئی تھیں اور آج اسی ہیلی کاپٹر میں واپس دشمنوں کے پاس جا رہی تھیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آتے وقت ڈیئر جمال ان کے ساتھ تھا۔ جاتے وقت مرجانہ ان کی ہم سفر بن رہی تھی۔

ڈیئر جمال بہت چُپ چُپ تھا۔ یہی حال سائرہ بانو کا بھی تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بچھڑنا نہیں چاہتے تھے مگر مجبور تھے۔ دوسری طرف سونیا اور مرجانہ بھی ان کی طرح خاموش تھیں۔ وہ ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں مگر ساتھ چھوٹ رہا تھا۔ سونیا مرجانہ کو اور ڈیئر جمال سائرہ بانو کو اپنی اپنی جگہ سمجھا رہے تھے کہ وہ فکر نہ کریں۔ وہ دونوں ان کے پیچھے ضرور پہنچیں گے۔

بہرحال وہ ماں بیٹی ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہیلی کاپٹر زمین سے بلند ہو کر پرواز کرتا ہوا ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ماں بیٹی ان کی نظروں سے گم ہو گئیں۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کہاں جائیں گی۔ کس حال میں رہیں گی؟ ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا۔ کوئی انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ صرف میں ان کی خبر لے سکتا تھا۔ اس وقت تک جب تک کہ مجھے ان کے ذریعے ان تمام مقامات کا علم ہوتا رہتا کہ

وہ اس وقت کہاں ہیں اور کہاں سے گزر رہی ہیں۔ میں جانتا تھا کہ آگے چل کر ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی جائے گی یا انہیں کسی دوا وغیرہ کے ذریعے گہری نیند سلا دیا جائے گا تاکہ میں ان کے ذریعے ان کے کسی مخصوص اڈے تک نہ پہنچ سکوں۔

ان کا سفر جاری تھا۔ میں کبھی کبھی دونوں ماں بیٹی کے دماغ میں پہنچ کر انہیں یقین دلاتا رہتا تھا کہ میں ان کے ساتھ سفر کر رہا ہوں۔ رات کے آٹھ بجے کھانے کا وقت ہوا تو میں، رسونتی اور غلام ایک بڑے سے دستر خوان کے اطراف بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ میں نے انہیں بتایا کہ کل صبح میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ یہ سنتے ہی رسونتی ایک دم سے چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ میں نے کہا "ارے۔ یہ کیا بات ہے مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ کھانے سے پہلے میں نے یہ خبر سنادی چلو کھانا کھالو، اس کے بعد باقی باتیں ہوں گی۔"

"نہیں، میرا جی نہیں چاہتا۔ مجھ سے کھایا نہیں جائے گا۔"

میں نے پہلے تو اسے بہت سمجھایا۔ جب وہ کھانے پر راضی نہ ہوئی تو مجبوراً ٹیلی پیتھی کی پلیٹ میں کھانا رکھ کر اسے خیال خوانی کے ذریعے لقمے کھلانے پڑے۔

جب میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ تب وہ ذرا ناراض ہو کر بولی "تم بڑے خراب ہو۔ زبردستی مجھے پیٹ بھر کر کھانے پر مجبور کر دیا۔ حالانکہ ایسے وقت کوئی عورت کھانا پینا اور سونا پسند نہیں کرتی۔"

میں نے اپنا کھانا شروع کرتے ہوئے کہا "رسونتی! یہ تو تمہارا ہی فیصلہ ہے کہ ہم بچھڑ جائیں گے ورنہ میں تمہیں بھی اپنے ساتھ لے چلتا۔"

"یہی تو مجبوری ہے کہ میں ساتھ نہیں جا سکتی۔ دیکھ لو کہ دشمنوں نے سائرہ بانو کے سینے سے بم باندھ کر کیسی اذیت ناک سزا دی ہے۔ انہیں ذہنی مریض بنا کر رکھ دیا ہوگا۔ وہ ہر لمحہ موت کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ بھگوان نہ کرے اگر دشمنوں نے میرے بچے کے ساتھ ایسا کیا تو میرا تو دم ہی نکل جائے گا۔ میں کبھی برداشت نہیں کر سکوں گی۔ فرہاد تم میرے بچے کے لئے ایک شفیق باپ یقیناً بن سکتے ہو، میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ہم ماں بیٹے تم سے آخری سانس تک محبت کرتے رہیں گے۔ لیکن تمہارے سائے سے بھاگتے رہیں گے۔"

رسونتی نے کیسی بات کہہ دی تھی۔ واقعی میں ایک ایسا انسان ہوں جس سے اپنے اور پرائے محبت بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔ میری پناہ میں آتے بھی ہیں اور میرے سائے سے دور بھی بھاگتے ہیں۔ رسونتی جیسے ماں بننے کے جذبات کو اپنے اندر شدت سے محسوس کرنے لگی تھی اس وقت سے وہ ایسی ہی باتیں سوچ رہی تھی اور بڑی ہی سچی اور کھری باتیں سوچ رہی تھی۔ میری قربت اس کے لئے اور ہونے والے بچے کے لئے بڑی مہنگی پڑتی۔

کھانے کے بعد غلام ہمیں ہماری جھونپڑی تک چھوڑنے کے لئے آیا۔ میں نے اس سے کہا "میرے لئے جو ہیلی کاپٹر کل صبح آنے والا ہے وہ بستی سے بہت دور اترے گا۔ میں نے ان لوگوں سے کہہ دیا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی بستی کی طرف نہ آئے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ آنے والے رسونتی کو یہاں دیکھیں۔ میں ہر جگہ، ہر شخص سے، اپنے اور پرائے لوگوں سے یہی کہوں گا کہ رسونتی جنگل میں مجھ سے بچھڑ گئی تھی اور اب تک وہ مجھے نہیں مل سکی ہے۔"

"آقا! مجھے آپ کی خدمت کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ آپ کل ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مالکہ رسونتی کو یہاں کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ یہ بہت اچھی طرح زندگی گزاریں گی اور آپ کا بچہ بہت عمدہ طریقے سے پرورش پائے گا۔ آپ خیال خوانی کے ذریعے معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ ہم نے آپ کے بچے کے لئے بہت کچھ سوچ رکھا ہے۔"

اس سے باتیں کرنے کے بعد میں رسونتی کے ساتھ جھونپڑی کے اندر آ گیا۔ پھر میں نے اس سے کہا "دیکھو جان! میں اس وقت کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر بھاگتا پھر رہا ہوں۔ تم تو جانتی ہو کہ سائرہ بانو اس وقت دشمنوں کے چنگل میں ہیں۔ پتہ نہیں وہ انہیں کہاں لے جائیں گے۔ اس لئے کبھی کبھی میں تمہارے پاس سے دماغی طور پر غیر حاضر رہوں گا۔ تم بُرا نہ ماننا، میں وہاں سے ان کی خیر لے کر پھر تمہارے پاس آجایا کروں گا۔"

میں بستر پر بیٹھ کر تھوڑی دیر تک رسونتی کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ پھر سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ہیلی کاپٹر میں نہیں تھیں۔ اب ان کے سفر کا طریقہ بدل گیا تھا۔ انہیں کہیں اتارنے کے بعد ایک طیارے میں سوار کرایا گیا تھا۔ مرجانہ کی سوچ نے بتایا کہ وہ جہاں ہے وہ ایک ویران سا علاقہ ہے۔ ایک پکی چوڑی سی سڑک ہے۔ جس پر وہ طیارہ کھڑا ہوا ہے۔ اسی سے رن وے کا کام لیا جا رہا ہے۔ یقیناً وہ چارٹرڈ طیارہ ہوگا۔ ان ماں بیٹی کو اس پر سوار کرا دیا گیا تھا۔ سائرہ بانو کو دو مسلح افراد نے بڑی حفاظت سے ایک سیٹ پر بٹھا دیا۔ ایسی سیٹ پر جس کی پشت نہیں تھی ان کے آگے پیچھے دو اور مسلح افراد بیٹھ گئے تھے تاکہ انہیں پرواز کے دوران سفر کے اختتام تک آگے پیچھے سے، دائیں بائیں سے

سنبھالے رکھیں۔ مرجانہ سے ایک شخص نے کہا "مس مرجانہ! میں آپ سے باتیں کرتے ہوئے اپنے آپ کو گویا کہ فرہاد علی تیمور کے حوالے کر رہا ہوں۔"

پھر اس نے طیارے کی چھت کی طرف دیکھتے ہوئے شاید تصور میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا "فرہاد صاحب! ابھی تک آپ میرے دماغ میں موجود رہیں لیکن آپ اپنے مطلب کی معلومات حاصل نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ میں خود ایک انجان آدمی ہوں، ایک کرائے کا ٹٹو ہوں۔ مجھے جو تحریری ہدایات ملیں گی۔ اسی کے مطابق میں ان ماں بیٹی سے گفتگو کروں گا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ طیارہ کہاں جائے گا اور اسے کہاں پہنچایا جائے گا۔"

پھر اس نے مرجانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "آپ ایک نادان اور ناتجربہ کار لڑکی ہیں۔ سنا ہے کہ بہت اچھا لڑتی ہیں۔ آپ کا یہ شوق آپ کو یہاں کسی حماقت کے لئے مجبور کر سکتا ہے۔ آپ کی کسی حرکت سے آپ کی والدہ کی جان بھی جا سکتی ہے اور ہمیں بھی نقصان پہنچ سکتا ہے لہٰذا مجھے حکم دیا گیا تھا کہ طیارے میں سوار ہونے کے بعد آپ کے دونوں ہاتھوں کو پشت پر باندھ دیا جائے۔ اور سیفٹی بیلٹ کے ذریعے آپ سیٹ سے بندھی رہیں۔"

مرجانہ نے پوچھا "کیا تم لوگ مجھے ابھی سے باندھ کر بے دست و پا بنا دینا چاہتے ہو؟"

اس شخص نے ہنستے ہوئے کہا "آپ تو یوں بھی بے دست و پا ہیں۔ دیکھ لیجئے، آپ کی والدہ کس حال میں ہیں؟ آپ کی پوری ٹیم فرہاد کے ساتھ بالکل ناکارہ ہو گئی ہے۔ بحث کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آپ اپنے دونوں ہاتھ پشت کی طرف لے جائیں۔"

میں نے مرجانہ سے کہا "ٹھیک ہے خواہ مخواہ بحث ٹھیک نہیں۔ تم اپنے ہاتھ بندھوا لو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ گھبراؤ نہیں۔ اگر کوئی ایسا موقع آیا تو میں اسی شخص کے دماغ پر قابض ہو کر اس کے اندر سما جاؤں گا اور تمہارے پاس ہی جسمانی اور دماغی طور پر موجود رہوں گا۔"

وہ راضی ہو گئی۔ پشت پر لے جا کر اپنے ہاتھ بندھوا لئے سائرہ بانو اسے بےبسی سے دیکھ رہی تھیں۔ میں نے کہا "امی! آپ پریشان نہ ہوں۔ مرجانہ کو باندھ دینے سے کیا ہوتا ہے۔ میں تو آزاد ہوں اور آپ ہی کے پاس ہوں۔"

میں انہیں تسلیاں دینے لگا۔ جب جہاز پرواز کرنے لگا تو میں ان دونوں سے تھوڑی دیر کے لئے رخصت ہو کر ماسٹر کرڈنا مانگا کے پاس پہنچا۔ اب وہ اپنی خواب گاہ میں آرام سے بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا۔ اس نے اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کر دی تھیں۔ سونیا اور ڈیڑھ جمال کو بھی ایک طیارے میں پیرس کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ اس لئے اطمینان سے بیٹھ کر پی رہا تھا۔ میں نے کہا "ہیلو ماسٹر! کیا ہو رہا ہے؟"

وہ اپنے دماغ میں میرے لب و لہجے کو محسوس کرتے ہوئے ایک دم سے چونک گیا۔ اس کے گلاس سے شراب چھلک گئی۔ اس نے جلدی سے گلاس کو میز پر رکھتے ہوئے اٹھ کر کہا "یس سر! میں حاضر ہوں۔ فرمائیے پھر کوئی کام پڑ گیا۔"

"نہیں! ایسا کوئی ضروری کام نہیں ہے کہ تمہیں فوراً یہاں سے اٹھنا پڑے ویسے میں ایک ذمہ داری سونپ رہا ہوں تم اسے صبح سے پہلے کر سکتے ہو۔"

"آپ حکم دیجئے۔ میں اسی وقت وہ کام کروں گا۔"

"ماسٹر تم ابھی تو شراب پی رہے ہو کوئی ماسٹر ایسا ہوگا جو کلب میں جوا کھیل رہا ہوگا۔ کوئی ایسا ماسٹر ہوگا جو کسی عورت کے ساتھ منہ کالا کر رہا ہوگا۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ کوئی نہ کوئی برائی لگی رہتی ہے۔

اب تم یہ سوچو کہ کیا جلال بیگ کسی برائی کا شکار نہیں ہوگا؟ اسے بھی کوئی لت ضرور ہوگی۔ اگر ایسی بات ہو تو ہم لندن کے علاقے میں ایسے لوگوں کو خاص طور پر مارک کریں جو کسی نہ کسی عادت کا شکار ہوں اور بڑے بڑے کلبوں میں جا کر یا تو شراب زیادہ پیتے ہوں یا عورتوں سے دلچسپی لیتے ہوں یا جوا کھیلتے ہوں۔ اگر جلال بیگ ان تین برائیوں میں سے کسی ایک کا بھی شکار ہوگا تو یقیناً لندن کے کسی نہ کسی کلب میں، قمار خانے میں یا بار میں ضرور ملے گا۔"

"آپ درست کہتے ہیں۔ جلال بیگ بھی ضرور کسی عادت کا شکار ہوگا۔"

میں نے کہا "یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ برائی کا شکار ہو شوق کا مارا بھی ہو سکتا ہے مثلاً اسے گولف کھیلنے کا شوق ہوگا یا گھوڑ سواری کی عادت ہوگی یا پھر وہ تیراکی پسند کرتا ہوگا۔ ایسی جگہوں میں بھی مثلاً گولف کلب، سوئمنگ پول وغیرہ کا بھی ہمیں احاطہ کرنا ہوگا۔ لندن میں تنظیم کا جو ماسٹر ہے اور جتنے افراد ہیں ان سے کہا جائے کہ کل صبح شراب خانوں، قمار خانوں، کلبوں، گولف کلب، ریس کورس اور سوئمنگ پول وغیرہ جیسی جگہوں میں پھیل جائیں۔ وہاں زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں۔ میں ان کے ذریعے ہر اس آدمی تک پہنچوں گا جن سے وہ ملیں گے۔ اور باتیں کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جلال بیگ سے ٹکرا ہی جائیں۔"

ماسٹر نے کہا "لندن جیسے بڑے شہر میں تنظیم کے افراد کم از کم تین سو کی تعداد میں ہوں گے۔ کیا آپ ان تمام لوگوں سے ملیں گے

ان تمام لوگوں کے دماغوں میں جھانک کران سے ملاقات کرنے والوں کے دماغوں میں جھانکیں گے۔ آپ تین سو افراد کے لب ولہجے کو کیسے یاد رکھیں گے ؟"

"ماسٹر! اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تنظیم کا ماسٹر اپنے لندن کے تمام ماتحتوں کو باری باری بلاکر ان کی آواز کیسٹ میں ریکارڈ کرے گا۔ بہت زیادہ باتیں ریکارڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تنظیم کا ہر فرد اپنا نام بتلائے گا۔ اور وہ جگہ بتائے گا جہاں وہ ڈیوٹی پر ہوگا۔ اس کے بعد پھر دوسرے فرد کی آواز اسی طرح نام اور پتے کے ساتھ ریکارڈ کی جائے گی۔ لندن میں تنظیم کے افراد تین سو ہوں یا تین ہزار ان سب کی آوازوں کے کیسٹ تیار کئے جائیں۔ مجھے جب بھی کسی سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ میں کیسٹ میں ان کا نام سنوں گا۔ ان کی آواز سنوں گا۔ پھر اُن کے پاس پہنچ کران کی مصروفیات کا جائزہ لوں گا اور ان کے ذریعے ان کے ملنے والوں تک پہنچوں گا۔ لندن کے ماسٹر سے کہہ دیجئے کہ وہ میرے وہاں پہنچنے تک ان کیسٹوں کا کام مکمل کرکے رکھے۔ مجھے ان کی بہت سخت ضرورت پڑے گی۔"

میری خیال خوانی کی پرواز جاری رہی۔ میں ماسٹر کے پاس سے پرواز کرتا ہوا دونوں ماں بیٹی کے پاس پہنچا۔ وہاں ان کے پاس تھوڑا سا وقت گزارا۔ اس کے بعد پھر رسونتی کے پاس حاضر ہوگیا۔ اس کے ساتھ میں رات کے تین بجے تک دماغی طور پر حاضر رہا۔ کیونکہ تین بجے تک ماں بیٹی کا سفر جاری تھا بہرحال تین بجے کے بعد جو شخص طیارے میں مجھے اپنی آواز سنا چکا تھا وہ مرجانہ کے پاس پہنچ کر بولا "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جب سفر ختم ہونے والا ہو تو تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے لہٰذا میں حکم کی تعمیل کررہا ہوں تم چپ چاپ اپنی آنکھوں پر پٹی بندھوالو۔"

مرجانہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھا تو اُدھر سائرہ بانو کی آنکھوں پر بھی پٹی باندھی جارہی تھی۔ میں نے رسونتی کے پاس پہنچ کر کہا "میری جان! اب تم سو جاؤ۔ وہاں سائرہ بانو کا سفر ختم ہونے والا ہے مجھے اب ان کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ ذرا دیر کی غفلت بھی بڑی مہنگی پڑے گی۔"

وہ میرے چہرے پر اپنی ہتھیلی پھیرتے ہوئے کبھی انگلیوں سے میرے چہرے کو سہلاتے ہوئے بولی: "کیسے سو جاؤں؟ کیا مجھے نیند آئے گی؟ کل تم بچھڑنے والے ہو۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔ میں کسی طرح سو نہیں سکوں گی تم خیال خوانی کرو۔ میں تمہارے پاس موجود رہوں گی۔ شاید تمہیں ذرا دیر کی فرصت ہو تو پھر تم میرے پاس دماغی طور پر حاضر ہو جاؤ، مجھے تو تمہاری ذرا ذرا سی توجہ بھی بہت اہم لگ رہی ہے چند سیکنڈ کے لئے بھی آجاؤ گے تو میرے لئے بہت ہوگا۔"

میں اسے پیار سے سمیٹ کر پرواز کرتا ہوا سائرہ بانو کے پاس پہنچا۔ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی چونکہ وہ دیکھ نہیں سکتی تھیں۔ اس لئے میں بھی یہ نہ دیکھ سکا کہ طیارے میں کون کون لوگ ہیں اور کیا ہو رہا ہے۔ ویسے اتنی دیر میں طیارہ کہیں اتر چکا تھا۔ میں مرجانہ کے دماغ میں بھی پہنچتا تو مجھے وہی تاریکی دکھائی دیتی اور جہاز کا منظر بھی نگاہوں کے سامنے نہ آتا۔ لہٰذا میں اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا جس کی آواز مجھے مل چکی تھی۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ سائرہ بانو کو سنبھال کر اس جہاز سے اتارا جارہا ہے۔ ان کے بعد مرجانہ کو دو آدمیوں نے دونوں طرف سے تھام لیا ہے۔ پھر اسے اپنے ساتھ لے کر جہاز سے اترنے لگے۔ جہاز کے باہر کا منظر کیا تھا۔ یہ میں نہ دیکھ سکا کیونکہ میں جس شخص کے دماغ میں تھا۔ وہ طیارے کے اندر ہی ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔

میں انتظار کرنے لگا کہ شاید دونوں ماں بیٹی کے بعد وہ شخص بھی طیارے سے باہر آئے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک مسلح شخص نے اپنے ریوالور کی نال اس کے سینے پر رکھ دی۔ وہ بوکھلا کر بولا "یہ کیا حرکت ہے؟"

اس کے جواب میں دو مسلح افراد نے دونوں طرف سے آکر اس کے بازوؤں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ احتجاج کررہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا ایک اور شخص اپنے ہاتھوں میں ٹوپی سی سرنج پکڑے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے پوچھا "یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا کررہے ہو؟ یہ سرنج کیسی ہے؟"

کسی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ سب کو گونگے بہرے بنے رہنے کا حکم تھا۔ پھر وہ شخص جدّوجہد کرنے لگا اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن وہ چار مسلح افراد تھے۔ پانچواں شخص اس کے قریب پہنچ گیا تھا دوسرے ہی لمحے میں نے اس شخص کی کراہ سنی۔ سرنج کی سوئی اس کے بازو میں کھُب گئی تھی۔ اس کے بعد اس شخص کا دماغ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

ادھر بھی تاریکی تھی۔ اُدھر بھی تاریکی تھی۔ دونوں ماں بیٹیوں کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ دیکھ نہیں سکتی تھیں۔ کچھ لوگوں کے نرغے میں ان کے سہارے چل رہی تھیں۔ پھر ایک جگہ انہیں روک دیا گیا۔ مرجانہ نے پوچھا "امّی! آپ میرے پاس موجود ہیں؟"

"ہاں بیٹی! میں تمہاری آواز سن رہی ہوں۔"

پھر مرجانہ نے محسوس کیا کہ اسے کسی گاڑی میں سوار کرایا جارہا ہے۔ دوسری طرف میں نے سائرہ بانو کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو انہیں بھی سنبھال کر گاڑی میں سوار کرایا جارہا تھا۔ ایک ہی وقت میں دونوں ماں بیٹی ایک ہی گاڑی میں سوار نہیں ہوسکتی تھیں۔ مجھے کچھ شبہ ہوا تو میں نے مرجانہ سے کہا "اپنی امّی سے پوچھو، کیا وہ تمہارے ساتھ گاڑی میں سوار ہو چکی ہیں؟"

مرجانہ نے یہی سوال اپنی ماں سے کیا لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے سائرہ بانو سے کہا "آپ مرجانہ کو آواز دیں۔"

انہوں نے آواز دی "بیٹی! تم کہاں ہو؟ میرے پاس موجود ہو؟"

جواب میں مرجانہ کی آواز سنائی نہیں دی۔ یہ ثابت ہوگیا کہ دونوں ماں بیٹی کو الگ الگ گاڑی میں سوار کرایا گیا ہے۔ تب سائرہ بانو چیخنے لگیں "میری بیٹی کہاں ہے؟ میری بیٹی کو میرے پاس لاؤ۔"

دوسری طرف مرجانہ جدّوجہد کررہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ آنکھوں پر پٹی تھی۔ پھر یہ کہ چار مسلح افراد اسے پکڑے ہوئے تھے اور زیادہ جدوجہد کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ میں نے کہا "مرجانہ! ذرا خاموشی سے بیٹھی رہو۔ اس طرح کوشش کروگی تو بات نہیں بنے گی۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "تمہارے کہنے سے میں نے اپنے ہاتھ بندھوا لئے۔ تمہارے کہنے سے میں نے آنکھوں پر پٹی بندھوا لی۔ اب تم کہہ رہے ہو کہ خاموش بیٹھی رہوں۔ پتہ نہیں، وہ لوگ میری امّی کو کہاں لے گئے ہیں؟"

"تم یہ کیوں بھولتی ہو کہ میں تمہاری امّی کے ساتھ رہوں گا۔ تم خاموش بیٹھی رہو۔ میں جارہا ہوں۔ اگر تم جدوجہد کروگی تو یہ لوگ تمہیں مار نہ ڈالیں ـــــ اسی لئے میں تمہیں ذرا صبر و تحمل سے کام لینے کا مشورہ دے رہا ہوں۔"

وہ بولی "اچھی بات ہے۔ میں خاموش رہوں گی۔ تم امّی کے پاس جاؤ۔"

میں نے دونوں ماں بیٹی کو باری باری سمجھایا کہ وہ بالکل خاموش رہ کر آس پاس کی آوازوں کو سننے کی کوشش کریں۔ خواہ گاڑی کے چلنے کی آواز ہو یا کسی ریڈیو سے موسیقی یا کوئی تقریر نشر ہو رہی ہو یا گاڑی کے پاس سے گزرنے والا کوئی راہگیر ہی کسی سے کچھ بولتا ہو۔ جیسی بھی آواز ہوگی اس کے ذریعے میں ان آواز والوں تک پہنچ جاؤں گا۔ پھر معلوم کروں گا کہ وہ کہاں پہنچائی گئی ہیں۔

میرے اندر بے چینی سی تھی کہ کسی طرح دونوں ماں بیٹی کا یہ سفر ختم ہو۔ وہ کسی منزل پر پہنچیں تو معلوم ہو کہ دشمن اب کیا کرنے والے ہیں۔ مگر وہ سفر تھا کہ ختم نہیں ہو رہا تھا۔ راستے میں دونوں ماں بیٹی کو کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دی۔ شاید وہاں بھی رات گہری ہوگی۔ ایک عالم سو رہا ہوگا۔ کوئی اِدھر اُدھر سے راستے سے گزرنے والا اور بولنے والا نہیں ہوگا۔

اچانک میں نے محسوس کیا کہ میرے پاؤں کے تلوے بھیگ رہے ہیں۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو رسونتی میرے قدموں کے پاس لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا سر میرے پیروں پر تھا اور میرے پاؤں اس کے آنسوؤں سے بھیگ رہے تھے۔ میں نے فوراً ہی اٹھ کر پوچھا "میری جان! یہ کیا، تم رو رہی ہو؟"

وہ اپنے گلابی ہونٹوں کو میرے پاؤں پر رکھ کر رونے لگی اپنے آنسوؤں کو میرے پاؤں پر بہانے لگی، پھر کہنے لگی "میں تم سے کیسے الگ رہوں گی۔ اپنی شرم، اپنی عزّت، اپنی غیرت پن کا غرور سب کچھ تمہارے حوالے کرکے میں بالکل خالی ہوگئی ہوں۔ تم نے میری گود میں ایک بچہ ڈال دیا ہے۔ اب اس بچے سے میں یقیناً بہلتی رہوں گی۔ مگر وہ تمہارا بدل تو نہیں ہوسکتا۔ میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گی؟"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے اسے قدموں سے اٹھا کر اپنے سینے پر سجا لیا۔ اس کے آنسو پونچھنے لگا۔ بڑے پیار سے اسے تسلّیاں دینے لگا۔ میری مجبوری یہ تھی کہ میں پوری توجہ سے اس کے پاس حاضر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے آنسو مجھے پگھلا رہے تھے میں جانتا تھا کہ کل وہ مجھ سے بچھڑنے والی ہے ایک نامعلوم مدّت کے لئے وہ مجھ سے اتنی دور ہو جائے گی کہ شاید تقدیر ہی ہمیں پھر سے ملا سکے۔ ایسی جدائی کی گھڑی آنے والی تھی اور میں اس کے پاس ہو کر بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ اسے تسلّیاں دینے کے دوران کبھی کبھی پلک جھپکتے ہی سائرہ بانو کے پاس پہنچ جاتا تھا۔

آخر ایک جگہ ان کا سفر ختم ہوگیا۔ جب میں رسونتی سے رخصت ہو کر سائرہ بانو کے پاس پہنچا تو وہ ایک آرام دہ کشن پر بیٹھی ہوئی تھیں پاؤں کے نیچے ملائم قالین محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی کمرے میں پہنچادی گئی تھیں۔ دوسری طرف میں نے مرجانہ کو دیکھا تو وہ بھی ایسے ہی ایک کمرے میں پہنچ گئی تھی۔ اسے صوفے پر بٹھا دیا گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ "ابھی تمہاری امّی کے پاس سے آرہا ہوں۔ وہ بالکل خیریت سے ہیں۔ تم بھی اطمینان رکھو۔ انشاء اللہ تھوڑی دیر بعد ہمیں پتہ چل جائے گا کہ تم ماں بیٹی اس وقت کہاں ہو؟"

مرجانہ کے ہاتھ اسی طرح پشت کی طرف بندھے ہوئے تھے اس نے اپنے سر کو اِدھر اُدھر گھما کر پوچھا "میری آنکھوں پر

کب تک پٹی بندھی رہے گی؟"

اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے کہا "اگر جواب نہیں دیتے تو مجھے کسی طرح سمجھاؤ کہ کب تک میں اندھی بنی رہوں گی؟"

اسے پھر کوئی جواب نہیں ملا۔ تب اس نے کہا "فرہاد! کیا تم موجود ہو؟"

"ہاں! میں موجود ہوں چونکہ تمہاری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے، اس لئے میری خیال خوانی کی آنکھوں پر بھی پٹی بندھی ہے۔ میں سمجھ نہیں سکتا کہ تمہارے آس پاس جو لوگ موجود ہیں وہ گونگے بنے ہوئے ہیں یا سرے سے وہاں کوئی ہے ہی نہیں۔ تمہیں چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر جا سکتے ہیں۔"

"اچھا ٹھہرو، میں آزماتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کو سیدھا کیا۔ خود کبڑی ہو کر جھک گئی۔ پھر ہاتھوں کو اپنے بدن کے پچھلے حصے سے گزارتے ہوئے اپنے پیروں کے پاس لائی۔ اگر کوئی اس کے آس پاس ہوتا تو اسے ایسا کرنے سے روک دیتا۔ وہ بغیر کسی روک ٹوک کے دونوں ہاتھوں کو پاؤں کے نیچے سے گزار کر اپنے سامنے لے آئی۔ پھر ان ہاتھوں کو سر کے اوپر سے گردن کے پاس لے جا کر وہ پٹی کھول دی۔ اب اس کی آنکھوں کے سامنے کمرہ روشن تھا۔ تاریکی چھٹ گئی تھی۔ کمرہ خالی تھا مگر خطرے سے خالی نہیں تھا۔ فرش پر پانچ چھ سانپ رینگ رہے تھے۔ وہ اچھل کر صوفے پر چڑھ گئی۔ غصے سے چیخ کر بولی "بزدلو! سانپوں سے کیا ڈراتے ہو۔ مرد ہو تو سامنے آ کر مقابلہ کرو۔ میں ایک ایک کا سر توڑ کر رکھ دوں گی۔"

میں نے کہا "مرجانہ! تم میں اور سونیا میں یہی فرق ہے سونیا ایسے وقت نہ تو غصے میں آتی نہ دشمنوں کو چیلنج کرتی۔ پہلے وہ اپنی فکر کرتی۔ لہٰذا تم بھی یہی سیکھو۔ اپنی فکر کرو اور اپنے ہاتھوں کو آزاد کرنے کی کوشش کرو۔"

وہ ہاتھوں کی رسی کاٹنے کے لئے پورے کمرے کا سرسری طور پر جائزہ لینے لگی۔ اس کی آنکھیں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں اور میں اس کے دماغ سے سمجھ رہا تھا۔ وہاں صوفوں کے درمیان ایک بڑی سی میز پر شراب کی بوتل اور دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے مرجانہ کو وہاں پہنچانے سے پہلے دو آدمی وہاں بیٹھ کر شراب سے شغل کرتے رہے ہوں۔ مرجانہ یک بیک صوفے پر سے چھلانگ لگا کر سینٹر ٹیبل پر اس طرح پہنچی کہ دونوں پاؤں میز پر آ کر جم گئے۔ اگر وہ ڈگمگاتی یا لڑھکتی تو نیچے فرش پر سانپوں کے درمیان پہنچ جاتی۔

وہاں پہنچ کر اس نے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے کے نچلے حصے میں دو سوراخ تھے۔ ان سوراخوں سے کچھ اور سانپ رینگتے ہوئے کمرے کے اندر پہنچ رہے تھے۔

مرجانہ نے شراب کے ایک خالی گلاس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اسے میز پر زور سے مارا۔ گلاس ٹوٹ گیا۔ اس کا باقی آدھا بچا ہوا حصہ مرجانہ کے ہاتھوں میں رہ گیا۔ مرجانہ نے اس حصے کو دونوں پاؤں سے دبایا۔ پھر اپنی کلائی پر بندھی ہوئی رسی کو اس کے ٹوٹے ہوئے حصے سے کاٹنے لگی۔

اس کے اس عمل کے دوران میں سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا اب ان کی آنکھوں سے بھی پٹی کھول دی گئی تھی۔ وہ ایک کشن پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ دو مسلح جوان ان کی آنکھوں سے پٹی کھولنے کے بعد اس کمرے سے جا رہے تھے۔ میں نے کہا "امّی! آپ اطمینان سے بیٹھی رہیں۔ میں مرجانہ کے پاس جا رہا ہوں۔"

اگر سائرہ بانو کو ذرا بھی اس بات کی بھنک مل جاتی کہ مرجانہ جس کمرے میں قید ہے وہاں سانپوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے تو وہ سینے پر بندھی ہوئی موت کو فراموش کر کے بیٹی کے لئے چھاتی پیٹنا شروع کر دیتیں۔

مرجانہ رسیوں سے آزاد ہو چکی تھی جو سانپ ننگے فرش پر رینگ رہے تھے۔ اب وہ سینٹر ٹیبل کے پاس آ کر اس کے پائے سے لپٹ رہے تھے۔ وہ مرجانہ کے پاس پہنچنا چاہتے تھے۔ ایک سانپ پھن اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا۔ مرجانہ میز پر کھڑی ہو گئی۔ پھر چاروں طرف دیکھتے ہوئے تیزی سے سوچنے لگی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس کی آنکھیں کمرے کی ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھیں اور دماغ مجھے سمجھا رہا تھا کہ وہاں کیا موجود ہے اور اس کمرے کے کس سامان سے مرجانہ کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اس کی نظریں ایک دیوار پر ٹھہر گئیں۔ وہاں ایک روم ہیٹر لگا ہوا تھا اور اس کا سوئچ بورڈ قریب ہی دیوار پر تھا۔ میری سمجھ میں فوراً آ گیا کہ مرجانہ کو اب کیا کرنا چاہیے؟ میں نے اسے سانپوں کو بھگانے کی تدبیر بتائی۔ وہ فرش پر رینگنے والے سانپوں کو گننے لگی۔ اب ان کی تعداد بارہ تھی۔ اس نے شراب کی بوتل کو اچھی طرح بند کر کے اپنے ایک ہاتھ میں پکڑا۔ جس میز پر کھڑی ہوئی تھی وہاں سے اس ہیٹر تک کے فاصلے کا اندازہ کیا۔ پھر وہاں تک ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ سانپ اُدھر نہیں تھے۔ وہ ہیٹر کے قریب پہنچ گئی۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے پلگ کو سوئچ بورڈ پر لگایا اور بٹن آن کر کے پورا گھما دیا۔ ہیٹر کے تاروں سے سرخ آگ جھلکنے لگی۔

اس کے قریب ہی ایک کھڑکی تھی۔ وہ کھڑکی کے پردے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر پوری قوت سے کھینچنے لگی۔ اسے پھاڑنے لگی۔ پردہ پھٹتا چلا گیا۔ پھر اس کے ہاتھوں میں آ گیا۔ اس نے [illegible]ے کے ایک سرے کو سمیٹ کر اس پر تھوڑی سی شراب [illegible]لی۔ بوتل کو ایک طرف پھینکا۔ پھر جس حصے کو شراب میں ڈبویا [illegible]اسے ہیٹر کی طرف بڑھا دیا۔ پلک جھپکتے ہی پردے کے اس [illegible]ے نے آگ پکڑ لی۔ شعلے بھڑکنے لگے۔

وہ اس شعلے کو لہراتے ہوئے سانپوں کی طرف لے گئی۔ [illegible]پ بل کھاتے ہوئے اِدھر سے اُدھر ننگے فرش پر رینگنے [illegible]نے دُور بھاگنے لگے۔ وہاں سے دروازے تک کا راستہ صاف [illegible]ہوتا چلا گیا۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے دروازے کے ان سوراخوں تک [illegible]گئی جہاں سے سانپ داخل ہو کر کمرے کے اندر آ رہے تھے۔

اس وقت بھی ایک سانپ ایک سوراخ سے داخل ہو [illegible]تا لیکن قریب ہی شعلوں کو بھڑکتے دیکھ کر واپس چلا گیا۔ مرجانہ [illegible] جلتے ہوئے پردے کو وہیں چھوڑ کر دروازے کے پردے کو کھینچ [illegible] پھاڑنا شروع کر دیا۔ وہ پھر دوڑتی ہوئی گئی اور شراب کی [illegible]ل کو اٹھا کر اس پردے پر چھڑک دیا جس پردے کو وہ جلتا ہوا [illegible]ہوڑ کر آئی تھی۔ اس کے شعلے اب دروازے سے لپٹ رہے تھے [illegible]اسے نیچے سے اوپر تک جلاتے جا رہے تھے۔

کمرے میں جو آگ بھڑک رہی تھی وہ اب باہر سے دیکھی [illegible]سکتی تھی۔ باہر والے یقیناً بے اختیار چیخ سکتے تھے۔ لیکن یہ بڑے [illegible]ب کی بات تھی کہ باہر سے کسی کی چیخ سنائی نہیں دی۔ دوڑتے [illegible]ئے قدموں کی آواز بھی نہیں ملی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دشمن [illegible]ب کمرے کے آس پاس نہیں ہیں یا اس مکان میں ہی نہیں ہیں [illegible]گر موجود ہیں تو انہوں نے میرے سابقہ ریکارڈ کو اتنی توجہ [illegible]ہ پڑھا ہے کہ انہیں رسونتی کے والدین کے قید ہونے اور وہاں [illegible]بھڑکنے کا واقعہ بھی یاد ہو گا۔ اور وہ بہت محتاط ہوں گے [illegible]بھی بے اختیار بھی ان کی زبان سے کوئی بات نہ نکلے اور ایسا [illegible]ہو رہا تھا۔

کمرے کے بند دروازے کو جلنے اور ذرا کمزور پڑنے میں [illegible]ہو وقت لگا۔ اس دوران میں پھر سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا۔ [illegible]مرے میں تنہا بیٹھی ہوئی تھیں اور ہر لمحہ کسی دشمن کے آنے کا [illegible]تظار کر رہی تھیں۔

میں پھر مرجانہ کے پاس آیا۔ اس وقت تک دروازے [illegible]پوری طرح آگ پکڑ لی تھی۔ شعلے اِدھر سے اُدھر لہرا رہے [illegible]ے۔ تب مرجانہ نے سینٹر ٹیبل کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر [illegible]ے الٹا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ پھر وہاں سے دوڑتی ہوئی دروازے [illegible] پاس آئی اور ٹیبل سے ایک زوردار ضرب لگائی۔ دروازہ [illegible]لیا۔ وہ کمزور ہو چکا تھا۔ مرجانہ نے دوسری بار بھی یہی کیا۔ دروازہ [illegible]ڑاہٹ کی آواز کے ساتھ دوسری طرف گرتا چلا گیا۔

اِدھر شعلوں میں لپٹا ہوا دروازہ گرا۔ اُدھر کوریڈور میں بے شمار سانپوں کے پھنکارنے کی آواز یہاں سے وہاں تک لہراتی چلی گئی۔ مرجانہ نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ جہاں تک کوریڈور میں نظر گئی، وہاں سانپ ہی سانپ رینگ رہے تھے۔ کوریڈور کے دوسری طرف ایک جالی دار کمرہ بنا ہوا تھا یا اسے سانپوں کا کیبن کہنا چاہیے اس کا جالی دار دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہیں سے سانپ نکل کر آ رہے تھے۔ جہاں جلتا ہوا دروازہ گرا تھا۔ وہاں سے سانپ بہت دُور چلے گئے تھے۔ مرجانہ نے آگے بڑھ کر دروازے کے قریب پہنچ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اندازہ ہوا کہ وہ مکان صرف ایک کمرہ کا ہے اور اس کے سامنے ایک جالی دار سانپوں کا کیبن بنایا گیا ہے۔ باقی چاروں طرف جالی دار دیواریں تھیں تاکہ سانپ اس جالی سے باہر نہ نکل سکیں۔

میں نے کہا "مرجانہ! دشمن اگر کہیں قریب ہوں گے تو بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھ کر تمہاری طرف چلے آئیں گے۔ تم جلد سے جلد اس آگ کا سہارا لے کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔"

اس نے دوسرے پردے کو بھی آگ دکھائی۔ پھر اس جلتے ہوئے پردے کو لے کر کوریڈور سے گزرنے لگی۔ سانپ اِدھر سے اُدھر سمٹ رہے تھے۔ بھاگ رہے تھے اور اس کے لئے راستہ چھوڑ رہے تھے۔

اس چھوٹے سے مکان کے چاروں طرف لکڑی کے فریم میں باریک تاروں کی جالیاں بنائی گئی تھیں۔ ان سانپ پالنے والوں نے کبھی یہ سوچا نہیں ہو گا کہ کسی انسان کو بھی وہاں قید کرنے کی نوبت آئے گی۔ اسی لئے انہوں نے صرف لکڑی کے ستون کے ساتھ باریک جالیوں کی دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔ سانپ اس دیوار سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ مرجانہ نے جلتے ہوئے کپڑے کو لکڑی کے سرے کے پاس رکھ دیا۔ ذرا سی دیر میں وہاں بھی آگ لگ گئی۔ پھر وہ جلتے ہوئے کپڑے کو دوسری لکڑیوں کی طرف لے گئی۔ اس کے بعد واپس آ کر اس نے پہلی جلتی ہوئی لکڑی پر ایک زور کی لات ماری۔ وہ اپنی جگہ سے ٹوٹ کر الگ ہو گئی۔

میں نے کہا "مرجانہ! میں تمہاری امّی کے پاس جا رہا ہوں لیکن جانے سے پہلے یہ سمجھا دوں کہ جب تمہیں امّی کے پاس پہنچنے کا موقع ملے تو کوشش یہ کرنا کہ کسی سے ٹکرانے کی نوبت نہ آئے۔ اپنے آپ کو چھپا کر وہاں تک پہنچنے کی کوشش کرنا، تاکہ دشمن تمہیں اِدھر جلتے ہوئے مکان کے پاس آ کر تلاش کرتے رہیں۔ دشمنوں کو جتنا بھٹکاؤ گی اتنی ہی کامیابی ہو گی۔"

میں اسے سمجھا کر سائرہ بانو کے پاس آ گیا۔ اس دوران....

حشمت بیگ ان کے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ چار آدمی تھے۔ اس نے سائرہ بانو کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "جانم! تم دنیا کے

آخری سرے پر پہنچ جاؤ، تب بھی میں تمہیں کھینچ کر اپنے پاس لے آؤں گا۔ دیکھ لو کہ تم بیس بائیس برس سے دُور بھاگتی رہی ہو لیکن گھوم پھر کر واپس آ جاتی ہو۔"

سائرہ بانو نے اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "انشاء اللہ یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ "نہیں، نہیں آخری نہ کہو۔ تم سمجھ رہی ہو کہ یہ بم تمہیں ہلاک کر دے گا۔ نہیں میری جان! میں اپنے ماہروں کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ یہ ابھی تمہیں اس موت سے نجات دلا دیں گے۔ تمہیں نئی زندگی دیں گے اور تم اپنی وہ نئی زندگی مجھ پہ خرچ کرو گی۔"

"دیکھو حشمت بیگ! اس سے پہلے ایک بار تم نے بدتمیزی سے مجھے مخاطب کیا تھا۔ جان جیسا لفظ میرے لئے استعمال نہ کرو ورنہ فرہاد تمہیں کیسی ذہنی اذیتیں پہنچائے گا یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے غائب ہے۔ آ جائے گا، تب کیا ہوگا؟"

اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں نے فرہاد صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ عزت سے پیش آؤں گا۔ بہرحال اب میں محتاط ہو کر گفتگو کروں گا۔ دیکھو! اگر میں چاہوں تو تمہیں اس وقت تک اس بم سے نجات نہ دلاؤں جب تک تم مجھے خزانے کا پتہ نہ بتا دو لیکن یہ بم صرف تمہارے لئے نہیں، ہم سب کے لئے بھی خطرناک ہے۔ ہم اس مکان میں ہیں اور یہ اتنا طاقتور ہے کہ آس پاس کے کمروں کی چھت بھی اس کے دھماکوں سے گر جائے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے تمہیں اس سے نجات دلا دوں اس کے بعد کام کی باتیں ہوں گی۔"

ہوتا تو یہی ہے کہ پہلے مطلب کی بات کی جاتی ہے۔ سائرہ بانو کے سینے سے موت بندھی ہوئی تھی۔ وہ اس دہشت سے اور اپنی بیٹی کی سلامتی کی خاطر حشمت بیگ کو خزانے کا پتہ بتا دیتیں۔ لیکن حشمت بیگ کو یقین تھا کہ انہیں بم سے نجات دلانے کے بعد بھی وہ اسے خزانے تک پہنچا دیں گی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حشمت بیگ نے مرجانہ کو زہریلے سانپوں کے درمیان گھیر رکھا تھا۔ یعنی بیٹی کو موت کے درمیان گھیر کر اب ماں کو اس بم کی ہلاکت سے نجات دلانے آیا تھا۔

حشمت بیگ کے ساتھ آنے والا ایک ماہر چھوٹا سا اسٹول لے کر سائرہ بانو کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے دو اسسٹنٹ سائرہ بانو کے اطراف کھڑے ہو گئے اور ان کے دونوں بازوؤں کو اٹھا کر مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ایک چھوٹی سی ٹرے پر چھوٹے چھوٹے آلات رکھے ہوئے تھے۔ تیسرے اسسٹنٹ نے ایک اور اسٹول پر ان آلات کو رکھ دیا۔ پھر اس ماہر کے سامنے نقشہ کھول کر انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جناب! یہ رہا سفید تار۔"

اب چند لمحوں کے بعد ہی سائرہ بانو کو اس بم سے نجات ملنے والی تھی۔ حشمت بیگ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ اندر سے سہا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اگر ماہر سے کوئی غلطی ہو جائے تو سب کے سب دھماکے سے اڑ جائیں گے۔ کمرے سے نکلنے کے بعد وہ تیزی سے چلتا ہوا مکان سے باہر نکل گیا اور جتنی دور جا سکتا تھا، جانے لگا۔

میں سائرہ بانو کے دماغ میں گھس گیا۔ اس وقت انہیں حوصلے کی ضرورت تھی اور وہ تنہا ایک عورت کی حیثیت سے اپنی گھبراہٹ پر قابو نہیں پا سکتی تھیں۔ اس لئے میں ان کے دماغ میں جما رہا۔ زیادہ دیر نہیں لگی۔ ایک منٹ پورا ہونے سے پہلے ہی موت کا وہ تار ہٹ گیا۔ اس کے اسسٹنٹ دونوں طرف سے بیلٹ کھول کر اس بم کو سائرہ بانو سے الگ کرنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ موت ٹل گئی ہے تو سائرہ بانو کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔

انہوں نے شعوری طور پہ اپنے آس پاس کے لوگوں کو دیکھا۔ پھر اس بم پر نظر گئی۔ جو اب اس ماہر کے ہاتھ میں تھا یعنی ان کے جسم سے الگ ہو گیا تھا۔ پہلے تو انہیں یقین نہیں آیا۔ تقریباً تیس گھنٹے سے وہ موت کو گلے لگائے ہوئے تھیں۔ اب پلک جھپکتے ہی نئی زندگی مل گئی۔ پھر یکبارگی دل خوشی سے تیزی کے ساتھ دھڑک گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ مارے خوشی کے بے ہوش ہو گئیں۔

میں جانتا تھا کہ خطرے کی بات نہیں ہے۔ وہ لوگ یقیناً انہیں ہوش میں لائیں گے کیونکہ سائرہ بانو ان کے لئے بہت اہم تھیں۔ میں انہیں چھوڑ کر ذرا دیر کے لئے مرجانہ کے پاس جانا چاہتا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ حشمت بیگ کا خیال رکھنا چاہیے۔ کہیں وہ زیادہ دُور نہ بھاگ جائے۔ اس لئے میں حشمت بیگ کے دماغ میں پہنچا تو وہ مکان سے بہت دُور نکلنے کے بعد ایک دم سے ٹھٹک گیا تھا۔ سانپوں کا مکان اس کے سامنے تھا اور وہاں سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔

اس کے دماغ میں فوراً ہی خیال پیدا ہوا۔ یہ آگ کیسے لگی؟ کیا مرجانہ نے فرار ہونے کے لئے کوئی چال چلی ہے؟

وہ واپس دوڑتے ہوئے اسی مکان کی طرف جانے لگا جدھر سے آیا تھا۔ پھر چند قدم دوڑنے کے بعد رُک گیا۔ اسے پھر ڈر لگا کہ پتہ نہیں سائرہ بانو کے سینے سے اس بم کو ہٹایا گیا تھا یا نہیں؟ اگر کامیابی نہیں ہوئی ہو گی تو یکبارگی اس مکان کے اندر سے دھماکہ ہوگا۔ وہ پیچھے ہٹنے لگا۔

وہ گھوم کر اُدھر بھاگنے لگا۔ جدھر درختوں کے جھنڈ میں لکڑی کا ایک کیبن بنا ہوا تھا۔ اس کے دماغ نے بتایا کہ اسی کیبن میں جلال بیگ کا ایک ایسا آدمی بیٹھا ہوا ہے جو جلال بیگ تک وہاں کی خبریں پہنچانے کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ چونکہ حشمت بیگ میری ٹیلی پیتھی کی زد میں آ چکا تھا۔ اس لئے وہ براہِ راست اپنے بیٹے سے کبھی گفتگو نہیں کرتا تھا۔ بیٹے کے ساتھ اس کا براہِ راست رابطہ رہتا ہی نہیں تھا۔

بہرحال حشمت بیگ وہاں سے دوڑتا ہوا اسی کیبن کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد اس نے کسی کو آواز دی۔ "مسٹر سومرو! کیا تم موجود ہو؟ کیا تم نے وہ آگ دیکھی ہے؟"

وہ یہ کہتا ہوا کیبن میں داخل ہوا۔ ایک میز کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس دو مسلح جوان کھڑے ہوئے تھے۔ حشمت بیگ نے کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص سے کہا۔ "مسٹر سومرو! وہاں سانپوں والے گھر میں آگ بھڑک رہی ہے۔"

سومرو نے میز پر جھک کر ایک کاغذ پر کچھ لکھا پھر اسے حشمت بیگ کی طرف بڑھا دیا۔ حشمت بیگ نے اسے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔ "مسٹر! ہمیں سب معلوم ہے۔ ہمارے آدمی سانپوں کے گھر کے پاس گئے ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں۔ مرجانہ کو فرار ہونے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہم سرگوشیوں میں بھی بات کریں تو آواز آپ کے کانوں تک جائے۔ آپ حالات کی نزاکت کو سمجھ سکتے ہیں۔ میرے ایک آدمی کے ساتھ جائیے تاکہ یہ واپس آ کر مجھے بتلائے کہ آپ ہماری آواز سے بہت دُور چلے گئے ہیں۔"

حشمت بیگ نے اسے پڑھنے کے بعد کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں سائرہ بانو کے پاس جاتا ہوں۔ میرا خیال ہے، اب تک اس بم کو ہٹا دیا گیا ہو گا۔ کوئی خطرے کی بات نہیں ہے۔ میں تمہارے آدمی کے ساتھ جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔ اس کے ساتھ سومرو کا ایک آدمی بھی جانے لگا۔ وہ یقین کرنا چاہتے تھے کہ حشمت بیگ ان کی آواز سے بھی دُور چلا گیا ہے۔ میں نے مرجانہ کی خبر لی۔ وہ خیریت سے تھی۔ اور بہت پہلے ہی سانپوں کے اس گھر سے نکل بھاگی تھی۔ اتفاق سے وہ انہی درختوں کے جھنڈ کی طرف جا رہی تھی۔ جہاں لکڑی کا وہ کیبن بنا ہوا تھا۔ اس کے دماغ نے یہ سمجھایا تھا، کہ درختوں کے جھنڈ میں جو کیبن بنا ہوا تھا شاید وہیں اس کی امی کو قید کیا گیا ہو گا۔ لہٰذا پہلے وہ اسی طرف جا رہی تھی۔

میں نے اسے مخاطب کیا۔ "مرجانہ! تمہاری امی ادھر نہیں ہیں لیکن تم صحیح سمت جا رہی ہو۔ تم اس کیبن کی طرف اس طرح پہنچو کہ تمہاری آہٹ کسی کو نہ ملے۔ وہاں مسٹر سومرو نام کا ایک بہت ہی اہم آدمی ہے۔ جو جلال بیگ سے براہِ راست یا بالواسطہ رابطہ رکھتا ہے۔ تمہیں اس کی آواز سننا ہے۔ وہ تنہائی میں اپنے ماتحت سے ضرور کوئی بات کرے گا۔ میں اس کی آواز تمہارے ذریعے سن لوں گا۔ احتیاط کے ساتھ وہاں جانا کہ تم اس کی نظروں میں نہ آ سکو۔"

"میں محتاط رہوں گی۔ تم یہ بتاؤ۔ میری امی کیسی ہیں؟"

"میں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ وہ بم ان کے سینے سے ہٹا دیا گیا۔ جس وقت میں ان کے پاس سے آیا تو وہ مارے خوشی کے بے ہوش ہو گئی تھیں۔ اب میں پھر ان کے پاس جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں سائرہ بانو کے پاس پہنچا۔ وہ ہوش میں آ چکی تھیں۔ میں نے کہا۔ "امی! نئی زندگی مبارک ہو۔"

وہ نقاہت سے مسکراتے ہوئے بولیں۔ "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ زندگی میں ایسے تجربات بھی ہوتے ہیں۔ میں پچھلے تیس گھنٹوں سے دیکھ رہی تھی کہ موت کس طرح ہر لمحے سینے پر سوار رہتی ہے۔ یہ ذاتی تجربہ ہو گیا۔ میری بیٹی کہاں ہے؟"

"وہ جہاں بھی ہے۔ خیریت سے ہے۔ ابھی آپ کے پاس آنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے روک دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ حشمت بیگ سے تنہائی میں آپ کی گفتگو ہو جائے۔ دوسری بات یہ کہ مرجانہ ایک اہم مقصد کے لئے دوسری جگہ رُکی ہوئی ہے۔ میں اس کے ذریعے دشمنوں کے دماغ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"بیٹے! کہیں تم مجھے بہلا تو نہیں رہے ہو؟"

"نہیں امی! میں آپ سے جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ مرجانہ بالکل خیریت سے ہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔"

حشمت بیگ ابھی ان کے کمرے میں نہیں پہنچا تھا۔ میں ان سے اجازت لے کر پھر مرجانہ کے پاس آ گیا۔ وہ ننگے پاؤں پنجوں کے بل چلتی ہوئی اس کیبن کی پچھلی کھڑکی کے پاس پہنچ گئی تھی۔ میں کسی لمحے بھی اس کے ذریعے مسٹر سومرو کی آواز سن سکتا تھا۔

دوسری طرف کچھ لوگ بھاگتے دوڑتے اس جلتے ہوئے سانپوں کے گھر کی طرف جا رہے تھے اور کبھی اسی لکڑی کے کیبن کی طرف گھنے درختوں میں واپس آ رہے تھے۔ ایک نے آ کر سومرو سے کہا۔ "جناب! آگ چاروں طرف سے بھڑک رہی ہے۔ اندر کوئی نہیں جا سکتا اور جب تک کوئی اندر نہیں جائے گا۔ یہ پتہ نہیں چلے گا کہ مرجانہ وہاں موجود ہے یا نہیں۔ یا تو وہ فرار ہو گئی ہے یا پھر اندر جل کر مر گئی ہے۔

سومرو نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر آنے والے کی طرف بڑھایا۔ اس نے پڑھا۔ میں اس کے دماغ کے ذریعے پڑھنے لگا۔ سومرو نے لکھا تھا۔ احمقانہ باتیں نہ کرو۔ اگر مرجانہ آگ میں پھنسی ہوتی تو یقیناً چیختی۔ وہ ایسی صابر اور اتنی مضبوط اعصاب کی تو نہیں ہو سکتی کہ چپ چاپ آگ میں جل جائے۔ باہر جا کر اسے اچھی طرح تلاش کرو۔ وہ اپنی ماں کی طرف گئی ہوگی یا اس کیبن کی طرف آئی ہوگی۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ کیبن کے چاروں طرف اسے تلاش کیا جائے۔"

میں نے مرجانہ سے کہا۔ "تم فوراً اپنی جگہ چھوڑ دو۔ کہیں چھپ جاؤ۔ وہ لوگ تمہیں تلاش کرنے کے لئے ابھی کیبن کے چاروں طرف پھیل جائیں گے۔"

وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ دبے قدموں تیزی سے چلتے ہوئے ایک گھنے درخت کے پاس آئی اور اس پر چڑھنے لگی۔ جلال بیگ کا ماتحت سومرو بہت زیادہ محتاط تھا۔ شاید اسے اسی طرح محتاط رہنے کی تاکید کی گئی تھی۔ اسی لئے وہ اپنے کسی بھی ماتحت سے گفتگو نہیں کرتا تھا۔ تحریر کا سہارا لیتا تھا۔ ٹیلی پیتھی کی دہشت اس پر بُری طرح بیٹھی ہوئی تھی۔

کیبن کے اطراف مسلح افراد گھومنے لگے۔ اس وقت رات کا اندھیرا تھا۔ تھوڑی دیر بعد صبح ہونے والی تھی۔ کھڑکی سے آنے والی روشنی میں وہ مسلح افراد سائے کی طرح نظر آ رہے تھے۔ اور دُور دُور تک مرجانہ کو تلاش کر رہے تھے۔ مرجانہ گھنے درخت میں سانس روکے چھپی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی پتے ہوا کی زد میں آ کر شور مچاتے تھے مگر کسی کا دھیان درخت کی طرف نہیں گیا۔ یونہی ایک آدھ بار کسی نے سر اٹھا کر دیکھا مگر اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ دیا۔ میں سومرو کے اس ماتحت کے دماغ میں بیٹھ کر سومرو کے کیبن میں پہنچا۔

دوسرے بھی تلاش کرنے کے بعد مطمئن ہو کر سومرو کے کیبن میں آ گئے۔ ایک نے کہا۔ "جناب! ہم چاروں طرف کئی بار دیکھ چکے ہیں۔ اب اندھیرے میں وہ اور کہیں جا کر چھپ گئی ہو تو ہم کہہ نہیں سکتے۔"

دوسرے ماتحت نے کہا۔ "ہمارا خیال ہے وہ اِدھر نہیں آئے گی۔ اسے تو اپنی ماں کی تلاش ہوگی۔ وہ یقیناً ادھر دوسری طرف چلی گئی ہے۔"

سومرو کو اب جواب میں کچھ کہنا چاہیے تھا لیکن وہ خاموش رہا۔ اس کے ایک ماتحت نے آ کر کہا۔ "جناب! میں نے مسٹر حشمت بیگ کو ادھر سائرہ بانو کے پاس پہنچا دیا ہے۔ اب وہ اِدھر نہیں آئیں گے۔ آپ چاہیں تو آزادی سے گفتگو کر سکتے ہیں

دوسری بات یہ کہ سائرہ بانو سے اس بم کو الگ کر دیا گیا ہے۔"

میں بڑی توجہ سے وہاں ان لوگوں کے دماغ میں موجود تھا اور توقع کر رہا تھا کہ اب تب میں سومرو کچھ بولنے ہی والا ہے لیکن وہ کم بخت بالکل ہی گونگا بنا ہوا تھا۔ یہ جاننے کے بعد بھی کہ مرجانہ کیبن کے آس پاس کہیں بھی نہیں ہے اور حشمت بیگ بھی اس کی آواز سننے کے لئے موجود نہیں ہے، وہ پھر بھی گونگا بنا ہوا تھا۔

انسان ہمیشہ بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے۔ ساری زندگی اس کوشش میں رہتا ہے کہ اسے کبھی کوئی حادثہ پیش نہ آئے زندگی کو اس قدر سنبھال کر رکھتا ہے کہ موت بھی نہ آئے لیکن بہت زیادہ محتاط رہنے کے باوجود اور بڑی ذہانت اور بڑی چالاکیوں سے کام لینے کے باوجود قدرت کے آگے اسے شکست کھانی پڑتی ہے۔ اس وقت بھی سومرو اپنے طور پر بڑی ذہانت سے اور بڑی چالاکی سے، اپنے آپ کو ٹیلی پیتھی سے محفوظ رکھے ہوئے تھا لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا میرے لئے ان لوگوں نے تمام راستے مسدود کر دیئے تھے کہ میں جلال بیگ یا کسی ماتحت تک نہ پہنچ سکوں مگر اللہ کی مدد اچانک ہی مجھے مل گئی۔

پھر یہ ہوا کہ اچانک ہی سومرو چیخ مار کر اچھل پڑا اور اچھل کر میز پر چڑھ کر بولا۔ "سانپ، یہ سانپ اِدھر آ رہے ہیں۔"

اس کے تمام ماتحت اُدھر زمین پر رینگتے ہوئے اس سانپ کو دیکھنے لگے۔ جو پتہ نہیں کدھر سے اس کمرے کے اندر آ گیا تھا اور رینگتا ہوا سومرو کی کرسی کی طرف جا رہا تھا۔ ایک ماتحت نے اپنا ریوالور نکال کر اس سانپ کو گولی مار دی۔

اب اسے گولی مارنے سے کیا ہوتا تھا۔ سومرو ٹیلی پیتھی کی گولی کھانے کے لئے میری زد میں آ چکا تھا۔ میں نے اطمینان سے اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ سانپوں کا جو گھر جل رہا ہے، یقیناً اب وہاں سے سانپ نکل کر اِدھر اُدھر پھیل رہے ہوں گے۔ یہ ایک ہی سانپ نہیں، کچھ اور بھی ادھر آئیں گے اور دوسرے مکانوں کی طرف جائیں گے۔

یہ سوچتے ہی وہ کاغذ کی ایک پرچی پر لکھنے لگا۔

"یہ نہ سمجھو کہ یہ ایک ہی سانپ ہے۔ جلتے ہوئے گھر سے بے شمار سانپ نکل کر دور تک پھیل رہے ہوں گے۔ اس مکان کی طرف گئے ہوں گے۔ جہاں سائرہ بانو کو قید کیا گیا ہے سائرہ بانو کی حفاظت ہر حال میں لازمی ہے۔ مسٹر حشمت بیگ کو ان سانپوں کے خطرے سے فوراً آگاہ کیا جائے اور ان سانپوں سے محفوظ رہنے کی تدابیر کی جائیں۔ ہری اپ!"

اب میں سومرو کے دماغ میں کسی وقت بھی اطمینان سے پہنچ سکتا تھا۔ میں نے مرجانہ سے کہا۔ "سانپ جلتے ہوئے گھر سے نکل کر پھیلنے لگے ہیں۔ تم جوتے پہن لو۔ اب محتاط ہو کر نیچے اترنا، یا تھوڑی دیر وہیں بیٹھ کر صبح کا انتظار کرو۔ دن کی روشنی میں تمہیں اترنا چاہیے۔ سانپ بہت زہریلے ہیں۔ تمہیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"نہیں، فرہاد! میں یہاں کب تک بیٹھی رہوں گی۔ پتہ نہیں صبح کتنی دیر میں ہوگی؟"

"میرے اندازے کے مطابق شاید آدھ گھنٹے یا پون گھنٹے میں اجالا پھیل جائے گا۔ تمہیں ذرا دیر صبر سے کام لینا چاہیے۔ اچھا ٹھہرو، میں تمہاری امی کے پاس سے آتا ہوں۔ اس کے بعد سوچا جائے گا۔"

سائرہ بانو کے سامنے دوسرے صوفے پر حشمت بیگ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے سینٹر ٹیبل پر شراب کی بوتل اور ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ وہ شراب کو گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اب صبح ہونے والی ہے۔ پینے کا وقت تو نہیں ہے لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد موڈ میں آنے کو جی چاہتا ہے۔ اس لئے ذرا شغل ہو جائے۔"

سائرہ بانو نے ناگواری سے کہا۔ "تم میرا اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ کام کی بات کیوں نہیں کرتے۔ میری بیٹی کو یہاں کیوں نہیں بلاتے؟"

وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولا۔ "تمہاری بیٹی اب اسی وقت تمہارے سامنے آئے گی جب کام کی باتیں تمہاری طرف سے شروع ہوں گی۔ دیکھو، کوئی بڑا کام نہیں ہے، خزانے کا پتہ بتانا ہے۔ تمہارے سامنے کاغذ، قلم سب کچھ رکھا ہوا ہے۔ اگر اس راستے کا نقشہ بنانا چاہو تو نقشہ بنا سکتی ہو اور رہنمائی کرنا چاہو تو زبانی رہنمائی کر سکتی ہو۔ تم جو کچھ بتاؤ گی، میں اس کے مطابق پیرس کے ماتحتوں سے رابطہ قائم کروں گا اور ان سے کہوں گا کہ وہ تمہاری رہنمائی کے مطابق اس خزانے کے دروازے تک پہنچیں۔ اگر وہ پہنچ گئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے ہمارے ساتھ فراڈ نہیں کیا ہے تب ہم تمہیں اور مرجانہ کو آزاد کر دیں گے۔"

سائرہ بانو نے پوچھا۔ "کیا اب تمہیں اندیشہ نہیں ہے مرجانہ آزاد ہوتے ہی پھر تمہاری جان کی دشمن بن جائے گی؟"

حشمت بیگ نے ہنستے ہوئے شراب سے بھرے ہوئے گلاس کو اٹھایا اور اسے ہونٹوں کی طرف لے جانے لگا۔ لیکن گلاس اس کی ناک تک پہنچ گیا۔ اس نے حیران ہو کر گلاس کو دیکھا۔ پھر دوسری بار پینے کے لئے ہونٹوں تک اسے لایا لیکن وہ گلاس ہونٹوں سے نیچے ٹھوڑی کے پاس پہنچ گیا۔ اس میں سے شراب چھلک گئی۔ اور اس کے گریبان کو بھگونے لگی۔

اس نے کچھ پریشان ہو کر کچھ جھینپ کر سائرہ بانو کی طرف دیکھا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے گلاس کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اسے اپنے ہونٹوں کی طرف لے جانے لگا۔ اس بار مضبوطی کے باوجود گلاس اس کے ہونٹوں سے اوپر اٹھا۔ ناک کی طرف گیا، ناک سے اوپر اٹھا پیشانی کے پاس آیا۔ پیشانی سے اوپر اٹھ کر گلاس اس کے سر پر پہنچا۔ پھر اس کی شراب اس کے سر پر گرنے لگی اور اس کا سر شراب سے دُھلنے لگا۔

سائرہ بانو بے اختیار ہنسنے لگیں۔ خوب کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔ شاید بہت عرصے بعد وہ اندر سے ہنس رہی تھیں۔ انہوں نے کہا۔ "دیکھو حشمت دیکھو! یہ کارنامہ میرے بیٹے کا ہے۔ تم اس کی ماں کے سامنے شراب پینا چاہتے ہو۔ وہ تمہیں کبھی نہیں پینے دے گا۔"

وہ بے بسی سے گلاس کو میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ فرہاد صاحب موجود ہیں۔ اگر معلوم ہوتا تو میں شراب کو ہاتھ بھی نہ لگاتا۔"

"کام کی بات کرو۔ یہ بتاؤ کہ مجھے اور میری بیٹی کو کب آزاد کر رہے ہو اور میری بیٹی اس وقت کہاں ہے؟"

وہ فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "پہلے تم موت کو گلے لگائے ہوئے تھیں۔ تمہیں اس سے نجات ملی ہے تو اب تمہاری بیٹی کے چاروں طرف موت ہی موت ہے۔ جب تک تم خزانے کا پتہ نہیں بتاؤ گی۔ اس وقت تک وہ موت کے درمیان یونہی گھری رہے گی۔"

سائرہ بانو ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے میری بیٹی کے پاس لے چلو۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ فرہاد اس کی حفاظت کر رہا ہے۔"

وہ پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "فرہاد صاحب تو موجود ہیں تم خود اُن سے پوچھ لو۔ تمہاری بیٹی اس وقت زہریلے سانپوں کے درمیان ہے۔"

میں نے سائرہ بانو سے کہا۔ "امی! اس کی بات ایک حد تک درست ہے لیکن اب مرجانہ سانپوں کے درمیان نہیں ہے۔ وہ وہاں سے نکل چکی ہے۔ یہ بات حشمت بیگ جانتا ہے۔ سانپوں کے جس گھر میں مرجانہ کو قید کیا گیا تھا۔ وہاں آگ لگی ہوئی ہے اور وہ خود یہ دیکھ چکا ہے۔ آپ اس سے کہیں کہ مرجانہ کے متعلق صحیح صحیح بات آپ کو بتائے۔"

سائرہ بانو نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "بیٹا! میں اس بدمعاش سے کیا پوچھوں؟ تم مجھے صحیح بات بتاؤ۔"

"وہ تو میں بتا چکا ہوں۔ آپ یقین کریں۔ مرجانہ بالکل

محفوظ ہے۔ دشمن اس کے پاس نہیں پہنچ سکتے۔ آپ حشمت بیگ سے باتیں کریں، میں سن رہا ہوں۔"

وہ حشمت بیگ سے بولیں "فرہاد نے مجھے بتا دیا ہے کہ میری بیٹی اس وقت کہاں ہے۔ کیا وہ سانپوں کے گھر سے فرار نہیں ہو گئی؟ کیا وہاں آگ لگی ہوئی نہیں ہے؟"

حشمت بیگ نے بے بسی سے ایک گہری سانس لی۔ پھر کہا "ہاں، یہ بات میں چھپا نہیں سکتا۔ فرہاد صاحب کے ذریعے تمہیں حقیقت معلوم ہو گئی ہے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ مرجانہ موت کے گھر سے نکل بھاگے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ مرجانہ اتنی تیز طرار اور چالاک نہیں ہو سکتی۔ اس کے پیچھے فرہاد کے ذہن نے کام کیا ہے۔"

سائرہ بانو نے کہا "جو کچھ بھی ہوا ہے۔ میری بیٹی، اس وقت خیریت سے ہے۔ تمہاری پلاننگ کیا تھی؟"

"میں نے اسے سانپوں کے گھر میں قید کر دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ سانپوں سے محفوظ رہنے کے لئے فانوس سے لٹکتی رہے گی۔ اس وقت تک وہ اسی حالت میں رہے گی۔ جب تک تم ہمیں خزانے کا پتہ نہ بتا دو گی۔ اس کے بعد ہم اسے سانپوں سے نجات دلا دیں گے۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟"

"ارادہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ تم ہمیں خزانے تک پہنچا دو۔"

"حشمت بیگ! تم دیکھ رہے ہو کہ اب موت میرے قریب نہیں ہے۔ فرہاد میرے پاس موجود ہے۔ تم مجھے نہیں مار سکتے۔ مارو گے تو تم بھی زندہ نہیں بچو گے۔ میں صرف اپنی بیٹی کی وجہ سے کمزور پڑ جاتی ہوں۔ میری بیٹی بھی اب تمہارے چنگل سے نکل چکی ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی پروا نہیں ہے۔ ایسی صورت میں تم کیسے مجھ سے خزانے کا راز اگلواؤ گے؟"

اس نے ہنستے ہوئے کہا "جس طرح تمہیں اپنی زندگی کی پروا نہیں ہے۔ اسی طرح میں بھی اپنی جان داؤ پر لگا کر اپنی آواز فرہاد صاحب کو سناتا ہوں۔ ہم دونوں موت سے نہیں ڈرتے۔ میرے بیٹے نے مجھے چارہ بنا کر فرہاد صاحب کے سامنے ڈال دیا ہے۔ اسی طرح تم چارہ بن کر میرے بیٹے کے سامنے موجود ہو۔ رہ گئی بات مرجانہ کی، تو وہ کہاں جائے گی۔ ہم نے جہاں تم لوگوں کو قید کیا ہے۔ وہاں دُور دُور تک آدمی موجود ہیں۔ مرجانہ کہیں بھی جائے گی، ہم اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ وہ جلد ہی میرے بیٹے کی حراست میں ہو گی۔ پھر تمہیں ایسی اذیتیں پہنچائی جائیں گی جسے تم تو شاید برداشت کر لو اور مرنے کے لئے تیار رہو لیکن

فرہاد صاحب اسے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ لیکن ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔ زیادہ سے زیادہ میری جان لے لیں گے لیکن ہمارے آدمی تمہیں اذیتیں پہنچائیں گے۔ تمہیں زندہ رکھ رکھ کر مارتے جائیں گے اور مار مار کر زندہ رکھیں گے۔ تب فرہاد صاحب کیا کریں گے؟"

میں نے سائرہ بانو سے کہا "امی! آپ کہئے کہ آپ کو خزانے سے دلچسپی نہیں ہے۔ آپ اس کا پتہ بتا دیں گی لیکن اسی شرط پر کہ مرجانہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں اور آپ دونوں کو رہائی کے مرحلے تک پہنچا پا جائے۔ اس کے بعد آپ ان لوگوں کو خزانے کا پتہ بتا دیں گی۔ بنیادی شرط یہی ہونی چاہیے کہ مرجانہ آپ کے پاس موجود ہو۔"

لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتیں۔ اسی وقت کہیں فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک مسلح شخص دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔ اس نے ایک کاغذ حشمت بیگ کی طرف بڑھایا۔ حشمت بیگ نے اسے پڑھا، لکھا تھا "ہم سائرہ بانو کو اسی وقت یہاں سے گاڑی میں بٹھا کر لے جائیں گے۔ سانپ اس جلتے ہوئے گھر سے نکل کر چاروں طرف پھیل رہے ہیں۔ ادھر مکان میں بھی داخل ہو رہے تھے۔ ہم نے ایک سانپ کو تو گولی مار دی ہے لیکن ان کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

یہ سنتے ہی حشمت بیگ کے ہوش اڑ گئے۔ وہ یہ کہتا ہوا کمرے سے بھاگا "ہاں، ہاں۔ سائرہ بانو کو فوراً یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔"

سائرہ بانو اعتراض کرنا چاہتی تھیں۔ میں نے کہا "امی! ان کے ساتھ جائیے۔ یہاں زہریلے سانپ دُور دُور تک پھیلتے جا رہے ہیں۔ میں مرجانہ کی حفاظت کے لئے جا رہا ہوں۔"

میں مرجانہ کے پاس آیا۔ وہ ابھی تک درخت پر چڑھی ہوئی بیٹھی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی امی کو ایک گاڑی میں کہیں لے جایا جا رہا ہے۔ میں بعد میں انہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ ان کی طرف سے اسے فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اسی طرح اور تھوڑی دیر درخت پر بیٹھی رہے، میں ابھی آتا ہوں۔

اسے تسلی دے کر میں دماغی طور پر سونتی کے پاس حاضر ہو گیا۔ اس سے کہا "میں تمہارے پاس رہتے ہوئے بھی تمہارے پاس نہ رہ سکا۔ لیکن اب رہوں گا۔ میں آج اپنے جانے کا پروگرام ملتوی کرتا ہوں اور یہ بات میں ماسٹر کردنا مانگا کو بتا دیتا ہوں۔ میں آج نہیں کل جاؤں گا۔"

وہ یہ سنتے ہی خوش ہو گئی۔ میں نے کہا "اب تم اطمینان سے سو جاؤ۔ نیند پوری کرنے کے بعد ہم خوب جی بھر کر باتیں کریں گے۔"

میں مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت تک دن کا اُجالا پھیل چکا تھا۔ میں نے اس سے کہا "دیکھو! اب تم درخت سے اتر کر کسی طرف بھی نکل سکتی ہو۔ دن کی روشنی میں سانپ تمہیں نظر آ جائیں گے۔ تم اپنا بچاؤ کر لو گی۔ میں سومرو کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ دیکھوں گا کہ وہ جلال بیگ کا کتنا اہم آدمی ہے۔ کس طرح اس سے رابطہ قائم کرتا ہے۔ تھوڑی دیر میں تمہارے پاس آؤں گا۔"

"مگر میں درخت سے اتر کر کہاں جاؤں؟ امی کو کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ میں بھی اسی طرف جاؤں گی۔"

"ذرا صبر کرو۔ میں تمہیں ابھی بتاؤں گا کہ وہ کہاں جا رہی ہیں؟"

میں مسٹر سومرو کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک گاڑی کی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ والی اسٹیئرنگ سیٹ پر اس کا ایک مسلح ماتحت ڈرائیور کی حیثیت سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس ماتحت نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ میں نے سائرہ بانو کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا تو وہ بھی گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

میں نے چپ چاپ سومرو کے دماغ میں اس کی اپنی سوچ کے ذریعے سوالات کیے۔ جواب ملا کہ سومرو کی گاڑی آگے جا رہی ہے اور اس کے پیچھے جو گاڑی ہے۔ اس میں سائرہ بانو موجود ہیں۔ یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی منزل اب کہاں ہے۔ میں نے مرجانہ کے پاس آ کر کہا "دیکھو، اس وقت تم بن غازی میں ہو۔ اب یہاں سے تمہاری امی کو طرابلس (طرابلس) لے جایا جا رہا ہے۔ اور طرابلس بن غازی سے تقریباً پانچ سو میل کے فاصلے پر ہے۔ تمہیں اس شہر بن غازی میں ایک گھنٹے تک یونہی بھٹکنا ہو گا۔ میں ابھی وہاں کے ماسٹر سے رابطہ قائم کر کے تمہارے لیے رہائش کے اور سفر کے انتظامات کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں سے کوئی طیارہ طرابلس جاتا ہو۔ اگر تمہارے لیے فضائی سفر کا بندوبست ہو جائے گا۔ تو تم اپنی امی سے اور ان دشمنوں سے پہلے ہی طرابلس پہنچ جاؤ گی۔"

وہ درخت سے اتر چکی تھی اور اس کے تنے کا سہارا لیے کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ پریشان ہے اور اپنی پریشانی مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

"کوئی بات نہیں ہے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"یونہی تمہارے دماغ سے پتہ چل رہا ہے کہ تم پریشان ہو۔ وجہ بتاؤ؟"

"نہیں، کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں ایک آدھ گھنٹے تک شہر میں بھٹکتی رہوں گی اور تمہارا انتظار کروں گی۔"

"اچھی بات ہے میں جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں اس کے دماغ میں ہی موجود رہا۔ وہ اندر ہی اندر جسمانی تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ تکلیف تو خیر اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی مگر کچھ عجیب سی بے چینی تھی۔ اپنی اس بے چینی کو وہ مجھ سے چھپا رہی تھی حالانکہ اب یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی، کہ وہ تبدیل ہونے والی ہے اور اس کے لیے بہت سے طبی مراحل سے گزرنا ضروری ہے اس وقت بھی اسے طبی امداد کی ضرورت تھی۔

میں اس کے لیے طبی سہولتیں فراہم کر سکتا تھا لیکن کچھ کرنے سے پہلے میں نے سومرو کی خبر لی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ جلد ہی جلال بیگ سے رابطہ قائم کرے گا۔ میں جس وقت اس کے پاس پہنچا۔ اس وقت اس کے سامنے ڈیش بورڈ کا ایک حصہ کھلا ہوا تھا۔ اس کے اندر ایک ٹرانسمیٹر نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کے ذریعے کسی سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بٹن آن کر رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے اس نے کہا "ہیلو میسج فار بی بی آف بی ایس۔"

وہ مخفف حروف میں کہہ رہا تھا۔ لیکن میں سمجھ گیا۔ بی بی کا مطلب تھا بگ باس، اور بی ایس کا مطلب تھا۔ بلیک سنڈیکیٹ۔ جلال بیگ نے جو تنظیم قائم کی تھی اس کا نام بلیک سنڈیکیٹ رکھا تھا۔ اور خود اس سنڈیکیٹ کا بگ باس کہلاتا تھا۔ گویا کہ سومرو اس وقت جلال بیگ سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔

دوسری طرف سے آواز سنائی دی "یس پلیز۔ ریکارڈر از آن۔ کیری آن یور میسج ریکارڈر آن ہے آپ اپنا پیغام ریکارڈ کرائیں۔"

دوسری طرف سے آنے والی آواز کسی عورت کی تھی۔ میں اس عورت کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ نشے میں مدہوش تھی۔ ایک خالی بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر اسے اِدھر اُدھر کروٹ لینے پر اور اٹھنے پر مجبور کیا۔ وہ بڑبڑائی، ہاتھ پاؤں اِدھر اُدھر پٹخے۔

پھر نڈھال سی ہو کر چاروں شانے چت ہو گئی۔ وہ اس بُری طرح نشے میں تھی کہ زبان سے صحیح الفاظ ادا نہیں کر سکتی تھی۔ پھر دوسری طرف سے ٹرانسمٹر پر اس کی آواز کیسے آئی تھی؟

اس عورت کی آواز پہلے ریکارڈ کر لی گئی تھی کہ جب بھی ٹرانسمٹر پر مخاطب کیا جائے گا۔ تو کیسٹ کے پہلے حصے سے یہی آواز آئے گی۔ کہ ریکارڈر از آن۔ کیری آن یور میسیج۔ اور یہی بات مسٹر سومرو کو سنائی دی تھی۔ اور اب سومرو اپنا پیغام ریکارڈ کرا رہا تھا۔ بتا رہا تھا "سائرہ بانو کو اس بلم سے نجات دلا دی گئی ہے لیکن مرجانہ فرار ہو گئی ہے۔ اس نے سانپوں کے گھر میں آگ لگا دی ہے۔ تمام سانپ منتشر ہو کر آس پاس کے مکانوں تک پہنچنے لگے ہیں۔ ہم نے وہ جگہ چھوڑ دی ہے اور اب سائرہ بانو کو لے کر طرابلس پہنچ رہے ہیں۔ مرجانہ لاپتہ ہے۔ ہمارے کچھ آدمی شہر بن غازی میں رہ گئے ہیں۔ وہ اسے مزید تلاش کر کے اور گرفتار کر کے طرابلس لے آئیں گے۔"

سومرو نے اپنی رپورٹ ریکارڈ کرانے کے بعد تھوڑی دیر تک جواب کا انتظار کیا۔ پھر اس کے دماغ نے کہا۔ جواب اتنی جلدی نہیں ملے گا۔ جلال بیگ کی طرف سے خود ہی کوئی آدمی اسے مخاطب کرے گا۔ پھر اس کی رپورٹ کی مناسبت سے اسے ہدایتیں دی جائیں گی۔

اس نے ٹرانسمٹر آف کر کے ڈیش بورڈ کو بند کر دیا میں وہاں سے ماسٹر کروٹا مانگا کے پاس پہنچا۔ اسے مرجانہ کے متعلق ہدایت دینا چاہتا تھا کہ بن غازی میں اس کے آرام و آسائش اور آئندہ سفر کے انتظامات فوراً کیے جائیں۔ پچھلی رات ایسی تھی کہ سبھی نے جاگ کر صبح کر دی تھی۔ اِدھر میں اور سونیا جلتے رہے تھے۔ اُدھر مرجانہ اور سائرہ بانو مصیبت میں گرفتار تھیں۔ سونیا اور ڈیڑھ جمال کی خبر میں نے بہت دیر سے نہیں لی تھی۔ اور کوئی ضرورت بھی نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنی نیند پوری کر رہے ہوں گے لیکن کروٹا مانگا ابھی تک جاگ رہا تھا۔ دوسری بہت سی مصروفیات تھیں، میرے سلسلے میں وہ ایک تاریک ہال میں بیٹھا تھا اور پروجیکٹر سے چلنے والی فلم دیکھ رہا تھا۔ اس فلم میں لندن کی بڑی بڑی شخصیتوں کی تصویریں آ رہی تھیں اور ان کا ریکارڈ بیان کیا جا رہا تھا کہ کون شخص کیا ہے۔ یہ سب کچھ میرے لیے ہو رہا تھا۔ کروٹا مانگا میرے لیے کسی ایسے شخص کا انتخاب کرنا چاہتا تھا کہ جب میں اس کا روپ اختیار کروں تو مجھے بہت زیادہ میک اپ نہ کرنا پڑے۔ ماسک میک اپ سے بھی نجات مل جائے۔ ہلکے پھلکے میک اپ اور تھوڑی تبدیلیوں کے بعد میں فرہاد کی حیثیت سے پہچانا نہ جاؤں۔

میں نے اسے مخاطب کیا۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا "فرمائیے جناب، میں آپ ہی کے لیے کام کر رہا ہوں۔"

"ہاں، میں سمجھ رہا ہوں۔ تمہیں دو باتیں کہنے کے لیے آیا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ میں جہاں ہوں وہاں ایک دن اور قیام کروں گا۔ یعنی اب میں کل لندن کے لیے روانہ ہوں گا۔ میرے لیے کل یہاں ہیلی کوپٹر یا کوئی گاڑی بھیجی جائے۔ دوسری بات یہ کہ مرجانہ اور سائرہ بانو کو شہر بن غازی پہنچایا گیا تھا۔ وہاں مرجانہ ان کی قید سے نکل بھاگی ہے۔ وہ لوگ سائرہ بانو کو طرابلس لے جا رہے ہیں۔ مرجانہ ابھی بن غازی میں ہے۔ آپ فوراً وہاں کے ماسٹر سے رابطہ قائم کریں۔ مرجانہ کے لیے کوڈ ورڈز مقرر کریں۔ وہ اس کے ذریعے وہاں کے ماسٹر سے ملاقات کرے گی۔ اس کے لیے وہاں قیام اور آرام کے فوری انتظامات ہوں اور آج ہی کسی طیارے سے مرجانہ کو طرابلس پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔ یہ کام آپ فوراً کر دیں۔"

کروٹا مانگا کے حکم سے پروجیکٹر بند کر دیا گیا۔ ہال میں روشنی ہو گئی اس نے مجھ سے کہا "جناب، میں ابھی مرجانہ کے لیے تمام انتظامات کرتا ہوں آپ مرجانہ کو یہ کوڈ ورڈز یاد کرا دیں "آئی ایم اے ٹھنڈر بولٹ فرام فرہاد علی تیمور (میں فرہاد علی تیمور کی ایک کڑکتی ہوئی بجلی ہوں)۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا اپنے دفتر میں آیا اور ٹرانسمٹر کے ذریعے رابطہ قائم کرنے لگا۔ میں نے کہا "ماسٹر ایک بات اور ہے جس ماسٹر سے آپ رابطہ قائم کریں اسے یہ ہدایت دیں کہ مرجانہ کو فوری طور پر میڈیکل چیک اپ کی ضرورت ہے کسی ماہر لیڈی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی جائیں۔"

میں تھوڑی دیر کے لیے پھر سومرو کے پاس آیا۔ اب وہ اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ اسے اس بات کا اطمینان تھا کہ ٹرانسمٹر سے خود ہی اسے مخاطب کیا جائے گا۔ اور آگے کیا کرنا ہے۔ اس کے متعلق ہدایات موصول ہو جائیں گی۔

میں اس کے پیچھے والی گاڑی میں سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا گاڑی کے پچھلے حصے میں سائرہ بانو، حشمت بیگ اور دو مسلح جوان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا "امی! آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی بیٹی بالکل خیریت سے ہے۔ آپ کو جہاں پہنچایا جا رہا ہے انشاء اللہ مرجانہ آپ سے پہلے وہاں پہنچ جائے گی۔"

"بیٹے یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا جب تک مرجانہ میری آنکھوں کے سامنے نہ ہو میرا دماغ کام نہیں کرتا۔"

"مرجانہ آپ کی نظروں کے سامنے بہت جلد آئے گی لیکن اس سفر کو ختم ہونے دیجیے۔ ہو سکتا ہے کہ سفر کے دوران ہی کوئی ایسی بات ہو جائے کہ مرجانہ آپ کو مل جائے۔ بہرحال ابھی تو صبر کرنا ہو گا۔ میں پھر آپ کی بیٹی کے پاس جا رہا ہوں۔"

میں جب بھی مرجانہ کے پاس جانے کی بات کرتا تھا تو وہ مطمئن ہو جاتی تھیں۔ میں اس کے پاس پہنچا تو وہ شہر کے ایک پارک میں بیٹھی ہوئی تھی تھکے ہوئے انداز میں ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ میں نے کہا "ٹھیک ہے۔ تم یہیں آرام کرو۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں سارے انتظامات کر دوں گا۔ بس ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں پھر کروٹا مانگا کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت تک اس نے رابطہ قائم کر لیا تھا اور مرجانہ کے سلسلے میں دوسرے ماسٹر کو تمام تفصیلات بتا دی تھیں۔ میں نے پوچھا "کیا رہا؟"

"سب ٹھیک ہے۔ وہاں طرابلس میں ہمارا ایک ماسٹر ہے۔ اس کا نام ماسٹر عبداللہ بن صمیم ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ شہر بن غازی میں اس کے بہت ہی باصلاحیت ماتحت رہتے ہیں۔ وہ ابھی رابطہ قائم کر کے مرجانہ کے سلسلے میں ہدایات دے گا۔ مرجانہ بتائے کہ وہ اس وقت شہر کے کس حصے میں ہے۔ ماسٹر عبداللہ کے آدمی خود ہی وہاں پہنچ کر اس سے ملاقات کریں گے۔"

میں نے کہا "اس وقت وہ کسی پارک میں ایک درخت کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ ٹھہرو میں معلوم کر کے بتاتا ہوں۔"

میں نے مرجانہ کے پاس آ کر پوچھا "تم جہاں بیٹھی ہو کیا اس پارک کا نام یا اس جگہ کا نام معلوم کر کے بتا سکتی ہو؟"

مرجانہ نے اپنے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ بچوں کا پارک ہے۔ یہاں اُن کے کھیلنے کے لیے جھولے وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ سامنے ایک بہت چوڑی شاہراہ ہے۔ شاہراہ کے دوسری طرف ایک بہت بڑی ہلکے زرد رنگ کی عمارت ہے۔ اس عمارت پر ایک بڑا سائن بورڈ لگا ہوا ہے۔ اس سائن بورڈ پر لکھا ہوا ہے "دی فائن اکیڈمی آف آرٹس"۔"

"ٹھیک ہے! تم تھوڑی دیر اور وہاں بیٹھی رہو طرابلس کے ماسٹر کا نام عبداللہ بن صمیم ہے۔ وہ بن غازی کے ماتحتوں کو رابطہ قائم کر کے حکم دے گا تب وہ تمہارے پاس آ کر تمہیں لے جائیں گے پھر تمہیں طرابلس پہنچانے کے انتظامات کریں گے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میں پھر ماسٹر کروٹا مانگا کے پاس پہنچ گیا تھوڑی دیر بعد کروٹا مانگا اور ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے درمیان رابطہ قائم ہوا باتیں ہوئیں۔ پھر مجھے پتہ چل گیا کہ مرجانہ جس فائن اکیڈمی آف آرٹس کے بورڈ والی عمارت کو دیکھ رہی ہے۔ دراصل وہی عمارت ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے ماتحتوں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔

میں نے یہ بات مرجانہ کو بتائی تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ آہستہ آہستہ پارک سے باہر نکلنے لگی۔ اسی وقت اس عمارت سے دو جوان نکل کر پارک کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پارک کے گیٹ سے مرجانہ کو نکلتے دیکھ کر وہ ذرا ٹھٹک گئے۔ ابھی صبح کا وقت تھا۔ سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھی اِکا دُکا لوگ نظر آ رہے تھے۔ وہ دونوں مرجانہ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ میں نے مرجانہ سے کہا "کوڈ ورڈز بیان کرو۔"

اس نے کہا "آئی ایم اے ٹھنڈر بولٹ فرام فرہاد علی تیمور۔"

یہ سنتے ہی ان میں سے ایک نے کہا "مادام مرجانہ، آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ آپ ہمارے شہر میں آئی ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے۔ آیئے تشریف لایئے۔"

مرجانہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے بولی "میں پہلی فرصت میں طرابلس پہنچنا چاہتی ہوں کسی طرح میرے سفر کا انتظام فوراً کریں۔"

"مادام آپ چل کر غسل کریں۔ آپ کے لیے ہم لباس کا بندوبست کرتے ہیں۔ اتنی دیر میں سفر کے انتظامات ہو جائیں گے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم آپ کے لیے ایک بہت ہی ماہر اور تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کریں۔"

مرجانہ نے چونک کر ان لوگوں کو دیکھا۔ میں نے کہا "چونکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم سمجھتی ہو کہ مجھ سے اپنی بات چھپا لو گی۔ بیوقوف ہو۔ بہرحال میں نے ہی لیڈی ڈاکٹر کے لیے کہا ہے۔ تم اپنا چیک اپ کراؤ۔"

"فرہاد، تم مجھے ابھی ان الجھنوں میں نہ ڈالو۔ جو کچھ بھی میری پریشانی ہے میں اسے برداشت کر لوں گی لیکن پہلے امی کے پاس پہنچوں گی۔"

"یہ بے صبری اچھی نہیں ہے۔ سپر ماسٹر کے تمام آدمی تمہاری امی کے لیے چاروں طرف سے جال بچھا رہے ہیں۔ تمہیں ان کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ جو میں کہہ رہا ہوں۔ وہ کرو۔ پہلے تمہارا چیک اپ ہو گا۔ تم تھوڑی دیر اپنی نیند پوری کر لو گی۔ اس کے بعد سفر کا آغاز ہو گا اور انشاء اللہ تم اپنی امی سے پہلے طرابلس پہنچو گی۔"

میں اس سے رخصت ہو کر پھر مسٹر سومرو کے پاس پہنچا۔ اس نے ٹرانسمٹر کے ذریعے جو رپورٹ جلال بیگ تک پہنچائی تھی۔ اس کا جواب اسے کسی وقت بھی مل سکتا تھا لیکن جواب اب تک نہیں ملا تھا۔ سومرو سوچ رہا تھا۔ اب تک بگ باس کی طرف سے ہدایات نہ ملنے کا مطلب یہی ہے کہ میں جو سائرہ بانو کو طرابلس لے جا رہا ہوں تو یہ نہایت مناسب اقدام ہے اور بگ باس اسے پسند کر رہا ہے۔

اس کی سوچ پڑھنے کے بعد میں اس کے دماغ سے رخصت ہونا چاہتا تھا۔ اسی وقت پتہ چلا کہ سامنے ڈیش بورڈ پر ایک چھوٹا سا سرخ بلب جل بجھ رہا ہے۔ ٹرانسمٹر سے اشارہ موصول ہو رہا تھا۔ سومرو نے ڈیش بورڈ کو کھول کر ٹرانسمٹر کو آن کیا۔ پھر کہنے لگا "ہیلو، سومرو اسپیکنگ دس اینڈ اوور۔"

دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ وہ اجنبی زبان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ میں سومرو کے دماغ سے اس کا ترجمہ معلوم کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی "مسٹر سومرو، ہمیں شبہ ہے کہ فرہاد تم تک بھی پہنچ گیا ہے۔ کیوں کہ مرجانہ جب سانپوں کے گھر سے نکل کر فرار ہوئی ہے تو وہ یقیناً تمہارے کیبن کی طرف گئی ہو گی۔ تم نے کوئی بات اپنے ماتحتوں سے کی ہو گی۔ وہ مرجانہ کے کانوں تک پہنچی ہو گی اور وہاں سے فرہاد تک پہنچ گئی ہو گی۔ ہمیں کسی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اسی لیے میں یونانی زبان میں تم سے مخاطب ہوں۔"

وہ ٹرانسمٹر ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا۔ دوسرے لمحے پھر وہی آواز سنائی دی "مسٹر سومرو! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ تم سائرہ بانو کو طرابلس لے کر آتے بگ باس نے کہا ہے کہ مرجانہ اگر دوبارہ ہاتھ نہ آئی تو ہماری پوزیشن کمزور ہو جائے گی۔ لہٰذا اسے ہر حال میں گرفتار ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ہم نے اپنے طور پر بھی کچھ لوگوں کو مرجانہ کی تلاش پر مامور کیا ہے۔ وہ اب تک یقیناً سپر ماسٹر کی پناہ میں پہنچ گئی ہو گی۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم اس وقت بہت ہی بُری طرح

چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہو ایک تو فرہاد کی ٹیلی پیتھی تمہارے ساتھ جا رہی ہے کیونکہ تمہارے ساتھ ساتھ سائرہ بانو بھی چل رہی ہے۔ اگر فرہاد نے تمہیں اب تک ٹریپ نہیں کیا ہے تو تمہاری کسی بھی غلطی سے کے ذریعے تمہارے دماغ تک پہنچ سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ سپر ماسٹر نے چاروں طرف اپنا جال بچھایا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تم کو طرابلس بھی نہ پہنچنے دے اور سائرہ بانو کو تم سے چھین کر لے جائے۔ احتیاط بہت ضروری ہے۔ ہم تمہارے لیے ایک ہیلی کوپٹر بھیجنے کا انتظام کر رہے ہیں۔ تم اس ہیلی کوپٹر کے ذریعے سائرہ بانو کو لے کر طرابلس پہنچ جاؤ۔"

یہ سنتے ہی میں ماسٹر کروٹا مانگا کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ بیچارہ سونے کے لیے جا رہا تھا۔ پچھلے اڑتالیس گھنٹوں میں وہ شاید ایک دو گھنٹے ہی سو سکا تھا۔ میں نے کہا: "ہیلو ماسٹر!"

وہ چونک گیا پھر بستر سے اٹھ بیٹھا کہنے لگا "ہاں جناب فرمائیے!"

"میں کیا کہوں۔ مجھے شرمندگی ہے کہ تمہیں آرام کرنے کا موقع نہیں مل رہا ہے لیکن ایک ضروری کام ہے۔"

"فرہاد صاحب، آپ تکلف نہ کریں۔ میں آپ کی خدمت کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔ آپ حکم کریں!"

"ماسٹر، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، سائرہ بانو اس وقت بن غازی اور طرابلس کے درمیان سفر کر رہی ہیں جو شخص انھیں لے جا رہا ہے۔ اسے ابھی جلال بیگ کی طرف سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے مدد پہنچے گی اور وہ سائرہ بانو کو ہیلی کوپٹر میں طرابلس تک لے جائے گا۔ میں چاہتا ہوں اس سے پہلے آپ لوگوں کا ہیلی کوپٹر وہاں پہنچے!"

"میں سمجھ گیا۔ ابھی میں عبداللہ بن صمیم سے رابطہ قائم کرتا ہوں!"

تھوڑی دیر بعد وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کر رہا تھا میں اس کے دماغ میں موجود تھا۔ دوسری طرف سے ماسٹر عبداللہ بن صمیم کی آواز سنائی دی: "ہیلو ماسٹر، فرمائیے کیا حکم ہے؟"

ماسٹر کروٹا مانگا نے کہا: "ماسٹر، اس وقت فرہاد صاحب ہمارے درمیان موجود ہیں۔ شاید وہ آپ کے پاس بھی دماغی طور پر پہنچنا پسند کریں... بہرحال اس وقت لیڈی سائرہ بانو بن غازی اور طرابلس کے درمیان دشمنوں کی قید میں ہیں۔ دشمنوں کا ایک ہیلی کوپٹر وہاں پہنچ کر سائرہ بانو کو جلد ہی طرابلس لے جائے گا۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ اس سے پہلے آپ اپنا ہیلی کوپٹر وہاں پہنچا دیں اور سائرہ بانو کو وہاں سے اٹھا کر لے آئیں؟"

"میں ابھی اپنے ہیلی کوپٹر کو بھیجتا ہوں۔ باقی جو ہدایت اس سلسلے میں ضروری ہوں وہ فرہاد صاحب مجھے دے سکتے ہیں۔"

میں نے کروٹا مانگا کے دماغ میں کہا: "میں ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے دماغ میں پہنچ رہا ہوں، اسے باخبر کر دیں۔"

ماسٹر کروٹا مانگا نے یہی کیا ماسٹر کو بتایا: "فرہاد صاحب تمہارے دماغ میں پہنچنے والے ہیں۔ اب تم بات کر لو۔"

ادھر رابطہ ختم ہوا۔ اُدھر میں نے ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "ہیلو ماسٹر، میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔"

وہ چپ چاپ دیدے پھیلائے سامنے والی دیوار کو دیکھنے لگے میری سوچ کو اپنے دماغ میں محسوس کر رہا تھا اور خود سوچ رہا تھا: "کیا فرہاد صاحب اسی طرح دماغ میں بولتے ہیں یا میرا دماغ خود بول رہا ہے؟"

"نہیں، ماسٹر میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ ابھی ماسٹر کروٹا مانگا نے آپ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ میں آپ کو یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ ہیلی کوپٹر میں کسی ایسے شخص کو ضرور بھیجیں جو یونانی زبان جانتا ہو۔ وہ لوگ بہت محتاط ہیں اور ایسی زبان استعمال کر رہے ہیں۔ جن کے ذریعے میں ان کے دماغ تک نہ پہنچ سکوں۔ لہٰذا میں ان کی چال انھی کو لوٹانا چاہتا ہوں۔"

ماسٹر عبداللہ بن صمیم حیران حیران سا بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی تک اسے پوری طرح یقین نہیں آیا تھا کہ میں ہی اس کے دماغ میں بول رہا ہوں مجبور ہو کر مجھے وہی ہتھکنڈے استعمال کرنے پڑے، یعنی اسے میں نے پہلے سے بتا دیا کہ اب وہ کیسی الٹی سیدھی حرکتیں کرنے والا ہے۔ وہ ویسی ہی حرکتیں کرنے لگا اور جب میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا۔ تب وہ میری موجودگی کا قائل ہو گیا۔

اس کے بعد وہ ہیلی کوپٹر کو وہاں سے بھیجنے کے لیے تقریباً پینتالیس منٹ تک مصروف رہا۔ اس ہیلی کوپٹر میں چھ مسلح افراد اور ایک ایسا شخص بھی تھا جو یونانی زبان جانتا تھا۔ ان سب سے میرا غائبانہ تعارف کرایا گیا۔ اور میں نے ان سب کے دماغ میں پہنچ کر ان سے کہا کہ وقت پڑنے پر میں ان سے رابطہ قائم کروں گا۔

اس کے بعد میں سومرو کے دماغ میں پہنچا پتہ چلا اس کی امداد کے لیے ہیلی کاپٹر اب تک نہیں پہنچا ہے۔ میں نے چپکے چپکے اس کے دماغ کو کریدنا شروع کیا کہ جب ہیلی کوپٹر پہنچے گا تو وہ کس طرح معلوم کرے گا کہ جو ہیلی کوپٹر اس کے سر پر پرواز کر رہا ہے اور اسے مخاطب کر رہا ہے۔ وہ اس کا اپنا ہی ہے۔ دشمنوں کا نہیں ہے۔

اس کی سوچ نے بتایا کہ ایسے وقت کوڈ ورڈز استعمال کیے جاتے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ یقیناً کوئی اجنبی زبان استعمال کی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ کوڈ ورڈز میں اسے کہا جائے گا: "وی آر فرام بی بی آف بی ایس۔"

میں نے اس کے دماغ کے ذریعے یہ معلوم کیا کہ جن گاڑیوں میں وہ اور سائرہ بانو سفر کر رہے ہیں، ان گاڑیوں کے رنگ کیا ہیں اور ان کی ساخت کیا ہے یہ تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد میں ہیلی کوپٹر میں پرواز کرنے والے اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا جو یونانی زبان جانتا تھا۔ میں نے اسے تمام باتیں بتائیں۔ گاڑیوں کے رنگ، ان کی ساخت اور وہ کوڈ ورڈز وغیرہ سب کچھ اسے یاد کرا دیے۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ ہائی وے کے اس مقام پر پہنچے جہاں سے وہی دو گاڑیاں گزر رہی تھیں۔

ان گاڑیوں کے قریب سے نیچی پرواز کرتے ہوئے اسپیکر کے ذریعے

کہا گیا: "مسٹر سومرو، ہم تم سے مخاطب ہیں۔ وی آر فرام بی بی آف بی ایس۔ گاڑیاں روک دو۔ ہم اپنا ہیلی کوپٹر اسی ہائی وے پر اتار رہے ہیں۔"

گاڑیاں رکنے لگیں۔ ان سے کچھ فاصلے پر وہ ہیلی کوپٹر کشادہ ہائی وے پر اترنے لگا۔ میں نے سائرہ بانو سے کہا: "اب آپ کو اس گاڑی سے اتار کر ایک ہیلی کوپٹر میں سوار کرایا جائے گا۔ آپ خاموشی سے اس پر سوار ہو جائیں گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم آپ کی نگرانی کر رہے ہیں۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

میں نے انھیں یہ نہیں بتایا کہ اب وہ دوستوں میں پہنچ گئی ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ حشمت بیگ ان کے چہرے کے تاثرات سے شاید سمجھ لیتا کہ کوئی چال چلی جا رہی ہے۔ میں حشمت بیگ کو شبہے میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے سائرہ بانو کو اندھیرے میں رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سومرو اپنی گاڑی سے اتر کر ہیلی کوپٹر کی طرف جانے لگا۔ اس کے پیچھے سائرہ بانو، حشمت بیگ اور مسلح جوان موجود تھے سومرو نے قریب پہنچ کر یونانی زبان میں پوچھا: "بگ باس کا میرے متعلق کیا حکم ہے؟"

اس یونانی زبان میں بولنے والے شخص نے کہا: "ہم آپس میں زیادہ بات نہیں کریں گے۔ بگ باس نے کہا ہے کہ آپ اپنی گاڑی میں طرابلس پہنچیں۔ سائرہ بانو کو کسی دوسری جگہ لے جایا جا رہا ہے۔ اس جگہ کا نام ہم آپ کو نہیں بتائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ فرہاد آپ کے دماغ میں موجود ہو اور وہ جگہ معلوم کر لے۔"

سومرو نے تائید میں سر ہلایا۔ اس دوران سائرہ بانو اور حشمت بیگ ہیلی کوپٹر میں سوار ہو گئے۔ سومرو کے ساتھ آنے والے مسلح سپاہی سومرو کے ساتھ ہی رہ گئے۔ جب وہ ہیلی کوپٹر ہائی وے سے بلند ہو کر پرواز کرنے لگا تب مجھے پوری طرح اطمینان ہو گیا۔

میں نے مرجانہ کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ ایک آرام دہ بستر پر گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اسے سونے دیا۔ جو شخص مرجانہ سے پارک کے سامنے ملاقات کر چکا تھا میں نے اس کے دماغ کے ذریعے معلوم کیا کہ تقریباً دو گھنٹے کے بعد مرجانہ کو ہیلی کوپٹر کے ذریعے طرابلس بھیجا جائے گا۔ میں ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ٹرانسمیٹر کے سامنے بیٹھا ہوا ہیلی کوپٹر والوں سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے آدمی بڑی کامیابی سے، لڑائی جھگڑے کے بغیر سائرہ بانو کو لے کر آ رہے ہیں بلکہ حشمت بیگ کو بھی اغوا کر کے لا رہے ہیں اور حشمت بیگ اب تک اسی خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی حفاظت میں سائرہ بانو کو طرابلس لے جا رہا ہے۔

میں نے کہا: "ماسٹر، تھوڑی دیر میں سائرہ بانو آپ کے پاس پہنچ جائیں گی۔ مرجانہ کے لیے بھی اپنے ماتحتوں کو حکم دے دیں کہ وہ اسے نہایت آرام اور حفاظت کے ساتھ آپ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ دونوں ماں بیٹی کی آپ پوری ذمہ داری سے حفاظت کروائیں۔ میں اب چار، پانچ گھنٹے تک سونا چاہتا ہوں۔ بہت تھک گیا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اطمینان سے آرام کرنے کا موقع دیں گے۔"

ماسٹر عبداللہ بن صمیم نے کہا: "جناب، آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ دونوں ماں بیٹی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔"

میں مطمئن ہو کر وہاں سے چلا آیا۔ ماسٹر کروٹا مانگا کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ بے چارہ گہری نیند سو چکا تھا۔ اب بھی سوتے رہتے میرے پاس رسونتی بھی گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دن نکل آیا تھا۔ بلکہ دھوپ تیز تھی۔ ایک میں ہی تھا جو اب تک جاگ رہا تھا۔ میں نے بستر سے اٹھ کر اس کٹیا کے باہر آکر دیکھا تو غلام اپنے آدمیوں کے ساتھ کٹیا کے باہر بیٹھا ہوا ہمارے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا۔

میں نے کہا: "غلام، میں پچھلی رات سے اب تک سو نہیں سکا۔ تمہاری مالکہ سو رہی ہیں۔ وہ بیدار ہو جائیں گی۔ تو تم ان سے پوچھ لینا کہ انھیں کسی چیز کی ضرورت ہے یا نہیں میں اب سونے جا رہا ہوں۔ چار پانچ گھنٹے سے پہلے اب اس کٹیا سے باہر نہیں نکلوں گا!"

یہ کہہ کر میں واپس آیا اور آتے ہی بستر پر لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ سونے سے پہلے میں نے سونیا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا پتہ چلا وہ اور ڈاکٹر جمال پیرس پہنچنے کے بعد ایک بار پھر اپنی نیند پوری کر رہے تھے۔ میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ کم از کم پانچ گھنٹے تک سوتا ہوں۔ اس کے بعد بیدار ہو جاؤں۔

❋

میری آنکھ کھل گئی۔ رسونتی پاس ہی بیٹھی میرے بیدار ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی وہ مجھ پر جھک گئی۔ مجھے خواب کا سا سماں لگا جیسے میں اب تک سو رہا ہوں اور نیند کی وادیوں میں رسونتی کے ساتھ یہ خوبصورت لمحات گزار رہا ہوں۔ مجھ پر نیند کا خمار بھی تھا اور رسونتی کی والہانہ اداؤں کا نشہ بھی طاری تھا۔ کچھ دیر بعد میں پوری طرح بیدار ہو گیا۔

بستر سے اٹھ کر غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد میں اور رسونتی کٹیا سے باہر آئے۔ غلام نے مسکرا کر استقبال کیا۔ فوراً ہی ہمارے لیے کھانے کے انتظامات کیے گئے۔ وہاں ہم کھانا کھاتے رہے اور باتیں کرتے رہے۔ اس دوران رسونتی بار بار مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھتی رہی۔ آخر میں نے پوچھ لیا: "کیا بات ہے تم مجھے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"کیا تم میرے دماغ میں پہنچ کر میرے تجسس کو سمجھ نہیں سکتے؟"

"سمجھ سکتا ہوں۔ تم خود ہی بتا دو تو بہتر ہے۔"

"میں اس انتظار میں ہوں کہ تم ہمارے پاس بیٹھے بیٹھے کب دماغی طور پر غیر حاضر ہو جاؤ گے اور پرواز میں مصروف ہو جاؤ گے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "ہاں، مجھے سائرہ بانو، مرجانہ اور سونیا وغیرہ کی خبر لینا چاہیے لیکن مجھے اطمینان ہے۔ وہ سب محفوظ مقامات تک پہنچ گئی ہیں۔ انھیں دشمنوں کی طرف سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں

اطمینان سے ان کے پاس جاؤں گا۔"
رسونتی نے کہا: "بھگوان کا شکر ہے کہ تم ابھی کچھ دیر تک ہمارے پاس دماغی طور پر موجود رہو گے۔"
غلام نے مسکرا کر کہا: "آقا، آپ نے ہماری مالکہ کو پریشان کر دیا ہے۔ ایک تو جلد یہاں سے رخصت ہونے والے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے پاس موجود رہ کر بھی موجود نہیں رہتے۔"
"بھئی شکایتیں نہ کرو۔ میں بہت مجبور ہوں۔ کوشش کروں گا کہ زیادہ سے زیادہ وقت تمھاری مالکہ کے پاس موجود رہوں۔"
کھانے کے بعد میں نے ایک گھنٹہ اور رسونتی کے ساتھ گزارا۔ اس سے خوب باتیں کرتا رہا۔ وہ خوش ہوتی رہی۔ ایک گھنٹے بعد میں نے کہا "اب اگر اجازت دو تو میں ان تمام لوگوں کی خبر لے لوں۔"
وہ مسکرا کر بولی: "ہاں، یہ ضروری ہے۔ اب تمھیں ضرور ان کی خبر لینا چاہیے۔ میں تمھاری واپسی کا انتظار کروں گی۔"
ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے پھر اپنی کٹیا میں آئے۔ میں ایک بستر پر بیٹھ گیا۔ لیٹنے کو دل نہیں چاہتا تھا اس لیے پلتھی مار کر آنکھیں بند کر لیں اور سونیا کے پاس پہنچ گیا۔
وہ پیرس کے ماسٹر کے پاس ایک بہت ہی آرام دہ، سجے سجائے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ماسٹر سے کہا تھا کہ اسے سائرہ بانو اور مرجانہ کے متعلق فوراً بتایا جائے کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟
سونیا کی فرمائش ماسٹروں کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ پیرس کے ماسٹر نے ماسٹر کروڑ مانگا سے رابطہ قائم کیا۔ پھر اس کے ذریعے معلومات حاصل کرتے ہوئے ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے پاس پہنچا اور وہاں جو کچھ معلوم ہوا وہ اس نے سونیا کو بتایا۔
سونیا نے ان کی طرف سے مطمئن ہو کر کہا: "ماسٹر میرے ساتھ جو صاحب ڈیڑ جمال آئے ہیں پہلے میں انھیں سائرہ بانو کی کوٹھی میں بھیجنا چاہتی تھی۔ لیکن اب میں ڈیڑ جمال کو اپنے ساتھ لے کر لندن جاؤں گی۔ آپ ماسٹر عبداللہ بن صمیم سے کہہ دیں کہ مرجانہ اور اس کی امی کو لندن پہنچا دیں۔ وہاں مرجانہ کا علاج بہت ضروری ہے۔"
میں نے اس کے دماغ میں کہا: "ہیلو سونیا، میں تمھارے پاس ہوں۔"
وہ بے اختیار خوش ہو گئی۔ پھر جلدی سے سنبھل کر ناگواری سے بولی: "تم نے میرے پاس آنے کی تکلیف کیوں گوارا کی۔ میں یہاں خیریت سے ہوں اور اگر تم مجھ سے اسی طرح دور رہو تو ہمیشہ خیریت سے رہوں گی۔"
"فضول باتیں نہ کرو۔ میں تم سے کام کی باتیں کرنے آیا ہوں۔ اگر بیکار باتیں کروں تو تم نخرے دکھانا۔"
"اچھا کہو، کیا کہہ رہے ہو؟"
"مرجانہ کو یقیناً علاج کے سلسلے میں لندن پہنچنا چاہیے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ تم ڈیڑ جمال اور سائرہ بانو بھی وہاں پہنچو گے تو نتیجہ کیا ہوگا۔ ہم سب دشمنوں کو ایک ہی مقام پر مل جائیں گے۔ ہمیں مختلف مقامات پر ہونا چاہیے۔"
"یعنی میں لندن نہ جاؤں؟"
"تم تو ضرور جاؤ گی۔ کیونکہ میں بھی کل وہاں پہنچ رہا ہوں۔"
"پھر تو میں کبھی وہاں نہیں جاؤں گی۔ مرجانہ کو لے کر علاج کے لیے امریکہ چلی جاؤں گی۔"
"ہم نے مرجانہ کے علاج کے لیے جو پروگرام بنایا ہے اس کے مطابق وہ لندن میں رہے گی۔ میں اس کی نگرانی کروں گا اور تم وہاں رہو گی۔ سائرہ بانو اور ڈیڑ جمال کو کسی دوسرے ملک میں بھیجا جائے گا۔"
"سائرہ بانو اپنی بیٹی کو چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔"
"انہیں کسی طرح سمجھا بجھا کر علیحدہ رہنے پر راضی کرنا ہی ہوگا۔ مرجانہ کے ذریعے اگر انھیں سمجھایا جائے تو شاید وہ مان جائیں گی۔ پھر یہ کہ ڈیڑ جمال کا ساتھ ہوگا تو وہ بہل جائیں گی۔"
"میں تمھاری یہ بات مانتی ہوں کہ مرجانہ کے علاج کے دوران سائرہ بانو اور ڈیڑ جمال کو دور رہنا چاہیے لیکن میں مرجانہ کے ساتھ لندن میں رہوں گی۔ تو تم وہاں نہیں آؤ گے۔ اگر تم آ گئے تو میں مرجانہ کو لے کر کسی دوسری جگہ چلی جاؤں گی۔ کہو، کیا فیصلہ کرتے ہو؟"
"تمھاری اس بات پر مجھے غور کرنا ہوگا لیکن میں سامی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ ماسٹر سے پوچھو کہ میری سامی کہاں ہے؟ تم اسے اپنے ساتھ رکھ لو۔ جب بھی تم سے ملاقات ہوگی میں سامی کو تم سے لے لوں گا۔"
"تم پھر ملاقات کی بات کر رہے ہو۔ میری تمھاری ملاقات اب کبھی نہیں ہوگی۔"
"چلو نہیں ہوگی۔ لیکن سامی کے متعلق معلوم کرو۔"
سونیا نے ماسٹر سے سامی کے متعلق پوچھا۔ ماسٹر نے کہا: "مادام، ماسٹر موس ٹرونی کی موت کے بعد میں نے یہاں کا چارج لیا ہے۔ مجھے جو کچھ ملا اس میں وہ بلی نہیں تھی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ ویسے میں یہاں کے خاص ماتحتوں سے ابھی دریافت کرتا ہوں۔"
یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا اور دوسرے کمرے میں جانے لگا۔ سونیا نے سوچ کے ذریعے پوچھا: "کیا تم موجود ہو؟"
"ہاں، تمھیں چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں؟"
"بکواس نہ کرو۔ یہ عاشقانہ باتیں صرف رسونتی کے لیے رکھو۔"
"تم تو جل بھن کر کباب ہو رہی ہو۔"
"میں رسونتی سے کبھی نہیں جلتی۔ اس کی تقدیر میں تم لکھے تھے میں اس کا برا نہیں مانوں گی۔ مجھے تو غصہ اس بات پر ہے کہ تم اب بھی اپنے ہرجائی پن سے باز نہیں آ سکتے۔ بے چاری تمھاری بیوی تمھارے بچے کی ماں بننے والی ہے اور تم اسے چھوڑ کر پھر لندن جانا چاہتے ہو۔ ایک بار اسے چھوڑ کر نکلو گے تو شاید برسوں کے بعد ہی اس سے ملاقات کر سکو گے۔ میں تمھاری فطرت کو خوب سمجھتی ہوں۔"
"میں تمھیں پہلے ہی سمجھا چکا ہوں کہ میں رسونتی کو نہیں چھوڑ رہا ہوں رسونتی خود مجھے چھوڑ رہی ہے۔ وہ اپنے بچے کی سلامتی کیلئے ایسا کر رہی ہے اور مجھے بھی بچے کی سلامتی منظور ہے۔"
"بچے کی سلامتی کی آڑ میں تمھیں آزادی مقصود ہے۔ تم کتنے شریف ہو یہ سونیا سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ بہرحال میری بات کا جواب دو تم لندن جا رہے ہو یا اپنا ارادہ بدل رہے ہو؟"
میں تھوڑی دیر تک سوچنے لگا۔ اگر میں لندن جانے کی بات کروں گا تو سونیا مرجانہ کو وہاں نہیں جانے دے گی۔ میں مرجانہ کو روکنا چاہوں گا تو کامیاب نہیں ہوں گا کیونکہ مرجانہ خود اس کی دیوانی تھی۔ اب دوسرے پہلو سے میں نے سوچا کہ سونیا کو دھوکہ دے کر لندن پہنچ جاؤں، تب مجھے خیال آیا کہ وہ سونگھنے کی حس رکھتی ہے۔ لندن میں میری بو پا لے گی تو میری موجودگی کو سمجھ لے گی۔
یہ سب سوچنے کے دوران میرے اندر کچھ بے چینی سی پیدا ہوئی مجھے محسوس ہوا جیسے کوئی بات میرے دماغ میں اٹک رہی ہے۔ میں نے اپنے دماغ کو ٹٹولنا شروع کیا تو سونیا کی وہی سونگھنے والی بات دماغ میں چبھنے لگی۔ مجھے یاد آیا کہ جب میں رسونتی کے ساتھ ایک ہتھکڑی میں قید کیا گیا تھا اور سونیا اسی جنگل میں کئی میل کے فاصلے پر مرجانہ کے ساتھ تھی تو اس نے میری بو کیوں نہیں سونگھی۔ وہ بو سونگھ کر سمت کا تعین کر کے میری طرف آ سکتی تھی۔
جب مجھے یہ بات یاد آئی تو یہ بھی یاد آیا کہ جب وہ جنگل میں مرجانہ کو تلاش کر رہی تھی۔ تو اس وقت بھی اس نے مرجانہ کی بو نہیں سونگھی تھی۔ وہ مرجانہ تک اسی طرح بو سونگھ کر پہنچ سکتی تھی لیکن اس کی سونگھنے کی حس کیا ہوئی؟ بے حسی اور بے بسی کے ساتھ جنگل میں ادھر سے ادھر کیوں بھٹک رہی تھی؟
میں یہ پوچھنے کے لیے اس کے دماغ میں پہنچا۔ اسی وقت ماسٹر نے کمرے میں آ کر کہا: "مادام، مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کی بلی سامی کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ میرے ماتحت بھی اس بارے میں لاعلمی ظاہر کر رہے ہیں۔"
میں نے سونیا کے دماغ میں پوچھا: "سونیا، تم سونگھنے کی حس رکھتی ہو۔ سامی تمھارے پاس کافی عرصے تک رہی ہے۔ کیا تم اس کی بو سونگھ کر اس کے پاس نہیں پہنچ سکتیں؟"
اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بولی: "مجھے اس سلسلے میں یہاں کے ایک ڈاکٹر سے ملنا ہوگا۔"
میں نے پوچھا: "ڈاکٹر سے کیوں ملنا ہوگا؟"
وہ بولی: "بات یہ ہے کہ جہاں میں خوشبو کو سونگھتی تھی۔ وہاں دنیا بھر کی بدبو بھی میری ناک تک پہنچتی تھی۔ سونگھنے کی حس اتنی تیز ہو گئی تھی کہ میں ناگوار بو برداشت نہیں کر پاتی تھی۔ اکثر سوتے وقت بڑی بے چینی سی محسوس ہوتی تھی۔ آس پاس کہیں دور تک کوئی کچرا گھر ہو یا کسی قسم کی بدبو ہو تو وہ مجھے بے چین کر دیتی تھی۔ میں نے ایک ڈاکٹر سے مشورہ کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ متواتر علاج کے ذریعے میری سونگھنے کی حس کو کم کر سکتا ہے۔ میں اس کے زیرِ علاج رہنے لگی۔ وہ مجھے کھانے کے لیے دوائیں دیتا تھا اور انجکشن بھی لگاتا تھا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ سونگھنے کی حس قدرے کم ہو گئی ہے۔ لیکن اتنی تو تھی کہ میں پیرس کی حدود میں رہنے والوں کی بو سونگھ سکتی تھی۔ لیکن اس کے بعد پتہ نہیں کیا ہوا کہ رفتہ رفتہ وہ حس بتدریج کم ہونے لگی۔ اب اتنی کم ہو گئی ہے کہ میں صرف اپنے سامنے والوں کی بو محسوس کر سکتی ہوں۔ تم مجھ سے دور ہو یا میری نگاہوں کے سامنے نہ ہو میں ان کی بو نہیں پا سکتی۔"
"کیا تم دوبارہ علاج کراؤ گی اور اپنی سونگھنے کی حس کو بحال کرو گی؟"
"ہاں، اس حد تک تو بحال کرنا چاہتی ہوں کہ لندن میں رہوں تو تمھاری بو محسوس کر سکوں تاکہ تم وہاں نہ رہ سکو۔"
"تم تو خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ کیا میرے لیے یہ کرو گی؟"
"تمھارے جیسے شیطان سے دور رہنے کے لیے مجھے اپنی سونگھنے کی حس کو بحال رکھنا چاہیے۔"
"میں بددعا دیتا ہوں کہ اب کبھی تمھاری سونگھنے کی حس بحال نہ ہو۔"
"تمھاری اس بددعا سے ظاہر ہو گیا کہ تم لندن ضرور پہنچو گے۔"
"میں تمھارے پاس بھی نہیں آؤں گا اور نہ ہی لندن جاؤں گا۔ میں سائرہ بانو اور ڈیڑ جمال کے ساتھ کسی دوسرے ملک میں رہوں گا۔"
"یہ ہوئی نا کام کی بات۔ میں اپنے طور پر معلومات حاصل کرتی رہوں گی کہ تم سائرہ بانو اور ڈیڑ جمال کے ساتھ رہتے ہو یا نہیں۔ اگر تم نے مجھے دھوکا دے کر لندن پہنچنے کی کوشش کی تو بہت برا ہوگا۔"
"بس دھمکی نہ دو۔ میں نے کہہ دیا میں لندن نہیں آؤں گا۔ ہو سکے تو میری سامی کو تلاش کر دو۔"
تھوڑی دیر تک اس سے نوک جھونک ہوتی رہی پھر میں سائرہ بانو کے پاس پہنچ گیا۔ "ہیلو امی، آپ کیسی ہیں؟"
وہ خوش ہو کر بولیں: "بیٹے خوش رہو۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخیریت ہوں۔ تم انہوں کی خیریت سناؤ۔"
"انہوں کا مطلب تو یہ ہوا امی کہ آپ جمال صاحب کی خیریت پوچھنا چاہتی ہیں۔"
وہ ایک دم سے جھینپ گئیں۔ کچھ شرمائیں پھر ذرا ناراض ہو کر بولیں: "شریر کہیں کے۔ فضول باتیں کرتے ہو۔ میں بھلا کیوں ان کی خیریت پوچھوں گی۔ میں تو سبھی کی خیریت دریافت کر رہی ہوں۔"
"ان سب میں جمال صاحب بھی شامل ہیں اور یوں کہنا چاہیے کہ وہ سرِفہرست ہیں۔ چلیے میں بتائے دیتا ہوں وہ بخیریت ہیں اور سونیا کے ساتھ پیرس میں موجود ہیں۔ اب ہم سوچیں گے کہ کس طرح ایک دوسرے سے

ملاقات ہو سکتی ہے۔ ویسے آپ کی خوشی اور اطمینان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مرجانہ آپ کے پاس پہنچ گئی ہے۔"

"ہاں وہ میرے پاس تو پہنچ گئی ہے مگر اس وقت میرے سمجھانے کے باوجود حشمت بیگ کے پاس گئی ہے۔ بیٹا وہ اسے بُری طرح مارے گی۔ اس سے انتقام لے گی۔ تم اسے سمجھاؤ۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ کسی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔"

آپ اطمینان رکھیں امی۔ وہ ایسا نہیں کر سکے گی۔ میں اسے باز رکھوں گا۔ اچھا میں اس کے پاس پہنچ کر دیکھتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں مرجانہ کے بجائے حشمت بیگ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک خالی کمرے کے ننگے فرش پر بیٹھا ہوا تھا اور بُری طرح گھبرایا ہوا تھا۔ پہلے تو وہ خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اسے جس ہیلی کوپٹر میں سوار کرایا گیا تھا۔ وہ ہیلی کوپٹر اس کے بیٹے نے ہی بھیجا ہوگا۔ طرابلس پہنچنے تک وہ یہی سمجھتا رہا۔ جب سائرہ بانو کو ایک نہایت ہی خوبصورت بنگلے میں پہنچایا گیا تو وہ کہنے لگا۔ "دیکھ لو میرے بیٹے نے کیسے انتظامات کیے ہیں۔ دیکھ کے ہر حصے میں اس کی پہنچ ہے اب تم یہاں بیٹھ کر آسانی سے خزانے کا پتہ بتاؤ گی۔"

اس وقت تک سائرہ بانو کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ دوستوں میں آگئی ہیں۔ انھوں نے ایک مسلح محافظ سے کہا۔ "یہ مجھ سے خزانے کا پتہ پوچھ رہا ہے۔ اسے خزانے تک پہنچا دو۔"

سائرہ بانو کی بات سنتے ہی دو محافظوں نے اسے دونوں طرف سے پکڑ لیا۔ تب حشمت بیگ نے حیرانی اور پریشانی سے پوچھا۔ "یہ کیا حرکت ہے۔ تم لوگوں نے مجھے کیوں پکڑا ہے؟"

سائرہ بانو نے اس کو حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "جی چاہتا ہے تمہارے منہ پر تھوک دوں۔ تمھیں جوتے لگاؤں مگر افسوس میری پرورش ایک شریف خاندان میں ہوئی ہے۔ اگر میں ایسی حرکت کروں گی تو تم میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ تم سے فرہاد سمجھے گا۔ جاؤ اسے لے جاؤ۔"

تب حشمت بیگ کو پتہ چلا کہ وہ دھوکا کھا گیا ہے اور پوری طرح بازی ہار چکا ہے۔ وہ دوسروں کے لیے گڑھا کھود رہا تھا خود ایک گڑھے میں آگرا ہے۔

اس کے سوچنے کے دوران کمرے کا دروازہ کھلنے لگا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کھلے ہوئے دروازے پر جو ہستی نظر آئی اسے دیکھتے ہی اس کے ہوش اڑ گئے۔ مرجانہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے دو مسلح محافظ تھے۔ وہ چند لمحوں تک اسے تیز چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے خاموشی سے دونوں ہاتھ اپنی کمر سے اٹھا کر پیچھے کی طرف ہاتھوں سے یوں اشارہ کیا جیسے محافظوں کو وہاں سے جانے کا حکم دے رہی ہو۔ محافظ اباؤٹ ٹرن ہو کر جانے لگے۔ وہ کمرے کے اندر آئی اور دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔

حشمت بیگ گھگھیانے لگا۔ اس کے منہ سے مارے دہشت کے عجیب و غریب آوازیں نکلنے لگیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر مرجانہ کی ہیبت ایسی طاری تھی کہ اس کے منہ سے صحیح الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ جن لوگوں نے سائرہ بانو کو جوانی میں ستایا تھا اور بری طرح برباد کیا تھا۔ ان کے ساتھ مرجانہ کس بُری طرح پیش آئی تھی۔ یہ بات حشمت بیگ جانتا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ سائرہ بانو نے اپنے ایک دشمن کو معاف کر دیا تھا۔

جب مرجانہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے اس کے قریب آنے لگی تو اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "بیٹی تمھاری امی جتنی رحمدل ہیں تمھارے ابا مرحوم بھی اتنے ہی انسان دوست اور رحمدل انسان تھے۔ دشمنوں کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ میری عمر دیکھو۔ میں تمھارے والد کی جگہ ہوں۔"

اس کی بات پوری ہوتے ہی مرجانہ نے دونوں ہاتھوں سے جھپٹ کر اس کے گریبان کو پکڑا اور پھر ایک طرف جھٹکا دے کر اسے سامنے والی دیوار کی طرف پھینک دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اس دیوار سے ٹکرایا۔ مرجانہ چیخ کر بولی۔ "کمینے کتے آج کہہ رہا ہے کہ میرے باپ کی جگہ ہے۔ پہلے کہتا رہا کہ میرا باپ ہے۔ میری ماں کو بدنام کرتا رہا۔ آج موت نظر آرہی ہے تو لہجہ بدل گیا ہے۔ رشتہ بدل گیا ہے لیکن میرے تیور نہیں بدلیں گے۔"

وہ دیوار کی طرف سے کانپتے ہوئے بڑھ رہا تھا۔ مرجانہ نے اپنا ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ سہم کر دیوار سے چپکنے لگا۔ مرجانہ کا وہ ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے آیا۔ پھر حشمت بیگ کو یوں لگا۔ جیسے اس کے دونوں جبڑے آہنی شکنجے میں کس گئے ہوں۔ وہ بُری طرح کانپنے لگا۔ بڑی مشکل سے منہ کھول کر کہنے لگا۔ "بے۔۔۔۔ بے۔۔۔ بیٹی میں کمزور ہوں تم شہ زور ہو۔"

مرجانہ نے اسے اسی طرح جبڑوں سے تھام کر دیوار سے لگا کر ایک ہاتھ کی قوت سے ذرا اوپر اٹھایا پھر نیچے دھکا دے دیا۔ وہ گرا تو اس کے سینے پر پاؤں رکھ کر بولی۔ "جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے تب سے شہ زور اور کمزور کا کھیل جاری ہے۔ یہاں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگلتی ہے۔ شہ زور کمزور کو کچل دیتا ہے کمینے جب میری ماں کمزور تھی اور تو ظلم کر رہا تھا تو اس وقت تجھے یہ یاد نہیں آیا کہ میری ماں کمزور ہے اور تو شہ زور ہے کبھی وقت بدلے گا۔ تو تو کمزور ہوگا اور تقدیر تیری بے بسی کا مذاق اڑائے گی۔"

اس نے جو لات اس کے سینے پر رکھی تھی۔ اسی لات سے اس کے منہ کو زور سے کچل دیا۔ وہ فرش پر تڑپنے لگا۔ اس نے اس کے بالوں کو مٹھی میں پکڑ کر ایک زور کا جھٹکا دیا اور فرش پر بٹھا دیا۔ اس سے ایک قدم دور ہو کر بولی۔ "جو طاقت ور ہوتے ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ طاقت ور رہیں گے، وقت اور عمر اور حالات اور تقدیر انہیں کبھی کمزور نہیں بنائے گی۔ وہ قدرتی نظام کو بھول جاتے ہیں۔ جیسے تو بھول گیا تھا اب تجھے میں یاد دلا رہی ہوں تاکہ دوسرے طاقت وروں کو یہ عبرت حاصل ہو کہ آنے والا وقت ایک عبرت کی گھڑی ہوتا ہے اور کسی وقت بھی شہ زور کو کمزور بنا دیتا ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے ایک زور کی لات اس کے منہ پر ماری۔ وہ چیخنے لگا فرش پر تڑپنے لگا۔ یوں ہاتھ پاؤں مارنے لگا جیسے موت کے اندھیرے میں ڈوب رہا ہو اور تیر کر پار نکلنا چاہتا ہو۔

میں نے کہا۔ "مرجانہ بس کرو۔ کیا اسے مار ڈالو گی؟"

"ابھی نہیں۔ ابھی تو میں تھوڑا سا نمونہ پیش کر رہی ہوں۔ اپنی امی کے سامنے اس کی ایسی مرمت کروں گی کہ یہ موت کی بھیک مانگے گا اور اسے موت نہیں ملے گی۔ میں اسے زندہ رکھ رکھ کر ماروں گی۔"

"یہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تمھاری امی رحمدل ہیں ان کے سامنے تم سزا دو گی۔ یہ تڑپے گا، چیخے گا، چلائے گا، فریاد کرے گا تو تمھاری امی تمھیں مجبور کر دیں گی کہ اسے معاف کر دو۔"

وہ سر جھٹک کر بولی۔ "میں اسے ہرگز معاف نہیں کروں گی۔"

"یہ تمھاری ضد ہے ورنہ تم اپنی امی کے سامنے جھک جاؤ جانتا ہوں اور تم بھی۔"

"تم چاہتے کیا ہو؟"

"میں چاہتا ہوں کہ جو سبق تم اسے دینا چاہتی ہو وہی سبق اس کے بیٹے کو ملے۔ اس کا بیٹا سمجھے کہ طاقت کے گھمنڈ میں دوسروں کو پریشان کرنے، برباد کرنے، جنگلوں میں بھٹکانے اور ہمیں اپنے ملک سے دور رکھ کر ہمارے ملک کے ٹکڑے ہونے کا تماشہ دیکھنے والے کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔ یہ سبق جلال بیگ کو سکھانا ہوگا۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"جلال بیگ کی چال اُسے لوٹانا چاہتا ہوں یعنی حشمت بیگ کے سینے پر موت کا ایک بم باندھ کر اسے اس کے بیٹے کے پاس روانہ کر دیا جائے گا۔ اس چیلنج کے ساتھ کہ اس بم کے تار کو صرف ہم میں سے کوئی علیحدہ کر سکتا ہے اور کوئی دوسرا کوشش کرے گا تو حشمت بیگ کے ساتھ اس کے دھماکے سے ہلاک ہو جائے گا۔"

مرجانہ نے خوش ہو کر کہا۔ "ہاں یہ بہت اچھی تدبیر ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ تمیں گھنٹے تک میری امی اور ہم سب کس طرح ذہنی اذیتوں میں مبتلا رہے۔ ہر لمحہ ہمیں موت نظر آتی رہی یہی حال اب جلال بیگ کا ہوگا۔"

وہ فرش پر اوندھے منہ پڑا۔ کراہ رہا تھا مرجانہ اس سے دور ہٹ کر اسے تھوڑی دیر تک دیکھتی رہی۔ پھر اس نے دروازہ کھولا۔ باہر وہی دو مسلح جوان کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔ "حشمت بیگ کو لے جا کر غسل کراؤ اسے ڈھنگ کا لباس پہناؤ اور اچھی طرح کھلاؤ پلاؤ۔ ہم اسے بڑی عزت کے ساتھ اس کے بیٹے کے پاس پہنچائیں گے۔"

حشمت بیگ مرجانہ کی باتیں سن کر فرش پر بیٹھ گیا اور حیرانی سے اسے دیکھنے لگا جو ابھی بُری طرح اسے مار رہی تھی۔ وہی اب اسے نہلانے دھلانے اور کھلانے پلانے کی بات کر رہی تھی۔ مرجانہ اس کی طرف پلٹ کر دیکھنے لگی تو وہ سہم کر کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے پاس آئی اور بولی۔ "تم سوچ رہے ہو گے کہ اچانک میرا مزاج کیوں بدل گیا ہے؟"

وہ ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے بولا۔ "بیٹی، مجھے معاف کر دو میں آئندہ تم ماں بیٹی کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں سوچوں گا۔"

"ہاں، میں نے تمھیں اور تمھارے بیٹے کو معاف کر دیا ہے۔ اسی لیے تمھاری واپسی کا انتظام کر رہی ہوں۔"

اس نے حشمت بیگ کے سر پر ہاتھ رکھ کر پچکارتے ہوئے کہا۔ "جانتے ہو نا، جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اسے نہلایا دھلایا اور کھلایا پلایا جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے پلٹ گئی۔ پھر تیزی سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ حشمت بیگ سہمے ہوئے انداز میں دیدے پھاڑ کر اس خالی دروازے کو دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ گزر گئی تھی۔ وہ دہشت سے بُری طرح کانپ رہا تھا۔

واقعی یہ تدبیر مناسب تھی کہ جلال بیگ کو اس کی چال لوٹا دی جاتی اس کے باپ کے سینے پر ایک بم کو لپیٹ کر اسے اس کے بیٹے کے حوالے کر دیا جاتا۔ اس طرح توقع تھی کہ بیٹا اپنے باپ سے محروم ہو جاتا۔ آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

مجھے طرابلس کے ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے سامنے اس تدبیر کو پیش کرنا تھا۔ وہی ایسے انتظامات کر سکتا تھا اور ماہروں کو بلا کر فوری طور پر ایک ایسا خطرناک بم تیار کرا سکتا تھا۔ یہ سوچ کر میں ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ایک انگریز دوشیزہ کے ساتھ تھا۔ میں فوراً ہی لاحول پڑھتا ہوا اس کے دماغ سے نکل آیا۔

میں تھوڑی دیر تک خود کو خالی الذہن رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ پھر دوبارہ ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے پاس پہنچا تو۔ اس وقت وہ ایک آرام دہ پلنگ پر نیم دراز تھا اور انگریز دوشیزہ سے کسی اجنبی زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں ماسٹر کے دماغ سے ترجمہ سننے لگا۔

ماسٹر نے پوچھا۔ "تم سونیا اور مرجانہ کو کیسے جانتی ہو؟"

"انھیں کون نہیں جانتا۔ میں نے اُن کے متعلق پڑھا بھی ہے اور دوسروں سے سُنا بھی ہے۔ کیا کبھی تمھاری اُن سے ملاقات ہوئی ہے؟"

ماسٹر نے اپنے سینے پر فخر سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "میری تو فرہاد صاحب سے براہِ راست ٹیلی پیتھی کے ذریعے گفتگو ہوئی ہے۔ اُن کی ساتھی مرجانہ اور اُس کی والدہ میری مہمان ہیں۔"

انگریز لڑکی نے خوش ہو کر پوچھا۔ "پھر تو اُن کے ساتھ فرہاد بھی آیا ہوگا؟"

"نہیں فرہاد صاحب نہیں ہیں۔ البتہ ان عورتوں کے ساتھ اُن کا دشمن حشمت بیگ ہے جسے ہم نے ایک کمرے میں قید کر رکھا ہے۔ اب فرہاد صاحب اُس کے متعلق جو فیصلہ کریں گے۔ ہم اُس پر عمل کریں گے۔"

"کیا وہ قیدی بہت خطرناک ہے؟"

"بالکل نہیں۔ وہ تو ایک بوڑھا اور بے ضرر آدمی ہے۔"

وہ بولی "ہائے بوڑھا نہ کہو۔ کسی بوڑھے کا ذکر سنتی ہوں تو مجھے اپنا باپ یاد آجاتا ہے۔ مجھے اچانک ہی اس بوڑھے سے ہمدردی ہو جاتی ہے، کیا میں اُسے ایک نظر دیکھ سکتی ہوں؟"

"بھلا تم اُسے دیکھ کر کیا کرو گی؟"

"میں نے بتایا نا۔ جب میں چھوٹی سی تھی تب ہی میرا باپ مجھے اور میری ماں کو چھوڑ کر چلا گیا تھا مگر میں اُسے بھلا نہیں سکی۔ میری ماں کہتی ہے کہ اب وہ بہت بوڑھے ہو گئے ہوں گے، میں کسی بھی بوڑھے کو دیکھتی ہوں تو اُس میں مجھے اپنے باپ کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔"

ماسٹر عبداللہ بن صمیم نے ہنستے ہوئے کہا "تم عجیب لڑکی ہو۔ ہم نے جسے دشمن کی حیثیت سے قید کر رکھا ہے تم اُسے اپنا باپ سمجھ کر ملنا چاہتی ہو۔"

"تو کیا ہوا۔ میں اُسے بھگا کر تو نہیں لے جاؤں گی۔"

ماسٹر نے زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "ہماری قید سے کسی کو لے جانا اتنا آسان نہیں ہے۔ میں ابھی تھوڑی دیر بعد تمہیں اس سے ملا دوں گا۔"

مجھے کچھ شبہ سا ہوا۔ اِس لڑکی کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ اُس نے باتیں کرتے ہوئے اچانک ہی سونیا اور مرجانہ سے گزر کر بات کا رُخ حشمت بیگ کی طرف موڑ دیا تھا اور اپنے گمشدہ باپ کا حوالہ دے کر اُس سے ملنا چاہتی تھی۔

اب تک یہی دیکھنے میں آیا تھا کہ لوگ میری ٹیلی پیتھی سے مجھ سے اور سونیا سے بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ یہ میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا کہ کوئی عورت ہمارے دشمن میں دلچسپی لے رہی تھی۔ میں ماسٹر کو اس وقت مخاطب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میرے مخاطب کرنے سے وہ چونک کر خاموش ہو جاتا تو اُس کی محبوبہ کو معلوم ہو جاتا کہ مجھ سے رابطہ قائم ہو گیا ہے۔ میں اُسے شبہ میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے مرجانہ کو مخاطب کیا۔

"ہیلو مرجانہ! تم اس وقت جہاں ہو وہاں کے ماسٹر سے کیسے رابطہ قائم کرتی ہو؟"

اُس نے کہا "میں ٹیلی فون کے ذریعے اُس سے رابطہ قائم کر سکتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے اُس کے نمبر ڈائل کرو۔"

مرجانہ نے ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کیا۔ جب رابطہ قائم ہو گیا تو میں نے مرجانہ کی زبان سے کہا "ہیلو! میں مرجانہ بول رہی ہوں ماسٹر عبداللہ بن صمیم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"مادام! ہولڈ کریں۔ ابھی رابطہ قائم ہو جائے گا۔"

جس نے مرجانہ کو انتظار کرنے کے لیے کہا تھا میں اُس کے دماغ میں پہنچ گیا اُس نے انٹرکام کے ذریعے ماسٹر عبداللہ بن صمیم کو اطلاع دی تھی کہ مادام مرجانہ اُس سے بات کرنا چاہتی ہیں۔

ماسٹر نے اپنے سامنے رکھے ہوئے ریسیور کو اُٹھا کر کہا۔ "ہیلو مادام! میں ماسٹر عبداللہ بن صمیم آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ فرمائیے۔"

میں نے مرجانہ کی زبان سے کہا "میں چاہتی ہوں کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنے کمرے سے باہر تشریف لے آئیں اور باہر کے ٹیلی فون پر مجھ سے گفتگو کریں۔"

"بہت اچھا، میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔"

اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے مرجانہ سے کہا "اب تم ریسیور رکھ دو۔ میں ماسٹر سے بات کر لوں گا۔"

مرجانہ نے پوچھا "کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"میں ابھی آکر تمہیں بتا دوں گا۔"

یہ کہہ کر میں اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا جس نے مرجانہ کے فون کا رابطہ ماسٹر کے فون سے ملایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ماسٹر اپنی خواب گاہ سے باہر نکلا تو میں نے اس شخص کی زبانی کہا "ہیلو ماسٹر! اس وقت میں آپ کا ماتحت نہیں۔ فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔"

وہ اپنے ماتحت کو دیکھ کر ٹھٹک گیا اور بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔ ماتحت نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "یس ماسٹر! میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے بھی رابطہ قائم کر سکتا تھا لیکن آپ کی خواب گاہ میں جو حسینہ ہے اُسے ہمارے رابطے کا علم ہو جاتا اور یہ میں نہیں چاہتا تھا۔"

"فرمائیے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"پہلے تو میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی خواب گاہ میں موجود لڑکی کون ہے؟"

"وہ ایک مقامی لڑکی ہے۔ اُس کا نام سلومی ہے۔"

"میں نے آپ کے دماغ سے معلوم کیا ہے کہ وہ انگریز ہے۔ پھر مقامی کیسے ہو گئی؟"

"اُس کا باپ انگریز تھا۔ ماں مقامی تھی۔ باپ بچپن میں اُسے چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ رنگ اور نسل کے اعتبار سے انگریز ہے۔"

"پھر تو وہ انگریزی بھی جانتی ہو گی؟"

"نہیں اُس کی ماں نے اُسے انگریزی کی تعلیم نہیں دی، اُسے اپنے باپ سے نفرت تھی اِس لیے اُس کی زبان سے بھی نفرت رہی۔ وہ صرف مقامی زبان بولتی ہے۔"

"ماسٹر! مجھے اِس لڑکی پر شبہ ہے۔ آپ فوراً اسے حشمت بیگ سے ملانے کا انتظام کریں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیوں اُس سے ملنا چاہتی ہے۔"

ماسٹر نے حیرانی سے اپنے ماتحت کو دیکھ کر کہا "فرہاد صاحب! تعجب ہے آپ نے وہ ساری باتیں سُن لیں جبکہ ہم مقامی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ اگر آپ یہ جان سکتے ہیں تو کیا یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ حشمت بیگ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟"

"میں اُس کی زبان نہیں جانتا اِس لیے اُس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا میں نے جو کچھ معلوم کیا ہے وہ آپ کے دماغ میں رہ کر معلوم کیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ آپ خود اُسے اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ آپ کا کوئی ماتحت اُسے حشمت بیگ کے پاس چھوڑ آئے تاکہ وہ تنہائی میں حشمت بیگ سے ملاقات کر سکے۔"

ماسٹر نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے لڑکی کو ایک ماتحت کے ساتھ حشمت بیگ کے پاس بھیج دیا۔ ماسٹر کی رہائش گاہ کے ساتھ ہی ایک مکان میں حشمت بیگ قید تھا۔ اُس کے قریب ہی ایک شاندار بنگلے میں مرجانہ اور سائرہ بانو کو ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ ماتحت لڑکی کو حشمت بیگ کے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ میں حشمت بیگ کے دماغ میں جا چھپا۔ لڑکی نے دروازے کی جانب دیکھ کر یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ کوئی اُن کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ حشمت بیگ اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تب ایک بار پھر اُس نے دروازے کی طرف محتاط نظروں سے دیکھا۔ اُس کے بعد آہستگی سے انگریزی زبان میں بولی "میرا نام سلومی ہے۔ مجھ سے مصافحہ کیجیے۔"

حشمت بیگ نے بے دلی سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن اُس سے ہاتھ ملاتے ہی وہ چونک گیا اس کے ہاتھوں کے درمیان کوئی ٹھوس سی چیز تھی۔ حشمت بیگ نے اُس چیز کو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا —— وہ ایک انگوٹھی تھی۔ سلومی نے آہستگی سے کہا "اسے پہن لیجیے۔ یہ انڈیکیٹر ہے۔ دشمن آپ کو جہاں بھی لے جائیں گے ہمیں خبر ہو جائے گی اور ہم موقع ملتے ہی آپ کو رہا کرا لیں گے۔ ہماری ملاقات کے بارے میں پوچھا جائے تو اتنا ہی کہہ دینا کہ میں ایک بیٹی بن کر آئی تھی اور آپ کی شخصیت میں اپنے باپ کی جھلک تلاش کر رہی تھی۔"

حشمت بیگ نے خوش ہو کر کہا "ٹھیک ہے۔ میں یہی کہوں گا۔ میرے بیٹے سے رابطہ قائم ہو تو اُس سے کہنا کہ مجھے جلد ہی یہاں سے آزاد کرائے۔ مرجانہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں۔ آپ کے لیے سختی سے تاکید کی گئی ہے کہ انگوٹھی پہننے کے بعد اسے بالکل بھول جائیں۔ اگر آپ انگوٹھی کے متعلق سوچیں گے تو فرہاد کسی وقت بھی آپ کے دماغ میں پہنچ کر اُس کی حقیقت معلوم کر لے گا۔"

اُس نے انگوٹھی پہن کر کہا "میں تمہاری بات سمجھ گیا ہوں۔"

سلومی وہاں سے باہر آگئی۔ مسلح محافظوں نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ میں نے ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "آپ سے سلومی کی جان پہچان کتنے عرصے کی ہے؟"

"جناب! وہ آج صبح ہی ایئرپورٹ پر ملی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں دوستی ہو گئی۔ کیا کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے؟"

"سلومی نے حشمت بیگ کو ایک انگوٹھی دی ہے جو دراصل ایک انڈیکیٹر ہے جس کے ذریعے جلال بیگ کے آدمیوں کو حشمت بیگ کا سراغ ملتا رہے گا۔"

ماسٹر نے غصے سے مٹھیاں بھینچ کر کہا "کمینی، ذلیل، مجھے محبت کا فریب دے کر اُلّو بنانے آئی ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"آپ اُس کے ساتھ جو بھی سلوک کریں لیکن میں چاہتا ہوں کہ جو سلوک سائرہ بانو کے ساتھ کیا گیا تھا، وہی سلوک حشمت بیگ کے ساتھ کیا جائے آپ اپنے ماہرین کے ذریعے ایک ایسے ہی بم کا انتظام کریں۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

وہ ریسیور پر بات سننے لگا۔ میں اُس کے دماغ کے ریسیور سے سن رہا تھا۔ دوسری طرف اُس کا ایک ماتحت کہہ رہا تھا "جلال بیگ سپر ماسٹر سے اپنے باپ کی رہائی کا مطالبہ کر رہا ہے وہ حشمت بیگ کی رہائی کے سلسلے میں کوئی سمجھوتا کرنا چاہتا ہے۔ سپر ماسٹر نے کہا ہے کہ اس کا فیصلہ فرہاد صاحب

ہی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا فرہاد صاحب کے فیصلے سے اُسے جلد از جلد آگاہ کیا جائے۔"

ماسٹر نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کر اُس نے ریسیور رکھا۔ پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "سُپر ماسٹر نے کہا ہے کہ۔۔۔۔"

وہ کہتے کہتے رُک گیا اور جھینپ کر بولا۔ "اوہ میں تو بھول ہی گیا کہ آپ نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے سب کچھ سُن لیا ہوگا۔ فرمائیے میں سُپر ماسٹر کو کیا جواب دوں؟"

"وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ حشمت بیگ کے گلے سے موت کو لگا کر جلال بیگ کے نام ایک خط لکھا جائے گا۔ کہ جو بم اُس کے باپ کے سینے سے باندھا گیا ہے اُس کے تار اُس کا بیٹا جلال بیگ ہی ہٹا سکتا ہے اور فرہاد جلال بیگ کے دماغ میں پہنچ کر بتلائے گا کہ اس بم کا کون سا تار ہٹانا چاہیے۔"

ماسٹر نے کہا۔ "جناب! جلال بیگ آپ کو اپنے دماغ تک پہنچنے کا کوئی موقع نہیں دے گا۔"

"یہ فیصلہ اُسے کرنا ہے کہ وہ اپنے باپ کی زندگی چاہتا ہے یا موت؟ زندگی چاہتا ہے تو وہ میری ٹیلی پیتھی کی زد میں آئے بغیر ممکن نہیں ہے۔"

میں اُس سے رخصت ہو کر مرجانہ کے پاس آیا۔ وہ اپنی امّی سے اپنے علاج کے متعلق گفتگو کر رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "مرجانہ! اپنی امّی سے کہو کہ تم علاج کے لیے لندن جاؤ گی تو وہ تمہارے ساتھ نہیں جائیں گی۔ وہاں صرف میں اور سونیا تمہارے ساتھ رہیں گے۔ اگر تمہاری امّی اور ڈیئر جمال بھی وہاں رہے تو دشمن کو ایک ہی جگہ ہم پر حملہ کرنے اور ہمیں نقصان پہنچانے کا اچھا موقع ہاتھ آجائے گا۔ ہمیں ایک جگہ اکٹھے نہیں ہونا چاہیے۔"

"یہ تم نے میرے دل کی بات کہی ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ مجھے اور امّی کو ایک دوسرے سے دور رہنا چاہیے تاکہ جلال بیگ ہم دونوں کو ایک ساتھ شکار نہ کر سکے لیکن وہ میرے علاج کے دوران کہاں رہیں گی؟"

"تمہاری امّی اور ڈیئر جمال کو سپر ماسٹر کی نگرانی میں پاکستان بھیج دیا جائے گا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

"تمہارے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اپنی امّی کو کسی طرح راضی کرو۔ میں پھر آؤں گا۔"

سائرہ بانو نے پوچھا۔ "بیٹی! کیا بات ہے۔ تم بڑی دیر سے چُپ چاپ بیٹھی دیوار کو تک رہی ہو۔ کیا فرہاد آیا ہے؟"

"جی ہاں امّی! ابھی میں اُن سے ہی باتیں کر رہی تھی۔ ایک ضروری بات آپ سے کہنا چاہتی ہوں۔"

وہ اپنی امّی کو سمجھانے لگی۔ میں ماسٹر کو ٹانگا کے پاس چلا آیا۔ وہ اپنے دوسرے معاملات میں مصروف تھا۔ میرے مخاطب کرتے ہی وہ میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "یس سر! میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ فرمائیے۔"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کل یہاں سے میری روانگی کے کیا انتظامات کیے گئے ہیں اور مجھے کس روپ میں لندن پہنچنا ہے؟"

"جناب! ہم نے آپ کے لیے ایک شخص کا انتخاب کیا ہے۔ آپ آسانی سے اس کا روپ اختیار کر سکتے ہیں کیونکہ وہ قد و قامت میں آپ جیسا ہی ہے۔ صحت بھی آپ جیسی ہے اُس کا تعلق بھارت سے ہے۔ نام پران پریمی ہے۔ وہ بہت ہی مشہور نجومی ہے۔ لندن میں ان دنوں اونچے اونچے خاندانوں میں اُس کا چرچا ہے حتیٰ کہ شاہی خاندان میں بھی اُس کی آمد و رفت ہے۔ دولت مند انگریز عورتوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں جاننے کا خبط رہتا ہے اور وہ نجومیوں سے خاصی دلچسپی رکھتی ہیں۔ پران پریمی کی مقبولیت کی یہی وجہ ہے۔ ایک تو وہ نوجوان اور خوبرو ہے۔ دوسرے اُن دولت مند عورتوں اور مردوں کی نفسیات سمجھتے ہوئے اُن کی قسمت کا حال بتا کر اُن کے دل جیت لیتا ہے۔ میرا خیال ہے آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے یہ کام آسانی سے کر سکیں گے۔"

"ماسٹر آپ کا انتخاب بہت خوب ہے۔ ایک تو پران پریمی ایشیائی باشندہ ہے۔ میری اور اُس کی زبان ملتی جلتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس کی شخصیت اختیار کر کے میں بڑے بڑے خاندانوں کی بڑی بڑی تقریبات میں شریک ہو سکوں گا۔ ہو سکتا ہے جلال بیگ بھی ان تقریبات میں شرکت کرتا ہو لیکن اصل پران پریمی کا کیا بنے گا؟"

"وہ ہمارا ہی آدمی ہے۔ ہماری تنظیم سے وابستہ ہے۔ وہ آپ کی خاطر لندن چھوڑ دے گا۔ کوئی اور روپ اختیار کر کے کسی دوسرے ملک چلا جائے گا۔ مادام مرجانہ کے علاج اور جلال بیگ کے ہاتھ آجانے کے بعد جب آپ لندن چھوڑ دیں گے تو وہ اپنی جگہ واپس چلا آئے گا۔"

"مجھے پران پریمی کی آواز، اس کا لہجہ، اُس کی مصروفیات اور اُس کے پس منظر سے متعلق معلومات کیسے حاصل ہوں گی؟"

"ہم نے اس سلسلے میں سارے انتظامات کر دیے ہیں کل

ایک ہیلی کاپٹر حبشیوں کی اس بستی سے کچھ فاصلے پر پہنچے گا جہاں آپ کا قیام ہے۔ اُس کے ذریعے آپ ایسی جگہ پہنچائے جائیں گے جہاں آپ کے لیے ایک طیارہ موجود ہوگا۔ اس طیارے میں آپ کو پران پریمی کے متعلق تمام تفصیلی معلومات بھی مل جائیں گی۔"

میں اُس سے باتیں کرنے کے بعد دماغی طور پر کٹیا میں حاضر ہو گیا۔ بہت خیال خوانی ہو چکی تھی۔ اب مجھے کہیں نہیں جانا تھا۔ مرجانہ اور سائرہ بانو کی طرف سے اطمینان تھا۔ حشمت بیگ کے گلے سے جو موت باندھی جانے والی تھی اُس کے لیے ابھی خیال خوانی ضروری نہیں تھی۔

میں نے بستر سے اُٹھ کر بھرپور انگڑائی لی۔ بیٹھے رہنے کی تھکن اُتاری اور ہاتھ پاؤں جھٹک کر کٹیا سے باہر آگیا۔ رسونتی غلام کی کٹیا میں بیٹھی اُس سے باتیں کر رہی تھی۔ دونوں مجھے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "پہلے تمہیں یہ خوشخبری سنا دوں کہ رات کے دس بجے تک بالکل فرصت سے تمہارے پاس رہوں گا۔"

وہ خوش ہو کر میرے قریب آگئی۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں میں دے دیا۔ ہم ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہنستے مسکراتے کٹیا سے باہر آ کر بستی کی سیر کرنے لگے۔

وہاں کے تمام حبشی بڑے بڑے چھوٹے نیزے اور تیر کمان رکھتے تھے لیکن غلام کے جو اپنے خاص ماتحت یا سپاہی تھے وہ بندوقوں اور اسٹین گنوں سے لیس تھے۔ پتلون اور بشرٹ پہنتے تھے۔ غلام رہنمائی کرتا ہمارے آگے آگے چل رہا تھا۔ اُس کے دونوں طرف دو مسلح جوان تھے۔ باقی ہمارے پیچھے چل رہے تھے۔ ہم اُن کے درمیان باتیں کرتے بستی کے لوگوں اور بازار کو دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔

غلام جس طرف سے گزرتا تھا لوگ اُسے دیکھ کر زمین پر گھٹنے ٹیک کر سر کو جھکا لیتے تھے۔ وہ چھوٹی سی بستی تھی۔ ہم وہاں سے نکل کر ایک بہت وسیع میدان میں آئے۔ اس میدان کے آخری سرے پر ایک عمودی پہاڑی تھی۔ اُس پہاڑی پر وہی جھونپڑی تھی جہاں سے ہم اپنی جان بچا کر یہاں پہنچے تھے۔ جھونپڑی نیچے سے نظر نہیں آ رہی تھی لیکن اس جگہ کو دیکھتے ہی رسونتی ہولے سے کانپ گئی۔ اُسے خونخوار گدھ یاد آگئے تھے۔ اُس نے کہا۔ "فرہاد! ہم کہاں جا کر پھنس گئے تھے۔ بھگوان کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم وہاں سے صحیح سلامت نکل آئے۔"

اُس کی بات سُن کر میرا دماغ کچھ کھٹک سا گیا۔ جب بھی خدا کے سامنے جھکنے اور شکر ادا کرنے کا مقام آتا تھا۔ رسونتی اپنے بھگوان کو یاد کرتی تھی۔ وہ بچپن سے جس ماحول میں رہی جس مذہب پر کاربند رہی وہ اس کے دل و دماغ میں رچا بسا ہوا تھا۔ انسانیت کے ناتے ہر انسان کو اپنے عقائد پر اور اپنے دین دھرم پر عمل کرنے اور اس پر قائم رہنے کا پورا پورا حق ہوتا ہے۔ میں نے اسی لیے رسونتی کو شریکِ حیات بناتے وقت اس بات کی ضد نہیں کی کہ وہ اپنے پیدائشی دھرم کو چھوڑ دے۔ انسان کی اپنی رضا سے جو بات ہوتی ہے وہ جبر سے نہیں ہوتی۔

لیکن جو بات مجھے کھٹک رہی تھی وہ یہ تھی کہ میرے جانے کے بعد جب وہ میرے بچے کی ماں بنے گی اور وہ بچہ اپنی زبان سے ہمیشہ بھگوان کا نام سنے گا تو وہ بھی اسی رنگ میں رنگتا جائے گا۔ یہ بات ٹھیک نہیں تھی۔ مجھے بروقت عقل آگئی تھی۔ یہ میرا فرض تھا کہ رسونتی سے رخصت ہونے سے پہلے میں اپنے ہونے والے بچے کی دینی تعلیم اور پرورش کے مناسب انتظامات کر دوں۔

ہم کھلے میدان میں الگ الگ پتھروں پر بیٹھ گئے۔ وہاں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ میں نے رسونتی سے کہا۔ "رسونتی! ہمارے دل ایک ہیں۔ ہمارے مزاج ایک ہیں۔ ہم ہر معاملے میں ایک دوسرے سے سمجھوتا کر لیتے ہیں لیکن اب بات اولاد کی آ رہی ہے۔ ہمیں اس بات کا فیصلہ کر لینا چاہیے کہ ہمارے ہونے والے بچے کا دین دھرم کیا ہوگا اور اُس کی پرورش کس طرح ہوگی؟"

اُس نے کہا۔ "یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ بچے کو باپ کا نام ملتا ہے۔ باپ کا مذہب ملتا ہے اور وہ باپ کے مزاج کے مطابق پرورش پاتا ہے۔ بے شک وہ میرا بھی بیٹا ہوگا اور میرے دھرم کرم سے بھی متاثر ہوگا۔"

"وہ تم سے زیادہ ہی متاثر رہے گا۔ میں تو اُس سے دور رہا کروں گا۔ وہ میرا صرف نام لیا کرے گا مگر یوں بات نہیں بنتی۔ بات تب بنے گی جب اُسے بچپن ہی سے خدا اور رسول کی پہچان ہو۔ اُسے ابتدا ہی سے اسلامی تعلیم ملنی چاہیے بلکہ ماحول بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔"

"فرہاد میں تمہاری ساری باتیں مانتی ہوں۔ یقیناً میں اپنے بچے کو مسلمان بنا کر پرورش کروں گی۔ اُسے اسلامی تعلیم بھی دلاؤں گی۔ خدا اور رسول کی پہچان بھی کراؤں گی لیکن مسلمانوں کا ماحول تو اُسے نہیں مل سکے گا اُسے صرف میرا ماحول ملے گا اور وہ صرف مجھ کو عبادت کرتے دیکھے گا۔ تم اپنے مذہب پر کاربند

ہو۔ میں اپنے دھرم کی پابند ہوں اس سے ہم دونوں کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہمارا بچہ بھی دونوں مذاہب کے سائے میں پرورش پاکر جوان ہوگا۔ میری پوری ایمان داری سے یہ کوشش ہوگی کہ بچہ تمھارے ہی نام اور مذہب سے متاثر ہو۔"

غلام نے کہا۔ "آقا آپ نے میرا نام غلام رکھا۔ میں نے اُسے تسلیم کرلیا اور آپ ہی سے میں نے خدا اور رسول کا نام بھی سنا۔ اُن کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوئیں لیکن اتنی نہیں کہ میں اپنے آپ کو پورا مسلمان کہہ سکوں لیکن آپ کی محبت اور عقیدت دیکھ کر میں بھی اللہ اور رسول پر یقین رکھتا ہوں۔ آپ سے اور آپ کے مذہب سے بے حد عقیدت ہے۔ میں آپ کے ہونے والے بچے کو اسلامی ماحول دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے جب بچہ بولنے کے قابل ہوگا۔ اسی وقت سے میں ایسے مسلمانوں کو بچے کے آس پاس رکھوں گا۔ جن کے ساتھ رہ کر وہ اسلام کو سمجھتا رہے گا۔ اس کے لیے باقاعدہ معلم رکھے جائیں گے آپ جب چاہیں خیال خوانی کے ذریعے یہ معلوم کرتے رہیں کہ ہم آپ کے بچے کے لیے کیا کر رہے ہیں۔"

میں اس کی باتوں سے مطمئن ہوگیا۔ اب یہ حقیقت میری سمجھ میں آئی کہ انسان کو جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی جذباتی رشتہ نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے رسونتی سے رشتہ قائم کرتے وقت اس کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بجائے صرف اتنا ہی سوچا کہ رسونتی حسین ہے۔ جوان ہے وفادار ہے۔ محبت کرنے والا دل رکھتی ہے۔ میرے سوا کسی اور کو نہیں چاہتی۔ یہ سب کچھ درست تھا لیکن میں یہ بات بھول گیا تھا کہ بچہ اپنی ماں کی گود میں پرورش پاتا اور اسی کے زیرِ تربیت شعور کی منزل تک پہنچتا ہے۔ باپ تو گھر سے باہر رہتا ہے۔

میں یہ نہیں سمجھتا کہ رسونتی مجھ سے دھوکا کرے گی اور میری عدم موجودگی میں میرے بچے کو اپنے دھرم، اپنے مزاج اور اپنے رنگ میں رنگ لے گی۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ رسونتی وفادار اور محبت کرنے والی بیوی تھی۔ وہ میرے مزاج کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ مجھے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لہٰذا مجھے دھوکا نہیں دے سکتی تھی۔ مجھے پوری طرح اطمینان تھا لیکن یہ بات کھٹکتی تھی کہ بچہ دو مختلف مذہبی ماحول میں رہے گا تو اس کا ذہن اس کی سوچ ایک مرکز پر نہیں رہے گی۔ وہ باپ کی طرف سے مسلمان اور ماں کی طرف سے ہندو یعنی آدھا تیتر آدھا بٹیر ہوگا اور یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ میں ایک جذباتی غلطی کر بیٹھا ہوں۔

انسان کی ایک تعریف یہ ہے کہ جب وہ ڈوب رہا ہوتا ہے تو اُسے ڈوبنے کا احساس نہیں ہوتا۔ پانی سر سے گزر جاتا ہے تب پتہ چلتا ہے کہ ڈوب چکا ہے۔ مجھے بھی اب غلطی کا احساس ہورہا تھا جب پانی سر سے گزر چکا تھا شکر ہے کہ مجھے عین وقت پر یہ احساس ہوگیا تھا کہ اگر میں نے احتیاط سے کام نہ لیا۔ اپنے بچے کی طرف دھیان نہ دیا تو میں محض پچھتاتا ہی رہ جاؤں گا۔ جب بچہ اپنے اردگرد کے ماحول کو سمجھنے کے قابل ہوگا تبھی سے میں اس کی سوچ میں جم کر بیٹھ جاؤں گا اور وقتاً فوقتاً اُسے اپنے مزاج، ماحول اور مذہب کے مطابق تربیت دینا شروع کردوں گا۔

ہم بستی میں واپس آئے تو اندھیرا ہونے لگا تھا۔ مشعلیں روشن ہوگئی تھیں۔ بڑے بڑے ڈھول اور تاشے بج رہے تھے قبیلے کے مرد اور عورتیں ناچنے گانے میں مصروف تھے۔ دیوتا کے مجسمے کے سامنے غلام کے لیے ایک آراستہ مسند بچھی تھی۔ غلام نے وہاں پہنچ کر ہم سے بیٹھنے کی درخواست کی۔ میں نے کہا۔ "میں اس بت کے سائے میں نہیں بیٹھوں گا اور نہ ہی کسی ایسی تقریب میں حصہ لوں گا۔ جب تم مجھ سے تعلق رکھتے اور خود کو مسلمان کہتے ہو تو تمھیں بھی بت پرستی سے دُور رہنا چاہیے۔"

"آقا، آپ درست کہتے ہیں۔ میں ان بتوں کو کبھی نہیں پوجتا۔ کبھی ان کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔ چونکہ میں مختلف قبیلوں کا سردار ہوں اس لیے مجھے اُنکے عقیدے اور تہذیب کے مطابق ان کی تقریبات میں حصہ لینا پڑتا ہے۔"

میں نے قائل ہوکر کہا۔ "ہاں یہ تمھاری مجبوری ہے۔ تمھیں تمام قبیلے والوں کو خوش رکھنا پڑتا ہے۔ میری کوئی مجبوری نہیں ہے۔ میں رسونتی کے ساتھ اپنی کٹیا میں جارہا ہوں۔ کھانے کے لیے ٹھیک نو بجے تمھاری کٹیا میں آجاؤں گا۔"

میں نے جانے کے لیے رسونتی کا ہاتھ پکڑا ہی تھا کہ ایک نسوانی چیخ سن کر رک گیا۔ میں نے آواز کی سمت دیکھا۔ بہت دُور ایڈونا نظر آئی۔ اس کے بدن پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ دو دن پہلے میں نے اُسے دیکھا تھا۔ آج وہ کچھ زیادہ کمزور اور بیمار نظر آرہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ اُٹھا کے چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نے غلام سے کہا۔ "ان ڈھول تاشے والوں سے کہو کہ آواز بند کریں۔"

غلام نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر اپنی زبان میں کچھ کہا۔ جیسے سنتے ہی آوازیں بند ہوگئیں۔ رقص بھی تھم گیا۔ سب لوگ غلام کے آگے گھٹنے ٹیک کر جھک گئے۔ یک بیک خاموشی چھا جانے کے باعث اب ایڈونا کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ وہ

کہہ رہی تھی۔ "میرا خزانہ کہاں ہے؟ اُسے کوئی مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ میں ایک ایک کی جان لے لوں گی۔"

اُس کی آواز بہت کمزور تھی۔ وہ بمشکل ایک ایک قدم اُٹھا رہی تھی اور ہانپتے ہوئے اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔ اُس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ پتھریلے زینے پر چڑھ کر ہم تک پہنچ سکتی۔ وہ چیختی لڑکھڑاتی زینے تک پہنچ کر اوندھے منہ گر پڑی۔ میں دوڑتا ہوا اُس کے پاس پہنچا میرے پیچھے رسونتی اور غلام بھی تھے۔ میں نے ایڈونا کا سر اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اُس کے دیدے پھیل گئے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اُس کے ہونٹ کانپ کر رہ جاتے تھے۔ میں نے اُس کے لرزتے ہونٹوں سے کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ اُس کے لبوں پر ایک ہی لفظ کی تکرار تھی۔ "خزانہ... میرا خزانہ..."

رسونتی اور غلام بھی اُس کے پاس بیٹھ گئے۔ میں نے اُس کی نبض تھام کر کہا۔ "یہ اب تھوڑی دیر کی مہمان ہے۔"

رسونتی نے غلام سے کہا۔ "تم نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ خزانہ ایک مقدس امانت ہے۔ تاریخی روایات اور ماضی کے بزرگوں کی پیش گوئی کے مطابق یہ خزانہ مجھے ملے گا۔ میں اس کی حق دار ہوں۔"

غلام نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "جی ہاں مالکہ آپ ہی اس کی حق دار ہیں آپ جب چاہیں اس کا مطالبہ کرسکتی ہیں اور اس خزانے کو اپنے مصرف میں لاسکتی ہیں۔"

رسونتی نے کہا۔ "فی الحال میں یہ چاہتی ہوں کہ ایڈونا کو اُٹھا کر اس خزانے کے پاس لے چلو۔"

اُس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ چند حبشی بانس کا بنا ہوا ایک اسٹریچر اُٹھا لائے۔ اُس پر ایڈونا کو لٹا کر چار آدمی اُسے کاندھوں پر اُٹھا کر ایک طرف لے جانے لگے ہم اُس کے ساتھ چل رہے تھے۔ پروفیسر برنارڈ رسل اُس کے اسسٹنٹ جمبورا، گودی اور عیسائی راہب کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی کہ وہ ایڈونا کے پاس چلے آئیں۔

بستی کے قریب ہی ایک چھوٹی سی پہاڑی کو اندر ہی اندر کاٹ کر بہت بڑا ہال بنایا گیا تھا۔ وہاں خزانے سے بھرا ہوا صندوق رکھا ہوا تھا۔ ایڈونا کو وہاں لے جاکر اسٹریچر سے اُتارا گیا اور ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا گیا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ میں نے غلام سے کہا۔ "اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ صندوق کھول کر سارے ہیرے جواہرات ایڈونا کے چاروں طرف بکھیر دیں۔"

میری ہدایت پر فوراً عمل کیا گیا۔ ہم نے ایڈونا سے کہا کہ وہ آنکھیں کھول کر دیکھے۔ اُسے خزانہ مل گیا ہے۔ اُس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ میں اُس کے دماغ میں بیٹھا اپنی سوچ کے ذریعے اُس کے ڈوبتے ہوئے ذہن کو توانائی دینے کی کوشش کرنے لگا لیکن جو لوگ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ پورا کر چکے ہوں۔ انھیں ٹیلی پیتھی کسی طرح سہارا نہیں دے سکتی۔ البتہ کوئی خواہش پوری شدت سے دل و دماغ پر قابض ہو تو وہ زندگی کو کچھ دُور گھسیٹ کر لے جاتی ہے۔ ایڈونا کے دل میں خزانے کی اتنی شدید خواہش تھی کہ موت قریب نہیں آرہی تھی۔ اُس نے آنکھیں کھول کر خزانے کو دیکھا تو زندگی موت کی گود میں جاتے جاتے تڑپ کر واپس آگئی۔ مشعل کی روشنی میں ہیرے جواہرات اُس کے چاروں طرف بکھرے چمک رہے تھے۔ وہ تڑپ کر سیدھی ہوئی اور تھرتھراتے ہوئے خزانے کے ڈھیر پر جھک گئی۔

وہ ایک ایک ہیرا اُٹھا کر اپنے دل کی دھڑکنوں سے لگا رہی تھی۔ اس دولت نے اسے عورت سے چڑیل بنا دیا تھا۔ اس نے اس دولت کی خاطر اپنے ملک سے اپنے محکمے سے اور اپنے دوستوں سے غداری کی تھی۔ پروفیسر برنارڈ رسل جیسے استاد کو موت کے منہ میں چھوڑ آئی تھی۔ اس نے اس خزانے کی خاطر اپنی عزت آبرو اس طرح مٹی میں ملا دی تھی کہ وحشی قبیلے کا ہر شخص اُسے گندی نالی سمجھنے لگا تھا۔

ایڈونا جیسی عورتیں ہمیشہ گندی نالی اور گندی گالی کے عبرت ناک انجام تک پہنچ کر ختم ہوجاتی ہیں۔ وہ خزانے کے ڈھیر پر اوندھے منہ ساکت ہوگئی تھی۔ اس کے دیدے پھیل گئے تھے۔ منہ کھلا ہوا تھا۔ اب ہیرے اور جواہرات کی چمک اس کی آنکھوں میں نہیں اُتر سکتی تھی۔ میں اس کے دماغ سے واپس آگیا کیونکہ اب اُس کی کھوپڑی ایک ویران قبر بن گئی تھی۔

میں نے ایک گہری سانس لے کر غلام سے کہا۔ "یہ مر چکی ہے۔"

رسونتی نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر بہت ہی ہمدردی سے ایڈونا کی لاش پر نظر ڈالی۔ اُس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر تھوڑی دیر سر جھکائے کھڑی رہی۔ ہم سب کے سر جھکے ہوئے تھے۔ ہمارے سر ایڈونا کے احترام میں نہیں بلکہ اس حقیقت کے اعتراف میں جھکے ہوئے تھے کہ صرف وہی ایک معبود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ باقی ہم سب تماشا بن کر فنا ہونے رہتے ہیں اور فنا

ہوتے رہیں گے۔

ہم سب ایک ایک کرکے اس غار نما کمرے سے باہر آگئے باہر آنے کے بعد رسونتی نے پلٹ کر اس دروازے کی طرف دیکھا جو ابھی کھلا ہوا تھا۔ اس کے اندر خزانے کے ڈھیر پر ایڈونا کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس نے غلام سے کہا "وہاں جو خزانہ ہے وہ مجھ سے منسوب ہے۔"

"جی ہاں مالکہ، وہ سب آپ کا ہے۔ کیا حکم ہے؟"

"میں چاہتی ہوں کہ وہ خزانہ اسی طرح زمین پر بکھرا پڑا ہے۔ اس پر سے ایڈونا کی لاش کو نہ ہٹایا جائے۔ کمرے کے اس دروازے کو ایک بہت بھاری چٹان سے بند کر دیا جائے تاکہ کوئی اسے کھول نہ سکے اور نہ کبھی اندر جاسکے۔"

غلام نے حیرانی سے پوچھا "کیا آپ یہ خزانہ اپنے پاس نہیں رکھیں گی؟"

"نہیں، عورت کا سب سے بڑا خزانہ، سب سے بڑی دولت اس کا شوہر، اس کا پتی ہوتا ہے۔ وہی کماتا ہے۔ وہی کھلاتا ہے۔ مرد کی کمائی پر عورت جتنا فخر کرسکتی ہے اتنا مفت ہاتھ آنے والے خزانے پر نہیں کرسکتی ایسا خزانہ کام تو آتا ہے مگر برے انجام تک بھی پہنچاتا ہے۔ مجھے فرہاد کی طرف سے جو ملے گا، بس اتنا ہی قبول ہے۔ اس کے آگے مجھے کچھ نہیں چاہیے، اس دروازے کو، اس خزانے کو ہمیشہ کے لیے بند کردو۔"

ان حبشیوں نے آدھے گھنٹے کی محنت کے بعد اسی پہاڑی پر سے ایک بڑی سی چٹان کو نیچے گرا کر اس دروازے کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

○

رات کے دس بجے میں نے آرام سے خیال خوانی شروع کی سب سے پہلے مرجانہ اور سائرہ بانو کی خیریت معلوم کی وہ دونوں اپنے بنگلے میں محفوظ تھیں اور اس وقت ڈائننگ روم میں رات کا کھانا کھا رہی تھیں۔ میں نے انھیں مخاطب نہیں کیا۔ انہیں چھوڑ کر ماسٹر عبداللہ بن صہیم کے پاس پہنچ گیا ــــ اس نے کہا "فرہاد صاحب میں کئی گھنٹے سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں ــــ میں نے سپر ماسٹر کو یہ رپورٹ بھیج دی تھی کہ حشمت بیگ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور اسے کس طرح اس کے بیٹے جلال بیگ تک پہنچایا جائے گا۔ جواباً سپر ماسٹر نے آپ کی یہ تدبیر پسند کی ہے اس سلسلے میں جلال بیگ کے خاص ایجنٹ سے بات ہو چکی ہے۔ جلال بیگ پریشان ہے۔ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کے باپ کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے۔ وہ سپر ماسٹر کے ذریعے آپ سے ہر طرح کی سودے بازی کے لیے تیار ہے۔"

"اس سلسلے میں کوئی سودے بازی نہیں ہوگی حشمت بیگ اپنے گلے میں موت کو لٹکا کر اپنے بیٹے کے پاس ضرور پہنچے گا۔"

"جی ہاں سپر ماسٹر نے بھی یہی جواب دیا ہے اور ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ حشمت بیگ کے سینے پر موت کا تمغہ سجا کر اسے ہائی وے کے ایک حصے میں چھوڑ دیا جائے گا۔ اس سے پہلے جلال بیگ کے آدمیوں کو خبر کردی جائے گی کہ وہ فلاں جگہ سے حشمت بیگ کو حاصل کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ اس ماہر سے رابطہ قائم کریں جس نے وہ بم تیار کیا ہے۔ اُسے بتائیں کہ میں اس سے دماغی رابطہ قائم کرنے والا ہوں۔"

ماسٹر نے ریسیور اٹھا کر اپنے ایک ماتحت کو احکامات دیئے۔ ادھر ماسٹر نے ریسیور رکھا۔ ادھر میں اس ماتحت کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ریسیور رکھ کر ایک کمرے میں پہنچا۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اپنے دو اسسٹنٹس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس ماتحت نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "مسٹر جیکسن، مسٹر فرہاد آپ سے ابھی دماغی رابطہ قائم کر رہے ہیں آپ اُن سے گفتگو کریں۔"

جیکسن نے کہا "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ فرہاد صاحب مجھ سے رابطہ قائم کریں گے میں اُن کا انتظار کر رہا ہوں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے اس کے دماغ میں کہا "ہیلو مسٹر جیکسن، انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آگیا ہوں مجھے آپ سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔"

وہ معمول کے مطابق اسی طرح حیران و پریشان ہوا، پہلے یقین نہ کر سکا کہ اس کے دماغ میں میں بول رہا ہوں۔ ایسے وقت شبہ ہوتا ہے کہ اپنی ہی سوچ دماغ میں گونج رہی ہے میں نے کہا "مسٹر جیکسن، آپ یقین کرلیں کہ میں بول رہا ہوں۔ میرا لب ولہجہ مختلف ہے اور آپ کی سوچ کا لہجہ مختلف ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے جناب میں یقین کرلیتا ہوں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں جب بھی پہلی بار کسی کے دماغ میں پہنچتا ہوں اُسے ثبوت دیئے بغیر کبھی مطمئن نہیں کرسکتا۔ آپ کے سامنے بھی ثبوت پیش کرنا ہوگا۔ لہٰذا آپ اپنے اسسٹنٹ سے کوئی بات کریں۔ میں ابھی ٹیلی پیتھی کا تماشا دکھاتا ہوں۔"

جیکسن نے اپنے دونوں اسسٹنٹس سے کہا کہ اس کے دماغ میں فرہاد صاحب پہنچے ہوئے ہیں جواب میں اس کے ماتحتوں نے کچھ کہا۔ میں اُن کے دماغ تک پہنچ گیا۔ پھر میں نے جیکسن سے کہا "دیکھیے جو پیش گوئی میں کر رہا ہوں وہی حرکت آپ کے اسسٹنٹ کریں گے اور وہی بات کہیں گے جو پہلے سے میں آپ کو بتا رہا ہوں۔"

پھر یہی ہوا۔ میں جیکسن سے کہتا تھا کہ دیکھیے آپ کا فلاں اسسٹنٹ فلاں بات کہے گا۔ میں دوسرے ہی لمحے اسسٹنٹ کے دماغ میں پہنچ کر وہی بات کہتا تھا تو جیکسن اس کا منہ تکنے لگتا تھا۔ پھر دوسرا اسسٹنٹ وہی حرکت کرتا تھا جس کی پیشگوئی میں پہلے کر دیتا تھا۔ اس کے بعد جیکسن نے کہا "جناب فرہاد صاحب، مجھے بالکل یقین ہوگیا ہے کہ آپ میرے دماغ میں موجود ہیں اور جو سوچ اس وقت میرے ذہن میں ہے۔ وہ میری نہیں آپ کی ہے۔"

میں نے سوال کیا "اچھا، اب آپ اس بم کے متعلق بتائیں۔"

وہ بتانے لگا "فرہاد صاحب، مجھے بتایا گیا تھا کہ لیڈی سائرہ بانو کے ساتھ کیسا بم باندھا گیا تھا۔ اس کا نقشہ بھی مجھے دکھایا گیا۔ اسی کے مطابق میں نے اس بم کو تیار کیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس بم میں چار عدد تار تھے اور چاروں مختلف رنگ کے تھے۔ اس میں صرف دو تار ہیں اور دونوں ایک ہی رنگ کے ہیں ــــ اور دونوں تاروں میں سے کس تار کو الگ کر دینے سے خطرہ ٹل جائے گا یہ صرف میں جانتا ہوں یا آپ کو بتا رہا ہوں۔ جلال بیگ اور اس کے ماہرین اس بم کے سامنے آئیں گے اور اس کی اسٹڈی کریں گے تو انھیں یہ ایک معمولی سا بم نظر آئے گا لیکن سوال یہی پیدا ہوگا کہ کس تار کو ہٹایا جائے۔ یہ بات وہ اس بم کا نقشہ دیکھنے کے باوجود نہیں سمجھ سکیں گے اس کی تکنیک کو صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اسے بنایا ہے۔ کیا میں آپ کو اس بم کا نقشہ دکھاؤں؟"

میں نے کہا "میں آپ کے دماغ سے اس نقشے کو سمجھ تو سکوں گا لیکن دیکھ نہیں سکوں گا۔ ٹیلی پیتھی کا طریقہ کار یہی ہے میں آپ کے دماغ میں بیٹھ کر یہ معلوم کرسکتا ہوں کہ آپ کے سامنے بیٹھا ہوا اسسٹنٹ کیسا ہے۔ اس کا ناک نقشہ کیسا ہے۔ میں تصور میں اس کے چہرے کو دیکھ سکتا ہوں لیکن صحیح صورت اور صحیح ناک نقشہ کیا ہے۔ یہ آنکھوں کے سامنے دیکھنے سے ہی معلوم کرسکتا ہوں۔ اسی طرح میں آپ کی آنکھوں سے اس نقشے کو نہیں دیکھ سکوں گا۔ صرف آپ کے ذریعے سمجھ سکوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ آپ صرف ان دو تاروں کی بات کریں، مجھے بتائیں کہ اُن میں کون سا تار الگ کیا جائے تو حشمت بیگ کو نئی زندگی ملے گی۔"

جیکسن نے کہا "جناب، اس کے سینے پر جو بم باندھا جائے گا اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ دو بیلٹ اس کے بغل کے نیچے سے گزریں گے اور دو بیلٹ اس کے شانوں کے اوپر سے جاکر پشت کی طرف ایک بکل سے باندھے جائیں گے ان تمام بیلٹوں پر سے پتلے تار گزارے گئے ہیں۔ کوئی اس بکل کو کھولنا چاہے گا تو موت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ بہرحال اب اس بم کے اندر جو تار باہر سے بھی نظر آتے ہیں اُن میں سے دائیں طرف والا تار ہٹا دیا جائے تو حشمت بیگ کو نئی زندگی مل جائے گی۔ بائیں طرف کے تار کو ہاتھ لگایا گیا تو انجام موت اور صرف موت ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا بائیں طرف کا تار موت اور دائیں طرف کا تار زندگی ہے۔ یہ راز آپ کسی کو نہ بتائیں میں جلال بیگ سے نمٹ لوں گا۔"

"یہ راز صرف میرے اور آپ کے درمیان رہے گا۔ ویسے میں حشمت بیگ سے مل چکا ہوں۔ وہ بہت ہی بزدل آدمی ہے اگر بم کو اُس کے ساتھ باندھنے کے دوران اس نے کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو باندھنے والا بھی اس کے ساتھ موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ میں نے ماسٹر سے کہا ہے کہ اس کے لیے ایک وھیل چیئر کا انتظام کریں۔ ایسی کرسی جس کی پشت نہ ہو اور اس کے دونوں طرف آہنی راڈ لگے ہوں جس کے ساتھ اس کے دونوں بازوؤں کو سختی سے باندھ دیا جائے تاکہ وہ اِدھر اُدھر حرکت نہ کر سکے تب ہی ہم اطمینان سے اس بم کو اس کے سینے کے ساتھ باندھ سکتے ہیں۔"

"میں ماسٹر سے معلوم کرتا ہوں کہ کرسی کب تک تیار ہوجائے گی۔ اسی کے مطابق میں آئندہ آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔"

میں اس سے رخصت ہو کر ماسٹر کے پاس آیا۔ ماسٹر سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ کرسی صبح تک تیار ہوگی۔ میں نے کہا "آپ جلال بیگ تک یہ پیغام پہنچادیں کہ کل دن کے گیارہ بجے تک وہ ہائی وے کے کسی حصے سے اپنے باپ کو حاصل کرلے۔ میں کل دن کے نو بجے دوبارہ رابطہ قائم کروں گا۔ اس وقت تک کے لیے جا رہا ہوں۔"

یہی بات میں نے مرجانہ اور سائرہ بانو کو بتائی۔ صبح اُن سے ملنے کا وقت مقرر کیا پھر میں نے سونیا کی خبر لی۔ وہ ایک آرام دہ بستر پر لیٹی ہوئی ٹی وی کا ایک پروگرام دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں ٹی وی کے اسکرین پر تھیں لیکن ذہن اپنے

سونگھنے کی حس کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ جب فرہاد پیرس پہنچا تھا اور اس کے چہرے کی پلاسٹک سرجری ہونے والی تھی تو اس وقت تک اُس کے سونگھنے کی حس برقرار تھی یعنی ڈاکٹر جو دوائیں دے رہا تھا اور انجکشن لگا رہا تھا تو اُس وقت ان دواؤں کا اثر نہیں ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ دوائیں اُسے متاثر کرتی گئی تھیں پھر ایک وقت آیا تھا کہ جنگل میں پہنچنے کے بعد وہ سونگھنے کی حس توقع کے خلاف بالکل ہی ختم ہو گئی۔ اب وہ اپنے سامنے والوں کو توجہ سے سونگھتی تھی تب پتہ چلتا تھا کہ وہ جانی پہچانی چیز ہے ورنہ کسی کو بھی وہ اچانک سونگھ کر محسوس نہیں کر سکتی تھی۔

اُس کے دماغ میں ایک سوال پیدا ہوا۔ یہ جو سونگھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے تو کیا یہ مناسب ہے یا اُس صلاحیت کو دوبارہ اپنے اندر پیدا کیا جائے؟

اس نے جواباً سوچا۔ صلاحیتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ڈاکٹر کے علاج کے ذریعے وہ اس کمی کو دور کر سکتی ہے لیکن جب دوبارہ سونگھنے کی وہی تیز حس پیدا ہو گی تو دوسری پریشانیاں بھی سامنے آئیں گی یعنی خوشبو اور عام قسم کی مہک کے علاوہ بدبو اور ناپسندیدہ بو کو بھی برداشت کرنا ہو گا اور اب ایسی بو برداشت نہیں ہوتی تھی۔

اُس نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے سوچا "کیا ہی اچھا ہوتا کہ میری سونگھنے کی صلاحیت کی طرح فرہاد کی ٹیلی پیتھی والی صلاحیتیں بھی ختم ہو جاتیں یا اس حد تک گم ہو جاتیں کہ وہ سیکڑوں، ہزاروں میل کی دوری تک خیالات نہ پڑھ سکتا۔ جو اُس کی نظروں کے سامنے نہ رہتے۔ اُن سے وہ بے خبر رہتا۔ تب میں بھیس بدل کر اُس سے بآسانی چھپی رہتی۔"

میں نے اُس کی سوچ کے ذریعے سوال کیا "چھپنے سے کیا حاصل ہوتا۔ کیا فرہاد مجھے بھول جائے گا یا میرا پیچھا چھوڑ دے گا؟"

اس کی دوسری سوچ نے جواب دیا "یہ تو میں جانتی ہوں، نہ وہ کبھی مجھے بھول سکے گا اور نہ کبھی چھوڑ سکے گا۔ میں اسی لیے چھپنا چاہتی ہوں کہ میری چاہت اور بڑھ جائے گی میں اُس سے دور رہوں گی۔ وہ مجھے ڈھونڈتا رہے گا اور اس طرح میری جیت رہے گی۔"

"کیا میں اپنی جیت کا احساس قائم رکھنے کے لیے فرہاد کو تڑپاتی رہوں گی؟"

اُس نے پھر ایک سرد آہ بھری "میں بھی تو تڑپتی ہوں مگر اُس ہرجائی کو تڑپانے میں مزا آتا ہے۔ اس بار تو میں کبھی اُس کے آگے راضی نہیں ہوں گی کبھی کمزور نہیں پڑوں گی کبھی اُس کے سامنے محبت کا اعتراف نہیں کروں گی اُسے اتنا پریشان کروں گی کہ وہ توبہ کرنے لگے گا۔ کان پکڑنے لگے گا۔"

میں مسکراتے ہوئے اُس کی سوچ پڑھتا جا رہا تھا پھر وہ چونک کر سوچنے لگی "یہ میں ٹی وی کا پروگرام دیکھ رہی ہوں یا فرہاد کے متعلق سوچتی جا رہی ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی تک ہے۔ اُس کی ٹیلی پیتھی کیوں ختم ہو گی اور کیسے میں اس سے دور رہ سکوں گی، صرف اُس سے چھپنے کے لیے میں اس کا برا چاہتی ہوں۔ اُس کی یہ صلاحیت ختم ہو گی تو ہم سب کی پریشانیاں بڑھیں گی۔ اوہ۔ میں بھی عجیب اوٹ پٹانگ باتیں سوچنے لگتی ہوں۔"

وہ سر جھٹک کر پھر ٹی وی پروگرام کو توجہ سے دیکھنے لگی۔

میں اُس کے دماغ سے چپ چاپ واپس چلا آیا۔ اُسے چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ میں دماغی طور پر کٹیا میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ میں نے مسکرا کر رسونتی کو دیکھتے ہوئے کہا "اب بالکل فرصت ہے۔ تم سے صبح رخصت ہونے تک تمہارے ہی ساتھ دماغی طور پر حاضر رہوں گا۔"

اُس کے ہونٹ خوشی سے مسکرانے لگے اور آنکھیں رونے لگیں۔ وہ رات ہمارے ملن کی آخری رات تھی۔ جب دو دن کی زندگی رہ جائے اور یہ معلوم ہو کہ دوسری صبح ہم زندہ رہنے کے باوجود ایک دوسرے کے لیے مر جائیں گے ایک دوسرے کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکیں گی تو ہماری مٹھی میں جتنا بھی وقت ہوتا ہے وہی ساری زندگی کا سرمایہ ہوتا ہے اس لیے ہم وہ وقت جاگ جاگ کر، باتیں کرتے کرتے گزارنے لگے۔

اس رات وہ خوب روتی رہی۔ میں اُس کے آنسو پونچھتا رہا۔ وہ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتی رہی۔ میں محبت سے سمیٹتا رہا۔ وہ میرے سامنے پلتھی مار کر، ہاتھ جوڑ کر میری پوجا کرنے کے لیے بیٹھ گئی۔ میں نے اُس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر کہا "نہیں، رسونتی، مجھے بھگوان سمجھ کر نہ پوجنا۔ یہ ہمارے مذہب میں شرک ہے۔ ہمیں محبت کی حد تک محبت کرنا چاہیے۔ ہم صرف خدا سے ہی عبادت کی حد تک محبت کر سکتے ہیں۔"

وہ روتے ہوئے بولی "ہم ہندو عورتیں اپنے پتی کے روپ میں اپنے بھگوان کو دیکھتی ہیں۔ ہماری محبت اور وفاداری کی انتہا یہ ہے کہ ہم اپنے پتی کو انسان سے بھگوان بنا دیتی ہیں۔ اگر میں تمہیں اپنا بھگوان نہ سمجھتی تو اپنے بھگوان کو چھوڑ کر ایک مسلمان سے شادی نہ کرتی۔ جب میں نے تمہیں اپنا بنایا تو تم میرے لیے نہ تو ہندو تھے نہ مسلمان تھے۔ تم صرف محبت تھے وہ محبت جسے میں بھگوان کہتی ہوں تم خدا کہتے ہو۔ یہ میرا اپنا

نظریہ ہے۔ اپنا عقیدہ ہے۔ اپنی محبت کی انتہا ہے۔ تم مجھے میری محبت کی انتہا تک پہنچنے سے نہیں روک سکتے۔ ابھی روکو گے تو تمہارے جانے کے بعد تمہارے تصور کی پوجا کروں گی۔ تمہارے نام کی مالا جپوں گی۔ تم نہیں رہو گے تو اپنی کوکھ سے تمہاری خوشیوں کو جنم دوں گی۔ اُسکی خدمت کروں گی۔ اُس کی پرورش کروں گی۔ اُسے دوسرا فرہاد بناؤں گی۔ جس طرح پوجا سے پہلے پھول چڑھاتے ہیں۔ دیا جلاتے ہیں۔ اسی طرح میں تمہارے بچے کو دیئے کی طرح روشن رکھوں گی اور اس روشنی میں تمہاری پوجا کرتی رہوں گی۔ کیا تم مجھے اس سے روک سکتے ہو؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں، میں زبان سے سمجھا سکتا ہوں ہاتھ سے روک نہیں سکتا۔ کسی کو بھی اُس کے عقیدے سے اور اُس کے نظریے سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔"

ہم باتیں کرتے رہے۔ رات گزرتی رہی۔ صبح ہوتے ہوتے رسونتی کی آنکھوں میں آنسو خشک ہو گئے اُسے صبر آ گیا یا سمجھ آ گئی کہ رونے دھونے سے وقت اپنی من مانی سے باز نہیں آتا۔ وقت کے مطابق جو ہونا ہے وہی ہوتا ہے اور انسان کو اُسے برداشت کرنا پڑتا ہے پھر اچھے وقت کا انتظار کرنے کے لیے اپنے اندر حوصلہ پیدا کرنا پڑتا ہے۔ رسونتی میں وہی حوصلہ پیدا ہونے لگا تھا۔

صبح چھ بجے میں نے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر رسونتی اور غلام کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ رسونتی سے ایک لقمہ بھی چبایا نہیں جا رہا تھا لیکن میں نے خیال خوانی کے ذریعے اُسے اچھی طرح ناشتہ کرایا۔ چائے پلائی۔ پھر ہم سب بستی سے نکل کر اس جگہ پہنچے جہاں میرے لیے ہیلی کاپٹر آ چکا تھا ہم نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ پروفیسر نارڈسل اور اُس کے اسسٹنٹ کو میری روانگی کا علم نہ ہو اس لیے انہیں پچھلی رات سے ہی دوسری جگہ لے جا کر قید کر دیا گیا تھا۔ غلام نے یقین دلایا تھا کہ میرے جانے کے بعد بھی انہیں میرے متعلق لاعلم رکھا جائے گا۔ پروفیسر اور اس کے ماتحت کو رہا کر کے کسی دوسری جگہ پہنچا دیا جائے گا تاکہ وہ اپنے وطن واپس چلے جائیں اور اس بات کا بھی علم نہ ہو سکے گا کہ رسونتی غلام کے پاس رہ گئی ہے۔

رخصت ہوتے وقت رسونتی پھر ہزار ضبط کے باوجود رونے لگی۔ میں نے اُسے بہت پیار سے سمجھایا۔ تسلیاں دیں کہ جسمانی طور پر الگ ہو رہا ہوں مگر دماغی طور پر آتا رہوں گا۔ بہت کچھ تسلیاں دینے کے بعد میں ہیلی کاپٹر میں آ کر سوار ہو گیا وہ روتے ہوئے بار بار ہاتھ ہلاتی رہی۔ مجھے الوداع کہتی رہی۔ پھر ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہونے لگا۔ مجھے رسونتی سے دور کرنے لگا۔ اُس کے بعد وہ وقت بھی آیا جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اب ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے جب وہ نظر نہیں آئی تب میں نے اُس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "رسونتی، تم مجھے نہیں دیکھ رہی ہو اور میں بھی تمہیں نہیں دیکھ رہا ہوں لیکن میں تمہارے پاس موجود ہوں۔ ٹھیک ہے نا؟"

اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے کہا "جب یہ درست ہے کہ میں تمہارے پاس موجود ہوں تو پھر رونا کس بات کا؟ چلو آنسو پونچھ لو اور غلام کے ساتھ بستی میں واپس جاؤ۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے غلام کے ساتھ واپس جانے لگی غلام نے کہا "مالکہ! آقا اب رخصت ہو چکے ہیں۔ اگر آپ راضی ہوں تو ہم کل ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ میری نظر میں ایک ایسی بستی ہے جہاں آپ ساری دنیا والوں سے چھپ کر رہ سکتی ہیں۔ اس بستی میں تمام لوگ میرے اپنے ہیں، کوئی آپ کی بات بستی سے باہر نہیں پہنچائے گا۔"

وہ آنسو بھرے لہجے میں بولی "ٹھیک ہے، میں بھی اب اس بستی میں نہیں رہنا چاہتی۔ جو مناسب سمجھتے ہو کرو۔"

میں اُس کے دماغ سے نکل آیا۔ سفر کے آغاز میں ہی میں ان سب کے دماغوں کو پڑھ چکا تھا جو اس وقت ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے ایک نامعلوم منزل کی طرف لے جا رہے تھے۔ میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک مسلح محافظ سے پوچھا "کتنی دیر کا سفر ہے؟"

اُس نے ادب سے جواب دیا "جناب، ہم ڈیڑھ یا دو گھنٹے میں ایک مخصوص مقام تک پہنچ جائیں گے۔"

"کیا وہاں کوئی چارٹرڈ طیارہ آئے گا؟"

"جی نہیں، ایک مسافر بردار طیارہ ہے۔ اُسے غیر قانونی طور پر وہاں اتارا جائے گا۔ آپ سوار ہوں گے۔ پھر وہ اپنی پرواز جاری رکھے گا۔"

"اُس طیارے میں جو دوسرے مسافر ہوں گے، کیا وہ اس غیر قانونی پرائیویٹ لینڈنگ کی اطلاع متعلقہ حکام تک نہیں پہنچائیں گے؟"

اُس نے مسکرا کر کہا "جی نہیں، اس مسافر بردار طیارے میں سارے کے سارے مسافر ہمارے ایجنٹ ہیں اس جہاز کا عملہ بھی ہمارے اشارے پر چلتا ہے۔ موسم کی خرابی یا ایندھن کی کمی کا بہانہ کر کے وہ طیارہ اپنے روٹ سے ذرا ہٹے گا۔ آپ کے سوار ہونے کے بعد پھر اپنے روٹ پر پرواز شروع کر دے گا۔"

میں اطمینان سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ،

اس کی امّی، ماسٹر عبداللہ بن صیمیم، مسٹر جیکسن اور حشمت بیگ اور دوسرے مسلح جوان ایک بڑے سے ہال میں بیٹھے ہوئے تھے وہ سب کے سب میرے منتظر تھے۔ میں نے ماسٹر سے کہا۔ "میں آگیا ہوں، آپ کام شروع کرادیں۔"

میں نے جیکسن کے دماغ سے معلوم کیا حشمت بیگ کو اس وھیل چیئر کے ساتھ اتنی مضبوطی سے بندھا گیا تھا کہ وہ حرکت نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے جیکسن سے کہا "آپ بم کو اس کے سینے سے باندھ سکتے ہیں لیکن کوئی خطرہ ہو تو مرجانہ اور اس کی امّی کو وہاں سے دور بھیج دیں۔"

"خطرے کی بات نہیں ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ یہ دونوں "تار" مضبوطی سے اپنی جگہ قائم ہیں ان میں سے کوئی بھی "تار" اسی وقت اپنی جگہ چھوڑ سکتا ہے جب اُسے ہاتھوں سے پکڑ کر ہٹایا جائے۔"

میں نے اُسے اجازت دے دی۔ حشمت بیگ کی حالت "قابلِ دید" ہوگی۔ میں دیکھ تو نہیں سکتا تھا۔ اُس کے دماغ سے سمجھ سکتا تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُس کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سائرہ بانو کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے نظروں ہی نظروں میں گڑگڑا رہا ہو۔ سائرہ بانو نے اُس کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔

جیکسن کے دو اسسٹنٹ اس بم کے دو طرفہ پلیٹ کو دو طرف سے پکڑ کر ٹرالی سے اُٹھاتے ہوئے حشمت بیگ کی طرف جانے لگے۔ تب ہی ٹھٹک کر رک گئے۔ سب نے چونک کر حشمت بیگ کو دیکھا پھر ناگواری سے منہ بنایا۔ سائرہ بانو اور مرجانہ فوراً ہی اپنی ناک پر کپڑا رکھ کر وہاں سے اٹھ گئیں۔ پھر تیزی سے چلتے ہوئے ہال سے باہر نکل گئیں۔

میں نے ماسٹر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بھی تیزی سے چلتا ہوا ہال سے باہر جارہا تھا۔ پھر دروازے کے پاس سے پلٹ کر ناگواری سے اپنے ایک ماتحت کو حکم دیا۔ "اس کم بخت کی صفائی کراؤ ہم پندرہ منٹ کے بعد آئیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ ہال سے باہر چلا گیا۔ میں مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دوسرے کمرے میں پہنچ کر اپنی امّی سے کہہ رہی تھی۔ "کم بخت نہایت ہی بزدل نکلا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، یہ تو بچوں سے بھی گیا گزرا ہے۔"

سائرہ بانو نے تھکے ہوئے انداز میں ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "بیٹی میرا دل بھی بہت کمزور ہے۔ میرا بس چلے تو میں اُسے معاف کردوں۔"

مرجانہ نے تعجب سے اپنی امّی کو دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ جس نے قدم قدم پر آپ کو رُلایا ہے آپ کو برباد کیا ہے، آپ اُسے معاف کردیں گی؟"

"ہاں، مجھ سے کسی کے آنسو نہیں دیکھے جاتے۔ دیکھو تو اس کی کیا حالت ہوگئی ہے۔ ابھی سے آدھ موا ہو چلا ہے۔ جب وہ بم باندھا جائے گا تو شاید دم ہی نکل جائے۔"

مرجانہ نے نفرت سے کہا "اس ذلیل کو مرجانا چاہیے۔ مجھے تو آپ پر حیرت ہے کہ اتنے ذلیل دشمن کو معاف کردینا چاہتی ہیں۔ اس پر رحم کھا رہی ہیں۔"

"مجھے کسی حشمت بیگ سے ہمدردی نہیں ہے، مجھے انسانوں سے ہمدردی ہے۔ میں کسی کا دکھ نہیں دیکھ سکتی۔"

"اسی لیے تو آپ بچپن ہی سے تباہ ہوتی آئی ہیں۔ اگر آپ اُسے نہیں دیکھ سکتی ہیں تو یہاں چپ چاپ بیٹھی رہیں۔ میں آپ کو وہاں نہیں جانے دوں گی۔ میرا بس چلے تو میں اُس کی بوٹی بوٹی کاٹ کر اُس کا قیمہ کرکے چیل کوؤں کو کھلادوں۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولیں "یہ عجیب دنیا ہے، یہاں ایک ظالم دوسرے کو بھی ظالم بنادیتا ہے۔ تم ایسی نہ تھیں۔ جیسی اب ہو تم ایک مشرقی لڑکی تھیں۔ سیدھے سادے انداز میں جوان ہوتیں اور دلھن بن کر اپنی سسرال چلی جاتیں لیکن اُس کے ظلم نے تمھیں بھی ایک لڑکی سے پتھر بنادیا ہے۔"

"امّی! اس دنیا میں یہی ہوتا ہے۔ اگر آدمی پتھر نہ بنے تو اُسے دوسرے توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ ہمیں پتھر نہیں فولاد بنا چاہیے۔ جیسے میں بن چکی ہوں۔ یہ وہی حشمت بیگ ہے نا، جس نے بیس برس تک مجھے آپ سے جدا رکھا۔ یہ وہی حشمت بیگ ہے جس نے بیس گھنٹے تک آپ کے گلے سے موت کو باندھ کر رکھا۔ ہماری بے بسی کا مذاق اُڑاتا رہا۔ اس وقت ظلم کرتے وقت یہ بچوں کی طرح نہیں رویا۔ اُسے بالکل یاد نہیں آیا کہ قدرت اُسے بھی زندگی کے کسی موڑ پر کمزور بنائے گی۔ آج قدرت نے اُسے کمزور بنایا ہے تو بننے دیجیے اُس کے ذریعے دوسروں کو عبرت حاصل کرنے دیجیے، آپ یہاں چپ چاپ بیٹھی رہیں گی، میں جارہی ہوں۔"

سائرہ بانو وہاں سر جھکائے بیٹھی رہیں۔ وہ ظلم کا تماشہ نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ بے شک حشمت بیگ کے ساتھ جو کچھ ہورہا تھا وہ بھی ظلم تھا لیکن وہ ایک مجبوری بھی تھی۔ دوسرے ظالموں کو احساس دلانا تھا کہ دیکھو جیسا تم کروگے

ویسا بھرو گے جو دوسروں کے لیے کرتے آئے ہو۔ وہی تمھارے آگے بھی آئے گا اور اُن کے آگے آرہا تھا۔

حشمت بیگ کی بزدلی اور کمزوری کے پیشِ نظر ایک ڈاکٹر طلب کرلیا گیا تھا۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ بم اُس کے سینے سے باندھ دیا گیا۔ اُس کی حالت ایسی تھی جیسے وہ زندہ نہ ہو۔ آہستہ آہستہ سانس چل رہی تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور وہ بالکل مردہ نظر آرہا تھا۔ ڈاکٹر کبھی کبھی اُس کی نبض ٹٹولتا تھا اور مطمئن ہو جاتا تھا۔ جب وہ لوگ اپنے کام سے فارغ ہوگئے تو اُسے چھوڑ کر دور ہٹ گئے۔ وہ کرسی پر بندھا بیٹھا ہوا تھا۔ مرجانہ نے آواز دی "حشمت بیگ تم زندہ ہو مگر مردوں سے بدتر ہو میری آواز تمھارے کانوں تک پہنچ رہی ہے مگر تمھاری زبان مرچکی ہے۔ وہ میری بات کا جواب نہیں دے سکے گی۔ تمھاری آنکھیں تمھارے بس میں نہیں ہیں تم چاہو تو پلکیں اُٹھا کر مجھے نہیں دیکھ سکوگے اسے کہتے ہیں مردنی چھا جانا۔ موت سے پہلے موت آجانا۔ اب اس حالت میں رہ کر تم سمجھ سکتے ہو کہ میری امّی پر کیا گزر رہی ہوگی۔ انھوں نے کس حوصلے سے موت کو اپنے سینے پر بیس گھنٹے تک اُٹھائے رکھا تھا۔ وہ کتنی حوصلہ مند خاتون ہیں۔ تم عورتوں سے بھی گئے گزرے ہو۔ تھو ہے تم پر۔"

ماسٹر عبداللہ بن صیمیم کے ماتحت حشمت بیگ کو وہاں سے لے گئے۔ وہ جلال بیگ کو اطلاع دے چکے تھے۔ اُس کے مطابق وہ اُسے ہائی وے کے ایک مقام پر پہنچانے جارہے تھے۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے ماسٹر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہمارے ساتھ اس حد تک تعاون کیا۔"

"فرہاد صاحب! آپ شرمندہ کرتے ہیں۔ ہم تو آپ کے خدمت گار ہیں، فرمائیے اور کوئی حکم؟"

"ہاں ابھی کچھ اور کام باقی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ لیڈی سائرہ بانو کو بحفاظت پاکستان پہنچانے کے انتظامات کیے جائیں۔ جلال بیگ ان ماں بیٹی کو کسی طرح گرفت میں لینے کے لیے اپنی آخری کوشش اور اپنا آخری ذریعہ اور اپنا آخری پیسہ بھی صرف کردے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بہت محتاط ہو کر بہت ہی کڑی نگرانی میں لیڈی سائرہ بانو کو پاکستان پہنچادیں اور وہاں بھی کچھ ایسے خفیہ انتظامات کریں کہ ہر دم اُن کی نگرانی ہوتی رہے۔"

"یہ ہوجائے گا۔ ہمارے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے اور کوئی حکم؟"

"اُس کے بعد مرجانہ کو میک اپ کے ذریعے کچھ تبدیل کیا جائے تاکہ وہ چہرے سے پہچانی نہ جاسکے پھر آپ اُسے لندن روانہ کردیں۔"

"یہ بھی ہوجائے گا۔"

"سپر ماسٹر تک یہ بات پہنچائی جائے کہ میں سائرہ بانو کی بہت ہی زبردست نگرانی چاہتا ہوں۔ یہ ذمہ داری براہِ راست سپر ماسٹر پر ہوگی۔ اُن تک جلال بیگ کا کوئی آدمی پہنچنے نہ پائے۔"

"میں سپر ماسٹر تک آپ کے یہ الفاظ پہنچا دوں گا۔"

میں مرجانہ کے پاس آیا۔ وہ اب اپنی امّی کے پاس پہنچ گئی تھی۔ میں نے اُسے بتایا کہ اُس کی امّی کو پاکستان بھیجنے اور اس کو لندن پہنچانے کے انتظامات کیے جارہے ہیں مرجانہ نے یہ بات سائرہ بانو کو بتائی۔ وہ اداس ہو کر بولیں "بیٹی تم اور فرہاد مجھے دور کردینا چاہتے ہو۔ کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہوسکتی کہ میں تمھارے قریب رہوں۔ میرا دل کہیں نہیں لگے گا۔"

"امّی دل کو لگانا ہوگا۔ وہاں جمال صاحب تو ہوں گے۔"

سائرہ بانو نے میٹھی ناراضگی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم شرارت سے باز نہیں آؤ گی۔"

وہ مسکراتے ہوئے اپنی ماں کے قریب آئی۔ پھر اُن کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "ہائے امّی وہ دن کب آئے گا جب میں آپ کو دلھن بناؤں گی۔"

وہ جھینپ کر بولیں "دیکھو بکواس نہ کرو۔ میں شادی نہیں کروں گی۔"

مرجانہ نے کہا "لڑکیاں شادی سے پہلے یونہی انکار کرتی ہیں مگر دل میں لڈو پھوٹتے رہتے ہیں۔"

"کیا میں تمھیں لڑکی نظر آرہی ہوں کیا تم میرا مذاق اُڑا رہی ہو؟" اُس نے ماں سے لپٹ کر کہا "ہائے امّی، آپ کا مذاق اُڑاؤں تو میں مرجاؤں۔ آپ نہیں جانتیں کہ مجھے کتنی خوشی ہورہی ہے۔ آپ کو محبت ملے، تحفظ ملے، خوشی ملے تو مجھ سے زیادہ خوشی کسے ہوسکتی ہے۔"

انھوں نے کہا "بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ میں تمھیں چھوڑ کر جانے سے انکار کررہی ہوں اور تم میری شادی کے خواب دیکھ رہی ہو۔"

"جب تک میرا علاج نہیں ہوتا اس وقت تک آپ کو مجھ سے دور ہی رہنا چاہیے۔ میں تبدیل ہو کر آجاؤں گی تو پھر آپ کی محافظ بن کر آپ کے ساتھ رہا کروں گی ہم کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے ابھی مجبوری ہے۔ آپ

کرجانا ہی ہوگا۔"

میں تھوڑی دیر تک اُن کی باتیں سُنتا رہا۔ پھر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ایک قدِ آدم آئینے کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے میک اپ کا بہت سا سامان بکھرا ہوا تھا اور وہ اپنے چہرے پر تبدیلیاں لا رہی تھی۔ اس کے لندن جانے کے انتظامات مکمل ہو گئے تھے۔

اس وقت وہ سوچ رہی تھی "میں میک اپ کے ذریعے ساری دنیا والوں سے اپنے چہرے کو چھپا لوں گی کوئی مجھے سونیا کی حیثیت سے نہیں پہچان سکے گا کیا ہی اچھا ہوتا کہ فرہاد بھی مجھے پہچان نہ سکتا اور مجھ تک پہنچ نہ سکتا مگر وہ تو کسی وقت بھی میرے دماغ میں پہنچ جائے گا۔ معلوم کرلے گا کہ میں کس قسم کا میک اپ کر رہی ہوں۔"

میں مسکراتے ہوئے اُس کی سوچ پڑھ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ جس طرح اُس کی سونگھنے کی حس ختم ہو گئی ہے۔ میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیت بھی اس حد تک کم ہو جائے کہ میں اُس کی سوچ نہ پڑھ سکوں۔ خیال خوانی کے ذریعے اُس کے قریب نہ آسکوں اور نہ اُسے پہچان سکوں۔ میں نے سوچا۔ کیوں نہ میں سونیا کی خواہش پوری کردوں۔ اُسے خوش کرنے کے لیے یہ ظاہر کردوں کہ میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں کسی حادثے میں ختم ہو گئی ہیں اور اب میں خیال خوانی کے قابل نہیں رہا ہوں۔ اگر میں یہ ڈرامہ کھیلوں تو اُسے ایک طرف افسوس ہوگا کہ میں اپنی صلاحیت سے محروم ہو گیا۔ دوسری طرف غیر شعوری طور پر اطمینان ہوگا کہ اب میں اُس پر حاوی نہیں رہوں گا اُس کے قریب نہیں آسکوں گا۔ وہ چپکے چپکے میرے آس پاس رہے گی اور پھر جو کچھ ہوگا وہ دلچسپ تماشا ہوگا۔

یہ سوچ کر میں نے اُسے مخاطب نہیں کیا، اُس کے پاس سے واپس ہو کر مرجانہ کے پاس پہنچا اور بڑی ہی کمزور سی سوچ میں اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "مرجانہ اچانک ہی میرے سر پر شدید چوٹ لگی ہے۔ شاید اب میں خیال خوانی نہ کرسکوں۔ صحت یاب ہونے کے بعد شاید میری صلاحیت پھر میرے کام آسکے۔ فی الحال میں آخری بار تم سے مخاطب ہوں تم ماسٹر عبداللہ بن صمیم سے کہو کہ وہ پیرس کے ماسٹر سے رابطہ قائم کریں اور سونیا سے کہہ دیں کہ ڈیڑ جمال کو حفاظت پاکستان پہنچانے کے فوری انتظامات کیے جائیں۔"

مرجانہ نے پریشان ہو کر پوچھا "تمھیں چوٹ کیسے لگی۔ میں ابھی یہاں کے ماسٹر سے بات کرتی ہوں لیکن تمھاری ٹیلی پیتھی کی صلاحیت بحال رہنی چاہیے۔ ورنہ ہم سب کے لیے پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔"

"فکر نہ کرو۔ میں اپنا علاج کراؤں گا اور جلد سے جلد لندن پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

"فی الحال تم کہاں ہو؟"

"میں ابھی تک جنگل ہی میں بھٹک رہا ہوں۔ وہاں سے کسی آبادی تک پہنچوں گا اور کسی ڈاکٹر سے علاج کراؤں گا۔"

اُس نے پوچھا "سونی کہاں ہے؟"

"میں نے اُسے غلام کی حفاظت میں چھوڑ دیا ہے۔ اس کی طرف سے اطمینان ہے۔ بہرحال میں زیادہ باتیں نہیں کرسکتا، میری طبیعت بگڑتی جا رہی ہے۔ خدا حافظ۔"

یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا اور اُس کی سوچ کو پڑھنے لگا۔ وہ میرے لیے فکر مند ہو گئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ ماسٹر کے ذریعے پیرس میں سونیا سے رابطہ قائم کرے گی اور اُسے میری علالت کی خبر سنائے گی۔

میں مسکرانے لگا۔ میں جانتا تھا کہ جب یہ خبر سونیا کو معلوم ہوگی تو وہ بھی میرے لیے فکر مند ہو جائے گی۔ پھر رفتہ رفتہ اُسے یہ اطلاع بھی ملے گی کہ میں خیال خوانی کے قابل نہیں رہا ہوں۔ اُسے افسوس تو ہوگا مگر اُس کی دلی مراد پوری ہو جائے گی اور وہ مجھ سے آنکھ مچولی کھیلنا شروع کردے گی۔

میں نے سوچا۔ لندن میں سونیا کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے میں بڑا مزہ آئے گا بشرطیکہ اس کھیل کے لیے پہلے سے مکمل انتظامات ہو جائیں۔ یہ سوچ کر میں نے ماسٹر کروٹا مانگا سے کہا "ماسٹر میں لندن کے ماسٹر سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم تو ہونا چاہیے کہ آخر میں سپر ماسٹر کے کن لوگوں کے درمیان جا رہا ہوں۔"

کروٹا مانگا نے کہا "جناب آپ تھوڑی دیر صبر کرلیں۔ ہیلی کاپٹر کا سفر ختم ہوگا اور طیارے کا سفر شروع ہوگا تو جبھی سے آپ کا تعارف ہو جائے گا۔ اس طیارے میں بہت سے لوگ موجود ہوں گے۔"

میں نے پوچھا "آپ میرا ایک کام کریں گے؟"

"ایک کیا ہزار کام بتائیں۔ میں آپ کا خدمت گار ہوں۔"

"ماسٹر میں لندن پہنچ کر اپنے تمام ساتھیوں سے چھپ کر رہنا چاہتا ہوں۔ خصوصاً سونیا اور مرجانہ سے چھپ کر رہوں گا تو دشمن اُن کے ذریعے مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے

اور میرے ذریعے ان لوگوں تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ میں چپ چاپ خیال خوانی کے ذریعے اُن کی خیریت معلوم کرتا رہوں گا لیکن خیال خوانی کے ذریعے سونیا اور مرجانہ سے رابطہ قائم نہیں کروں گا۔ میں یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ فرہاد کہیں گم ہو گیا ہے اور اُس کی کوئی خبر نہیں مل رہی ہے۔"

ماسٹر نے کہا "آپ کی یہ پلاننگ بہت اچھی ہے۔ جتنی احتیاط برتی جائے اتنا ہی بہتر ہے۔"

"اگر سونیا یا مرجانہ آپ سے میرے متعلق دریافت کریں تو آپ یہ کہہ دیں کہ مجھے اس جنگل سے نکال کر لندن پہنچانے کے لیے ایک طیارہ بھیجا گیا تھا۔ میں اس طیارے میں سوار ہو کر لندن جانے کے بجائے اٹلی میں اُتر گیا تھا۔ اُس کے بعد میری کوئی خبر نہیں ملی ہے۔"

"اچھی بات ہے جناب۔ مادام سونیا اور مرجانہ مجھ سے دریافت کریں گی تو میں یہی جواب دوں گا۔"

میں ماسٹر کا شکریہ ادا کرکے اس سے رخصت ہو گیا۔ اب میں نے سوچا کہ جب لندن کے ماسٹر سے رابطہ قائم ہوگا تو اُسے بھی یہی سمجھا دوں گا۔ اس طرح سونیا سے آنکھ مچولی کھیلنے کے انتظامات مکمل ہو جائیں گے۔ یوں بھی یہ محض ایک مذاق نہ ہوتا۔ ایک کھیل نہ ہوتا۔ احتیاطاً بھی ایسا کرنا ضروری تھا۔

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ہیلی کاپٹر اب ایک ایسے وسیع میدان میں اُتر رہا تھا جہاں دور تک ایک چوڑی پختہ سڑک نظر آرہی تھی۔ آس پاس درخت نہیں تھے۔ وہ ہیلی کاپٹر وہاں ایک جگہ اُتر گیا۔ میں نے ہیلی کاپٹر سے اُترتے ہوئے پوچھا "کیا وہ طیارہ ادھر آئے گا؟"

"جی ہاں ہم نے رن وے کے لیے اسی شاہراہ کو منتخب کیا ہے۔"

دوسرے مسلح جوان نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "جناب دس منٹ کے اندر ہی وہ طیارہ یہاں پہنچ جائے گا ہم نے وقت کا خاص خیال رکھا ہے۔"

میں وقت گزارنے کے لیے سونیا کے پاس گیا۔ وہ ٹیلیفون پر ڈاکٹر سے باتیں کر رہی تھی۔ اُس کا میک اپ مکمل ہو گیا تھا۔ جب میں اُس کے پاس پہنچا تو کچھ ادھوری باتیں سنائی دیں۔ ڈاکٹر اُس سے کہہ رہا تھا "مادام ابھی تو مجبوری ہے آپ کا علاج یہاں نہیں ہو سکے گا۔ آپ یہاں سے جا رہی ہیں۔ بہتر ہے کہ جہاں بھی آپ کا قیام ہو وہاں کسی بہت ہی تجربہ کار ڈاکٹر سے علاج کروائیں۔ جو دوا آپ کو استعمال کرائی گئی ہے اُس کے اثرات بہت گہرے ہیں اور آپ کی سونگھنے کی حس رفتہ رفتہ بالکل ہی ختم ہو جائے گی۔ اس حد تک کہ خوشبو اور بدبو دونوں ہی چیزیں آپ کے لیے بے معنی ہو جائیں گی۔"

سونیا نے پوچھا "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میری حس اس حد تک کیسے ختم ہو سکتی ہے؟"

"میں نے کہا نا کہ دوا کے اثرات بہت گہرے ہیں۔ سونگھنے کی حس کے ذریعے بدبو اور خوشبو کا تجربہ کیا جاتا ہے۔ وہ حس آپ کی مُردہ ہو چکی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ کسی بہت ہی تجربہ کار ڈاکٹر سے علاج کرائیں۔ یقیناً وہ اس سلسلے میں آپریشن کا مشورہ دے گا۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں ویسا کریں۔"

"ڈاکٹر میری سونگھنے کی غیر معمولی صلاحیت میں کمی آجائے یا ختم ہو جائے۔ یہ بات تو سمجھ میں آسکتی ہے لیکن میں اس کو تسلیم کرنا نہیں چاہتی کہ میری سونگھنے کی حس اس حد تک ختم ہو جائے کہ میں کسی چیز کو سونگھ کر خوشبو اور بدبو کی تمیز ہی نہ کرسکوں۔"

"مادام اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو سونگھنے کی حس سے بالکل محروم رہتے ہیں۔ نہ خوشبو کو محسوس کرتے ہیں نہ بدبو کو۔ نہ تازہ غذا کو سونگھ کر محسوس کرسکتے ہیں۔ نہ باسی کھانے کو۔ ہاں زبان کے ذائقے سے انھیں خوراک کے تازہ یا باسی ہونے کا احساس ہوتا ہے مگر سونگھ کر نہیں ہو سکتا۔ بہرحال آپ وہاں کسی ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔"

سونیا نے ریسیور رکھ کر تھوڑی دیر تک اپنے دماغ میں خاموشی اور سناٹوں کو محسوس کیا پھر کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھی رہی۔ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ فرہاد اُس کے دماغ میں جھانک رہا ہے یا نہیں؟ اگر وہ جھانک رہا ہوتو اُسے پتہ چل جائے گا کہ سونگھنے کی حس کم ہوتے ہوتے ختم ہونے کے اسٹیج تک جا رہی ہے۔ اُسے یہ بات معلوم ہو گی تو وہ اور بے باک ہو جائے گا۔ پھر میرے قریب آکر مجھ سے شرارتیں کرے گا اور میں یہ نہیں معلوم کرسکوں گی کہ میرے قریب جو موجود ہے وہ فرہاد ہی ہے۔ میں اُس سے دھوکا کھاتی رہوں گی۔ اُف میں کس مصیبت میں گرفتار ہونے والی ہوں۔ مجھے لندن پہنچتے ہی پہلی فرصت میں کسی ڈاکٹر سے اپنے لیے مشورہ کرنا چاہیے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے سوچا "بے چاری سونیا!"

طیارے کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ میں نے دیکھا۔

دُور سے ایک طیارہ نیچی پرواز کرتا ہوا آرہا تھا اور اُترنے والا تھا۔ ایک مسلح نوجوان ٹرانسمٹر کے ذریعے طیارے کے کسی آدمی سے باتیں کررہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ طیارہ اس شاہراہ پر کھڑا ہوا تھا۔ اُس کا ایک دروازہ کھول کر رسّوں کی ایک سیڑھی لٹکا دی گئی جس کے ذریعے میں طیارے کے اندر پہنچ گیا۔ اُس کے ساتھ ہی دروازے کو بند کر دیا گیا۔

واقعی وہ ایک مسافر بردار طیارہ معلوم ہوتا تھا۔ مرد اور عورتیں سبھی اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے ہی دروازہ بند ہوا اسپیکر سے آواز اُبھرنے لگی "ہم جناب فرہاد علی تیمور کو اپنے طیارے میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں فرہاد صاحب کی خدمات کا موقع مل رہا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ اگر ہم سے خدمات کے سلسلے میں کہیں کوئی کوتاہی ہوجائے کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو فرہاد صاحب ہمیں معاف کریں گے۔ ہم حتی الامکان شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ اب فرہاد صاحب سے درخواست ہے کہ وہ کسی بھی سیٹ پر بیٹھ کر سیفٹی بیلٹ باندھ لیں۔ طیارہ پرواز کرنے والا ہے۔"

طیارے کے تمام مسافر اپنی اپنی سیٹ پر سے پلٹ کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ کچھ عورتیں اپنا ہاتھ لہرا کر خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ میں نے سیٹ پر بیٹھ کر سیفٹی بیلٹ باندھ لیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی طیارہ اس شاہراہ پر دوڑتا ہوا فضا میں بلند ہونے لگا۔ تقریباً دس منٹ تک اس طیارے کے اندر بالکل خاموشی رہی۔ پھر ایئر ہوسٹس اور اسٹیورڈ نظر آنے لگے ایک عرب عورت سی ایئر ہوسٹس نے میرے پاس آکر مسکراتے ہوئے کہا "اب آپ سیفٹی بیلٹ کھول سکتے ہیں۔ فرمائیے۔ کیا پینا پسند کریں گے؟"

"میں کوئی ٹھنڈا مشروب چاہتا ہوں جو نشہ آور نہ ہو۔"

وہ مسکرا کر بولی "ہم جانتے ہیں آپ نشے کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ لیکن عورت بھی ایک نشہ ہے۔ سنا ہے کہ ایسے وقت آپ لڑکھڑا جاتے ہیں۔"

اُس نے بڑی میٹھی نظروں سے مجھے دیکھا۔ پھر ایک ادائے ناز سے بل کھاتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ اُسی وقت اسپیکر سے آواز اُبھرنے لگی "مسٹر فرہاد علی تیمور اِس طیارے میں جتنے مسافر ہیں وہ سب سُپر ماسٹر کے تابع دار ہیں اور اس وقت آپ کی تابع داری کے لیے حاضر ہیں۔ سب سے پہلے آپ کے سامنے مادام روزانہ دی ٹائیگریس کو پیش کیا جارہا ہے۔ یہ مادام آپ کی میزبان ہوں گی اور دوسرے تمام افراد سے آپ کا تعارف کرائیں گی۔ لیجیے حاضر ہوتی ہیں مادام روزانہ دی ٹائیگریس۔"

تمام مسافر ہولے ہولے تالیاں بجانے لگے۔ جیسے مادام روزانہ دی ٹائیگریس کا استقبال کررہے ہوں۔ اُسی وقت طیارے کے اندر تاریکی چھا گئی۔ مجھ سے دُور سامنے ایک دروازہ تھا۔ اِس دروازے کے دوسری طرف شاید طیارے کے پائلٹ وغیرہ کا کیبن ہوگا۔ اِس دروازے پر ایک سفید پردہ پڑ گیا تھا اور اب وہاں پروجیکشن کے ذریعے ایک تصویر سامنے آگئی تھی۔ ایک قدآور عورت دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی "ہیلو مسٹر فرہاد! میں ایک عرصے سے اس موقع کی منتظر تھی کہ کبھی آپ سے ملاقات ہو۔ آج مجھے یہ شرف حاصل ہورہا ہے۔ میں آپ کے سامنے حاضر ہونے سے پہلے اپنی آواز آپ کو سنا رہی ہوں تاکہ آپ میرے لب و لہجے کو ذہن نشین کرلیں عورت کسی کو چاہتی ہے تو اُسے اپنے دل میں بٹھا لیتی ہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ میرے دماغ میں بیٹھنے والے ہیں۔"

اس وقت تک میں اُس کے دماغ میں پہنچ چکا تھا۔ ایک مادام روزانہ میری آنکھوں کے سامنے اسکرین پر نظر آرہی تھی۔ دوسری مادام روزانہ اسی طیارے کی اگلی سیٹ پر ایک شخص کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اور اسکرین پر اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی اور سوچ رہی تھی "کیا فرہاد میرے دماغ میں پہنچ چکا ہوگا؟"

اسکرین پر بتایا جارہا تھا کہ مادام روزانہ کتنی باصلاحیت عورت ہے اور اتنی نڈر اور اتنی بہترین فائٹر ہے کہ سُپر ماسٹر نے اُسے ٹائیگریس کا خطاب دیا ہے۔ میں نے مادام روزانہ کو سیٹ پر سے اُٹھا کر کھڑا کر دیا۔

اُس نے چونک کر اپنے آپ کو دیکھا۔ اُس کے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے پوچھا "ویل مادام، کیا بات ہے۔ آپ کیوں کھڑی ہوگئیں؟"

وہ جلدی سے بیٹھ کر بولی "نہیں، کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں آپ ہی آپ بے مقصد سیٹ پر سے اُٹھ گئی تھی۔"

اس شخص نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا فرہاد صاحب نے آپ کو کھڑا کر دیا تھا؟"

مادام روزانہ نے چونک کر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا۔ پھر کہا "ماسٹر، ہوسکتا ہے فرہاد صاحب نے ایسا کیا ہو۔"

میں پھر اُس کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ اُس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ماسٹر سے پوچھا "اوہ آپ کا نام کیا ہے؟ میں تو بھول رہی گئی۔"

ماسٹر نے حیرانی سے کہا "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ آپ اور میرا نام بھول گئیں؟ میں انگلینڈ کا ماسٹر نیومین ہوں اور تم اتنی بڑی شخصیت کا نام بھول گئی ہو؟"

میں ماسٹر نیومین کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ ادھر مادام روزانہ نے چونک کر اپنے سر کو تھام لیا۔ پھر پوچھا "کیا میں ابھی دماغی طور پر حاضر نہیں تھی۔ مجھے کیا ہوگیا ہے۔ ماسٹر، میں یقین سے کہتی ہوں کہ فرہاد صاحب میرے دماغ میں پہنچ گئے ہیں۔"

ماسٹر نیومین نے مسکرا کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "ہیلو مادام، فرہاد تمہارے سامنے حاضر ہے۔ کیا مصافحہ نہیں کرو گی؟"

مادام روزانہ نے حیرانی سے ماسٹر نیومین کو دیکھتے ہوئے پوچھا "آپ کیوں مذاق کررہے ہیں؟"

"میں مذاق نہیں کررہا ہوں۔ تم سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی تم میزبان بن کر میرے پاس آنے والی تھیں، دیکھ لو، میں خود تمہارے پاس پہنچ گیا ہوں۔"

مادام روزانہ نے پھر اُسے غور سے دیکھا۔ کچھ سوچا۔ پھر کہا۔ "اچھی بات ہے اگر آپ مسٹر فرہاد ہیں تو مجھے مجبور کردیں کہ میں ماسٹر نیومین سے مصافحہ کروں۔"

میں نے ماسٹر نیومین کو چھوڑ کر اُس کے دماغ پر قبضہ کیا۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے ماسٹر کے بڑھے ہوئے ہاتھ تھما اپنا ہاتھ دے دیا۔ اُدھر ماسٹر نیومین نے چونک کر اپنے ہاتھ کو مادام روزانہ کے ہاتھ میں دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا بات ہے، تم نے میرا ہاتھ کیوں تھام لیا؟"

اُسی وقت میں نے مادام کو چھوڑ کر ماسٹر کے دماغ میں پہنچتے ہوئے دیکھا تو اب مادام چونک کر اپنے ہاتھ کو ماسٹر کے ہاتھ میں دیکھ رہی تھی پھر اُس نے مسکرا کر کہا "فرہاد صاحب، میں مان گئی۔ آپ میرے سامنے موجود ہیں۔ بہت بہت شکریہ کہ آپ خود ہی میرے پاس تشریف لائے۔ حالانکہ مجھے آپ کے پاس آنا چاہیے تھا۔ پلیز آپ ماسٹر کے دماغ سے واپس جائیں میں آپ کے پاس آرہی ہوں۔"

میں نے ماسٹر کو آزاد چھوڑ دیا۔ اُس نے چونک کر۔۔۔ مادام کو دیکھا پھر اپنے آپ کو دیکھا۔ مادام روزانہ نے مسکراتے ہوئے اُسے بتایا کہ اُن دونوں پر کیا گزر رہی تھی اور فرہاد کس طرح اُن سے کھیل رہا تھا۔ ماسٹر بھی یہ سن کر مسکرانے لگا۔ مادام روزانہ نے اپنے سامنے کی دیوار پر لگے ایک بٹن کو دباتے ہوئے کہا۔ "پروجیکٹر بند کردو اور لائٹ آن کرو۔"

اُس کا حکم سنتے ہی اسکرین پر نظر آنے والی مادام روزانہ غائب ہوگئیں۔ اسکرین سادہ ہوگیا۔ دوسرے ہی لمحے جہاز کے اندر روشنی ہوگئی۔ مادام روزانہ نے اپنی سیٹ پر سے اُٹھ کر اسکرین کے سامنے آتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے کہا "مسٹر فرہاد! میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ کیا آپ اُٹھنے کی تکلیف گوارا کریں گے، میں اُن تمام لوگوں سے آپ کا تعارف کرانا چاہتی ہوں۔"

میں اپنی سیٹ سے اُٹھ کر مادام روزانہ کے مقابل کھڑا ہوگیا۔ اُسی وقت ماسٹر نیومین بھی مادام کے پاس آگیا۔ پھر وہ دونوں چلتے ہوئے میری طرف آنے لگے۔ میں بھی اُن کی طرف بڑھنے لگا۔ ہم ایک جگہ ملے پھر ہم نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ مسکرا کر کچھ رسمی باتیں کیں۔ اُس کے بعد مادام وہاں موجود افراد سے میرا تعارف کرانے لگی۔ وہاں جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی اور سبھی کسی نہ کسی خطرناک خوبی کے حامل تھے۔ اُن میں بڑے بڑے بزنس مین بڑے بڑے اسمگلر، چور، بدمعاش اور بدنام زمانہ مجرم تھے۔ اُن میں سے بیالیس افراد میرے ساتھ لندن میں اُترنے والے تھے۔ باقی مسافر اُس سے آگے جانے والے تھے۔ وہ سب کے سب سُپر ماسٹر کے حکم کے پابند تھے اور میرے راز کو اپنے سینوں میں دفن کرکے رکھ سکتے تھے۔ آخر میں ایک شخص مجھ سے متعارف ہونے کے لیے میرے سامنے آیا۔ وہ قد اور جسامت میں میرے برابر تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے رُوبرُو کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے اُس کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگایا کہ چہرے کی ساخت بھی تقریباً مجھ سے ملتی جلتی ہے۔ اگر مجھ پر ہلکا سا میک اپ کیا جائے تو میں اُس کے رُوپ میں آسکتا ہوں۔ ماسٹر نیومین نے مسکرا کر کہا۔ "جناب یہ ہیں مشہور زمانہ نجومی پران پریمی۔"

پران پریمی نے مجھ سے گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا "جناب آپ سے مل کر مجھے کتنی خوشی ہورہی ہے یہ آپ میرے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرسکتے ہیں۔ میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ ویسے میں ہندی زبان میں جوتشی کہلاتا ہوں اور عام طور سے مجھے پنڈت کہا جاتا ہے یعنی میرے نام کے ساتھ پنڈت آتا ہے۔ پنڈت پران پریمی۔ میں آپ کو اپنی پوری ہسٹری سناؤں گا تاکہ آپ میری طرز پر زندگی گزارنے کے دوران کسی قسم کی دشواری محسوس نہ کریں۔ ابھی آپ اسکرین پر ایسے مردوں اور عورتوں کی تصویریں دیکھیں گے جن سے ماضی میں میرا تعلق رہا ہے اور حال میں بھی اُن سے رابطہ قائم ہے۔ میں اُن شخصیتوں کے متعلق بھی تفصیلات

پیش کروں گا۔ بہتر یہ ہے کہ پہلے آپ آرام سے بیٹھ جائیں اور آپ کا میک اپ شروع ہو جائے۔ سفر کے اختتام تک آپ کو مکمل طور پر میرے روپ میں آ جانا ہے اور مجھے کوئی دوسری صورت اختیار کرنی ہے۔ میں اسی طیارے میں لندن سے آگے چلا جاؤں گا اور لندن کی میری رہائش گاہ اور میری دوسری جائداد سب کچھ آپ کی ملکیت ہوں گی۔ میرے بینک بیلنس میں سے آپ جو چاہیں میرے دستخط کر کے نکال سکتے ہیں۔ یہ سب میرا، سپر ماسٹر کا اور آپ کا ہے۔"

میں ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ایئر ہوسٹس نے ایک ٹرے میں ٹھنڈا مشروب پیش کرتے ہوئے کہا: "جناب یہ بہت دیر سے آپ کے لیے حاضر ہے لیکن آپ کو تو فرصت ہی نہیں مل رہی ہے۔"

میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس گلاس کو اٹھایا اور اسے پینے لگا۔ پینے کے دوران ماسٹر نومین، مادام رزرانا اور پنڈت پران پریمی سے باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد میک اپ کے ماہرین میرے آس پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور میک اپ شروع ہو گیا۔

میک اپ کے دوران پنڈت پران پریمی بول رہا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک کے اپنی زندگی کے حالات سنا رہا تھا کہ وہ کب پیدا ہوا۔ کہاں پیدا ہوا۔ ہندوستان میں اس کے کتنے رشتے دار ہیں۔ اس کی تعلیم کیا ہے صلاحیتیں کیا ہیں اور لندن میں اس کے دوست احباب اور رشتے دار کتنے ہیں۔ انگلینڈ کی بڑی بڑی دولت مند خواتین سے اس کے کیسے تعلقات ہیں اور وہ وہاں کے کتنے کلبوں کا ممبر ہے۔

وہ بہت کچھ بتاتا جا رہا تھا۔ میں سنتا جا رہا تھا۔ ایک گھنٹے بعد میک اپ مکمل ہو گیا میرے سامنے آئینہ لا کر رکھا گیا تو میں نے دیکھا۔ اب آئینے میں دوسرا پنڈت پران پریمی نظر آ رہا تھا۔ میں نے پلٹ کر اصل پران پریمی کو مسکرا کر دیکھا تو اس نے بھی مسکرا کر کہا: "آپ کو کوئی پہچان نہیں سکے گا۔ میرے اپنے بھی یہی سمجھیں گے کہ ان کے سامنے میں کھڑا ہوا ہوں۔"

میں نے کہا: "آپ نے اپنوں کا ذکر کیا۔ دوستوں کی بات بھی کی لیکن دشمنوں کو نظر انداز کر دیا۔ کیا آپ کا کوئی دشمن نہیں ہے؟"

"یقیناً دشمن ہوں گے لیکن میرے سامنے کھل کر کبھی نہیں آئے کبھی مجھے نقصان نہیں پہنچایا۔ اگر نقصان پہنچایا بھی ہو تو مجھے اندازہ نہیں ہو سکا۔ آپ ٹیلی پیتھی کے ماہر ہیں ہو سکتا ہے کہ میرے اپنوں کے درمیان رہ کر میرے دشمنوں کی شناخت کر سکیں۔ اس طرح میرا بھی فائدہ ہے۔ مجھے اپنے دشمنوں کے چہرے آپ کے ذریعے نظر آ جائیں گے۔"

میں نے پوچھا: "اور کوئی ایسی بات، جسے آپ نے ساری دنیا سے چھپا رکھا ہو اور مجھ سے بھی چھپا رہے ہوں؟"

"آپ سے میں کچھ چھپا نہیں سکتا اور جو کچھ چھپا رہا ہے اسے آپ میرے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر لیں۔ میں زبان سے بیان نہیں کر سکوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا میں اس کے دماغ میں پہنچ کر سوال کرنے لگا۔ اس نے جواب دیا: "میری ایک دھرم پتنی ہے اس کا نام سرلا ہے۔ ان دنوں وہ نیویارک میں ہے۔ میں اسی طیارے میں اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ ہماری شادی کو تقریباً تین برس گزر چکے ہیں۔ میں شادی سے کترا رہا تھا لیکن سرلا کی ضد پر میں نے شادی کی اور شادی سے پہلے اسے بتا دیا کہ وہ مجھ سے مایوس رہے گی۔ دنیا والوں کے سامنے میری دھرم پتنی رہے گی مگر میں اس کا شوہر بن کر نہیں رہ سکوں گا کیونکہ میں شادی کے قابل نہیں ہوں۔ یہ بات میں نے آج تک کسی کو نہیں بتائی چونکہ آپ سے کوئی بات چھپ کر نہیں رہ سکتی اس لیے میں بیان کرنے پر مجبور ہوں۔"

"آپ اطمینان رکھیں میں آپ کے روپ میں جب تک رہوں گا، آپ کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں ہوں گا۔"

ساری باتیں ختم ہو گئیں تو میں نے اپنی طرف سے یہ اعلان کروایا کہ لندن میں یہاں کے جتنے افراد اترنے والے ہیں وہ اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ فرہاد اب گم ہو چکا ہے۔ آپ لوگوں میں سے کوئی نہیں جانتا کہ فرہاد کہاں ہے لہٰذا مادام سونیا اور میری دوسری ساتھی مرجانہ کبھی کسی سے دریافت کریں تو ان سے بھی یہی کہا جائے کہ فرہاد ایک طیارے میں بیٹھ کر انقرہ تک گیا تھا وہاں سے وہ غائب ہو گیا۔ ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں مل رہی ہے۔

ماسٹر نومین اور دوسرے تمام افراد نے میری اس ہدایت پر عمل کرنے کا یقین دلایا۔ اس کے بعد اسکرین پر ایسے تمام مردوں اور عورتوں اور لڑکیوں کی تصویریں دکھائی گئیں جو کسی نہ کسی طرح پنڈت پران پریمی سے وابستہ تھیں۔ تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد میں نے پوچھا: "ہم لندن کب تک پہنچ جائیں گے؟"

مجھے بتایا گیا کہ شام چار بجے ہم لندن میں ہوں گے۔ اس وقت دو بج رہے تھے۔ میں نے ان سے اجازت لی کہ

تھوڑی دیر خاموش رہنا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں ان کی موجودگی میں تنہا ہو گیا۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ پھر سب سے پہلے رسوتی سے رابطہ قائم کیا اسے بتایا کہ ابھی میں سفر کے دوران اس سے رابطہ قائم کر رہا ہوں اور ان کا اسی طرح خیال رکھوں گا اور اپنی خیریت سے بھی آگاہ کرتا رہوں گا۔ اس سے رخصت ہو کر میں نے چپکے سے سونیا اور مرجانہ کی خبر لی۔ پھر حشمت بیگ کے دماغ میں پہنچ گیا۔

وہ وھیل چیئر سے بندھا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ اندر سے وہ آدھا مر چکا تھا۔ آدھی جو زندگی تھی وہ اس امید پر تھی کہ شاید اسے بچا لیا جائے گا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ اپنے بیٹے کا انتظار کر رہا ہے جلال بیگ کے ماتحتوں نے اسے یقین دلایا ہے کہ اس کا بیٹا اس سے فوراً رابطہ قائم کرے گا۔

میں نے اس کی سوچ سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے آدمیوں نے اسے ہائی وے کے ایک مقام پر پہنچایا تھا۔ وہاں سے جلال بیگ کے آدمی اسے اپنے ساتھ پھر طرابلس واپس لے آئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ طرابلس میں ہی حشمت بیگ کو رکھا جائے۔ کسی طرح بھی سمجھوتا کر کے حشمت بیگ کو اس بم سے نجات دلائی جائے۔

میں اس کے دماغ سے معلومات حاصل کر رہا تھا۔ اسی وقت اس کمرے کا دروازہ کھلا جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص اندر داخل ہوا۔ پھر اس نے ادب سے حشمت بیگ کو سلام کرنے کے بعد کہا: "جناب عالی، ماسٹر عبداللہ بن صمیم نے آپ کے سلسلے میں جو خط دیا تھا۔ ہم نے وہ خط اور آپ کے تمام حالات بگ باس تک پہنچا دیے ہیں۔ اب جلد ہی ان کی طرف سے ہمیں جواب موصول ہو گا۔ پھر اس کے مطابق ہم عمل کریں گے۔"

حشمت بیگ نے بیزار ہو کر پریشانی سے اور غصے سے کہا: "تم تو ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے پاس سمجھوتے کے لیے گئے تھے۔ پھر کیا ہوا؟"

"میں اپنے طور پر ان سے ملاقات کر چکا ہوں۔ ماسٹر عبداللہ بن صمیم کا صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ کہ آپ کو اس بم سے نجات دلانے کے سلسلے میں آخری فیصلہ فرہاد علی تیمور کا ہو گا۔ سپر ماسٹر اور ان کے کسی بھی ماسٹر کا تعلق آپ سے نہیں ہے۔"

وہ رونے کی آواز میں بولا: "میں کیا کروں۔ میں تو بیٹھے بیٹھے مر جاؤں گا ـــــ میرے بیٹے تک اطلاع پہنچانے میں کتنی دیر کی جا رہی ہے۔ میں تم لوگوں کو چن چن کر سزائیں دوں گا۔ میرے بیٹے سے رابطہ قائم ہونے دو۔ میں کہوں گا کہ مجھے یہاں موت کی کرسی پر بٹھا کر تم لوگ کوتاہی کر رہے ہو۔"

آنے والے نے ادب سے کہا: "جناب! ہم کوتاہی نہیں کر رہے ہیں۔ ہماری مجبوریاں ہیں۔ بگ باس کہاں ہوتے ہیں، کس طرح ان سے رابطہ قائم کرنا ہوتا ہے ان مشکلات کو ہم سمجھتے ہیں، ایک جگہ ہم پیغام پہنچاتے ہیں، وہ پیغام کس جگہ گھومنے کے بعد بگ باس تک پہنچتا ہے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہماری نمک حلالی کا ثبوت یہی ہے کہ میں خود آپ سے اور ماسٹر عبداللہ بن صمیم سے باتیں کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو فرہاد علی تیمور کی ٹیلی پیتھی کا شکار بنا رہا ہوں۔ کیا یہ میری جاں نثاری کا ثبوت نہیں ہے؟"

"میں تمہاری یا کسی کی جاں نثاری کا ثبوت لے کر کیا کروں گا۔ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ مجھے اس بم سے نجات دلاؤ۔"

"جناب عالی، آپ بہت زیادہ خوف زدہ ہیں، پریشان ہیں، آپ کو ذرا حوصلہ رکھنا چاہیے، اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے دل بہلانے کا سامان کیا جائے۔ مشکل تو یہ ہے کہ ہم آپ کے سامنے شراب نہیں رکھ سکتے۔ پینے کے بعد آپ اس کرسی پر ایسی ویسی حرکتیں کریں گے تو آپ کے لیے اور ہم سب کے لیے خطرہ ہے۔ آپ بتائیں کہ ہم آپ کے لیے کیا کریں۔ کیا یہاں کوئی تفریحی فلم چلانے یا حسین عورتوں کے رقص کا بندوبست کیا جائے؟"

"بکواس مت کرو۔ یہاں میری جان جا رہی ہے۔ میں قبر کے کنارے بیٹھا ہوا ہوں اور تم مجھے حسین عورتوں کا رقص دکھاؤ گے، شراب پلاؤ گے، اف، میں کیا کروں؟"

وہ آنکھیں بند کر کے تھوڑی دیر کے لیے سوچنے لگا۔ "آہ! اب میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کا اگلا پل اس کا اپنا نہیں ہوتا، موت کا ہوتا ہے۔ اگلے پل موت آ سکتی ہے۔ اس بات کو میں جھوٹ سمجھتا تھا لیکن جب سے یہ بم باندھا گیا ہے۔ تب سے موت کی مٹھی میں میرا ہر اگلا پل نظر آتا ہے۔ یہ میرا آخری وقت ہے اور یہ توبہ کا وقت ہے۔"

اس نے آنکھیں کھول کر اپنے سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھا۔ پھر کہا: "مردود! تم لوگوں نے خدا کو بھلا دیا ہے۔ ایسے وقت مجھے شراب اور شباب کا لالچ دے رہے ہو، میں ان سب پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اگر مجھے آج کے بعد زندگی مل گئی تو میں شراب اور شباب سے توبہ کر لوں گا۔ کبھی برے کام

نہیں کروں گا۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھوں گا۔ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ جاؤ طرابلس کی مسجدوں میں اعلان کردو کہ میرے لیے قرآن پاک کی تلاوت کی جائے۔ یہاں بھی کسی قاری کو بلاکر تلاوت کرنے کے لیے کہا جائے۔ کوئی نہ ملے تو ایسی کوئی کیسٹ سُنائی جائے جس میں دین ایمان کی باتیں ہوں۔"

میں نے اُس کے دماغ میں کہا۔" آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہوگے۔"

اُس نے چونک کر اپنے دماغ میں اُبھرنے والی سوچ کو محسوس کیا۔ میں نے پوچھا۔" کیا محسوس کر رہے ہو؟ میں فرہاد بول رہا ہوں۔ اب تمھیں اپنا دین ایمان یاد آرہا ہے۔ اب تمھیں کلام پاک کی تلاوت کا خیال آیا ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ اپنی دولت کے بل پر دنیا کی تمام مسجدوں میں قرآن خوانی کراؤ گے تو تمھارے سارے گناہ دھل جائیں گے۔ پاگل کے بچے، کیا اپنے آدمیوں کو دولت سے ایمان خریدنے کے لیے بھیج رہے ہو؟"

اُس نے گڑگڑا کر کہا۔" فرہاد صاحب! آپ کو خدا رسول کا واسطہ میں بے ایمان سہی۔ آپ تو ایمان والے ہیں۔ میں آپ سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔ آپ کے سامنے قسمیں کھاتا ہوں۔ آپ میرے دماغ میں موجود ہیں۔ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ میری قسم جھوٹی نہیں ہے۔ میں دل کی گہرائی سے معافی مانگ رہا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک ہم باپ بیٹے زندہ رہیں گے اُس وقت تک سائرہ بانو اور مرجانہ کی عزت کرتے رہیں گے۔ کبھی انھیں نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کریں گے۔"

حشمت بیگ کے سامنے کھڑے ہوئے شخص نے کہا۔" جناب فرہاد علی تیمور صاحب! آپ حشمت بیگ صاحب کے دماغ میں موجود ہیں تو میں آپ کو مخاطب کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ میرا نام جمشید المانی ہے۔ مجھے آپ جلال بیگ کا نمایندہ سمجھ لیں۔ میں بھی آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بار آپ حشمت بیگ صاحب کو معاف کر دیجیے۔ آیندہ یہ دونوں باپ بیٹے آپ کے یا آپ کے کسی ساتھی کے راستے میں نہیں آئیں گے۔"

میں نے حشمت بیگ کی زبان سے کہا۔" اس وقت میں حشمت بیگ نہیں، فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ میری بات اچھی طرح سُن لو۔ جو خط ماسٹر عبداللہ بن صمیم نے جلال بیگ کے نام لکھا ہے اُس پر عمل ہونا چاہیے۔ اگر حشمت بیگ اور جلال بیگ صدقِ دل سے معافی مانگ کر یہ کہتے ہیں کہ آیندہ سائرہ بانو اور مرجانہ کو نقصان نہیں پہنچائیں گے تو پھر ہمارا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے اور جب جھگڑا ختم ہو جاتا ہے تو پھر جلال بیگ کو مجھ سے چھپنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر وہ دیانت دار ہے اور پوری ایمان داری سے قسم کھا کر وعدہ کرتا ہے تو اُسے میرے سامنے آنا چاہیے۔ حشمت بیگ کو اِس بم سے اسی وقت نجات ملے گی جب جلال بیگ سامنے آئے گا۔ اس سے زیادہ نہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں نہ سُننا چاہتا ہوں۔"

میری بات ختم ہوتے ہی جمشید المانی نے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک مسلح جوان نے آکر اُسے سلیوٹ کیا تھا۔ پھر آگے بڑھ کر اُس نے ایک کاغذ جمشید المانی کی طرف بڑھایا۔ میں جمشید المانی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کاغذ پر ایک پیغام لکھا تھا جو جلال بیگ کی طرف سے آیا تھا۔ اس میں لکھا تھا:

" مائی ڈیئر پاپا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فرہاد میری چال مجھے لوٹا دے گا۔ میں آپ کے سلسلے میں سپر ماسٹر سے رابطہ قائم کر رہا ہوں۔ میں آپ کو اس بم سے نجات دلانے کے لیے آپ کے سامنے نہیں آسکتا اور نہ ہی آپ کو اپنی آواز سُنا سکتا ہوں۔ میں کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر رہا ہوں۔ آپ نے دیکھا تھا کہ سائرہ بانو کے سینے سے جب بم باندھا گیا تھا تو وہ عورت ہوکر۔۔۔ تیس گھنٹے تک لمحہ لمحہ موت کی دہشت سے گزرتی رہی تھیں۔ آپ مرد ہیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو تیس گھنٹے تک برداشت نہیں کرنا ہوگا۔ میں جلد ہی آپ کو اِس سے نجات دلانے کی کوشش کروں گا۔ آپ سے آخری درخواست یہی ہے کہ آپ حوصلہ رکھیں۔ اچھی طرح کھائیں پئیں اور سونے کی کوشش کریں۔ نیند نہیں آئے گی تو آپ کو دوا کے ذریعے سُلا دیا جائے گا۔ بہرحال میں آپ سے پھر تحریر کے ذریعے رابطہ قائم کروں گا۔ آپ کا بیٹا جلال بیگ۔"

جمشید المانی نے وہ کاغذ حشمت بیگ کی طرف بڑھا دیا۔ پھر پیچھے ہٹ کر ادب سے کھڑا ہوگیا۔ اُسی وقت اُس نے کچھ محسوس کرتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا تو دروازے کے باہر کھڑا ہوا ایک مسلح گارڈ اُسے اشارے سے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ جمشید المانی نے ادب سے کہا۔" جناب! آپ یہ پیغام پڑھیں۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر آیا۔ دروازے کو بند کیا۔ پھر آہستگی سے پوچھا۔" تم نے مجھے کیوں بلایا ہے۔" مسلح جوان نے اپنی جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر اُس کی طرف بڑھایا۔ اُس کے آس پاس جتنے بھی مسلح جوان اور اُس کے خدمتگار تھے وہ سب کے سب گونگے بنے ہوئے تھے تاکہ میں اُن کی آواز نہ سُن سکوں۔

جمشید المانی نے اس تہہ کیے ہوئے کاغذ کو کھول کر پڑھا۔ وہ بھی جلال بیگ کی طرف سے ایک پیغام تھا۔ اُس میں لکھا تھا۔" مسٹر جمشید المانی آپ وہاں کے تمام ماہرین کو بلا کر معلوم کریں کہ اِس بم سے میرے پاپا کو کس طرح نجات مل سکتی ہے میں سپر ماسٹر سے رابطہ قائم کرکے کوئی سمجھوتا کروں گا لیکن اپنے پاپا کے سامنے آکر فرہاد کا نشانہ نہیں بنوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ ہمیں کسی نہ کسی طرح کامیابی ہوگی اور پاپا کو اس موت سے نجات مل جائے گی۔ اگر کوئی سمجھوتا نہ ہوسکا اور اس بم کی ساخت سمجھ میں نہ آئی تو پھر ایک آخری بات یہی ہوگی کہ وہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اُن کے مرنے کے دن ہیں۔ میں جوان ہوں۔ ابھی مجھے برسوں زندہ رہنا ہے۔ لہٰذا آپ پاپا کو کہیں دُور ویرانے میں لے جائیں اور دُور کھڑے ہوکر انھیں گولی مار دیں۔"

فقط بگ باس

میں جمشید المانی کے دماغ سے اس خط کو پڑھنے کے بعد حیران رہ گیا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوگی تو بیٹا باپ کو گولی مار دینے کا حکم دے گا۔ اگر حشمت بیگ کو گولی مار دی گئی یا وہ بم کے دھماکے سے مرگیا تو قصہ ختم ہو جائے گا۔ میں نے جو چال اُسے لوٹائی ہے اُس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلے گا اور جلال بیگ کا پلڑا اپنی جگہ بھاری رہے گا۔ وہ پہلے سے زیادہ سائرہ بانو اور مرجانہ کا دشمن بن جائیگا۔ اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لیے وہ ماں بیٹی کو جب بھی گرفت میں لے گا انھیں پہلی فرصت میں مار ڈالے گا۔"

میں حشمت بیگ اور جمشید المانی کے دماغ سے واپس آکر۔ دماغی طور پر طیارے میں حاضر ہوگیا۔ آنکھیں کھول کر اپنے سامنے دیکھنے لگا۔ طیارے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ لوگ ایک دوسرے سے باتیں بھی نہیں کر رہے تھے اور یہ محض اس لیے کہ میری خیال خوانی میں کوئی مداخلت نہ ہو۔ میں اِس خاموشی میں جلال بیگ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ یوں تو میں بچپن سے سُنتا آرہا ہوں کہ انسان کا خون بعض حالات میں سفید ہو جاتا ہے۔ یہ پہلی بار دیکھ رہا تھا کہ بیٹے کا خون سفید ہوگیا تھا اور اُسے باپ کی موت کی پروا نہیں تھی۔ ایسے ہی وقت میرا دماغ ایک اور بات سوچنے لگا اور وہ یہ کہ ممکن ہے جلال بیگ کو اپنے باپ کی بہت فکر ہو اور وہ اپنے باپ کو بہت چاہتا ہو لیکن مجھے دھوکا دینے کے لیے اور مجھ پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اُسے باپ کی زندگی کی پروا نہیں ہے اُس نے باپ کو گولی مارنے کا حکم دے دیا ہو۔۔۔ میں جمشید المانی کے دماغ میں پہنچ کر وہ خط پڑھوں تو مجھے اِس بات کا احساس ہو کہ جو چال میں نے اُسکے خلاف چلی ہے۔ وہ بالکل بیکار ہوئی ہے۔ اور جلال بیگ کو اس طرح میں سامنے آنے پر مجبور نہیں کرسکوں گا۔ لہٰذا کوئی دوسرا سمجھوتا کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔

ہاں وہ یہی کر رہا تھا۔ مجھ پر جتانا چاہتا تھا کہ اُسے اپنے باپ کی پروا نہیں ہے۔ وہ اپنے باپ کی قربانی دے کر بھی سائرہ بانو اور مرجانہ کو حاصل کرلے گا اور مجھے ہر طرح سے مجبور کرتا رہے گا۔

پنڈت پران پریمی میرے پاس سے اُٹھ کر دوسری سیٹ پر چلا گیا تھا۔ مادام روزانہ وہی ٹائیگریس میرے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ وہ مجھے مسلسل دیکھے جارہی ہے۔ میں نے سر گھما کر اُسے دیکھا تو وہ مسکرانے لگی۔ پھر اُس نے پوچھا۔" بہت گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں کیا سونیا کے پاس پہنچے ہوئے ہیں؟"

میں نے مسکرا کر ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولی۔" میں نے سُنا ہے کہ آپ سونیا کو جان سے زیادہ چاہتے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟"

" وہ چیز ہی ایسی ہے۔ اُس کے لیے جان دی جاسکتی ہے کیا تمھاری اُس سے کبھی ملاقات ہوئی ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔" نہیں میں نے اُس کے متعلق بہت کچھ سُنا ہے۔ اتنی تعریفیں سُنی ہیں کہ اُس سے حسد کرنے لگی ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔" کس سلسلے میں حسد کرتی ہو۔"

" ایک بات ہو تو بتاؤں۔ میں سابقہ سپر ماسٹر کے زمانے سے اس تنظیم میں ہوں۔ وہ سپر ماسٹر اور آج کا موجودہ سپر ماسٹر دونوں کا بیان ہے کہ سونیا ناقابلِ شکست ہے اور ایسی پُر اثر شخصیت کی حامل ہے کہ اپنے سامنے والوں کو فوراً متاثر کردیتی ہے۔ باتوں میں بھی ماہر ہے اور جتنی تیزی سے بولتی ہے اُتنی تیزی سے اُس کے ہاتھ پاؤں بھی چلتے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔" سونیا کے ریکارڈ میں یہ تو ضرور لکھا ہوگا کہ وہ کسی سے شکست کیوں نہیں کھاتی ہے جبکہ وہ بھی ایک انسان ہی ہے۔"

" ہاں، یہ بات وضاحت سے لکھی ہوئی ہے کہ وہ ایک زبردست فائٹر ہے لیکن بڑے بڑے فائٹر بھی شکست کھا جاتے ہیں جب وہ دیکھتی ہے کہ شکست کھانے والی ہے تو وہ ہاں ہاتھ پاؤں کے بجائے ذہانت سے کام لیتی ہے۔ کوئی ایسی چالاکی دکھاتی ہے ایسی چال چلتی ہے کہ جیتنے والا بازی ہار جاتا ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔" ہاں، سونیا میں یہ سب سے بڑی خوبی ہے۔"

وہ بولی "میرے حسد کرنے کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تم اُس پر مرتے ہو۔"

"آخری سانس تک اُس پر مرتا رہوں گا۔"

مادام روزانہ نے میری طرف جھک کر آہستگی سے اور بڑی سنجیدگی سے پوچھا "اگر میں سونیا کو شکست دے دوں تو کیا مجھ پر اِسی طرح مرو گے؟"

میں نے ایک قہقہہ لگایا۔ جہاز میں بیٹھے ہوئے افراد پلٹ کر دیکھنے لگے۔ انھوں نے ہم دونوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر مسکرا کر ہماری طرف سے منہ پھیر لیا۔ مادام روزانہ نے حیرانی سے پوچھا "تم قہقہہ کیوں لگا رہے ہو۔ کیا میں حسین نہیں ہوں؟"

"بے حد حسین ہو اور بے حد پُرکشش ہو۔"

"کیا میں باصلاحیت نہیں ہوں؟"

"تمھاری صلاحیتیں دیکھی تو نہیں ہیں لیکن بہت کچھ سُن لیا ہے۔ پھر جب سُپر ماسٹر نے تمھیں ٹائیگریس کا خطاب دیا ہے تو یقیناً تم خطرناک حد تک باصلاحیت ہو گی۔"

مادام روزانہ نے جلدی سے پوچھا "اُس کی کیا کمزوری ہے؟"

میں نے اُس کی طرف جھک کر بڑی رازداری سے کہا۔ "اُسے مارنا چاہتی ہو تو اُس سے محبت کرو۔ بے انتہا محبت کرو۔ وہ آپ ہی آپ تم سے ہار جائے گی۔ میری ساتھیوں میں ایک بہت ہی خطرناک لڑکی ہے۔ اُس کا نام مرجانہ ہے۔ اگر وہ سونیا کو چیلنج کرتی۔ اپنے فولادی جسم کا مظاہرہ اُس کے سامنے کرتی اور اُسے اپنی خطرناک صلاحیتوں سے مارنا چاہتی تو سونیا کے ہاتھوں بہت پہلے ہی فنا ہو جاتی لیکن مرجانہ نے اُسے محبت سے مارا ہے اور اب سونیا اُس کی دیوانی ہے۔ اِس لیے میں تمھیں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اُس سے محبت کرو ورنہ ایک بات کا مجھے پورا یقین ہے کہ سونیا کو صرف خدا ہی مار سکتا ہے۔ اُسے مارنے والا کوئی انسان ابھی پیدا نہیں ہوا۔"

"دیکھو۔ یہ تم مجھے جلانے، کڑھانے والی باتیں کر رہے ہو۔ کیا کوئی عورت یہ برداشت کر سکتی ہے کہ اُس کے سامنے کسی دوسری عورت کی اتنی زیادہ تعریف کی جائے؟"

"میرا سمجھانے کا کام تھا۔ سمجھا دیا۔ کہیں سونیا سے سامنا ہو تو اپنی حسرت پوری کر لینا۔"

باتوں ہی باتوں میں وقت گزر گیا۔ چار بجے ہم لندن پہنچ گئے۔ میرے پاس پران پریمی کا پاسپورٹ اور دوسرے تمام ضروری کاغذات موجود تھے۔ پھر یہ کہ ماسٹر نیومین نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ میں اُس سے دماغی رابطہ قائم رکھوں۔ وہ سوچ کے ذریعے میری رہنمائی کرتا رہے گا۔ اس کے علاوہ میری رہنمائی کے لیے مادام روزانہ میرے ساتھ بطور سیکریٹری موجود تھی۔ اُس نے بلکے سے میک اپ کے ذریعے اپنے چہرے کو بدل لیا تھا۔ بہرحال جب میں کسٹم چیکنگ سے گزر کر مادام روزانہ کے ساتھ ائیرپورٹ کے ایک ریستوران میں پہنچا تو سوچ کے ذریعے ماسٹر نیومین سے رابطہ قائم تھا۔ اُس نے بتایا کہ ہمیں وی آئی پی ویٹنگ روم میں پہنچنا چاہیے۔ وہاں ایک ضروری پیغام سُپر ماسٹر کی طرف سے آیا ہے۔"

اِس طیارے سے سُپر ماسٹر کے جتنے آدمی لندن ۔ ۔ ۔ میں اُترے تھے۔ وہ سب میرے آس پاس دُور دُور رہے لیکن ایک دوسرے سے اجنبی بنے ہوئے تھے۔ وی آئی پی روم میں صرف میں، مادام روزانہ اور ماسٹر نیومین پہنچے۔ اُس وقت وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ ماسٹر نیومین کو دیکھتے ہی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ماسٹر نے اُس سے مصافحہ کیا۔ پھر اُس کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں مادام روزانہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر محبوبانہ انداز میں چلتا ہوا دُور ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ ہم دونوں ایک رومانی جوڑے کی طرح جیسے سرگوشیوں اور محبت میں مصروف تھے لیکن دماغی رابطہ ماسٹر نیومین سے تھا اور جو کچھ میں سُن رہا تھا وہ میں دھیرے دھیرے مادام روزانہ کو بھی بتاتا جا رہا تھا۔

ماسٹر نیومین کے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے کہا "میں سُپر ماسٹر کا پیغام مسٹر فرہاد تک پہنچانا چاہتا ہوں۔"

ماسٹر نیومین نے کہا "مسٹر فرہاد تمھاری باتیں میرے دماغ کے ذریعے سُن رہے ہیں۔ تم بولتے جاؤ۔"

اُس نے کہا "جناب! فرہاد صاحب سے جلال بیگ کے خلاف جو چال چلی ہے وہ ناکام ہو رہی ہے۔ جلال بیگ نے سُپر ماسٹر تک یہ بات پہنچائی ہے کہ وہ فرہاد صاحب کے سامنے نہیں آئے گا اور نہ ہی اپنی آواز کبھی سُنائے گا۔ اُسے اپنے باپ کی زندگی اور موت کی پروا نہیں ہے۔ اگر وہ اپنے باپ کو اِس بم سے نجات نہ دلا سکا تو اُسے گولی مار دے گا۔"

ماسٹر نیومین نے حیرانی سے پوچھا "کیا وہ اپنے باپ کو گولی مار دے گا؟"

"ہاں کہتا تو یہی ہے۔"

"وہ بکواس کرتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔"

"دیکھیے ماسٹر وہ جھوٹ بولے یا بکواس کرے لیکن سُپر ماسٹر پر دوسری طرح بھی دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ اب اسرائیلی حکومت کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ سُپر ماسٹر کو فرہاد اور جلال بیگ کے درمیان سے ہٹ جانا چاہیے اور سُپر ماسٹر کو فرہاد پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ حشمت بیگ کو اِس بم سے نجات دلائے ورنہ اُس کے حق میں بہت بُرا ہو گا۔ فرہاد سوچ بھی نہیں سکتا کہ اُس کے ساتھیوں پر کیسی تباہی آ سکتی ہے۔ اسرائیلی ناسور دُنیا کے ہر ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ دونوں ماں بیٹی جس ملک میں بھی پناہ لینے جائیں گی۔ وہ ناسور انھیں جینے نہیں دے گا۔"

ماسٹر نیومین نے پوچھا "پھر سُپر ماسٹر نے جلال بیگ کو کیا جواب دیا ہے؟"

"ابھی تو جلال بیگ کا ہی سوال فرہاد صاحب تک پہنچانا ہے۔ سُپر ماسٹر کا مشورہ ہے کہ مسٹر فرہاد جلال بیگ کی دشمنی سے باز آ جائیں۔ اگر سمجھوتے کی راہ نکال لی جائے تو دونوں کے حق میں بہتر ہو گا۔ جلال بیگ سے یہ شرط منوا لی جائے گی کہ آئندہ وہ لیڈی سائرہ بانو اور اُس کی بیٹی مرجانہ کا پیچھا نہ کرے اور نہ کبھی اُن سے دشمنی کرے۔ اس طرح یہ عورتیں آئندہ کے لیے محفوظ رہیں گی۔"

ماسٹر نیومین نے سوچ کے ذریعے مجھ سے پوچھا "مسٹر فرہاد آپ کیا جواب دیتے ہیں؟"

"میرا جواب یہ ہے۔ اگر جلال بیگ یہ کہتا ہے کہ آئندہ اُن ماں بیٹی سے دشمنی نہیں کرے گا تو پھر وہ میرا دوست بن کر میرے سامنے آ جائے۔ اگر وہ سامنے نہیں آتا اور مجھ سے چھپتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آئندہ کسی موقعے پر مجھ سے اور میری ساتھی عورتوں سے دشمنی کر سکتا ہے ——— میں جلال بیگ کو اپنے سامنے چاہتا ہوں۔ اُس کے بعد ہر طرح کا سمجھوتا کر لوں گا۔"

ماسٹر نیومین نے میری بات اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص تک پہنچائی۔ اس شخص نے کہا "جناب یہی تو مشکل ہے کہ جلال بیگ مسٹر فرہاد کے سامنے آنا نہیں چاہتا۔ اگر وہ آ جائے تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے۔"

میں نے ماسٹر کی زبان سے کہا "جب وہ سامنے نہیں آنا چاہتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے ارادے میں کھوٹ ہے۔ وہ آج جو وعدہ کر رہا ہے کل اُس سے مکر جائے گا۔ پھر اُن ماں بیٹی کا دشمن بن جائے گا۔ ہماری دوستی صرف ایسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جلال بیگ آئے اور مجھ سے مصافحہ کرے۔"

"مسٹر فرہاد، یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ سمجھوتے کی کوئی دوسری راہ نکالیں۔ کوئی اور شرط اُس سے منوا لیں ورنہ سُپر ماسٹر بڑی اُلجھن میں پڑ جائیں گے۔"

"سُپر ماسٹر کو کیا اُلجھن ہو گی؟"

"یہی کہ اسرائیلی حکومت کا دباؤ ہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ یہ یہودی کس طرح سُپر ماسٹر کے ملک پر اپنی دولت کی وجہ سے چھائے ہوئے ہیں۔ اُن کی مرضی کے خلاف سُپر ماسٹر آپ کا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔ وہ آپ سے دشمنی بھی نہیں کریں گے یعنی وہ دوطرفہ تعلقات کی بنیاد پر نہ تو اسرائیلی حکومت کو ناراض کریں گے اور نہ ہی آپ کو ناراض ہونے دیں گے۔ وہ آپ سے بھی دوستی کریں گے اور اسرائیلی حکومت کے بھی دوست رہیں گے اور ایسی دوستی اور ایسے تعلقات کے لیے انھیں آپ دونوں کے درمیان سے ہٹ جانا پڑے گا۔ وہ محض ایک تماشائی کی حیثیت سے دُور رہیں گے۔"

میں نے جواب دیا "میں پہلے بھی سپر ماسٹر کا محتاج نہیں تھا۔ میں ایک آزاد شخص ہوں اور آزادی سے خود اپنے فیصلے کرتا ہوں اور اپنے طور پر اپنی زندگی گزارتا ہوں۔"

اِس شخص نے کہا "جناب! یہ صرف آپ کی زندگی کا سوال نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں، وہ سب خطرات میں گھِر جائیں گی۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہودیوں کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں اور وہ دُنیا کے ہر کونے تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"میں سب سمجھتا ہوں۔ مجھے اُن سے مرعوب کرنے کی کوشش مت کرو۔"

"مسٹر فرہاد سُپر ماسٹر کو آپ سے دُور رہ کر محض تماشائی بنے رہنے پر بہت افسوس ہو گا۔ انھوں نے کہا ہے کہ آپ کسی بھی طرح سمجھوتے کی کوئی راہ نکال لیں۔"

"مجھ سے اس طرح ضد نہ کرو۔ جلال بیگ سے کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا۔ یہودی طاقت مجھے مرعوب نہیں کر سکتی۔ میں اپنے ساتھیوں کی تنہا حفاظت کروں گا۔ سُپر ماسٹر سے صرف اتنا کہہ دو کہ اُس کی پناہ میں میرے جو لوگ ہیں اُنھیں اُس وقت تک کوئی دشمن نقصان نہ پہنچائے جب تک کہ میں اُسے یہ نہ بتاؤں کہ سونیا، مرجانہ، سائرہ بانو اور ڈیرِ جلال کو کہاں پہنچایا جائے۔ جب وہ میرے بتائے ہوئے مقام پر پہنچ جائیں گے تو اُس کے بعد سُپر ماسٹر کی ذمّہ داریاں ختم ہو جائیں گی۔"

اُس شخص نے کہا "سُپر ماسٹر نے پہلے ہی پیش گوئی کی تھی، فرہاد صاحب جلال بیگ سے یا یہودی طاقت سے مرعوب نہیں ہوں گے، وہ ضد پر آ جائیں گے اور اپنے طور پر پھر پہلے کی طرح دشمنوں سے ٹکراتے رہیں گے اور سُپر ماسٹر اُن کا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔ بہرحال اِن حالات میں سُپر ماسٹر نے کہا ہے کہ آپ موجودہ روپ میں یہاں رہنا چاہیں تو آپ پنڈت پران پریمی کی حیثیت سے اُس کی ساری جائداد کے ساتھ لندن

ہیں رہ سکتے ہیں۔ اسرائیلی حکومت یہ پوچھ رہی ہے کہ ان دنوں آپ کہاں ہیں۔ سپر ماسٹر نے آپ کے سلسلے میں بالکل لاعلمی ظاہر کی ہے۔ اُن کو یہ جواب دیا ہے کہ مسٹر فرہاد، رسونتی کے ساتھ جنگل میں جب سے غائب ہوئے ہیں اُس وقت سے لاپتہ ہیں۔ وہ دماغی رابطہ قائم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں بتلاتے کہ کہاں ہیں؟"

میں نے پوچھا "سپر ماسٹر سے یہ بھی پوچھا گیا ہوگا کہ سائرہ بانو، مرجانہ اور سونیا کہاں ہیں؟"

"جی ہاں پوچھا گیا تھا۔ سپر ماسٹر نے جواب دیا ہے کہ جب وہ آپ کے اور جلال بیگ کے درمیان نہیں رہیں گے تو پھر کسی کو کسی کے بارے میں اطلاع یا کوئی خبر نہیں پہنچا ئیں گے۔ وہ بالکل غیر جانبدار رہیں گے۔ یہ جواب دینے کے باوجود سپر ماسٹر کا خیال ہے کہ یہودی آپ کی ساتھیوں کے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "بے شک جب مرجانہ، سائرہ بانو کے ساتھ طرابلس پہنچی ہے تو یقیناً وہ لوگ جانتے ہیں کہ سائرہ بانو اور مرجانہ تو طرابلس میں ہیں۔ کسی طرح سونیا کے متعلق بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ وہ ڈیڑھ جمال کے ساتھ پیرس گئی ہے۔"

"مسٹر فرہاد! آپ حکم دیں کہ لیڈی سائرہ بانو، مرجانہ اور مادام سونیا کو کہاں پہنچایا جائے؟"

میں نے کہا "مرجانہ جسمانی طور پہ تبدیل ہونے والی ہے۔ اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے کسی ماہر ڈاکٹر کے زیرِ علاج رہے۔ مجھے ایک ڈاکٹر کا نام بتایا گیا تھا جو لندن میں ہے، میں اُس کا نام بھول رہا ہوں۔"

"جناب آپ ڈاکٹر کی فکر نہ کریں۔ لندن میں ایسے کئی ماہرین موجود ہیں۔ مس مرجانہ کے چہرے پہ ہلکی سی تبدیلی کر کے انھیں ایسے ہی کسی ایک اسپتال میں پہنچا دیا جائے گا۔"

"میں نے سائرہ بانو اور ڈیڑھ جمال کے بارے میں پہلے ہی سپر ماسٹر تک یہ خبر پہنچائی تھی کہ انھیں پہلی فرصت میں پاکستان پہنچا دیا جائے۔ وہ وہاں محفوظ رہیں گے لیکن جب یہودیوں سے مقابلہ ہی ٹھہرا تو پھر سائرہ بانو کی مزید حفاظت کے لیے اور اپنے اطمینان کے لیے میں سونیا کو بھی پاکستان بھیجنا چاہتا ہوں۔"

"یہ کام بھی ہو جائے گا اور کوئی حکم ہو تو فرمائیں۔"

"یہ کام ہو جائے تو اس کے بعد اور کوئی فرمائش نہیں کروں گا۔ سپر ماسٹر کے تمام افراد سے ہمیشہ کے لیے رابطہ ختم کر دوں گا۔"

میں جو باتیں کر رہا تھا۔ وہ موقع ملتے پر ٹھہر ٹھہر کر مادام روزانہ کو بھی سمجھا دیتا تھا۔ جب روزانہ کو یہ معلوم ہوا کہ میں سپر ماسٹر کے تمام افراد سے رابطہ ختم کرنے والا ہوں تو وہ آہستگی سے میرا ہاتھ دبا کر بولی "مجھ سے رابطہ کبھی ختم نہ کرنا۔ میں سپر ماسٹر کی لاعلمی میں بھی تمہارا ساتھ دیتی رہوں گی۔ کبھی تم بُرے وقت میں مجھے آزما سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ کبھی تمھاری ضرورت محسوس ہوئی تو میں ضرور تمھیں آزماؤں گا۔ ویسے بھی تم پران پریمی کی سیکریٹری کی حیثیت سے میرے ساتھ ہی رہا کرو گی۔"

ماسٹر نیومین اس شخص کے ساتھ وہاں سے باہر چلا گیا تھا میں مادام روزانہ کے ساتھ اسی صوفے پہ تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ روزانہ نے کہا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ واقعی سپر ماسٹر سے تمھارے تعلقات اب ختم ہو گئے ہیں۔"

"سپر ماسٹر سے تعلق رکھنا میرے لیے کوئی فخر کی بات نہیں تھی۔ اچھا ہوا کہ یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔"

"لیکن فرہاد یہ تو سوچو کہ سپر ماسٹر کی وجہ سے کتنا زبردست سہارا تھا تم جہاں چاہتے تھے، ہر ملک میں اپنے لیے جگہ بنا لیتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کے لیے رہائش کے اور دوسرے تمام انتظامات پلک جھپکتے ہی کر لیتے تھے۔ اب کیا ہوگا؟"

"دیکھو مادام روزانہ، آدمی کے ہاتھ میں ہتھیار ہوں تو وہ دشمن سے لڑتا ہے، ہتھیار نہ بھی ہوں تب بھی وہ دشمن سے کسی نہ کسی طرح لڑتا ہے کیونکہ وہ زندہ رہنا چاہتا ہے۔ زندہ رہنے کے لیے آدمی ہر حال میں اپنی لڑائی جاری رکھتا ہے۔ آج تو صرف یہودی ہمارے دشمن بن گئے ہیں۔ کیا تم نے ہمارا ریکارڈ نہیں پڑھا کہ سپر ماسٹر جیسی طاقت بھی ہماری دشمن رہ چکی ہے۔ اس وقت بھی ہم زندہ تھے۔ جب میرے اللہ کی یہ مرضی ہے کہ میں یہودیوں سے ٹکراؤں تو چلو یہی سہی۔"

میں سامنے دیوار پر نظریں جمائے جیسے سوچنے لگا لیکن میں مادام روزانہ کے دماغ میں جھانک رہا تھا۔ وہ ابھی میرے لیے کسی حد تک اجنبی تھی۔ تعارف پوری طرح ہو چکا تھا لیکن تعارف حاصل ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اندر کی بات معلوم کرنی پڑتی ہے اس لیے میں رہ رہ کر جب تک اُس کے دماغ میں جھانکنے لگتا تھا۔ اس وقت وہ سوچ رہی تھی "بے شک فرہاد کے لیے اب مشکلات سامنے آئیں گی۔ یہ یہودی بڑی تیزی سے ساری دُنیا میں پھیلتے جا رہے ہیں اور اپنے ذرائع وسیع کر رہے ہیں اور مستحکم بھی ہو رہے ہیں ادھر فرہاد اُن کے مقابلے میں بالکل تنہا ہے۔"

میں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "تم کیا سوچ رہی ہو؟"

اگر سونیا سے یہ سوال کرتا تو وہ پلٹ کر جواب دیتی کہ بڑے انجان بن کر پوچھ رہے ہو۔ کیا تم سوچ پڑھنا نہیں جانتے ہو لیکن مادام روزانہ کے ساتھ ابھی پہلی پہلی ملاقات تھی۔ وہ یہ جانتی تھی کہ میں ٹیلی پیتھی جانتا ہوں۔ بے چاری بھول گئی۔ میری بات کا جواب دیا "میں سوچ رہی ہوں کہ ہمیں یہاں سے اب چلنا چاہیے۔ پھر خیال آتا ہے کہ ابھی تو ماسٹر نیومین اس شخص کے ساتھ باہر گئے ہیں۔ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ اُن کا تعاقب ہو رہا ہے یا نہیں۔ کیا تم ماسٹر نیومین سے معلوم نہیں کر سکتے؟"

"ٹھیرو میں ابھی بتاتا ہوں۔"

میں ماسٹر نیومین کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اس شخص کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اپنی کار میں بیٹھ رہا تھا۔ کار کے دروازے بند کرنے کے بعد اُس نے ڈیش بورڈ کے حصے سے چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکالا۔ پھر اُسے آن کر کے کوڈ ورڈز میں کسی کو مخاطب کیا۔ میں اُس کے دماغ سے کوڈ ورڈز کے پیچھے چھپی ہوئی گفتگو کو سمجھ سکتا تھا۔ وہ اپنے ماتحتوں سے پوچھ رہا تھا۔ "کیا ہمارا تعاقب ہو رہا ہے؟"

اُسے جواب ملا "جی ہاں، دو آدمی آپ کا تعاقب کر رہے ہیں۔ آپ کے سامنے ایک سُرخ رنگ کی اسپورٹس کار میں ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ اُس نے عقب نما آئینے میں آپ کو اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔ شاید وہ آپ کا تعاقب کرے گی۔"

ماسٹر نیومین نے پوچھا "ان دو تعاقب کرنے والے آدمیوں کے متعلق بتاؤ۔ وہ اس وقت کہاں ہیں؟"

"وہ آپ سے بہت دُور ہیں ایک ایسی جگہ ہیں کہ وی آئی پی ویٹنگ روم کی طرف باہر سے دیکھتے رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

ماسٹر نیومین ٹرانسمیٹر کو آف کر کے سوچنے لگا "وہ دو آدمی یقیناً فرہاد اور مادام روزانہ کا تعاقب کریں گے۔ کیا انھیں شبہ ہے کہ پلین پریمی کے پیچھے فرہاد کی شخصیت چھپی ہوئی ہے لیکن میں فرہاد کو کیسے بتاؤں۔ کاش کہ وہ مجھ سے دماغی رابطہ قائم کرتا۔"

میں نے کہا "ماسٹر میں آپ کے دماغ میں موجود ہوں اور ساری باتیں معلوم کر چکا ہوں۔ میرا خیال ہے مجھے فرہاد کی حیثیت سے کوئی نہیں پہچان سکے گا۔ پھر مادام روزانہ بھی اپنی اصل صورت میں نہیں ہیں۔ ہلکی سی تبدیلی اُن کے چہرے پہ بھی کی گئی ہے۔"

ماسٹر نے کہا "جی ہاں مادام اس وقت جس روپ میں ہیں وہ پنڈت پران پریمی کی سیکریٹری کا ہے۔ بہت سے لوگ مادام کو پران پریمی کی سیکریٹری کی حیثیت سے جانتے ہیں تعاقب کرنے والوں کے لیے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر بھی یہ معلوم کرنا ہی ہوگا کہ وہ آپ لوگوں سے کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

میں نے کہا "ماسٹر اس کا ایک طریقہ ہے۔ ابھی آپ نے جس ماتحت سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کیا تھا۔ اُس سے پھر رابطہ قائم کریں اور اُسے حکم دیں کہ جو آدمی ہماری تاک میں ہیں۔ اُن سے کسی طرح سامنے جا کر باتیں کرے میں اُس ماتحت کے ذریعے اُن کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر لوں گا۔"

ماسٹر نے خوش ہو کر کہا "ہاں یہ بات ہوئی نا۔ میں تو بھول ہی گیا تھا کہ آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ ابھی لیجیے۔"

وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے پھر رابطہ قائم کرنے لگا۔ میں نے دماغی طور پہ حاضر ہو کر مادام روزانہ کو بتایا کہ ماسٹر نیومین سے کیا باتیں ہوئی ہیں اور کس طرح دو آدمی ہماری تاک میں باہر کھڑے ہوئے ہیں۔ مادام روزانہ نے کہا "تم کہو تو میں باہر جا کر اُن دونوں کو اپنے پیچھے لگا کر لے جاتی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد واپس آؤں گی تو وہ دونوں لاپتہ ہوں گے۔ میں انھیں ڈاج بھی دے سکتی ہوں اور انھیں کسی گڑھے کے اندر بھی پھینک سکتی ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ماسٹر سے تمام معاملات طے کر لیے ہیں۔"

ماسٹر نیومین نے میری ہدایت کے مطابق ماتحت کو حکم دیا تھا کہ وہ تعاقب کرنے والوں کے سامنے جا کر کسی بہانے سے گفتگو کرے اور انھیں بھی گفتگو پہ مجبور کرے۔ وہ ماتحت اس وقت وی آئی پی ویٹنگ روم کے سامنے موجود تھا اور اُن تعاقب کرنے والوں کو تلاش کر رہا تھا لیکن وہ نظر نہیں آرہے تھے۔ وہ انھیں تلاش کرتا ہوا، اِدھر سے اُدھر بھٹکتا ہوا پھر وی آئی پی روم سے دُور چلا گیا۔

میں نے کہا "روزانہ وہ دو آدمی ہماری تاک میں نہیں تھے بلکہ وی آئی پی روم کے پاس کسی اور کو تاڑ رہے تھے شاید اُس کا تعاقب کرتے ہوئے کہیں گئے ہوں کیونکہ جس ماتحت کے دماغ میں، میں موجود تھا وہ انھیں تلاش کر رہا ہے لیکن وہ نظر نہیں آرہے ہیں۔ میدان صاف ہے۔ آؤ چلیں۔"

وہ اُٹھتے ہوئے بولی "ایک عورت رہ گئی ہے۔ وہ جو سُرخ رنگ کی کار میں بیٹھی ہوئی عقب نما آئینے میں آنے

جانے والوں کو دیکھ رہی ہے۔"

میں نے فوراً ہی ماسٹر تنوہین کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ اب اس کی کار آگے بڑھ گئی تھی اور وہ ایک شاہراہ سے گزر رہا تھا۔ میں نے پوچھا "جس سُرخ رنگ کی کار میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی کیا وہ تمہارا تعاقب کر رہی ہے؟"

"نہیں، میں مطمئن ہوں۔ وہ وہیں ایئرپورٹ کے پارکنگ ایریا میں اپنی کار کے اندر بیٹھی رہ گئی تھی میرے پیچھے نہیں آئی ہے۔"

میں ماسٹر کے دماغ سے واپس آگیا۔ روزانہ نے پوچھا۔ "کہاں گئے تھے؟"

میں نے اسے بتایا کہ وہ عورت سُرخ رنگ کی کار میں بیٹھی ہوئی ہے۔

"تو چلو، میں اس سے نمٹ لیتی ہوں۔ میں اس سے باتیں کروں گی۔ تم اس کے دماغ میں پہنچ جانا اور معلومات حاصل کر لینا کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔" میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "یہ مناسب ہے۔ تم آگے چلو۔ میں تمہارے پیچھے آہستہ آہستہ آتا ہوں۔"

ہم آگے پیچھے وہاں سے باہر نکلے۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی مجھ سے دُور نکل گئی۔ میں دھیمی رفتار سے آگے بڑھتا رہا۔ وہ پارکنگ ایریا میں جب اس کار کے قریب پہنچی تو ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ میں نے روزانہ سے پوچھا "کیا بات ہے، تم کیوں رُک گئی ہو؟"

"مسٹر فرہاد، یہ تو آپ کی بیگم صاحبہ ہیں۔"

میں چونک گیا۔ بیگم صاحبہ یعنی کہ بیوی؟ میری بیوی رسونتی تھی۔ رسونتی وہاں کیسے پہنچ سکتی تھی۔ میں نے حیرانی سے پوچھا "تم کیا کہنا چاہتی ہو، میری کوئی بیوی نہیں ہے۔"

"میں فرہاد کی بیوی نہیں کہہ رہی ہوں۔ تم اس وقت فرہاد نہیں، پران پریمی ہو اور تمہاری دھرم پتنی سُرلا یہاں کار میں بیٹھی عقب نما آئینے میں آنے جانے والوں کو دیکھ رہی ہے اور وہ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

میں نے پریشان ہو کر پوچھا "یہ کیا مصیبت آگئی ہے جہاز میں پران پریمی نے کہا تھا کہ اس کی بیوی سُرلا امریکہ میں ہے اور وہ اسی لیے امریکہ کی طرف گیا ہے۔"

"یقیناً یہی بات تھی، یہ یہاں کب آگئی پتہ نہیں۔"

"تو پھر پتہ چلاؤ۔ اس سے جا کر باتیں کرو۔ میں اس کے دماغ میں گھس کر معلوم کروں گا۔"

وہ آگے بڑھتے ہوئے کار کے پاس پہنچی۔ سُرلا نے اسے عقب نما آئینے میں دیکھ لیا ہوگا۔ فوراً ہی دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے بولی "ہیلو مادام۔"

مادام روزانہ نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا "سُرلا میں نے کتنی بار کہا ہے کہ جب میں میک اَپ میں ہوں تو مجھے مادام کہہ کر مخاطب کیا کرو۔ آس پاس دشمن ہوتے ہیں انھیں پتہ چل جائے گا۔ بائی دی وے کیا میں میک اپ میں پہچانی جاتی ہوں؟"

سُرلا نے انکار میں سر ہلا کر کہا "بالکل پہچانی جاتی ہو لیکن یہ تو سمجھ گئی ہو کہ میں نے تمھیں کیسے پہچان لیا۔"

مادام روزانہ نے اپنے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "او میں اپنی اس کمزوری کو بھول جاتی ہوں۔ چلتے وقت میرے بائیں ہاتھ کی مٹھی بند ہوتی ہے اور تم میری اس ایک حرکت کو خوب پہچانتی ہو۔"

اس پر دونوں ہنسنے لگیں۔ مادام روزانہ نے پوچھا "تم نیویارک میں تھیں۔ یہاں کیسے آگئیں؟"

"کل ہی آئی ہوں۔ معلوم ہوا کہ ہماری تنظیم کے لوگ اس طیارے سے آرہے ہیں اور ان میں میرے پتی بھی ہیں میں نے سوچا کیوں نہ یہاں آکر ان کا استقبال کروں۔ اسی لیے چلی آئی۔"

"ہاں تنظیم کے دفتر میں ہم نے یہی اطلاع دی تھی لیکن جہاز میں تمہارے پتی پنڈت پران پریمی نے فیصلہ کیا کہ وہ یہاں نہیں اتریں گے اور سیدھے نیویارک جائیں گے تاکہ وہاں تم سے ملاقات کر سکیں۔"

سُرلا مرجھا گئی۔ وہ مایوس ہو کر کچھ کہنا چاہتی تھی اسی وقت قدموں کی آہٹ سن کر اس نے نظریں اٹھاتے ہوئے میری جانب دیکھا۔ پھر ایک دم سے چونک گئی۔ اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر تازگی آگئی۔ کھِل کر مسکراتے ہوئے میری طرف بڑھتے ہوئے روزانہ سے بولی "جھوٹی کہیں کی۔ مجھ سے مذاق کر رہی تھیں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ میرے قریب آئی۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ اس نے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا۔ مغربی ملکوں میں محبت کرنے والے جوڑے سرِعام بغل گیر ہو جاتے ہیں کوئی اعتراض نہیں کرتا کیونکہ ان کی تہذیب یہی ہے لیکن یہ غنیمت ہوا کہ میں پران پریمی کے میک اپ میں تھا اور اس کی بیوی سُرلا بھی مشرقی تھی اور مشرقی لوگ مغربی ملکوں میں پہنچ کر بھی اتنے آزاد نہیں ہو جاتے کہ سرِعام ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جائیں۔ میں نے اس کے ہاتھوں کو محبت سے دبایا۔

وہ ایک نہایت قیمتی ساڑی پہنے ہوئے تھی۔ اگر وہ ساڑی اس کے بدن پر نہ ہوتی تب بھی سُرلا بہت قیمتی ہوتی۔ سر سے پاؤں تک وہ قابلِ دید تھی۔ اس کی زلفیں کھلی ہوئی تھیں اور بڑی ہی گھنی اور لانبی تھیں۔ جب شانے پر بکھری ہوتی ہوں گی تو حواس پر چھا جاتی ہوں گی۔ اس نے ہیرے موتیوں سے جڑے ہوئے زیورات پہنے ہوئے تھے۔ مادام روزانہ نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا "اس طرح کیا دیکھ رہے ہو۔ یہ وہی سُرلا ہے جو پچھلے سال حسینۂ عالم منتخب ہوئی تھی۔ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اخبارات میں تصویریں شائع ہوئی تھیں اور جگہ جگہ اس کے حُسن کا چرچا رہا تھا۔ دیکھو، پران پریمی کی امانت میں خیانت نہ کرنا۔"

سُرلا نے چونک کر ایک بار مادام روزانہ کو دیکھا پھر مجھے دیکھ کر بولی "اس کا کیا مطلب ہوا؟"

میں نے جلدی سے سُرلا کے بازو کو تھام کر کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا "یہاں باتیں کرنا مناسب نہیں ہے۔ مادام، تم کار ڈرائیو کرو۔ میں راستے میں سُرلا کو سب کچھ بتا دوں گا۔"

میں سُرلا کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مادام روزانہ نے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی۔ سُرلا حیران حیران سی مجھے دیکھ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ مادام روزانہ کے اس آخری جملے کا مطلب کیا ہے کہ پران پریمی کی امانت میں خیانت نہ کرنا اور یہ بات اس کے پران پریمی ہی سے کہی جا رہی تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک اُلجھی رہی۔ اتنی دیر میں کار پارکنگ ایریا سے نکل کر ایک شاہراہ پر پہنچ گئی تھی۔ تب میں نے کہا۔ "سُرلا تمھیں ذہنی طور پر زیادہ اُلجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا تمھیں حقیقت بتا دوں کہ میں تمہارا پتی پران پریمی نہیں ہوں۔"

یہ بات میں نے اپنے مخصوص لہجے میں کہی تھی۔ سُرلا نے پہلے تو حیرانی سے دیکھا۔ پھر بے یقینی سے کہا "دیکھو پران اگر تم آواز بدل کر بولو گے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بیوقوف بن جاؤں گی۔ تم سر سے پاؤں تک میرے سامنے موجود ہو اور اپنی موجودگی سے انکار کر رہے ہو۔"

مادام روزانہ نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے کہا "سُرلا، یہ درست کہہ رہے ہیں۔ میں اس بات کی گواہ ہوں اور تنظیم کے دفتر میں پہنچ کر تمھیں اس بات کا ثبوت مِل جائے گا۔ ماسٹر تنوہین بھی اس بات کی گواہی دیں گے۔"

وہ میرے ساتھ لگی ہوئی بیٹھی تھی۔ فوراً ہی کھسک کر ذرا دُور بیٹھتے ہوئے بولی "پھر آپ کون ہیں؟"

مادام روزانہ نے کہا "سُرلا، پہلے تم خود پہچاننے کی کوشش کرو کہ یہ کون ہیں؟"

"میں بھلا کیسے پہچانوں گی۔ یہ تو سر سے پاؤں تک میرے پران نظر آرہے ہیں۔"

"دیکھو یہ وہ ہستی ہے جس کے متعلق ہم سوچتے اور باتیں کرتے ہیں۔ تم نے ان کا پورا ریکارڈ پڑھا ہے اور ان کی آواز بھی کیسٹ میں سُنی ہے۔ کیا آواز سن کر، لب و لہجہ پہچان کر تم انھیں پہچان نہیں سکتیں؟"

اس نے مجھے غور سے دیکھا پھر کہا۔ "آپ ذرا پھر بات کریں تو میں پہچاننے کی کوشش کروں۔"

میں نے مسکرا کر کہا "میں کیا بات کروں، تم تو مجھ سے اتنی دُور کھسک گئی ہو جیسے میں تمھیں کچا چبا جاؤں گا۔"

وہ چاہتی تھی کہ میری باتیں جاری رہیں اور وہ میرے لب و لہجے کو پہچاننے کی کوشش کرتی رہے، باتوں کو جاری رکھنے کے لیے اس نے کہا "مسٹر آپ جو کوئی بھی ہیں اتنا تو جانتے ہی ہوں گے کہ ہندوستانی عورت صرف اپنے مرد کو ہاتھ لگاتی ہے اور اسے ہی ہاتھ لگانے کی اجازت دیتی ہے۔ باقی دوسروں کے سائے سے بھی دُور رہتی ہے۔"

"ہاں، میرا تعلق بھی مشرق سے ہے اور میں مشرقی شرم و حیا کو خوب سمجھتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ ایک دم سے چونک کر، دیدے پھیلا کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی "ہائے رام، آپ تو فرہاد علی تیمور ہیں۔"

مادام روزانہ نے زور کا قہقہہ لگایا۔ میں نے مسکرا کر سر ہلاتے ہوئے کہا "میں فرہاد ہوں۔ تم بھی ذہین لگتی ہو میرے لب و لہجے سے مجھے پہچان لیا۔"

سُرلا نے مسکرا کر خوش ہوتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے یوں جکڑ لیا جیسے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بول رہی ہو "فرہاد صاحب، یقین کریں آپ سے ملنے کی بڑی آرزو تھی۔ یقین نہیں آرہا ہے کہ آپ اس وقت میرے ہی پتی کے روپ میں بیٹھے ہیں۔ میں تو آپ کو بہت پہلے ہی پہچان لیتی لیکن آپ عورت کے مزاج کو سمجھتے ہیں۔ میں اپنے شوہر کی شخصیت سے اتنی متاثر تھی کہ ان کے تاثر میں آپ کے لب و لہجہ کو پہچان نہ سکی۔"

مادام روزانہ نے کہا "مسٹر فرہاد، یہ سُرلا غیر معمولی یادداشت

رکھتی ہے۔ اس کا حافظہ بہت ہی تیز اور مستحکم ہے۔ دنیا کے ہر ملک، ہر خطے کے متعلق وسیع معلومات رکھتی ہے۔ ہم سب اسے چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا کہتے ہیں۔"

میں نے سرلا کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "پھر تو میری معلومات میں اضافہ ہوگا۔ میں لندن میں یہودیوں کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ سنا ہے کہ لندن میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ یہ لوگ کس علاقے میں زیادہ رہتے ہیں اور ان کی مصروفیات کیا ہیں؟ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو؟"

وہ تھوڑی دیر تک سر جھکائے سوچتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔ "ہاں کسی حد تک مجھے ان کے متعلق معلومات ہیں۔ یہ یہودی تقریباً اسی برس پہلے لندن میں آئے تھے۔ وہ کرامویل کا زمانہ تھا۔ پہلے یہ ایسٹ اینڈ میں آباد ہوئے۔ پھر یہ پھیلتے ہوئے لندن کے شمال مغرب تک پہنچ گئے۔ یہاں دو مشہور علاقے ہیں۔ اسٹام فورڈ ہل اور گولڈرز گرین۔ ان دو علاقوں میں یہودیوں کی اکثریت ہے۔"

میں نے کہا۔ "سرلا، جب تم نے میرا تمام ریکارڈ پڑھا ہے تو کیا میرے متعلق موجودہ معلومات حاصل ہیں کہ ان دنوں میں کن لوگوں سے الجھا ہوا ہوں؟"

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، میں آپ کے موجودہ حالات سے واقف نہیں ہوں۔ بس اتنا پتہ چلا ہے کہ پچھلے دنوں آپ اپنی ساتھی عورتوں کے ساتھ جنگلوں میں پھنسے ہوئے تھے اور سپر ماسٹر آپ کو وہاں سے نکالنے کی کوشش میں مصروف تھے۔"

"یہ بات پرانی ہو چکی ہے لیکن اس میں تازگی اس لیے ہے کہ ہمیں پھنسانے والا جو شخص ہے اس کا نام جلال بیگ ہے۔"

"یہ میں جانتی ہوں۔ اس نے ایک سنڈیکیٹ قائم کیا ہے۔ بلیک سنڈیکیٹ اور اس کا وہ بگ باس بنا ہوا ہے۔"

"اور یہ بھی جانتی ہو گی کہ وہ تنہا اتنی بڑی تنظیم نہ تو قائم کر سکتا تھا، نہ کامیابی سے چلا سکتا تھا۔ اس کی پشت پناہی یہودی کر رہے ہیں۔"

سرلا نے مسکرا کر کہا۔ "اب سمجھی۔ اس لیے آپ یہودیوں کے متعلق معلوم کر رہے ہیں۔ بے شک یہ میرے لیے خوش قسمتی کا مقام ہے کہ میں آپ کے کام آؤں گی۔ میرے پتی بھی آپ کے بہت بڑے مداح ہیں۔"

"تم ایسے مقام یا کلب وغیرہ کا پتہ بتاؤ جہاں معروف یہودی شخصیتیں جمع ہوتی ہیں۔"

اس نے کہا۔ "یہودیوں کے کلب لندن کے ایسٹ اینڈ میں ہیں۔ ایک کلب کا نام ہے 'دی براڈی'، دوسرے کا نام ہے دی بیرنالڈ ہیرلڈ اور تیسرے کلب کا نام دی اسٹیپنی ہے۔"

مادام روزانہ نے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔ "چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا۔ اب یہ اپنی معلومات کے ذریعے تمہیں یہودیوں کی رگ رگ میں لہو کی طرح دوڑا دے گی۔"

میں نے پھر تعریفی نظروں سے سرلا کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرائی۔ نظریں جھکا کر بولنے لگی۔ "یہ یہودی مذہبی اور سماجی تقریبات کے لیے جہاں جمع ہوتے ہیں اس جگہ کو سیناگوج کہتے ہیں۔ یہ سیناگوج جن مقامات میں ہیں ان مقامات کے نام بھی بتاتی ہوں۔ سننے چاہئیں۔ اولڈ کیسن اسٹریٹ، کمرشل روڈ، آکسفورڈ سرکس۔ اگر آپ کورٹن الزبتھ یا پاٹیس فلیس گارڈن کے فون نمبر سات زیرو آٹھ سات پر فون کر کے رابطہ قائم کریں اور انہیں یہ بتائیں کہ آپ لندن میں اجنبی ہیں تو سیناگوج کے یہودی افسران اور کتنی ہی یہودی عورتیں آپ کے استقبال کے لیے آجائیں گی۔ یہ لوگ بہت ہی ملنسار ہوتے ہیں۔ اپنی باتوں سے اور اپنے حسن سلوک سے دوسروں کا دل جیت لیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ ذرا ہچکچائی۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ "دیکھیے، آپ مسلمان ہیں اور میں یہودیوں کی تعریف کر رہی ہوں۔ یقیناً آپ کو ناگوار گزر رہا ہو گا۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "نہیں، مسلمان ایسے تنگ نظر بھی نہیں ہوتے کہ کسی کی خوبیاں نہ سن سکیں۔ میں ان مسلمانوں میں سے ہوں جو اپنا محاسبہ آپ کرتے ہیں۔ اپنی خرابیوں کو سمجھتے ہیں۔ دشمن کی خوبیوں کو جانتے ہیں۔ پھر فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم نے کہاں غلطی کی ہے۔ کہاں ٹھوکر کھائی ہے کہ ہم پے در پے نقصانات اٹھاتے جا رہے ہیں۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ اپنا محاسبہ کرنے والے مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔"

ایسا کہتے وقت میں سامنے خلا میں تک رہا تھا۔ کار میں بیٹھے بیٹھے کہیں دور پہنچ گیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ اس دنیا میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہے کہ ایک دوسرے کے آگے کھڑے ہو کر قطار بنائیں تو دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلمان ہی مسلمان نظر آئیں۔ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے شانے پر کھڑا ہو جائے اور ہر مسلمان کو اپنے شانے پر کھڑا ہونے کی اجازت دیتا رہے تو ایک کے اوپر ایک مینار بناتے ہوئے یہ آسمان کو چھو سکتے ہیں لیکن وہ بلندی کو چھونا نہیں چاہتے۔ اگر کسی ایک ملک کے مسلمانوں کو بلندی مل جاتی ہے تو وہ دوسرے ملک کے مسلمانوں کو مسکین سمجھ کر خیرات تو دیتا ہے مگر اسے اپنی بلندی کی طرف نہیں بلاتا۔ پستی میں رکھنا چاہتا ہے تاکہ چھوٹے بڑے، اونچ نیچ مسلمانوں میں بھی باقی رہے۔

میں سوچتے سوچتے چونک گیا۔ میں ان کے متعلق سوچ

کر کیا کروں؟ اپنے مسلمان بھائیوں کی بگڑی ہوئی قسمت کو کیسے بناؤں؟ اس لیے کہ قسمت ایک آدمی نہیں بناتا۔ سب کے سب متحد ہو کر بناتے ہیں۔ میری ٹیلی پیتھی ایک دو یا دس کھلاڑیوں کے بگڑے کام بنا سکتی ہے لیکن اجتماعی طور پر اس دنیا کے تمام مسلمانوں کی قسمت نہیں سنوار سکتی۔

میں اچانک اپنے خیالات سے چونک گیا۔ مادام روزانہ ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ "یہ اچانک خاموشی کیوں چھا گئی؟ تم دونوں پچھلی سیٹ پر کیا کر رہے ہو۔ کچھ گڑبڑ تو نہیں ہے؟"

اس نے چھیڑنے والی بات کہی تھی۔ سرلا نے ذرا ناراضگی سے کہا۔ "شٹ اپ! تمہیں تو فضول باتیں ہی سوجھتی ہیں۔ فرہاد صاحب اس وقت کہیں خیالوں میں کھو گئے ہیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

سرلا نے کہا۔ "بات کیوں نہیں ہے۔ جناب میں بھی تھوڑی ٹیلی پیتھی جانتی ہوں۔ بتاؤں کیا سوچ رہے تھے؟"

میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "اچھی بات ہے، بتاؤ۔"

"آپ یہ سوچ رہے تھے کہ کس طرح یہودیوں کو شکست دے سکتے ہیں اور کس طرح مسلمانوں کا بول بالا کر سکتے ہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہمارے درمیان کچھ اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔ میں یہودیوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے کوئی بھی میرے خیالات کو سمجھ سکتا ہے کہ میں ایسی ہی کوئی بات سوچ رہا تھا۔ دراصل ذہانت سے اگر کام لیا جائے تو وہی ذہانت ٹیلی پیتھی بن جاتی ہے۔ تم نے واقعی کسی حد تک میرے خیالات کو پڑھ لیا ہے۔ چلو پھر میرا خیال پڑھ کر معلوم کر لو کہ میں تم سے کیا باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "بالکل، میں نے تمہارا خیال پھر پڑھ لیا ہے۔ تم یہودیوں کے متعلق مزید معلومات چاہتے ہو۔"

اس کی بات پر میں نے اور مادام روزانہ نے خوب قہقہے لگائے۔ اس کی تعریفیں کیں کہ واقعی وہ ٹیلی پیتھی جاننے لگی ہے۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اب قہقہے بند کرو اور میری بات سنو۔ یہاں ایک یہودیوں کا رسالہ شائع ہوتا ہے۔ اس کا نام جیوئش کرونیکل ہے۔ یہ ہفتہ وار رسالہ ہے۔ اسے پڑھ کر لندن کے یہودیوں کی تمام مذہبی، سماجی اور تفریحی مصروفیات کے متعلق معلومات ہو جاتی ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "مادام! کیا یہ رسالہ مجھے مل سکتا ہے؟"

مادام روزانہ نے کہا۔ "کیوں نہیں۔ ہر ہفتے تمہارے پاس یہ رسالہ پہنچ جایا کرے گا۔"

میں نے سرلا سے کہا۔ "اور کوئی بات؟"

"آپ تو یہاں لندن میں رہیں گے۔ رفتہ رفتہ جس قسم کی معلومات درکار ہوں گی وہ میں اپنی یادداشت کے مطابق آپ کو پہنچاتی رہوں گی۔ یہودیوں کے درمیان اپنی جگہ بنانا ہے تو یہ کلب وغیرہ ہی زیادہ مناسب ہوں گے۔ یہاں اور بھی جن کلبوں میں ان کی تفریحی تقریبات ہوتی ہیں ان میں سے ایک کا نام بہت مشہور ہے اور وہ ہے ویسٹ سنٹرل کلب۔ یہ ہیننگ کورٹ ہائی ہال کی طرف ہے۔ دوسرا کلب ہے، ہائی بیوری اینڈ ڈالسٹن۔ اس کے علاوہ ایک ہے کریکل ووڈ سیناگوج۔ وہ کلب......"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ایک دم سے جھینپ گئی۔ چہرے پر حیا کی لالی بکھر گئی۔ اس نے جلدی سے میری طرف سے منہ پھیر کر کھڑکی کے پار دیکھنا شروع کیا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ تم کچھ کہتے کہتے رک کیوں گئیں؟"

اس نے پلٹ کر میری طرف نہیں دیکھا۔ انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں، اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔ جب کچھ معلومات درکار ہوں گی تو میں بتا دوں گی۔"

میں نے چپکے سے اس کے دماغ میں جھانکنا شروع کیا۔ اس کے دماغ میں ابھی سیناگوج کی بات گونج رہی تھی جس کے متعلق وہ بات ادھوری چھوڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس وقت اس کا دماغ سوچ رہا تھا۔ ہائے رام! میں معلومات پہنچاتے پہنچاتے کیا کہنے لگی تھی۔ میں بھول گئی تھی کہ میرے سامنے میرا پتی نہیں بلکہ فرہاد موجود ہے اور مجھے ایسی معلومات نہیں پہنچانی چاہئیں۔

میں نے اس کی سوچ میں سوال کیا۔ "آخر حرج کیا ہے۔ وہ معلومات کیسی ہیں کہ مجھے شرم آنے لگی؟"

اس کی اپنی سوچ نے کہا۔ "واہ شرمانے کی بات نہیں ہے؟ وہ سیناگوج کریکل ووڈ کے علاقے میں ہے۔ وہاں صرف ایسی یہودی لڑکیاں جاتی ہیں جو سترہ برس سے کم نہ ہوں اور وہ یہودی لڑکے جاتے ہیں جو اٹھارہ برس سے اوپر ہوں۔ وہاں خفیہ تقریبات ہوتی ہیں۔ اب یہ بات میں فرہاد سے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ چھی چھی!"

ایسی سوچ کے دوران اس کے دماغ میں دوسری سوالیہ سوچ ابھری۔ "میں فرہاد کے ساتھ کیسے ایک ہی چھت کے نیچے رہوں گی۔ یہاں ہمیں میاں بیوی کی حیثیت سے اپنی کوٹھی میں رہنا ہوگا۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم ایک کوٹھی

میں رہیں گے ایک بیڈ روم میں تو نہیں رہیں گے۔ ہمارے درمیان ہمیشہ شرافت کی دیوار حائل رہے گی۔"

اُس کی سوچ نے کہا: "میں شرافت سے رہ سکتی ہوں مگر فرہاد کا ریکارڈ تو اِس سلسلے میں بہت ہی خراب ہے۔ میں اِس کوٹھی میں اُس کے ساتھ تنہا نہیں رہ سکتی!"

یہ سوچتے ہی اُس نے مادام روزانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "روزانہ! میرے پتی جب نیویارک پہنچ جائیں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ میں یہاں ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ فوراً ہی لوٹ کر یہاں چلے آئیں۔ اِس سے پہلے ہی میں آج رات کو کسی طیارے سے نیویارک چلی جاؤں گی۔ ماسٹر ہنومین سے کہوں گی کہ وہ پران کو اطلاع دے دیں۔ وہ وہیں رُکے رہیں، میں آ رہی ہوں۔"

مادام روزانہ نے کہا: "ٹھیک ہے۔ میں ماسٹر ہنومین سے بات کروں گی لیکن یہ یاد رکھو کہ پران پریمی اُس وقت تک لندن نہیں آئیں گے جب تک فرہاد صاحب یہاں موجود رہیں گے۔ رہ گئی تمھاری بات تو یہاں پران پریمی کے اور تمھارے جتنے رشتے دار ہیں اُن لوگوں کو یہ سمجھانا ہوگا کہ تم آج ہی پتی سے ملی ہو لیکن یہ سمجھانا مشکل ہے کہ آج ہی انھیں چھوڑ کر نیویارک کیوں جا رہی ہو۔ بات کچھ بگڑ جائے گی۔ معاملات کو سمجھنا ہوگا اور اُس کے مطابق تمھیں عمل کرنا ہوگا۔"

"میں تنظیم کے ہر کام کے لیے حاضر ہوں لیکن یہ تو سوچو میں مسٹر فرہاد کے ساتھ اپنی کوٹھی میں بیوی کی حیثیت سے کیسے رہ سکتی ہوں۔"

مادام روزانہ نے کہا: "کیوں نہیں رہ سکتیں۔ یہ تمھارے سچ مچ کے پتی تو نہیں ہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "سرلا بی بی مجھ سے ڈر رہی ہیں، جہاں تک زبان کا تعلق ہے تو قسمیں کھا کر یقین دلا سکتا ہوں کہ میں انھیں اُنگلی سے بھی چھونے کی کوشش نہیں کروں گا۔ ان سے تنہائی میں ہمیشہ دُور رہوں گا بشرطیکہ یہ میری زبان پر اور میری شرافت پر یقین کر سکیں۔ ویسے افسوس کی بات تو یہ ہے کہ میرا پچھلا ریکارڈ بہت خراب ہے۔"

مادام روزانہ ہنسنے لگی۔ سرلا جھینپ کر دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا: "میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں اور تمھاری تو بے حد عزت کرتا ہوں۔ تمھاری جیسی ذہین عورتیں میں نے بہت کم دیکھی ہیں۔ ذہین بھی اور حسین بھی۔"

یہ کہہ کر پھر میں نے اپنے گال پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "توبہ توبہ مجھے صرف ذہین کہنا چاہیے تھا، حسین نہیں کہنا چاہیے تھا۔ حسین کہنے سے کچھ حُسن کی تعریف ہو جاتی ہے اور اِس تعریف کے نیچے چھپی ہوئی بہت سی اچھی بُری باتیں بھی سمجھ میں آنے لگتی ہیں۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔ چلو اب میں کہتا ہوں کہ تم حسین نہیں ہو۔ نہایت ہی بدصورت اور چڑیل لگ رہی ہو۔"

سرلا ایک دم سے منہ دبا کر ہنسنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہماری کار ایک ایسی شفاف سڑک پر سے گزرنے لگی جس کے ایک طرف اونچی دیواریں تھیں۔ مادام روزانہ نے کہا: "یہ دیواریں پچیس ہزار مربع گز کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اس احاطے کے اندر پنڈت پران پریمی کی خوب صورت کوٹھی ہے۔ اُس کے آس پاس خوب صورت باغیچہ ہے اور باغیچے سے پرے اور بہت سے خوب صورت ڈیزائن کے چھوٹے چھوٹے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ ان تمام مکانات میں پران پریمی اور سرلا کے تمام رشتہ دار اور اُن کے نوکر چاکر رہتے ہیں۔"

سرلا نے کہا: "ہم اپنی باتوں میں یہ بھول گئے کہ فرہاد صاحب کو میرے اور پران کے تمام رشتہ داروں سے غائبانہ تعارف کرا دینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ اُن کا سامنا ہوتے ہی یہ جھجک سی محسوس کریں اور انھیں پہچان نہ سکیں۔"

میں نے کہا: "یوں بھی غائبانہ تعارف سے کچھ نہیں ہوگا، جب تمھارا کوئی رشتے دار سامنے آئے گا تو میں چہرے سے اس کو نہیں پہچان سکوں گا۔ دماغ میں جھانک کر ہی اُسے پہچان سکتا ہوں۔ ابھی کوٹھی میں پہنچتے ہی جتنے بھی رشتے دار ہوں اُن سب سے یہ کہہ دینا کہ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اور میں ان سے نہیں مل سکوں گا۔ اس کے بعد تم باری باری اپنے رشتے داروں کو کسی نہ کسی کام سے یا کوئی بہانہ کرکے بُلاتی رہنا۔ انھیں میں دیکھتا رہوں گا اور تمھارے دماغ کے ذریعے اُن کے متعلق تفصیلات معلوم کرتا رہوں گا۔"

سرلا نے کہا: "ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

وہ کار اس احاطے کے اندر داخل ہو گئی۔ دُور ہی سے وہ خوب صورت کوٹھی نظر آ گئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ چھوٹا سا محل تعمیر کیا گیا ہے۔ آس پاس جو باغیچہ تھا۔ اُس میں طرح طرح کے رنگ برنگے پھول بہاریں لٹا رہے تھے۔ کار کا ہارن سنتے ہی دُور بنے ہوئے مکانات سے کچھ مرد، عورتیں، نوجوان لڑکے لڑکیاں نکل آئے تھے اور کار کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سرلا نے کہا: "اب یہ لوگ یہاں آئیں گے اور آپ کو پرنام کریں گے۔ یہ ان کے دستور میں شامل ہے۔"

کار پورچ میں رک گئی۔ میں نے سرلا سے کہا: "چلو، ہم فوراً ہی کوٹھی کے اندر چلیں۔ مادام روزانہ تمھارے رشتے داروں

کو بتا دیں گی کہ میں تھکا ہوا ہوں لہٰذا وہ ایک ایک کرکے ہمارے کمرے میں آکر مجھ سے ملاقات کریں اور مجھے پرنام کرکے چلے جائیں۔" ہم کار سے باہر آ گئے اور کوٹھی کے اندر جانے لگے۔ اس دوران میں نے سرلا کے خیالات پڑھنے کے بعد کہا: "تم اپنے پتی کے ساتھ اس طرح کار سے اُتر کر نہیں آتی تھیں کار سے اُترنے کے بعد تم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیا کرتے تھے اور مسکراتے ہوئے، باتیں کرتے ہوئے کوٹھی کے اندر داخل ہوا کرتے تھے۔ کیا یہ غلط ہے؟"

"نہیں تم درست کہہ رہے ہو۔"

"پھر تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں نہیں کیا۔ اس طرح تو لوگوں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ میں تمھارا پتی نہیں ہوں۔ دیکھو ہاتھ پکڑ لینے سے کوئی عزت نہیں چلی جاتی۔ شرافت قائم رہتی ہے ہم تو محض ایکٹنگ کر رہے ہیں۔ سچ مچ کے میاں بیوی تو نہیں بن رہے ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں میرے ساتھ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ ہی میں پران پریمی کے سوا کسی کے اتنے قریب رہی اس لیے جھجک رہی ہوں۔ کوشش کروں گی کہ تمھارے ساتھ پوری طرح تعاون کروں۔"

کمرے میں پہنچ کر میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "ابھی تم نے مجھے آپ بھی کہا اور تم بھی کہا۔ آپ اِس لیے کہا کہ میں فرہاد ہوں اور تم اِس لیے کہا کہ بے اختیار تمھارے منہ سے اپنے پتی کے تصور سے تم نکل گیا۔ جب تم اپنے پتی کو تم کہہ کر مخاطب کرتی ہو تو بھول جاؤ کہ میں فرہاد ہوں۔ مجھے بھی تم کہہ کر مخاطب کرو۔ ہاں جب ہم تنہا ہوں گے تو ایک دوسرے سے دُور رہیں گے اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ اپنی شرافت کو برقرار رکھیں گے کیوں ٹھیک ہے نا؟"

وہ مسکرا کر بولی: "ٹھیک ہے۔ تم مجھے حوصلہ دو گے تو میں ضرور ایسا کرتی رہوں گی۔"

میں نے پوچھا: "یہ یہاں آس پاس تمھارے رشتے دار کتنے ہیں؟"

"یوں تو دس گھر ہیں یعنی دس خاندان ہیں اور اُن کے افراد میرا خیال ہے کہ ساٹھ یا پینسٹھ ہوں گے۔"

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اُف تم نے پورا ہندوستان یہاں بسا رکھا ہے۔ میں اتنے لوگوں سے کیسے ملوں گا اور اتنے لوگوں کو کیسے یاد رکھوں گا۔ مجھے یاد رکھنے کے لیے میرے اپنے ضروری مسائل ہیں اور ان مسائل سے تعلق رکھنے والے دوست اور دشمن ہیں۔ میں صرف انھیں یاد رکھتا ہوں۔"

سرلا نے کہا: "مجبوری ہے۔ کیا کیا جائے، معلومات تو سبھی کے متعلق ہونی چاہییے۔ اگر تم نے کبھی کسی کو پہچاننے میں یا کسی کو غلط نام سے کر مخاطب کرنے کی کوئی حماقت کی تو بھید کھل جائے گا۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "چلو دیکھتے ہیں اپنے رشتے داروں کو ایک ایک کرکے بلاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد اُن رشتے داروں سے ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ ایک ایک کرکے آتے تھے اور میں سرلا کے دماغ سے پہلے ہی معلوم کر لیتا تھا کہ کون آ رہا ہے۔ اُس کا نام کیا ہے اور وہ اس احاطے کے اندر کہاں رہتا ہے۔ بہرحال اس ملاقات کے سلسلے میں میرا ایک گھنٹہ ضائع ہو گیا۔ جب آخری رشتے دار بھی ملاقات کرکے چلا گیا تو میں نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کہا: "سرلا، اب تمھیں بھی لباس بدلنے اور آرام کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہو گی کیا خیال ہے؟"

"ہاں میں دوسرے کمرے میں جا رہی ہوں لیکن اپنے باورچی کو کھانے کے لیے بتانا ہوگا۔"

میں نے کہا: "آج باورچی کو چھٹی دے دو۔ ہم ٹھیک سات بجے نکلیں گے اور کہیں رات کا کھانا کھائیں گے۔ مجھے

باہر نکل کر بہت سی معلومات حاصل کرنی ہیں۔ ابھی میں تھوڑا وقت خیال خوانی میں گزاروں گا۔"

وہ کمرے سے جانے لگی۔ میں نے آواز دے کر کہا "سرلا، ایک بات بتاؤ۔ میں اس کمرے میں ہوں اور تم دوسرے کمرے میں رہو گی۔ اگر کوئی رشتے دار کوٹھی کے اندر آ کر دیکھے گا تو تمہاری علیحدگی کے متعلق کیا سوچے گا؟"

سرلا نے جواب دیا "ہم کوٹھی کے جس حصے میں ہیں، وہاں ہماری اجازت حاصل کیے بغیر کوئی رشتے دار نہیں آتا ہے۔ جتنے بھی لوگ آتے ہیں وہ ڈرائنگ روم یا ٹی وی لاؤنج تک محدود رہتے ہیں۔"

میں نے کہا "یہ اچھی بات ہے۔ میں مطمئن ہوں۔"

یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف آیا۔ سرلا چلی گئی۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ بند دروازے کے اُس پار سرلا نظر نہیں آ سکتی تھی مگر میری دماغی آنکھیں اُسے دیکھ رہی تھیں۔ آدمی کتنا ہی فرشتہ بنتا رہے مگر اُس کے دماغ کے ایک چور گوشے میں ایک چور چھپا ہوتا ہے جو اچھی چیز کے لیے للچاتا رہتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کرم ہے، مجھے اچھی سے اچھی چیزیں ملتی رہتی ہیں مگر مجھ پر شیطان کی مار بھی ہے کہ میں اتنا کچھ حاصل ہونے کے باوجود جب کبھی چمکتے دمکتے حسن کو دیکھتا ہوں تو بے اختیار اُس کے متعلق سوچنے لگتا ہوں۔ سرلا کچھ ایسی ہی تھی۔

میں دروازے سے پلٹ کر ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ سرلا کو اپنے دماغ سے جھٹکنے لگا۔ انسانیت کے ناتے میں برائیوں سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہوں اور میرا یہ مصمم ارادہ تھا کہ میں سرلا کی طرف کبھی ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا نہ کبھی اسے دماغی طور پر ٹریپ کر کے یا اُس کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پران پریمی کے اعتماد کو دھوکا دوں گا۔ ویسے سرلا بھی ایسی نہیں تھی۔ بہت ہی مستقل مزاج اور مستحکم ارادے کی عورت نظر آتی تھی۔

بہرحال مجھے اب اُس کے متعلق نہیں، اپنے ساتھیوں کے متعلق سوچنا تھا۔ اُس سے پہلے میں نے مادام روزانہ کی خبر لی کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے۔ وہ اسی کوٹھی کے ایک خفیہ کمرے میں تھی۔ اس کمرے میں ٹرانسمیٹر وغیرہ تھے اور وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے ماسٹر سے باتیں کر رہی تھی۔ اُن کی گفتگو کا موضوع یہی تھا کہ پران پریمی کو اب نیویارک سے واپس نہیں آنا چاہیے اور سرلا کو کچھ دنوں تک یہاں دوسرے پران پریمی کے ساتھ رہنا چاہیے۔ پھر کسی بہانے وہ نیویارک چلی جائے گی لیکن فوری طور پر اپنے موجودہ پران پریمی کو چھوڑ کر جائے گی تو رشتے داروں کو بھی شبہ ہوگا اور سرلا اور پران پریمی کے جو مشترکہ دوست احباب ہیں وہ بھی سوچنے لگیں گے کہ یہ میاں بیوی اتنے الگ کیوں ہو گئے کہ میاں لندن میں موجود ہے اور بیوی اُسے چھوڑ کر نیویارک جا رہی ہے لہٰذا ابھی سرلا کو یہیں رہنا چاہیے۔"

ماسٹر نیومین نے سرلا کے متعلق یہ حکم دینے کے بعد پوچھا۔ "مسٹر فرہاد ہم سے ناراض تو نہیں ہیں؟"

"نہیں، بالکل نہیں۔ وہ تو بہت ہی خوش اور مطمئن ہیں۔"

"مسٹر فرہاد کو یقین دلانے کی کوشش کرتی رہو کہ سپر ماسٹر اُن کے اور یہودیوں کے معاملے میں غیر جانبدار رہنے کے باوجود چھپکے چھپکے اُن کی مدد ضرور کرتے رہیں گے اور اب بھی ہم اُن کے کام آ رہے ہیں۔ آیندہ بھی کسی کے علم میں آئے بغیر ہم اُن کی خدمت کے لیے ہر ملک میں موجود رہیں گے۔"

میں مادام روزانہ کے دماغ سے واپس آ گیا۔ سپر ماسٹر اور اُس کے ماتحت بظاہر مجھ سے الگ ہونے کے باوجود چھپکے چھپکے میرا ساتھ دے رہے تھے لیکن میں بہت زیادہ دنوں تک اُن پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ ابھی مجبوراً اُن کی امداد قبول کر رہا تھا کیونکہ سونیا، مرجانہ اور سائرہ بانو کو اُن کی پناہ سے نکالنا تھا۔ یہ کام ہو جانے کے بعد میرا ارادہ تھا کہ اچانک ہی اپنی پران پریمی والی شخصیت کو ختم کر دوں اور سپر ماسٹر وغیرہ کی نظروں سے بھی کہیں روپوش ہو جاؤں۔

میں ایسا اس لیے سوچ رہا تھا کہ سپر ماسٹر کو میں بہت زیادہ عزیز نہیں تھا بلکہ میری دہشت اور میری صلاحیتوں کی وجہ سے وہ دوستی کرنے پر مجبور تھا اور کسی مرحلے پر بھی دشمنی کر کے مجھے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی طرح یہودیوں کی دولت اُن کے ملک کے بہت کام آتی تھی اور بھی ایسے یہودی ذرائع تھے جو سپر ماسٹر کے ملک کے لیے بہت ہی ضروری تھے۔ اس طرح دیکھا جائے تو یہودی بھی سپر ماسٹر کے لیے بہت ملائی والے اور بیالے تھے۔ وہ اُن سے بھی اسی طرح دوستی نبھا رہے تھے جس طرح مجھ سے نباہ رہا تھا یعنی کبھی انہیں یہ بتا نہیں سکتا کہ میں اور میرے ساتھی کہاں ہیں تو شاید وہ اپنے کسی مفاد کے تحت انھیں بتا دے یا میرے مفاد کے خلاف کبھی کسی دوسری طرح اُن کی مدد کرے اور وہ مدد میرے لیے کسی حد تک نقصان دہ ثابت ہو۔ یہ سیاسی چالیں میں خوب سمجھتا تھا۔ اس لیے پہلے ہی سے میں نے طے کر لیا تھا کہ موقع ملتے ہی سپر ماسٹر کی تنظیم والوں سے بھی روپوش ہو جاؤں گا۔

یہ تمام باتیں سوچنے کے بعد پہلے میں نے رسونتی سے

رابطہ قائم کیا۔ اُس سے رسمی گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے اپنی محبت کا یقین دلایا۔ اُسے تسلیاں دیں۔ پھر میں نے غلام سے رابطہ قائم کر کے کہا "دیکھو غلام میرے حالات اچانک ہی بدل گئے ہیں۔ جو دوست تھے وہ نیم دشمن نظر آ رہے ہیں اور اُن کا کوئی صحیح روپ میرے سامنے نہیں ہے لہٰذا تم جلد سے جلد رسونتی کو لے کر اس جگہ سے چلے جاؤ اور کسی ایسی جگہ قیام کرو کہ وہاں رسونتی کا دل بہلتا رہے اور اُس کی صحت بحال ہوتی رہے۔"

"آقا، آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں کل صبح اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ مالکہ کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ کسی کو خبر نہیں ہوگی کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور میرا وعدہ ہے کہ جب تک میری سانس چلتی رہے گی کوئی دشمن مالکہ تک اور آپ کے بچے تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

اُدھر سے اطمینان ہونے کے بعد اب میں سونیا اور مرجانہ سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ پہلے میں نے شرارتاً سوچا تھا کہ سونیا اور مرجانہ وغیرہ سے خیال خوانی کا رابطہ نہیں رکھوں گا اور اُن پر یہ ظاہر کروں گا کہ میں خیال خوانی کے قابل نہیں رہا ہوں اور کسی سے رابطہ قائم نہیں کر رہا ہوں اس طرح میں سونیا کے قریب رہ کر اُس سے چھیڑ چھاڑ کر سکوں گا لیکن حالات ایسے بدل گئے تھے کہ میری شرارت دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ مجبوراً میں نے پہلے مرجانہ سے رابطہ قائم کیا۔

وہ اپنی امی کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ میں نے کہا "ہیلو مرجانہ کہو کیا حال چال ہے؟"

وہ خوش ہو کر بولی "ہم سب خیریت سے ہیں۔ تمہاری ہی فکر تھی۔ کہو لندن پہنچ گئے ہو؟"

میں نے پوچھا "تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں لندن پہنچنے والا ہوں؟"

"ابھی ماسٹر عبداللہ بن صمیم سے باتیں ہوئی تھیں ماسٹر نے کہا ہے کہ تم اس وقت لندن میں ہو اور سپر ماسٹر کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ فرہاد کی مرضی کے مطابق سائرہ بانو کو اور اُن کی حفاظت کے لیے سونیا کو پاکستان بھیج دیا جائے اور مجھے لندن پہنچایا جائے۔ کیا یہ درست ہے؟"

"بالکل درست ہے۔ تمہاری امی کیا کہتی ہیں؟"

"وہ بہت پریشان ہیں۔ میرے لیے بھی پریشان رہتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ میں لندن میں تنہا کیسے رہوں گی۔ میں نے انھیں سمجھایا ہے کہ تم میرے ساتھ موجود رہو گے۔"

"اپنی امی سے کہو کہ ہم ڈیئر جمال کو بھی لندن میں رکھیں گے۔ اس طرح کہ تم دوسرے روپ میں ڈیئر جمال کی بیٹی بن کر لندن میں علاج کے لیے پہنچو گی۔ وہاں جمال صاحب تمہارے ساتھ رہیں گے تو تمہاری امی کو اطمینان رہے گا۔"

یہی بات مرجانہ نے سائرہ بانو کو بتائی تو وہ ذرا مسکراتے ہوئے بولیں "بیٹے تمہاری بڑی مہربانی ہے کہ تم میری بیٹی کی حفاظت کے لیے ایسے انتظامات کر رہے ہو۔ تم اور جمال صاحب مرجانہ کے پاس رہو گے تو میں مطمئن رہوں گی۔ اب میں اطمینان سے پاکستان چلی جاؤں گی۔"

"ہاں امی آپ کو جانا چاہیے۔ سونیا کے ہوتے ہوئے آپ بالکل فکر نہ کریں۔ وہ آپ کی ہر طرح حفاظت کرے گی۔"

اُس کے بعد میں نے مرجانہ سے پوچھا "تم ماں بیٹی وہاں سے کب تک روانہ ہو جاؤ گی۔ کیا ماسٹر نے اس سلسلے میں کچھ بتایا ہے؟"

"ماسٹر نے کہا ہے کہ ایک آدھ گھنٹے بعد ہمارے سفر کا کوئی نہ کوئی انتظام ہو جائے گا۔ میں اِدھر لندن کے لیے روانہ ہوں گی اور امی پہلے پیرس جائیں گی۔ وہاں جس طیارے میں سونیا سفر کرے گی وہاں سے امی اس طیارے میں سوار ہو جائیں گی اس طرح وہ دونوں ایک ساتھ ہی پاکستان پہنچیں گی۔"

"مرجانہ تمہیں بھی اپنی امی کے ساتھ پیرس تک جانا چاہیے تاکہ تم پیرس سے ڈیئر جمال کے ساتھ باپ بیٹی بن کر واپس آ سکو۔ یہ بات میں ابھی ماسٹر عبداللہ بن صمیم کو سمجھا دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے دماغ میں پہنچا اور اُسے یہ بات سمجھا دی کہ مرجانہ کو پہلے پیرس پہنچایا جائے پھر وہاں کے ماسٹر سے رابطہ قائم کر کے بتایا کہ کس طرح مرجانہ اور ڈیئر جمال کو باپ بیٹی بنا کر لندن بھیجا جائے۔

یہ معاملات طے کرنے کے دوران ایک بات سمجھ میں آئی کہ میں جلد ہی پران پریمی کے روپ سے نجات نہیں پا سکوں گا۔ اور نہ ہی سپر ماسٹر اور اُن کے آدمیوں سے چھپ سکوں گا کیونکہ اِدھر مرجانہ لندن پہنچنے کے بعد جب تک زیر علاج رہے گی اس وقت تک ہم سب سپر ماسٹر کی نظروں میں رہیں گے۔ میں مرجانہ کو سپر ماسٹر کے رحم و کرم پر چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ اس لیے ابھی کچھ عرصہ درکار تھا اور اس عرصے تک مجھے سپر ماسٹر کی نظروں میں رہنا تھا۔

میں سب سے آخر میں سونیا کے پاس پہنچا۔ "ہیلو سونیا کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں؟"

"حاضر تو ہو ہی گئے ہو۔ پوچھ کیا رہے ہو۔ ویسے میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔"

"شکر ہے تمھیں میرے انتظار کا رنگ تو لگا۔"

"اب بکواس نہ کرو۔ میں دوسری ضرورت سے مجبور ہو کر تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی تھی۔"

"مجھے اس ضرورت پر پیار آ رہا ہے جس نے تمھیں مجبور کر دیا۔ بتاؤ کیا بات ہے؟"

"بات یہ ہے کہ تم نے اچانک جو فیصلہ تبدیل کیا ہے کہ تمھیں سائرہ بانو کی حفاظت کے لیے پاکستان جانا چاہیے تو اس فیصلے کا شکریہ۔ میں بہت خوش ہوں کیونکہ میں کسی نہ کسی بہانے تم سے دور رہنا چاہتی تھی۔ لندن میں رہتی تو تم سے ضرور کہیں نہ کہیں سامنا ہوتا یا تم بھیس بدل کر میرے آگے پیچھے گھومتے رہتے۔ پاکستان یہاں سے ہزاروں میل دور ہے اور تم مجھ سے ہزاروں میل دور رہو گے۔ میں خدا کا شکر ادا کرنے اور تم سے دور رہنے کی خوشی کا اظہار کرنے کے لیے تمھارا انتظار کر رہی تھی۔ اب بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

"کیسے بھاگ جاؤں۔ ابھی تو یہ طے کرنا ہو گا کہ تم پاکستان میں کس حیثیت سے رہو گی۔ کیونکہ تم اردو زبان بول نہیں سکتی ہو۔"

اس نے اردو زبان میں کہا۔ "میں اردو اچھے سے بولتی ہوں۔"

"ہائے کیا بولتی ہو۔ تمھاری اردو سننے والے بے ہوش ہو جائیں گے۔ خدا کے لیے انگریزی ہی بولتی رہو اور اردو لکھنے پڑھنے اور بولنے کی مشق کرتی رہو۔ سائرہ بانو تمھیں اس سلسلے میں مدد دیں گی۔"

"ٹھیک ہے میں جلد سے جلد تمھاری زبان سیکھنے کی کوشش کروں گی اور بولو۔"

"پاکستان پہنچ کر تم خود فیصلہ کرو کہ کس حیثیت سے وہاں رہو گی۔ کیا سائرہ بانو کے ساتھ رہنا مناسب ہے یا ان سے الگ رہ کر ان کی نگرانی کرتی رہو گی۔ تم جس حیثیت کا بھی اپنے لیے تعین کرو مجھے تھوڑی دیر بعد بتا دینا۔ میں پھر تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

میں نے سونیا کو بتایا کہ مرجانہ بھی اپنی امی کے ساتھ پیرس پہنچ رہی ہے۔ وہاں سے مرجانہ اور ڈیڈ جمال کو باپ بیٹی کی حیثیت سے لندن بھیجا جائے گا یہ بات وہ پیرس کے ماسٹر سے بھی طے کر لے۔ یہ تمام باتیں سونیا کو سمجھانے کے بعد دماغی طور پر میں اس کمرے میں حاضر ہو گیا جو پیران پریمی کے لیے مخصوص تھا۔

اپنے لوگوں کی خیریت معلوم کرنے کے بعد مجھے حشمت بیگ کا خیال آیا۔ یہ تو معلوم ہو ہی چکا تھا کہ اس کا بیٹا جلال بیگ بڑا ہی بے مروت اور موقع شناس نکلا تھا۔ اس کے دل میں باپ کے لئے بھی مروت نہیں تھی۔ اس نے اپنے ماتحت کو حکم دے دیا تھا کہ حشمت بیگ کی زندگی اس بم سے بچائی نہ جا سکے تو کسی ویرانے میں لے جا کر اسے گولی مار دی جائے اسے جلال بیگ کی موقع شناسی بھی کہہ سکتے ہیں۔ شاید وہ اپنے باپ کو مارنا نہ چاہتا ہو۔ صرف مجھ پر یہ ثابت کرنا چاہتا ہو کہ میں نے اس کے دماغ تک پہنچنے کے لئے اس کے باپ کو مہرہ بنا کر جو چال چلی ہے۔ وہ مہرہ بے جان ہے اور جلال بیگ کے سامنے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ باپ کے رشتے کا لحاظ کئے بغیر اس رشتے کو نابود کر دے گا۔ لیکن میرے سامنے نہیں آئے گا۔

واقعی میں یہ سوچنے پر مجبور ہو رہا تھا کہ میری چال ناکام ہو چکی ہے۔ جب حشمت بیگ ایک معمولی چیونٹی کی طرح مر جائے گا، اور جلال بیگ کو ذرا بھی صدمہ نہ ہو گا تو میں آئندہ اسے کسی طرح بھی بلیک میل نہیں کر سکوں گا۔ اس کی کسی بھی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسے ٹیلی پیتھی کی زد میں آنے پر مجبور نہیں کر سکوں گا۔

میں حشمت بیگ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اسی طرح وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہیل چیئر کے آہنی راڈ سے اس کے دونوں بازو بندھے ہوئے تھے۔ وہ ایک ہی جگہ سکون سے بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اور بیٹھنے پر مجبور بھی تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کسی گاڑی کے پچھلے حصے میں سفر کر رہا ہے۔ شاید اسے کسی دوسری جگہ منتقل کیا جا رہا تھا۔

میں جلال بیگ کے اس ماتحت کے دماغ میں پہنچ گیا۔ جو حشمت بیگ کے سامنے آ کر اس سے باتیں کر چکا تھا۔ وہ گاڑی کی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دماغ میں جلال بیگ کا یہ حکم گونج رہا تھا۔

"فرہاد علی تیمور سے سمجھوتا نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ کسی طرح بھی سودے بازی کے لئے راضی نہیں ہے۔ میں بھی کسی کے دباؤ میں آنے والا نہیں ہوں۔ اپنی بڑی سے بڑی مجبوریوں کو چٹکی بجا کر ختم کر سکتا ہوں۔ لہٰذا میرے ڈیڈی کو ختم کر دیا جائے۔"

میں نے حشمت بیگ کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "کیا میری سوچ کو محسوس کر رہے ہو؟"

وہ ایک طرف دیکھ کر پوری توجہ سے میری سوچ کو محسوس کرنے لگا۔ پھر بولا "فرہاد صاحب! کیا آپ موجود ہیں؟ میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"تم میرا انتظار کیوں کر رہے ہو؟"

"اس لئے کہ مجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا ہے۔ جب یقین

ہو جائے تو پھر صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ خوشی سے یا مجبوری سے اس موت کو گلے لگانا ہی ہے۔ اس لئے آخری وقت میں آپ کے ذریعے سائرہ بانو سے معافی مانگنا چاہتا ہوں ان سے کہئے کہ میری جان نکلنے سے پہلے مجھے معاف کر دیں۔ وہ معاف کر دیں گی تو میرا خدا بھی مجھے معاف کر دے گا۔"

"تمھیں کیسے یقین ہو گیا ہے کہ تم ابھی مر جاؤ گے؟"

تمہارا میرے بیٹے سے کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکا ہے میرے بیٹے نے کہلا بھیجا ہے کہ وہ تمہارے ذریعے مجھے موت سے نجات نہیں دلائے گا۔ اس کے ماہر میرے سینے پہ بندھے ہوئے بم کے تار ہٹانے کا خطرہ مول لیں گے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں تم ہمارے کسی بھی ماہر کو صحیح تار ہٹانے کا موقع نہیں دو گے مجھے مرنا ہی ہو گا۔"

"حشمت بیگ! تمہارے بیٹے نے تم سے جھوٹ کہا ہے۔ وہ اپنے ایک ایک ماتحت کو بہت اہم سمجھتا ہے۔ ان کے لئے تمہاری زندگی کو بھی ہیچ سمجھتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی ماتحت تمہارے سامنے آ کر بیٹھے اور اس بم کے تار کو ہٹا کر خود بھی تمہارے ساتھ موت کے منہ میں چلا جائے۔ یہ بم صرف تمہارے لئے نہیں، بلکہ تمہارے بیٹے کے تمام ماتحتوں کے لئے مصیبت بنا ہوا ہے۔ جانتے ہو وہ اس مصیبت سے کیسے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

اس نے پوچھا "کیسے؟"

"وہ تمھیں کسی ویرانے میں لے جا رہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر تمہیں ایک جگہ چھوڑ دیں گے۔ پھر تم سے اتنی دور چلے جائیں گے۔ جہاں سے وہ رائفل کے ذریعے تمہارے سینے پہ بندھے ہوئے بم کا نشانہ لے سکیں۔ وہاں سے وہ گولی ماریں گے۔ بم ایک دھماکے سے پھٹے گا، تمہارے چیتھڑے اڑیں گے اور دور کھڑے ہوئے لوگ محفوظ رہ کر وہاں سے واپس چلے جائیں گے۔"

وہ حیرانی سے سن رہا تھا۔ پھر انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں، نہیں۔ میں یقین نہیں کر سکتا۔ میرا بیٹا میری جان کا دشمن نہیں ہو سکتا۔ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ مجھے میرے بیٹے کے خلاف بہکا رہے ہو۔"

"سانچ کو آنچ کیا۔ ابھی تھوڑی دیر بعد تمہیں پتہ چل جائے گا۔"

میں نے خاموش رہ کر اس کی سوچ پڑھی۔ وہ میری باتوں کو ایک ذرا بھی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ اپنے بیٹے کے متعلق ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ سانپ کے بچے کو دودھ پلا کر پالا جائے تو وہ کسی وقت بھی ڈس سکتا ہے۔ آدمی کا بچہ اس طرح نہیں ڈس سکتا۔ اسی لئے وہ آدمی اپنے بچے کے متعلق ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

میں اس کے دماغ سے تھوڑی دیر کے لئے واپس آ گیا یعنی طور پر پیران پریمی کے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت شام کے سات بجنے والے تھے۔ میرا اسے وعدہ تھا کہ سات بجے ہم یہاں سے نکلیں گے۔ ذرا لندن کی سیر کریں گے اور کہیں رات کا کھانا کھائیں گے۔ میں نے چپکے سے سرلا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ آنکھیں بند کئے، اپنے سر پہ ہاتھ رکھے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ ذہنی پریشانیوں میں مبتلا تھی۔ اس کا پتی نیویارک میں تھا۔ اور مصنوعی پتی یہاں گھر میں بھی موجود تھا۔ اس نے مجھ سے بڑی دیر تک باتیں کی تھیں۔ میرے ساتھ اچھا وقت گزارا تھا۔ اس کے باوجود وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے فرہاد کے ساتھ وقت نہیں گزارا ہے۔ اس کے ساتھ ایئرپورٹ سے یہاں تک اس کا پتی ہی رہا ہے۔ بالکل وہی قد، وہی صورت، وہی لب و لہجہ، وہی انداز۔ کچھ بھی تو پران پریمی سے مختلف نہیں تھا۔ اس لئے اس کا دل میری طرف کھنچا جا رہا تھا اور وہ سنبھل سنبھل کر اپنے دل کو اور اپنے دماغ کو سمجھاتی تھی کہ یہ فریب ہے۔ اسے سنبھل کر رہنا چاہئے اور مجھ سے زیادہ سے زیادہ دور رہنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ایسی ہی کوشش کرتے ہوئے وہ کشمکش میں مبتلا ہو گئی تھی۔ باہر جانے کے لئے تیار نہیں ہو رہی تھی۔ بستر پر چپ چاپ لیٹی ہوئی تھی۔ مجھ سے سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ دور رہ کر میرے کام آتی رہے اور سپر ماسٹر کے احکامات کی تعمیل کرتی رہے۔ اس طرح کچھ ہی دنوں میں اس کا اپنا پتی واپس آجائے گا۔ یا اسے نیو یارک جانے کی اجازت مل جائے گی۔ تو یہ کشمکش ختم ہو جائے گی۔

میں نے سوچا۔ اچھا ہے۔ ابھی وہ کشمکش میں مبتلا رہے باہر جانے کے لئے تیار نہ ہو۔ میں بھی حشمت بیگ کے سلسلے میں کچھ دیر مصروف رہنا چاہتا تھا۔ میں پھر اس کے پاس پہنچ گیا۔ اب وہ گاڑی رک گئی تھی۔ اور حشمت بیگ کو اس کے پچھلے حصے سے نیچے اتارا جا رہا تھا۔ چار آدمی وھیل چیئر کو پکڑ کر گاڑی سے نیچے لا رہے تھے۔ حشمت بیگ نے آس پاس دور تک حیرانی سے دیکھتے ہوئے پوچھا "تم لوگ مجھے اس ویرانے میں کیوں لے آئے ہو؟ یہاں کیا ہے؟"

جلال بیگ کے ماتحت نے کہا "ہم اس ویرانے میں آپ کو اس بم سے نجات دلانے آئے ہیں۔ اگر آبادی میں اس کا تار ہٹانے کی کوشش کی جاتی اور ناکامی ہوتی تو وہاں زبردست دھماکہ ہوتا اور ہمیں قانون کے سامنے جوابدہ ہونا پڑتا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ ہم آپ کو بچانے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔"

باتوں کے دوران وہ آدمی وھیل چیئر کو چلاتے ہوئے اس سڑک سے دور لے جا رہے تھے۔ وہ بہت دیر تک اس گاڑی کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ تقریباً بیس منٹ گزر گئے۔ وہ سڑک نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ چاروں طرف ریگستان نظر آ رہا تھا۔ دور دور تک ریت کے اونچے اونچے ٹیلے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر انہوں نے گاڑی روک دی۔ پھر اس سے دور جانے لگے۔

حشمت بیگ نے پوچھا "مجھے یہاں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟"

جلال بیگ کے خاص ماتحت نے پلٹ کر کہا "ہم آپ کے بیٹے کے حکم سے مجبور ہیں۔ آپ سے اتنی دور جا رہے ہیں جہاں اس بم کے دھماکے سے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس کے بعد ہم آپ کو گولی مار دیں گے۔"

حشمت بیگ کا دل دھک سے رہ گیا۔ منہ حیرانی سے کھل گیا۔ دیدے پھیل گئے۔ میں نے پوچھا "اب بولو۔ اپنے بیٹے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

وہ گم صم بیٹھا ہوا تھا میری سوچ کو سن رہا تھا۔ میں نے کہا "حشمت بیگ یہ دنیا سانپوں کی بستی ہے۔ انسانوں کی آبادی میں سانپ تو نہیں ہوتے مگر سانپ کا ذہن رکھنے والے انسان ہوتے ہیں۔ جیسے تم نے پال پوس کر بڑا کیا۔ وہی آج تمہیں ڈس رہا ہے۔ کیا اب بھی اس حقیقت سے انکار کرو گے؟"

اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ اس کے دل سے آواز نکلی "خدایا! یہ سب کیا ہے؟ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اور کانوں سے سنتے ہوئے بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔ میرے اپنے بیٹے نے مجھے گولی مار دینے کا حکم دیا ہے۔ میں یہ یقین کیسے کر دوں؟"

میں نے کہا "جب تمہیں گولی مار دی جائے گی۔ تو یقین کرنے کا وقت گزر چکا ہو گا۔"

وہ گڑگڑا کر بولا "فرہاد صاحب! آپ کو خدا، رسول کا واسطہ آپ کو اپنی محبت کرنے والی ہستیوں کا واسطہ مجھے بچا لیجئے۔ میں کبھی آپ کی مخالفت نہیں کروں گا اور انشاء اللہ آپ کے کام آنے کی کوشش کروں گا۔"

"کیا واقعی میرے کام آؤ گے؟"

"آپ آزما کر دیکھ لیں۔"

"کیا تم مجھے اپنے بیٹے تک پہنچا سکتے ہو؟"

وہ ذرا چپ رہا۔ پھر بولا "میں خود اس کا پتہ ٹھکانہ نہیں جانتا۔ یہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن تم اس کے متعلق بہت سی معلومات فراہم کر سکتے ہو۔"

وہ پھر چپ رہا۔ سر جھکا کر سوچتا رہا۔ میں نے کہا "وہ لوگ بہت دور چلے گئے ہیں اور اب وہاں سے تمہارا نشانہ لینے والے ہیں۔ وقت بہت کم ہے جلدی فیصلہ کرو۔"

"آپ ان بدمعاشوں کو روک دیں۔ میں آپ سے اطمینان کے ساتھ باتیں کروں گا۔"

"یہاں ویرانی اور تنہائی ہے، سکون ہے۔ یہاں سے زیادہ اطمینان کہیں نہیں مل سکتا۔ جواب دو۔ کیا تم اپنے بیٹے کے متعلق اہم معلومات فراہم کرو گے؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "میں اپنے بیٹے سے کیسے دشمنی کروں؟ جسے گود میں کھلایا جسے دیکھ دیکھ کر میں زندہ رہا۔ کاش کہ آپ والدین کی محبت کو سمجھ سکتے۔ اولاد چاہے انہیں گولی مار دے لیکن وہ اپنی اولاد کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی جان بوجھ کر اسے کسی دشمن کے حوالے کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر اپنے بیٹے کے ہاتھوں مر جاؤ۔"

جلال بیگ کا خاص ماتحت اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہت دور جا چکا تھا۔ وہاں سے اس نے پلٹ کر حشمت بیگ کو دیکھا۔

پھر رائفل اٹھا کر سینے پر بندھے ہوئے بم کا نشانہ باندھنے لگا... حشمت بیگ تڑپنا چاہتا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھنا چاہتا تھا لیکن مجبور تھا، اٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس نے چیخ کر کہا "رک جاؤ! پہلے میری بات سن لو۔"

میں نے جلال بیگ کے خاص ماتحت کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ وہ حشمت بیگ کی کوئی بات سننا نہیں چاہتا تھا۔ وہ حکم کا بندہ تھا۔ فوراً ہی گولی مار کر قصہ تمام کرنا چاہتا تھا۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے رائفل نیچی کر لی۔ اپنے ماتحتوں کی طرف دیکھ کر بولا "تم لوگ اپنے اپنے ہتھیار پھینک کر دور چلے جاؤ۔"

اس کے ماتحت حیرانی سے اس کا منہ تکنے لگے۔ وہ کوئی سوال نہیں کر سکتے تھے کیونکہ انہیں گونگا، بہرا بننے کا حکم تھا، تاکہ فرہاد ان کے دماغوں تک نہ پہنچ سکے۔

اس ماتحت کی زبان سے میں نے ڈانٹ کر کہا "کیا تم لوگوں نے سنا نہیں۔ اپنے ہتھیار پھینک کر دور چلے جاؤ۔ میں کسی مصلحت کی بنا پر ایسا کہہ رہا ہوں۔ کیا تم مجھے دشمن سمجھ رہے ہو؟"

انہوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے اور وہاں سے دور جانے لگے۔ جب وہ دور پہنچ گئے تو جلال بیگ کے خاص ماتحت نے رائفل سیدھی کی۔ پھر تڑاتڑ فائرنگ کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے لگا۔ دو آدمی تڑپ کر گرے۔ باقی دو ماتحت بھاگنے لگے لیکن وہ کتنی دور جا سکتے تھے۔ موت تو ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔ تڑاتڑ دو بار فائرنگ کی آواز ویرانے میں گونجی پھر وہ دونوں بھی ریت پر گر کر تڑپنے لگے۔

اس نے رائفل پھینک دی اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے حشمت بیگ کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے کہا "میں نے تمہارے بیٹے کے چار ماتحتوں کو ختم کر دیا۔ اب تمہارے سامنے ہوں۔ تم سے پوچھتا ہوں۔ فرہاد کا ساتھ دو گے یا اپنے بیٹے کے ظالمانہ حکم کے مطابق مر جاؤ گے، میں ابھی تمہیں گولی مار سکتا ہوں۔"

وہ حیرانی سے دیدے پھاڑ پھاڑ کر اپنے سامنے کھڑے ہوئے اس شخص کو دیکھ رہا تھا اور میرے لب و لہجے کو محسوس کر رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا "فرہاد صاحب! کیا آپ بول رہے ہیں؟"

"ٹھیک سمجھ رہے ہو۔ جسم اس کا ہے، دماغ میرا ہے۔"

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کے خلاف آپ کا ساتھ دوں؟"

"ساتھ نہیں دو گے، تو یہ شخص تمہیں گولی مار دے گا۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا "یہ زندگی بھی کیا چیز ہے۔ زندہ رہنے کو دل چاہتا ہے لیکن میں کس دل سے بیٹے کی مخالفت کروں؟ نہیں فرہاد صاحب! آپ باپ کے دل کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ مجھے گولی مار دے۔ بیشک میں مر جاؤں گا۔ یہ اپنے ظرف اور اپنی محبت کی بات ہے، میں بیٹے کا دشمن نہیں بن سکتا۔"

حشمت بیگ بدترین دشمن تھا لیکن اس کی باتوں نے اس وقت مجھے متاثر کیا۔ کاش، آج کل کے بچے اپنے والدین کی محبت کو سمجھ سکتے جو راتوں کو جاگ جاگ کر ان کی پرورش کرتے ہیں۔ بیماری میں ان کے سرہانے بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کی ذرا سی مصیبت پر خود لہولہان پریشان ہوتے ہیں۔ جیسے ساری مصیبتیں ان پر نازل ہو گئی ہوں۔

میں اس ماتحت کے دماغ پر قابض تھا وہ حشمت بیگ کے سامنے جھک کر اس بم کی آہنی ڈبیہ کے ڈھکن کو کھولنے لگا۔ پھر اس نے دائیں طرف والے تار کو ہٹا دیا۔ خطرہ ٹل گیا۔ اس کے بعد اس نے بیلٹ کو کھول کر بم کو اس کے سینے سے علیحدہ کر دیا اور اسے پوری قوت سے اپنے سر کے اوپر گھماتے ہوئے دور پھینک دیا۔ وہ بم کہیں ریت میں جا کر دھنس گیا۔ کوئی دھماکہ نہیں ہوا۔

تھوڑی دیر بعد وھیل چیئر سے بندھا ہوا حشمت بیگ آزاد ہو چکا تھا اور کھڑے ہو کر اپنے دونوں بازوؤں کو سہلا رہا تھا میں نے کہا "اب اس رائفل کو ریت پر سے اٹھا لو اور تمہارے سامنے جو کھڑا ہوا ہے اسے گولی مار دو۔"

"نہیں۔ یہ میرے بیٹے کا ماتحت ہے۔ میں اسے کیسے مار سکتا ہوں؟"

"میں تمہیں اچھی بات سمجھا رہا ہوں۔ اگر تم اسے نہیں مارو گے اور میں اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دوں گا تو یہ تمہیں گولی مار دے گا، یقین نہ ہو تو خود ہی دیکھ لو۔"

یہ کہہ کر میں نے اس ماتحت کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا ہے پہلے تو وہ چکرایا۔ اپنے سر کو تھام کر چند لمحے تک سوچتا رہا پھر سمجھ گیا کہ میں نے اسے ٹریپ کیا تھا۔ اس نے کہا "فرہاد صاحب! کیا آپ موجود ہیں؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے آس پاس دیکھا۔ اس کی رائفل ریت پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ فوراً ہی لپک کر رائفل کو اٹھاتے ہوئے دور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ ریگستان کے نشیبی حصے میں ان کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے حشمت بیگ کی زبان سے کہا "ابھی تم نے اپنے چار ساتھیوں کو گولی کا نشانہ بنایا ہے۔ میں اس وقت فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ اب تمہارے سامنے حشمت بیگ ہے اور حشمت بیگ کے سامنے تم ہو۔ اگر تم حشمت بیگ کو گولی نہیں مارو گے اور ایسے ہی واپس جاؤ گے تو جلال بیگ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

ایسا کہنے کے بعد میں نے حشمت بیگ کے دماغ کو آزاد چھوڑ

دیا۔ اس وقت تک وہ ماتحت رائفل سیدھی کرتے ہوئے بول رہا تھا۔ "مجھے اپنا کام انجام دے کر ہی واپس جانا ہوگا۔"

رائفل سیدھی ہوتی دیکھ کر حشمت بیگ پیچھے کی طرف بھاگنے لگا اور نہیں، نہیں کی گردان کرنے لگا۔ "مجھے گولی مت مارو۔ رک جاؤ۔ مجھے میرے بیٹے کے پاس پہنچاؤ۔ میں اُسے سمجھاؤں گا، وہ میرا خون ہے، وہ میرا خون نہیں بہائے گا۔"

میں اس ماتحت کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ اس نے رائفل کی نال نیچی کرلی۔ اس کی جیب میں ایک چھوٹا سا ٹرانسمٹر رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے نکال کر کسی سے رابطہ قائم کیا۔ پھر کوڈ ورڈز کا تبادلہ کرنے کے بعد کہنے لگا۔ "میں یہاں اس ویرانے میں مسٹر حشمت بیگ کے سامنے تنہا ہوں۔ فرہاد صاحب نے میرے دماغ پر قابض ہوکر میرے چار ساتھیوں کو میرے ہی ہاتھوں سے گولی کا نشانہ بنا دیا ہے۔ اب میرے اور مسٹر حشمت بیگ کے درمیان ایک رائفل ہے۔ فرہاد صاحب جیسے چاہیں گے اس کے ہاتھ میں رائفل پہنچا دیں گے اور اس کے ذریعے کسی ایک کو ہلاک کردیں گے۔"

دوسری طرف سے کسی نے اجنبی زبان میں پوچھا۔ میں نے اس ماتحت کے ذریعے اس کا ترجمہ معلوم کیا۔ پوچھا گیا تھا، کہ کیا حشمت بیگ کے سینے سے وہ بم ہٹا دیا گیا ہے؟"

ماتحت نے جواب دیا۔ "جی ہاں! حشمت بیگ کو اس بم سے نجات مل گئی ہے۔ اب ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوئے ہیں۔"

"مسٹر فرہاد سے پوچھو، وہ کیا چاہتے ہیں؟"

میں اس ماتحت کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق بولنے لگا۔ "وہ چاہتے تھے کہ مسٹر حشمت بیگ اپنے بیٹے کے خلاف ان کا ساتھ دیں لیکن مسٹر حشمت بیگ اولاد کی محبت سے مجبور تھے انہوں نے مرجانا پسند کیا۔ لیکن اپنے بیٹے سے دشمنی منظور نہیں کی۔ باپ پھر باپ ہوتا ہے۔ اپنے بیٹے کے خلاف موت کا سامان نہیں کرسکتا۔ ان کا یہ جواب سن کر مسٹر فرہاد نے انہیں معاف کردیا ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ ایک باپ کے رشتے کا احترام کررہے ہیں لیکن آئندہ لیڈی سائرہ بانو اور مس مرجانہ کے خلاف کوئی کارروائی ہوگی تو حشمت بیگ کو اسی وقت ختم کردیا جائے گا۔"

دوسری طرف سے ٹرانسمٹر پر کہا گیا۔ "آپ مسٹر فرہاد کو یقین دلائیں کہ لیڈی سائرہ بانو اور مس مرجانہ سے آئندہ کبھی دشمنی نہیں کی جائے گی۔ وہ اطمینان رکھیں۔ جلال بیگ آئندہ دوست بن کر رہنے کی کوشش کرے گا۔"

میں نے اس ماتحت کی زبان سے کہا۔ "مسٹر فرہاد کو دوستی نہیں جلال بیگ کا سر چاہئے۔ اپنی ٹیلی پیتھی کے لئے ایک گھر چاہئے اور ان کا دعویٰ ہے کہ جلال بیگ کے دماغ میں اپنا گھر بنا کر رہیں گے۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "جب مسٹر فرہاد نے مسٹر حشمت بیگ کو معاف کردیا ہے۔ جب ہم لیڈی سائرہ بانو اور مس مرجانہ کو آئندہ کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے تو پھر دشمنی باقی نہیں رہتی۔ پھر فرہاد صاحب کیوں مسٹر جلال بیگ سے دشمنی کرنا چاہتے ہیں؟"

اس ماتحت نے جواب دیا۔ "جلال بیگ دنیا کا ذلیل ترین انسان ہے۔ اس نے پاکستان کے خلاف کام کیا ہے فرہاد صاحب اس کے دو ہزار ٹکڑے کریں گے۔"

"ٹھیک ہے ہم فرہاد صاحب کی اس خواہش کو اپنے بگ باس تک پہنچا دیں گے۔ فی الحال تم مسٹر حشمت بیگ کو واپس لے آؤ۔"

اس ماتحت نے ٹرانسمٹر سے رابطہ ختم کرنے کے بعد اسے جیب میں رکھتے ہوئے حشمت بیگ کی طرف دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "مسٹر فرہاد! کیا آپ موجود ہیں؟"

"میں موجود ہوں اور تم دونوں کو یہاں سے بخیریت واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں۔"

میری بات سنتے ہی وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے پھر وہاں سے اس طرف جانے لگے۔ جہاں وہ سڑک پر گاڑی چھوڑ کر آئے تھے۔ وہ دونوں خاموش تھے اور اپنی اپنی جگہ سوچتے جا رہے تھے۔ میں نے حشمت بیگ کے دماغ میں اس کی سوچ کے ذریعے کہا۔ "میرے بیٹے نے کتنی جلدی ہمت ہار دی تھی اور مجھے گولی مارنے کا حکم دے دیا تھا۔ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔ یا اللہ! کیا خون خون کا دشمن ہوجاتا ہے یہ کیسی بات ہے۔ میں سوچتا ہوں تو دل ڈوبنے لگتا ہے۔ اس دنیا سے نفرت ہوجاتی ہے۔ تمام رشتوں کو چھوڑ کر کہیں دور چلے جانے کو جی چاہتا ہے۔ بیٹے سے ضرور پوچھوں گا کہ وہ میری جان کا دشمن کیوں بن گیا تھا؟"

حشمت بیگ نے اپنے طور پر سوچا۔ "لیکن میں کیسے پوچھوں گا؟ براہِ راست اس سے گفتگو نہیں ہوتی ہے۔ ایک بات میں کہتا ہوں تو اس کا جواب کئی گھنٹے کے بعد اور بعض اوقات کئی دن کے بعد ملتا ہے۔ وہ اس قدر مصروف رہتا ہے اور ایسا گمنام اور گوشہ نشین ہوتا ہے کہ وہاں تک میری رسائی نہیں ہوتی۔"

اِس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات آٹھویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں

نویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں